ترجمہ اردو

تحریر الوسیلہ

بانی جمہوری اسلامی

حضرت امام خمینی

قدس سرہ

جلد سوم

موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی امور بین الملل

G.H. AWAN

ترجمہ اردو

تحریر الوسیلہ

بانی جمہوری اسلامی

حضرت امام خمینی

قدس سرہ

جلد سوم

موسسۂ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ امور بین الملل

485
مولانا طاہر عباس

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ

نام کتاب:	تحریر الوسیلہ
مصنف:	حضرت امام خمینی قدس سرہ
ناشر:	موسسۂ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ امور بین الملل
تاریخ:	ذی الحجہ سنہ ۱۴۱۳ھ
طباعت:	
قیمت:	۱۵۰ روپے

چاپ : شرکت نیرو چاپ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت، انبیاءؑ اور ائمہؑ کی پیروی کے نتیجہ میں جامع۔ جمیع صفات ہمہ گیر بلکہ جامع اضداد شخصیت تھی۔ ایک طرف وہ حوزہ علمیہ کے مانے ہوئے بزرگ اساتیذ، اور اصول و فقہ میں مہارت تامّہ رکھنے والے نامور مجتہدوں میں سے تھے۔ جنھوں نے اس میدان میں، دورِ حاضر میں، نئے نظریات پیش کئے اور فقہ سنتی کے کاروان کو آگے بڑھایا، تو دوسری طرف ایک مربّیِ اخلاق اور انسانوں کی روحانی و معنوی تربیت کرنے والے معلّم بھی تھے۔ میدانِ فلسفہ کے ایک ایسے عظیم شہسوار تھے کہ نہ صرف اس دور کے عظیم اہلِ نظر فلاسفہ میں ان کا شمار ہوتا تھا بلکہ اسلامی فلسفے میں پیدا ہو جانے والے جمود پر کاری ضرب لگا کر اسے پھر سے حوزہ ہائے علمیہ میں زندہ کرنے والے افراد میں پیش پیش رہے۔ اگرچہ اس راستے میں انھیں ایذاؤں کے ایسے چرکوں کا سامنا کرنا پڑا جن کا درد اور کسک عمر بھر آپ کے سینے میں آہ بن کر موجود رہا۔ اس کا کچھ اظہار آپ کے مشہور و معروف مکتوب "منشورِ روحانیت" سے بھی ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ عرفانِ عملی و نظری میں بھی اپنے دور کے بابائے عارفین کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسلام کے مختلف علمی موضوعات پر آپ کی مکمل گرفت کا ایک جیتا جاگتا ثبوت مختلف موضوعات پر آپکی بلند پایہ تصنیفات بھی ہیں۔

رہی عملی سیاست میں اُن کی جدوجہد، وقت کے طاغوتوں کے خلاف انکا معرکۂ اعلائے حق کے لئے ان کا جہاد۔ اور اس جدوجہد، معرکے اور جہاد میں ان کی پیہم استقامت، شجاعت، جرأت اور شہامت تو یہ ایک ایسا انقلاب آفریں باب ہے۔ جس کے نمونے دُنیا کے گوشے گوشے اور بچے بچے تک جا پہنچے ہیں۔ دورِ حاضر میں اسلامی اور انسانی مسائل کی شناخت، ان کے حل کے لئے ان کا قیام، حکمتِ عملی اور قیادت موجودہ زمانہ کا ایک ایسا "احسن القصص" ہے جس کی گواہی دینا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ شیطانی قوتوں کی نشاندہی اور الٰہی منصوبوں کی تکمیل کے لئے انکی پیغمبرانہ جدوجہد نے بندگانِ خدا کے دلوں کو مسخر کر لیا اور ایوانِ ظلم میں لرزہ برپا کر کے رکھ دیا۔

لیکن۔ اُن کی اتنی عظیم اور جامع شخصیت ہنوز اپنی وسعتوں اور گہرائیوں کے ساتھ دنیا پر روشن نہیں۔ ان کی سیاسی جدوجہد کی تند و تیز لہروں کا اثر تو ہر جگہ پہنچا، اور جس پہلو سے بھی جامعیت کے اس کوہ پیکر انسان پر کسی کی نظر پڑی اس نے اسی پہلو سے دیکھا جبکہ اسکے دیگر پہلو دیکھنے والے پر مخفی رہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ اس فاتحِ قلوبِ اہلِ انسان اور وارثِ انبیاء و اولیاء شخصیت کے پاکیزہ، انسان ساز، معاشرہ ساز اور توانا افکار و آثار تک ہر خاص و عام کی رسائی ہو۔

مؤسسہ تنظیم و نشر آثارِ امام خمینیؒ امور بین الملل نے اسی حوالے سے اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے جو اقدامات شروع کیے ہیں یہ ان کی علمی و ثقافتی کاوشوں کا ایک حصّہ ہیں۔

اس حوالے سے آثارِ امام خمینیؒ کے اُردو ترجمے کے سفر میں فقہی احکام پر مشتمل آپ کی معروف کتاب "تحریر الوسیلہ" کا ترجمہ ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کٹھن، نہایت مشکل اور اعلیٰ علمی کام کے لیے اقدام کرتے ہوئے ہمارے پیشِ نظر جو مقاصد ہیں اُن کا خلاصہ یوں پیش کیا جا سکتا ہے۔

● — حضرت امام خمینیؒ جو دورِ حاضر میں اسلامی قیادت کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے اور انکی ہمہ گیر شخصیت ساری نوعِ انسانی اور بالخصوص اہلِ اسلام کے لیے ایک منبعِ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ انکی ہمہ پہلو شناخت اسلامی اُمنگوں کی تکمیل کے راستے میں جو مسلسل راہنمائی کر سکتی ہے۔ اس کے لیے اس کتاب سے استفادہ کیا جا سکے۔

● — علمِ فقہ میں امامؒ کے استنباطات کو عصرِ حاضر اور آئندہ دور کے اُردو زبان محققین کی دسترس میں لایا جائے۔

● — آج بھی اہلِ اُردو کی بہت بڑی تعداد اپنی عملی اور روزمرہ زندگی میں حضرت امام خمینیؒ ہی کی تقلید میں ہے۔ اُن کی تفصیلی احکام کی ضرورت اس کتاب سے پوری ہو سکتی ہے۔

البتہ یہ بات اپنی جگہ پر بہت اہمیت رکھتی ہے کہ حضرت امام خمینیؒ کے بعض معرکۃ الآراء اجتہادات نے اجتہاد کی دُنیا میں گہری اور دور رس تاثیر چھوڑی ہے۔ خود ولایتِ فقیہ کے موضوع کو انھوں نے جس طرح سے فکری اور عملی طور پر حیاتِ نو بخشی ہے، وہ تو سب اہلِ نظر پر ہویدا ہے۔ لیکن اس کے باوجود امامؒ کی آرزو یہ رہی ہے کہ فکر و نظر کے اس کاروان کو زمان و مکان کے تقاضوں کے مطابق آگے بڑھتے رہنا چاہیے اور اس میں ہرگز جمود نہیں آنا چاہیے۔ انھوں نے ایک فقیہ اور مجتہد کے لیے جو شرائط بیان فرمائے ہیں وہ مشکل ہونے کے باوجود ناگزیر ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بزرگانِ ماسبق کی زحمتوں کے عظیم سرمائے کے تحفظ اور اس سے استفادہ کے بارے میں اُن کی روش اپنے حسنِ اعتدال کے اعتبار سے رہتی دنیا تک اس میدان کے سورماؤں اور اسلام شناس دلوں سے خراجِ تحسین وصول کرتی رہے گی۔ اس سلسلے میں ان کے نظریات کا یہ خلاصہ انتہائی اہم نکات کا حامل ہے۔

"میں فقہِ سنتی و اجتہادِ جواہری کا معتقد ہوں اور اس سے تخلف کو جائز نہیں سمجھتا۔ اجتہاد کی یہی روش صحیح ہے۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ اسلامی فقہ میں نشو و نما کی گنجائش نہیں ہے۔ اجتہاد میں زمان و مکان دو ایسے عناصر ہیں جو فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنے دور کے جملہ مسائل پہ مجتہد کی نظر ہونی چاہیے۔ ایک زیرک، فہیم اور صاحبِ فراست مجتہد میں ایک عظیم اسلامی معاشرے بلکہ غیر اسلامی معاشرے تک کی راہنمائی کی صلاحیت ہونا چاہیے۔ خلوص، تقویٰ اور زہد کہ جو مجتہد کی پہچان ہوتے ہیں، کے ساتھ اسے

حقیقی طور پر منتظم و مدبر بھی ہونا چاہیے۔"

"ایک حقیقی مجتہد کی نظر میں حکومت کا منشور پوری فقہ ہونا چاہیے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے فلسفۂ عمل سے عبارت ہے۔"

"ہمیں چاہیے کہ ہم حیلہ گر مغرب، متجاوز مشرق اور دنیا پر حکم فرما ڈپلومیسی کے زیر اثر آئے بغیر اسلام کی عملی فقہ کو ظہور میں لانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں ورنہ جب تک کتابوں اور علماء کے سینوں میں مستور رہے گی۔ اس سے عالمی لٹیروں کو کوئی خطرہ نہیں۔"

"آج کی اصطلاح میں جسے اجتہاد کہتے ہیں وہ معاشرے کا نظام چلانے کیلئے کافی نہیں۔ مراکز اور علماء کو چاہیے کہ ہمیشہ معاشرے کی فکر اور اس کی آئندہ ضروریات کی نبض پر ہاتھ رکھیں اور واقعات کے ظہور میں آنے سے پہلے ہی ہمیشہ چند قدم آگے بڑھ کر مناسب ردِ عمل کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھیں۔

"کیا بعید ہے کہ معاشرے کا نظام چلانے کے لئے رائج طریقے آئندہ بدل جائیں اور انسانی معاشروں کو اپنے مسائل کے حل کے لئے اسلام کے جدید مسائل کی ضرورت پڑے۔ اسلام کے عظیم علماء کو ابھی سے اس امر کی فکر کرنا چاہیے۔"

آخر میں ہم اپنے محترم قارئین کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ آثار امام خمینیؒ کی جمع آوری ان کے تحفظ اور منتقلی کے اس عمل میں اپنے عملی، فکری اور علمی افکار و آراء سے ہمیں مستفید فرمائیں اور "تحریر الوسیلہ" کے اس ترجمے کے حوالے سے بھی اپنے خیالات سے ضرور آگاہ فرمائیں۔ بعید نہیں کہ آپ کی ایک رائے اور آپ کا ایک تبصرہ سینکڑوں انسانوں اور سینکڑوں برسوں کے لئے عنوانِ خیر بن جائے۔

سرپرست اعلیٰ

سید سراج الدین موسوی

مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ

امور بین الملل

maablib.org

بسم الله الرحمن الرحيم

كتاب الرهن

و هو عقد شرّع للاستيثاق على الدين، و يقال للعين: الرهن والمرهون و لدافعها: الراهن، و لآخذها: المرتهن، و يحتاج إلى الايجاب من الراهن، و هو كل لفظ أفاد المقصود في متفاهم أهل المحاورة كقوله: «رهنتك» أو «أرهنتك» أو «هذا وثيقة عندك على مالك» و نحو ذلك، و القبول من المرتهن و هو كل لفظ دال على الرضا بالايجاب، و لا يعتبر فيه العربية، بل الظاهر وقوعه بالمعاطاة.

مسألة ١ ـ يشترط في الراهن و المرتهن البلوغ و العقل و القصد والاختيار، و في خصوص الأول عدم الحجر بالسفه و الفلس، و يجوز لولي الطفل و المجنون رهن مالهما مع المصلحة و الغبطه و الارتهان لهما كذلك.

مسألة ٢ ـ يشترط في صحة الرهن القبض من المرتهن باقباض من الراهن أو باذ ن منه، ولو كان في يده شيء وديعة أو عارية بل ولو غصباً فأوقعا عقد الرهن عليه كفى، و لا يحتاج إلى قبض جديد، ولو رهن المشاع لا يجوز تسليمه إلى المرتهن إلا برضا شريكه، و لكن لو سلمه إليه فالظاهر كفايته في تحقق القبض الذي هو شرط لصحته و إن تحقق العدوان بالنسبة الى حصة شريكه.

مسألة ٣ ـ انما يعتبر القبض في الابتداء، و لا يعتبر استدامته، فلو قبضه المرتهن ثم صار في يد الراهن أو غيره باذن الراهن أو بدونه لم يضر و لم يطرأه البطلان،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب رہن

قرض کی واپسی کے سلسلہ میں قرض دینے والے کے اطمینان کے لئے شریعتِ اسلام نے عقدِ رہن معین کیا ہے۔ اس عقد میں قرض دینے والے کے پاس گروی کے طور پر کچھ رکھا جاتا ہے چنانچہ جو چیز رکھی جائے اُسے "رہن یا مرہون" اس چیز کے دینے والے کو "راہن" اور اُسے گروی رکھنے والے کو مرتھن کہتے ہیں۔

اس عقد میں راہن کی طرف سے ایجاب اور مرتہن کی طرف سے قبول ضروری ہے۔ ایجاب سے مُراد ایسے الفاظ ادا کرنا کہ جنھیں اہلِ زبان اسی مفہوم کے لئے استعمال کرتے ہوں، مثلاً "ارھنتك او رھنتك" میں نے فلاں چیز تمھارے پاس گروی رکھی۔ یا "ھذا وثیقة عندك علی مالك" فلاں چیز میری جانب سے تمھارے مال کی ادائیگی پر ضمانت ہے۔ یہ تو ایجاب کی صورت اقبول کیلئے وہ الفاظ کافی ہیں جو ایجاب پر راضی ہونے کا اظہار کر رہے ہوں۔ اس عقد کا عربی زبان میں پڑھا جانا ضروری نہیں ہے بلکہ ظاہراً معاطات (لینے اور دینے) سے عقد واقع ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۱: راہن و مرتہن دونوں کا بالغ، عاقل اور صاحب قصد و اختیار ہونا ضروری ہے۔ راہن کے لئے خاص طور سے لازمی ہے کہ وہ سفاہت (کم عقلی) یا مفلسی کی وجہ سے ممنوع التصرف نہ ہو، بچے اور دیوانے کے "ولی" کے لئے جائز ہے کہ وہ ان کی مصلحت و منفعت کو دیکھتے ہوئے ان کی طرف سے کوئی چیز رہن رکھے یا رہن کے طور پر قبول کرے۔

مسئلہ ۲: عقد رہن کی شرائط صحت میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مرتہن عین مرہونہ کو راہن سے، یا اس کی اجازت سے قبضہ میں لے۔ چنانچہ اگر پہلے سے راہن کا کوئی مال امانت کے طور پر یا ادھار بلکہ غصبی طور پر مرتہن کے پاس موجود ہو اور راہن و مرتہن اسی پر عقد رہن پڑھنے پر متفق ہو جائیں تو نئے سرے سے قبض و اقباض کی ضرورت نہیں بلکہ وہی کافی ہے۔ اگر کسی ایسے مال کو رہن رکھے جس کے ہر جز میں دوسرا شریک ہو تو دوسرے شریک کی رضایت کے بغیر اس کو مرتہن کے قبضے میں دینا جائز نہیں۔ لیکن اگر وہ مال مرتہن کو دیدے تو ظاہراً قبضہ (تحقیق پذیر) ہو جائے گا کہ جو صحت عقد کی شرط ہے۔ اگرچہ اس کے شریک کے ساتھ زیادتی ہوگی۔

مسئلہ ۳: عین مرہون کو قبضہ میں لینا ابتداء میں معتبر ہے آخر تک اس کا قبضہ میں رہنا لازمی نہیں ہے پس اگر مرتہن کے قبضے میں آنے کے بعد وہ چیز راہن کے پاس چلی جائے یا کسی دوسرے کے پاس راہن کی اجازت سے یا بغیر اجازت کے پہنچ جائے تو کوئی حرج نہیں اور اس سے عقد رہن باطل نہیں ہوگا۔ البتہ مرتہن کو آخر تک

نعم للمرتهن استحقاق إدامة القبض و كونه تحت يده، فلا يجوز انتزاعه منه.

مسألة ٤ ـ يشترط في المرهون أن يكون عيناً مملوكاً يصح بيعه و يمكن قبضه، فلا يصح رهن الدين قبل قبضه على الأحوط و إن كان للصحة وجه، و قبضه بقبض مصداقه، و لا رهن المنفعة و لا الحر و لا الخمر و الخنزير و لا مال الغير إلا باذنه أو إجازته، و لا الأرض الخراجية ما كانت مفتوحة عنوة، و ما صولح عليها على أن تكون ملكاً للمسلمين، و لا الطير المملوك في الهواء إذا كان غير معتاد عوده، و لا الوقف ولو كان خاصاً.

مسألة ٥ ـ لو رهن ملكه مع ملك غيره في عقد واحد صح في ملكه، و وقف في ملك غيره على إجازة مالكه.

مسألة ٦ ـ لو كان له غرس أو بناء في الأرض الخراجية لا إشكال في صحة رهن ما فيها مستقلاً، و أما رهنها مع أرضها بعنوان التبعية ففيه إشكال، بل المنع لا يخلو من قرب، كما لا يصح رهن أرضها مستقلاً على الأقوى، نعم لا يبعد جواز رهن الحق المتعلق بها على إشكال.

مسألة ٧ ـ لا يعتبر أن يكون الرهن ملكاً لمن عليه الدين، فيجوز لشخص أن يرهن ماله على دين غيره تبرعاً ولو من غير إذنه، بل ولو مع نهيه، و كذا يجوز للمديون أن يستعير شيئاً ليرهنه على دينه ولو رهنه و قبضه المرتهن ليس لمالكه الرجوع، و يبيعه المرتهن كما يبيع ما كان ملكاً للمديون، ولو بيع كان لمالكه مطالبة المستعير بما بيع به لو بيع بالقيمة أو بالأكثر و بقيمة تامة لو بيع بأقل منها، ولو عين له أن يرهنه على حق مخصوص من حيث القدر أو الحلول أو الأجل أو عند شخص معين لم يجز له مخالفته، ولو أذنه في الرهن مطلقا جاز له الجميع و تخير.

مسألة ٨ ـ لو كان الرهن على الدين المؤجل و كان مما يسرع اليه الفساد قبل الأجل فان شرط بيعه صريحاً قبل أن يطرأ عليه الفساد صح الرهن، و يبيعه الراهن أو يوكل المرتهن في بيعه، و إن امتنع أجبره الحاكم فان تعذر باعه

وہ چیز اپنے قبضہ واختیار میں رکھنے کا حق حاصل ہے لہٰذا اس چیز کو مرتہن سے واپس لینا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۴: شئ مرہون کے لئے شرط ہے کہ وہ ملکیت ہو جسے بیچنا صحیح ہو اور اس کو قبضہ میں لینا ممکن ہو لہٰذا قرض پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو رہن رکھنا احتیاطاً صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ اس کے صحیح ہونے کی گنجائش (وجہ) موجود ہے۔ قرض پر قبضہ اس وقت صادق آئے گا جب مالِ قرض (مصداق) قبضہ میں آجائے۔ چنانچہ کسی مال کی منفعت، آزاد انسان، شراب، خنزیر اور کسی دوسرے کے مال کو اس کی اجازت واذن کے بغیر رہن (گروی) رکھنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اس خراجی زمین کو جو جنگ میں کامیابی کے ذریعہ سے حاصل کی گئی ہو، یا وہ زمین جسکے سلسلہ میں مصالحت ہو گئی ہو کہ وہ عام مسلمانوں کی ملکیت ہوگی۔ یا اس اُڑتے ہوئے پرندے کو جو کسی کی ملکیت ہو مگر عادتاً اسکا واپس آنا مشکل ہو یا (وقف) مال موقوف کو چاہے وقف خاص ہی ہو۔ رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۵: اگر اپنے مال کو دوسرے کے مال کے ساتھ ایک ہی عقد کے ذریعہ گروی رکھے تو اپنے مال میں عقد رہن صحیح ہوگا جب کہ دوسرے کے مال کو رہن رکھنے کا صحیح ہونا اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

مسئلہ ۶: اگر خراجی زمین میں عمارت ہو یا درخت کھڑے ہوں تو زمین سے جُدا بطور مستقل انکو رہن کے طور پر دینا بلا اشکال صحیح ہے۔ لیکن زمین کے ضمن میں درختوں یا عمارت کو اس طرح رہن پر رکھنے میں اشکال ہے کہ اصل عقد زمین پر ہو اور درخت یا عمارت زمین کی تبعیت میں ہو۔ بلکہ اسکا رہن نہ دیا جانا ہی قرین قیاس ہے اسی طرح درختوں یا عمارت سے جُدا زمین کو بھی بطور مستقل رہن رکھنا علی الاقوی صحیح نہیں ہے البتہ زمین سے متعلق حق کو رہن رکھنے کا جائز ہونا بعید نہیں ہے اگرچہ اس میں بھی اشکال ہے۔

مسئلہ ۷: رہن کا مدیون کی ملکیت ہونا لازمی نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے مال کو دوسرے کے قرض کے بدلے تبرعاً رہن کے طور پر دے دینا اس کی اجازت کے بغیر بلکہ اس کے منع کرنے کے باوجود جائز ہے۔ اسی طرح مدیون کے لئے کسی چیز کو عاریتاً لے کر رھن کے طور پر دینا بھی جائز ہے۔ اب اگر وہ عاریتاً لی گئی چیز کو رہن رکھ دے اور مرتھن اس پر قبضہ بھی کرے تو مالک حق رجوع نہیں رکھتا اور اگر مرتھن اس کو بیچنا چاہے تو اسی طرح فروخت کر سکتا ہے جس طرح اسے مدیون کی مملوکہ چیز فروخت کرنے کا حق ہے۔ اگر شئ مستعار بیچ دی جائے تو مالک اُدھار لینے والے سے اس قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے جس میں وہ چیز بیچی گئی ہے۔ بشرطیکہ مناسب قیمت یا اس سے زیادہ میں بیچی گئی ہو۔ لیکن اگر کم قیمت میں بیچی گئی ہو تو پوری رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

اگر مرتھن راہن کے لئے کیفیت رہن معین کر دے مثلاً فلاں مقدار فوری طور پر یا فلاں مُدت تک اور فلاں شخص کے پاس رہن رکھے تو راہن کے لئے اس کیفیت کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر ہر کیفیت میں بطور مطلق رہن رکھنے کا مجاز ہو تو اسکے لئے تمام صورتیں جائز ہیں اور کوئی بھی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

مسئلہ ۸: اگر ایسے قرض کے بدلہ رہن رکھا جائے جسکی ادائیگی کی مدت معین ہو اور رہن کے طور پر رکھی جانے والی چیز ایسی ہو جو اس مدت سے پہلے خراب (فاسد) ہو جانے والی ہو۔ اس صورت میں اگر فاسد ہونے سے پہلے اسکے بیچنے کی شرط صراحت کیساتھ کر دی گئی ہو تو عقد رہن صحیح ہے راہن کو چاہیئے کہ اسکو بیچ دے یا مرتھن کو وکیل بنائے کہ وہ بیچ دے۔

الحاكم، و مع فقده باعه المرتهن، فاذا بيع يجعل ثمنه في الرهن، و كذلك لو استفيد اشتراط البيع من قرينة كما لو جعل العين بماليتها رهنا، فيصح و تباع و يجعل ثمنها في الرهن، ولو اشترط عدم البيع إلا بعد الأجل بطل الرهن، و كذا لو أطلق و لم يشترط البيع و لا عدمه و لم يستفد الاشتراط بقرينة على الأقرب، ولو رهن ما لا يتسارع إليه الفساد فعرض ما صيره عرضة له كالحنطة لو ابتلّت لم ينفسخ، بل يباع و يجعل ثمنه رهناً.

مسألة ٩ - لا إشكال في أنه يعتبر في المرهون كونه معيناً، فلا يصح رهن المبهم كأحد هذين، نعم صحة رهن الكلي من غير فرق بين الكلي في المعين كصاع من صبرة معلومة و شاة من القطيع المعلوم و غيره كصاع من الحنطة لا تخلو من وجه، و قبضه في الأول إما بقبض الجميع أو بقبض ما عينه الراهن، و في الثاني بقبض مصداقه، فاذا قبضه المرتهن صح و لزم، و الأحوط عدم إيقاعه على الكلي، و لا يصح رهن المجهول من جميع الوجوه حتى كونه مما يتمول، و أما مع علمه بذلك وجهله بعنوان العين فالأحوط ذلك و إن كان الجواز لا يخلو من وجه، فاذا رهن ما في الصندوق المقفل و كان ما فيه مجهولاً حتى ماليته بطل، ولو علم ماليته فقط لا يبعد الصحة كما أن الظاهر صحة رهن معلوم الجنس و النوع مع كونه مجهول المقدار.

مسألة ١٠ - يشترط فيما يرهن عليه أن يكون ديناً ثابتاً في الذمة لتحقق موجبه من اقتراض أو إسلاف مال أو شراء أو استئجار عين بالذمة و غير ذلك حالاً كان الدين أو مؤجلاً، فلا يصح الرهن على ما يقترض أو على ثمن ما يشتريه فيما بعد، فلو رهن شيئاً على ما يقترض ثم اقترض لم يصر بذلك رهناً، و لا على الدية قبل استقرارها بتحقق الموت و إن علم أن الجناية تؤدي إليه، و لا على مال الجعالة قبل تمام العمل.

مسألة ١١ - كما يصح في الاجارة أن يأخذ المؤجر الرهن على الأجرة التي في ذمة المستأجر كذلك يصح أن يأخذ المستأجر الرهن على العمل الثابت في ذمة

اگر راہن بیچنے سے انکار کرے تو حاکم شرع اسکو بیچنے پر مجبور کریگا اور اگر معذوریت ہو تو حاکم شرع خود بیچ دے اور اگر حاکم شرع نہ ہو تو مرتھن اسکو بیچے گا اور بیچے جانے کے بعد اس کی قیمت بطور رہن رکھی جائے گی۔ اور اسی طرح اگر اس فاسد ہونے والی چیز کے بیچ دیئے جانے کی شرط واضح لفظوں میں نہ ہو بلکہ قرینہ سے پتہ چلتا ہو۔ مثال کے طور پر ہر "عین" کی مالیت کو رہن قرار دے تو اس صورت میں بھی عقد صحیح ہے۔ چنانچہ اس "عین" کو بیچ دیا جائے گا اور اس کی قیمت کو رہن رکھا جائے گا ـــــ اور چنانچہ یہ شرط رکھی جائے کہ ادائیگی قرض کی مدت سے پہلے "عین مرہونہ" کو نہ بیچا جائے، تو عقد رہن باطل ہے۔ اسی طرح اگر فروخت یا عدم فروخت دونوں میں سے کوئی شرط نہ رکھی جائے اور قرینہ سے بھی شرط مستفاد نہ ہوتی ہو تو اقرب یہ ہے کہ عقد باطل ہے ـــــ اگر ایسی چیز رہن کے طور پر رکھے جو بذات خود جلدی خراب نہیں ہوتی لیکن کسی دوسری چیز کے سبب اسکو خراب ہو جانیکا خطرہ لاحق ہو جائے۔ مثال کے طور پر گیہوں بھیگ جائے تو عقد فسخ نہیں ہوگا بلکہ اس چیز کو بیچ کر اسکی قیمت کو بطور رہن رکھا جائے گا۔

مسئلہ ۹: اس میں کوئی اشکال نہیں کہ "عین مرہونہ" کا معین ہونا ضروری ہے۔ کسی بھی مبہم چیز کو رہن رکھنا۔ مثلاً دو میں سے کوئی ایک۔ صحیح نہیں ہے۔ البتہ شئی کلی کے رہن رکھے جانیکی صحت کی وجہ موجود ہے۔ چاہے کلی کسی "معین" میں ہو۔ مثال کے طور پر گندم کے اس ڈھیر میں سے ایک صاع گیہوں۔ یا بھیڑ بکریوں کے موجود ریوڑ میں سے کوئی ایک بھیڑ یا بکری یا کلی غیر معین میں ہو مثال کے طور پر ایک صاع گیہوں میں سے ـــــ قبض و اقباض کا طریقہ یہ ہوگا کہ پہلی صورت یعنی کلی معین میں یا تو پورے گیہوں یا ریوڑ کو قبضہ میں لیا جائیگا یا پھر جو راہن معین کر دے جبکہ دوسری صورت یعنی کلی غیر معین میں مصداق کو قبضہ میں لیا جائے گا لہٰذا جیسے ہی مرتھن شئی مرہونہ پر قبضہ کریگا عقد صحیح اور ناقابل فسخ ہو جائیگا۔ مگر احتیاط کا تقاضہ ہے کہ شئی کلی پر عقد رہن واقع نہ کیا جائے ـــــ اور نا معلوم چیز کو کسی جہت سے چاہے از جہت مالیت ہی سہی رہن کے طور پر رکھنا صحیح نہیں ہے ـــــ لیکن اگر اس چیز کے قیمت دار ہونے کا علم ہو مگر اس چیز کا عنوان معلوم نہ ہو تو بھی احتیاط کے طور پر اس کا رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ اگر چہ جواز کے لئے بھی وجہ موجود ہے ـــــ پس اگر ایسی چیز کو رہن رکھے جو کسی صندوق میں بند ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کیا چیز ہے حتیٰ اس کی مالیت تک کا علم نہ ہو تو عقد رہن باطل ہے۔ لیکن اگر صرف مالیت کا علم ہو تو عقد رہن کا صحیح ہونا بعید نہیں ہے۔ جیسا کہ ایسی چیز کو رہن رکھنا۔ جس کی جنس یا نوع معلوم ہو لیکن اس کی مقدار نا معلوم ہو۔ ظاہراً صحیح ہے۔

مسئلہ ۱۰: جس چیز کے بدلے رہن رکھا جائے اسکا پہلے سے راہن کے ذمہ قرض کے عنوان سے ثابت ہونا شرط ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ راہن کے مقروض ہونیکے اسباب فراہم ہو چکے ہوں۔ یعنی اُسنے قرض لیا ہو۔ یا معاملہ سلفی انجام دیا ہو۔ کوئی چیز ہی خریدی ہو۔ کرائے پر لی ہو اور کرایہ اسکے ذمہ واجب الادا ہو یا اسی قبیل کے دوسرے اسباب۔ قرض چاہے فوری واجب الادا ہو یا بعد میں ادا کرنیکی مدت معین ہو۔ پس جس چیز کو بعد میں قرض لینے کا ارادہ ہو۔ یا خریدنا چاہتا ہو پہلے سے اسکے بدلے رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ پس اگر کوئی پہلے رہن رکھ دے کہ بعد میں قرض لیگا۔ تو یہ رہن نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی پر جنایت وارد کرے (یعنی اسے زدوکوب کرے) جسکے نتیجہ میں موت واقع ہو جانیکا اندیشہ ہو۔ چنانچہ اگر اس موت کی دیت کے بدلے میں پہلے سے رہن رکھنا چاہے تو یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ دیت ابھی متحقق نہیں ہوئی۔ چاہے وہ جانتا ہو کہ زدوکوب کی وجہ سے موت واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح کام مکمل ہونے سے پہلے مال جعالہ کے بدلے رہن رکھنا بھی صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۱: عقد اجارہ میں جسطرح موجر (اجارہ پر دینے والے) کیلئے اُجرت (کرائے) کے بدلے میں رہن لینا کہ جو مستاجر (اجارہ پر لینے

المؤجر.

مسألة ١٢ ـ الظاهر أنه يصح الرهن على الأعيان المضمونة كالمغصوبة و العارية المضمونة و المقبوض بالسوم و نحوها، و أما عهدة الثمن أو المبيع أو الأجرة أو عوض الصلح و غيرها لو خرجت مستحقة للغير فالأقوى عدم صحته عليها.

مسألة ١٣ ـ لو اشترى شيئاً بثمن في الذمة جاز جعل المبيع رهناً على الثمن.

مسألة ١٤ ـ لو رهن على دينه رهناً ثم استدان مالاً آخر من المرتهن جاز جعل ذلك الرهن رهناً على الثاني أيضاً، و كان رهناً عليهما معاً، سواء كان الثاني مساوياً للأول في الجنس و القدر أو مخالفاً، و كذا له أن يجعله على دين ثالث و رابع إلى ما شاء، و كذا إذا رهن شيئاً على دين جاز أن يرهن شيئاً آخر على ذلك الدين و كانا جميعاً رهناً عليه.

مسألة ١٥ ـ لو رهن شيئاً عند زيد ثم رهنه عند آخر أيضاً باتفاق من المرتهنين كان رهناً على الحقين إلا إذا قصدا بذلك فسخ الرهن الأول و كونه رهناً على خصوص الثاني.

مسألة ١٦ ـ لو استدان إثنان من واحد كل منهما ديناً ثم رهنا عنده مالاً مشتركاً بينهما ولو بعقد واحد ثم قضى أحدهما دينه انفكت حصته عن الرهانة، ولو كان الراهن واحداً و المرتهن متعدداً بأن كان عليه دين لاثنين فرهن شيئاً عندهما بعقد واحد فكل منهما مرتهن للنصف مع تساوي الدين، و مع التفاوت فالظاهر التقسيط و التوزيع بنسبة حقهما، فان قضي دين أحدهما انفك عن الرهانة مايقابل حقه، هذا كله في التعدد ابتداءً، و أما التعدد الطاريء فالظاهر أنه لا عبرة به، فلو مات الراهن عن ولدين لم ينفك نصيب أحدهما بأداء حصته من الدين، كما أنه لو مات المرتهن عن ولدين فأعطى أحدهما نصيبه من الدين لم ينفك بمقداره من الرهن.

مسألة ١٧ ـ لا يدخل الحمل الموجود في رهن الحامل و لا الثمر في رهن الشجر إلا إذا كان تعارف يوجب الدخول أو اشترط ذلك، و كذا لا يدخل ما يتجدد

والے) کے ذمہ واجب الادا ہے صحیح ہے۔ اسی طرح مستاجر کیلئے بھی اس کام کے بدلے میں رہن لینا جسکی انجام دہی موجر پر لازمی ہے صحیح ہے۔

مسئلہ ۱۲: ظاہراً ضمانت دار اشیاء جیسے غصبی چیز، ضمانت دار عاریتی چیز۔ اور معاملہ کے طور پر قبضہ میں لی گئی چیز وغیرہ پر رہن رکھنا صحیح ہے۔ لیکن قیمت، یا مبیع (بیچی گئی چیز) یا اُجرت، یا عوضِ صلح وغیرہ اگر دوسرے کا حق ثابت ہو جائے تو اقویٰ یہ ہے کہ ان پر رہن رکھنا صحیح نہیں۔

مسئلہ ۱۳: اگر کسی چیز کو اس قیمت پر خریدے جسے بعد میں ادا کیا جائے تو بیچی گئی چیز کو قیمت کے بدلے رہن رکھنا جائز ہے۔

مسئلہ ۱۴: اگر "دین" کے بدلہ میں کچھ رہن رکھے اور پھر اسی مرتہن سے دوبارہ قرض لے تو اسی چیز کو دوسرے قرض پر رہن رکھنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ وہ چیز دونوں قرضوں کے بدلہ میں رہن ہوگی۔ چاہے دوسرا قرض جنس و مقدار میں پہلے قرض کے مساوی ہو یا نہ بلکہ کم یا زیادہ ہو۔ اسی طرح راہن اس چیز کو تیسرے، چوتھے قرض کے عوض یا جہاں تک چاہے رہن قرار دے سکتا ہے اور اس طرح اگر کسی قرض پر کوئی چیز رہن رکھے تو اسی قرض پر دوسری چیز بھی رہن رکھ سکتا ہے اور وہ دونوں چیزیں ایک ہی قرض کی مرہون ہوں گی۔

مسئلہ ۱۵: اگر کسی چیز کو پہلے زید کے پاس رہن رکھے اور پھر اسی چیز کو کسی دوسرے کے پاس بھی رہن رکھدے جب کہ اس پر دونوں مرتہن متفق ہوں تو یہ دونوں کے حق کا رہن ہوگی۔ مگر یہ کہ دونوں کا ارادہ یہ ہو کہ پہلے کے رہن کو فسخ کیا جائے تو وہ چیز دوسرے کے قرض کا رہن ہوگی۔

مسئلہ ۱۶: اگر دو افراد مل کر ایک شخص سے قرض لیں اور اپنی کوئی مشترک چیز اسکے پاس رہن رکھیں چاہے ایک ہی عقد کے ذریعہ رکھیں۔ اس کے بعد ان میں سے ایک اپنا قرض چکا دے تو رہن کے مال سے اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا ــــ اگر راہن ایک اور مرتہن متعدد ہوں اس طرح کہ راہن دو اشخاص کا مقروض ہو اور ایک ہی عقد کے ذریعہ کوئی چیز ان دونوں کے پاس رہن رکھے اس صورت میں اگر دونوں کا قرض مساوی ہو تو رہن بھی نصف ہوگا۔ لیکن اگر قرضوں میں فرق ہو یعنی ایک کا زیادہ ہو تو ظاہراً دونوں کے حق کی مناسبت سے رہن بھی تقسیم ہو جائے گا ــــ اب اگر راہن ایک شخص کا قرض ادا کر دے تو اس کے مناسب مقدار میں رہن کا مال بھی آزاد ہو جائے گا۔ یہ سب صورتیں وہاں ہیں کہ جہاں شروع سے راہن یا مرتہن متعدد ہوں۔ چنانچہ اگر بعد میں متعدد ہو جائیں تو ظاہراً مال کا آزاد ہونا معتبر نہیں ہے۔ لہٰذا اگر راہن دو بیٹوں کا باپ ہو اور مر جائے اور ان میں سے ایک کا مالِ رہن اس کے حصہ کا قرض ادا کرنے سے بھی آزاد نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اگر دو فرزند رکھنے والا مرتہن مر جائے اور فرزندوں میں ایک کے حصہ کا قرض ادا کر دیا جائے تو اس مقدار میں مالِ رہن آزاد نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۱۷: کسی شکم دار حیوان کا شکم، یا درخت پر موجود پھل اس شکم یا درخت کے رہن میں شامل نہیں۔ مگر یہ کہ عرفِ عام میں ایسا ہوتا ہو یا اس کی شرط کر دی گئی ہو۔ اسی طرح وہ چیز جو بعد میں وجود میں آئے وہ پہلے سے بغیر شرط کئے ہوئے رہن میں داخل نہیں ہوگی لیکن ظاہراً اون، بال اور اونٹ کے بال حیوان کے رہن میں شامل ہوں گے اور درخت کے پتے اور شاخیں چاہے خشک ہی ہوں رہن میں

إلا مع الشرط، نعم الظاهر دخول الصوف و الشعر و الوبر في رهن الحيوان. و كذا الأوراق و الأغصان حتى اليابسة في رهن الشجر، و أما اللبن في الضرع و مغرس الشجر و أسّ الجدار أعني موضع الأساس من الأرض ففي دخولها تأمل و إشكال، ولا يبعد عدم الدخول و إن كان الأحوط التصالح و التراضي.

مسألة ١٨ ـ الرهن لازم من جهة الراهن، و جائز من طرف المرتهن فليس للراهن انتزاعه منه بدون رضاه إلا أن يسقط حقه من الارتهان أو ينفك الرهن بفراغ ذمة الراهن من الدين، ولو برأت ذمته من بعضه فالظاهر بقاء الجميع رهناً على ما بقي إلا إذا اشترط التوزيع، فينفك منه على مقدار مابرأ منه، و يبقى رهنا على مقدار ما بقي، أو شرطا كونه رهناً على المجموع من حيث المجموع، فينفك الجميع بالبراءة من بعضه.

مسألة ١٩ ـ لا يجوز للراهن التصرف في الرهن إلا باذن المرتهن، سواء كان ناقلاً للعين كالبيع أو المنفعة كالاجارة أو مجرد الانتفاع به و إن لم يضر به كالركوب و السكنى و نحوها، نعم لا يبعد الجواز فيما هو بنفع الرهن إذا لم يخرج من يد المرتهن بمثله، كسقي الأشجار و علف الدابة و مداواتها و نحو ذلك، فان تصرف فيما لا يجوز بغير الناقل أثم، و لم يترتب عليه شيء إلا إذا كان بالاتلاف، فيلزم قيمته و تكون رهناً، و إن كان بالبيع أو الاجارة أو غيرهما من النواقل وقف على إجازة المرتهن، ففي مثل الاجارة تصح بالاجازة، و بقيت الرهانة على حالها بخلافها في البيع، فانه يصح بها و تبطل الرهانة، كما أنها تبطل بالبيع إذا كان عن إذن سابق من المرتهن.

مسألة ٢٠ ـ لا يجوز للمرتهن التصرف في الرهن بدون إذن الراهن، فلو تصرف فيه بركوب أو سكنى و نحوهما ضمن العين لو تلفت تحت يده للتعدي، و لزمه أجرة المثل لما استوفاه من المنفعة، ولو كان ببيع و نحوه أو باجارة و نحوها وقع فضولياً، فان أجازه الراهن صح، و كان الثمن و الأجرة المسماة له، و كان الثمن رهناً في البيع لم يجز لكل منهما التصرف فيه إلا باذن الآخر، و بقي العين

شامل ہوں گی۔ لیکن چھاتی میں دودھ، درختوں کی زمین اور دیوار کی بنیاد کی حد تک زمین رہن میں شامل ہونے میں تامل اور اشکال ہے اور عدم شمول بعید نہیں ہے۔ اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ آپس میں مصالحت کر لیں اور ایک دوسرے کی رضایت حاصل کر لیں۔

مسئلہ ۱۸: عقد رہن راہن کی طرف سے ناقابلِ فسخ اور لازم ہوتا ہے اور مرتھن کی جانب سے جائز الفسخ ہوتا ہے راہن مرتھن کی مرضی کے بغیر اس سے رہن واپس نہیں لے سکتا۔

مگر یہ کہ مرتھن اپنے حقِ رہن سے دست بردار ہو جائے یا راہن کی قرض سے گردن خلاصی کے ذریعہ مالِ رہن آزاد ہو جائے... اگر قرض کی کچھ مقدار سے راہن سبکدوش ہو جائے تو ظاہراً تمام رہن اپنی جگہ پر باقی رہے گا۔ البتہ اگر پہلے سے تقسیم کی شرط کر دی گئی ہو تو پھر جس مقدار میں قرض ادا ہوا ہے اسی مناسبت سے رہن بھی آزاد ہو جائیگا اور باقی بچے ہوئے قرض کی مناسب مقدار کے عوض رہن باقی رہے گا۔ یا پہلے سے دونوں شرط کر دیں کہ یہ رہن قرض کی اس مکمل مقدار کے بدلہ میں ہے تو اب اگر کچھ قرض ادا ہو جائے تو سارا مالِ رہن آزاد ہو جائے گا۔

مسئلہ ۱۹: راہن کے لئے مرتھن کی اجازت کے بغیر مالِ رہن میں تصرف جائز نہیں ہے۔ چاہے تصرف کے ذریعہ عین رہن کو جابجا کرے۔ مثلاً بیچ دے یا اسکی منفعت میں رد و بدل کرے مثلاً کرائے پر اٹھا دے اور چاہے عین یا منفعت کو جابجا نہ کرے بلکہ فقط اس سے فائدہ حاصل کرے مثلاً سواری کے جانور پر سوار ہو یا گھر میں سکونت اختیار کرے چاہے اس چیز کے لئے باعثِ ضرر نہ بھی ہو۔ لیکن اگر تصرف، خود رہن کے لئے باعثِ منفعت ہو اور اس قسم کے تصرف کے سبب "رہنی چیز" مرتھن کے اختیار سے خارج بھی نہ ہوتی ہو تو جائز ہونا بعید نہیں ہے۔ جیسے درختوں کو پانی دینا۔ جانوروں کو چارہ کھلانا۔ یا ان کا علاج معالجہ کرنا وغیرہ۔

پس اگر رہنی چیز میں ایسا ناجائز تصرف کرے جو اس کے نقل کا سبب ہو تو گنہگار ٹھہرے گا مگر اس کے ذمہ کچھ نہیں۔ ہاں اگر اس چیز کو تلف کر دے تو اس کی قیمت کی ادائیگی واجب ہو گی اور وہی قیمت بطور رہن رکھی جائے گی۔ اگر تصرف، بیع یا اجارہ وغیرہ کی شکل میں ہو جو رہنی چیز کو منتقل کر دیتے ہیں تو اس کی صحت کا دارومدار مرتھن کی اجازت پر ہے۔ چنانچہ اگر اجارہ پر دے چکا ہو اور مرتھن اجازت دیدے تو صحیح ہے اور وہ چیز بدستور سابق رہن بھی رہے گی برخلاف بیع کے اسلئے کہ عقدِ بیع اجازت سے صحیح ہو جاتا ہے لیکن عقدِ رہن باطل ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح کہ اگر پہلے سے مرتھن نے فروخت کر دینے کی اجازت دے رکھی ہو تو جیسے ہی عقد بیع واقع ہو گا رہن باطل ہو جائے گا۔

مسئلہ ۲۰: راہن کی اجازت کے بغیر مرتھن کیلئے رہنی چیز میں تصرف جائز نہیں ہے۔ پس اگر جانور پر سواری یا گھر میں سکونت جیسا تصرف کرے اور وہ چیز اسکے ہاتھ میں تلف ہو جائے۔ تو وہ "اس چیز" کا ضامن ہو گا کیوں کہ اس نے زیادتی کی ہے اور جتنی منفعت اس نے حاصل کی ہے اس کے برابر اجرت کی ادائیگی اسپر واجب ہو گی.... اور اگر تصرف فروخت کرکے یا اس چیز کو کرائے پر دینے کی شکل میں ہو تو عقد بیع و اجارہ وغیرہ "فضولی" ہو گا۔ چنانچہ اگر راہن اجازت دے تو صحیح ہو گا اور اس سے حاصل ہونے والی قیمت راہن کی ملکیت ہو گی اور وہی قیمت رہن قرار پائے گی جس میں ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر کسی کو بھی تصرف کا حق نہیں ہو گا یہ حکم تو تھا بیع کی صورت میں۔ لیکن اگر اجارہ پر دے تو

رهناً في الاجارة، و إن لم يجز كان فاسداً.

مسألة ٢١ ـ منافع الرهن كالسكنى و الركوب و كذا نماءاته المنفصلة كالنتاج و الثمر و الصوف و الشعر والوبر و المتصلة كالسمن و الزيادة في الطول و العرض كلها للراهن، سواء كانت موجودة حال الارتهان أو وجدت بعده، و لا يتبعه في الرهانة إلا نماءاته المتصلة، و كذا ما تعارف دخوله فيه بنحو يوجب التقييد.

مسألة ٢٢ ـ لو رهن الأصل و الثمرة أو الثمرة منفردة صح، فلو كان الدين مؤجلاً و أدركت الثمرة قبل حلول الأجل فان كانت تجفف و يمكن إبقاؤها بالتجفيف جففت و بقيت على الرهن، و إلا بيعت، و كان الثمن رهناً إذا استفيد من شرط أو قرينة أنها رهن بماليتها.

مسألة ٢٣ ـ لو كان الدين حالاً أو حلّ و أراد المرتهن استيفاء حقه فان كان وكيلاً عن الراهن في بيع الرهن و استيفاء دينه منه فله ذلك من دون مراجعة إليه، و إلا ليس له أن يبيعه، بل يراجعه و يطالبه بالوفاء ولو ببيع الرهن أو توكيله فيه، فان امتنع رفع أمره إلى الحاكم ليلزمه بالوفاء أو البيع، فان امتنع على الحاكم إلزامه باعه عليه بنفسه أو بتوكيل الغير، و إن لم يمكن ذلك لعدم بسط يده استأذن المرتهن منه للبيع، و مع فقد الحاكم أو عدم إمكان الاذن منه باعه المرتهن و استوفى حقه من ثمنه إن ساواه أو بعضه إن كان أقل، و إن كان زيد فهو أمانة شرعية يوصله إلى صاحبه.

مسألة ٢٤ ـ لو لم يكن عند المرتهن بينة مقبولة لاثبات دينه و خاف من أنه لو اعترف عند الحاكم بالرهن جحد الراهن الدين فأخذ منه الرهن بموجب اعترافه و طولب منه البينة على حقه جاز له بيع الرهن من دون مراجعة إلى الحاكم، و كذا لومات الراهن وخاف المرتهن جحود الوارث.

مسألة ٢٥ ـ لو وفى بيع بعض الرهن بالدين اقتصر عليه على الأحوط لو لم يكن الأقوى، و بقي الباقي أمانة عنده إلا إذا لم يمكن التبعيض ولو من جهة عدم

وہ شئی بدستور رہن کے طور پر باقی رہیگی۔ چنانچہ راہن اگر عقد اجارہ کی اجازت نہ دے تو عقد باطل ہوجائے گا۔

مسئلہ ۲۱: رہن کے منافع جیسے سکونت اور سواری وغیرہ اور اسکے منفصل فوائد جیسے حیوانات کے بچے۔ اون درختوں کے میوے۔ اونٹ کے بال وغیرہ۔ یا اسکے متصل فائدے جیسے۔ موٹاپا، لمبائی و چوڑائی وغیرہ سب کچھ راہن کی ملکیت ہوگی۔ چاہے وہ منافع عقد رہن کے وقت موجود رہے ہوں یا بعد میں حاصل ہوئے ہوں۔ یہ منافع رہن کی تبعیت (پیروی) میں مرہون نہیں ہوں گے۔ مگر وہ منافع "اضافات جو شئی مرہونہ" سے متصل ہوں وہ رہن میں داخل ہوں گے۔ اسی طرح وہ اضافات جو عرف عام میں رہن میں شامل سمجھے جاتے ہوں۔ اس طرح کہ وہ رہن کی تقیید کا سبب ہوں۔

مسئلہ ۲۲: اصل شئے کو ثمرہ کے ساتھ یا تنہا ثمرہ کو بطور رہن دینا صحیح ہے۔ پس اگر قرض مدت دار ہو اور ادائیگی قرض کی مدت آنے سے پہلے پھل تیار ہوجائے تو اگر اسے خشک کیا جاسکتا ہو اور خشک کرکے باقی رکھنا ممکن ہو تو اس کو خشک کیا جائے گا اور رہن کے طور پر رکھا جائے گا۔ لیکن اگر سکھا کر باقی رکھنا ممکن نہ ہو تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت کو رہن رکھا جائے گا بشرطیکہ پہلے سے طے شدہ شرط یا کسی قرینہ سے مستفاد ہوتا ہو کہ اس کی مالیت بطور رہن ہوگی۔

مسئلہ ۲۳: اگر قرض فوری ہو یا اس کی ادائیگی کا وقت آگیا ہو اور مرتھن (مال رہن سے) اپنا حق لینا چاہے تو اگر وہ "رہن" کو فروخت کرکے اس سے اپنا حق وصول کرنے پر راہن کی طرف سے وکیل ہو تو اسکو راہن سے پوچھے بغیر "رہنی چیز" کو بیچ دینے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اگر وکیل نہ ہو تو بیچنے کا حق نہیں رکھتا بلکہ راہن سے رابطہ قائم کرے اور اس سے مطالبہ کرے کہ وہ اسکا حق ادا کرے چاہے "رہنی چیز" خود بیچ کر یا مرتھن کو بیچنے میں وکیل بنا کر ہی۔ چنانچہ اگر راہن پس و پیش سے کام لے تو مرتھن قضیہ کو حاکم شرع کے پاس لے جائے۔ کہ وہ راہن کو قرض کی ادائیگی یا رہن بیچنے پر مجبور کرے۔ اگر حاکم شرع کے لئے اسے مجبور کرنا ممکن نہ ہو تو وہ بذات خود "رہنی چیز" کو فروخت کرے یا کسی کو فروخت کرنے پر وکیل بنائے۔ لیکن اگر "مبسوط الید" نہ ہونیکی وجہ سے حاکم تک رسائی ممکن نہ ہو تو مرتھن حاکم سے اجازت لیکر بیچ ڈالے۔ چنانچہ اگر حاکم شرع نہ ہو یا اس سے اجازت تک لینا ممکن نہ ہو تو خود مرتھن "اس چیز" کو بیچ دے اور اسکی قیمت سے اپنے حق کے برابر حصّہ وصول کرے۔ اس صورت میں کہ رہنی چیز کی قیمت مرتھن کے حق کے برابر یا اس سے کم ہو اور اگر اس سے زیادہ ہو تو باقی ماندہ اس کے پاس شرعی امانت کے طور پر رہیگی، لہٰذا اسے چاہیئے کہ مالک کو دیدے۔

مسئلہ ۲۴: اگر مرتھن قرض ثابت کرنیکے لئے قابل قبول گواہ نہ رکھتا ہو اور اُسے خطرہ ہو کہ اگر قضیہ حاکم کے پاس لے جائے اور رہن کا اعتراف کرے تو ممکن ہے کہ راہن قرض کا انکار کردے اور مرتھن کے اعتراف کی بناء پر "رہنی چیز" اس سے واپس لے اور اس سے اپنا قرض ثابت کرنے کے لئے گواہوں کا مطالبہ کیا جائے تو۔ ایسی صورت میں مرتھن کیلئے جائز ہے کہ وہ حاکم شرع کی طرف رجوع کئے بغیر "رہنی چیز" کو بیچ دے۔ یہی صورت اس وقت بھی ہوگی جب راہن مرجائے اور مرتھن کو خطرہ ہو کہ اس کے وارث قرض سے انکار کردیں گے۔

مسئلہ ۲۵: اگر "رہنی چیز" کا کچھ حصّہ فروخت کرنے سے قرض کی رقم پوری ہوجاتی ہو تو۔ اگر اقوی نہ ہو تب بھی احتیاط یہی ہے کہ اسی مقدار کی فروخت پر اکتفا کرے اور باقی حصّہ اس کے پاس امانت کے طور پر رہیگا۔ البتہ اگر رہن کے حصّے کرنا ممکن نہ ہو چاہے اس اعتبار سے ہی کہ حصّے کرنیکی صورت میں کوئی خریدار اس میں دلچسپی نہیں لیگا یا اسکی تقسیم کرکے

الراغب أو كان فيه ضرر على المالك فيباع الكل.

مسألة ٢٦ ـ لو كان الرهن من مستثنيات الدين كدار سكناه و دابة ركوبه جاز للمرتهن بيعه و استيفاء طلبه منه كسائر الرهون، لكن الأولى الأحوط عدم إخراجه من ظل رأسه.

مسألة ٢٧ ـ لو كان الراهن مفلساً أو مات و عليه ديون للناس كان المرتهن أحق من باقي الغرماء باستيفاء حقه من الرهن، فان فضل شيء يوزع على الباقين بالحصص، ولو نقص الرهن عن حقه استوفى ما يمكن منه و يضرب بما بقي مع الغرماء في سائر أموال الراهن.

مسألة ٢٨ ـ الرهن أمانة في يد المرتهن لا يضمنه لو تلف أو تعيب من دون تعدٍ و تفريط، نعم لو كان في يده مضموناً لكونه مغصوباً أو عارية مضمونة مثلاً ثم ارتهن عنده لم يزل الضمان إلا إذا أذن له المالك في بقائه تحت يده فيرتفع الضمان على الأقوى، و كذا لو استفيد الاذن في بقائه في المورد من ارتهانه كما لا يبعد مع علم الراهن بالحال، و إذا انفك الرهن بسبب الأداء أو الابراء أو نحو ذلك يبقى أمانة مالكية في يده لا يجب تسليمه إلى المالك إلا مع المطالبة.

مسألة ٢٩ ـ لا تبطل الرهانة بموت الراهن و لا بموت المرتهن فينتقل الرهن إلى ورثة الراهن مرهوناً على دين مورثهم و ينتقل إلى ورثة المرتهن حق الرهانة، فان امتنع الراهن من استئمانهم كان له ذلك، فان اتفقوا على أمين و إلا سلّمه الحاكم إلى من يرتضيه، و إن فقد الحاكم فعدول المؤمنين.

مسألة ٣٠ ـ لو ظهر للمرتهن أمارات الموت يجب عليه الوصية بالرهن و تعيين المرهون والراهن والاشهاد كسائر الودائع، ولو لم يفعل كان مفرطاً و عليه ضمانه.

مسألة ٣١ ـ لو كان عنده رهن قبل موته ثم مات و لم يعلم بوجوده في تركته لا تفصيلاً و لا إجمالاً و لم يعلم كونه تالفاً بتفريط منه لم يحكم به في ذمته و لا بكونه موجوداً في تركته، بل يحكم بكونها لورثته، بل و كذلك على الأقوى لو علم أنه قد كان موجوداً في أمواله الباقية إلى بعد موته، و لم يعلم أنه باقٍ فيها أم لا،

حصّہ کرنا مالک کے لئے باعثِ ضرر ہوگا۔ تو اس صورت میں پورے "رہن" کو بیچ دیا جائے گا۔

مسئلہ ۲۶: اگر رہنی چیز کا تعلق "مستثنیاتِ دین" سے ہو جیسے رہائشی مکان یا سواری کا جانور۔ تو مرتھن کے لئے جائز ہے کہ اسے بیچ کر اپنا حساب پورا کرے جیسے دوسرے رہن لیکن بہتر اور احتیاط یہی ہے کہ مرتھن راہن کو اس کے سر چھپانے کی جگہ سے نکال باہر نہ کرے۔

مسئلہ ۲۷: اگر راہن افلاس (ناداری شدید) کی وجہ سے تصرّف کا حق نہ رکھتا ہو۔ یا لوگوں کا بے تحاشا مقروض ہونے کی حالت میں دُنیا سے رخصت ہو جائے تو دوسرے قرض خواہوں کی بہ نسبت مرتھن مالِ رہن سے اپنا حق پورا کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔ چنانچہ پہلے وہ اپنا حق پورا کرے گا اور جو کچھ بچ جائے گا اس میں سے باقی قرض خواہ اپنا اپنا حصّہ لیں گے۔۔۔ اگر راہن کی مقدار اس کے قرض سے کم ہو تو "رھن" کو لینے کے بعد جتنا اس کا حق باقی رہے گا۔ تو اس سلسلہ میں دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ "راہن" کے باقی اموال میں شریک ہوگا۔

مسئلہ ۲۸: "رہنی چیز" مرتھن کے پاس بطور امانت ہوتی ہے لہٰذا اگر اس کی طرف سے افراط و تفریط کے بغیر تلف ہو جائے یا معیوب ہو جائے تو مرتھن ضامن نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ چیز مرتھن کی ضمانت میں ہو۔ مثلاً وہ چیز غصبی ہو یا ضمانتدار عاریت کے طور پر ہو اور پھر اسی کو رہن رکھ دیا جائے تو اس صورت میں ضمانت زائل نہیں ہوگی مگر یہ کہ اس کا مالک اسکو وہ چیز اپنے پاس رکھنے کی اجازت دے تو اس صورت میں اقویٰ یہ ہے کہ ضمانت ختم ہو جائیگی۔ اسی طرح اگر مرتھن کو بطور رہن اس چیز کو لے کر اپنے قبضہ میں باقی رکھنے سے اس مورد میں اذن کا پتہ چل جائے تو بھی اقویٰ یہ ہے کہ وہ ضامن نہیں ہے جیساکہ ایسے موارد میں راہن کے حقیقتِ حال سے آگاہ ہونیکی بناء پر رضایت کا پتہ چل جانا بعید نہیں ہے اور جب مالِ رہن آزاد ہو جائے چاہے وہ ادائے دین کی وجہ سے ہو یا قرض سے بری کر دینے کے سبب یا کسی اور وجہ سے تو مرتھن کے پاس مالک کی امانت کے طور پر رہے گا اور جب تک مالک طلب نہ کرے اسکو مالک کے حوالے کرنا واجب نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۹: راہن کی موت ہو جانے یا مرتھن کے مرجانے سے عقد رہن باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ "رہنی چیز" راہن کے وارثوں تک منتقل ہوگی اور وہ اسی طرح مورث کے قرض پر "رہن" رہے گی۔ اور حق رہن مرتھن کے وارثوں تک منتقل ہوگا۔ لہٰذا اگر راہن مرتھن کے وارثوں کو امین نہ مانے تو آسے زمانے کا حق حاصل ہے اس صورت میں اگر دونوں فریق کسی ایک امین شخص پر اتفاق کر لیں تو مشکل حل ہے۔ بصورتِ دیگر حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اس مال کو کسی کی تحویل میں دے اور اگر حاکم شرع موجود نہ ہو تو عادل مومنین یہ کام کریں گے۔

مسئلہ ۳۰: اگر مرتھن موت کے آثار محسوس کرے تو اس پر واجب ہے کہ رہن کے سلسلہ میں وصیت کرے اور رہن اور راہن کو معیّن کرے اور کسی کو گواہ بنائے جیسا تمام امانتی چیزوں میں دستور ہے۔ اور اگر اس نے وصیت نہ کی تو وہ کوتاہی برتنے کی بناء پر اس کا ضامن ہوگا۔

مسئلہ ۳۱: اگر کوئی چیز مرتھن کے پاس مرنے سے پہلے رہن ہو اور وہ مرجائے اور اس کے ترکہ میں تفصیل کیساتھ یا اجمالی طور پر وہ چیز مشخص نہ ہو اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اس کی کوتاہی کے سبب وہ چیز ضائع ہوتی ہے تو نہ اس کے ذمہ وہ چیز قرار پائے گی اور نہ اس کے ترکہ میں اس کی موجودیت کا حکم لگایا جائے گا۔ بلکہ اس کے ترکہ کو وارثوں کا مال قرار دیا جائیگا بلکہ اقویٰ یہ ہے کہ یہی صورت اس وقت ہوگی جب معلوم ہو جائے کہ اس کی موت کے بعد تک

كما إذا كان سابقاً في صندوقه داخلاً في الأموال التي كانت فيه و بقيت إلى زمان موته و لم يعلم أنه قد أخرجه و أوصله إلى مالكه أو باعه و استوفى ثمنه أو تلف بغير تفريط منه أم لا.

مسألة ٣٢ ـ لو اقترض من شخص ديناراً مثلاً برهن وديناراً آخر منه بلا رهن ثم دفع إليه ديناراً بنية الوفاء فان نوى كونه عن ذي الرهن سقط و انفك رهنه، و إن نوى كونه عن الآخر لم ينفك و بقي دينه، وإن لم يقصد إلا أداء دينار من الدينارين من دون تعيين كونه عن ذي الرهن أو غيره فهل يحسب ما دفعه لغير ذي الرهن فيبقى الرهن أو لذي الرهن فينفك أو يوزع عليهما فيبقى الرهن أو ينفك بمقداره؟ وجوه، أوجهها بقاء الرهن إلى الفك اليقيني.

باقی ماندہ اموال میں وہ چیز موجود تھی۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ ان اموال میں اب باقی ہے یا نہیں؟ جیسا کہ اگر معلوم ہو کہ پہلے وہ چیز اسکے اموال کے ساتھ اسکے صندوق میں موجود تھی اور اسکی موت تک اس میں رہی لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ مرتہن نے اسے نکال کر اس کے مالک تک پہنچایا یا فروخت کرکے اپنا حق پورا کیا یا اسکی کوتاہی کے بغیر ضائع ہوئی ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۳۲: اگر کوئی کسی شخص سے ایک دینار رہن پر قرض لے اور ایک دینار بغیر رہن کے، اس کے بعد ادائے قرض کی نیت سے ایک دینار قرض خواہ کے حوالے کرے اس صورت میں اگر اس کی نیت رہن دار دینار کی ادائیگی ہے تو وہ قرض ادا ہو جائے گا اور رہن آزاد ہو جائے گا۔ لیکن اگر "بے رہن" دینار کی ادائیگی مقصود ہو تو رہن آزاد نہیں ہوگا اور اس کا وہ قرض باقی رہے گا۔ لیکن.....

اگر بغیر معین کئے ہوئے دو دیناروں میں سے ایک کی ادائیگی مقصود ہو تو آیا اس کو "بے رہن" دینار کی ادائیگی محسوب کیا جائے گا اور رہن اپنی جگہ باقی رہے گا یا رہن دار کی ادائیگی میں شمار ہوگا اور رہن آزاد ہو جائیگا؟ یا دونوں پر تقسیم کیا جائے گا اور رہن باقی رہے گا یا اس مقدار میں رہن آزاد ہو جائے گا؟ خلاصہ اس کی کئی صورتیں ہیں سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ رہن اپنی جگہ پر باقی رہے گا جب تک اس کے آزاد ہونے کا یقین نہ ہو جائے۔

maablib.org

كتاب الحجر

و هو في الأصل بمعنى المنع. و شرعاً كون الشخص ممنوعاً في الشرع عن التصرف في ما له بسبب من الأسباب، وهي كثيرة نذكر منها ما هو العمدة، وهي الصغر و السفه و الفلس و مرض الموت.

القول في الصغر

مسألة ١ ـ الصغير و هو الذي لم يبلغ حدّ البلوغ محجور عليه شرعاً لا تنفذ تصرفاته في أمواله ببيع و صلح وهبة و إقراض و إجارة و إيداع و إعارة و غيرها إلا ما استثني ـ كالوصية على ما سيأتي إن شاء الله تعالى، و كالبيع في الأشياء غير الخطيرة كما مرّ ـ و إن كان في كمال التميز و الرشد و كان التصرف في غاية الغبطة و الصلاح، بل لا يجدي في الصحة إذن الولي سابقاً و لا إجازته لا حقاً عند المشهور، و هو الأقوى.

مسألة ٢ ـ كما أن الصبي محجور عليه بالنسبة الى ما له كذلك محجور عليه بالنسبة الى ذمته، فلا يصح منه الاقتراض و لا البيع و الشراء في الذمة بالسلم و النسيئة و إن كانت مدة الأداء مصادفة لزمان بلوغه، و كذلك بالنسبة إلى نفسه،

کتابِ حجر

حجر کے لغوی معنیٰ منع کرنے کے ہیں۔ جبکہ شرعی اصطلاح میں "حجر" کا مطلب یہ ہے کہ چند اسباب میں سے کسی ایک سبب کی بناء پر کسی شخص کو اپنے مال میں تصرف نہ کرنے دیا جائے۔ وہ اسباب بہت ہیں جنہیں سے کچھ عمدہ اسباب کو ہم ذیل میں ذکر کریں گے۔ اور وہ ہیں، صغر (بچپنا) دیوانگی، مُفلسی اور مرض الموت۔

صغر کے احکام

مسئلہ ۱: نابالغ کو شریعت کی زبان میں "صغر" کہتے ہیں اور شریعت کی رو سے اسے اپنے اموال میں تصرف کا اختیار نہیں ہے اور نہ ہی اس کے تصرفات نافذ ہوں گے جیسے کوئی چیز بیچنا، مصالحت کرنا، ہبہ کرنا، قرض دینا، کرائے پر دینا، امانت کے طور پر دینا اور عاریتاً دینا وغیرہ۔ علاوہ ان تصرفات کے جو اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسے وصیت۔ کہ جس کی وضاحت انشاء اللہ آگے بیان ہوگی۔ یا چھوٹی اور کم قیمت چیزوں کی خرید و فروخت جس کی بحث گذر چکی ہے۔ ان کے علاوہ اس کے تصرفات قابلِ نفوذ نہیں ہیں چاہے وہ کمال رشد و تمیز کی منزل میں ہو اور اس کا تصرف انتہائی مناسب فائدہ مند ہو۔ بلکہ مشہور کے نزدیک اس کے تصرف کے صحیح ہونے میں نہ اس کے ولی کا سابقہ اذن کام آسکتا ہے اور نہ ہی بعد میں اجازت اور یہی "اقویٰ" ہے۔

مسئلہ ۲: بچہ جس طرح اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتا اسی طرح اپنے ذمہ بھی کوئی چیز نہیں لے سکتا۔ پس اس کا قرض لینا یا بیع سلم کے طور پر کوئی چیز بیچنا یا خریدنا یا ادھار لینا صحیح نہیں ہے چاہے ادائیگی کی مدت اس وقت آئے جب وہ بالغ ہو جائے۔

فلا ينفذ منه التزويج، و لا الطلاق على الأقوى فيمن لم يبلغ عشراً، و على الأحوط فيمن بلغه، ولو طلق يتخلص بالاحتياط، و كذا لا يجوز إجارة نفسه، و لا جعل نفسه عاملاً في المضاربة وغير ذلك، نعم لو حاز المباحات بالاحتطاب و الاحتشاش و نحوهما يملكها بالنية، بل و كذا يملك الجعل في الجعالة بعمله و إن لم يأذن وليه فيها.

مسألة ٣ ـ يعرف البلوغ في الذكر و الأنثى بأحد أمور ثلاثة: الأول نبات الشعر الخشن على العانة، و لا اعتبار بالزغب و الشعر الضعيف، الثاني خروج المني يقظة أو نوماً بجماع أو احتلام أو غيرهما، الثالث السنّ، و هو في الذكر إكمال خمس عشرة سنة، و في الأنثى إكمال تسع سنين.

مسألة ٤ ـ لا يكفي البلوغ في زوال الحجر عن الصبي، بل لابد معه من الرشد وعدم السفه بالمعنى الذي سنبينه.

مسألة ٥ ـ ولاية التصرف في مال الطفل و النظر في مصالحه و شؤونه لأبيه وجده لأبيه، و مع فقدهما للقيّم من أحدهما، و هو الذي أوصى أحدهما بأن يكون ناظراً في أمره، و مع فقده للحاكم الشرعي، و أما الأم والجد للأم و الأخ فضلاً عن سائر الأقارب فلا ولاية لهم عليه، نعم الظاهر ثبوتها مع فقد الحاكم للمؤمنين مع وصف العدالة على الأحوط.

مسألة ٦ ـ الظاهر أنه لا يشترط العدالة في ولاية الأب والجد، فلا ولاية للحاكم مع فسقهما، لكن متى ظهر له ولو بقرائن الأحوال الضرر منهما على المولّى عليه عزلهما و منعهما من التصرف في أمواله، و لا يجب عليه الفحص عن عملهما وتتبع سلوكهما.

مسألة ٧ ـ الأب والجد مستقلان في الولاية، فينفذ تصرف السابق منهما و لغا اللاحق، ولو اقترنا ففي تقديم الجد أو الأب أو عدم الترجيح و بطلان تصرف كليهما وجوه بل أقوال، فلا يترك الاحتياط.

مسألة ٨ ـ الظاهر أنه لا فرق بين الجد القريب و البعيد، فلو كان له أب

اسی طرح وہ اپنے نفس کے اعتبار سے بھی مجبور ہوگا لہٰذا اس کا شادی کرنا بے اثر ہوگا اور اقویٰ یہ ہے کہ جو صغیر دس سال کا نہ ہوا ہو اس کا طلاق بھی نافذ نہیں ہے اور دس سال کا ہو جانے کے بعد بھی احتیاط یہ ہے کہ طلاق نافذ نہیں ہے۔ پس اگر طلاق دینا ہو تو احتیاط پر عمل کرے تاکہ اس کے نتیجہ میں جدائی حاصل ہو......

اسی طرح صغیر کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کا اجیر بنے اور نہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ عقد مضاربہ میں کسی کا عامل بنے۔" ہاں" اگر مباح چیزوں کی حیازت کرے، مثلاً ایندھن جمع کرے یا گھاس وغیرہ اکٹھی کرے اور ان کو ملکیت بنانے کی نیت کرے تو ان کا مالک ہو جائے گا، بلکہ اگر عقد جعالہ میں عامل بن کر کام کرے تو "جعل" (مقررہ مزدوری) کا مالک بن جائے گا چاہے اس کے ولی نے ان دونوں امور میں اجازت نہ بھی دی ہو۔

مسئلہ ۳: ان تین علامتوں میں سے کوئی علامت ظاہر ہو جانے سے لڑکا یا لڑکی بالغ ہو جاتے ہیں۔

۱۔ ناف کے نیچے سخت بال اُگنا، چنانچہ اگر باریک اور کمزور روئیں ظاہر ہوں تو وہ بلوغ کی علامت نہیں۔

۲۔ مقاربت۔ احتلام یا کسی اور وجہ سے جاگتے میں یا نیند کی حالت میں منی نکل آئے۔

۳۔ لڑکے کے پندرہ سال اور لڑکی کے نو سال پورے ہو جائیں۔

مسئلہ ۴: بچّے کے تصرف کے سلسلے میں آزاد ہونے کے لئے صرف اس کا بالغ ہو جانا کافی نہیں ہے۔ بالغ ہونے کے ساتھ اس کا صاحب رشد اور ان معنوں میں سفیہ نہ ہونا بھی ضروری ہے۔ جنھیں ہم عنقریب بیان کریں گے۔

مسئلہ ۵: بچّہ کے مال میں تصرف اور اس کے مصالح و مفاسد پر نظر رکھنے کا حق اس کے باپ یا دادا کو حاصل ہے اور اگر باپ یا دادا موجود نہ ہوں تو ان کی طرف سے جو اس کا سرپرست ہے یہ اس کی ذمہ داری ہے۔ سرپرست (قیّم) اسے کہتے ہیں جس کے بارے میں باپ یا دادا نے وصیت کی ہو کہ وہ بچّے کے امور پر نظر رکھے.... اگر سرپرست بھی نہ ہو تو یہ کام حاکم شرع کا ہے۔ چنانچہ۔ والدہ۔ نانا۔ بھائی اور دوسرے اقرباء میں سے کسی کو بھی بچّہ پر "ولایت" حاصل نہیں ہے۔ البتہ اگر حاکم شرع موجود نہ ہو تو یہ حق مومنین کو حاصل ہے لیکن احتیاطاً ان کا عادل ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ ۶: ظاہراً باپ اور دادا کے "ولی" ہونے میں عدالت شرط نہیں ہے۔ پس اگر وہ فاسق ہوں تو حاکم شرع ولی نہیں بن جائے گا۔ لیکن اگر حاکم شرع کو معلوم ہو جائے چاہے قرائن حالیہ سے ہی سہی کہ وہ بچّے کے لئے باعث ضرر ہیں تو وہ ان کو معزول کر کے بچّے کے اموال میں تصرف سے روک دیگا۔ البتہ حاکم پر واجب نہیں ہے کہ وہ ان کی رفتار اور روش کے بارے میں تحقیق اور جستجو کرے۔

مسئلہ ۷: باپ اور دادا دونوں مستقل طور پر ولی ہیں (یعنی ایسا نہیں ہے کہ پہلے باپ اور بعد میں دادا یا برعکس) لہٰذا جو پہلے تصرف کرے اسی کا تصرف بجا ہوگا اور بعد والے کا لغو و بیکار......

اگر دونوں ایک ساتھ تصرف کریں۔ تو باپ کو مقدم کریں یا دادا کو، یا کسی کو ترجیح نہ دیں بلکہ دونوں کے تصرف کو باطل قرار دیں؟ اسمیں چند وجوہ ہیں بلکہ چند اقوال ہیں۔ لہٰذا احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۸: ظاہراً قریب اور دور کے دادا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پس اگر بچّے کا باپ دادا۔ پردادا اور اس کا باپ سبھی موجود ہوں تو سب بچّے کے ولی ہوں گے۔

وجد و أب الجد و جدّ الجد فلكل منهم الولاية.

مسألة ٩ ـ يجوز للولي بيع عقار الصبي مع الحاجة و اقتضاء المصلحة فان كان البائع هو الأب و الجد جاز للحاكم تسجيله و إن لم يثبت عنده أنه مصلحة، و أما غيرهما كالوصي فلا يسجله إلا بعد ثبوتها عنده على الأحوط و إن كان الأقرب جواز تسجيله مع وثاقته عنده.

مسألة ١٠ ـ يجوز للولي المضاربة بمال الطفل و إبضاعه بشرط وثاقة العامل و أمانته، فان دفعه إلى غيره ضمن.

مسألة ١١ ـ يجوز للولي تسليم الصبي إلى أمين يعلّمه الصنعة، أو إلى من يعلّمه القراءة والخط و الحساب و العلوم العربية و غيرها من العلوم النافعة لدينه و دنياه، و يلزم عليه أن يصونه عما يفسد أخلاقه فضلاً عمّا يضرّ بعقائده.

مسألة ١٢ ـ يجوز لولي اليتيم إفراده بالمأكول و الملبوس من ماله و أن يخلطه بعائلته و يحسبه كأحدهم فيوزع المصارف عليهم على الرؤوس في المأكول و المشروب، و أما الكسوة فيحسب على كل على حدة، و كذا الحال في اليتامى المتعددين، فيجوز لمن يتولى الانفاق عليهم إفراد كلٍ و اختلاطهم في المأكول والمشروب و التوزيع عليهم دون الملبوس.

مسألة ١٣ ـ لو كان للصغير مال على غيره جاز للولي أن يصالحه عنه ببعضه مع المصلحة، لكن لا يحل على المتصالح باقي المال، و ليس للولي إسقاطه بحال.

مسألة ١٤ ـ المجنون كالصغير في جميع ما ذكر، نعم لو تجدد جنونه بعد بلوغه و رشده فالأقرب أن الولاية عليه للحاكم دون الأب والجد و وصيهما لكن لا ينبغي ترك الاحتياط بتوافقهما معاً.

مسألة ١٥ ـ ينفق الولي على الصبي بالاقتصاد لا بالاسراف و لا بالتقتير ملاحظاً له عادته و نظراءه، فيطعمه و يكسوه ما يليق بشأنه.

مسألة ١٦ ـ لو ادعى الولي الانفاق على الصبي أو على ما له أو دوابه بالمقدار اللائق و أنكر بعد البلوغ أصل الانفاق أو كيفيته فالقول قول الولي مع اليمين، و

مسئلہ ۹: ضرورت و مصلحت کی بناء پر ولی کے لئے بچّے کی زمین فروخت کرنا جائز ہے۔ اگر ولی باپ یا دادا ہو اور وہ زمین فروخت کرے تو حاکم شرع مصلحت کے اثبات کے بغیر بھی اس کی تائید و تثبیت کرسکتا ہے لیکن اگر بیچنے والا باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ہو جیسے وصی۔ تو جب تک اس معاملہ کی مصلحت ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک احتیاطاً حاکم شرع اس کی تائید نہ کرے۔ اگرچہ اقرب یہ ہے کہ اگر حاکم کے نزدیک وصی ثقہ (قابلِ اعتماد) ہو تو اس کی تثبیت جائز ہے۔

مسئلہ ۱۰: ولی کا بچّے کے مال کو مضاربہ پر اٹھانا اور اس کو سرمائے کے طور پر لگانا جائز ہے۔ بشرطیکہ عاملِ مضاربہ قابلِ اعتماد اور امین ہو۔ لیکن اگر ایسے شخص کے علاوہ کسی اور کو مال دیدے تو وہ اس کا ضامن ہے۔

مسئلہ ۱۱: ولی کے لئے جائز ہے کہ وہ بچّہ کو کسی ایسے امین کے سپرد کرے جو اسے صنعت و حرفت سکھائے۔ یا ایسے شخص کے حوالے کرے جو اسے قرائت قرآن۔ فنِ تحریر۔ حساب۔ عربی علوم۔ یا وہ علوم جو اس کے دین دُنیا کے لئے مفید ہوں۔ سکھائے۔ لیکن ولی کے لئے لازم ہے کہ وہ اسے حتیٰ ایسے اشخاص و اشیاء سے دور رکھے جو اس کے اخلاق کو فاسد کرنے والے ہوں۔ چہ جائیکہ اس کے عقائد کو برباد کر دیں۔

مسئلہ ۱۲: یتیم کے ولی کے لئے جائز ہے کہ وہ یتیم کے اموال سے چاہے الگ طور پر اس کے کھانے پینے اور پہننے کا انتظام کرے یا اسے اپنے عیال کے ساتھ رکھے اور اسے اپنے خاندان کا ایک فرد شمار کرے اخراجات کو نفرات پر تقسیم کر کے اس کے مال سے اس مقدار میں حساب کرے۔ لیکن یہ طریقہ صرف کھانے پینے کی چیزوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔ لباس کے سلسلہ میں ہر ایک کا حساب الگ ہوگا۔ یہی کیفیت اس وقت اختیار کی جائے جب یتیم متعدد ہوں۔ چنانچہ متولی کو حق حاصل ہے کہ وہ ماکول و مشروب میں ان کو ایک ساتھ رکھے اور خرچہ ان پر تقسیم کردے یا ہر ایک کے کھانے پینے کا حساب الگ رکھے البتہ ہر ایک کے لباس کا حساب جدا رہے گا۔

مسئلہ ۱۳: اگر بچّے کا کسی شخص کے ذمہ کوئی مال ہو تو ولی کے لئے بر بنائے مصلحت بعض مال میں مصالحت کر لینا جائز ہے۔ لیکن باقی مال مصالحت کرنے والے کے لئے حلال نہیں ہوگا اور ولی کو اس سے دستبردار ہو جانے کا حق حاصل نہیں۔

مسئلہ ۱۴: گزشتہ تمام مسائل میں "دیوانہ" "بچّے" کے ساتھ شریک ہے۔ البتہ اگر بالغ و عاقل ہونے کے بعد از سر نو اس پر جنون سوار ہوا ہو۔ تو اقرب یہ ہے کہ اس کا ولی حاکمِ شرع ہوگا نہ کہ باپ دادا یا ان کا وصی۔ لیکن احتیاطاً دونوں اگر آپس میں اتفاق کرلیں تو اس احتیاط کو ترک کرنا سزاوار نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۵: ولی بچّے پر خرچ کرنے میں افراط و تفریط سے کام نہ لے بلکہ میانہ روی اختیار کرے اور اسمیں اسکی عادت اور اس کے ہمجولیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے شایانِ شان کھانا کھلائے اور کپڑے پہنائے۔

مسئلہ ۱۶: اگر بالغ ہو جانے کے بعد بچے اور ولی کے درمیان خرچ کے سلسلہ میں اختلاف ہو جائے۔ ولی یہ دعویٰ کرے کہ اس نے بچّے۔ اس کے اموال اور اسکے چوپاؤں پر ان کے مناسب حال خرچ کیا ہے۔ جب کہ بچّہ سرے سے ہی خرچ کئے جانے کا منکر ہو جائے یا کیفیتِ خرچ کا انکار کردے۔ تو قسم کے ساتھ ولی کا قول

على الصبي البينة.

القول في السفه

السفيه هو الذي ليس له حالة باعثة على حفظ ماله و الاعتناء بحاله، يصرفه في غير موقعه، و يتلفه بغير محله، و ليست معاملاته مبنية على المكايسة و التحفظ عن المغابنة، لا يبالي بالانخداع فيها، يعرفه أهل العرف والعقلاء بوجدانهم إذا وجدوه خارجاً عن طورهم و مسلكهم بالنسبة إلى أمواله تحصيلاً و صرفاً، و هو محجور عليه شرعاً لا ينفذ تصرفاته في ماله ببيع و صلح و إجارة و هبة و إيداع و عارية و غيرها من غير توقف على حجر الحاكم إذا كان سفهه متصلا بزمان صغره، و أما لو تجدد بعد البلوغ و الرشد فيتوقف على حجر الحاكم، فلو حصل له الرشد ارتفع حجره، ولو عاد فله أن يحجره.

مسألة ١ ـ الولاية على السفيه للأب و الجدّ ووصيهما إذا بلغ سفيهاً، و فيمن طرأ عليه السفه بعد البلوغ للحاكم الشرعي.

مسألة ٢ ـ كما أن السفيه محجور عليه في أمواله كذلك في ذمته بأن يتعهد مالاً أو عملاً، فلا يصح اقتراضه وضمانه، ولا بيعه وشراؤه بالذمة ولا إجارة نفسه، ولا جعل نفسه عاملاً للمضاربة و نحوها.

مسألة ٣ ـ معنى عدم نفوذ تصرفات السفيه عدم استقلاله، فلو كان باذن الولي أو إجازته صح و نفذ. نعم فيما لا يجري فيه الفضولية يشكل صحته بالاجازة اللاحقة من الولي، ولو أوقع معاملة في حال سفهه ثم حصل له الرشد فأجازها كانت كاجازة الولي.

مسألة ٤ ـ لا يصح زواج السفيه بدون إذن الولي أو إجازته، لكن يصح طلاقه و ظهاره و خلعه، و يقبل إقراره إن لم يتعلق بالمال حتى بما يوجب القصاص و نحو ذلك، ولو أقر بالنسب يقبل في غير لوازمه المالية كالنفقة، و أما فيها فلا يخلو من

مقدم مانا جائے گا اور بچے کو چاہیئے کہ وہ اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے گواہ پیش کرے۔

(مسائل سفیہہ) احکامِ سفاہت

سفیہہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے مال کی حفاظت اور اپنی شخصیت کا تحفظ نہیں کرسکتا۔ مال بے موقع صرف کرتا ہے اور بے محل برباد کردیتا ہے۔ اس کے معاملات دوراندیشی اور فراست پر مبنی نہیں ہوتے کہ وہ غبن (فریب) کا شکار ہونے سے محفوظ رہ سکے۔ اصلاً وہ معاملات میں غچہ کھا جانے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ اہلِ عرف نہایت آسانی سے اس کی پہچان حاصل کرلیتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ وہ انکی راہ وروش سے بے بہرہ ہے اور مال کے حصول یا اس کے صرف کرنے میں عاقلوں کا طریقہ اختیار نہیں کرتا۔

چنانچہ ایسا شخص شریعت کی رو سے ممنوع التصرف ہے اور بیع، صلح، اجارہ، ہبہ، امانت رکھنا، عاریہ دینا وغیرہ جیسے اس کے تصرفات ہرگز نافذ نہیں ہونگے۔ چنانچہ اگر اسکی سفاہت بچپنے سے چلی آرہی ہو تو ممنوعیت کیلئے حاکم شرع کے حکم کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ بالغ و عاقل ہونیکے بعد از سرِ نو سفاہت میں مبتلا ہوگیا ہو۔ تو حاکم شرع ہی اسے تصرف سے روکے گا اور اگر وہ پھر سے صاحب رشد و عقل ہوجائے تو تصرف میں آزاد ہوگا۔ لیکن اگر دوبارہ سفیہہ ہوجائے تو حاکم کو اسے تصرف سے روک دینے کا اختیار ہے۔

مسئلہ ۱: بچہ اگر سفاہت کی حالت میں بالغ ہوجائے تو اس کا ولی باپ دادا، یا اُن کا وصی ہوگا۔ لیکن اگر بالغ ہونے کے بعد سفاہت کا شکار ہو تو اس کا ولی حاکم شرع ہوگا۔

مسئلہ ۲: سفیہہ جس طرح مال میں تصرف کا حق نہیں رکھتا اسی طرح کوئی چیز اپنے ذمہ بھی نہیں لے سکتا۔ مثلاً کسی سے کچھ مال دینے یا کسی امر کے انجام دینے کا عہد کرنیکا حق نہیں رکھتا۔ لہٰذا اس کا قرض لینا، ضامن بننا، خرید و فروخت کے ذریعہ کچھ اپنے ذمّہ لینا، اپنے کو کسی کا اجیر بنانا، یا مضاربہ کا عمل قبول کرنا وغیرہ صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۳: سفیہہ کے تصرفات نافذ نہ ہونیکا مطلب یہ ہے کہ وہ تصرف میں مستقل نہیں ہے۔ لیکن اگر ولی کے اذن سے تصرف کرے یا تصرف کے بعد وہ اجازت دیدے تو صحیح ہے۔ البتہ جن معاملات میں عقد فضول کی گنجائش نہیں ان میں بعد کی اجازت سے تصرف کا صحیح ہونا مشکل ہے۔۔۔۔ چنانچہ اگر اس نے کوئی معاملہ سفاہت کے زمانہ میں کیا ہو اور پھر سفاہت زائل ہوجانیکے بعد اس معاملہ کی اجازت دیدے تو وہ اجازت ولی کی اجازت کے مانند ہوگی۔

مسئلہ ۴: ولی کے اذن یا اس کی اجازت کے بغیر سفیہہ کا نکاح صحیح نہیں ہے۔ لیکن طلاق، ظہار اور خلع صحیح ہے۔ اور اسکا اپنے ذمّہ کسی چیز کا اقرار اگر مال سے متعلق نہ ہو تو اسے قبول کیا جائیگا چاہے قصاص وغیرہ کا موجب بنتا ہو۔ لیکن اگر نسب کے سلسلہ میں اقرار کرے تو اس کے لوازم مالی جیسے نفقہ وغیرہ کے علاوہ کے بارے میں قبول کیا جائے گا۔ لیکن نفقہ کے بارے میں قبول کرنا مشکل ہے اگرچہ اس کا ثبوت قرین قیاس ہے۔۔۔

إشكال و إن كان الثبوت لا يخلو من قرب، ولو أقر بالسرقة يقبل في القطع دون المال.

مسألة ٥ـ لو وكّله غيره في بيع أو هبة أو إجارة مثلاً جاز ولو كان وكيلاً في أصل المعاملة لا مجرد إجراء الصيغة.

مسألة ٦ ـ لو حلف السفيه أو نذر على فعل شيء أو تركه مما لا يتعلق بما له انعقد، ولو حنث كفّر كسائر ما يوجب الكفارة، كقتل الخطأ و الافطار في شهر رمضان، و هل يتعين عليه الصوم لو تمكن منه أو يتخير بينه و بين الكفارة المالية كغيره؟ و جهان، أحوطهما الأول، نعم لو لم يتمكن من الصوم تعين غيره، كما إذا فعل ما يوجب الكفارة المالية على التعيين، كما في كفارات الاحرام كلها أو جلها.

مسألة ٧ ـ لو كان للسفيه حق القصاص جاز أن يعفو عنه بخلاف الدية و أرش الجناية.

مسألة ٨ ـ لو اطلع الولي على بيع أو شراء مثلاً من السفيه و لم ير المصلحة في إجازته فان لم يقع إلا مجرد العقد ألغاه، و إن وقع تسليم و تسلم للعوضين فا سلمه إلى الطرف الآخر يسترده و يحفظه، و ما تسلمه و كان موجوداً يرده إلى مالكه، و إن كان تالفاً ضمنه السفيه، فعليه مثله أو قيمته لو قبضه بغير إذن من مالكه، و إن كان باذن منه لم يضمنه إلا في صورة الاتلاف منه، فانه لا يبعد فيها الضمان، كما أن الأقوى الضمان لو كان المالك الذي سلّمه الثمن أو المبيع جاهلاً بحاله أو بحكم الواقعة خصوصاً إذا كان التلف باتلاف منه، و كذا الحال لو اقترض السفيه و أتلف المال.

مسألة ٩ ـ لو أودع شخص وديعة عند السفيه فأتلفها ضمنها على الأقوى سواء علم المودع بحاله أولا، ولو تلفت عنده لم يضمنها إلا مع تفريطه في حفظها على الأشبه.

مسألة ١٠ ـ لا يسلم إلى السفيه ماله ما لم يحرز رشده، و إذا اشتبه حاله

اگر چوری کا اقرار کرے تو وہ اقرار مال کے سلسلہ میں بے اثر ہوگا۔ البتہ ہاتھ کاٹے جانے میں قبول کیا جائیگا۔

مسئلہ ۵: دوسرے شخص کا سفیہہ کو بیع۔ ہبہ اور اجارہ وغیرہ میں وکیل بنانا جائز ہے چاہے وہ اصل معاملہ میں وکیل ہو صرف صیغہ جاری کرنے میں ہی نہ ہو۔

مسئلہ ۶: اگر سفیہہ قسم کھائے یا کسی چیز کے فعل یا ترک کی نذر کرے جو اس کے مال سے متعلق نہ ہو تو نذر منعقد ہوگی۔ اب اگر وہ قسم یا نذر کی مخالفت کرے تو جیسے غلطی سے قتل کر دینا ماہ رمضان کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ موجب کفارہ ہوتے ہیں اس کا بھی کفارہ دے گا۔ اب آیا امکان کی صورت میں بطور کفارہ اس کے لئے روزہ ہی معین ہے یا غیر سفیہہ کی مانند اس کو اختیار ہے چاہے روزہ رکھے یا مالی کفارہ ادا کرے؟ اس کی دو صورتیں ہیں۔ احوط یہ ہے کہ وہ روزہ ہی رکھے۔ "ہاں" اگر روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو پھر مالی کفارہ اس کے لئے متعین ہو جائے گا۔ بالکل اسی طرح کہ جب کوئی ایسا جرم کرے جو فقط مالی کفارے کا موجب ہو، جیسا کہ احرام کے تمام یا اکثر کفاروں میں ہوتا ہے۔

مسئلہ ۷: سفیہہ کے لئے حق قصاص معاف کر دینا جائز ہے لیکن خون بہا، اور تاوان جنایت کو معاف کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ ۸: اگر "ولی" کو معلوم ہو جائے کہ "سفیہہ" نے خرید و فروخت کی ہے اور وہ اجازت دینے کو قرین مصلحت نہ سمجھتا ہو۔ تو اگر صرف عقد واقع ہوا ہو اور اس کے علاوہ کچھ نہیں تو ولی اسے لغو قرار دے ڈالے اور بس! لیکن اگر لین دین ہو چکا ہو تو جو کچھ سفیہہ نے دے ڈالا ہے ولی اسے واپس لے کر حفاظت سے رکھے گا۔ اور جو اس نے لیا ہے اور اس کے پاس موجود ہے اسے مالک کو واپس کرے گا۔ لیکن مالک سے لی گئی چیز اگر ضائع ہو گئی ہو تو سفیہہ اس کا ضامن ہے اس پر لازم ہے اسی جیسی شئے یا اس کی قیمت مالک کو پلٹائے بشرطیکہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر اس پر قبضہ کیا ہو، لیکن اگر مالک کی اجازت سے اس پر قبضہ کیا ہو تو ضامن نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس نے اپنی کوتاہی سے اس کو ضائع نہ کیا ہو۔ چنانچہ اگر ضائع ہونے میں سفیہہ کا ہاتھ رہا ہو تو اس کا ضامن ہونا بعید نہیں ہے۔ جیسا کہ اگر مالک کو سفیہہ کی (جنونی) حالت کا پتہ نہ ہو اور وہ قیمت یا بیچی گئی چیز اس کے قبضہ میں دے ڈالے تو اقوی یہ ہے کہ سفیہہ ضامن ہے۔ خصوصاً جب وہ چیز اس کی کوتاہی یا زیادتی سے تلف ہو گئی ہو... یہی حکم اس وقت ہوگا جب سفیہہ کسی سے مال قرض لے کر ضائع کر دے۔

مسئلہ ۹: اگر کوئی بطور امانت کوئی چیز سفیہہ کے سپرد کرے اور وہ اسے ضائع کر دے تو اقوی یہ ہے کہ وہ ضامن ہے۔ چاہے امانت رکھنے والے کو اس کی سفاہت کا علم ہو یا نہ ہو؟ البتہ اگر امانت سفیہہ کے پاس سے تلف ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہے۔ لیکن اگر اس نے امانت کی حفاظت میں کوتاہی کی ہو تو اشبہ یہ ہے کہ ضامن ہے۔

مسئلہ ۱۰: سفیہہ کا مال اس وقت تک اس کو نہیں دیا جائے گا جب تک اس کے صاحب رشد ہونے کا پتہ نہ چل جائے اور اگر اس کی حالت مشتبہ ہو تو اس کا امتحان لیا جائے گا۔ امتحان کا طریقہ یہ ہوگا کہ کچھ معاملات اس کو سونپے جائیں کہ وہ انھیں انجام دے۔ مثلاً خرید و فروخت کرے۔ کوئی چیز کرائے پر دے یا کسی سے کرائے پر لے اور

يختبر، بأن يفوض إليه مدة معتداً بها بعض الأمور مما يناسب شأنه كالبيع و الشراء و الاجارة و الاستئجار لمن يناسبه مثل هذه الأمور، و الرتق و الفتق في بعض الأمور، مثل مباشرة الانفاق في مصالحه و مصالح الولي و نحو ذلك فيمن يناسبه ذلك، و في السفيهة يفوض إليها ما يناسب النساء من إدارة بعض مصالح البيت و المعاملة مع النساء من الاجارة و الاستئجار للخياطة أو الغزل أو النساجة و أمثال ذلك، فان آنس منه الرشد بأن رأى منه المداقة و المكايسة و التحفظ عن المغابنة في معاملاته وصيانة المال من التضييع و صرفه في موضعه و جريه مجرى العقلاء دفع اليه ما له و إلا فلا.

مسألة ١١ ـ لو احتمل حصول الرشد للصبي قبل بلوغه يجب اختباره قبله ليسلّم إليه ما له بمجرد بلوغه لو آنس منه الرشد، و إلا ففي كل زمان احتمل فيه ذلك عند البلوغ أو بعده، و أما غيره فان ادعى حصول الرشد له و احتمله الولي يجب اختباره، و إن لم يدع حصوله ففي وجوب الاختبار بمجرد الاحتمال إشكال لا يخلو عدمه من قوة.

القول في الفلس

المفلس من حجر عليه عن ماله لقصوره عن ديونه.

مسألة ١ ـ من كثرت عليه الديون ولو كانت أضعاف أمواله يجوز له التصرف فيها بأنواعه، و نفذ أمره فيها بأصنافه ولو باخراجها جميعاً عن ملكه مجاناً أو بعوض ما لم يحجر عليه الحاكم الشرعي، نعم لو كان صلحه عنها أو هبتها مثلاً لأجل الفرار من أداء الديون يشكل الصحة خصوصاً فيما إذا لم يرج حصول مال آخر له باكتساب و نحوه.

مسألة ٢ ـ لا يجوز الحجر على المفلس إلا بشروط أربعة: الأول ـ أن تكون ديونه ثابتة شرعاً، الثاني ـ أن تكون أمواله من عروض و نقود و منافع و ديون على

مناسب اشخاص کے ساتھ وہ معاملہ کرے اور بعض امور میں جوڑ توڑ کرے۔ مثلاً اپنے مصالح یا ولی اور اس کے مانند دوسرے مناسب لوگوں کے مصالح میں اپنے ہاتھ سے خرچ کرے۔

اگر عورت سفیہہ ہو تو اس کا امتحان عورتوں کے مناسب حال امور جیسے گھریلو معاملات دیکھنا عورتوں کے ساتھ لین دین کرنا۔ کچھ سلنے یا کاتنے اور بننے کے لئے انھیں کرائے پر دینا یا ان سے لینا یا اسی قبیل کے دوسرے امور سے لیا جائے گا۔ چنانچہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ان امور کو پوری ہوشیاری سے انجام دیتی ہے اور معاملات میں دھوکہ نہیں کھاتی یا مال کو برباد ہونے سے بچاتی ہے اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرتی ہے۔ اور ان امور میں اس کی روش عاقلوں جیسی ہے۔ تو اس کا مال اس کو دیدیا جائے لیکن اگر ان امور کی صحیح انجام دہی سے مطمئن نہ ہو تو مال اس کے سپرد نہ کرے۔

مسئلہ ۱۱: اگر بالغ ہونے سے پہلے ہی بچّے کے صاحب رشد ہو جانے کا احتمال پیدا ہو جائے تو بلوغ سے پہلے ہی اس کا امتحان لینا واجب ہے تاکہ اگر اس میں رشد موجود ہے تو بالغ ہوتے ہی اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے۔ اور اگر بالغ ہونے سے پہلے اس کے رشید ہو جانے کا احتمال نہ ہو تو جب بھی اس کے صاحب رشد ہونے کا احتمال ہو جائے بلوغ کے بعد ہی سہی اسی وقت آزمانے کے بعد اس کا مال اسے دیا جائے۔

اگر ولی کے علاوہ کوئی شخص، بچہ کے صاحب رشد ہو جانے کا دعویٰ کرے اور ولی کو بھی اس بات کا گمان ہو تو ولی کے اوپر واجب ہے کہ وہ اسے آزمائے لیکن اگر کوئی اس کے صاحب رشد ہو جانے کا مدعی نہ ہو تو صرف احتمال رشد کی بناء پر اسے آزمانا مشکل ہے۔ لیکن امتحان کا واجب نہ ہونا قوت سے خالی نہیں۔

(احکام فلس) مفلس کے احکام

"مُفلس" جس شخص کا مال اس کے قرضوں کی ادائیگی کے لئے ناکافی ہو اور اسے مال میں تصرّف کرنے سے روک دیا جائے اُسے مُفلس کہتے ہیں۔

مسئلہ ۱: جو شخص بہت زیادہ قرضوں کے زیر بار ہو چکا ہے قرضے اس کے مال سے کئی گنا زیادہ ہوں وہ اپنے مال میں ہر طرح کا تصرّف کر سکتا ہے اور اسکا ہر طرح کا تصرف اس کے مال میں نافذ ہوگا چاہے وہ مُفت میں سارا مال لٹا دے یا کچھ عوض لے کر اسے اپنی ملکیت سے خارج کرے۔ لیکن اس وقت تک جب تک حاکم شرع اس پر پابندی نہ لگائے۔ البتہ اگر مصالحت کے عنوان سے یا یوں ہی اس کا اپنے مال کو .... کسی کو بخش دینا قرضوں کی ادائیگی سے جان چھڑانے کی خاطر ہو تو اس صورت میں مال کو اپنی ملکیت سے خارج کر دینے کا صحیح ہونا مشکل ہے۔ خصوصاً اس وقت جب اکتساب یا تجارت وغیرہ کے ذریعہ، دوسرے مال کے حاصل ہونے کی اُمید نہ رکھتا ہو۔

مسئلہ ۲: جب تک مُفلس میں درج ذیل چار شرطیں نہ پائی جائیں اُسے تصرّف سے روکنا جائز نہیں ہے۔

۱۔ اسکے قرضے شرعاً ثابت ہو جائیں۔ ۲۔ مستثنیات دین کے علاوہ اسکے اموال، جیسے جنس نقدی۔ منافع اور لوگوں

الناس -ما عدا مستثنيات الدين- قاصرة عن ديونه، الثالث- أن تكون الديون حالّةً، فلا يحجر عليه لأجل الديون المؤجلة و إن لم يف ما له بها لو حلّت، ولو كان بعضها حالاً و بعضها مؤجلاً فان قصر ما له عن الحالة يحجر عليه و إلا فلا. الرابع- أن يرجع الغرماء كلهم أو بعضهم إذا لم يف ما له بدين ذلك البعض إلى الحاكم و يلتمسوا منه الحجر عليه إلا أن يكون الدين لمن كان الحاكم و ليه كالمجنون و اليتيم.

مسألة ٣ - بعد ما تمت الشرائط و حجر عليه الحاكم و حكم به تعلق حق الغرماء بأمواله، و لا يجوز له التصرف فيها بعوض كالبيع و الاجارة و بغيره كالوقف و الهبة إلا باذنهم أو إجازتهم، و انما يمنع عن التصرفات الابتدائية، فلو اشترى شيئاً سابقاً بخيار ثم حجر عليه فالخيار باق، و له فسخ البيع و اجازته، نعم لو كان له حق مالي سابقاً على الغير ليس له اسقاطه وابراؤه كلاً أو بعضاً.

مسألة ٤ - انما يمنع عن التصرف في أمواله الموجودة في زمان الحجر عليه، و أما الأموال المتجددة الحاصلة له بغير اختياره كالارث أو باختياره كالاحتطاب و الاصطياد و قبول الوصية و الهبة و نحو ذلك ففي شمول الحجر لها بل في نفوذه على فرض شموله إشكال، نعم لا اشكال في جواز الحجر عليها أيضاً.

مسألة ٥ - لو أقر بعد الحجر بدين صحّ و نفذ، لكن لا يشارك المقر له مع الغرماء على الأقوى، سواء كان الاقرار بدين سابق أو بدين لاحق، و سواء أسنده الى سبب لا يحتاج الى رضا الطرفين مثل الاتلاف و الجناية و نحوهما أو أسنده الى سبب يحتاج الى ذلك كالاقتراض و الشراء بما في الذمة و نحو ذلك.

مسألة ٦ - لو أقرّ بعين من الأعيان التي تحت يده لشخص لا اشكال في نفوذ اقراره في حقه، فلو سقط حق الغرماء و انفك الحجر لزمه تسليمها الى المقر له أخذاً باقراره، و أما نفوذه في حق الغرماء بحيث تدفع الى المقر له في الحال ففيه إشكال، و الأقوى عدمه.

مسألة ٧ - بعد ما حكم الحاكم بحجر المفلس و منعه عن التصرف في أمواله

کے ذمہ اسکے قرضے، اسکے اپنے قرض کی ادائیگی کیلئے ناکافی ہوں۔ ۲۔ اسکے ذمہ موجود قرضے فوری واجب الادا ہوں، چنانچہ اگر وہ قرضے مدت دار ہوں تو انکی وجہ سے اس پر پابندی لاگو نہیں کی جائیگی۔ چاہے انکی ادائیگی کا وقت آجانے پر اسکا مال ادائیگی کیلئے ناکافی ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر کچھ قرضے فوری واجب الادا ہوں اور کچھ کی مدت بعد میں آنیوالی ہو، پس اگر اسکا مال فوری قرضوں کی ادائیگی کیلئے کافی نہ ہو تو اُسے تصرف سے روک دیا جائیگا۔ لیکن اگر اسکا مال اتنا ہے کہ وہ فوری قرضوں کو ادا کر دے تو اُسے تصرف سے نہیں روکا جائے گا۔ ۴۔ سارے قرض خواہ یا ان میں سے کچھ، اس وقت کہ جب ان بعض کو وہ مقروض انکی مطلوبہ رقم ادا نہ کر سکے۔ حاکم شرع کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے درخواست کریں کہ وہ مُفلس کو تصرف روک دے۔ مگر یہ کہ قرض خواہ دیوانے یا یتیم ہوں کہ جنکا ولی خود حاکم شرع ہوتا ہے تو اس صورت میں قرض خواہوں کو مُفلس پر پابندی لاگو کرانے کیلئے حاکم شرع کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ ۳: جب شرائط مکمل ہو جائیں اور حاکم شرع مفلس کو تصرف کرنے سے روک دے اور اسکا حکم صادر کر دے تو اسکا مال قرض خواہوں سے متعلق ہو جاتا ہے۔ جسمیں مفلس کیلئے انکے اذن یا اجازہ کے بغیر تصرفات عوضی جائز ہیں جیسے فروخت کرنا یا کرائے پر اٹھانا وغیرہ اور نہ وہ تصرفات کہ جو بغیر عوض کے ہوتے ہیں جیسے وقف کر دینا یا ہبہ (بخش دینا) کرنا وغیرہ البتہ مفلس کیلئے ممنوعیت کے بعد از سر نو تصرف کرنا ممنوع ہوگا۔ لیکن اگر پہلے سے کوئی چیز خرید چکا ہو اور اسکا خیار فسخ رکھتا ہو تو تصرف سے روک دیئے جانے کے بعد بھی خیار حاصل رہے گا اسکی مرضی ہے کہ چاہے بیع کو فسخ کر دے یا اجازت دیدے۔ البتہ کسی کے ذمہ اگر اسکا کوئی حقِ مالی ہو تو اس سارے مال یا اس میں سے کچھ مال سے دستبردار ہو جانے کا حق نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۴: مفلس کیلئے وقت حجر موجودہ اموال میں تصرف ممنوع ہے۔ لیکن نئے سرے سے غیر اختیاری طور پر حاصل ہونے والے اموال جیسے میراث یا اختیاری طور پر حاصل ہونیوالے اموال جیسے ایندھن اکٹھا کرنا۔ شکار کرنا۔ وصیت اور ہبہ قبول کرنا وغیرہ کے ساتھ ممنوعیت کا شامل ہونا، یا قرض کیلئے کہ شامل ہو جائے تو بھی اسکا نافذ ہونا مشکل ہے۔ ہاں حاکم شرع کے لئے جائز ہے کہ وہ ان اموال میں بھی اسے تصرف کرنے سے روک دے۔

مسئلہ ۵: اگر مفلس ممنوع التصرف ہو جانیکے بعد یہ اقرار کرے کہ مجھ پر کوئی اور قرض بھی ہے تو اسکا اقرار صحیح اور نافذ سمجھا جائیگا۔ لیکن جس شخص کے حق میں اُسنے اقرار کیا ہے اقویٰ یہ ہے کہ وہ ان قرض خواہوں کیساتھ شریک نہیں ہوگا جن کی وجہ سے مُفلس کو تصرف سے روکا گیا ہے۔ چاہے تصرف سے روکے جانے سے پہلے والے قرضے کا اقرار کرے یا اسکے بعد والے کا۔ اور اسکو ایسے سبب کیطرف نسبت دے جس میں رضایت طرفین کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے کسی کی کوئی چیز تلف کرنا یا ظلم و زیادتی کا مرتکب ہونا وغیرہ یا ایسے سبب کی طرف منسوب کرے جس میں فریقین کی مرضی لازمی ہوتی ہے جیسے قرض لینا یا اپنی ذمہ داری پر کوئی چیز خریدنا وغیرہ۔

مسئلہ ۶: اگر مفلس اپنے قبضہ اور اختیار میں موجود چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے بارے میں اقرار کرے کہ یہ فلاں صاحب کی ہے تو اسکے حق میں اقرار کے نافذ ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ پس اگر قرض خواہوں کا حق ساقط ہو جائے اور مفلس پر سے ممنوعیت اٹھ جائے۔ تو اپنے اقرار کے بموجب مفلس کیلئے لازمی ہے کہ وہ چیز اس شخص کے حوالے کرے جس کے حق میں اقرار کیا ہے۔ لیکن قرض خواہوں پر مفلس کے اقرار کے نافذ ہونے میں کہ وہ اس چیز کو اس شخص کے حوالے کریں جسکے حق میں مفلس نے اقرار کیا ہے۔ اشکال ہے۔ اقویٰ یہ ہے کہ (قرض خواہوں پر مفلس کا) اقرار نافذ نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۷: حاکم شرع، مفلس پر ممنوعیت لاگو کر دینے اور اسکو اپنے اموال میں تصرف سے روک دینے کے بعد مستثنیات

يشرع في بيعها و قسمتها بين الغرماء بالحصص و على نسبة ديونهم مستثنياً منها مستثنيات الدين، و قد مرت في كتاب الدين، و كذا أمواله المرهونة عند الديان، فان المرتهن أحق باستيفاء حقه من الرهن الذي عنده و لا يحاصّه فيه سائر الغرماء، كما مر في كتاب الرهن.

مسألة ٨ - إن كان من جملة مال المفلس عين اشتراها و كان ثمنها في ذمته كان البائع بالخيار بين أن يفسخ البيع و يأخذ عين ما له و بين الضرب مع الغرماء بالثمن ولو لم يكن له مال سواها.

مسألة ٩ - الظاهر أن هذا الخيار ليس على الفور، فله أن لا يبادر بالفسخ و الرجوع بالعين، نعم ليس له الافراط في تأخير الاختيار بحيث تعطل أمر التقسيم على الغرماء، ولو وقع منه ذلك خيّره الحاكم بين الأمرين فان امتنع ضرّبه مع الغرماء بالثمن.

مسألة ١٠ - يعتبر في جواز رجوع البائع بالعين حلول الدين، فلا رجوع مع تأجيله، نعم لو حلّ المؤجل قبل فك الحجر فالأصح الرجوع بها.

مسألة ١١ - لو كانت العين من مستثنيات الدين ليس للبائع أن يرجع اليها على الأظهر.

مسألة ١٢ - المقرض كالبائع في أن له الرجوع في العين المقترضة لو وجدها عند المقترض، فهل للمؤجر فسخ الاجارة إذا حجر على المستأجر قبل استيفاء المنفعة كلاً أو بعضاً بالنسبة الى ما بقي من المدة؟ فيه إشكال، و الأحوط التخلّص بالصلح.

مسألة ١٣ - لو وجد البائع أو المقرض بعض العين المبيعة أو المقترضة كان لهما الرجوع الى الموجود بحصة من الدين و الضرب بالباقي مع الغرماء، كما أن لهما الضرب بتمام الدين معهم.

مسألة ١٤ - لو زادت في العين المبيعة أو المقترضة زيادة متصلة كالسمن تتبع الأصل، فيرجع البائع أو المقرض الى العين كما هي، و أما الزيادة المنفصلة

دین کو الگ کرتے ہوئے جنکی تفصیل کتاب دین میں بیان ہو چکی ہے' اس کے اموال کو فروخت کر کے اس کو قرض خواہوں کے حصے کے مطابق ان کے درمیان تقسیم کرنا شروع کریگا۔ چنانچہ جس طرح مستثنیات دین کو مستثنیٰ کیا جائیگا اسی طرح قرض خواہوں کے پاس رکھے گئے رہنی اموال کو بھی نہیں بیچا جائے گا۔ اس لئے کہ مرتہن اپنے پاس موجود رہن میں سے اپنا حق لینے کا زیادہ حقدار ہے۔ لہٰذا دوسرے قرض خواہ اسکے ساتھ سہیم نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ کتاب رہن میں بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ ۸: اگر مفلس کے اموال میں کوئی ایسی چیز ہو جسے اس نے خریدا ہو مگر اس کی قیمت اس کے ذمہ باقی ہو تو بائع کو اختیار ہے کہ یا وہ بیع کو فسخ کر کے اپنی وہی چیز واپس لے لے چاہے مفلس کے اموال صرف اسی چیز میں منحصر ہوں۔ یا دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ اس کی قیمت میں شریک ہو جائے۔

مسئلہ ۹: ظاہراً یہ خیار فوری نہیں ہے۔ لہٰذا اگر بائع عقد فسخ کرنے اور اپنی چیز واپس لینے میں جلدی نہ کرے تو اسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ البتہ اپنے اختیار کے استعمال کو اس قدر موخر کرنے کا حق نہیں رکھتا جس سے قرض خواہوں کے درمیان تقسیم اموال کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے۔ چنانچہ اگر افراط کی حد تک تاخیر کرے تو حاکم شرع اسے دو میں سے ایک بات اختیار کرنے کی چھوٹ دے گا۔ اگر اس نے حاکم شرع کے حکم پر دھیان نہ دیا تو حاکم شرع اسے دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ قیمت میں شریک قرار دے گا۔

مسئلہ ۱۰: بائع کے لئے اسی وقت اپنا "اصل مال" واپس لینا جائز ہے جب ادائیگی قرض کی مدت پوری ہو گئی ہو لیکن اگر مدت باقی ہو۔ تو بائع اپنا اصل مال واپس لینے کا حق نہیں رکھتا' البتہ اگر مدت دار قرض کی ادائیگی کا وقت مفلس پر سے ممنوعیت ختم ہونے سے پہلے آجائے تو "اصح" یہ ہے کہ بائع اپنا مال واپس لے لینے کا حقدار ہے۔

مسئلہ ۱۱: اگر "عین" "مستثنیات دین میں سے ہو تو اظہر یہ ہے کہ بائع اسے واپس لینے کا حق نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۱۲: اگر قرض کے طور پر دی ہوئی اصل چیز' "مقترض" کے پاس موجود ہو تو بائع کی مانند قرض دینے والا بھی اسے واپس لے لینے کا حقدار ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر مستاجر کو تصرف سے روک دیا جائے اور اس نے کرائے پر لی گئی چیز سے مکمل طور پر یا کسی حد تک استفادہ نہ کیا ہو تو آیا باقیماندہ مدت کی بہ نسبت موجر اجارہ فسخ کرنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟ اس میں اشکال ہے۔ احتیاط یہ ہے کہ دونوں آپس میں مصالحت کر لیں۔

مسئلہ ۱۳: اگر بائع یا مقرض کو بیچی گئی یا قرض کے طور پر دی گئی چیز کا کچھ حصہ قرض لینے والے کے پاس مل جائے تو وہ اس کو واپس لے سکتے ہیں اور باقی ماندہ قرض کی وصولی کے لئے وہ دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ چنانچہ ان کو اپنا پورا مال حاصل کرنے کے لئے بھی قرض خواہوں کے ساتھ شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

مسئلہ ۱۴: بیچی گئی یا بطور قرض دی گئی چیز میں اگر اس چیز سے متصل کوئی اضافہ رونما ہو مثلاً موٹا پا وغیرہ تو وہ اصل کے تابع ہو گی اور بائع یا مقروض موجودہ شکل میں اس چیز کو واپس لیں گے، لیکن اگر اضافہ اصل چیز سے جدا

كالحمل والولد و اللبن و الثمر على الشجر فهي للمشتري و المقترض.

مسألة ١٥ [illegible] تعييت العين عندالمشتري مثلاً فان كان بآفة سماوية أو بفعل المشتري [illegible] نع أن يأخذها كما هي بدل الثمن و أن يضرب بالثمن مع الغرماء، و ان [illegible] بفعل الأجنبي فهو بالخيار بين أن يضرب مع الغرماء بتمام الثمن و بين أن [illegible] ذ العين معيباً، و حينئذ يحتمل أن يضارب الغرماء في جزء من الثمن نسبته [illegible] كنسبة الأرش الى قيمة العين، و يحتمل أن يضاربهم في تمام الأرش، فاذ[illegible] كان الثمن عشرة و قيمة العين عشرين و أرش النقصان أربعة: خمس القيمة فعلى الأول يضاربهم في إثنين، و على الثاني في أربعة، ولو فرض العكس بأن كان الثمن عشرين و القيمة عشرة و كان الأرش إثنين: خمس العشرة فالأمر بالعكس، يضاربهم في أربعة على الأول، و في إثنين على الثاني، و يحتمل أن يكون له أخذها كما هي، و الضرب بالثمن كالتلف السماوي، ولو كان التلف بفعل البائع فالظاهر أنه كفعل الأجنبي و يكون ما في عهدته من ضمان المبيع المعيب جزء أموال المفلس، و المسألة مشكلة، فالأحوط التخلص بالصلح.

مسألة ١٦ ـ لو اشترى أرضاً فأحدث فيها بناءً أو غرساً ثم فلس كان للبائع الرجوع إلى أرضه، لكن البناء و الغرس للمشتري، و ليس له حق البقاء ولو بالأجرة، فان تراضيا مجاناً أو بالأجرة، و إلا فللبائع إلزامه بالقلع لكن مع دفع الأرش، كما أن للمشتري القلع لكن مع طم الحفر، والأحوط للبائع عدم إلزامه بالقلع والرضا ببقائه ولو بالأجرة إذا أراده المشتري، وأحوط منه الرضا بالبقاء بغير أجرة.

مسألة ١٧ ـ لو خلط المشتري مثلاً ما اشتراه بماله خلطاً رافعاً للتميز فالأقرب بطلان حق البائع، فليس له الرجوع إليه، سواء اختلط بغير جنسه أو بجنسه، و سواء خلط بالمساوي أو الأردأ أو الأجود.

مسألة ١٨ ـ لو اشترى غزلاً فنسجه أو دقيقاً فخبزه أو ثوباً فقصره أو صبغه لم يبطل حق البائع من العين على إشكال في الأولين.

مسألة ١٩ ـ غريم الميت كغريم المفلس، فاذا وجد عين ما له في تركته كان له

ہو۔ جیسے، حمل، بچہ، دودھ اور درخت پر پھل وغیرہ تو وہ خریدار یا مقروض کی ملکیت ہوگا۔

مسئلہ ۱۵: اگر عین (یعنی مبیع) مشتری (خریدار) کے پاس معیوب ہو جائے۔ چنانچہ اگر آفت سماوی یا مشتری کے تصرف کی وجہ سے معیوب ہو تو بایع کو اختیار ہے کہ چاہے اسی حالت میں اپنی چیز مشتری سے قیمت کے بدلے میں واپس کرے یا قیمت وصول کرنے کی خاطر مفلس (مشتری) کے اموال کی تقسیم میں دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ شریک ہو جائے۔ لیکن اگر کسی اجنبی کے تصرف کرنے کی بناء پر مبیع عیب دار ہو گئی ہو تو بھی بایع کو اختیار ہے کہ یا۔ اسی عیب دار چیز کو واپس کرے یا قرض خواہوں کے ساتھ اسکی قیمت وصول کرنے کے لئے شریک ہو جائے۔ اس صورت میں احتمال ہے کہ وہ اس مقدار قیمت کو وصول کرنیکے لئے قرضخواہوں کے ساتھ سہیم ہو جائے کہ جس کی نسبت اصل قیمت کی طرف وہی ہے جو نقصان کی نسبت عین مبیع کی طرف ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ "تمام تفاوت" میں ان کے ساتھ شریک ہو۔ مثال کے طور پر اگر ثمن دس روپے۔ مبیع کی قیمت بیس روپے اور چار روپے کے برابر نقصان ہوا ہو کہ جو قیمت کا پانچواں حصہ ہے تو پہلے احتمال کی بناء پر دو روپے میں ان کے ساتھ شریک ہوگا۔ جب کہ دوسرے احتمال کی بناء پر چار روپے میں۔ لیکن فرض کیجئے کہ اگر معاملہ برعکس ہو۔ یعنی ثمن بیس روپے ہو، مبیع کی قیمت دس روپے اور نقصان دو روپے کے برابر کہ جو قیمت کا پانچواں حصہ ہے تو شرکت میں برعکس ہوگا۔ یعنی پہلے احتمال کی بناء پر چار روپے وصول کرنے کے لئے شریک ہوگا جب کہ دوسرے احتمال کی بناء پر دو روپے۔ اور احتمال یہ بھی ہے کہ وہ مبیع کو اسی حالت میں واپس کرے۔ یا پوری قیمت وصول کرنے کے لئے دوسرے قرضخواہوں کے ساتھ مفلس (مشتری) کے اموال میں سہیم ہو جائے جیسا کہ آفتِ سماوی کی بناء پر تلف ہونے میں ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر خود بایع کے تصرف کرنے سے مبیع عیب دار ہو گئی ہو تو ظاہراً یہ تصرف اجنبی والے حکم کے تحت ہے۔ اور جس مقدار میں وہ معیوب مبیع کا ضامن ہوا ہے اسے مفلس کے اموال کا جزء شمار کیا جائیگا۔ بہرحال اس مسئلہ میں اشکال ہے۔ لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ مصالحت کرکے جان چھڑائی جائے۔

مسئلہ ۱۶: اگر کوئی شخص کوئی زمین خریدے اور اس میں کوئی عمارت تعمیر کرے یا درخت لگائے اسکے بعد مفلس ہو جائے تو بایع اس سے اپنی زمین واپس لینے کا حقدار ہے لیکن عمارت اور درخت مشتری کا حق ہے لیکن مشتری اس عمارت یا ان درختوں کو اجرت دیکر بھی اس زمین میں باقی رکھنے کا حق نہیں رکھتا۔ چنانچہ اگر اجرت کے بدلے یا مفت میں وہ دونوں (عمارت اور درختوں کو باقی رکھنے پر) راضی ہو جائیں تو کیا کہنے! بصورت دیگر بایع مشتری کو درخت اکھاڑنے یا عمارت منتقل کر دینے پر مجبور کر سکتا ہے لیکن بایع کو اسکے نقصان کا تاوان دینا پڑے گا۔ اسی طرح مشتری کو بھی درخت اکھاڑ لینے کا حق حاصل ہے لیکن انکی جگہ پر جو گڑھے پڑ جائیں انکو بھرنا پڑیگا۔ اور بایع کیلئے احتیاط یہ ہے کہ وہ مشتری کو درخت اکھاڑ لینے پر مجبور نہ کرے اور مشتری کی خواہش پر چاہے اجرت لیکر ہی سہی درخت باقی رکھنے پر راضی ہو جائے۔ اور اس سے زیادہ احتیاط یہ ہے کہ بغیر اجرت لئے ہوئے درخت باقی رکھنے پر راضی ہو جائے۔

مسئلہ ۱۷: اگر خریدار خریدی گئی چیز کو اپنے مال کے ساتھ اس طرح مخلوط کر دے کہ کوئی امتیاز باقی نہ رہ جائے۔ تو اقرب یہ ہے کہ بایع کا حق باطل ہو جاتا ہے اور وہ خریدار سے اس چیز کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ چاہے خریدنے والے نے اسی جنس کی چیز کے ساتھ مخلوط کیا ہو یا اسکے علاوہ اور چاہے اسکے مساوی چیز کے ساتھ ملایا ہو یا اس سے بہتر یا کمتر چیز کے ساتھ۔

مسئلہ ۱۸: اگر خریدار دھاگہ خریدے اور اسے بُنائی میں لگا دے یا آٹا خریدے اور اسکی روٹی تیار کرے یا کپڑا خریدے اور اس

الرجوع إليه، لكن بشرط أن يكون ما تركه وافياً بدين الغرماء، و إلا فليس له ذلك، بل هو كسائر الغرماء يضرب بدينه معهم وإن كان الميت قدمات محجوراً عليه.

مسألة ٢٠ ـ يجري على المفلس إلى يوم قسمة ماله نفقته و كسوته و نفقة من يجب عليه نفقته و كسوته على ما جرت عليه عادته، ولو مات قدم كفنه بل وسائر مؤن تجهيزه من السدر و الكافور وماء الغسل و نحو ذلك على حقوق الغرماء، و يقتصر على الواجب على الأحوط، و إن كان القول باعتبار المتعارف بالنسبة إلى أمثاله لا يخلو من قوة خصوصاً في الكفن.

مسألة ٢١ ـ لو قسم الحاكم مال المفلس بين الغرماء ثم ظهر غريم آخر فالأقوى انكشاف بطلان القسمة من رأس، فيصير المال للغرماء أجمع بالنسبة.

القول في المرض

المريض إن لم يتصل مرضه بموته فهو كالصحيح يتصرف في ماله بما شاء و كيف شاء، و ينفذ جميع تصرفاته في جميع ما يملكه إلا إذا أوصى بشيء من ما له بعد موته، فانه لا ينفذ فيما زاد على ثلث تركته، كما أن الصحيح أيضاً كذلك، و يأتي تفصيله في محله إن شاء الله تعالى، و أما إذا اتصل مرضه بموته فلا إشكال في عدم نفوذ وصيته بما زاد على الثلث كغيره، كما أنه لا إشكال في نفوذ عقوده المعاوضية المتعلقة بماله كالبيع بثمن المثل و الاجارة بأجرة المثل و نحو ذلك، و كذا لا إشكال في جواز انتفاعه بماله كالأكل و الشرب والانفاق على نفسه و من يعوله و الصرف على أضيافه، و في مورد يحفظ شأنه و اعتباره و غير ذلك، و بالجملة كل صرف فيه غرض عقلائي مما لا يعد سرفاً و لا تبذيراً أيّ مقدار كان، و انما الاشكال و الخلاف في مثل الهبة و الوقف و الصدقة و الإبراء و الصلح بغير عوض و نحو ذلك من التصرفات التبرعية في ما له مما لا يقابل بالعوض و يكون فيه إضرار بالورثة، و هي المعبر عنها بالمنجزات. و أنها هل هي

کو دھو ڈالے یا رنگ دے تو بیچنے والے کا حق باطل نہیں ہوتا، البتہ دھاگے اور آٹے میں اشکال ہے۔

مسئلہ ۱۹: میت کا قرض خواہ مفلس کے قرضخواہ کی مانند ہے۔ لہٰذا اگر میت کے ترکہ میں اسے اپنی اصل چیز مل جائے تو اسے واپس لے سکتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ میت کا ترکہ قرضخواہوں کے مطالبے پورے کرنیکے لئے کافی ہو۔ کم ہونیکی صورت میں اسے اپنی چیز واپس لینے کا حق نہیں۔ بلکہ دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ اسکے قرضے کا حساب ہوگا اور ہر ایک کے قرضے کی مقدار کی مناسبت سے میت کا مال سب میں تقسیم کیا جائیگا چاہے مرنے والا محجوریت کے دوران ہی دُنیا سے رخصت ہوگیا ہو۔

مسئلہ ۲۰: مفلس کا خرچ اور جنکا خرچ مفلس پر واجب ہے، ہمیشہ کے دستور کے مطابق تقسیم اموال کے دن تک چلتا رہیگا اور اگر مفلس مر جائے تو اسکے کفن بلکہ تجہیز کے تمام اخراجات جیسے اسدر، کافور اور غسل کے پانی وغیرہ کے مصارف قرض خواہوں کے حق پر مقدم کئے جائیں گے لیکن احتیاطاً ان چیزوں میں صرف واجب کی حد تک خرچ کرنے پر اکتفا کی جائے۔ اگرچہ یہ کہنا کہ عرف عام میں جیسے انسانوں پر جیسا خرچ کیا جاتا ہے ویسا ہی خرچ کیا جائے قوت سے خالی نہیں خصوصاً کفن کے سلسلے میں۔

مسئلہ ۲۱: اگر حاکم شرع مفلس کے اموال کو قرض خواہوں کے درمیان تقسیم کردے اور اس کے بعد کوئی اور قرضخواہ آکر اپنے قرض کا مطالبہ کرے تو اقویٰ یہ ہے کہ پہلی تقسیم سرے سے باطل قرار پائے گی اور مفلس کا مال چونکہ تمام قرضخواہوں سے متعلق ہے لہٰذا ان کے مطالبہ کی مناسبت سے سب میں تقسیم ہوگا۔

بیماری کے احکام

اگر مریض کی بیماری اس کی موت پر منتہی نہ ہو تو وہ صحیح و سالم شخص کی مانند جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے اور جہاں چاہے خرچ کرسکتا ہے اور اس کے جملہ اموال میں اسکے تمام تصرفات نافذ ہوں گے۔ لیکن اگر وہ اپنی موت کے بعد اپنے مال کے بارے میں وصیت کرے تو وہ مال کے تیسرے حصے سے زیادہ میں نافذ نہیں ہوگی۔ جیسا کہ تندرست شخص کا بھی یہی حکم ہے۔ جسکی تفصیل انشاءاللہ اسکے مقام پر آئے گی۔ لیکن اگر مریض کی بیماری موت پر منتہی ہو۔ تو غیر مریض کی مانند مال کے تیسرے حصے سے زیادہ میں اسکی وصیت نافذ نہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔

اسی طرح اسکے اپنے مال سے متعلق معاوضہ والے عقود بھی بلا اشکال جاری ہوں گے، جیسے قیمت مثل کے عوض کوئی چیز فروخت کرے یا اجرت مثل کے بدلے میں کوئی چیز کرائے پر اٹھائے یا اسی طرح کے دوسرے معاملات کرے تو اس میں کوئی اشکال نہیں۔ اور اسی طرح مریض کا اپنے مال سے فائدہ اٹھانا، جیسے کھانا، پینا، اپنے اوپر خرچ کرنا، اپنے عیال اور مہمانوں پر خرچ کرنا، اپنی شان و اعتبار بحال رکھنے کے لیے صرف کرنا وغیرہ بطور مختصر اگر غرض عقلائی پائی جاتی ہو تو فضول و ناجائز خرچ سے بچتے ہوئے ہر مقدار میں خرچ کرنا بلا اشکال جائز ہے۔

اشکال اور اختلاف، ہبہ کرے، وقف کرے، صدقہ دینے، مال سے دستبردار ہو جانے اور بغیر عوض کے صلح کرنے یا اسی طرح کے ان شرعی تصرفات میں ہے جو عوض کے بغیر ہوں اور جن میں وارثوں کا نقصان ہو۔ شریعت کی زبان میں جن کو منجزات کہتے ہیں۔

دیکھنا یہ ہے کہ آیا منجزات کا تعلق اصل مال سے ہے، یعنی منجزات بطور مطلق صحیح اور نافذ ہوں گے چاہے

نافذة من الأصل بمعنى نفوذها و صحتها مطلقا و إن زادت على ثلث ما له بل و إن تعلقت بجميعه بحيث لم يبق شيء للورثة أو هي نافذة بمقدار الثلث فان زادت توقف صحتها و نفوذها في الزائد على إمضاء الورثة؟ و الأقوى هو الأول.

مسألة ١ ـ لا إشكال و لا خلاف في أن الواجبات المالية التي يؤديها المريض في مرض موته كالخمس و الزكاة و الكفارات تخرج من الأصل.

مسألة ٢ ـ لو أقر بدين أو عين من ما له في مرض موته لوارث أو أجنبي فان كان مأموناً غير متهم نفذ إقراره في جميع ما أقر به و إن كان زائداً على ثلث ما له بل و ان استوعبه، و إلا فلا ينفذ فيما زاد على ثلثه، و المراد بكونه متهماً وجود أمارات يظن معها بكذبه، كأن يكون بينه و بين الورثة معاداة يظن معها بأنه يريد بذلك إضرارهم، أو كان له حبّ شديد بالنسبة إلى المقرّ له يظّن معه بأنه يريد بذلك نفعه.

مسألة ٣ ـ لو لم يعلم حال المقرّ و أنّه كان متهماً أو مأموناً فالأقوى عدم نفوذ إقراره في الزائد على الثلث، و إن كان الأحوط التصالح بين الورثة و المقرّ له.

مسألة ٤ ـ انما يحسب الثلث في الاقرار و نحوه بالنسبة إلى مجموع مايتركه في زمان موته من الأموال عيناً أو ديناً أو منفعة أو حقاً مالياً يبذل بازائه المال كحق التحجير، و هل تحسب الدية من التركة و تضم إليها و يحسب الثلث بالنسبة إلى المجموع أم لا؟ وجهان بل قولان لا يخلو أولهما من رجحان.

مسألة ٥ ـ ما ذكر من عدم النفوذ فيما زاد على الثلث في الوصية و نحوها انما هو مع عدم إجازة الورثة، و إلا نفذت بلا إشكال، ولو أجاز بعضهم نفذت بمقدار حصته، ولو أجازوا بعضاً من الزائد على الثلث نفذت بمقداره.

مسألة ٦ ـ لا إشكال في صحة إجازة الوارث بعد موت المورث، و هل تصح منه في حال حياته بحيث تلزم عليه و لا يجوز له الردّ بعد ذلك أم لا؟ قولان، أقواهما الأول خصوصاً في الوصية، ولو ردّ في حال الحياة يمكن أن تلحقها الاجازة بعد ذلك على الأقوى.

مال کے تیسرے حصے یا سارے مال سے متعلق ہوں اور وارثوں کے لئے کچھ بھی باقی نہ رہے، یا منجزات صرف مال کے تیسرے حصے ہی میں نافذ ہوں گے، لہٰذا اگر وصیت ایک تہائی مال سے زیادہ کے بارے میں ہو تو اس کی صحت اور نفوذ (ایک تہائی سے زیادہ میں) وارثوں کی اجازت پر موقوف ہے؟ اقویٰ قولِ اوّل ہے۔

مسئلہ ۱: واجبات مالی جیسے خمس، زکوٰۃ اور کفارے وغیرہ جن کو مریض مرضِ موت میں ادا کرتا ہے کے اصل مال سے ادا کئے جانے میں کوئی اشکال اور اختلاف نہیں۔

مسئلہ ۲: اگر مرضِ موت میں اپنے کسی وارث یا کسی غیر شخص کے حق میں اقرار کرے کہ اسکا قرض یا کوئی چیز اسکے مال میں موجود ہے تو مریض کے بارے میں اگر کسی بھی اتہام کا شبہ نہ ہو تو اس کا اقرار نافذ ہوگا چاہے ایک تہائی مال سے زیادہ بلکہ سارے مال کو شامل ہو۔ لیکن اگر متہم ہونے سے محفوظ نہ ہو تو اسکا اقرار ایک تہائی مال سے زیادہ میں نافذ نہیں ہوگا۔ متہم ہونے سے مراد یہ ہے کہ ایسی علامتیں پائی جاتی ہوں جن سے اسکے اقرار کا جھوٹ پر مبنی ہونیکا گمان ہوتا ہو، مثال کے طور پر وارثوں سے اس کی دشمنی چل رہی ہو۔ جس کی بنا پر وہ وارثوں کو نقصان پہونچانا چاہتا ہو، یا جس شخص کے حق میں اقرار کیا ہے اس سے شدید الفت رکھتا ہو جس کے نتیجے میں اسے فائدہ پہونچانا چاہتا ہو۔

مسئلہ ۳: اگر اقرار کرنیوالے کی حالت مشتبہ ہو، یعنی اسکے متہم ہونے یا نہ ہونے میں شک ہو۔ تو اقویٰ یہ ہے کہ ایک تہائی مال سے زیادہ میں اسکا اقرار نافذ نہیں ہوگا۔ اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ ورثاء اور جسکے حق میں اقرار کیا گیا ہے آپس میں مصالحت کرلیں۔

مسئلہ ۴: اقرار یا اسکے مانند مواقع پر ایک تہائی مال کا حساب مریض کے اس تمام ترکہ سے کیا جائیگا جو اس نے موت کے زمانہ میں چھوڑا ہے، چاہے اصل مال ہو یا قرض، مال کی منفعت ہو یا ایسا حق مالی ہو جس کے بدلے میں مال صرف کیا جاتا ہو۔ جیسے حق تحجیر (بیکار پڑی ہوئی زمین کا کچھ حصہ گھیر لینا) اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا دیت کو بھی ترکہ میں شمار کیا جائیگا اور اس کو ان تمام اموال کے ساتھ جمع کرکے اس سے ایک تہائی کا حساب لگایا جائیگا یا نہیں؟ اس کے بارے میں دو وجھیں بلکہ دو قول ہیں۔ پہلا قول رجحان سے خالی نہیں (یعنی دیت کو ترکہ میں جوڑا جائیگا)

مسئلہ ۵: وصیت وغیرہ کے بارے میں جو یہ مذکور ہوا ہے کہ مال کے ایک تہائی سے زیادہ میں نافذ نہیں، یہ صرف اس صورت میں ہے کہ جب وارث اجازت نہ دیں، چنانچہ اگر ورثا اجازت دے دیں تو بلااشکال نافذ ہے۔ اب اگر کچھ ورثا اجازت دیں تو ان کے حصہ میں وصیت نافذ ہوگی اور سارے وارث، مال کے ایک تہائی سے کچھ زیادہ میں اجازت دیں تو وصیت بھی اسی مقدار میں نافذ ہوگی۔

مسئلہ ۶: مورث کے مرجانے کے بعد وارث کا اجازت دے دینا بلاشبہ صحیح ہے۔ لیکن آیا مورث کی زندگی میں بھی وارث کا اجازت دینا صحیح ہوگا۔ اسطرح کہ اگر وہ اجازت دیدے تو اس اجازت پر قائم رہنا اس کے لئے لازمی ہوجائے اور اجازت سے پھر جانا اسکے لئے جائز نہ ہو۔ یا صحیح نہیں؟ اس سلسلہ میں دو قول ہیں، پہلا قول زیادہ قوی ہے، خاص کر وصیت کے بارے میں لیکن اگر مورث کی زندگی میں وارث نے وصیت رد کردی ہو تو اقویٰ یہ ہے کہ بعد میں اس کی اجازت دے سکتا ہے۔

كتاب الضمان

و هو التعهد بمال ثابت في ذمة شخص لآخر. و هو عقد يحتاج إلى الايجاب من الضامن بكل لفظ دال عرفاً ولو بقرينة على التعهد المزبور، مثل ضمنت أو تعهدت لك الدين الذي لك على فلان و نحو ذلك، و قبول من المضمون له بما دل على الرضا بذلك، و لا يعتبر فيه رضا المضمون عنه.

مسألة ١ ـ يشترط في كل من الضامن و المضمون له أن يكون بالغاً عاقلاً رشيداً مختاراً، و في خصوص المضمون له أن يكون غير محجور عليه لفلس.

مسألة ٢ ـ يشترط في صحة الضمان أمور:

منها ـ التنجيز على الأحوط، فلو علق على أمر كأن يقول: أنا ضامن إن أذن أبي أو أنا ضامن إن لم يف المديون إلى زمان كذا أو إن لم يف أصلاً بطل.

و منها ـ كون الدين الذي يضمنه ثابتاً في ذمة المضمون عنه، سواء كان مستقراً كالقرض و الثمن والمثمن في البيع الذي لا خيار فيه أو متزلزلاً كأحد العوضين في البيع الخياري و المهر قبل الدخول و نحو ذلك، فلو قال أقرض فلاناً أو بعه نسيئة و أنا ضامن لم يصح.

و منها ـ تميز الدين و المضمون له و المضمون عنه بمعنى عدم الابهام و الترديد، فلا يصح ضمان أحد الدينين ولو لشخص معين على شخص معين، و لا

کتابِ ضمان

کسی شخص کا کوئی مال کسی دوسرے شخص کے ذمہ ہو تو اس شخص کے ادا نہ کرنے کی صورت میں اس کی ادائیگی کا وعدہ کرنے کو ضمان کہتے ہیں۔ عقدِ ضمان میں ضامن کی طرف سے "ایجاب" ضروری ہے۔ ہر وہ لفظ یا قرینہ جو عرف عام میں اس وعدے پر دلالت کرے۔ ایجاب کے لئے کافی ہے، مثال کے طور پر اُردو زبان میں کہے، "میں ضامن ہوں"، یا فلاں شخص کے ذمہ جو تمہارا قرض ہے میں اس کا ضامن ہوں۔ یا اسی قبیل کے الفاظ۔ اور جس شخص کیلئے ضمانت دی گئی ہو۔ عقد منعقد ہونے کے لئے اس کا قبول کرنا ضروری ہے۔ قبولیت کے لئے اسکی رضایت ظاہر کرنیوالے الفاظ کافی ہیں۔ جسکی طرف سے ضمانت دی گئی ہو اسکی رضایت (اس عقد میں) معتبر نہیں ہے۔

مسئلہ ۱: ضامن اور جس کیلئے ضمانت دی گئی ہو۔ دونوں کا بالغ، عاقل، صاحبِ رشد اور صاحبِ اختیار ہونا شرط ہے اور جس شخص کیلئے ضمانت دی گئی ہو اسکا "افلاس" کی وجہ سے ممنوع التصرف نہ ہونا خاص طور سے شرط ہے۔

مسئلہ ۲: عقدِ ضمانت کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں:

پہلی شرط:- احتیاط یہ ہے کہ عقدِ ضمانت میں کوئی شرط نہ رکھی جائے۔ پس اگر مشروط طور پر ضامن ہے۔ مثال کے طور پر اس طرح صیغہ جاری کرے۔ اگر میرے باپ نے اجازت دی تو میں ضامن ہوں یا یوں کہے کہ اگر اتنی مدت میں مقروض قرض ادا نہ کرے تو میں ضامن ہوں یا اس طرح کہے، اگر مدیون اصلاً قرض ادا نہ کرے تو میں ضامن ہوں۔ تو ایسی ضمانت باطل ہے۔

دوسری شرط:- جس قرض کے سلسلہ میں ضمانت دی جارہی ہو اس کا مضمون عنہ (کہ جس کی طرف سے ضمانت دی جارہی ہو) کے ذمہ پہلے سے ثابت اور موجود ہونا ضروری ہے۔ خواہ وہ قرض مستقر اور لازم ہو، جیسے کسی سے لیا گیا قرض اور ایسے معاملہ میں قیمت اور بیچی گئی چیز جس کو فسخ کرنے کا اختیار ہو خواہ متزلزل ہو، جیسے مذکورہ معاملہ کے دو عوضوں (قیمت اور مبیع) میں سے کوئی ایک کہ جس میں خیارِ فسخ ہو یا دخول سے پہلے مہر وغیرہ۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ تم قرض دو یا بطورِ اُدھار کوئی چیز فلاں کے ہاتھ فروخت کرو اور میں ضامن ہوں تو صحیح نہیں ہے۔

تیسری شرط:- قرض، مضمون لہ (جس کے لئے ضمانت دی جائے) اور مضمون عنہ (جسکی طرف سے ضمانت دی جائے) کا شخص اور معلوم ہونا ضروری ہے۔ یعنی ان تینوں چیزوں میں کسی قسم کا شک و ابہام نہیں ہونا چاہئے۔ پس کسی

ضمان دين أحد الشخصين ولو لواحد معين أو على واحد معين، نعم لو كان الدين معيناً في الواقع و لم يعلم جنسه أو مقداره أو كان المضمون له أو المضمون عنه متعيناً في الواقع و لم يعلم شخصه صح على الأقوى خصوصاً في الأخيرين، فلو قال: ضمنت ما لفلان على فلان و لم يعلم أنه درهم أو دينار أو أنه دينار أو ديناران صح على الأصح، و كذا لو قال: ضمنت الدين الذي على فلان لمن يطلبه من هؤلاء العشرة و يعلم بأن واحداً منهم يطلبه و لم يعلم شخصه ثم قبل المطالب أو قال: ضمنت ما كان لفلان على المديون من هؤلاء و لم يعلم شخصه صح الضمان على الأقوى.

مسألة ٣ ـ إذا تحقق الضمان الجامع للشرائط انتقل الحق من ذمة المضمون عنه إلى ذمة الضامن، و برأت ذمته، فاذا أبرأ المضمون له ذمة الضامن برأت الذمتان إحداهما بالضمان و الأخرى بالإبراء، ولو أبرأ ذمة المضمون عنه كان لغواً.

مسألة ٤ ـ الضمان لازم من طرف الضامن، فليس له فسخه بعد وقوعه مطلقا، و كذا من طرف المضمون له إلا إذا كان الضامن معسراً و هو جاهل باعساره، فله فسخه و الرجوع بحقه على المضمون عنه، و المدار إعساره حال الضمان، فلو أعسر بعده فلا خيار، كما أنه لو كان معسراً حاله ثم أيسر لم يزل الخيار.

مسألة ٥ ـ يجوز اشتراط الخيار لكل من الضامن و المضمون له على الأقوى.

مسألة ٦ ـ يجوز ضمان الدين الحال حالاً و مؤجلاً، و كذا ضمان المؤجل مؤجلا و حالاً، و كذا يجوز ضمان المؤجل بأزيد أو أنقص من أجله.

مسألة ٧ ـ لو ضمن من دون إذن المضمون عنه ليس له الرجوع عليه، و إن كان باذنه فله ذلك لكن بعد أداء الدين لا بمجرد الضمان، و انما يرجع إليه بمقدار ما أداه، فلو صالح المضمون له مع الضامن الدين ببعضه أو أبرأه من بعضه لم يرجع بالمقدار الذي سقط عن ذمته بهما.

معین شخص کے لئے کسی معیّن اور معلوم فرد کی طرف سے دو قرضوں میں سے کسی ایک غیر معیّن قرضے کی ضمانت لینا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح دو مقروضوں میں سے غیر معیّن طور پر کسی ایک کے قرضے کی ضمانت، چاہے کسی معیّن شخص کی جانب سے دوسرے معیّن و مشخص فرد کے لئے ہو، یا دو قرض خواہوں کے لئے بطور غیر معیّن، ایک معلوم اور مشخص آدمی کی ضمانت صحیح نہیں ہے۔ لیکن۔ اگر حقیقت میں قرض معیّن ہو۔ مگر اس کی جنس یا مقدار معلوم نہ ہو۔ یا مضمون لہ اور مضمون عنہ حقیقت میں معیّن اور معلوم ہوں لیکن یہ نا معلوم ہو کہ کون ہے۔ تو اقوی یہ ہے کہ ضمانت صحیح ہے خصوصاً آخری دو موارد میں، چنانچہ۔ اگر کہے کہ "میں فلاں شخص کے فلاں کے ذمّہ قرضے کا ضامن ہوں۔ اور اسے معلوم نہ ہو کہ قرض کی مقدار ایک دینار ہے یا دو دینار، یا ایک دینار اور ایک درہم، تو (اصح یہ ہے کہ صحیح ہے) اسی طرح اگر یوں کہے "کہ ان دس آدمیوں میں سے جس کا بھی فلاں شخص پر قرض ہے میں اس کا ضامن ہوں اور معیّن طور پر معلوم نہ ہو کہ دس آدمیوں میں سے کس شخص کا قرض اس کے ذمّہ ہے مگر قرضخواہ اس ضمانت کو قبول کرے تو صحیح ہے یا یوں کہے، کہ فلاں شخص اس جماعت میں سے جس کسی سے بھی قرضخواہ ہے میں اسکا ضامن ہوں جبکہ اسکو معیّن طور پر نہ جانتا ہو تو اقوی یہ ہے کہ اس کی ضمانت صحیح ہے۔

مسئلہ ۳: اگر ایسی ضمانت کہ جسکی تمام شرطیں موجود ہوں ضامن کے ذمّہ متحقق ہو جائے تو جسکی طرف سے ضمانت دی گئی ہو حق (ادائیگی قرض) اس سے منتقل ہو کر ضامن کے ذمّہ آجاتا ہے اور وہ خود بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ پس جب قرض خواہ ضامن کو اپنے حق سے بری کر دے تو ضامن اور مقروض دونوں بری ہو جائیں گے، ایک ضمانت کی وجہ سے اور دوسرا بری کر دینے کی وجہ سے، لیکن اگر صرف مضمون عنہ (مقروض) کو بری کرے تو بیکار ہے (یعنی دونوں میں سے کوئی بھی بری نہیں ہوگا)

مسئلہ ۴: عقد ضمانت ضامن کی طرف سے لازم ہے لہٰذا عقد واقع ہو جانے کے بعد ضامن اسے مطلقاً فسخ نہیں کر سکتا۔ یہی حالت مضمون لہ (قرضخواہ) کی بھی ہے یعنی اسکی طرف سے بھی عقد لازم ہے اور اسے بھی فسخ کر دینے کا حق نہیں۔ مگر یہ کہ ضامن تنگدست ہو اور قرضخواہ اسکی تنگدستی کے بارے میں علم نہ رکھتا ہو۔ تو اس صورت میں وہ عقد فسخ کر کے مضمون عنہ (مقروض) سے اپنا حق واپس لے سکتا ہے۔ اسکا معیار یہ ہے تنگدستی ضمانت کی حالت میں ہو۔ چنانچہ اگر ضمانت کے بعد تنگدست ہو جائے تو عقد فسخ کر دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ جیسا کہ اگر ضمانت کی حالت میں تنگدست ہو مگر بعد میں تنگدستی دور ہو جائے تو قرض خواہ کے لئے فسخ عقد کا اختیار باقی رہے گا۔

مسئلہ ۵: اقوی یہ ہے کہ ضامن اور قرض خواہ، دونوں خیار فسخ کی شرط کر لینے کے مجاز ہیں۔

مسئلہ ۶: فوری ادا کئے جانیوالے قرض کی ضمانت فوری اور مدّت دار، دونوں طرح جائز ہے۔ اسی طرح مُدّت والے قرض کی ضمانت مدّت دار اور فوری طور پر دونوں طرح جائز ہے اور یہی حکم مدّت دار قرض کا اسکی مدّت سے کم یا زیادہ عرصہ کیلئے ضامن بننے کا بھی ہے۔

مسئلہ ۷: اگر کوئی شخص مضمون عنہ (مقروض) کی اجازت کے بغیر ضمانت قبول کرلے تو اس سے مطالبہ کا حقدار نہیں لیکن اگر اجازت سے قبول کرے تو مطالبہ کا حق رکھتا ہے البتہ اپنی جیب سے قرض ادا کرنیکے بعد نہ کہ صرف ضمانت کی وجہ سے اور جس مقدار میں اپنی جیب سے ادا کیا ہے اسی مقدار کا مطالبہ کرے۔ چنانچہ اگر قرضخواہ ضامن کے ساتھ قرض میں سے کچھ مقدار میں مصالحت کرلے یا قرض کی کچھ مقدار اسکو معاف کر دے تو صلح اور معافیت کے وسیلے سے جتنا قرض ساقط ہوا ہے اتنے کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

مسألة ٨ ـ لو كان الضمان باذن المضمون عنه فانما يرجع عليه بالأداء فيما إذا حل أجل الدين الذي كان على المضمون عنه، و إلا فليس له الرجوع عليه إلا بعد حلول أجله، فلو ضمن الدين المؤجل حالاً أو المؤجل بأقل من أجله فأداه ليس له الرجوع عليه إلا بعد حلول الأجل، نعم لو أذن له صريحاً بضمانه حالاً أو بأقل من الأجل فالأقرب جواز الرجوع عليه مع أدائه، و أما لو كان بالعكس بأن ضمن الحال مؤجلاً أو المؤجل بأكثر من أجله برضا المضمون عنه قبل حلول أجله جاز له الرجوع عليه بمجرد الأداء في الحال، و بحلول الأجل فيما ضمن بالأكثر بشرط الأداء و كذا لومات قبل انقضاء الأجل فحل الدين بموته و أدّاه الورثة من تركته كان لهم الرجوع على المضمون عنه.

مسألة ٩ ـ لو ضمن بالاذن الدين المؤجل مؤجلاً فمات قبل انقضاء الأجلين و حلّ ما عليه فأخذ من تركته ليس لورثته الرجوع على المضمون عنه إلا بعد حلول أجل الدين الذي كان عليه، و لا يحل الدين بالنسبة الى المضمون عنه بموت الضامن، وانما يحل بالنسبة اليه.

مسألة ١٠ ـ لو دفع المضمون عنه الدين الى المضمون له من دون إذن الضامن برأت ذمته، و ليس له الرجوع عليه.

مسألة ١١ ـ يجوز الترامي في الضمان بأن يضمن مثلاً زيد عن عمرو ثم يضمن بكر عن زيد ثم يضمن خالد عن بكر و هكذا، فتبرأ ذمة الجميع و يستقر الدين على الضامن الأخير، فان كان جميع الضمانات بغير إذن من المضمون عنه لم يرجع واحد منهم على سابقه لو أدى الدين الضامن الأخير و ان كان جميعها بالاذن يرجع الأخير على سابقه و هو على سابقه الى أن ينتهي الى المديون الأصلي، و ان كان بعضها بالاذن دون بعض فان كان الأخير بدونه كان كالأول لم يرجع واحد منهم على سابقه، و ان كان بالاذن رجع هو على سابقه، و هو على سابقه لو ضمن بالاذن، و الا لم يرجع و انقطع الرجوع عليه، و بالجملة كل ضامن كان ضمانه باذن من ضمن عنه يرجع عليه بما أداه.

مسئلہ ۸: اگر مضمون عنہ (مقروض) کی اجازت سے ضمانت دے تو صرف ادائیگی قرض کے بعد ہی مطالبہ کا حق رکھتا ہے جبکہ مضمون عنہ کو ادائیگی قرض کیلئے دی گئی مہلت تمام ہو چکی ہو اور اگر مہلت باقی ہو تو اسکے پوری ہونے سے پہلے مطالبہ کرنیکا حق نہیں رکھتا۔ پس اگر دین موجل کا فوری نوعیت پر ضامن بنے یا ضمانت فوری نہ ہو مگر قرض کی مہلت سے ضمانت کی مدت کم اور ضامن قرض ادا کر دے تو قرض کی ادائیگی کا وقت آنے سے پہلے مقروض سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر مضمون عنہ (مقروض) ضامن کو فوری نوعیت کی ضمانت لینے یا مدت قرض سے کم عرصہ کی ضمانت لینے کی اجازت صراحت کے ساتھ دے چکا ہو تو اقرب یہ ہے کہ قرض ادا کرنے کے بعد ضامن کا مضمون عنہ سے مطالبہ کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر اس کے برعکس ہو۔ اسطرح کہ دین حال (فوری قرض) کی ضمانت مدت دار ہو اور مدت والے قرض کی ضمانت اس مدت سے زیادہ عرصہ کے لئے ہو تو اسکی مدت پوری ہونے سے پہلے ادا کرنے کے بعد فوری نوعیت کے قرض میں مطالبہ کا حق رکھتا ہے اور جس میں زیادہ مدت کیلئے ضامن ہوا ہے وہاں مدت پوری ہونے کے بعد اگر ادا کر چکا ہو تو مقروض سے مطالبہ کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر مدت پوری ہونے سے پہلے مر جائے اور اس کی موت سے قرض، دین حال میں تبدیل ہو جائے اور ورثہ ترکہ میں سے اس قرض کو ادا کر دیں تو وہ مضمون عنہ (مقروض) سے مطالبہ کا حق رکھتے ہیں۔

مسئلہ ۹: اگر مضمون عنہ (مقروض) کی اجازت سے مدت والے قرض کی معین مدت تک ضمانت لے اور دونوں مدتیں پوری ہونے سے پہلے مر جائے اور فوری ہو جانے کی بناء پر اسکے ترکہ سے ضامن ہونے کی وجہ سے قرض وصول لیا جائے تو مدت ضمانت پوری ہونے سے پہلے اسکے وارث مضمون عنہ (مقروض) سے مطالبہ کا حق نہیں رکھتے۔ ضامن کے مر جانے سے، مقروض پر، قرض کا فوری ادا کرنا ضروری نہیں ہوتا صرف ضامن کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

مسئلہ ۱۰: اگر مضمون عنہ (مقروض) ضامن کی اجازت کے بغیر قرض ادا کر دے تو ضامن بری الذمہ ہو جاتا ہے اور قرضخواہ ضامن سے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۱۱: ضمانت کے مسئلہ میں "ترامی" جائز ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ زید عمرو کا ضامن ہے، بکر، زید کا ضامن بن جائے۔ خالد، بکر کا ضامن بن جائے اسی طرح ایک کے بعد ایک ضامن کا ضامن بنتا رہے تو اس صورت میں سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں صرف آخری ضامن پر قرض کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔ پس اگر ساری ضمانتیں ضامن بنانے والے کی اجازت کے بغیر ہوں اور آخری ضامن قرض ادا کر دے تو کوئی بھی اپنے سے پہلے والے ضامن سے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا۔ لیکن اگر سب ضمانتیں، ضامن پیش کرنے والے کی اجازت سے ہوں تو آخری ضامن اپنے سے پہلے والے اور وہ اس سے پہلے والے سے مطالبہ کرے گا۔ یہاں تک کہ بات اصلی مقروض تک پہونچ جائے گی اور اگر بعض ضمانتیں اجازت سے ہوں اور کچھ اجازت کے بغیر۔ پس اگر آخری ضمانت اجازت کے بغیر ہو تو پہلی شق کی طرح کوئی بھی اپنے سابق سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ لیکن اگر آخری ضمانت میں اجازت رہی ہو تو وہ اپنے سابق کی طرف، اور سابق اپنے سے پہلے والے کی طرف رجوع کرے گا۔ اگر سابق والے کی ضمانت بھی اجازت سے ہو اور اگر بغیر اجازت کے ہو تو رجوع نہیں کرے گا۔ بلکہ رجوع کا سلسلہ اسی پر منقطع ہو جائے گا۔ خلاصہ جس ضامن کی ضمانت مقروض کی اجازت سے ہو وہی اپنی جیب سے دیئے گئے قرض کا مطالبہ کرے گا۔

مسألة ١٢ ـ لا إشكال في جواز ضمان اثنين عن واحد بالاشتراك بأن يكون على كل منهما بعض الدين فتشتغل ذمة كلٍ بمقدار ما عيناه ولو بالتفاوت، ولو أطلق يقسط عليهما بالتساوي، فبالنصف لو كانا اثنين و بالثلث لو كانوا ثلاثة و هكذا، و لكل منهما أداء ما عليه، وتبرأ ذمته، و لا يتوقف على أداء الآخر ما عليه، و للمضمون له مطالبة كل منهما بحصته أو أحدهما أو ابراؤه دون الآخر، ولو كان ضمانُ أحدهما بالاذن دون الآخر رجع المأذون الى المضمون عنه دون الآخر، و الظاهر أنه لا فرق في جميع ما ذكر بين أن يكون ضمانهما بعقدين بأن ضمن أحدهما عن نصفه ثم ضمن الآخر عن نصفه الآخر أو بعقد واحد كما إذا ضمن عنهما وكيلهما في ذلك فقبل المضمون له، هذا كله في ضمان اثنين عن واحد بالاشتراك ، و أما ضمانهما عنه بالاستقلال فلا اشكال في عدم وقوعه لكل منهما كذلك على ما يقتضي مذهبنا في الضمان، فهل يقع باطلاً أو يقسط عليهما بالاشتراك ؟ و جهان أقربهما الأول.

مسألة ١٣ ـ لو تم عقد الضمان على تمام الدين فلا يمكن أن يتعقبه آخر ولو ببعضه، ولو تم على بعضه لا يمكن أن يتعقبه على التمام أو على ذلك المضمون.

مسألة ١٤ ـ يجوز الضمان بغير جنس الدين، لكن اذا كان الضمان باذن المضمون عنه ليس له الرجوع عليه إلا بجنسه.

مسألة ١٥ ـ كما يجوز الضمان عن الأعيان الثابتة في الذمم يجوز عن المنافع و الأعمال المستقرة عليها، فكما يجوز أن يضمن عن المستأجر ما عليه من الأجرة كذلك يجوز أن يضمن عن الأجير ما عليه من العمل، نعم لو كان ما عليه اعتبر فيه المباشرة لم يصح ضمانه.

مسألة ١٦ ـ لو ادعى شخص على آخر ديناً فقال ثالث للمدعي: عليَّ ما عليه فرضي صح الضمان، بمعنى ثبوت الدين في ذمته على تقدير ثبوته، فتسقط الدعوى عن المضمون عنه و يصير الضامن طرفها، فلو أقام المدعي البينة على ثبوته يجب على الضامن أداؤه، و كذا لو ثبت إقرار المضمون عنه قبل الضمان بالدين،

مسئلہ ۱۲: دو شخصوں کا مشترک طور پر ایک شخص کیلئے ضامن بننا بلااشکال جائز ہے۔ اسطرح کہ کچھ قرض ایک کے ذمّہ اور کچھ دوسرے کے ذمّہ ہو۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک اپنے لیئے معیّن کردہ مقدار کا ذمّہ دار ہوگا چاہے مقدار میں فرق ہو۔ لیکن اگر مقدار معیّن نہ کی جائے تو دونوں پر مساوی تقسیم کیا جائے گا۔ اب اگر ضامن دو ہیں تو دو حصّے اور اگر تین ہوں تو تین حصّے کئے جائینگے۔ اور اگر تعداد زیادہ ہو تو اسی کے مطابق حصّے کئے جائینگے اور ہر ضامن پر اپنے حصّہ کی ادائگی لازمی ہوگی اور ادائگی کی صورت میں وہ بری الذّمہ ہو جائیگا چاہے دوسرے نے ادا کیا ہو یا نہ۔ قرضخواہ بھی ہر ایک سے اس کے حصّہ کے برابر مطالبہ کرے یا ایک سے مطالبہ کرے یا اسے بری الذّمہ کردے اور دوسرے کو بری الذّمہ نہ کرے۔

اگر ایک نے مضمون عنہ (قرض لینے والے) کی اجازت سے ضمانت دی ہو جب کہ دوسرے نے اسکی اجازت کے بغیر ضمانت دیدی ہو۔ تو جس نے اجازت لے کر ضمانت دی ہے وہی مقروض سے مطالبہ کر سکتا ہے دوسرا نہیں کر سکتا۔ ظاہراً مذکورہ تمام صورتوں میں عقدوں کی تعداد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ دونوں ضامن چاہے دو عقدوں کے ذریعہ ضامن بنے ہوں جیسے ایک عقد میں ایک ضامن آدھے حصّہ کا ضامن بنا ہو اور دوسرے عقد میں دوسرے ضامن نے باقیماندہ آدھے حصّے کی ضمانت دی ہو یا ایک ہی عقد کے ذریعہ جیسے دونوں کی طرف سے ان کا وکیل اس سلسلہ میں ضامن بن گیا ہو اور قرض دینوالا اسے قبول کرے۔ یہ سب کچھ اسوقت ہوگا جب دو اشخاص مشترک طور پر ایک کے ضامن بنیں۔ لیکن ان دونوں کا مستقل طور پر الگ الگ ایک شخص کا ضامن بننا، بلااشکال ضامن نہ بننے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ مسئلہ ضمان میں ہمارے مذہب کا تقاضا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا ان دونوں کی ضمانت باطل ہوگی یا ان کو مشترک قرار دیکر قرض ان پر تقسیم کیا جائیگا؟ دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت اقرب ہے۔ یعنی ان دونوں کی ضمانت باطل ہوگی۔

مسئلہ ۱۳: جب پورے قرضے پر ایک عقد ضمانت مکمل ہو جائے تو اس کے بعد دوسری ضمانت ممکن نہیں چاہے قرضے کی کچھ ہی مقدار کی ہو۔ اسی طرح اگر قرضے کی کچھ مقدار پر عقد ضمانت مکمل ہو جائے تو پھر اسمقدار قرض یا پورے قرض کی دوسری ضمانت ناممکن ہے۔

مسئلہ ۱۴: قرض کی جنس کے علاوہ کا ضامن بننا جائز ہے اسلیئے کہ یہ ضروری نہیں کہ جو جنس قرض کی ہو اسی جنس میں سے ادائگی کی ضمانت دیجائے۔ لیکن جب مقروض کی اجازت سے ضامن بنے تو اس سے اسی جنس میں سے مطالبہ کا حق رکھتا ہے جسکا ضامن بنا ہے۔

مسئلہ ۱۵: جس طرح ایک شخص کے لئے کسی کے ذمّہ موجود کسی چیز کا ضامن بننا۔ جائز ہے، اسی طرح اس چیز کے منافع اور ان کاموں کا ضامن بھی بن سکتا ہے جو کسی کے ذمّہ ہوں۔ پس جس طرح مستاجر کی طرف سے اجرت کی ضمانت لینا جائز ہے اسی طرح اس کے "عمل" کا ضامن بننا بھی جائز ہے۔ لیکن اگر عمل ایسا ہو کہ جس میں اجیر کی بنفس نفیس دخالت معتبر ہو تو اس عمل کا ضامن ہونا صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۶: اگر ایک شخص یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص اس کا مقروض ہے پس تیسرا شخص مدعی سے کہے کہ جو کچھ اس کے ذمّہ ہے اسکو ادا کرنے کا میں ذمّہ دار ہوں اور مدعی اسے قبول کرے تو ضمانت صحیح ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ اگر قرض ثابت ہو جائے تو ضامن اس کے ادا کرنے کا ذمّہ دار ہے پس مضمون عنہ (مقروض) دعوے کا فریق نہیں رہے گا بلکہ ضامن دعوے کا فریق ہو جائیگا۔ پس اگر مدعی اپنے قرض کے ثبوت میں بیّنۃ (دو عادل گواہ) پیش کردے تو ضامن پر اس قرض کو ادا کرنا واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر مضمون عنہ (مقروض) کا اعتراف قرض کی ضمانت سے پہلے ثابت ہو جائے۔ لیکن اگر وہ ضمانت کے بعد اعتراف (اقرار) کرے تو اس سے ضامن اور اقرار کرنے والے کے ذمّہ کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

و أما إقراره بعد الضمان فلا يثبت به شيء لا على المقر و لا على الضامن.

مسألة ١٧ ـ الأقوى عدم جواز ضمان الأعيان المضمونة كالغصب و المقبوض بالعقد الفاسد لمالكها عمن كانت هي بيده.

مسألة ١٨ ـ لا إشكال في جواز ضمان عهدة الثمن للمشتري عن البائع لو ظهر المبيع مستحقاً للغير أو ظهر بطلان البيع لفقد شرط من شروط صحته إذا كان بعد قبض البائع الثمن و تلفه عنده، و أما مع بقائه ـ في يده فحل تردد، و الأقوى عدم صحة ضمان درك ما يحدثه المشتري من بناء أو غرس في الأرض المشتراة إن ظهرت مستحقة للغير و قلعه المالك ـ للمشتري عن البائع.

مسألة ١٩ ـ لو كان على الدين الذي على المضمون عنه رهن ينفك بالضمان، شرط الضامن انفكاكه أم لا.

مسألة ٢٠ ـ لو كان على أحد دين فالتمس من غيره أداءه فأداه بلا ضمان عنه للدائن جاز له الرجوع على الملتمس مع عدم قصد التبرع.

مسئلہ ۱۷: جن چیزوں کی ادائیگی کا کوئی شخص، غصب کرنے کی بناء پر یا عقد فاسد کے ذریعہ قبضہ کرنے کی بناء پر ضامن بن چکا ہو، تو اقویٰ یہ ہے کہ ان کے مالک کے لئے قابض کی طرف سے کسی شخص کا ان چیزوں کے لوٹانے کی ضمانت قبول کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ ۱۸: اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بیچی گئی چیز کسی دوسرے کا مال ہے یا یہ پتہ چل جائے کہ صحت بیع کی شرائط میں سے کوئی شرط اس میں نہیں ہے اور بائع قیمت وصول کر کے اسے تلف کر چکا ہو۔ تو بائع کی طرف سے مشتری کو قیمت واپس کرنے کی ضمانت لینے میں کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر قیمت بائع کے پاس موجود ہو تو ضمانت کے صحیح ہونے میں تردد ہے۔ اور اگر خریدی گئی۔ زمین میں خریدار نے عمارت بنائی ہو یا درخت اگائے ہوں۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ زمین کا مالک کوئی دوسرا شخص ہے اور وہ درختوں اور عمارت کو اپنی زمین سے اکھاڑ پھینکے تو اقویٰ یہ ہے کہ بائع کی طرف سے اس نقصان کی تلافی کے سلسلہ میں مشتری کے حق میں ضامن بننا، صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۹: اگر مقروض نے قرض کے بدلے میں کوئی چیز رہن رکھی ہو تو ضمانت سے وہ چیز آزاد ہو جائے گی چاہے ضامن اس کے آزاد ہونے کی شرط رکھے یا نہ رکھے۔

مسئلہ ۲۰: شخص مقروض اگر اپنے قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں دوسرے شخص سے کہے اور دوسرا شخص ضمانت کے بغیر اس کی طرف سے قرض خواہ کی رقم اس کے حوالے کر دے اور بخشش کی نیت نہ کی ہو تو وہ مقروض سے مطالبہ کرنے کا حقدار ہے۔

كتاب الحوالة والكفالة

أما الحوالة فحقيقتها تحويل المدين ما في ذمته إلى ذمة غيره، و هي متقومة بأشخاص ثلاثه: المحيل و هو المديون، والمحتال و هو الدائن، و المحال عليه، و يعتبر فيهم البلوغ و العقل و الرشد و الاختيار، و في المحتال عدم الحجر للفلس، و كذا في المحيل إلا على البريء، وهي عقد يحتاج إلى إيجاب من المحيل و قبول من المحتال، و أما المحال عليه فليس طرفاً للعقد و إن قلنا باعتبار قبوله، و يكفي في الايجاب كل لفظ يدل على التحويل المزبور مثل أحلتك بما في ذمتي من الدين على فلان و ما يفيد معناه، و في القبول ما يدل على الرضا بذلك ، و يعتبر في عقدها ما يعتبر في سائر العقود و منها التنجيز على الأحوط.

مسألة ١ ـ يشترط في صحة الحوالة مضافاً إلى ما تقدم أمور: منها ـ أن يكون المال المحال به ثابتاً في ذمة المحيل، فلا تصح في غيره و إن وجد سببه كمال الجعالة قبل العمل فضلاً عما لا يوجد كالحوالة بما سيستقرضه فيما بعد، و منها ـ تعيين المال المحال به بمعنى عدم الابهام و الترديد، و أما معلومية مقداره أو جنسه عند المحيل أو المحتال فالظاهر عدم اعتبارها، فلو كان مجهولاً عندهما و معلوماً معيناً واقعاً لا بأس به خصوصاً مع فرض إمكان ارتفاع الجهالة. و منها ـ رضا المحال عليه و قبوله على الأحوط فيما إذا اشتغلت ذمته للمحيل بمثل ما أحال

کتابِ حوالہ

مقروض شخص کا اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے دوسرے شخص کو نامزد کرنا حوالہ کہلاتا ہے۔ حوالہ کیلئے تین افراد کا وجود ضروری ہے۔ ۱۔ مُحیل حوالہ دینے والا یا مقروض ۲۔ مُحتال حوالہ لینے والا یا قرضخواہ ۳۔ مُحال علیہ (جس کو حوالہ کیلئے نامزد کیا جائے)۔ ان تینوں کا بالغ، عاقل اور صاحبِ رشد و اختیار ہونا شرط ہے۔ ان شرائط کے علاوہ مُحتال (قرضخواہ) کیلئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ مفلس ہو جانے کی وجہ سے ممنوع التصرف نہ ہو اور یہی شرط مُحیل (مقروض) کیلئے بھی ہے۔ لیکن اگر حوالہ ایسے شخص کے نام ہو جو کسی کا مقروض نہیں تو اس صورت میں مُحیل (مقروض) کا تصرف میں آزاد ہونا معتبر نہیں ہے۔

حوالہ عقد ہے اور اس میں ایجاب و قبول ضروری ہے۔ ایجاب مُحیل (مقروض) کی طرف سے اور قبول کرنے والا مُحتال (قرض خواہ) ہوگا۔ جس کے نام حوالہ ہو وہ اس عقد میں۔ شریک نہیں خواہ ہم اس کے حوالہ قبول کرنے کو معتبر قرار دیں۔

"ایجاب" کے لئے ایسے الفاظ کافی ہیں جو حوالہ دینے پر دلالت رکھتے ہوں، مثلاً أحلتك بما فی ذمتی من الدین علی فلان یعنی میرے ذمہ قرض کی ادائیگی کے لئے آپکو فلاں کے نام حوالہ لکھ دیتا ہوں، یا اس طرح کے دوسرے الفاظ جو یہی مفہوم رکھتے ہوں۔ "قبول" کیلئے وہ الفاظ جو مُحتال کے راضی ہونے کو ظاہر کر دیں کافی ہیں۔ "عقدِ حوالہ" میں بھی وہ تمام شرائط معتبر ہیں جو اس کے علاوہ دوسرے عقود میں ہوتی ہیں انھی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عقدِ حوالہ احتیاطاً کسی چیز پر موقوف (معلق) نہ ہو۔

مسئلہ ۱: "عقدِ حوالہ" کے صحیح ہونے کی مذکورہ شرطوں کے علاوہ چند شرطیں درج ذیل ہیں۔ پہلی شرط: مُحیل اس مال کے ادا کرنے کا ذمہ دار ہو جس کا حوالہ دے رہا ہے۔ پس جو مال اسکے ذمہ ثابت نہیں اسکا حوالہ دینا صحیح نہیں خواہ اس مال کے مقروض کے ذمہ ثابت ہونے کا سبب موجود ہو۔ جیسے "عقدِ جعالہ" میں کام انجام دینے سے پہلے مزدوری کا حوالہ لکھنا۔ چہ جائیکہ مال کے ثابت ہونے کا سبب بھی موجود نہ ہو مثال کے طور پر ایسے قرض کا حوالہ جو آئندہ لیا جائیگا۔ دوسری شرط:۔ "حوالہ" لکھے جانے والے مال کی نوعیت معلوم ہونا ضروری ہے اس طرح کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ لیکن اسکی مقدار یا جنس کا مُحیل (مقروض)، یا مُحتال (قرض خواہ) کے نزدیک معلوم و مشخص ہونا ظاہراً معتبر نہیں ہے۔ پس اگر دونوں کو جنس اور مقدار کا علم نہ ہو لیکن حقیقت میں دونوں چیزیں معیّن اور معلوم ہوں تو کوئی حرج نہیں خصوصاً اس قرض کیساتھ کہ انکی جہالت برطرف ہو جانا ممکن ہے۔ تیسری شرط:۔ مُحال علیہ (جسکے نام حوالہ لکھا گیا ہے) اگر مُحیل (مقروض) کو کچھ ادا کرنے کا

عليه، و على الأقوى في الحوالة على البريء أو بغير جنس ما على المحال عليه.

مسألة ٢ ـ لا يعتبر في صحة الحوالة اشتغال ذمة المحال عليه بالدين للمحيل، فتصح الحوالة على البريء على الأقوى.

مسألة ٣ ـ لا فرق في المحال به بين كونه عيناً ثابتاً في ذمة المحيل و بين كونه منفعة أو عملاً لا يعتبر فيه المباشرة، فتصح إحالة مشغول الذمة بخياطة ثوب أو زيارة أو صلاة أو حج أو قراءة قرآن و نحو ذلك على بريء أو على من اشتغلت ذمته له بمثل ذلك ، و كذا لا فرق بين كونه مثلياً كالحنطة والشعير أو قيمياً كالغنم و الثوب بعد ما كان موصوفاً بما يرفع الجهالة فاذا اشتغلت ذمته بشاة موصوفة مثلاً بسبب كالسلم جاز له إحالتها على من كان له عليه شاة بذلك الوصف أو كان بريئاً.

مسألة ٤ ـ لا إشكال في صحة الحوالة مع اتحاد الدين المحال به مع الدين الذي على المحال عليه جنساً و نوعاً، و أما مع الاختلاف بأن كان عليه لرجل مثلاً دراهم و له على آخر دنانير فيحيل الأول على الثاني فهو على أنحاء: فتارة يحيل الأول بدراهمه على الثاني بالدنانير بأن يأخذ منه و يستحق عليه بدل الدراهم الدنانير. و أخرى يحيله عليه بالدراهم بأن يأخذ منه الدراهم و يعطي المحال عليه بدل ما عليه من الدنانير الدراهم. و ثالثة يحيله عليه بالدراهم بأن يأخذ منه دراهمه و تبقى الدنانير على حالها. لا إشكال في صحة النحو الأول، و كذا الثالث، و يكون هو كالحوالة على البريء، و أما الثاني ففيه إشكال، فالأحوط فيما إذا أراد ذلك أن يقلب الدنانير التي على المحال عليه بدراهم بناقل شرعي أولاً ثم يحال عليه الدراهم، و إن كان الأقوى صحته مع التراضي.

مسألة ٥ ـ إذا تحققت الحوالة جامعة للشروط برأت ذمة المحيل عن الدين و إن لم يبرأه المحتال و اشتغلت ذمة المحال عليه للمحتال بما أحيل عليه، هذا حال المحيل مع المحتال و المحتال مع المحال عليه، و أما حال المحال عليه مع المحيل فان كانت الحوالة بمثل ما عليه برأت ذمته مما له عليه، و كذا إن كانت بغير الجنس

ذمہ دار ہو اور محیل (مقروض) نے بھی اسی نوعیت کی چیز کا حوالہ اس کے نام لکھا ہو تو اس صورت میں احتیاط واجب کی بناء پر اسکا حوالہ پر راضی ہونا اور اسے قبول کرنا شرط ہے۔ لیکن اگر حوالہ شخص بری (غیر مقروض) کے نام ہو۔ یا حوالہ دی گئی چیز کی نوعیت اس چیز سے الگ ہو جو اسکے ذمہ ہے تو اقویٰ یہ ہے کہ محال علیہ (جس کے نام حوالہ لکھا گیا ہے) کا راضی ہونا اور حوالہ کو قبول کرنا شرط ہے۔

مسئلہ ۲: جس کے نام حوالہ لکھا جائے، ضروری نہیں کہ وہ محیل کا مقروض بھی ہو۔ بلکہ اقویٰ یہ ہے کہ غیر مقروض کا حوالہ دینا بھی صحیح ہے۔

مسئلہ ۳: جس چیز کا حوالہ لکھا جائے۔ خواہ بذاتِ خود وہ چیز محیل کے ذمہ ہو۔ خواہ اس چیز کی منفعت یا ایسا کام ہو جس کا بذاتِ خود محیل کیلئے انجام دینا شرط نہ ہو۔ لہٰذا اگر کسی کے ذمہ کپڑوں کی خیاطت، زیارت، نماز، حج یا تلاوتِ قرآن جیسا کوئی عمل ہو تو اسکے لئے اس عمل کو ایسے شخص کے حوالے کرنا۔ جو مشغول الذمہ نہ ہو یا محیل کی طرف سے اسی قسم کے عمل کا مقروض ہو صحیح ہے۔ اسی طرح محال بہ (حوالہ دی جانے والی چیز) کے "مثلی" جیسے گیہوں، جو وغیرہ یا "قیمی" جیسے بھیڑ بکری اور لباس وغیرہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اسی صورت میں کہ اسکو اس طرح بھیجوایا جائے کہ جہالت رفع ہو جائے۔ پس اگر معاملہ سلمی کے ذریعہ ایک بکری محیل کے ذمہ واجب الادا ہو تو وہ اس کا حوالہ اس شخص کے نام لکھ سکتا ہے جس سے وہ اسی خصوصیت کی گوسفند کا مطالبہ رکھتا ہو یا جس سے اصلاً مطالبہ نہ رکھتا ہو اس کے نام بھی لکھ سکتا ہے۔

مسئلہ ۴: اگر محیل اور محال علیہ دونوں ایک ہی جنس یا نوع کی چیز کے مقروض ہوں تو حوالہ بلا اشکال صحیح ہوگا۔ لیکن اگر حوالہ لکھی جانے والی چیز اور محال علیہ کے ذمہ موجود قرض کی جنس یا نوع میں اختلاف ہو، مثلاً محیل کسی کے درہموں کا مقروض ہو اور کوئی دوسرا شخص محیل کے دیناروں کا مقروض ہو اور محیل اپنے قرضخواہ کو اپنے مقروض کا حوالہ دے تو اس کی چند صورتیں ہونگی۔ پہلی صورت:۔ محیل درہموں کا مطالبہ رکھنے والے کو دیناروں کا حوالہ لکھ کر اس کے پاس بھیج دے جس کے ذمہ اسکے دینار موجود ہیں تاکہ وہ اپنے درہموں کے بدلے میں دیناروں کا حقدار بن کر انھیں وصول لے۔ دوسری صورت:۔ درہموں کے طلب گار کے لئے درہموں کا حوالہ لکھے کہ وہ جاکر محال علیہ سے درہم وصول لے اور محال علیہ کہ جو محیل کے دیناروں کا مقروض تھا، وہ دیناروں کے بدلے میں درہم ادا کرے۔ تیسری صورت:۔ "محیل" اسطرح حوالہ لکھے کہ وہ اپنے درہموں کو محال علیہ سے جاکر وصول کرلے۔ جب کہ "محیل" کے دینار اپنی جگہ پر باقی رہیں۔ پہلی اور تیسری صورت کے صحیح ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ یہ صورتیں ایسی ہوں گی جیسے کسی بری (غیر مقروض) کے نام حوالہ لکھ دیا جائے۔ لیکن دوسری صورت میں اشکال ہے۔ اس میں احتیاط یہ ہے کہ "محیل" پہلے کسی ناقلِ شرعی کے ذریعہ، محال علیہ کے ذمہ جو دینار ہیں انھیں درہموں میں تبدیل کرے اس کے بعد درہموں کا حوالہ دے۔ اگرچہ اقویٰ یہ ہے کہ دونوں کے راضی ہوجانے کی صورت میں دوسری صورت بھی صحیح ہے۔

مسئلہ ۵: جب تمام شرائط کے ساتھ حوالہ انجام پاجائے۔ تو حوالہ دینے والے کی گردن قرض کے بوجھ سے آزاد ہوجاتی ہے۔ چاہے حوالہ لینے والا (محتال) اسے بری نہ بھی کرے اور محال علیہ حوالہ دی گئی چیز کے محتال کو ادا کرنے کا ذمہ دار ہوجاتا ہے۔ یہ تو تھی محیل کے محتال اور محتال کے محال علیہ کے ساتھ معاملہ کی صورت۔ دیکھنا یہ ہے کہ محیل کا محال علیہ کے ساتھ تفاہم کس طرح ہوگا۔ چنانچہ اگر محال علیہ کے ذمہ اسی نوعیت کی کوئی چیز ہو جس کا حوالہ "محیل" نے اسکے

و وقعت على النحو الأول و الثاني مع التراضي، و أما إن وقعت على النحو الأخير أو كانت الحوالة على البريء اشتغلت ذمة المحيل للمحال عليه بما أحال عليه، و إن كان له عليه دين يبقى على حاله.

مسألة ٦ ـ لا يجب على المحتال قبول الحوالة و إن كانت على غني غير مماطل، ولو قبلها لزم و إن كانت على فقير معدم مع علمه بحاله، ولو كان جاهلاً فبان إعساره و فقره وقت الحوالة فله الفسخ و العود على المحيل،ولا فسخ مع الفقر الطاريء، كما لا يزول الخيار باليسار الطاري.

مسألة ٧ ـ الحوالة لازمة بالنسبة الى كل من الثلاثة إلا على المحتال مع إعسار المحال عليه و جهله بالحال كما أشرنا إليه، و المراد بالإعسار أن لا يكون عنده ما يوفي به الدين زائداً على مستثنياته، و يجوز اشتراط خيار الفسخ لكل منهم.

مسألة ٨ ـ يجوز الترامي في الحوالة بتعدد المحال عليه و اتحاد المحتال كما لو أحال المديون زيداً على عمرو ثم أحاله عمرو على بكر و هو على خالد و هكذا، أو بتعدد المحتال مع اتحاد المحال عليه كما لو أحال المحتال من له عليه دين على المحال عليه ثم أحال هو من عليه دين على ذلك المحال عليه و هكذا.

مسألة ٩ ـ لو قضى المحيل الدين بعد الحوالة برأت ذمة المحال عليه فان كان ذلك بمسألته رجع المحيل عليه، و إن تبرع لم يرجع.

مسألة ١٠ ـ لو أحال على بريء و قبل المحال عليه هل له الرجوع على المحيل بمجرده أو ليس له إلا بعد أداء الدين للمحتال؟ الأقرب الثاني.

مسألة ١١ ـ لو أحال البائع من له عليه دين على المشتري أو أحال المشتري البائع بالثمن على شخص آخر ثم تبين بطلان البيع بطلت الحوالة بخلاف ما إذا انفسخ البيع بخيار أو بالاقالة، فانه تبقى الحوالة و لم تتبع البيع فيه.

مسألة ١٢ ـ إذا كان له عند وكيله أو أمينه مال معين خارجي فأحال دائنه عليه ليدفع إليه و قبل المحتال وجب عليه دفعه إليه، ولو لم يدفع فله الرجوع على المحيل لبقاء شغل ذمته.

نام لکھا ہے تو اسکے ادا کر دینے کے بعد محال علیہ، محیل کے قرض سے آزاد ہو جائیگا اور اسی طرح اگر اس جنس کی کوئی چیز محال علیہ کے ذمّہ نہ بھی ہو تو بھی اگر معاملہ گزشتہ مسئلہ میں بیان شدہ پہلی یا دوسری صورت کی طرح دونوں کی مرضی سے انجام پایا ہو تو محال علیہ بری الذمّہ ہو جائیگا۔ لیکن اگر معاملہ تیسری صورت کی طرح واقع ہوا ہو۔ یا حوالہ کسی ایسے شخص کے نام ہو جو مقروض نہ ہو تو "محیل" محال علیہ کے لئے اس چیز کا ذمّہ دار ہو جائیگا۔ جس چیز کو محیل کے حوالے کی بناء پر محال علیہ نے ادا کیا ہو۔ اور اگر "محیل" کا کوئی قرض محال علیہ کے ذمّہ ہو تو وہ اپنی جگہ پر باقی رہے گا۔

مسئلہ ۶: محتال پر حوالہ قبول کرنا واجب نہیں ہے۔ چاہے اسے معلوم ہو کہ جس کے نام حوالہ لکھا گیا ہے وہ ثروتمند اور فوری ادا کرنیوالا آدمی ہے۔ لیکن اگر حوالہ قبول کرے تو اس کی پابندی اس پر لازمی ہے۔ چاہے حوالہ کسی فقیر ہی کے نام ہو اور حوالہ قبول کرنے والے اس کی حالت کا علم ہو۔ البتہ اگر اسکی حالت پہلے سے معلوم نہ ہو بلکہ حوالہ لے جانے کے بعد اسکا فقیر و نادار ہونا آشکار ہو تو وہ حوالہ فسخ کر کے "محیل" سے مطالبہ کا حق رکھتا ہے۔ چنانچہ اگر فقر اس پر عارض ہوا ہو تو فسخ نہیں کر سکتا۔ بالکل اسی طرح کہ اگر مال میں حوالہ کے بعد وسعت پیدا ہو جائے تو خیارِ فسخ ختم نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۷: عقد حوالہ محیل، محتال اور محال علیہ تینوں کیلئے عقد لازم ہے۔ البتہ اگر محال علیہ فقیر ہو اور محتال کو اسکی حالت کا پتہ نہ ہو تو اس کیلئے عقد کی وفا لازم نہیں ہے جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے۔ "اعسار" سے مراد یہ ہے کہ محال علیہ کے پاس "مستثنیات دین" کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہ ہو جس سے وہ اپنا قرضہ چکائے۔ اور ان تینوں کے لئے خیارِ فسخ کی شرط رکھنا جائز ہے۔

مسئلہ ۸: حوالہ میں "ترامی" جائز ہے بشرطیکہ۔ محتال ایک شخص ہو اور محال علیہ متعدد اشخاص ہوں۔ مثال کے طور پر مقروض زید کو حوالہ دیکر عمرو کے پاس بھیجے وہاں سے عمرو اسے حوالہ دیکر بکر کے پاس روانہ کرے اور بکر اسے خالد کے پاس بھیج دے۔ یا "محال علیہ" ایک شخص ہو اور "محتال" متعدد اشخاص ہوں (تو یہ صورت بھی جائز ہے) مثلاً حوالہ قبول کرنے والا کسی کا مقروض ہو۔ چنانچہ وہ اپنے قرضخواہ کو حوالہ دیکر ایک شخص کے پاس روانہ کر دے۔ خود وہ محتال کسی دوسرے کا مقروض ہو لہٰذا وہ بھی اپنے قرض خواہ کو حوالہ دیکر اسی محال علیہ کے پاس بھیج دے اور اسی طرح حوالے لکھے جاتے ہیں۔

مسئلہ ۹: اگر حوالہ لکھنے کے بعد محیل اپنا قرض ادا کر دے تو محال علیہ بری الذمّہ ہو جائے گا۔ اب اگر یہ ادائیگی محال علیہ کی خواہش پر انجام پائی ہو تو محیل اس سے مطالبہ کرے گا۔ لیکن اگر "محیل" شرعاً ادا کر دے تو اس سے مطالبہ نہیں کرے گا۔

مسئلہ ۱۰: اگر ایسے شخص کے نام حوالہ لکھے جو "محیل" کا مقروض نہ ہو اور وہ شخص حوالہ قبول کرلے تو آیا حوالہ قبول کرتے ہی وہ محیل سے مطالبہ کا حق رکھتا ہے یا محتال کو قرض ادا کر دینے کے بعد؟ اقرب یہ ہے کہ پہلے محتال کو قرض ادا کرے اسکے بعد محیل سے مطالبہ کرے۔

مسئلہ ۱۱: اگر بیچنے والا اپنے قرضخواہ کو حوالہ دیکر خریدار کے پاس روانہ کرے یا خریدار بیچنے والے کو قیمت کا حوالہ دیکر کسی دوسرے شخص کے پاس بھیجے اسکے بعد معلوم ہو کہ معاملہ باطل تھا تو حوالہ بھی باطل ہو جائیگا۔ اسکے برعکس اگر عقد بیع خیار کی وجہ منفسخ ہو یا دونوں (بایع اور مشتری) اپنی مرضی سے اسے ختم کر دیں تو حوالہ اپنی جگہ پر باقی رہیگا بیع کے ساتھ حوالہ باطل نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۱۲: اگر محیل کا اپنے وکیل یا امین کے پاس ایک معیّن مقدار میں مال موجود ہو اور وہ اپنے قرضخواہ کو حوالہ دیکر اسکے پاس روانہ کرے تاکہ وہ (وکیل یا امین) اس (قرضخواہ) کا مطالبہ پورا کر دے اور محتال اس حوالہ کو قبول کرے تو مال اسے ادا کرنا واجب ہے۔ چنانچہ اگر وہ (وکیل یا امین) مال ادا نہ کرے تو "محتال" محیل سے مطالبہ کر سکتا ہے اس لئے کہ محیل ابھی تک بری الذمّہ نہیں ہوا ہے۔

القول في الكفالة

وهي التعهد و الالتزام لشخص باحضار نفس له عليها حق، وهي عقد واقع بين الكفيل و المكفول له، و هوصاحب الحق،والايجاب من الأول: و يكفي فيه كل لفظ دال على المقصود نحو كفلت لك نفس فلان أو أنا كفيل لك باحضاره و نحو ذلك، و القبول من الثاني بما دل على الرضا بذلك.

مسألة ١ ـ يعتبر في الكفيل البلوغ و العقل و الاختيار و التمكن من الاحضار، و لا يشترط في المكفول له البلوغ و العقل، فيصح الكفالة للصبي و المجنون إذا قبلها الولي.

مسألة ٢ ـ لا إشكال في اعتبار رضا الكفيل و المكفول له، و الأقوى عدم اعتبار رضا المكفول، و عدم كونه طرفاً للعقد، نعم مع رضاه يلحق بها بعض الاحكام زائداً على المجردة منه، و الأحوط اعتبار رضاه و أن يكون طرفاً للعقد بأن يكون عقدها مركباً من ايجاب و قبولين من المكفول له و المكفول.

مسألة ٣ ـ كل من عليه حق مالي صحت الكفالة ببدنه، و لا يشترط العلم بمبلغ ذلك المال، نعم يشترط أن يكون المال ثابتاً في الذمة بحيث يصح ضمانه، فلو تكفل باحضار من لا مال عليه و إن وجد سببه كمن جعل الجعالة قبل أن يعمل العامل لم تصح، و كذا تصح كفالة كل من يستحق عليه الحضور إلى مجلس الشرع بأن تكون عليه دعوى مسموعة و إن لم تقم البينة عليه بالحق، و كذا تصح كفالة من عليه عقوبة من حقوق الخلق كعقوبة القصاص دون من عليه عقوبة من حقوق الله تعالى كالحد و التعزير فانها لا تصح.

مسألة ٤ ـ يصح إيقاع الكفالة حالة لو كان الحق ثابتاً على المكفول كذلك و مؤجلة، و مع الاطلاق تكون حالة مع ثبوت الحق كذلك، ولو كانت مؤجلة تلزم

احکامِ کفالت

کسی شخص کے ساتھ یہ عہد کرنا کہ وہ حقدار کے سامنے اس شخص کو جو حق کے زیر بار ہے حاضر کر دے گا۔ کفالت کہلاتا ہے۔ یہ عہد و پیمان کفیل اور مکفول لہ (صاحبِ حق) کے درمیان ہوتا ہے، "ایجاب" کفیل کی جانب سے ہوگا اُس کیلئے ایسے الفاظ جو مدعا کو ظاہر کر دیں کافی ہونگے، مثلاً (کفلت لک نفس فلان) میں تمہارے لئے فلاں شخص کا کفیل ہوں یا (انا کفیل لک باحضارہ) میں اسے حاضر کرنے میں تمہارا کفیل ہوں وغیرہ۔ اور قبول مکفول لہ (صاحبِ حق) کریگا، قبولیت کیلئے اسکی رضایت کو ظاہر کر دینے والے الفاظ کافی ہیں۔

مسئلہ ۱: کفیل کا بالغ، عاقل صاحبِ اختیار اور حاضر کر دینے پر قادر ہونا ضروری ہے۔ جب کہ مکفول لہ (صاحبِ حق) کے لئے بلوغ و عقل شرط نہیں ہیں۔ پس بچے اور دیوانے کی کفالت صحیح ہے اگر ولی قبول کرے تو!

مسئلہ ۲: کفیل اور مکفول لہ کی رضایت بلا اشکال ضروری ہے۔ اور اقویٰ یہ ہے مکفول نہ تو عقد میں شریک ہے اور نہ ہی اس کی مرضی لازمی ہے۔ البتہ اس کی رضایت کی صورت میں کچھ ایسے احکام اس پر مترتب ہوں گے جو راضی نہ ہونے کی صورت میں لاگو نہیں تھے۔ چنانچہ احتیاط یہ ہے کہ اس کی مرضی کی بھی رعایت کی جائے اور وہ بھی عقد میں شریک رہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ عقد کفالت میں ایک ایجاب اور دو قبول ہوں گے ایک مکفول لہ اور دوسرا مکفول کی طرف سے۔

مسئلہ ۳: جس شخص کے ذمہ کسی کا حقِ مالی ہو اسکو حاضر کرنیکی ذمہ داری قبول کرنا صحیح ہے۔ مال کی مقدار معلوم ہونا شرط نہیں ہے۔ لیکن مال کا اسکے ذمہ ثابت ہونا شرط ہے تاکہ اس کی ضمانت صحیح ہو سکے۔ پس اگر کسی ایسے شخص کو حاضر کرنے کی ذمہ داری قبول کرے جسکے ذمہ مال ثابت نہ ہو تو ایسی کفالت (ذمہ داری قبول کرنا) صحیح نہیں ہے۔ چاہے مال ثابت ہونے کا سبب موجود ہو۔ مثلاً کسی نے کسی کام پر "جعالہ" مقرر کر دیا ہو مگر ابھی تک عامل نے عمل انجام نہ دیا ہو۔ اسی طرح ایسے شخص کا ذمہ دار ہونا بھی صحیح ہے جو "مجلس شرع" میں کسی چیز کا مستحق اور ملزم ٹھہرا ہو۔ اس طرح کہ اس کے خلاف قابلِ سماعت دعویٰ دائر ہو چکا ہو چاہے دو عادلوں کی گواہی نہ بھی انجام پائی ہو۔ اور اسی طرح ایسے شخص کو حاضر کرنے کی ذمہ داری لینا بھی صحیح ہے جو "حقوق عباد" کے سلسلہ میں کسی عقوبت کا مستحق ہو۔ مثلاً اس سے قصاص لیا جاتا ہو۔ البتہ جو حقوق اللہ کی کسی سزا کا مستحق ہو جیسے حد و تعزیر وغیرہ تو اس کو حاضر کرنے کی ذمہ داری لینا صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۴: اگر مکفول لہ کے ذمہ ثابت شدہ حق فوری نوعیت کا ہو تو اس کو فوری طور پر یا کچھ عرصے کے بعد حاضر کرنے کی ذمہ داری لینا صحیح ہے۔ اور اگر حق مطلق ہو (یعنی اس میں فوریت یا عدم فوریت کا تذکرہ نہ ہو) تو اگر حق بطور فوری ثابت ہو جائے تو فوری حاضر کرنے کا وعدہ دینا ہوگا۔ اور اگر کچھ عرصے کے بعد حاضر کرنا ہو تو مدت معین کرنا لازمی ہے۔ تاکہ زیادتی اور کمی کے اختلاف کا اندیشہ نہ رہے۔

مسئلہ ۵: "عقد کفالۃ" عقد لازم ہے جس کو طرفین کی مرضی کے بغیر فسخ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ایک مدت معین

تعيين الأجل بنحو لا يختلف زيادة و نقصاً.

مسألة ٥ ـ عقد الكفالة لازم لا يجوز فسخه إلا بالاقالة، و يجوز جعل الخيار فيه لكل من الكفيل و المكفول له مدة معينة.

مسألة ٦ ـ إذا تحققت الكفالة جامعة للشرائط جاز مطالبة المكفول له الكفيل بالمكفول عاجلاً إذا كانت الكفالة مطلقة على ما مرّ أو معجلة و بعد الأجل إذا كان مؤجلة، فان كان المكفول حاضراً وجب على الكفيل تسليمه إلى المكفول له، فان سلّمه له بحيث يتمكن منه فقد برأ مما عليه، و إن امتنع عن ذلك يرفع الأمر إلى الحاكم، فيحبسه حتى يحضره أو يؤدي ما عليه في مثل الدين، و أما في مثل حق القصاص و الكفالة عن الزوجة فيلزم بالاحضار، و يحبس حتى يحضره و يسلّمه، و إن كان غائباً فان علم موضعه و يمكن للكفيل إحضاره أمهل بقدر ذهابه و مجيئه، فاذا مضى و لم يأت به من غير عذر حبس كما مر، و إن كان غائباً غيبة منقطعة لا يعرف موضعه و انقطع خبره فمع رجاء الظفر به مع الفحص لا يبعد أن يكلف باحضاره و حبسه لذلك خصوصاً إذا كان ذلك بتفريط منه، و أما إلزامه بأداء الدين في هذه الصورة فمحل تأمل، نعم لو أدى تخلصاً من الحبس يطلق، و مع عدم الرجاء لم يكلف باحضاره، و الأقرب إلزامه بأداء الدين خصوصاً إذا كان ذلك بتفريط منه، بأن طالبه المكفول له و كان متمكناً منه و لم يحضره حتى هرب، نعم لو كان عدم الرجاء للظفر به بحسب العادة حال عقد الكفالة يشكل صحتها، و أما لو عرض ذلك فالظاهر عدم عروض البطلان خصوصاً إذا كان بتفريط من الكفيل، فلا يبعد حينئذ إلزامه بالأداء أو حبسه حتى يتخلص به خصوصاً في هذه الصورة.

مسألة ٧ ـ لو لم يحضر الكفيل المكفول فأخذ منه المال فان لم يأذن له المكفول لا في الكفالة و لا في الأداء ليس له الرجوع عليه بما أداه، و إن أذن له في الأداء كان له الرجوع سواء أذن له في الكفالة أيضاً أم لا و إن أذن له في الكفالة دون الأداء فهل يرجع عليه أم لا؟ لا يبعد أن يفصل بين ما إذا أمكن له إرجاعه و

کے لئے کفیل و مکفول لہ کا خیارِ فسخ کی شرط رکھ لینا جائز ہے۔

مسئلہ ٦: جب تمام شرائط کے ساتھ "عقد کفالت" انجام پا جائے۔ تو کفیل نے جس شخص کے پاس مکفول کو حاضر کرنے کی ذمّہ داری قبول کی ہے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کفیل سے "مکفول" کو فوری حاضر کرنیکا مطالبہ کرے بشرطیکہ عقد کفالت مطلق ہو یعنی حاضر کرنیکی مُدّت معیّن نہ ہو۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے یا کفالت فوری ہو۔ لیکن اگر حاضر کرنے کی مُدّت معیّن ہو تو مدّت کے بعد ہی مطالبہ کرنا جائز ہوگا۔ پس اگر مکفول موجود ہو تو کفیل پر واجب ہے کہ اسے "مکفول لہ" کے سپرد کرے۔ چنانچہ کفیل اگر مکفول کو اس طرح "مکفول لہ" کے حوالے کرے کہ وہ اس پر قابو پائے تو کفیل بری الذّمہ ہو جائے گا۔ لیکن اگر کفیل، مکفول کو مکفول لہ کے حوالے کرنے سے انکار کرے تو قضیہ حاکم شرع کے پاس لے جایا جائیگا۔ حاکم اس کو "حبس" میں رکھے گا۔ یہاں تک کہ وہ یا مکفول کو حاضر کر دے یا اگر وہ مقروض ہو تو اس کی طرف سے قرضہ ادا کر دے۔ لیکن اگر حاضر کئے جانیوالے شخص سے قصاص یا کسی کی زوجہ کو حاضر ہو تو اس صورت میں اس کو حاضر کرنا لازمی ہے۔ لہٰذا جب تک حاضر نہ کر دے "کفیل" کو "حبس" میں رکھا جائے گا۔ اور اگر مکفول غائب ہو اور کفیل اس کے ٹھکانے کو جانتا ہو اور اس کے لئے مکفول کو حاضر کرنا ممکن نہ ہو تو اس کو بقدر رفت و برگشت مہلت دی جائے گی۔ چنانچہ اگر وہ جانے کے بعد مدّت کے اندر واپس نہ آئے اور کوئی عذر بھی نہ رکھتا ہو تو اُسے قید میں رکھا جائے گا۔ (جیسا کہ بیان ہو چکا ہے) لیکن اگر وہ اس طرح غائب ہوا ہو کہ اس کا کوئی ٹھکانہ معلوم نہ ہو اور نہ اس کی کوئی اطلاع ہو تو اس صورت میں اگر تلاش کرنے سے اس کے مل جانے کی اُمید ہو تو اس کو تلاش کر کے حاضر کرنے پر کفیل کو مامور کیا جانا بعید نہیں ہے۔ اور اگر اس کی کوتاہی سے غائب ہوا ہے تو تلاش کر کے حاضر کرنے کی خاطر اسے قید میں رکھا جانا بھی بعید نہیں ہے۔ لیکن اس صورت میں اسے قرض کی ادائیگی پر مجبور کرنے میں "تامّل" ہے "ہاں" اگر کفیل قید سے بچنے کے لئے قرض ادا کر دے تو اسے آزاد کر دیا جائیگا۔

لیکن اگر تلاش کرنے سے "مکفول" کے مل جانے کی اُمید نہ ہو تو اس کو حاضر کرنے پر مامور نہیں کیا جائیگا بلکہ اقرب یہ ہے کہ اسے ادائے دین پر مجبور کیا جائے گا۔ خصوصاً اگر "مکفول" "کفیل" کی کوتاہی سے غائب ہوا ہو مثلاً مکفول لہ نے اس سے مطالبہ کیا ہو۔ اور "مکفول" "کفیل" کی دسترس میں رہا ہو مگر اس نے حاضر نہ کیا ہو۔ یہاں تک کہ وہ بھاگ گیا ہو۔ لیکن اگر "عقد کفالۃ" کے موقع پر عادتاً اس کے پائے جانے کی اُمید نہ ہو۔ تو "عقد کفالۃ" کا صحیح ہونا مشکل ہے۔ لیکن ناامیدی کی صورت اگر بعد میں پیدا ہوتی ہو تو ظاہراً عقد کفالۃ باطل نہیں ہوگا۔ خاص طور سے اس وقت جب کفیل کی کوتاہی سے یہ صورت پیش آئی ہو۔ لہٰذا بعید نہیں ہے کہ یا تو اسے ادائیگی قرض پر مجبور کیا جائے گا یا اسے قید کیا جائے گا، یہاں تک وہ اس سے رہائی کی صورت پیدا کرے خاص طور سے اگر کفیل کی کوتاہی سے ایسا ہوا ہو۔

مسئلہ ٧: اگر کفیل، مکفول کو حاضر نہ کرے اور کفیل سے قرض وصول کر لیا جائے تو مکفول نے اگر کفیل کو حاضر کرنیکی ذمّہ داری لینے اور قرض ادا کرنے میں سے کسی میں بھی اجازت نہ دے رکھی ہو تو جو کچھ کفیل نے ادا کیا ہے اسکا مکفول سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اور اگر مکفول نے "ادائے دین" کی اجازت دے رکھی ہو تو "کفیل" اس سے مطالبہ کر سکتا ہے خواہ حاضر کرنے کی ذمّہ داری لینے کی بھی اجازت دی ہو یا نہ، لیکن اگر احضار کی ذمّہ داری قبول کرنے کی اجازت دے رکھی ہو مگر ادائے دین کی اجازت نہ دی ہو تو آیا "کفیل" اس سے واپس لینے کا حق دار ہے یا نہیں؟ بعید نہیں ہے کہ مسئلہ کی دو

إحضاره فالثاني و ما إذا تعذر فالأول.

مسألة ٨ - لو عين الكفيل في الكفالة مكان التسليم تعين، فلا يجب عليه تسليمه في غيره ولو طلب ذلك المكفول له، كما أنه لو سلمه في غيره لم يجب على المكفول له تسلمه، ولو أطلق و لم يعين مكانه فان أوقعا العقد في بلد المكفول له أو بلد قراره انصرف اليه، و إن أوقعاه في برية أو بلد غربة لم يكن من قصده القرار و الاستقرار فيه فان كانت قرينة على التعيين فهو، وإلا بطلت الكفالة من أصلها و إن كان في إطلاقه إشكال.

مسألة ٩ - يجب على الكفيل التوسل بكل وسيلة مشروعة لاحضار المكفول حتى أنه لو احتاج إلى الاستعانة بشخص قاهر لم تكن فيها مفسدة أو مضرة دينية أو دنيوية لم يبعد وجوبها، ولو كان غائباً و احتاج حمله إلى مؤونة فان كانت الكفالة باذن المكفول فهي عليه، ولو صرفها الكفيل لا بعنوان التبرع فله أن يرجع بها عليه على إشكال في بعضها و ان لم تكن باذنه فعلى الكفيل.

مسألة ١٠ - تبرأ ذمة الكفيل باحضار المكفول أو حضوره و تسليمه نفسه تاماً عن قبل الكفيل، و أما حضوره و تسليم نفسه لا عن قبله فالظاهر عدم براءة ذمته، و كذا لو أخذه المكفول له طوعاً أو كرهاً بحيث تمكن من إستيفاء حقه أو إحضاره مجلس الحكم، نعم لو أبرىء المكفول عن الحق الذي عليه أو الكفيل من الكفالة تبرأ ذمته.

مسألة ١١ - لو نقل المكفول له الحق الذي له على المكفول إلى غيره ببيع أو صلح أو حوالة بطلت الكفالة.

مسألة ١٢ - لو مات الكفيل أو المكفول بطلت الكفالة، بخلاف ما لو مات المكفول له، فان حقه منها ينتقل إلى ورثته.

مسألة ١٣ - من خلى غريماً من يد صاحبه قهراً و إجباراً ضمن إحضاره، ولو أدى ماعليه سقط ضمانه، هذا في مثل الدين، و أما في مثل حق القصاص فيضمن إحضاره، و مع تعذره فحل إشكال، ولو خلى قاتلاً من يد ولي الدم

شقیں ہو جائیں۔ شق اوّل میں کہ جہاں "کفیل" کے لئے "مکفول" کو حاضر کر دینا ممکن تھا (مگر اس نے نہیں کیا) مطالبہ کا حقدار نہ ہو۔ اور شق دوم میں۔ کہ جہاں کفیل کے لئے مکفول کو حاضر کرنا ممکن نہ تھا۔ مطالبہ کا حق رکھتا ہو۔

مسئلہ ۸: اگر کفیل عقد کفالۃ میں اس جگہ کو معیّن کر دے کہ جہاں وہ "مکفول" کو "مکفول لہٗ" کے حوالہ کریگا۔ تو وہی جگہ معیّن ہو جائیگی۔ پس اگر "مکفول لہٗ" کفیل سے مطالبہ کرے کہ وہ مکفول کو کسی دوسری جگہ حاضر کرے تو کفیل پر اس جگہ حوالے کرنا واجب نہیں ہے۔ چنانچہ اگر طے شدہ مکان کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے مکفول لہٗ کے سپرد کرنا چاہے تو مکفول لہٗ پر اسے تحویل میں لینا واجب نہیں ہے اور اگر عقد میں جگہ معیّن نہ کی جائے تو اگر عقد مکفول لہٗ کے شہر یا اسکی موجودہ اقامت گاہ میں منعقد ہوا ہو تو وہی شہر معیّن ہو جائے گا۔ لیکن اگر عقد کفالۃ جنگل یا سفر کے دوران کسی شہر میں واقع ہوا ہو اور مکفول لہٗ کا اس شہر میں سکونت پذیر ہونے کا ارادہ نہ ہو تو اگر اس جگہ یا اس کے علاوہ کی تعیین پر قرینہ موجود ہو تو وہی معیّن ہو جائے گی اور اگر قرینہ نہ ہو تو عقد کفالۃ ہی باطل ہو جائیگا اگرچہ عقد کا مطلق واقع ہونا مشکل ہے۔

مسئلہ ۹: مکفول کو حاضر کرنے کی خاطر کفیل پر واجب ہے کہ وہ ہر جائز ذریعہ استعمال کرے۔ حتیٰ کہ اگر کسی زبردست آدمی کی مدد کی ضرورت ہو اور اس سے مدد لینے میں فساد یا دینی یا دنیاوی نقصان نہ ہو تو اس سے مدد لینے کا واجب ہونا بعید نہیں ہے۔ اگر مکفول غائب ہو اور اس شخص کو لے جانے کے لئے اخراجات درکار ہوں تو اگر کفالت میں مکفول کی اجازت شامل ہو تو اخراجات کا ذمہ دار وہی ہوگا۔ اب اگر کفیل اخراجات کر بیٹھے اور فی سبیل اللہ کا قصد بھی نہ ہو تو وہ مکفول سے مطالبہ کا حق رکھتا ہے۔ البتہ بعض اخراجات کے مطالبہ میں اشکال ہے۔ لیکن اگر "کفالۃ" میں مکفول کی اجازت سے نہ ہو تو تمام اخراجات کا ذمہ دار کفیل ہوگا۔

مسئلہ ۱۰: کفیل۔ مکفول کو حاضر کر دینے کے بعد، یا مکفول کے بذاتِ خود کفیل کی جانب سے حاضر ہو جانے کے بعد بری الذمہ ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ کفیل کی طرف سے حاضر نہ ہو۔ بلکہ اپنی طرف سے حاضر ہو جائے تو کفیل بری الذمہ نہیں ہوگا۔ یہی صورت اسوقت ہوگی جب مکفول لہٗ اسے اس کی مرضی سے یا زبردستی پکڑ لے اور اپنا حق اس سے وصول کرے۔ یا اس کو عدالتِ شرعی میں لا کھڑا کرے۔ البتہ اگر مکفول کو حق کی ادائیگی یا کفیل کو کفالت سے بری کر دیا جائے تو کفیل بری الذمہ ہو جائے گا۔

مسئلہ ۱۱: اگر مکفول لہٗ اپنے اس حق کو جو مکفول کے ذمہ ثابت ہے، فروخت کر دے یا کسی سے اس پر مصالحت کرے یا کسی کو حوالہ لکھ دے تو کفالت باطل ہو جائے گی۔

مسئلہ ۱۲: اگر کفیل یا مکفول کی موت واقع ہو جائے تو کفالت باطل ہو جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس مکفول لہٗ کے مرنے سے کفالت باطل نہیں ہوگی اس لئے کہ کفالت میں سے اس کا حق وارثوں کو ملے گا۔

مسئلہ ۱۳: اگر کوئی شخص کسی مقروض کو قرض خواہ کی دسترس سے زبردستی بھگا دے تو وہ اسے حاضر کرنیکا ضامن ہے اور اگر وہ مقروض کی طرف سے قرض ادا کر دے تو ضمانت ساقط ہو جائے گی۔ یہ تھا قرض کا حکم۔ رہ گیا حق قصاص کا حکم تو ہر صورت وہ اسے حاضر کرنے کا ضامن ہے۔ لیکن حاضر کرنے سے معذور ہونے کی صورت میں مسئلہ محل اشکال ہے۔ اگر خون بہا لینے کا حق رکھنے والے کے ہاتھوں سے قاتل کو چھڑا کر بھگا دے تو اسے حاضر کرنے کا ضامن ہے۔ اور اگر قاتل کی موت واقع ہو جانے کے سبب یا کسی اور وجہ سے اُسے حاضر کرنے سے معذور ہو تو "قرضہ" کا حکم اس پر لاگو ہونا بعید

ضمن إحضاره، ومع تعذره بموت ونحوه تؤخذ منه الدية، هذا في القتل العمدي، وأما ما يوجب الدية فلا يبعد جريان حكم الدين عليه من ضمان إحضاره، ولو أدى ما عليه سقط ضمانه.

مسألة ١٤ - يجوز ترامي الكفالات بأن يكفل الكفيل آخر ويكفل هذا آخر وهكذا، وحيث أن الكل فروع الكفالة الأولى وكل لا حق فرع سابقه فلو أبرأ المستحق الكفيل الأول أو أحضر الأول المكفول الأول أو مات أحدهما برأوا أجمع، ولو أبرأ المستحق بعض من توسط برأ هو ومن بعده دون من قبله، وكذا لو مات برأ من كان فرعاً له.

مسألة ١٥ - يكره التعرض للكفالات، فعن الصادق عليه السلام «الكفالة خسارة غرامة ندامة».

نہیں ہے۔ یعنی بھگانے والا اسے حاضر کرنیکا ضامن ہوگا، اور اگر اسکی طرف سے دیت ادا کر دے تو ضمانت ساقط ہو جائیگی۔

مسئلہ ۱۴: کفالت میں ترامی یعنی کفیل کا کفیل بننا اور اسکا کفیل بننا چاہے یہ سلسلہ جہاں تک پہونچے جائز ہے اور چونکہ ساری کفالتیں پہلی کفالت کی شاخیں ہیں اور ہر بعد والی کفالت اپنی سابقہ کفالت کی فرع ہے۔ لہٰذا اگر "حقدار" پہلے کفیل کو بری الذمہ کر دے یا پہلا کفیل پہلے مکفول کو حاضر کر دے یا (کفیل یا مکفول) دونوں میں سے کوئی مرجائے تو سب بری الذمہ ہو جائیں گے اور اگر "حقدار" درمیان میں سے کسی کفیل کو بری الذمہ کر دے تو وہ اور اس کے بعد والے بری الذمہ ہو جائیں گے۔ اس سے پہلے والے نہیں۔ یہی صورت اس وقت ہوگی جب وہ مرجائے تو وہ کفیل جو مرنے والے کے بعد میں ہے بری ہو جائیگا۔

مسئلہ ۱۵: کفالت کی ذمہ داری لینا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ صادق آلِ محمدؑ کا ارشاد ہے "کفالت، خسارت، غرامت اور ندامت ہے۔"

كتاب الوكالة

وهي تفويض أمر إلى الغير ليعمل له حال حياته، أو إرجاع تمشية أمر من الأمور إليه له حالها، وهي عقد يحتاج إلى إيجاب بكل ما دل على هذا المقصود، كقوله وكلتك أو أنت وكيلي في كذا أو فوضته اليك و نحوها، بل الظاهر كفاية قوله: بع داري قاصداً به التفويض المذكور فيه، و قبول بكل ما دل على الرضا به، بل الظاهر أنه يكفي فيه فعل ما و كل فيه بعد الايجاب، بل الأقوى وقوعها بالمعاطاة بأن سلّم إليه متاعاً ليبيعه فتسلّمه لذلك، بل لا يبعد تحققها بالكتابة من طرف الموكل و الرضا بما فيها من طرف الوكيل و إن تأخر وصولها إليه مدة، فلا يعتبر فيها الموالاة بين ايجابها وقبولها، و بالجملة يتسع الأمر فيها بما لا يتسع في غيرها، حتى أنه لو قال الوكيل: «أنا و كيلك في بيع دارك» مستفهماً فقال: «نعم» صح و تم و إن لم نكتف بمثله في سائر العقود.

مسألة ١ ـ يشترط فيها على الأحوط التنجيز بمعنى عدم تعليق أصل الوكالة على شيء كقوله مثلاً إذا قدم زيد أو أهل هلال الشهر و كلتك في كذا، نعم لا بأس بتعليق متعلقها كقوله أنت وكيلي في أن تبيع داري إذا قدم زيد أو وكلتك في شراء كذا في وقت كذا.

مسألة ٢ ـ يشترط في كل من الموكل و الوكيل البلوغ و العقل والقصد و

کتابِ وکالت

اپنی زندگی میں کسی امر کی انجام دہی کی ذمّہ داری دوسرے کے سپرد کرنے یا کسی کام کا راستہ ہموار کرنے پر دوسرے کو معیّن کرنے کو وکالت کہتے ہیں۔ عقدِ وکالت میں ایجاب و قبول ضروری ہے۔ صیغۂ ایجاب کے لئے کوئی مخصوص الفاظ نہیں ہیں بلکہ تمام وہ الفاظ جو مافی الضمیر کو سمجھا دیں کافی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر یوں کہے۔ وکلتک (میں تجھے وکیل بناتا ہوں) یا "انت وکیلی فی کذا" (آپ اس امر کی انجام دہی میں میرے وکیل ہیں یا "فوضتہ الیک" (میں اس کام کو آپ کے ذمّہ لگاتا ہوں) یا اسی قبیل کے دوسرے الفاظ تو ایجاب کے لئے کافی ہوں گے۔ بلکہ یوں کہے کہ تم میرا گھر بیچ دو اور اس سے وکالت کا قصد کرے تو ظاہراً یہ بھی کافی ہے۔ "صیغۂ قبول" کے لئے بھی وہ الفاظ جو "امر موکول" کی انجام دہی میں راضی ہونے پر دلالت کریں کافی ہوں گے، بلکہ اگر ایجاب کے بعد "امر موکول" کو انجام دے ڈالے تو ظاہراً وہی کافی ہے لفظی قبول کی ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ اقویٰ یہ ہے کہ بطورِ معاطات بھی یہ عقد منعقد ہو سکتا ہے۔ معاطات کی صورت یہ ہوگی کہ کوئی مال بیچنے کے لئے "وکیل" کے حوالے کرے اور وہ اسے فروخت کرنے ہی کی نیّت سے قبول بھی کرے۔ بلکہ اگر موکّل (وکیل بنانے والا) تحریر لکھ دے اور "وکیل" اس پر راضی ہو جائے تب بھی عقد کا منعقد ہو جانا بعید نہیں ہے۔ چاہے وہ تحریر تاخیر سے وکیل تک پہونچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "عقدِ وکالت" میں ایجاب اور قبول کے درمیان موالات معتبر نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ اس عقد میں اتنی چھوٹ ہے جتنی کسی میں نہیں۔ حتیٰ اگر خود وکیل پہل کرتے ہوئے یہ کہے (انا وکیلک فی بیع دارک) کیا میں تیرے گھر کی فروخت میں تیرا وکیل ہوں؟ اور موکّل ہاں کہہ دے تو صحیح ہے اگرچہ ہم دوسرے تمام عقود میں اتنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے۔

مسئلہ ۱: احتیاط یہ ہے کہ "وکالت" میں تنجیز شرط ہے۔ تنجیز کا مطلب یہ ہے کہ "اصل وکالت" کسی چیز پر موقوف اور معلّق نہ ہو، مثلاً اس طرح کہنا کہ۔ جب زید آجائیگا یا نیا چاند نمودار ہو جائے گا تو تم فلاں امر میں میری وکالت کرو گے۔ درست نہیں ہے۔ ہاں! متعلق وکالت کے کسی چیز پر معلّق ہونے میں کوئی حرج نہیں مثلاً تم میرے وکیل ہو گھر کی فروخت میں۔ جب زید آجائے۔ یا فلاں چیز فلاں وقت میں خریدنے پر تم میرے وکیل ہو۔

مسئلہ ۲: موکّل اور وکیل دونوں کے لئے بالغ، عاقل اور اپنے ارادے و اختیار کا مالک ہونا شرط ہے۔ لہٰذا بچے، دیوانے اور کسی مجبور شخص کے لئے کسی کو وکیل بنانا یا بننا صحیح نہیں ہے۔ البتّہ جسے صرف صیغہ جاری کرنے پر وکیل

الاختيار، فلا يصح التوكيل و لا التوكل من الصبي و المجنون و المكره، نعم لا يشترط البلوغ في الوكيل في مجرد إجراء العقد على الأقرب، فيصح توكيله فيه إذا كان مميزاً مراعياً للشرائط، و يشترط في الموكل كونه جائز التصرف فيما و كل فيه، فلا يصح توكيل المحجور عليه لسفه أو فلس فيما حجر عليهما فيه دون غيره كالطلاق، و أن يكون إيقاعه جائزاً له ولو بالتسبيب، فلا يصح منه التوكيل في عقد النكاح أو ابتياع الصيد إن كان محرماً، و في الوكيل كونه متمكناً عقلاً و شرعاً من مباشرة ما توكل فيه، فلا تصح وكالة المحرم فيما لا يجوز له كابتياع الصيد وإمساكه و إيقاع عقد النكاح.

مسألة ٣ ـ لا يشترط في الوكيل الاسلام، فتصح وكالة الكافر -بل والمرتد و إن كان عن فطرة- عن المسلم و الكافر إلا فيما لا يصح وقوعه من الكافر كابتياع المصحف لكافر و كاستيفاء حق من المسلم أو مخاصمة معه و إن كان ذلك لمسلم.

مسألة ٤ ـ تصح وكالة المحجور عليه لسفه أو فلس عن غيرهما ممن لا حجر عليه.

مسألة ٥ ـ لو جوزنا للصبي بعض التصرفات في ما له كالوصية بالمعروف لمن بلغ عشر سنين جاز له التوكيل فيما جاز له.

مسألة ٦ ـ ما كان شرطاً في الموكل و الوكيل ابتداءً شرط فيهما استدامة، فلو جنّا أو أغمي عليهما أو حجر على الموكل فيما و كل فيه بطلت الوكالة على الأحوط، ولو زال المانع احتاج عودها إلى توكيل جديد.

مسألة ٧ ـ يشترط فيما و كل فيه أن يكون سائغاً في نفسه و أن يكون للموكل سلطنة شرعاً على إيقاعه، فلا توكيل في المعاصي كالغصب والسرقة و القمار و نحوها، و لا على بيع مال الغير من دون ولاية عليه، و لا تعتبر القدرة عليه خارجاً مع كونه مما يصح وقوعه منه شرعاً، فيجوز لمن لم يقدر على أخذ ما له من غاصب أن يوكل فيه من يقدر عليه.

بنایا جائے تو "اقرب" یہ ہے کہ اسکا بالغ ہونا شرط نہیں ہے۔ بنا بر ایں صیغہ پڑھنے کی خاطر شرائط کی رعایت کرنے والے ممیز بچے کو وکیل بنانا صحیح ہے۔ موکل کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ جس امر میں کسی کو وکیل بنائے اس میں خود اس کے لئے تصرف کرنا جائز ہو۔ لہٰذا جس شخص کو کم عقلی یا ناداری کی وجہ سے جن امور میں تصرف سے روک دیا گیا ہو ان میں وہ کسی کو وکیل نہیں بنا سکتا۔ لیکن جن امور میں تصرف سے نہ روکا گیا ہو جیسے طلاق دینا۔ ان میں دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس امر کو انجام دینا اس کے لئے جائز ہو چاہے کسی کے ذریعے ہی سہی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ حالتِ احرام میں ہو تو عقدِ نکاح یا شکار کی خریداری کے لئے اس کا کسی کو وکیل بنانا صحیح نہیں ہے۔ وکیل کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ عقلی اور شرعی اعتبار سے "امر موکول" کو انجام دینے پر قادر ہو۔ بنا بر ایں جو شخص حالتِ احرام میں ہو تو جن امور کو انجام دینا اس کے لئے جائز نہیں ہے ان میں وکیل بننا صحیح نہیں ہے جیسے شکار خریدنا' اسے روکے رکھنا اور عقد نکاح پڑھنا وغیرہ۔

مسئلہ ۳: وکیل کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ لہٰذا کافر بلکہ مرتد چاہے مرتد فطری ہی کیوں نہ ہو کافر یا مسلمان کا وکیل بن سکتا ہے۔ البتہ وہ امور جنھیں کافر کے لئے انجام دینا صحیح نہیں ہے۔ مثلاً کسی کافر کے لئے قرآن مجید خریدنا' یا کسی مسلمان سے حق وصول کرنا یا اس کے ساتھ جھگڑا چکانا چاہے مسلمان ہی کی خاطر ہو۔ ان میں کافر وکیل نہیں بن سکتا۔

مسئلہ ۴: سفاہت (بیوقوفی) یا ناداری (مفلسی) کی وجہ سے جسے تصرف سے روک دیا گیا ہو اس کا ایسے شخص کا وکیل بننا صحیح ہے۔ جس پر کوئی ممنوعیت و پابندی نہ ہو۔

مسئلہ ۵: اگر بچہ کے لئے اس کے مال میں بعض تصرفات کو ہم اس کے لئے جائز قرار دیں مثلاً کسی دس سالہ بچے کے لئے کسی اچھی چیز کی وصیت کرنا۔ تو جس چیز میں اس کے لئے تصرف جائز ہے اس میں وہ دوسرے کو وکیل بھی بنا سکتا ہے۔

مسئلہ ۶: موکل اور وکیل کے لئے جو امور ابتداء میں شرط ہیں وہ آخر تک "شرط" رہیں گے۔ چنانچہ اگر موکل یا وکیل پاگل یا بیہوش ہو جائیں۔ یا موکل کو اس امر میں تصرف سے روک دیا جائے جس میں اس نے کسی کو وکیل بنایا ہے تو احتیاط یہ کہ وکالت باطل ہو جائے گی۔ اب اگر مانع زائل ہو جاتا ہے (یعنی موکل یا وکیل صحیح و سالم ہو جاتے ہیں) تو وکالت کے لئے نئے سرے سے اقدام کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۷: جس امر میں کسی کو وکیل بنائے اس کام کا ذاتاً جائز ہونا اور موکل کا شرعاً اس کی انجام دہی پر قادر ہونا شرط ہے۔ پس امورِ معصیت' جیسے غصب' چوری' جوئے بازی وغیرہ میں وکیل نہیں بنایا جا سکتا۔ اسی طرح اگر کسی کے مال میں تصرف کا حق نہ رکھتا ہو تو اس کو بیچنے میں بھی وکیل نہیں بنا سکتا۔ البتہ اگر شرعی طور کسی کام کو انجام دینا صحیح ہو۔ لیکن خارج میں اس کے انجام دینے پر قادر نہ ہو تو ایسی قدرت معتبر نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص غاصب سے اپنا مال واپس لینے پر قادر نہ ہو وہ کسی طاقتور شخص کو اپنا مال وصول کرنے کی خاطر وکیل بنا سکتا ہے۔

مسئلہ ۸: اگر شرعاً یا عقلاً اسوقت تک کسی امر کے انجام دینے پر قادر نہ ہو سکے۔ جب تک وہ کام انجام نہ دے

مسألة ٨ ـ لو لم يتمكن شرعاً أو عقلاً من إيقاع أمر إلا بعد حصول أمر غير حاصل حين التوكيل كتطليق امرأة لم تكن في حبالته و تزويج من كانت مزوجة أو معتدة و نحو ذلك فلا إشكال في جواز التوكيل فيه تبعاً لما تمكن منه، بأن يوكله في ايقاع المرتب عليه ثم إيقاع ما رتب عليه، بأن يوكله مثلاً في تزويج امرأة له ثم طلاقها أو شراء مال ثم بيعه و نحو ذلك ، كما أن الظاهر جوازه لو وقعت الوكالة على كلي يكون هو من مصاديقه، كما لو وكله على جميع أموره فيكون وكيلاً في المتجدد في ملكه بهبة أو إرث بيعاً و رهناً و غيرهما، وأما التوكيل استقلالاً في خصوصه من دون التوكيل في المرتب عليه ففيه إشكال، بل الظاهر عدم الصحة من غير فرق بين ما كان المرتب عليه غير قابل للتوكيل كانقضاء العدة أو قابلاً، فلا يجوز أن يوكل في تزويج المعتدة بعد انقضاء عدتها و المزوجة بعد طلاقها، و كذا في طلاق زوجة سينكحها أو بيع متاع سيشتريه و نحو ذلك.

مسألة ٩ ـ يشترط في الموكل فيه أن يكون قابلاً للتفويض إلى الغير بأن لم يعتبر فيه المباشرة من الموكل، فلو تقبل عملاً بقيد المباشرة لا يصح التوكيل فيه، وأما العبادات البدنية كالصلاة و الصيام والحج و غيرها فلا يصح فيها التوكيل و إن فرض صحة النيابة فيها عن الحي كالحج عن العاجز أو عن الميت كالصلاة و غيرها، فان النيابة غير الوكالة اعتباراً، نعم تصح الوكالة في العبادات المالية كالزكاة و الخمس و الكفارات إخراجاً و إيصالاً إلى المستحق.

مسألة ١٠ ـ يصح التوكيل في جميع العقود كالبيع و الصلح و الاجارة و الهبة و العارية و الوديعة و المضاربة و المزارعة و المساقاة و القرض و الرهن و الشركة و الضمان والحوالة و الكفالة و الوكالة و النكاح إيجاباً وقبولاً في الجميع و كذا في الوصية والوقف و الطلاق و الابراء و الأخذ بالشفعة و إسقاطها وفسخ العقد في موارد ثبوت الخيار و إسقاطه، و الظاهر صحته في الرجوع إلى المطلقة الرجعية إذا أوقعه على وجه لم يكن صرف التوكيل تمسكاً بالزوجية حتى يرتفع به متعلق

ڈالے جو وکیل بنتے وقت اسکی قدرت میں نہیں۔ مثلاً ایسی عورت کو طلاق دینا جو اسکی زوجیت میں نہ ہو، یا شادی شدہ یا عدہ کے عالم میں بسر کرنیوالی عورت کی شادی کر دینا وغیرہ۔ تو جس کام کی انجام دہی پر قادر ہے اسکی تبعیت میں مذکورہ کام کے انجام دینے پر کسی کو وکیل مقرر کرنا بلا اشکال جائز ہے۔ اسکی صورت یہ ہوگی کہ پہلے اس کام پر وکیل بنائے جس پر قادر ہے اور دوسرے کام کا انجام دینا جس پر موقوف ہے اور اسکی پیروی میں دوسرے کام پر وکیل بنائے۔ مثلاً پہلے اسے اس امر پر وکیل بنائے کہ وہ کسی عورت کو اسکی زوجیت میں لائے اسکے بعد طلاق دینے پر وکیل بنائے۔ یا پہلے کسی چیز کے خریدنے پر وکیل مقرر کرے اور اسکے بعد اسکی فروخت کے سلسلہ میں وکالت دے۔ ظاہراً یہی صورت اس وقت ہوگی جب کلی طور پر کسی کو وکیل بنائے اور وہ امر مطلوب بھی اس کلی کے مصادیق میں سے ہو، مثلاً وکیل کو اپنے جملہ امور کی انجام دہی کا مختار بنا دے تو وکیل کو اسکی جدید ملکیت جو بطور ہبہ یا ارث اس تک منتقل ہوئی ہو۔ کو بیچنے۔ رہن رکھنے یا اسی قبیل کے دوسرے معاملات کا اختیار ہوگا۔ لیکن ابتدا سے ہی بطور مستقل ایسے امر میں وکیل بنانے میں جسکی انجام دہی پر شرعاً یا عقلاً پہلے امر کو انجام دیئے بغیر قادر نہ ہو سکے، اشکال ہے۔ بلکہ ظاہراً یہ وکالت صحیح نہیں ہے۔ چاہے پہلے والا امر توکیل قبول نہ کرتا ہو مثلاً عدت گذارنے پر وکیل بنانا یا قابل توکیل ہو۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ عدت تمام ہو جانے یا شادی شدہ عورت کے مطلقہ ہو جانیکے بعد اس سے شادی کرنے پر کسی کو وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح جس عورت سے عنقریب نکاح کریگا اسکو طلاق دینے یا جس مال و متاع کو مستقبل میں خریدیگا اسکو فروخت کرنے یا اسی طرح کے دوسرے امور پر وکیل بنانا صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۹: جس کام کے انجام دینے پر کسی کو وکیل بنایا جائے اس کیلئے شرط ہے کہ وہ دوسرے کے سپرد کئے جانیکے قابل ہو، مثلاً اس کام کو بذاتِ خود انجام دینا مشروط نہ ہو۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ جس کام کو بذاتِ خود انجام دینے کی ذمہ داری لے چکا ہو اس میں کسی کو وکیل مقرر کرنا صحیح نہیں ہے اور بدن سے متعلق عبادتیں، جیسے نماز، روزہ اور حج وغیرہ میں وکیل بنانا صحیح نہیں ہے چاہے فرضاً ان میں کسی زندہ انسان کی نیابت صحیح ہی کیوں نہ ہو جیسے کسی عاجز و معذور کی نیابت میں حج بجالانا، یا مردہ کی نیابت۔ جیسے نماز، اجارہ وغیرہ۔ اس لئے کہ وکالت اور نیابت میں اعتباری ہونے کے لحاظ سے فرق ہے۔ البتہ مالی عبادتوں میں مثلاً زکوٰۃ، خمس اور کفارات وغیرہ کو اپنے مال سے الگ کر کے مستحق تک پہونچانے پر کسی کو وکیل بنانا صحیح ہے۔

مسئلہ ۱۰: تمام عقود میں وکیل بنانا صحیح ہے۔ مثال کے طور پر بیع، صلح، اجارۃ، ھبہ، عاریۃ، ودیعۃ، عقد مضاربۃ، مساقات، قرض، رہن، شرکت، ضمان، حوالہ، کفالت، نکاح، ان تمام عقود میں ایجاب و قبول دونوں کے لئے وکیل مقرر کرنا درست ہے۔ اسی طرح وصیت، وقف، طلاق، عقد ابراء، حق شفعہ کے ذریعہ کچھ لینے یا حق شفعہ ساقط کرنے اور جہاں خیار ثابت ہو ان موارد میں عقد فسخ کرنے یا خیار ساقط کرنے پر بھی وکیل بنانا صحیح ہے۔ اور اگر عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اور شوہر اسے دوبارہ زوجیت میں لانا چاہے تو رجوع کرنے میں کسی کو وکیل بنانا بظاہر صحیح ہے۔ لیکن اس طرح وکیل بنائے کہ فقط توکیل ہی زوجیت کا باعث نہ بنے اس لئے کہ اگر ایسا ہو تو مورد وکالت ختم ہو جائے گا۔ اور بعید نہیں ہے کہ نذر، عہد اور ظہار میں بھی وکالت صحیح ہو۔ البتہ قسم، لعان، ایلاء، شہادت اور "اقرار" میں وکیل بنانا صحیح نہیں ہے اگرچہ آخری (یعنی اقرار) میں اشکال ہے۔

مسئلہ ۱۱: جہاں کسی چیز پر قبضہ کرنا، یا کسی شئ کو قبضہ میں دینا لازمی ہو وہاں قبض و اقباض کے لئے وکیل

الوكالة، و لا يبعد صحته في النذر و العهد و الظهار، و لا يصح في اليمين و اللعان و الايلاء والشهادة و الاقرار على إشكال في الأخير.

مسألة ١١ - يصح التوكيل في القبض و الاقباض في موارد لزومهما كما في الرهن و القرض و الصرف بالنسبة الى العوضين، و السلم بالنسبة إلى الثمن، و في إيفاء الديون و استيفائها و غيرها.

مسألة ١٢ - يجوز التوكيل في الطلاق غائباً كان الزوج أم حاضراً، بل يجوز توكيل الزوجة في أن تطلق نفسها بنفسها أو بأن توكل الغير عن الزوج أو عن نفسها.

مسألة ١٣ - تجوز الوكالة في حيازة المباح كالاستقاء و الاحتطاب و غيرهما، فاذا وكل شخصاً فيها و قد حاز بعنوان الوكالة عنه صار ملكاً له.

مسألة ١٤ - يشترط في الموكل فيه التعيين بأن لا يكون مجهولاً أو مبهماً، فلو قال: «و كلتك على أمر من الأمور» لم يصح، نعم لا بأس بالتعميم و الاطلاق كما يأتي.

مسألة ١٥ - الوكالة إما خاصة و إما عامة و إما مطلقة، فالأولى ما تعلقت بتصرف معين في شيء معين، كما إذا و كله في شراء بيت معين، و هذا مما لا إشكال في صحته، و الثانية إما عامة من جهة التصرف و خاصة من جهة المتعلق، كما إذا و كله في جميع التصرفات الممكنة في داره المعينة و إما بالعكس كما إذا و كله في بيع جميع ما يملكه. و إما عامة من الجهتين كما إذا و كله في جميع التصرفات الممكنة في جميع ما يملكه أو في إيقاع جميع ما كان له فيما يتعلق به بجميع أنواعه بحيث يشمل التزويج له و طلاق زوجته و كذا الثالثة قد تكون مطلقة من جهة التصرف خاصة من جهة متعلقه، كما لو قال: «أنت وكيلي في أمر داري» و كذا لو قال: «أنت وكيلي في بيع داري» مقابل المقيد بثمن معين أو شخص معين، و قد يكون بالعكس كما لو قال: أنت وكيلي في بيع أحد أملاكي أو في بيع ملكي، و قد تكون مطلقة من الجهتين، كما لو قال: «أنت

بنانا صحیح ہے، جیسے ”رہن“، قرض اور بیع ”صرف“ میں مبیع اور قیمت کے قبض واقباض کے لئے اور بیع ”سلم“ میں صرف قیمت وصول کرنے کی خاطر اور قرضے ادا کرنے یا قرضے وصول کرنے وغیرہ کے لئے وکیل بنانا صحیح ہے۔

مسئلہ ۱۲: طلاق میں وکیل بنانا جائز ہے چاہے شوہر موجود ہو یا غائب۔ بلکہ زوجہ کو اس بات پر وکیل بنانا کہ وہ خود کو طلاق کے ذریعے آزاد کرے' یا شوہر یا اپنی طرف سے کسی کو طلاق جاری کرنے پر وکیل قرار دے تو یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ ۱۳: مباح چیزوں کو ملکیت بنانے کی خاطر گھیرنے پر وکیل بنانا جائز ہے۔ جیسا پانی مہیا کرنا اور ایندھن اکٹھا کرنا وغیرہ۔ چنانچہ اگر کسی شخص کو وکیل بنائے اور وہ وکیل کی حیثیت سے حیازت کرے تو وہ چیز موکل کی ملکیت میں آجائے گی۔

مسئلہ ۱۴: جس امر میں کسی کو وکیل بنائے اس کا معین ہونا شرط ہے۔ یعنی وہ امر مجہول اور مبہم (غیر واضح) نہ ہو۔ پس اگر یہ کہے کہ تم میرے امور میں سے کسی امر کی انجام دہی پر وکیل ہو تو صحیح نہیں ہے۔ البتہ اگر بطور عام اور مطلق وکیل بنائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جس کا بیان آگے آئے گا۔

مسئلہ ۱۵: وکالت کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ۱: وکالتِ خاص ۲: وکالتِ عام ۳: وکالتِ مطلق۔

۱: وکالتِ خاص:۔ کسی معین چیز میں معین حد تک تصرف کا اختیار دینے کو وکالتِ خاص کہتے ہیں۔ مثلاً کسی کو ایک معین گھر خریدنے پر وکیل بنائے۔ اس قسم کی وکالت بلااشکال صحیح ہے۔

۲: وکالتِ عام:۔ اسکی کئی صورتیں ہیں پہلی صورت تصرف کے اختیارات وسیع ہوں اور کسی خاص چیز سے متعلق ہوں۔ جیسے اپنے گھر میں تمام ممکنہ تصرفات کا اختیار رکھتا ہو' دوسری صورت اس کے برعکس ہو یعنی اختیار خاص نوعیت کا ہو لیکن تمام چیزوں سے متعلق ہو جیسے اپنی ملکیت کی تمام چیزیں بیچنے کا اختیار دیدے۔ تیسری صورت مختلف قسم کے تصرفات کا اختیار دے اور وہ اختیار بھی بہت سی چیزوں سے متعلق ہو۔ مثال کے طور پر اپنی ملکیت کی تمام چیزوں میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار سونپ دے یا اپنے ہر مال اور اپنی ذات سے متعلق ہر چیز میں جو کچھ وہ خود کر سکتا ہے اس پر وکیل بنائے حتیٰ کہ شادی کروانے اور زوجہ کو طلاق دینے کا بھی اختیار دے تو اسے وکالتِ عام کہتے ہیں۔

۳: وکالتِ مطلق:۔ یہ بھی وکالتِ عام کی مانند ہے۔ یعنی کبھی تصرف کے اعتبار سے وکالتِ مطلق (بے قید) ہوگی۔ لیکن تصرف کی جانے والی چیز خاص ہوگی۔ جس کا صیغہ یہ ہے۔ ”انت وکیلی فی امر داری“ ”تم میرے گھر میں میرے وکیل ہو۔ یا یوں کہے: ”انت وکیلی فی بیع داری“ ”تم میرا گھر فروخت کرنے میں میرے وکیل ہو۔ اسے مطلق کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں وکالتِ مقید ہے۔ جس میں یا تو قیمت معین ہوتی ہے یا خریدار کو معین کرنا پڑتا ہے۔ یا اس کے برعکس (یعنی وہ چیز مخصوص نہ ہو مگر اس میں خاص نوعیت کے تصرف کا اختیار ہو) جیسے اگر اسطرح کہے: ”انت وکیلی فی بیع احد املاکی، او فی بیع ملکی“ ”تم میری ملکیت میں موجود اشیاء میں سے کوئی ایک چیز بیچنے پر میرے وکیل ہو تو یہ بھی وکالتِ مطلق ہے اور کبھی وکالت دونوں جہتوں سے مطلق ہوگی، تصرف کے اعتبار سے بھی اور اشیاء واملاک کے اعتبار سے بھی جیسے اگر یوں کہے: ”انت وکیلی فی التصرف فی مالی“ ”تم میرے مال میں تصرف پر میرے وکیل ہو“ تو یہ بھی وکالتِ مطلق کہلائے گی۔ بعض اوقات توکیل کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چند امور میں سے کسی ایک نوعیت کا کام انجام دینے کا اختیار دے دیا جائے اسکی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو اختیار نوعیتِ تصرف کے انتخاب میں دیا جائے اور تصرف صرف ایک چیز میں ہو

وكيلي في التصرف في مالي» و ربما يكون التوكيل بنحو التخيير بين أمور: إما في التصرف دون المتعلق، كما لو قال: «أنت وكيلي في بيع داري أو صلحها أو هبتها أو إجارتها» و إما في المتعلق فقط، كما لو قال: «أنت وكيلي في بيع هذه الدار أو هذه الدابة أو هذه الفرش» مثلاً، و الظاهر صحة الجميع.

مسألة ١٦ ـ لابد أن يقتصر الوكيل في التصرف في الموكل فيه على ما شمله عقد الوكالة صريحاً أو ظاهراً ولو بمعونة قرائن حالية أو مقالية ولو كانت هي العادة الجارية على أن التوكيل في أمر لازمه التوكيل في أمر آخر، كما لو سلم إليه المبيع و وكله في بيعه أو سلم إليه الثمن و وكله في الشراء. و بالجملة لابد في صحة التصرف من شمول الوكالة له.

مسألة ١٧ ـ لو خالف الوكيل و أتى بالعمل على نحو لم يشمله عقد الوكالة فان كان مما يجري فيه الفضولية كالعقود توقفت صحته على إجازة الموكل، و لا فرق في التخالف بين أن يكون بالمباينة كما إذا و كله في بيع داره فآجرها أو ببعض الخصوصيات كما إذا و كله في بيعها نقداً فباع نسيئة أو بخيار فباع بدونه، نعم لو علم شموله لفاقد الخصوصية أيضاً صح في الظاهر، كما إذا و كله في أن يبيع السلعة بدينار فباع بدينارين، فان الظاهر بل المعلوم من حال الموكل أن تحديده من طرف النقيصة لا الزيادة، و من هذا القبيل ما إذا و كله في البيع في سوق معين بثمن معين فباعها في غيره بذلك الثمن، فان الظاهر أن مراده تحصيل الثمن، هذا بحسب الظاهر، و أما الصحة الواقعية فتابعة للواقع، ولو فرض احتمال وجود غرض عقلائي في التحديد لم يجز التعدي، و معه فضولي في الظاهر و الواقع تابع للواقع.

مسألة ١٨ ـ يجوز للولي كالأب والجد للصغير أن يوكل غيره فيما يتعلق بالمولى عليه مما له الولاية عليه.

مسألة ١٩ ـ لا يجوز للوكيل أن يوكل غيره في إيقاع ما توكل فيه لا عن نفسه و لا عن الموكل إلا باذنه، و معه يجوز بكلا النحوين، فان عين أحدهما فهو

جیسے تمھیں میرا گھر بیچنے، بخش دینے، کرائے پر دینے یا اس پر مصالحت کرنے میں سے کسی ایک اَمر کا اختیار ہے اور یا اختیار (وکالت) کا تعلق صرف تصرّف والی چیز سے ہوگا۔ مثلاً تمھیں میرے گھر، جانور یا فرش میں سے کسی ایک چیز کو بیچنے کا اختیار ہے۔ ظاہراً ان تمام صورتوں میں وکیل بنانا صحیح ہے۔

مسئلہ ۱۶: وکیل کو صرف "امرِ موکول" میں تصرّف کرنے کا اختیار ہے۔ "امرِ موکول" یا تو صریحاً عقدِ وکالت میں مذکور ہوگا یا عقدِ وکالت کا ظہور اس امر میں ہوگا چاہے قرائنِ حالیہ یا مقالیہ ہی کی مدد سے ہو، چاہے وہ قرینہ عرفِ عام میں رائج عادت پر مبنی ہو کہ جسکی بناء پر ایک کام میں وکیل بنانے کا لازمہ دوسرے کام میں بھی وکیل بنانا ہے۔ مثلاً مبیع کو اس کے حوالے کرے اور اسے فروخت کرنے پر وکیل مقرر کرے یا "ثمن" قیمت کسی شخص کے سپرد کرے اور اسے کوئی چیز خریدنے پر وکیل بنائے۔ بہر صورت، تصرّف کے صحیح ہونے کے لئے عقدِ وکالت کا اس امر کو شامل ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ ۱۷: اگر وکیل وکالت کے خلاف کر بیٹھے اور ایسا کام انجام دے جو عقدِ وکالت میں شامل نہ ہو تو۔ اگر وہ کام ایسے امور میں سے ہو کہ جس میں عقدِ فضولی جاری ہو سکتا ہو۔ مثال کے طور پر عقود میں سے ہو تو اسکی صحت موکّل کی اجازت پر موقوف رہے گی۔ مخالف ہونے میں فرق نہیں کہ "امرِ مخالف" چاہے "امرِ موکول" کی ضد ہو مثلاً موکّل نے اسے گھر فروخت کرنیکے لئے وکیل بنایا ہو اور وکیل اسے کرائے پر اٹھا دے یا دونوں امور میں بعض خصوصیات کا تفاوت ہو، مثال کے طور پر موکّل نے نقد رقم کے عوض بیچنے پر وکیل بنایا ہو اور وہ اُدھار فروخت کر دے یا موکّل نے بیچنے کے ساتھ خیارِ فسخ کی شرط رکھنے کیلئے کہا ہو اور وہ شرط رکھے بغیر بیچ ڈالے۔ (بہر حال یہ معاملہ چونکہ وکیل کی منشا کے خلاف ہے لہٰذا اسکا صحیح ہونا اجازت پر موقوف رہے گا) البتہ اگر یہ معلوم ہو کہ "عقدِ وکالت" اس معاملہ کو بھی شامل ہے جس میں وہ خصوصیت نہیں ہے تو ظاہراً صحیح ہے۔ مثال کے طور پر موکّل کوئی جنس وکیل کے حوالے کرے اور ایک دینار کے عوض بیچنے کے لئے کہے جبکہ وکیل اسے دو دینار کے عوض فروخت کر دے (تو یہ معاملہ صحیح ہے) اس لئے کہ موکّل کے حالات سے ظاہر بلکہ معلوم ہے کہ اس نے جو قیمت معیّن کی ہے وہ کمی کے اعتبار سے ہے نہ زیادہ ہونے کی حیثیت سے، یہی حکم اسوقت بھی ہوگا جب موکّل وکیل کو کسی مخصوص بازار میں کوئی چیز معیّن قیمت کے عوض فروخت کرنے کا اختیار دے جبکہ وکیل اسی قیمت پر اس چیز کو کسی دوسرے بازار میں بیچ ڈالے۔ اسلئے کہ ظاہراً موکّل کی غرض قیمت حاصل کرنا ہے (اور وہ حاصل ہو گئی) یہ تو تھا بحسبِ ظاہر اسکا حکم، رہ گئی صحتِ واقعی تو وہ واقع اور حقیقتِ امر کے تابع ہے۔ اگر بازار کی قید لگانے میں کوئی عاقلانہ غرض فرض کر لی جائے تو اس صورت میں اسکی مخالفت جائز نہیں ہے اور مخالفت کی صورت میں معاملہ فضولی ہوگا (جس کی صحت اجازت پر موقوف ہوگی) بہر حال حقیقت تابعِ حقیقت ہے۔

مسئلہ ۱۸: ولی، مثلاً بچے کے باپ یا دادا کے لئے موّلی علیہ مثلاً بچے کے ان امور میں کہ جن میں تصرّف کا حق ان کو حاصل ہے کسی دوسرے کو وکیل مقرر کرنا جائز ہے۔

مسئلہ ۱۹: وکیل کا، امرِ موکول کی انجام دہی کیلئے کسی کو اپنی طرف سے اور موکّل کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر موکّل کی اجازت ہو تو چاہے اپنی طرف سے وکیل بنائے یا موکّل کی طرف سے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اب ان دو صورتوں میں سے اگر موکّل ایک صورت معیّن کر دے تو اسی صورت کو اپنائے اس کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر موکّل اسی طرح اجازت دے۔ "وکلتک فی ان توکل غیرک" میں نے تجھے کسی دوسرے شخص کو وکیل مقرر کرنے کی وکالت دی۔ تو یہ موکّل کی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کرنے پر اجازت کہلائے

المتبع، و لا يجوز التعدي عنه، ولو قال مثلاً: «و كلتك في أن توكل غيرك» فهو إذن في توكيل الغير عن الموكل، و الظاهر أنه كذلك لو قال: «و كّل غيرك» و ان لا يخلو من تأمل.

مسألة ٢٠ ـ لو كان الوكيل الثاني وكيلاً عن الموكل كان في عرض الأول، فليس له أن يعزله و لا ينعزل بانعزاله، بل لو مات يبقي الثاني على و كالته، ولو كان وكيلاً عنه كان له عزله، و كانت وكالته تبعاً لوكالته، فينعزل بانعزاله أو موته، و لا يبعد أن يكون للموكل عزله من دون عزل الوكيل الأول.

مسألة ٢١ ـ يجوز أن يتوكل إثنان فصاعداً عن واحد في أمر واحد، فان صرح الموكل بانفرادهما أو كان لكلامه ظاهر متبع في ذلك جاز لكل منهما الاستقلال في التصرف من دون مراجعة الآخر، و الا لم يجز الانفراد لأحدهما ولو مع غيبة صاحبه أو عجزه، سواء صرح بالانضمام و الاجتماع أو أطلق بأن قال مثلاً وكلتكما أو انتما وكيلاي و نحو ذلك، ولو مات أحدهما بطلت الوكالة رأساً مع شرط الاجتماع أو الاطلاق المنزل منزلته و بقيت وكالة الباقي لو وكل بالانفراد.

مسألة ٢٢ ـ الوكالة عقد جائز من الطرفين، فللوكيل أن يعزل نفسه مع حضور الموكل و غيبته، و كذا للموكل أن يعزله، لكن انعزاله بعزله مشروط ببلوغه إياه، فلو أنشأ عزله و لم يطلع عليه الوكيل لم ينعزل فلو أمضى أمراً قبل أن يبلغه ولو باخبار ثقة كان نافذاً.

مسألة ٢٣ ـ تبطل الوكالة بموت الوكيل، و كذا بموت الموكل و إن لم يعلم الوكيل بموته، و بعروض الجنون على كل منهما على الأقوى في الاطباقي، و على الأحوط في غيره، و باغماء كل منهما على الأحوط، وبتلف ما تعلقت به الوكالة، و بفعل الموكل ـ ولو بالتسبيب ـ ما تعلقت به، كما لو وكله في بيع سلعة ثم باعها، أو فعل ماينافيه كما و كله في بيع شيء ثم أوقفه.

مسألة ٢٤ ـ يجوز التوكيل في الخصومة والمرافعة لكل من المدعي و المدعى

گی۔ اور ظاہراً اگر یوں کہے: "وکّل غیرکَ" کسی دوسرے کو وکیل مقرر کر۔ تو یہ بھی موکّل ہی کی طرف سے وکیل بنانے پر اجازت ہوگی "اگرچہ یہ صورت" تأمل "سے خالی نہیں۔

مسئلہ ۲۰: اگر دوسرے وکیل کو خود موکّل نے معیّن کیا ہو تو پہلا اور دوسرا وکیل دونوں برابر ہوں گے پہلا وکیل دوسرے کو معزول نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی پہلے کے معزول ہو جانے سے دوسرا معزول ہو جائے گا۔ بلکہ اگر پہلا وکیل مَر جائے تو دوسرا بدستور وکیل رہے گا۔ لیکن اگر دوسرا وکیل پہلے وکیل کی طرف سے معیّن کیا گیا ہو تو پہلا وکیل دوسرے کو معزول کر سکتا ہے اور دوسرے کی وکالت پہلے کی وکالت کے تابع ہوگی۔ چنانچہ اگر پہلا کسی وجہ سے معزول ہو جائے یا مَر جائے تو دوسرا بھی برخاست ہو جائے گا۔ اور بعید نہیں ہے کہ موکّل پہلے وکیل کو برخاست کئے بغیر دوسرے کو معزول کر دینے کا حق رکھتا ہو۔

مسئلہ ۲۱: دو آدمیوں کا ایک یا ایک سے زیادہ امور کی انجام دہی میں ایک آدمی کی جانب سے وکالت قبول کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اگر موکّل دونوں کو الگ الگ وکیل مقرر کرے یا اُس کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہو کہ وہ دونوں الگ الگ وکیل رہیں۔ تو دونوں کے لئے مستقل طور پر ایک دوسرے سے پوچھے بغیر تصرّف کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر دونوں کو الگ الگ وکالت نہ دی ہو تو ان میں سے ایک وکیل دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرّف نہیں کر سکتا، چاہے دوسرا غائب ہو چکا ہو یا تصرّف سے عاجز ہو۔ اور چاہے موکّل نے دونوں کے ایک ساتھ وکیل ہونے کی تصریح کر دی ہو یا تصریح نہ کی ہو بلکہ بطورِ مطلق کہہ دیا ہو۔ مثلاً اس طرح کہا ہو "میں نے تم دونوں کو وکالت دی"، یا تم دونوں میرے وکیل ہو یا اسی طرح کی کوئی عبارت بیان کی ہو۔ اب اگر ان میں سے کوئی ایک مَر جائے تو اگر دونوں کو ایک ساتھ وکالت دی ہو یا بطورِ مطلق کہہ دیا ہو کہ تم دونوں میرے وکیل ہو۔ تو عقدِ وکالت باطل ہو جائیگا۔ لیکن اگر الگ الگ وکیل بنایا ہو تو جو زندہ ہے اس کی وکالت باقی رہے گی۔

مسئلہ ۲۲: وکالت ایسا عقد ہے جو دونوں طرف سے جائز یعنی قابلِ فسخ ہے وکیل اگر چاہے تو وہ اپنے کو وکالت سے الگ کر سکتا ہے چاہے موکّل موجود ہو یا غائب، اسی طرح موکّل بھی وکیل کو معزول کر سکتا ہے۔ لیکن موکّل کے معزول کرنے سے وکیل اسی وقت معزول ہوگا جب اسے اپنے معزول کر دیئے جانے کی اطلاع ہو جائے۔ چنانچہ اگر موکّل اسے معزول کر دے مگر اسے اطلاع نہ دے تو وکیل معزول نہیں ہوگا۔ چنانچہ معزولی کی خبر پہونچنے سے پہلے اگر وکیل امرِ موکول انجام دے ڈالے تو وہ امر نافذ ہوگا چاہے معزولی کی خبر کسی باوثوق آدمی کے ذریعہ موصول ہو۔

مسئلہ ۲۳: وکیل کی موت واقع ہو جانے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے۔ اور یہی صورت اسوقت ہوگی جب موکّل مَر جائے چاہے وکیل کو اسکی موت کا علم نہ ہو۔ اگر دونوں دائمی دیوانگی میں مبتلا ہو جائیں تو اقویٰ یہ ہے کہ وکالت باطل ہو جائے گی؛ یا دونوں وقفہ دار دیوانگی کا شکار ہو جائیں تو احتیاط یہ ہے کہ وکالت باطل ہو جائے گی یا دونوں بیہوش ہو جائیں تب بھی احتیاطاً وکالت باطل ہو جائے گی اسی طرح اگر موردِ وکالت تلف ہو جائے یا موکّل بذاتِ خود یا کسی کے وسیلہ سے "امرِ موکول" کو انجام دے ڈالے جیسے کوئی چیز فروخت کرنے پر کسی کو وکیل بنائے لیکن بذاتِ خود اسے فروخت کر ڈالے یا جس کام کے لئے وکیل بنایا ہے اسکے برعکس انجام دے ڈالے مثلاً کسی چیز کو فروخت کرنے پر وکیل بنائے لیکن اسے وقف کر دے، تو ان صورتوں میں وکالت باطل ہو جائے گی۔

مسئلہ ۲۴: مدّعی یا مدعا علیہ کے لئے جھگڑا نمٹانے یا قضیہ عدالت میں لیجانے کی خاطر وکیل مقرر کرنا جائز ہے بلکہ وضع و قطع

عليه، بل يكره لذوي المروات من أهل الشرف و المناصب الجليلة أن يتولوا المنازعة و المرافعة بأنفسهم خصوصاً إذا كان الطرف بذيّ اللسان، ولا يعتبر رضا صاحبه، فليس له الامتناع عن خصومة الوكيل.

مسألة ٢٥ - وكيل المدعي وظيفته بث الدعوى على المدعى عليه عند الحاكم، و إقامة البينة و تعديلها، و تحليف المنكر، و طلب الحكم على الخصم و بالجملة كل ما هو وسيلة إلى الاثبات، و وكيل المدعى عليه وظيفته الإنكار، و الطعن على الشهود، و إقامة بينة الجرح، و مطالبة الحاكم بسماعها و الحكم بها، و بالجملة عليه السعي في الدفع ما أمكن.

مسألة ٢٦ - لو ادعى منكر الدين مثلاً في أثناء مدافعة وكيله عنه الأداء أو الابراء انقلب مدعياً و صارت وظيفة وكيله إقامة البينة على هذه الدعوى و غيرها مما هو وظيفة المدعي، و صارت وظيفة خصمه الانكار و غيره من وظائف المدعى عليه.

مسألة ٢٧ - لا يقبل إقرار الوكيل في الخصومة على موكله، فلو أقرّ وكيل المدعي القبض أو الابراء أو قبول الحوالة أو المصالحة أو بأن الحق مؤجل أو أن البينة فسقة أو أقر وكيل المدعى عليه بالحق للمدعي لم يقبل، و بقيت الخصومة على حالها سواء أقر في مجلس الحكم أو غيره، وينعزل بذلك وتبطل وكالته، لأنه بعد الاقرار ظالم في الخصومة بزعمه.

مسألة ٢٨ - الوكيل بالخصومة لا يملك الصلح عن الحق أو الابراء منه إلا أن يكون وكيلاً في ذلك أيضاً بالخصوص.

مسألة ٢٩ - يجوز أن يوكل إثنين فصاعداً بالخصومة كسائر الأمور فان لم يصرح باستقلال كل منهما و لم يكن لكلامه ظهور فيه لم يستقل بها أحدهما، بل يتشاوران ويتباصران ويعضد كل منهما صاحبه ويعينه على ما فوض إليهما.

مسألة ٣٠ - لو وكل رجل وكيلاً بحضور الحاكم في خصوماته و استيفاء حقوقه

کی رعایت کرنیوالا شرافت مند اور منصبدار افراد کے لئے بذاتِ خود جھگڑے میں پڑنا اور معاملہ عدالت میں لیجانا مکروہ ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ جب ان کے مقابلے پر ایسا شخص ہو جو بدزبان ہو۔ کسی کو وکیل بنانے کے لئے فریق مخالف کی رضایت ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ وکیل کے ساتھ جھگڑا نمٹانے سے انکار کردے۔

مسئلہ ۲۵: مدعی کے وکیل کا کام حاکم شرع کے سامنے دعویٰ کی تشریح کرکے اس پر گواہ پیش کرنا اور جرح و تعدیل کرکے منکرِ دعویٰ کی قسم دینا اور حاکم سے اس کے برخلاف حکم صادر کرنے کا مطالبہ کرنا ہے۔ مختصر یہ کہ ہر وہ کام کرنا اس کی ذمہ داری ہے جو موکل کے حق کو ثابت کرنے کا باعث بنے۔ جبکہ مدعا علیہ کے وکیل کا کام یہ ہے کہ وہ دعوے کا انکار کرے، گواہوں سے بحث کرے اور ان پر اعتراض کرکے اپنی بحث پر گواہ پیش کرے اور حاکم سے ان کی گواہی کی سماعت اور اس کے مطابق حکم صادر کرنے کا مطالبہ کرے۔ خلاصہ بقدرِ امکان اس کی کوشش یہ ہونا چاہئیے کہ وہ دعوے کو رد کرسکے۔

مسئلہ ۲۶: اگر منکرِ "دین" ٹھیک اس وقت جب اس کا وکیل اس کی طرف سے دفاع میں مشغول ہو۔ قرض ادا کردیئے جانے کا دعویٰ کر بیٹھے۔ تو وہ بجائے منکر کے مدعی ہوجائیگا اس صورت میں اس کے وکیل کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ دعوے پر گواہ پیش کرے اور اس کے علاوہ جو مدعی کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں وہ بجالائے۔ جبکہ اس کے فریق مخالف کی ذمہ داری یہ ہے کہ دعوے کا انکار کرے اور دعوے کے سلسلہ میں جو کام مدعا علیہ کو کرنا ہوتے ہیں وہ انجام دے۔

مسئلہ ۲۷: اپنے موکل کے خلاف وکیل کا کسی چیز کے بارے میں اقرار، قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ پس اگر وکیل اقرار کرے کہ موکل نے مطلوبہ چیز قبضہ میں لے لی ہے یا بری کردیا ہے۔ یا حوالہ قبول کرلیا ہے یا مصالحت کرلی ہے یا ادائیگیٔ حق کی مدت معین ہے یا جو گواہ پیش کئے ہیں وہ فاسق ہیں اور اسی طرح اگر مدعا علیہ کا وکیل اقرار کرے کہ مدعی حق پر ہے تو یہ اقرار قبول نہیں ہوگا۔ جھگڑا بدستور باقی رہیگا چاہے عدالت میں اقرار کرے یا عدالت کے باہر۔ اس اقرار کی وجہ سے وکیل معزول ہوجائیگا اور اسکی وکالت باطل ہوجائیگی۔ اس لئے کہ وکیل کے اقرار کے بعد اس کے خیال میں مدعی یا مدعلیہ ظالم ہیں۔

مسئلہ ۲۸: جسے جھگڑا نمٹانے کے لئے وکیل بنایا جائے وہ صلح کرلینے یا حق سے دستبردار ہوجانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ مگر یہ کہ اسکو صلح کرلینے یا حق سے دستبردار ہوجانے کا اختیار بھی دیا گیا ہو۔

مسئلہ ۲۹: دوسرے تمام قضایا کی مانند جھگڑے میں بھی دو یا زیادہ افراد کو وکیل مقرر کرنا جائز ہے۔ اب اگر ان میں سے ہر ایک کے الگ الگ بطور مستقل وکیل ہونے کی تصریح نہ کرے یا اس کے کلام سے ظاہر نہ ہوتا ہو کہ وہ دونوں الگ الگ وکیل ہیں تو ان میں سے کوئی ایک بھی بطور جداگانہ امر موکول کو انجام نہیں دے سکتا۔ بلکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے مشورہ کریں گے ایک دوسرے کو آگاہ کریں گے اور امر موکول کو انجام دینے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

مسئلہ ۳۰: اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو حاکم کے روبرو اپنے جھگڑے نمٹانے اور حقوق وصول کرنے کے لئے مطلق طور پر یا کسی خاص جھگڑے کو ختم کرانے کی خاطر وکیل بنائے اور وکیل اپنے موکل کے مخالف فریق کو حاکم کے سامنے

مطلقا أو في خصومة شخصية ثم قدم الوكيل خصماً لموكله و أقام الدعوى عليه و يسمع الحاكم دعواه عليه، و كذا إذا ادعى عند الحاكم وكالته في الدعوى و أقام البينة عنده عليها، و أما إذا ادعاها من دون بينة فان لم يحضر خصماً عنده أو أحضر و لم يصدقه في وكالته لم يسمع دعواه ولو صدقه فيها فالظاهر أنه يسمع دعواه لكن لم تثبت بذلك وكالته عن موكله بحيث تكون حجة عليه، فاذا قضت موازين القضاء بحقية المدعي يلزم المدعى عليه بالحق، ولو قضت بحقية المدعى عليه فالمدعي على حجته فاذا أنكر الوكالة تبقى دعواه على حالها، و للمدعى عليه أو وكيل المدعي إقامة البينة على ثبوت الوكالة، و مع ثبوتها بها تثبت حقية المدعى عليه في مهية الدعوى.

مسألة ٣١ - لو وكله في الدعوى و تثبيت حقه على خصمه لم يكن له بعد الاثبات قبض الحق، فللمحكوم عليه أن يمتنع عن تسليم ماثبت عليه إلى الوكيل.

مسألة ٣٢ - لو وكله في استيفاء حق له على غيره فجحده من عليه الحق لم يكن للوكيل مخاصمته و مرافعته وتثبيت الحق عليه مالم يكن وكيلاً في الخصومة.

مسألة ٣٣ - يجوز التوكيل بجعل و بغيره، و انما يستحق الجعل في الأول بتسليم العمل الموكل فيه، فلو وكّله في البيع أو الشراء و جعل له جعلاً فله المطالبة به بمجرد إتمام المعاملة و إن لم يتسلم الموكل الثمن أو المثمن و كذالو وكله في المرافعة و تثبيت الحق استحقه بمجرد إثباته و إن لم يتسلمه الموكل.

مسألة ٣٤ - لو وكله في قبض دينه من شخص فمات قبل الأداء لم يكن له مطالبة وارثه إلا أن تشملها الوكالة.

مسألة ٣٥ - لو وكله في استيفاء دينه من زيد فجاء إليه للمطالبة فقال زيد: خذ هذه الدراهم واقض بها دين فلان -أي موكله- فأخذها صار وكيل زيد في قضاء دينه، و كانت الدراهم باقية على ملك زيد ما لم يقبضها صاحب الدين، و للوكيل أن يقبض نفسه بعد أخذه من المديون بعنوان الوكالة عن الدائن في الاستيفاء إلا أن يكون توكيل المديون بنحو لا يشمل قبض الوكيل، فلزيد

لے جاکر اس پر دعویٰ دائر کردے تو حاکم کو اسکا دعویٰ سننا چاہیئے۔ یہی حکم اس وقت ہوگا جب وہ شخص حاکم کے سامنے دعوے کا وکیل ہونیکا ادعا کرے اور اپنے اس ادعا پر گواہ بھی پیش کردے۔ لیکن اگر گواہوں کے بغیر وکالت کا دعویٰ کرے اور فریق مخالف کو بھی حاضر نہ کرے یا حاضر تو کردے مگر فریق مخالف اس کی وکالت کی تصدیق نہ کرے تو اسکا دعویٰ نہیں سنا جائیگا۔ چنانچہ اگر فریق مخالف اسکے وکیل ہونیکی تصدیق کردے تو ظاہراً اس کا دعویٰ تو سن لیا جائیگا۔ لیکن اس سے اس کا موکل کی طرف سے وکیل ہونا ثابت نہیں ہوگا کہ وہ موکل کی طرف سے اتمام حجت ہوجائے۔ پس اگر قانون قضاوت سے مدعی کا حق ثابت ہوجائے تو مدعا علیہ پر اسکے حق کی ادائیگی لازم ہوگی لیکن اگر فیصلہ مدعا علیہ کے حق میں ہوجائے تو مدعی کی حجت برقرار رہیگی چنانچہ اگر وہ وکالت کا انکار کردے تو دعویٰ اپنی حالت پر باقی رہیگا۔ ایسی صورت میں "مدعا علیہ" یا وکیل مدعی کی ذمہ داری یہ ہوگی کہ وہ ثبوتِ وکالت کے لئے گواہ پیش کریں اور گواہوں کے ذریعہ وکالت ثابت ہوجانے پر سابقہ دعویٰ میں مدعا علیہ کا حق پر ہونا ثابت ہوجائیگا۔

مسئلہ ۳۱: اگر "دعویٰ" اور حق ثابت کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنایا جائے تو وکیل اثبات حق کے بعد اس کو قبضہ میں لینے کا حقدار نہیں۔ چنانچہ "محکوم علیہ" (فریق مخالف) کو حق حاصل ہے کہ وہ ثابت شدہ حق کو وکیل کے سپرد کرنے سے انکار کردے۔

مسئلہ ۳۲: اگر کسی شخص کو دوسرے سے حق وصول کرنے پر وکیل مقرر کیا جائے اور جس کے ذمہ حق ہے وہ دینے سے انکار کردے تو وکیل کو اس کے ساتھ جھگڑا کرنے اور قضیہ کو عدالت میں لے جانے اور حق ثابت کرنے کا اختیار نہیں جب تک کہ ان امور میں اسکو وکالت نہ دی جائے۔

مسئلہ ۳۳: جعل (مزدوری) یا اسکے علاوہ کے عوض وکیل بنانا جائز ہے۔ پہلی صورت میں کہ جب جعل (مزدوری) کے عوض وکالت کرے تو جس کام کی ذمہ داری دی گئی ہے اسے انجام دینے کے بعد ہی جعل (مزدوری) کا مستحق ہوگا چنانچہ اگر کسی چیز کی خریداری یا فروخت کرنے پر وکیل مقرر کرے اور اسکے عوض جعل (مزدوری) معین کرے تو معاملہ تمام ہوتے ہی جعل (مزدوری) طلب کرسکتا ہے چاہے موکل نے ثمن (قیمت) یا مثمن (مبیع) کو قبضہ میں نہ لیا ہو۔ اسی طرح جب اسے مرافعہ (دعویٰ دائر کرنے) اور حق ثابت کرنے کے لئے وکیل بنائے تو اثبات حق کے فوراً بعد وکیل اپنا محنتانہ طلب کرسکتا ہے چاہے موکل نے اپنا حق قبضہ میں نہ لیا ہو۔

مسئلہ ۳۴: اگر کسی شخص کو قرض وصول کرنے پر وکیل بنائے لیکن وصول کرنے سے پہلے ہی مقروض مرجائے تو اس کے وارثوں سے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا مگر یہ کہ وہ بھی اسکی وکالت میں شامل ہوں۔

مسئلہ ۳۵: اگر کوئی شخص کسی کو وکیل بنائے کہ مثلاً "زید" سے قرض وصول کرے۔ وکیل زید سے جاکر مطالبہ کرے۔ زید اس سے کہے یہ درہم لے لو اور ان سے اپنے موکل کا مطالبہ پورا کرو اور وہ شخص درہم قبول کرے تو وہ قرض ادا کرنے میں زید کا وکیل ہوجائیگا اور جب تک قرضخواہ ان درہموں پر قبضہ نہ کرے اس وقت تک وہ زید کی ملکیت میں رہیں گے۔ وکیل کو حق حاصل ہے کہ وہ مقروض سے درہم لے لینے کے بعد قرضخواہ کی طرف سے اس کیلئے بعنوان وکالت وصول کرنے کی خاطر انھیں اپنے قبضہ میں لے لیکن اگر مدیون (مقروض) کی وکالت وکیل کو قبضہ کا حق نہ دیتی ہو تو نہیں کرسکتا۔ لہٰذا جب تک وہ درہم وکیل کے پاس رہیں اور وہ ان پر قرضخواہ کا قرضہ وصول کرنیکے عنوان سے قبضہ نہ کرے اس وقت تک زید کو

استردادها ما دامت في يد الوكيل و لم يتحقق القبض من الدائن بنحو مما ذكر، ولو تلفت عنده بقي الدين بحاله، ولو قال: خذها عن الدين الذي تطالبني به لفلان فأخذها كان قابضاً للموكل و برأت ذمة زيد، و ليس له الاسترداد.

مسألة ٣٦ - الوكيل أمين بالنسبة إلى ما في يده لا يضمنه إلا مع التفريط أو التعدي، كما إذا لبس ثوباً أو حمل على دابة كان وكيلاً في بيعهما لكن لا تبطل بذلك وكالته، فلو باع الثوب بعد لبسه صح بيعه، و إن كان ضامناً له لو تلف قبل أن يبيعه، و بتسليمه إلى المشتري يبرأ عن ضمانه، بل لا يبعد ارتفاع ضمانه بنفس البيع.

مسألة ٣٧ - لو وكله في إيداع مال فأودعه بلا إشهاد فجحد الودعي لم يضمنه الوكيل إلا إذا وكله في أن يودعه مع الاشهاد فخالف، و كذا الحال لو و كله في قضاء دينه فأداه بلا إشهاد و أنكر الدائن.

مسألة ٣٨ - لو وكله في بيع سلعة أو شراء متاع فان صرح بكون البيع أو الشراء من غيره أو بما يعم نفسه فلا إشكال، و إن أطلق و قال: أنت وكيلي في أن تبيع هذه السلعة أو تشتري لي المتاع الفلاني، فهل يعم نفس الوكيل؟ فيجوز أن يبيع السلعة من نفسه أو يشتري له المتاع من نفسه أم لا؟ و جهان بل قولان، أقواهما الأول و أحوطهما الثاني.

مسألة ٣٩ - لو اختلفا في التوكيل فالقول قول منكره، ولو اختلفا في التلف أو في تفريط الوكيل فالقول قول الوكيل، ولو اختلفا في دفع المال إلى الموكل فالظاهر أن القول قول الموكل خصوصاً إذا كانت الوكالة بجعل، و كذا الحال فيما إذا اختلف الوصي و الموصى له في دفع المال الموصى به إليه، و الأولياء حتى الأب و الجد إذا اختلفوا مع المولى عليه بعد زوال الولاية عليه في دفع ماله إليه، فان القول قول المنكر في جميع ذلك، نعم لو اختلف الأولياء مع المولى عليهم في الانفاق عليهم أو على ما يتعلق بهم في زمان ولايتهم فالظاهر أن القول قول الأولياء بيمينهم.

وہ درہم واپس لے لینے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ اگر وہ درہم وکیل کے پاس تلف ہو جائیں تو قرضہ بدستور باقی رہیگا۔ اور اگر اس طرح کہے، "فلاں شخص کی طرف سے جو تم قرضے کی ادائگی کا مطالبہ کر رہے ہو اسکے لئے یہ درہم لے لو اور وہ انھیں قبضہ میں کرلے تو اس صورت میں وہ موکّل کی جانب سے "قابض" کہلائے گا۔ زید بری الذمّہ ہو جائیگا اور اسے وکیل سے درہم واپس لینے کا حق نہیں رہے گا۔

مسئلہ ۳۶: وکیل اپنے پاس موجود چیز کا امین ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر اس کی زیادتی یا کوتاہی کے بغیر تلف ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہوتا۔ جیسے کپڑے یا جانور کو فروخت کرنے پر وکیل بنایا جائے لیکن وہ کپڑے پہن لے اور جانور کو سواری کے لئے استعمال کرے (تو اس صورت میں ضامن ہے) البتہ اس (تعدی و تفریط) سے اس کی وکالت باطل نہیں ہوگی۔ چنانچہ اگر پہننے کے بعد کپڑے فروخت کرے تو معاملہ صحیح ہے اگرچہ فروخت کرنے سے پہلے ضائع ہو جانے کی صورت میں وہ ضامن تھا۔ چنانچہ بیچی ہوئی چیز خریدار کے قبضہ میں دینے کے بعد ہی وہ ضمانت سے بری ہوگا بلکہ صرف فروخت کر دینے سے ہی ضمانت کا ختم ہو جانا بعید نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۷: اگر کسی کو کوئی مال کسی کے پاس بطورِ امانت رکھنے پر وکیل مقرر کیا جائے اور وکیل گواہ بنائے بغیر مال کو امانت کے طور پر رکھدے لیکن امین انکار کر دے تو وکیل ضامن نہیں ہے۔ لیکن اگر اس سے کہا گیا ہو کہ کسی کو گواہ بنا کر مال امانت رکھے اور وہ بغیر گواہ بنائے رکھدے تو ضامن ہے۔ یہی حکم اسوقت ہوگا جب قرض ادا کرنے پر وکیل مقرر کیا جائے۔ اور وہ کسی کو گواہ بنائے بغیر ادا کر دے اور قرضخواہ انکار کر دے۔

مسئلہ ۳۸: اگر کوئی مال فروخت کرنے یا کوئی جنس خریدنے پر وکیل مقرر کرے اور وضاحت کر دے کہ وکیل بھی اپنی کوئی چیز خرید یا بیچ سکتا ہے یا نہیں بلکہ دوسرے سے معاملہ کرے تو کوئی مشکل نہیں۔ لیکن اگر وضاحت نہ کرے بلکہ مطلق طور پر کہدے کہ تم میری فلاں چیز فروخت کرنے یا فلاں شئے میرے لئے خریدنے پر میرے وکیل ہو۔ تو آیا اس میں وکیل بھی شامل ہوگا، کہ اس کے لئے موکّل کا مال خود خریدے یا اپنی کوئی چیز موکل کو بیچ دینا جائز ہو جائے یا وکیل اسمیں شامل نہیں ہوگا؟ دو وجہیں بلکہ دو قول ہیں۔ اقویٰ پہلا قول ہے جبکہ احتیاط دوسرے قول میں ہے۔

مسئلہ ۳۹: اگر اصل وکالت میں اختلاف ہو جائے تو منکر کی بات مانی جائے گی۔ اگر تلف کرنے یا وکیل کی کوتاہی میں اختلاف ہو تو وکیل کا قول قبول کیا جائے گا۔ لیکن اگر مال موکّل کے سپرد کر دینے میں اختلاف ہو جائے مثلاً وکیل کہے میں نے دیا ہے اور موکّل کہے نہیں دیا تو ظاہر یہ ہے کہ موکّل کی بات مانی جائے خاص طور سے جب وکالت جعل (محنتانہ) کے عوض ہو۔ یہی حکم وہاں بھی ہوگا جب وصی اور موصیٰ لہ (جس کے لئے وصیت کی ہو) کے درمیان مال لینے یا نہ لینے میں اختلاف ہو جائے۔ اور اولیاء (سرپرستوں) اور انکے درمیان جن پر ان کو سرپرستی حاصل تھی چاہے اولیاء باپ دادا ہی کیوں نہ ہوں اسوقت مال کی وصولی یا عدم وصولی میں اختلاف ہوئے جب ان کی سرپرستی ختم ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں منکر کا قول تسلیم کیا جائیگا۔ البتہ جب سرپرستوں اور ان کے زیر سرپرستی افراد میں سرپرستی کے زمانہ میں انفاق و عدم انفاق پر اختلاف ہو جائے تو ظاہر یہ ہے کہ قسم کے ساتھ سرپرستوں کی بات مان لی جائے گی۔

كتاب الاقرار

و هـو الاخبـار الجازم بحق لازم على المخبر أو بما يستتبع حقاً أو حكماً عليه، أو بنفي حق له أو ما يستتبعه كقوله: له أو لك عليّ كذا، أو عندي أو في ذمتي كذا، أو هذا الذي في يدي لفلان، أو اني جنيت على فلان بكذا، أو سرقت أو زنيت و نحو ذلك مما يستتبع القصاص أو الحد الشرعي، أو ليس لي على فلان حق، أو أن ما أتلفه فلان ليس مني و ما أشبه ذلك بأي لغة كان، بل يصح إقرار العربي بالعجمي و بالعكس، و الهندي بالتركي و بالعكس إذا كان عالماً بمعنى ما تلفظ به في تلك اللغة، و المعتبر فيه الجزم بمعنى عدم إظهار الترديد و عدم الجزم به، فلو قال: أظن أو أحتمل أن لك عليّ كذا ليس إقراراً.

مسألة ١ - يعتبر في صحة الاقرار بل في حقيقته و أخذ المقر باقراره كونه دالاً على الاخبار المزبور بالصراحة أو الظهور، فان احتمل إرادة غيره احتمالاً يخل بظهوره عند أهل المحاورة لم يصح، و تشخيص ذلك راجع إلى العرف و أهل اللسان كسائر التكلمات العادية، فكل كلام ولو لخصوصية مقام يفهم منه أهل اللسان أنه قد أخبر بثبوت حق عليه أو سلب حق عن نفسه من غير ترديد كان إقراراً، و إن لم يفهم منه ذلك من جهة تطرق الاحتمال الموجب للترديد و الاجمال لم يكن إقراراً.

کتابِ اقرار

صاف طور پر محکم لہجے میں بطور یقین کسی کا حق اپنے ذمہ تسلیم کرنے یا ایسی بات کہنے کہ جس سے اس پر کوئی حق یا حکم ثابت ہوتا ہو۔ یا کسی کے ذمہ اپنے حق کی قطعی طور پر نفی کرے۔ یا ایسی بات کہنے کو کہ جسکے نتیجہ میں حق کی نفی ہوجاتی ہو۔ اقرار کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسکا یا تمہارا مجھ پر فلاں حق ہے' یا میرے پاس یا میرے ذمہ فلاں چیز ہے۔ یا یہ چیز جو میرے پاس ہے فلاں صاحب کی ہے۔ یا میں نے فلاں شخص پر ظلم کیا ہے' یا چوری کی ہے یا (معاذ اللہ) زنا کا مرتکب ہوا ہوں یا اسی طرح کے وہ اعترافات جو حدِ شرعی کے اجراء اور قصاص لئے جانے کا موجب بنتے ہیں۔ یا میرا فلاں شخص کے ذمہ کوئی حق نہیں۔ یا جو چیز فلاں شخص نے ضایع کی ہے وہ میری نہیں تھی۔ اسی طرح کے دیگر اعترافات چاہے کسی بھی زبان میں ہوں اقرار کے زمرے میں آتے ہیں۔ بلکہ عربی زبان والے کا عجم کی زبان میں اور عجم کا عرب کی زبان میں اور اسی طرح ہندی کا ترکی میں اور ترکی کا ہندی میں اقرار صحیح ہے بشرطیکہ جس زبان میں تلفظ کر رہا ہے اس کے معنی جانتا ہو۔ اقرار میں جزم و یقین ضروری ہے یعنی تردید یا بے یقینی کا اظہار نہ ہو' پس اگر کہے' میرا گمان یا احتمال ہے کہ تمہارا میرے ذمے اتنا حق ہے تو یہ اقرار نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۱: اقرار کے صحیح اور حق پر مبنی ہونے اور مقر سے اس کے اقرار کی بناء پر مطالبہ کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ صیغۂ اقرار میں ثبوتِ حق کی تصریح موجود ہو یا حق کا ثابت ہونا اس سے ظاہر ہو رہا ہو۔ اگر صیغۂ اقرار سے کسی اور چیز کے مراد لئے جانے کا احتمال ہو جس سے اہلِ زبان کے نزدیک اقرار ظاہر نہ ہو رہا ہو تو اقرار صحیح نہیں ہے دوسرے عادی تکلم کی مانند اسکی تشخیص بھی عرفِ عام اور اہلِ زبان کے ذریعہ ہوگی۔ پس ہر وہ کلام جس سے اہلِ زبان چاہے قرینۂ حالیہ ہی کی بناء پر یہ سمجھتے ہوں کہ مقر اپنے ذمہ کسی حق کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کی بات کر رہا ہے اور اس میں کوئی شک و تردید نہ ہو تو اُسے اقرار کہتے ہیں۔ لیکن اگر ایسے احتمال کی بناء پر جو موجب شک و تردید ہو۔ یا غیر واضح ہونے کی بناء پر اہلِ زبان اس سے یہ چیز نہ سمجھیں تو وہ اقرار نہیں ہوگا۔

مسألة ٢ ـ لا يعتبر في الاقرار صدوره من المقر ابتداءً أو كونه مقصوداً بالافادة، بل يكفي كونه مستفاداً من تصديقه لكلام آخر و استفادته من كلامه بنوع من الاستفادة، كقوله: «نعم» في جواب من قال: «لي عليك كذا» أو «أنت جنيت على فلان» و كقوله في جواب من قال: «استقرضت مني ألفاً» أو «لي عليك ألف»: «رددته» أو «أديته» فانه إقرار بأصل ثبوت الحق عليه و دعوى منه بسقوطه، و مثل ذلك ما إذا قال في جواب من قال: «هذه الدار التي تسكنها لي»: «اشتريتها منك» فان الإخبار بالاشتراء اعتراف منه بثبوت الملك له و دعوى منه بانتقاله إليه، نعم قد توجد قرائن على أن تصديقه لكلام الآخر ليس حقيقياً فلم يتحقق الاقرار، بل دخل في عنوان الانكار، كما إذا قال في جواب من قال: «لي عليك ألف دينار»: «نعم» أو «صدقت» مع صدور حركات منه دلت على أنه في مقام الاستهزاء و التهكم و شدة التعجب و الانكار.

مسألة ٣ ـ يشترط في المقرّ به أن يكون أمراً لو كان المقر صادقاً في إخباره كان للمقر له حق الإلزام عليه و مطالبته به، بأن يكون مالاً في ذمته عيناً أو منفعة أو عملاً أو ملكاً تحت يده أو حقاً يجوز مطالبته، كحق الشفعة و الخيار و القصاص، و حق الاستطراق في درب مثلاً، و إجراء الماء في نهر، ونصب الميزاب في ملك ، و وضع الجذوع على حائط أو يكون نسباً أو جب نقصاً في الميراث أو حرماناً في حق المقر و غير ذلك أو كان للمقر به حكم و أثر كالاقرار بما يوجب الحد.

مسألة ٤ ـ انما ينفذ الاقرار بالنسبة إلى المقر، و يمضي عليه فيما يكون ضرراً عليه، لا بالنسبة إلى غيره و لا فيما يكون فيه نفع له، فان أقر بأبوة شخص له و لم يصدقه ولم ينكره يمضي إقراره في و جوب النفقة عليه لا في نفقته على المقر أو في توريثه.

مسألة ٥ ـ يصح الاقرار بالمجهول و المبهم، و يقبل من المقر و يلزم و يطالب

مسئلہ ۲: "اقرار" ثابت ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ مقر "اقرار کرنے والا" صیغۂ اقرار ہی زبان پر جاری کرے یا اپنے کلام سے اقرار ہی سمجھانا چاہتا ہو۔ بلکہ اگر وہ کسی دوسرے شخص کے کلام کی تصدیق کرے اور اس سے اقرار کا استفادہ ہوجائے جس طرح سے استفادہ ہوتا ہے تو کافی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کہے: "لی علیک کذا" میرا تمھارے ذمہ فلاں حق ہے۔ یا تو نے مجھ پر فلاں ظلم کیا ہے اور وہ جواب میں "ہاں" کہہ دے تو یہ اقرار ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کہے: "تم نے مجھ سے مثلاً ہزار روپے قرض لئے ہیں" یا میرے ہزار روپے تمھارے ذمہ واجب الادا ہیں۔ اور جواب میں مقر کہے "میں نے واپس کردیئے ہیں یا میں نے ادا کردیئے ہیں۔ تو یہ ثبوت حق کے اقرار کے ساتھ ساتھ اس کے ساقط ہوجانے کا دعویٰ ہے۔ اسی کے مانند یہ صورت بھی ہے کہ جب کوئی کہے "جس گھر میں تم قیام پذیر ہو۔ یہ میرا ہے۔ اور وہ جواب میں کہے "میں نے تم سے خریدا ہے" تو خریدنے کی خبر دینا گویا پہلے اس کی ملکیت کا اعتراف ہے اور اس کے بعد نقل ملکیت کا دعویٰ ہے۔ اسے بھی اقرار کہتے ہیں۔ البتہ بعض اوقات ایسے اشارے مل جاتے ہیں جن کی بناء پر کسی دوسرے کے کلام کی تصدیق سے اس کے حقیقت پر مبنی نہ ہونے کی وجہ سے اقرار متحقق نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے انکار کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص اس سے کہے "میرے تمھارے ذمہ ہزار دینار ہیں" اور وہ اس کے جواب پر تعجب کرتے ہوئے یا اسکا مذاق اڑاتے ہوئے یا شرارت کے طور پر ہاں کہدے یا اسکی تصدیق کردے اور ساتھ ہی اس سے ایسی حرکت سرزد ہو جو تعجب وغیرہ پر دلالت کرتی ہو تو اقرار نہیں بلکہ انکار ہوگا۔

مسئلہ ۳: مقر بہ (جس چیز کا اقرار کیا جائے) کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسی چیز ہو۔ کہ جب مقر اقرار کرے اور اس کا اقرار صداقت پر مبنی ہو تو مقر لہ (جس کے حق میں اقرار کیا جائے) وہ اس چیز کا مطالبہ کرسکے مثلاً وہ چیز مالی حیثیت کی ہو جو اقرار کرنے والے کے ذمہ ہو۔ اب چاہے اصل مال ہو یا منافع ہوں کوئی "عمل" انجام دینے کے لئے ہو۔ یا کوئی ملکیت اس کے قبضہ میں ہو یا ایسا کوئی حق ہو جس کا مطالبہ جائز ہو جیسے حق شفعہ، حق خیار، حق قصاص، راستہ نکالنے کا حق۔ نہر میں پانی بہانے کا حق، اپنی ملکیت میں پرنالہ لگانے کا حق، دیوار پر لکڑیاں رکھنے کا حق، یا وہ چیز (مقر بہ) نسب سے متعلق ہو جو میراث میں کمی یا مقر کے میراث سے محروم ہوجانے کا باعث ہو۔ یا مقر بہ (وہ چیز جس کا اقرار کیا ہے) کا کوئی شرعی حکم یا اثر ہو مثال کے طور پر ایسی چیز کا اقرار جس سے حد شرعی واجب ہوتی ہو۔

مسئلہ ۴: مقر کا اقرار اس وقت قابلِ قبول اور نافذ العمل ہوگا جب خود اس کے لئے باعثِ ضرر ہو۔ چنانچہ اگر اس کے علاوہ کسی دوسرے کو نقصان پہونچائے یا خود اس کے نفع میں ہو تو "اقرار" نافذ نہیں ہوگا۔ پس اگر یہ اقرار کرے کہ فلاں شخص اس کا باپ ہے۔ اور وہ شخص نہ تصدیق کرے اور نہ انکار تو اس شخص کا نفقہ (خرچ) مقر پر واجب ہوجائے گا۔ لیکن اس سے نفقہ لینے، یا میراث پانے کا حقدار نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۵: کسی مبہم اور نامعلوم چیز کا "اقرار" صحیح ہے اور اقرار کرنے والے سے اس کو تسلیم کیا جائے گا اور اس سے وضاحت طلب کی جائے گی اور ابہام دور کرنے پر ملزم کیا جائے گا۔ چنانچہ اس کی وضاحت

بالتفسير و البيان و رفع الابهام، و يقبل منه ما فسره به، و يلزم به لو طابق تفسيره مع المبهم بحسب العرف و اللغة وأمكن بحسبها أن يكون مراداً منه، فلو قال: «لك عندي شيء» ألزم بالتفسير فان فسره بأيّ شيء صح كونه عنده يقبل منه و إن لم يكن متمولاً كهرة مثلاً أو نعل خلق لا يتمول، وأما لو قال: «لك عندي مال» لم يقبل منه إلا إذا كان ما فسره من الأموال عرفاً و إن كانت ماليته قليلة جداً.

مسألة ٦ ـ لو قال: «لك أحد هذين» مما كان تحت يده أو «لك عليّ إما وزنة من حنطة أو شعير» ألزم بالتفسير و كشف الابهام، فان عيّن ألزم به لا بغيره، فان لم يصدّقه المقر له و قال: «ليس لي ما عينت» فان كان المقر به في الذمة سقط حقه بحسب الظاهر إذا كان في مقام الاخبار عن الواقع لا إنشاء الاسقاط لو جوزناه بمثله، و إن كان عيناً كان بينهما مسلوباً بحسب الظاهر عن كل منهما، فيبقى إلى أن يتضح الحال، ولو برجوع المقر عن إقراره أو المنكر عن إنكاره، ولو ادعى عدم المعرفة حتى يفسره فان صدّقه المقر له وقال: أنا أيضاً لا أدري فالأقوى القرعة و إن كان الأحوط التصالح، وإن ادعى المعرفة و عيّن أحدهما فان صدّقه المقر فذاك و إلا فله أن يطالبه بالبينة، و مع عدمها فله أن يحلّفه، و إن نكل أو لم يمكن إحلافه يكون الحال كما لو جهلا معاً، فلا محيص عن التخلص بما ذكر فيه.

مسألة ٧ ـ كما لا يضر الابهام و الجهالة في المقر به لا يضران في المقرّ له، فلو قال: «هذه الدار التي بيدي لأحد هذين يقبل» و يلزم بالتعيين فمن عينّه يقبل، و يكون هو المقر له، فان صدّقه الآخر فهو، و إلا تقع المخاصمة بينه و بين من عيّنه المقر، ولو ادعى عدم المعرفة و صدّقاه فيه سقط عنه الالزام بالتعيين، ولو ادعيا أو أحدهما عليه العلم كان القول قوله بيمينه.

مسألة ٨ ـ يعتبر في المقر البلوغ و العقل والقصد والاختيار، فلا اعتبار باقرار الصبي و المجنون والسكران، و كذا الهازل و الساهي و الغافل و المكره، نعم لا

اور تفسیر قابلِ قبول ہوگی۔ اور اگر عرف عام اور لغت کے اعتبار سے اس کی وضاحت مبہم کے مطابق ہو اور عرف و لغت کے حساب سے وہ مراد لینا ممکن ہو تو اس چیز کی ادائیگی اس پر لازم ہوگی۔ پس اگر کہے: (لک عندی شیئ) تمھاری میرے پاس کوئی چیز ہے" تو اسے اس چیز کے بتانے پر مجبور کیا جائیگا۔ پس اگر وہ ایسی چیز کا نام لے جس کا اس کے پاس ہونا صحیح ہو تو "اقرار" قبول کیا جائیگا۔ چاہے وہ چیز زیادہ مالیت کی نہ ہو جیسے بلی یا پھٹا پرانا جوتا کہ جسکی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر کہے "لک عندی مال" تیرا میرے پاس مال ہے تو اسے قبول نہیں کیا جائیگا۔ مگر اس وقت جب اسکی وضاحت سے پتہ چلے کہ عرف عام میں اس چیز کو جو اس کے پاس ہے مال کہتے ہیں چاہے اسکی مالیت بہت ہی مختصر ہو۔

مسئلہ ۶: کسی شخص کے پاس دو چیزیں رکھی ہوں اور وہ کہے "ان میں سے ایک تمھاری ہے"۔ یا یہ کہے "میرے ذمہ تمھاری کچھ "گیہوں یا جو" ہے۔ تو اُسے وضاحت کرنے اور ابہام دور کرنے کے لئے کہا جائیگا۔ چنانچہ جو وہ معین کردے وہی اس پر لازم ہوگا اسکے علاوہ کچھ نہیں۔ اب اگر مُقَرٌّ لَہ (وہ شخص جسکے حق میں اقرار کیا ہے) اس چیز کی تصدیق نہ کرے اور کہے "جو چیز تو نے معین کی ہے وہ میری نہیں" تو اس صورت میں اگر وہ چیز جس کا اقرار کیا ہے موجود نہ ہو بلکہ مقر کے ذمہ ہو تو ظاہراً بری الذمہ ہو جائے گا۔ بشرطیکہ مقر لہ (جس کے حق میں اقرار کیا ہے) حقیقتِ حال بیان کر رہا ہو، مقر کو بری الذمہ کردینے کا صیغہ نہ پڑھ رہا ہو۔ اگر اس انداز میں صیغہ جاری کرنے کو ہم جائز قرار دیں۔ لیکن اگر وہ چیز اس کے ذمہ نہ ہو بلکہ موجود ہو تو ظاہراً اسے دونوں میں سے کسی کے حوالے نہیں کیا جائیگا بلکہ حقیقت روشن ہو جانے تک اسکو اسی طرح باقی رکھا جائیگا چاہے حقیقت کا علم مقر کے "اقرار" سے انکار کردینے سے ہو یا منکر کے اپنا انکار واپس لے لینے سے ہو۔ اگر مقر یہ دعویٰ کرے کہ میں اس چیز کی تشخیص نہیں دے سکتا اس لئے کہ میں جانتا ہی نہیں اور مقر لہ (صاحبِ اقرار) اس کی تصدیق کردے اور کہے کہ میں بھی نہیں جانتا۔ تو اس صورت میں قرعہ اندازی "اقوی" ہے اگرچہ مصالحت کر لینے میں احتیاط ہے۔ اگر مقر لہ اس چیز کی شناخت رکھنے کا دعویٰ کرے اور دو میں سے ایک چیز کو معین کردے اور مقر بھی اسکی تصدیق کردے تو مشکل حل ہے۔ لیکن اگر مقر تصدیق نہ کرے تو اسے مقر لہ سے شہادت طلب کرنیکا حق حاصل ہے۔ اگر وہ گواہ نہ رکھتا ہو تو اُسے حلف اٹھوایا جائے۔ اب اگر وہ قسم کھانے سے انکار کردے یا اسے قسم دینا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں حکم وہی ہے جو دونوں کے نہ جاننے کی صورت میں تھا۔ لہٰذا قرعہ اندازی یا مصالحت کے ذریعہ جان چھڑانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

مسئلہ ۷: جسطرح مقر بہ کے بارے میں عدمِ علم اور ابہام مضر نہیں۔ اسی طرح مقر لہ (جس کے حق میں اقرار کیا ہے) کے بارے میں بھی ابہام و لاعلمی ضرر نہیں رکھتے۔ پس اگر یوں کہے: "یہ گھر جو میرے قبضہ میں ہے ان دو افراد میں سے کسی ایک کی ملکیت ہے تو یہ "اقرار" قبول کئے جانے کے بعد اس سے کہا جائیگا کہ وہ اصل حقدار کو مشخص کرے چنانچہ جسے وہ معین کردے وہی مقر لہ کہلائیگا۔ اب اگر دوسرا شخص بھی اسکی تصدیق کردے تو کیا کہنے! لیکن اگر وہ تصدیق نہ کرے تو ان دونوں کے درمیان تنازعہ پیدا ہو جائیگا۔ اگر مقر نہ جاننے کا دعویٰ کرے اور وہ دونوں اسکے دعوے کی تائید کردیں تو اس پر معین کرنا لازم نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک مقر کے باخبر ہونے کا ادعا کرے۔ تو قسم کے ساتھ مقر کی بات مان لی جائے گی۔

مسئلہ ۸: "اقرار" کرنیوالے کا بالغ، عاقل، صاحبِ قصد و اختیار ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا بچے، دیوانے اور مست کا اقرار بے اعتبار ہے۔ اسی طرح۔ مذاق میں، بھولے سے، غفلت کی بناء پر اور کسی کی طرف سے بے بس کرنے پر اقرار کرنا بے سود ہے البتہ

يبعد صحة إقرار الصبي إن تعلق بما له أن يفعله، كالوصية بالمعروف ممن له عشر سنين.

مسألة ٩ ـ إن أقر السفيه المحجور عليه بمال في ذمته أو تحت يده لم يقبل، و يقبل فيما عدا المال كالطلاق و الخلع بالنسبة الى الفراق لا الفداء، و كذا في كل ما أقر به و هو يشتمل على مال و غيره لم يقبل بالنسبة إلى المال كالسرقة، فيحد إن أقربها، و لا يلزم بأداء المال.

مسألة ١٠ ـ يقبل إقرار المفلس بالدين سابقاً و لا حقاً، لكن لم يشارك المقر له مع الغرماء بتفصيل مر في كتاب الحجر، كما مر الكلام في إقرار المريض بمرض الموت، و أنه نافذ إلا مع التهمة فينفذ بمقدار الثلث.

مسألة ١١ ـ لو ادعى الصبي البلوغ فان ادعاه بالانبات اختبر، ولا يثبت بمجرد دعواه، وكذا إن ادعاه بالسن، فانه يطالب بالبينة، و أما لو ادعاه بالاحتلام في الحد الذي يمكن وقوعه فثبوته بقوله بلا يمين بل معها محل تأمل و إشكال.

مسألة ١٢ ـ يعتبر في المقر له أن يكون له أهلية الاستحقاق، فلو أقر لدابة بالدين لغا ، و كذا لو أقر لها بملك، و أما لو أقر لها باختصاصها بجل و نحوه كأن يقول: «هذا الجل مختص بهذا الفرس» أو لهذا مريداً به ذلكفالظاهر أنه يقبل و يحكم بمالكية مالكها، كما أنه يقبل لو أقر لمسجد أو مشهد أو مقبرة أو رباط أو مدرسة و نحوها بمال خارجي أو دين، حيث ان المقصود منه في التعارف اشتغال ذمته ببعض ما يتعلق بها من غلة موقوفاتها أو المنذور أو الموصى به لمصالحها و نحوها.

مسألة ١٣ ـ لو كذّب المقر له المقر في إقراره فان كان المقر به ديناً أو حقاً لم يطالب به المقر، و فرغت ذمته في الظاهر، و إن كان عيناً كانت مجهولة المالك بحسب الظاهر، فتبقى في يد المقر أو الحاكم إلى أن يتبين مالكها، هذا بحسب الظاهر، و أما بحسب الواقع فعلى المقر بينه و بين الله تعالى تفريغ ذمته من

بچہ کا اقرار اگر کسی چیز سے متعلق ہو جسے وہ انجام دینے کا حق رکھتا ہے۔ جیسے دس سال کے بچے کا نیکی کی وصیت کرنا۔ تو اس کا صحیح ہونا بعید نہیں ہے۔

مسئلہ ۹: ایسا سفیہ جسے اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہو یہ اقرار کرے کہ اس کے ذمہ یا اسکے قبضہ میں کسی کا مال ہے تو اسکا "اقرار" نافذ نہیں ہوگا۔ البتہ صرف مال کے سلسلہ میں، مال کے علاوہ مثلاً طلاق یا خلع کے بارے میں نافذ ہوگا۔ لیکن اس سے صرف جدائی حاصل ہوگی "عوض خلع" وصول کرنیکا حقدار نہیں ہو پائیگا۔ یہی حکم وہاں بھی ہوگا کہ جہاں کسی چیز کے بارے میں اقرار کرے اور اسکی مالی اور غیر مالی دونوں حیثیتیں ہوں تو مال کی نسبت اقرار نافذ نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر چوری کا اقرار کرے تو حد جاری کی جائے گی لیکن مال کی ادائیگی اس پر لازم نہیں کی جائے گی۔

مسئلہ ۱۰: مفلس (جسکا ناداری کی وجہ سے دیوالیہ نکل گیا ہو) اگر سابق یا لاحق قرض کے سلسلہ میں اقرار کرے تو نافذ ہوگا لیکن جس کے حق میں اقرار کیا ہے وہ قرضخواہوں کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔ اس تفصیل کی روشنی میں جو کتاب حجر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی طرح مرض موت میں مریض کے اقرار کی بابت بھی بیان ہو چکا ہے کہ یہ اقرار نافذ ہوگا لیکن اگر مریض پر جانبداری کا اتہام ہو تو اس صورت میں مال کے صرف ایک تہائی حصہ میں نافذ ہوگا۔

مسئلہ ۱۱: اگر بچہ بالغ ہو جانے کا دعویٰ کرے چنانچہ اگر وہ یہ کہے کہ چونکہ اسکی ناف کے نیچے بال اُگ آئے ہیں تو اس کے دعوے سے کام نہیں چلے گا بلکہ اختیار کے ذریعہ اسکی تصدیق کی جائیگی۔ اسی طرح اگر وہ سن کے اعتبار سے بالغ ہو جانے کا دعویٰ کرے تو اس سے گواہ لانے کو کہا جائیگا۔ لیکن اگر وہ "احتلام" کی بناء پر بالغ ہونیکا دعویٰ کرے اور وہ ایسی حالت میں ہو کہ جس میں احتلام واقع ہونا ممکن ہے تو قسم کے بغیر یا قسم کے ہوتے ہوئے بھی اسکے دعوے کے ثابت ہونے میں تامل اور اشکال ہے۔

مسئلہ ۱۲: مقرلہ کیلئے حقدار ہونیکا اہل ہونا شرط ہے۔ چنانچہ اگر کسی چوپائے کا قرضدار ہونیکا اقرار کرے یا اسکی ملکیت کا اقرار کرے تو بیکار ہے۔ البتہ اگر اس کیلئے کسی چیز مثلاً زین وغیرہ کے مختص ہونیکا اقرار کرے۔ مثال کے طور پر یہ کہے "یہ زین اس گھوڑے سے مخصوص ہے" یا اس گھوڑے کی ہے اور اسکی مراد اختصاص ہو تو ظاہراً یہ اقرار نافذ ہوگا۔ اور اس "زین" پر چوپایہ کے مالک کی ملکیت کا حکم لگایا جائیگا۔ بالکل اسی طرح کہ اگر کوئی شخص مسجد، زیارتگاہ، مقبرہ اور کاروانسرا یا مدرسہ وغیرہ کیلئے کسی مال یا قرض کا اقرار کرے تو قبول کیا جاتا ہے۔ اسلئے کہ عرف عام میں اسکا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذمہ کچھ وہ چیزیں ہیں جنکا تعلق ان سے بھی ہے۔ جیسے موقوفات کا غلہ، نذر یا وصیت کی گئی چیز کہ جس کا تعلق وقف کے مصالح وغیرہ سے ہو۔

مسئلہ ۱۳: جس کے حق میں اقرار کیا گیا ہے اگر وہ مقر کے اقرار کو جھٹلا دے۔ تو اگر اقرار کی گئی چیز قرض یا حق کی شکل میں مقر کے ذمہ ہو تو مقر سے اسکا مطالبہ نہیں کیا جائیگا اور ظاہراً وہ (مقر) بری الذمہ ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ چیز جس کے بارے میں اقرار ہوا ہے "عین موجود" ہو تو ظاہر یہ ہے کہ وہ مجہول المالک کے حکم میں آئے گی اور مالک کا اتہ پتہ معلوم ہو جانے تک وہ چیز مقر یا حاکم شرع کے قبضہ میں رہے گی۔ یہ حکم ظاہر پر مبنی ہے۔ لیکن درواقع مقر کے لئے بینہ وبین اللہ تعالیٰ قرض سے بری ہو جانا اور مالک کے حوالے کر کے اس چیز سے اپنی جان چھڑانا ضروری ہے چاہے مخفیانہ اسے مالک کے اموال میں رکھ دے۔ اب اگر جس شخص کے حق میں "اقرار" کیا گیا ہے وہ اپنے انکار سے پشیمان ہو جائے اور تسلیم کرے تو اگر وہ چیز مقر کے

الدين، و تخليص نفسه من العين بالايصال إلى المالك و إن كان بدسه في أمواله، ولو رجع المقر له عن إنكاره يلزم المقر بالدفع مع بقائه على إقراره، و إلا ففيه تأمل.

مسألة ١٤ ـ لو أقر بشيء ثم عقبه بما يضاده و ينا فيه يؤخذ باقراره و يلغى ما ينافيه، فلو قال: «له عليّ عشرة لا بل تسعة» يلزم بالعشرة، ولو قال: «له علي كذا و هو من ثمن الخمر أو بسبب القمار» يلزم بالمال و لا يسمع منه ما عقبه، و كذا لو قال: «عندي وديعة و قد هلكت» فان إخباره بتلفها ينافي قوله: «عندي» الظاهر في وجودها عنده، نعم لو قال: «كانت له عندي وديعة وقد هلكت» فلا تنافي بينها، وهو دعوى لابد من فصلها على الموازين الشرعية.

مسألة ١٥ ـ ليس الاستثناء من التعقيب بالمنافي، بل يكون المقر به ما بقي بعد الاستثناء إن كان من المثبت و نفس المستثنى إن كان من المنفي، فلو قال: «هذه الدار التي بيدي لزيد إلا القبة الفلانية» كان إقراراً بما عداها ولو قال: «ليس له من هذه الدار إلا القبة الفلانية» كان إقراراً بها، هذا إذا كان الاخبار متعلقاً بحق الغير عليه، و أما لو كان متعلقاً بحقه على الغير كان الأمر بالعكس، فلو قال: «لي هذه الدار إلا القبة الفلانية» كان إقراراً بالنسبة إلى نفي حقه عن القبة، فلو ادعى بعده استحقاق تمام الدار لم يسمع منه، ولو قال: «ليس لي من هذه الدار إلا القبة الفلانية» كان إقراراً بعدم استحقاق ما عدا القبة.

مسألة ١٦ ـ لو أقر بعين لشخص ثم أقر بها لشخص آخر كما إذا قال: «هذه الدار لزيد» ثم قال: «لعمرو» حكم بكونها للأول و أعطيت له، و أغرم للثاني بقيمتها.

مسألة ١٧ ـ من الأقارير النافذة الاقرار بالنسب كالبنوة و الأخوة و نحوهما، و المراد بنفوذه إلزام المقر وأخذه باقراره بالنسبة إلى ما عليه من وجوب إنفاق و حرمة نكاح أو مشاركته معه في إرث أو وقف و نحو ذلك و أما ثبوت النسب بينهما

پاس موجود ہو تو اس پر اسے مالک کے حوالے کرنا لازم ہے۔ لیکن اگر وہ چیز موجود نہ ہو تو اس صورت میں تامل ہے۔

مسئلہ ۱۴: کسی چیز کا اقرار کرنے کے فوراً بعد اگر اس کے متضاد اور منافی چیز کا اقرار کرے۔ تو دوسرا اقرار لغو و بیکار ہوگا۔ مثال کے طور پر یوں کہے: "لہ علی عشرۃ لا بل تسعۃ" "میرے ذمہ اُسکے دس روپے مثلاً۔ نہیں بلکہ نو روپے ہیں تو اس سے دس روپے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور اگر یوں اقرار کرے: "لہ علی کذا وھو ثمن الخمر او بسبب القمار" "اسکی میرے ذمہ اتنی رقم ہے اور وہ شراب کی فروخت یا جوئے میں جیتی گئی رقم ہے۔ تو رقم کی ادائیگی اس پر لازم ہوگی جبکہ شراب یا جوئے والی بات پر دھیان نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر یوں اقرار کرے، "عندی ودیعۃ وقد ھلکت" "میرے پاس کسی کی امانت ہے۔ لیکن وہ تلف ہو گئی ہے۔ تو امانت کی موجودگی کو تسلیم کیا جائیگا۔ جبکہ تلف ہو جانے کی بات نہیں مانی جائے گی۔

اس لئے کہ اسکا تلف ہو جانے کی بات کرنا ظاہراً اس کے پاس اس چیز کے موجود ہونے کا اقرار کرنے سے منافات رکھتا ہے۔ البتہ اگر ان الفاظ میں اقرار کرے "کانت لہ عندی ودیعۃ وقد ھلکت" "اس کی کوئی امانت میرے پاس تھی مگر وہ تلف ہو گئی ہے تو دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ اور یہ ایسا دعویٰ ہے جس کا شرعی قوانین کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیے۔

مسئلہ ۱۵: استثناء کو منافی چیزوں میں سے شمار نہیں کیا جائیگا لہٰذا استثناء کے بعد اگر کسی منافی چیز کا ذکر کرے اور استثناء ایسے کلام سے ہو جو مثبت ہو تو اقرار اس چیز کے بارے میں ہوگا۔ جو استثناء کے بعد باقی رہے اور اگر استثناء منفی کلام سے ہو تو خود مستثنیٰ کے بارے میں اقرار ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر ان الفاظ میں اقرار کرے۔ "ھذہ الدار التی بیدی لزید الا القبۃ الفلانیۃ" "فلاں کمرے کے علاوہ یہ گھر جو میرے قبضہ میں ہے زید کا ہے تو اقرار گھر کے بارے میں ہوگا کمرے کے بارے میں نہیں۔ اور اگر منفی کلام سے استثناء کرتے ہوئے یوں کہے: "لیس لہ من ھذہ الدار الا القبۃ الفلانیۃ" "اس گھر میں سے فلاں کمرے کے علاوہ اسکا کچھ نہیں تو یہاں کمرے کے بارے میں اقرار ہوگا۔ حکم مذکور وہاں لاگو ہوگا جہاں اپنے ذمہ غیر کا حق ثابت ہونے کا اقرار کرے۔ لیکن اگر کسی کے ذمہ اپنا حق ثابت ہونے کا دعویٰ کرے تو معاملہ برعکس ہو جائیگا۔ چنانچہ اگر یہ کہے: "لی ھذہ الدار الا القبۃ الفلانیۃ" "فلاں کمرے کے علاوہ یہ پورا گھر میرا ہے۔ تو یہ اس چیز کا اقرار ہے کہ کمرے پر اسکا کوئی حق نہیں۔ پس اگر اسکے بعد پورے گھر کا حقدار ہونیکا دعویٰ کرے تو اسکا دعویٰ قابلِ سماعت نہیں ہوگا۔ اور اگر یوں کہے: "لیس لی من ھذہ الدار الا القبۃ الفلانیۃ" "فلاں کمرے کے علاوہ اس گھر میں میرا کچھ نہیں۔ تو یہ اس بات کا اقرار ہوگا کہ کمرے کے علاوہ میں اسکا کوئی حق نہیں۔

مسئلہ ۱۶: اگر ایک چیز کا دو اشخاص کی ملکیت ہونے کا اقرار کرے۔ اسطرح کہ پہلے ایک کی ملکیت کی خبر دے اس کے بعد دوسرے کی مثال کے طور پر پہلے کہے "ھذہ الدار لزید" "یہ گھر زید کا ہے اسکے فوراً بعد کہے" "لعمرو" "یہ گھر عمرو کا ہے تو گھر کو پہلے کی ملکیت قرار دیکر اسکے حوالے کیا جائیگا۔ اور دوسرے شخص کو گھر کی قیمت اقرار کرنے والا بطور غرامت ادا کرے گا۔

مسئلہ ۱۷: نافذ ہونیوالے اقراروں میں سے ایک اقرار "نسب" یعنی کسی کا بیٹا یا بھائی ہونے وغیرہ کا اقرار ہے۔ اقرار نافذ ہونیکا مطلب یہ ہے کہ مقر کو اپنے اقرار کی پابندی کرنا پڑے گی۔ اور وجوب نفقہ شادی کی حرمت اور ارث و نفقہ میں مشارکت جیسے احکام مقر پر لاگو ہوں گے۔ لیکن آیا اس اقرار سے ان دونوں کے درمیان نسب اسطرح برقرار ہو جائیگا کہ اس پر نسب کے تمام احکام و آثار جاری ہو سکیں تو اس میں تفصیل ہے۔ بیان تفصیل: اگر اقرار بیٹے کے بارے میں ہو اور وہ صغیر و نابالغ ہو تو اقرار

بحيث يترتب جميع آثاره ففيه تفصيل، و هو أنه إن كان الاقرار بالولد و كان صغيراً غير بالغ يثبت به ذلك إن لم يكذّبه الحس و العادة ـ كالاقرار ببنوة من يقاربه في السن بما لم يجر العادة بتولده من مثله ـ ولاالشرع ـ كاقراره ببنوة من كان ملتحقاً بغيره من جهة الفراش و نحوه ـ و لم ينازعه فيه منازع فينفذ إقراره، و يترتب عليه جميع آثاره، و يتعدى الى أنسابهما، فيثبت به كون ولد المقر به حفيداً للمقر، و ولد المقر أخاً للمقر به، و أبيه جده، و يقع التوارث بينهما، و كذا بين أنسابهما بعضهم مع بعض، و كذا الحال لو كان كبيراً و صدق المقر مع الشروط المزبورة، و ان كان الاقرار بغير الولد و ان كان ولد ولد فان كان المقر به كبيراً و صدّقه أو صغيراً و صدّقه بعد بلوغه مع إمكان صدقه عقلاً و شرعاً يتوارثان إن لم يكن لهما وارث معلوم محقق، و لا يتعدى التوارث الى غيرهما من أنسابهما حتى أولادهما، و مع عدم التصادق أو وجود وارث محقق غير مصدّق له لا يثبت بينهما النسب الموجب للتوارث إلا بالبينة.

مسألة ١٨ ـ لو أقر بولد صغير فثبت نسبه ثم بلغ فأنكر لم يلتفت إلى انكاره.

مسألة ١٩ ـ لو أقر أحد ولدي الميت بولد آخر له و أنكر الآخر لم يثبت نسب المقرّ به، فيأخذ المنكر نصف التركة، و المقرّ ثلثها بمقتضى إقراره، و المقرّ به سدسها، و هو تكملة نصيب المقر وقد تنقص بسبب اقراره.

مسألة ٢٠ ـ لو كان للميت اخوة و زوجة فأقرت بولد له كان لها الثمن و الباقي للولد ان صدّقها الاخوة، و ان أنكروا كان لهم ثلاثة أرباع، و للزوجة الثمن، و باقي حصتها للولد.

مسألة ٢١ ـ لو مات صبي مجهول النسب فأقر شخص ببنوته فع امكانه وعدم منازع له يثبت نسبه و كان ميراثه له.

مسألة ٢٢ ـ لو أقر الورثة بأسرهم بدين على الميت أو بشيء من ماله للغير كان مقبولاً، ولو أقر بعضهم و أنكر بعض فان أقر اثنان وكانا عدلين ثبت الدين على الميت، و كذا العين للمقر له بشهادتهما، و ان لم يكونا عدلين أو كان المقر

ثابت ہو جائیگا۔ اگر مشاہدہ اور تجربہ اسکی تکذیب نہ کریں۔ جیسے کوئی ایسے شخص کو اپنا بیٹا کہے جو عمر میں اس سے زیادہ چھوٹا نہ ہو کہ عادتاً ایسے شخص کا اس سے متولّد ہونا ممکن نہیں۔ اور شریعت بھی اسکی مخالفت نہ کرے۔ مثلاً ایسے شخص کو بیٹا کہے جو فراش وغیرہ کے اعتبار سے دوسرے سے ملحق ہو۔ اور تیسری شرط یہ کہ کوئی شخص اس اقرار میں اس کے ساتھ تنازعہ نہ کرے۔ تو اسکا اقرار نافذ ہوگا۔ اور اس پر تمام آثار مترتب ہونگے اور وہ اقرار ان کے انساب تک تجاوز کریگا۔ اس اقرار سے یہ ثابت ہو جائیگا کہ "مقرّ بہ" کا بیٹا اقرار کرنے والے کا پوتا یا نواسہ ہے۔ اور مقرّ کا لڑکا "مقرّ بہ" کا بھائی ہے اور مقرّ کا باپ "مقرّ بہ" کا دادا ہے وہ دونوں ایک دوسرے کی میراث کے حقدار ہوں گے۔ اسی طرح ان کے دوسرے نسبی رشتہ دار بھی۔ یہی حکم وہاں بھی ہوگا جب "مقرّ بہ" بالغ ہو اور وہ اقرار کرنیوالے کی تائید کردے جب کہ مذکورہ شرائط بھی متحقق ہوں۔

اگر بیٹے کے بارے میں اقرار نہ ہو بلکہ کسی کے اپنا پوتا ہونے کا اقرار کرے اس صورت میں اگر مقرّ بہ بالغ ہو اور وہ تصدیق کردے۔ یا نابالغ ہو لیکن بالغ ہونے کے بعد تصدیق کردے جب کہ عقلاً و شرعاً اس کی طرف سے تصدیق کا امکان پایا جاتا ہو۔ تو وہ ایک دوسرے سے میراث پانے کے حقدار ہوں گے۔ بشرطیکہ کوئی معلوم شخص ان کا وارث حقیقی موجود نہ ہو۔ البتہ حق میراث ان دونوں سے متجاوز ہو کر ان کے نسبی رشتوں تک نہیں جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کی اولاد تک بھی نہیں۔ یہ حکم تو تھا تصدیق کی صورت میں۔ لیکن اگر وہ نابالغ، بالغ ہونے کے بعد تصدیق نہ کرے یا ان کا کوئی وارث حقیقی موجود ہو اور وہ اسکی تصدیق نہ کرے تو ان کے درمیان بیّنہ (گواہی) کے بغیر نسبی رشتہ قائم نہیں ہوگا جو میراث کا حقدار بناتا ہے۔

مسئلہ ۱۸: اگر کسی نابالغ کے سلسلہ میں اپنا بیٹا ہونے کا اقرار کرے اور اس کا "نسب" ثابت ہو جائے۔ لیکن اس کے بالغ ہو جانے کے بعد انکار کردے تو اس کے انکار کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔

مسئلہ ۱۹: مرنے والے کے دو بیٹوں میں سے اگر ایک بیٹا اقرار کرے کہ مرنے والے کا تیسرا بیٹا بھی موجود ہے جبکہ دوسرا بیٹا انکار کرے تو جس کے بارے میں اقرار کیا گیا ہے وہ بیٹا نہیں کہلائے گا۔ چنانچہ انکار کرنیوالا اپنا آدھا حصہ لے لے گا۔ جب کہ اقرار کرنیوالا اپنے اقرار کی بناء پر تیسرے حصہ کا حقدار ہوگا اور مقرّ بہ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ جو اقرار کرنیوالے کے حصہ کا باقی ماندہ حصہ ہوگا کہ جو اس کے اقرار کی وجہ سے کم ہوا ہے۔

مسئلہ ۲۰: اگر مرنیوالے کے چند حقیقی بھائی اور بیوی موجود ہوں اور بیوی یہ اقرار کرے کہ اسکا ایک بیٹا بھی موجود ہے تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور باقی ماندہ تمام مال بیٹے کو ملے گا بشرطیکہ "میت" کے بھائی اس کے "بیٹا" ہونے کی تصدیق کردیں۔ لیکن اگر وہ انکار کردیں۔ تو تین چوتھائی بھائیوں کو آٹھواں حصہ بیوی کو اور بیوی کا باقیماندہ حصہ بیٹے کو ملے گا۔

مسئلہ ۲۱: اگر کوئی ایسا بچہ کہ جس کا نسب معلوم نہ ہو مر جائے اور کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ مرنیوالا اس کا بیٹا ہے جبکہ اسکا امکان بھی موجود ہو اور کوئی اسکا حریف بھی نہ ہو تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ چنانچہ بچہ کا سارا مال اقرار کرنیوالے کو ورثہ میں ملے گا۔

مسئلہ ۲۲: اگر تمام وارث اقرار کریں کہ مرنیوالا مقروض ہے یا اسکا کچھ مال کسی دوسرے کا ہے تو یہ اقرار حق بجانب ہے لیکن اگر کچھ اقرار کریں اور بعض انکار کردیں تو اس صورت میں اگر دو اشخاص اقرار کریں اور وہ دونوں عادل ہوں تو میت کے ذمہ

واحداً نفذ اقرار المقر في حق نفسه خاصة، و يؤخذ منه من الدين الذي أقر به مثلاً بنسبة نصيبه من التركة، فاذا كانت التركة مأة و نصيب كل من الوارثين خمسين، فأقر أحدهما لأجنبي بخمسين وكذّبه الآخر أخذ المقرله من نصيب المقر خمسة و عشرين، و كذا الحال فيما إذا أقر بعض الورثة بأن الميت أوصى لأجنبي بشيء و أنكر الآخر، فانه نافذ بالنسبة إليه لا غيره.

قرض ثابت ہو جائیگا۔ اور اسی طرح اقرار شدہ چیز بھی ان دو عادلوں کی گواہی کی وجہ سے جس کے حق میں اقرار کیا گیا ہے اُسی کی ہوگی۔ لیکن اگر وہ دونوں عادل نہ ہوں۔ یا اقرار کرنیوالا ایک ہی شخص ہو تو اسکے اپنے حصّہ میں اقرار نافذ ہوگا۔ چنانچہ جسکا قرض اُسنے اعتراف کیا ہے وہ اسی کے حصّہ سے وصول کیا جائیگا۔ مثال کے طور پر کُل ترکہ سَوؔ روپے اور وہ وارثوں میں سے ہر ایک کا حصّہ پچاس روپے ہو۔ چنانچہ ان میں ایک شخص اقرار کرے کہ پچاس روپے فلاں شخص کا قرض ہے جبکہ دوسرا انکار کردے۔ تو جسکے حق میں اقرار ہوا ہے اسکو اقرار کرنیوالے کے اپنے حصّہ میں سے پچیس روپے ملیں گے۔ یہی حکم وہاں بھی ہوگا کہ جب کچھ وارث اقرار کریں کہ میّت نے فلاں شخص کے حق میں فلاں مقدار کی وصیّت کی ہے جب کہ بعض انکار کردیں تو جن وارثوں نے اقرار کیا ہے ان ہی کے حصّہ میں کل وارثوں کے تناسب سے اقرار نافذ ہوگا۔ انکار کرنیوالوں کے حصّہ میں نافذ نہیں ہوگا۔

كتاب الهبة

وهي تمليك عين مجاناً و من غير عوض، و هذا هو المعنى الأعم منها و أما المصطلح في مقابل أخواتها فيحتاج إلى قيود مخرجة، والامر سهل. و قد يعبّر عنها بالعطية والنحلة، وهي عقد يفتقر إلى إيجاب بكل لفظ دلّ على المقصود مثل «وهبتك» أو «ملكتك» أو «هذا لك» و نحو ذلك، و قبول بما دل على الرضا، و لا يعتبر فيه العربية، و الأقوى وقوعها بالمعاطاة بتسليم العين و تسلّمها بعنوانها.

مسألة ١ ـ يشترط في كل من الواهب و الموهوب له القابل البلوغ و العقل و القصد و الاختيار، نعم يصح قبول الولي عن المولى عليه الموهوب له، و في الموهوب له أن يكون قابلاً لتملك العين الموهوبة، فلا تصح هبة المصحف للكافر، و في الواهب كونه مالكاً لها، فلا تصح هبة مال الغير إلا باذنه أو إجازته، وعدم الحجر عليه بسفه أو فلس، و تصح من المريض بمرض الموت و إن زاد على الثلث.

مسألة ٢ ـ يشترط في الموهوب أن يكون عيناً، فلا تصح هبة المنافع و أما الدين فان كانت لمن عليه الحق صحت بلا إشكال، و يعتبر فيها القبول على الأقوى، و أفادت فائدة الابراء و ليست به، فانها تمليك يحتاج إلى القبول و يترتب عليها السقوط و هو إسقاط لما في الذمة، و إن كانت لغير من عليه الحق

کتابِ ہبہ

بغیر عوض کے بطورِ مفت کوئی چیز کسی کی ملکیت میں دینے کو "ہبہ" کہتے ہیں البتہ یہ "ہبہ" کا وسیع تر مفہوم ہے۔ چنانچہ اصطلاحی "ہبہ" کا مفہوم واضح کرنیکے لئے کچھ قیود واحتراز یہ ضروری ہیں جو کوئی مشکل نہیں۔ بعض اوقات "ہبہ" کی جگہ عطیہ اور نحلہ کی تعبیریں استعمال کی جاتی ہیں۔ بہر حال "ہبہ" عقد ہے جس میں "ایجاب" و "قبول" ضروری ہے۔ ایجاب کیلئے ہر وہ لفظ کافی ہے جو مافی الضمیر کو بیان کر دے، مثلاً "وھبتک" میں یہ چیز تجھے بخشتا ہوں" یا تجھے اس چیز کا مالک بناتا ہوں یا "یہ چیز تمہاری ہے" وغیرہ۔ صیغۂ قبول کے طور پر بھی رضایت کو ظاہر کر دینوالے الفاظ کافی ہیں۔ ایجاب وقبول کا عربی زبان میں انجام پانا شرط نہیں ہے۔ بلکہ اقویٰ یہ ہے کہ "ہبہ" کے طور پر اگر کوئی چیز کسی کو دیجائے اور وہ لے لے تو عقد واقع ہو جائیگا۔

مسئلہ ۱: بخشش کرنیوالے اور بخشش قبول کرنیوالے، کہ جن کو عربی میں "واھب اور موھوب لہ" کہتے ہیں۔ کا بالغ، عاقل اور صاحب قصد واختیار ہونا ضروری ہے۔ البتہ ولی (سرپرست) اپنے زیر سرپرستی فرد کی جانب سے بخشش قبول کر سکتا ہے۔ "موھوب لہ" جس کو کوئی چیز ہبہ کی جائے۔ کے لئے شرط ہے کہ وہ ہبہ کی گئی چیز کا مالک بننے کا اہل ہو۔ چنانچہ کسی کافر کو قرآن "ہبہ" کرنا صحیح نہیں اسلیئے کہ کافر قرآن کا مالک نہیں بن سکتا۔ "واھب" کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ جو چیز "ہبہ" کر رہا ہے اسکا مالک بھی ہو۔ چنانچہ کسی دوسرے کے مال کو اسکے اذن یا اجازت کے بغیر "ہبہ" کرنا صحیح نہیں ہے۔ واھب کیلئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ سفاہت یا افلاس کا شکار ہونیکی وجہ سے ممنوع التصرف نہ ہو۔ مریض مرضِ موت میں اگر "ہبہ" کرنا چاہے تو چاہے ایک تہائی سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو صحیح ہے۔

مسئلہ ۲: بخشش جانیوالی چیز۔ کہ جسے "موھوب" کہتے ہیں۔ کا عین خارجی ہونا شرط ہے۔ چنانچہ کسی چیز کے منافع "ہبہ" کرنا صحیح نہیں ہے۔ لیکن کسی مقروض کو قرض "ہبہ" کر دینا بلا اشکال صحیح ہے اور اقویٰ یہ ہے کہ اس "ہبہ" میں قبول ضروری ہے جو ابراء (قرض سے بری کر دینے) کا فائدہ دیتا ہے اگرچہ یہ ابراء نہیں ہے۔ اس لئے کہ "ہبہ" کی صورت میں کسی کو مالک بنانے کیلئے اسکا قبول کرنا ضروری ہے۔ تاکہ قبول کرنیکی بناء پر وہ قرضے سے آزاد ہو جائے۔ جبکہ ابراء میں کسی کو اس کے ذمہ واجب الاداء چیز کی ادائیگی سے بری کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی ایسے شخص کو کوئی چیز اسکے "مافی الذمہ" ہونے کے عنوان سے ہبہ کرے کہ

فالأقوى صحتها أيضاً، و يكون قبض الموهوب بقبض مصداقه.

مسألة ٣ ـ يشترط في صحة الهبة قبض الموهوب له ولو في غير مجلس العقد، و يشترط في صحة القبض كونه باذن الواهب على الأحوط، نعم لو وهب ما كان في يد الموهوب له صح، و لا يحتاج إلى قبض جديد و لا مضي زمان يمكن فيه القبض، و كذا لو كان الواهب ولياً على الموهوب له كالأب والجد للولد الصغير وقد وهبه ما في يده صح، و إن كان الأحوط أن يقصد القبض عنه بعد الهبة، ولو وهبه غير الولي فلابد من القبض، و يتولاه الولي.

مسألة ٤ ـ القبض في الهبة كالقبض في البيع، و هو في غير المنقول كالدار والبستان التخلية برفع يده عنه و رفع المنافيات بحيث يصير تحت استيلائه، و في المنقول الاستيلاء و الاستقلال عليه باليد أوماهوبمنزلته كوضعه في حجره مثلاً.

مسألة ٥ ـ يجوز هبة المشاع لا مكان قبضه ولو بقبض المجموع باذن الشريك أو بتوكيل المتهب إياه في قبض الحصة الموهوبة عنه، بل الظاهر تحقق القبض الذي هو شرط الصحة في المشاع باستيلاء المتهب عليه من دون إذن الشريك أيضاً، و يترتب عليه الأثر و إن كان تعدياً بالنسبة إليه في بعض الصور.

مسألة ٦ ـ لا تعتبر الفورية في القبض و لا كونه في مجلس العقد، فيجوز فيه التراخي عن العقد ولو بزمان كثير، ولو تراخى يحصل الانتقال من حينه، فالنماء السابق على القبض للواهب.

مسألة ٧ ـ لو مات الواهب بعد العقد و قبل القبض بطل العقد و انتقل الموهوب إلى ورثته، و لا يقوم مقامه في الاقباض، و كذا لو مات الموهوب له بطل، و لا يقوم ورثته مقامه في القبض.

مسألة ٨ ـ إذا تمت الهبة بالقبض فان كانت لذي رحم أباً كان أو أماً أو ولداً أو غيرهم لم يكن للواهب الرجوع في هبته، و إن كانت لأجنبي كان له الرجوع فيها ما دامت العين باقية، فان تلفت كلاً أو بعضاً بحيث يصدق معه عدم قيام العين بعينها عرفاً فلا رجوع، و الأقوى أن الزوج والزوجة بحكم

جس کے ذمّہ کوئی حق نہیں تو اقویٰ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی "ہبہ" صحیح ہے۔ لیکن اس پر قبضہ اس وقت صادق آئے گا جب اس چیز کو وہ قبضہ میں کرے۔

مسئلہ ۳: جس کو کوئی چیز ہبہ کی گئی ہو اس کے لئے اسپر قبضہ کرنا شرط ہے چاہے وہ قبضہ مجلس عقد میں نہ ہو۔ اور احتیاط کی بناء پر واہب کی اجازت سے قبضہ میں لینا شرط ہے۔ البتہ اگر وہ چیز ہبہ کرے جو پہلے سے "موھوب لہ" کے قبضہ میں ہو تو صحیح ہے اور نئے سرے سے قبضہ کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اتنا وقت گذر جانا لازمی ہے جسمیں قبضہ کرنا ممکن ہو۔ اسی طرح اگر ہبہ کرنیوالا موھوب لہ کا سرپرست ہو جیسے بچّہ کا باپ یا دادا اور وہ اپنی کوئی چیز بچّہ کو ہبہ کرے تو صحیح ہے۔ اگرچہ احتیاط اسمیں ہے کہ ہبہ کرنے کے بعد اس کی طرف سے قبضہ کا قصد کرے۔ اور اگر ولی (سرپرست) کے علاوہ کوئی دوسرا شخص بچّہ کو کچھ ہبہ کرے تو قبضہ کرنا ضروری ہے جس کا اختیار "ولی" کو حاصل ہے۔

مسئلہ ۴: ہبہ میں قبضہ کرنے کا وہی طریقہ ہے جو "بیع" میں ہے۔ اور ناقابل نقل چیزوں جیسے گھر اور باغ میں قبضہ کا مطلب ان سے دستبردار ہو جانا اور قبضہ کی رکاوٹیں اسطرح دور کر دینا ہے کہ وہ چیز اس کے کنٹرول میں آجائے لیکن قابلِ نقل چیزوں میں قبضہ کا دستور یہ ہے کہ انھیں مستقل طور پر اپنی تحویل میں لیا جائے یا ایسا کام کرے جس سے وہ چیز اس کے اختیار میں آجائے مثلاً اس چیز کو اس کے دامن میں رکھ دے۔

مسئلہ ۵: کسی مشترک چیز کو ہبہ کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس پر قبضہ کرنا ممکن ہے۔ چاہے شریک کی اجازت سے پوری چیز پر قبضہ کرے یا متّھب کو وکیل بنائے کہ وہ ہبہ شدہ حصّہ کو اسکی طرف سے قبضہ میں لے۔ بلکہ اگر شریک کی اجازت کے بغیر ہبہ شدہ حصّہ پر متّھب غالب آجائے تو وہ قبضہ جو مشترک چیز کے ہبہ کے صحیح ہونے میں شرط ہے۔ ظاہراً متحقق ہو جائیگا۔ اور اس پر اثر بھی مرتب ہوگا۔ اگرچہ بعض صورتوں میں دوسرے شریک پر زیادتی ہوگی۔

مسئلہ ۶: قبضہ میں نہ تو فوریت شرط ہے اور نہ ہی اس کا مجلس عقد میں واقع ہونا ضروری ہے۔ پس قبضہ کرنے کو عقد سے مؤخر کرنا چاہے زیادہ عرصہ کے لئے ہو جائز ہے۔ اگر تاخیر کرے تو وہ چیز قبضہ کے بعد ہی اس تک منتقل ہوگی۔ لہٰذا قبضہ سے پہلے اس میں ہونے والے اضافوں کا مالک واہب ہوگا۔

مسئلہ ۷: عقد کے بعد اور قبضہ سے پہلے اگر واہب کی موت واقع ہو جائے تو عقد باطل ہو جائیگا۔ اور ہبہ کی گئی چیز ہبہ کرنے والے کے وارثوں کو ملیگی۔ اور وہ قبضہ دینے میں واہب کے قائمقام نہیں ہونگے۔ اسی طرح اگر "موہوب لہ" کی موت واقع ہو جائے تو عقد باطل ہو جائیگا اور اسکے وارثوں کو اسکی جگہ قبضہ کرنیکا اختیار نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۸: جب قبضہ ہو جانے کے بعد "ہبہ" مکمل ہو جائے تو اگر اپنے کسی قریبی عزیز کو کوئی چیز ہبہ کی ہو جیسے ماں، باپ اولاد یا ان کے علاوہ، تو ہبہ کرنے والے کو ان سے وہ چیز واپس لینے کا حق نہیں لیکن اگر کسی ایسے شخص کو "ہبہ" کیا ہو جو قریبی عزیز نہ ہو اور ہبہ کی گئی چیز باقی ہو تو واپس لے لینے کا حق رکھتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ چیز مکمل طور پر تلف ہو گئی ہو یا اس کا کچھ حصّہ اس طرح تلف ہو گیا ہو کہ عرفِ عام میں وہ چیز اپنی اصلی شکل کھو بیٹھی ہو تو واپس نہیں لے سکتا۔ اور اقویٰ یہ ہے کہ میاں، بیوی کا شمار قریبی عزیزوں میں نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ کوئی چیز ایک دوسرے کو ہبہ کر دیں تو احتیاط یہ ہے کہ واپس نہ لیں۔ اسی طرح اگر ہبہ قبول کرنیوالا ہبہ کی گئی چیز کے بدلے میں کچھ دے۔ چاہے مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ تو بھی واپس نہ لیں۔ چاہے ہبہ میں

الأجنبي، والأحوط عدم الرجوع في هبتهما للآخر، و كذا لا رجوع إن عوّض المتهب عنها ولو كان يسيراً، من غير فرق بين ما كان إعطاء العوض لأجل اشتراطه في الهبة و بين غيره، بأن أطلق العقد لكن المتهب أثاب الواهب و أعطاه العوض، و كذا لا رجوع فيها لو قصد الواهب فيها القربة الى الله تعالى.

مسألة ٩ ـ يلحق بالتلف التصرف الناقل كالبيع و الهبة، أو المغيّر للعين بحيث يصدق معه عدم قيام العين بعينها، كالحنطة يطحنها والدقيق يخبزه و الثوب يفصّله أو يصبغه و نحوها، دون غير المغير، كالثوب يلبسه و الفراش يفرشه والدابة يركبها أو يعلفها أو يسقيها و نحوها، و من الأول على الظاهر الامتزاج الرافع للامتياز، و من الثاني قصارة الثوب.

مسألة ١٠ ـ فيما جاز للواهب الرجوع في هبته لا فرق بين الكل و البعض، فلو وهب شيئين لأجنبي بعقد واحد يجوز له الرجوع في أحدهما بل لو وهبه شيئاً واحداً يجوز له الرجوع في بعضه مشاعاً أو مفروزاً.

مسألة ١١ ـ الهبة إما معوضة أو غير معوضة، فالمراد بالأولى ما شرط فيها الثواب و العوض وإن لم يعط العوض أو عوّض عنها و إن لم يشترط فيها العوض.

مسألة ١٢ ـ لو وهب و أطلق لم يلزم على المتهب إعطاء الثواب و العوض، سواء كانت من الأدنى للأعلى أو العكس أو من المساوي للمساوي و إن كان الأولى بل الأحوط في الصورة الأولى إعطاؤه، ولو أعطى العوض لم يجب على الواهب قبوله، و إن قبل و أخذ لزمت الهبة و لم يكن لواحد منهما الرجوع فيما أعطاه.

مسألة ١٣ ـ لو اشترط الواهب في هبته على المتهب إعطاء العوض بأن يهبه شيئاً مكافأة و ثواباً لهبته و وقع منه القبول على ما اشترط و قبض الموهوب يتخير بين رد الهبة و دفع العوض، و الأحوط دفعه، فان دفع لزمت الهبة الأولى على الواهب، و إلا فله الرجوع فيها.

مسألة ١٤ ـ لو عين العوض في الهبة المشروط فيها العوض تعين، و يلزم على

عوض کی شرط رکھی گئی ہو یا نہ رکھی گئی ہو بلکہ عقد مطلق اور غیر مشروط ہو اور ہبہ قبول کرنے والا واہب کو موہوب کے عوض کچھ دے، دونوں صورتوں میں ہبہ کی گئی چیز واپس نہ لے۔ اور اسی طرح اگر واہب نے ہبہ کرتے وقت "قربۃً الی اللہ" کی نیت کی ہو تب بھی واپس نہیں لے سکتا۔

مسئلہ ۹: کسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کر دینے والا تصرف۔ جیسے، بیع، ہبہ یا اس میں اس طرح تغیر پیدا کرنے والا تصرف کہ جس کے بعد وہ چیز اپنی اصلی حالت پر نہ رہے مثلاً گیہوں کو آٹا بنا دیا جائے اور آٹے کو روٹی میں تبدیل کر دیا جائے یا کپڑے کو کاٹ دے یا اس پر رنگ کر دے۔ تو اس کا حکم وہی ہے جو "تلف" کا حکم ہے۔ لیکن اگر اس چیز میں تبدیلی واقع نہ ہو۔ مثال کے طور پر کپڑے پہن لے۔ فرش کو بچھالے۔ سواری کے جانور پر سوار ہو جائے۔ اسے کھلائے پلائے۔ تو اس کا حکم "تلف" کا حکم نہیں ہے۔ اگر کوئی چیز کسی چیز سے اس طرح مخلوط ہو جائے کہ امتیاز باقی نہ رہ جائے تو ظاہراً اس کا حکم وہی ہے جو تلف کا حکم ہے۔ اور کپڑے دھوڈالے تو یہ دوسری صورت سے ملحق ہے۔ (یعنی تلف کا حکم اس پر لاگو نہیں ہوگا۔)

مسئلہ ۱۰: ہبہ کی گئی چیز کامل طور پر یا اس کا کچھ حصہ واپس لے لینا جائز ہے اس صورت میں کہ جہاں واہب کے لئے موہوب کو واپس لے لینا جائز ہو۔ پس اگر کسی شخص کو دو چیزیں ایک ساتھ ہبہ کرے تو ان میں سے ایک کو واپس لے لینا جائز ہے۔ بلکہ اگر ایک ہی چیز ہبہ کی ہو تو اس کا کچھ حصہ بطور مشاع یا معین طور پر الگ کر کے واپس لے سکتا ہے۔

مسئلہ ۱۱: ہبہ یا عوض دار ہوگا یا بغیر عوض کے۔ عوض دار سے مراد یہ ہے اس میں عوض کی شرط کی گئی ہو چاہے عوض نہ دے۔ یا عوض دے دیا ہو مگر اس کی شرط نہ کی گئی ہو۔

مسئلہ ۱۲: اگر ہبہ میں شرط نہ رکھے تو ہبہ قبول کرنے والے پر اس کا عوض ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ چاہے ادنیٰ نے اعلیٰ کو ہبہ کیا ہو یا اعلیٰ نے ادنیٰ کو۔ یا واہب اور متہب دونوں مساوی ہوں۔ اگرچہ بہتر بلکہ احتیاط یہ ہے کہ پہلی صورت میں عوض ادا کرے۔ جب کہ واہب پر واجب نہیں کہ وہ متہب کی طرف سے عوض قبول کرے۔ لیکن اگر عوض قبول کرنے کے بعد اس پر قبضہ کرے تو ہبہ ناقابل فسخ ہو جائے گا۔ اور دونوں میں سے کوئی بھی اپنی دی ہوئی چیز واپس نہیں لے سکتا۔

مسئلہ ۱۳: اگر واہب متہب پر یہ شرط عائد کرے کہ وہ اسے اس کے ہبہ کے عوض کے طور پر کچھ دے اور متہب اسی شرط کے ساتھ ہبہ کو قبول کرے اور ہبہ کی گئی، چیز پر قبضہ کرلے تو اسے اختیار ہے کہ چاہے وہ چیز واپس کر دے یا اس کا عوض ادا کر دے لیکن احتیاط عوض دینے میں ہے۔ چنانچہ اگر عوض ادا کر دے تو پہلا عقد ہبہ واہب پر لازم ہو جائے گا۔ اور اگر عوض ادا نہ کرے تو واپس لینے کا حق رکھتا ہے۔

مسئلہ ۱۴: جس عقد ہبہ میں عوض ادا کرنے کی شرط ہو اس میں اگر عوض کو معین کر دیا جائے تو وہی معین شدہ عوض ادا کرنا پڑے گا۔ بشرطیکہ متہب ہبہ کی گئی چیز کو واپس نہ کرے۔ لیکن اگر عوض معین نہ کیا جائے بلکہ صرف یہ کہا جائے کہ کچھ عوض دینا پڑے گا۔ تو اس صورت میں اگر ایک مقدار پر دونوں متفق ہو جائیں تو بہتر ہے۔ لیکن اگر متفق نہ ہوں تو احتیاط یہ ہے کہ ہبہ کی گئی چیز کے مانند کوئی چیز یا اس کی

المتهب على فرض عدم ردّ أصل الهبة بذل ما عين، ولو أطلق بأن شرط عليه أن يثيب و يعوض و لم يعين العوض فان اتفقا على قدر فذاك و إلا فالأحوط أن يعوض مقدار الموهوب مثلاً أو قيمة، و أحوط منه تعويضه بأكثر خصوصاً إذا كان الواهب أدنى من الموهوب له.

مسألة ١٥ - الظاهر أنه لا يعتبر في الهبة المشروط فيها العوض أن يكون التعويض المشروط بعنوان الهبة بأن يشترط على المتهب أن يهبه شيئاً، بل يجوز أن يكون بعنوان الصلح عن شيء بأن يشترط عليه أن يصالحه عن مال أو حق، فاذا صالحه عنه وتحقق منه القبول فقد عوّضه، و لم يكن له الرجوع في هبته، و كذا يجوز أن يكون إبراء من حق أو إيقاع عمل له كخياطة ثوبه أوصياغة خاتمه و نحو ذلك، فاذا أبرأه منه أو عمل له فقد عوّضه.

مسألة ١٦ - لو رجع الواهب في هبته فيما جاز له و كان في الموهوب نماء منفصل حدث بعد العقد والقبض كالثمرة والحمل والولد و اللبن في الضرع كان من مال المتهب، ولا يرجع إلى الواهب، بخلاف المتصل كالسمن، فانه يرجع إليه، و يحتمل أن يكون ذلك مانعاً عن الرجوع، لعدم كون الموهوب معه قائماً بعينه، بل لا يخلو من قوة، بل الظاهر أن حصول الثمرة والحمل والولد أيضاً من ذلك ، فلا يجوز معها الرجوع، نعم اللبن في الضرع و أجرة البيت و الحمام سيما أجرة المثل لو غصبها غاصب ليست منه فتكون بعد الرجوع للمتهب.

مسألة ١٧ - لو مات الواهب بعد إقباض الموهوب لزمت الهبة و إن كانت لأجنبي و لم تكن معوّضة، و ليس لورثته الرجوع، و كذلك لومات الموهوب له فينتقل الموهوب إلى ورثته انتقالاً لازماً.

مسألة ١٨ - لو باع الواهب العين الموهوبة فان كانت الهبة لازمة بأن كانت لذي رحم أو معوضة أو قصد بها القربة أو خرجت العين عن كونها قائمة بعينها يقع البيع فضولياً، فان أجاز المتهب صح، و إن كانت غير لازمة فالظاهر صحة البيع و وقوعه من الواهب و كان رجوعاً في الهبة، هذا إذا كان ملتفتاً إلى هبته،

قیمت عوض کے طور پر ادا کرے اور اس سے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ جو کچھ عوض کے طور پر ادا کرے وہ ہبہ کی گئی چیز سے زیادہ ہو۔ خاص طور سے اس وقت جب واہب موہوب لہ سے ادنیٰ ہو۔

مسئلہ ۱۵: ظاہراً جس عقد ہبہ میں عوض کی ادائیگی شرط ہو اس میں لازم نہیں کہ عوض بھی بعنوان ہبہ ہو۔ اس طرح کہ واہب، متھب پر شرط عائد کرے کہ وہ کوئی چیز بطور عوض اسے ہبہ کرے۔ بلکہ اگر بعنوان صلح کوئی چیز عوض کے طور اس طرح شرط کرے کہ متھب کسی مال یا حق کے بارے میں واہب سے مصالحت کرے تو یہ جائز ہے۔ چنانچہ اگر متھب، واہب کے ساتھ مصالحت کرے اور شرط قبول کرے تو عوض متحقق ہو جائے گا اور واہب اپنا مال واپس لینے کا حقدار نہیں ہوگا۔ اسی طرح جائز ہے کہ عوض مشروط، کسی حق سے بری الذمہ کرنا۔ یا واہب کے لئے کوئی کام انجام دینا، جیسے کپڑے سلنا یا انگشتری بنانا وغیرہ ہو۔ چنانچہ اگر متھب، واہب کو حق سے بری الذمہ کردے یا اس کے لئے کوئی کام انجام دے ڈالے تو عوض متحقق ہو جائے گا۔

مسئلہ ۱۶: جہاں واہب کے لئے ہبہ شدہ چیز واپس لینا جائز ہو۔ اگر وہ واپس لے لے جب کہ ہبہ شدہ چیز ایسی ہو جس کے ساتھ الگ سے عقد اور قبضہ کے بعد اضافہ حاصل ہوا ہو۔ مثلاً پھل، شکم، بچہ، یا پستان میں دودھ وغیرہ تو یہ سب متھب کا مال کہلائے گا اور ان میں سے کچھ بھی واہب کو نہیں ملے گا۔ لیکن اگر اضافہ شدہ چیز اصل چیز سے متصل ہو جیسے موٹاپا وغیرہ تو وہ چیز واہب کو ملے گی جب کہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ تمام متصل ہبہ میں رجوع سے مانع ہو جائے اس لئے کہ اس کی وجہ سے ہبہ شدہ چیز اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہ گئی ہے۔ بلکہ یہ احتمال قوت سے خالی نہیں۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ پھل، شکم یا بچہ کا اضافہ بھی رجوع سے مانع ہو سکتا ہے۔ کہ ان کی موجودگی میں رجوع جائز نہ ہو۔

البتہ پستان میں دودھ، گھر اور حمام کی مزدوری وغیرہ مخصوصاً اجرۃ المثل، اگر غاصب ان کو غصب کرے تو یہ رجوع سے مانع نہیں ہیں۔ لہذا اگر واہب ہبہ کی گئی چیز کو واپس لینا چاہے تو اس چیز میں حاصل ہونے والا اضافہ واہب کو نہیں ملے گا۔ بلکہ متھب کا مال ہوگا۔

مسئلہ ۱۷: ہبہ کی گئی چیز کو قبضہ میں دے دینے کے بعد اگر واہب مرجائے تو "عقد ہبہ" لازم ہو جاتا ہے چاہے کسی اجنبی کو کچھ ہبہ کیا ہو اور عوض بھی نہ لیا ہو۔ لہٰذا وارث ہبہ کی گئی چیز کو واپس لینے کے حقدار نہیں۔ یہی حکم وہاں بھی ہوگا کہ اگر "موہوب لہ" مرجائے تو ہبہ کی گئی چیز لازمی طور پر وارثوں کا حق ہے جو ان کو ملے گا۔

مسئلہ ۱۸: اگر واہب ہبہ کی گئی چیز کو بیچ ڈالے تو اگر ہبہ لازم رہا ہو۔ یعنی کسی قریبی عزیز کو ہبہ کیا ہو۔ یا اس کا عوض لے لیا ہو۔ یا ہبہ کی گئی چیز عینیت سے خارج ہو گئی ہو۔ تو بیع فضولی کا عقد واقع ہو جائے گا۔ پس اگر متھب اجازت دے دے تو صحیح ہوگا۔ لیکن اگر ہبہ غیر لازم رہا ہو تو واہب کی طرف سے عقد بیع صحیح ہوگا۔ اور یہ ہبہ میں "رجوع" کہلائے گا۔ لیکن اس وقت جب "ہبہ" اس کے پیش نظر ہو۔ بصورت دیگر عقد بیع کے ہبہ میں رجوع قہری ہونے میں تامل اور اشکال ہے لہٰذا احتیاط ترک نہ کی

و إلا ففي كونه رجوعاً قهراً تأمل و إشكال فلا يترك الاحتياط.

مسألة ١٩ ـ الرجوع إما بالقول كأن يقول: «رجعت» و ما يفيد معناه، و إما بالفعل كاسترداد العين وأخذها من يد المتهب، و من ذلك بيعها بل و إجارتها و رهنها إن كان بقصد الرجوع.

مسألة ٢٠ ـ لا يشترط في الرجوع اطلاع المتهب، فلوأنشأه من غيراطلاعه صح.

مسألة ٢١ ـ يستحب العطية للأرحام الذين أمر الله تعالى أكيداً بصلتهم و نهى شديداً عن قطيعتهم، فعن مولانا الباقر عليه السلام قال: «في كتاب علي عليه السلام ثلاث خصال لا يموت صاحبهن أبداً حتى يرى و بالهن: البغي و قطعية الرحم و اليمين الكاذبة يبارز الله بها، و إن أعجل الطاعة ثواباً لصلة الرحم، و إن القوم ليكونون فجاراً فيتواصلون فتنمى أموالهم و يثرون، و إن اليمين الكاذبة و قطيعة الرحم لتذران الديار بلاقع من أهلها وتنقلان الرحم، و ان نقل الرحم انقطاع النسل» و أولى بذلك الوالدان اللذان أمر الله تعالى ببرّهما، فعن أبي عبدالله عليه السلام «إن رجلاً أتى النبي صلى الله عليه و آله و قال: أوصني، قال: لا تشرك بالله شيئاً و إن أحرقت بالنار و عذبت إلا و قلبك مطمئن بالايمان، و والديك فأطعهما و برّهما حيين كانا أو ميتين، و إن أمراك أن تخرج من أهلك و مالك فافعل، فان ذلك من الايمان» و أولى من الكل الأم التي يتأكد برّها وصلتها أزيد من الأب، فعن الصادق عليه السلام «جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه و آله فقال: يا رسول الله من أبرّ ؟ قال: أمك، قال: ثم من؟ قال: أمك ، قال ثم من؟ قال: أمك ، قال: ثم من؟ قال: أباك» و الأخبار في هذه المعاني كثيرة فلتطلب من مظانها.

مسألة ٢٢ ـ يجوز تفضيل بعض الأولاد على بعض في العطية على كراهية، و ربما يحرم إذا كان سبباً لاثارة الفتنة و الشحناء و البغضاء المؤدية إلى الفساد، كما أنه ربما يرجح فيما إذا يؤمن من الفساد و يكون لبعضهم خصوصية موجبة لأولوية رعايته.

جائے۔

مسئلہ ۱۹: رجوع کا ایک طریقہ زبان سے رجوع کرنا ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ میں اپنی چیز واپس لیتا ہوں یا ایسی ہی کوئی عبارت زبان سے ادا کرے اور رجوع کا دوسرا طریقہ عملی رجوع ہے مثلاً اپنی چیز کو متہب کے ہاتھ سے واپس لے لے۔ اور اگر اس چیز کو بیچ ڈالے یا کرائے پر اٹھادے یا رہن رکھ دے تو اسے بھی رجوع کیا جائیگا بشرطیکہ رجوع کا قصد رکھتا ہو۔

مسئلہ ۲۰: رجوع کے لئے متہب کا آگاہ ہونا شرط نہیں ہے۔ پس اسکی اطلاع کے بغیر بھی صیغہ رجوع پڑھنا صحیح ہے۔

مسئلہ ۲۱: ان قریبی عزیزوں کو عطیہ دینا مستحب ہے جن کے ساتھ صلۂ رحم کا اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے اور قطع رحم کرنے سے شدت کے ساتھ روکا ہے۔ ہمارے مولا امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: کتاب علیؑ میں مذکور ہے کہ: تین خصلتیں رکھنے والے ان خصلتوں کی مصیبت کا مزہ چکھے بغیر نہیں مرتے۔ ظلم۔ قطع رحم، اور جھوٹی قسم کہ جس کے ذریعہ صاحب قسم اللہ سے جنگ کرتا ہے۔ وہ طاعت جس کا ثواب سب سے جلدی ملتا ہے "صلۂ رحم" ہے۔ کچھ لوگ باوجودیکہ فاسق ہیں مگر صلۂ رحم کرتے ہیں تو ان کے اموال و نفوس میں اضافہ ہوتا ہے۔ بے شک جھوٹی قسم اور قطع رحم گھروں کو اجاڑ دیتے ہیں۔ رشتوں کو منتقل کر دیتے ہیں اور رشتوں کا انتقال قطع نسل کا باعث ہے۔

سب سے بہتر عطیہ کے حقدار ماں باپ ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "ایک شخص نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ یا حضورؐ مجھے وصیت فرمائیے:" آنحضرتؐ نے فرمایا (شرک سے دور رہو، اور آگ میں جلائے جانے یا تکلیف پہونچنے کے خوف سے تقیہ کے طور پر شرک آمیز کلمات زبان پر آجائیں تب بھی تمہارا دل ایمان سے مطمئن ہونا چاہیئے۔ اور اپنے والدین کی اطاعت کرو اور بہرحال ان کے ساتھ نیکی کرو چاہے زندہ ہوں یا مردہ۔ اور اگر تجھے حکم دیں کہ گھر بار سے دست بردار ہو جاؤ تو انکے حکم کی تعمیل کرو۔ اس لئے کہ یہ جزو ایمان ہے) اور سب سے زیادہ نیکی کی حقدار ماں ہے جس کے ساتھ حسن سلوک اور صلۂ رحم کرنے کی باپ سے زیادہ تاکید ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "ایک شخص پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی یا رسول اللہؐ! کس کے ساتھ نیکی کروں؟ فرمایا "ماں کے ساتھ" عرض کی پھر کس کے ساتھ نیکی کروں؟ حضرتؐ نے فرمایا "ماں کے ساتھ" اس نے تیسری مرتبہ عرض کی، کس کے ساتھ نیکی کروں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا "ماں کے ساتھ" اس نے چوتھی مرتبہ عرض کی اس کے بعد کس کے ساتھ نیکی کروں؟ فرمایا "باپ کے ساتھ" اس مطلب کی احادیث کثرت سے ہیں جنکو ان کی جگہ تلاش کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ ۲۲: اولاد کو عطیہ دینے میں بعض کو بعض سے زیادہ دینا جائز ہے۔ لیکن اس میں کراہت ہے اگر فتنہ، دشمنی اور بغض و عداوت پیدا ہو جانے کے باعث فساد کا اندیشہ ہو تو حرام ہے۔ چنانچہ اگر اولاد میں سے کسی کے اندر خصوصیت پائی جاتی ہو جس کی رعایت بہتر ہو اور فساد کا اندیشہ بھی نہ ہو تو صاحب خصوصیت اولاد کو زیادہ دینا بہتر ہے۔

كتاب الوقف واخواته

و هو تحبيس العين و تسبيل المنفعة، و فيه فضل كثير و ثواب جزيل، ففي الصحيح عن أبي عبدالله عليه السلام قال: «ليس يتبع الرجل بعد موته من الأجر إلا ثلاث خصال: صدقة أجراها في حياته فهي تجري بعد موته، و سنة هدى سنّها فهي يعمل بها بعد موته ، و ولد صالح يدعو له» و بمضمونه روايات.

مسألة ١ ـ يعتبر في الوقف الصيغة، وهي كل ما دل على إنشاء المعنى المذكور مثل «وقفت» و «حبست» و «سبلت»، بل و «تصدقت» إذا اقترن به ما يدل على إرادته، كقوله: «صدقة مؤبدة لا تباع و لا توهب» و نحو ذلك، و كذا مثل «جعلت أرضي موقوفة أو محبسة أو مسبلة على كذا» و لا يعتبر فيه العربية و لا الماضوية، بل يكفي الجملة الاسمية، مثل هذا وقف أو هذه محبسة أو مسبلة.

مسألة ٢ ـ لابد في وقف المسجد من قصد عنوان المسجدية، فلو وقف مكاناً على صلاة المصلين و عبادة المسلمين صح لكن لم يصر به مسجداً ما لم يكن المقصود عنوانه، و الظاهر كفاية قوله: «جعلته مسجداً» و إن لم يذكر ما يدل على وقفه و حبسه، و الأحوط أن يقول: وقفته مسجداً أو على أن يكون مسجداً.

مسألة ٣ ـ الظاهر كفاية المعاطاة في مثل المساجد و المقابر و الطرق و الشوارع

کتابِ وقف اور اسکے متعلقات

اصل شئے کو محبوس و محدود کر کے اسکا نفع عام کرنیکو وقف کہتے ہیں۔ وقف کی بڑی فضیلت اور بیشمار ثواب ہے۔ صحیح سند کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے "مرنے کے بعد انسان کیلئے تین خصلتیں مفید ہیں۔ ۱: وہ صدقہ جسے اسے اپنی زندگی میں جاری کیا ہو اور اسکا سلسلہ اسکی موت کے بعد بھی باقی رہے۔

۲: ہدایت کی ایسی راہ دکھائی ہو جس پر اسکی موت کے بعد بھی عمل ہوتا ہو ۳: ایسا نیک فرزند چھوڑا ہو جو اس کیلئے دعا کرے۔ اس کے علاوہ بھی اس مضمون کی بہت سی روایات ہیں۔

مسئلہ ۱: کسی چیز کو وقف کرنے کے لئے صیغۂ وقف پڑھنا ضروری ہے۔ اس کے لئے ہر وہ لفظ جو مذکورہ معنیٰ کے انشاء پر دلالت کرے کافی ہے۔ مثلاً وقفت میں نے وقف کیا "حبست" میں نے فلاں چیز کو وقف کے طور پر محبوس کیا "سبلت" میں نے سلسلۂ خیر شروع کیا، بلکہ اگر "تصدقت" کہے اور اسکے ساتھ ایسا قرینہ ہو جو ارادۂ وقف پر دلالت کرے تو بھی کافی ہے۔ جیسے یہ دائمی صدقہ ہے جسے نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ یا اسی مفہوم کے الفاظ ادا کرنا کافی ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا بھی کافی ہے کہ میں نے اپنی زمین کو وقف کیا حبس کیا۔ یا کارِ خیر کے لئے عام کیا۔ صیغہ کا نہ عربی میں ہونا ضروری ہے اور نہ صیغہ کا "ماضی" ہونا لازمی ہے۔ بلکہ اس کیلئے جملہ اسمی بھی کافی ہے۔ جیساکہ "یہ وقف ہے یہ چیز محبوس ہے یا صدقۂ جاریہ ہے۔

مسئلہ ۲: مسجد کیلئے وقف کرنیکی خاطر عنوان مسجد کا قصد و ارادہ ضروری ہے۔ اگر کوئی جگہ نمازیوں کے لئے یا مسلمانوں کی عبادت کی خاطر وقف کرے تو صحیح ہے لیکن اس سے وہ جگہ مسجد نہیں ہو جائے گی جب تک عنوان مسجد کا قصد نہ کرے۔ اور ظاہراً یہ کہنا "میں نے اسے مسجد قرار دیا" وقف کے لئے کافی ہے۔ چاہے وقف یا حبس پر دلالت کرنے والے الفاظ نہ کہے۔ لیکن احوط یہ ہے کہ یوں کہے "میں نے اس جگہ کو مسجد کے عنوان سے وقف کیا، یا اس لئے وقف کیا ہے تاکہ یہ جگہ مسجد قرار پائے۔

مسئلہ ۳: مساجد، مقبرے، راستے، بڑی سڑکیں، پل، مسافر خانے اور وہ درخت جو مسافروں کے لئے لگائے جائیں

و القناطر و الرباطات المعدة لنزول المسافرين و الأشجار المغروسة لانتفاع المارة بظلها أو ثمرها، بل و مثل البواري للمساجد و القناديل للمشاهد و أشباه ذلك، و بالجملة ما كان محبساً على مصلحة عامة، فلو بنى بناء بعنوان المسجدية و أذن في الصلاة فيه للعموم وصلى فيه بعض الناس كفى في وقفه و صيرورته مسجداً، و كذا لو عين قطعة من الأرض لأن تكون مقبرة للمسلمين و خلى بينها و بينهم و أذن إذناً عاماً للدفن فيها فدفنوا فيها بعض الأموات. أو بني قنطرة و خلّى بينها و بين العابرين فشرعوا في العبور عليها، و هكذا.

مسألة ٤ ـ ما ذكرنا من كفاية المعاطاة في المسجد انما هو فيما إذا كان أصل البناء بقصد المسجدية بأن نوى ببنائه و تعميره أن يكون مسجداً خصوصاً إذا حاز أرضاً مباحة لأجل المسجد و بنى فيها بتلك النية، و أما إذا كان له بناء مملوك كدار أو خان فنوى أن يكون مسجداً و صرف الناس بالصلاة فيه من دون إجراء الصيغة عليه يشكل الاكتفاء به، و كذا الحال في مثل الرباط و القنطرة.

مسألة ٥ ـ لا إشكال في جواز التوكيل في الوقف، و في جريان الفضولية فيه خلاف و إشكال لا يبعد جريانها فيه، لكن الأحوط خلافه.

مسألة ٦ ـ الأقوى عدم اعتبار القبول في الوقف على الجهات العامة كالمساجد و المقابر و القناطر و نحوها، و كذا الوقف على العناوين الكلية كالوقف على الفقراء و الفقهاء و نحوهما، و أما الوقف الخاص كالوقف على الذرية فالأحوط اعتباره فيه، فيقبله الموقوف عليهم، و يكفي قبول الموجودين، و لا يحتاج إلى قبول من سيوجد منهم بعد وجوده. و إن كان الموجودون صغاراً أو فيهم صغار قام به وليهم. لكن الأقوى عدم اعتبار القبول في الوقف الخاص أيضاً، كما أن الأحوط رعاية القبول في الوقف العام أيضاً، و القائم به الحاكم أو المنصوب من قبله.

مسألة ٧ ـ الأقوى عدم اعتبار قصد القربة حتى في الوقف العام و إن كان الأحوط اعتباره مطلقا.

تاکہ وہ ان کے سائے اور میوے سے فائدہ اٹھائیں۔ بلکہ مسجد کی چٹائیاں اور زیارت گاہوں وغیرہ کے چراغ، مختصر یہ کہ جو چیز بھی عمومی فائدہ کے لئے وقف کی جائے اس میں معاطات (واگذار کیا جانا) ہی کافی ہے۔ صیغہ پڑھنا ضروری نہیں۔

لہٰذا اگر مسجد کے عنوان سے عمارت بنائے اور سب کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے، اور کچھ لوگ اس میں نماز پڑھنا شروع کر دیں تو اتنا ہی اس کے وقف اور مسجد ہونے کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح اگر زمین کے ایک حصہ کو مسلمانوں کے قبرستان کے طور پر معین کر دے اور اس سے رکاوٹ دور کر کے لوگوں کو اپنے مُردے اس میں دفن کرنے کی اجازت دے اور کچھ مُردے اس میں دفن کر دیئے جائیں۔ یا پُل تعمیر کرے اور لوگوں کو اس پر سے آمد و رفت کی اجازت دے چنانچہ لوگ رفت و آمد شروع کر دیں۔ تو یہی وقف ہو جائے گا۔

مسئلہ ۴: وقفِ مسجد میں جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ معاطات کافی ہے یہ وہاں ہے کہ جہاں مسجد کی نیت سے عمارت بنائی جائے۔ خصوصاً جب مباح زمین کو مسجد کے لئے گھیرے اور اسی نیت کے ساتھ عمارت بنائے تو ایسی صورت میں معاطات کافی ہے۔ لیکن اگر عمارت میں کوئی دکان یا گھر ملکیت ہو، اس کے بعد اس کے مسجد ہونے کی نیت کرے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کے لئے کہے۔ تو صیغۂ وقف پڑھے بغیر اسی پر اکتفا کرنے میں اشکال ہے۔ یہی حکم کاروانسرا اور پل وغیرہ کا بھی ہے۔

مسئلہ ۵: وقف کے لئے وکیل مقرر کرنا بلا اشکال جائز ہے۔ اور وقف میں عقد فضولی کے جاری ہونے میں اختلاف ہے۔ اگرچہ اس کا جاری ہونا بعید نہیں ہے۔ لیکن زیادہ احتیاط اس کے خلاف (نہ جاری ہونے میں) ہے۔

مسئلہ ۶: مساجد، مقابر اور پُلوں وغیرہ جیسی عمومی افادیت کے وقف میں اقویٰ یہ ہے کہ "قبول کرنا" معتبر نہیں ہے۔ اور اسی طرح جو چیز کلی عنوانات جیسے، فقیروں، فقیہوں وغیرہ کے لئے وقف کی جائے اس میں بھی اقویٰ یہ ہے کہ قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن وقفِ خاص، جیسے ذریت پر وقف میں احتیاط یہ ہے کہ "قبول کرنا معتبر ہے۔ چنانچہ واقف کی طرف سے ایجاب اور "موقوف علیہم" کی جانب سے قبول ہو گا۔ البتہ جو لوگ موجود ہیں ان کا قبول کر لینا کافی ہے۔ بعد میں پیدا ہونے والوں کے لئے قبول کرنا لازمی نہیں ہے۔ اگر موجود لوگ نابالغ ہوں یا ان میں نابالغ موجود ہوں تو ان کی طرف سے ان کا ولی قبول کرے گا۔ لیکن اقویٰ یہ ہے کہ وقفِ خاص میں بھی قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ احتیاط یہ ہے کہ وقفِ عام میں بھی "قبول" کی رعایت برتی جائے۔ اور یہ ذمہ داری حاکم شرع یا اس کے مقرر کردہ شخص کی ہے کہ وہ قبول کرے۔

مسئلہ ۷: وقف میں اقویٰ یہ ہے کہ قصدِ قربت معتبر نہیں ہے چاہے وقفِ عام ہی کیوں نہ ہو۔ اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ وقف میں بطورِ مطلق (چاہے وقفِ خاص ہو یا وقفِ عام) قصدِ قربت ضروری ہے۔

مسألة ٨ ـ يشترط في صحة الوقف القبض، و يعتبر فيه أن يكون باذن الواقف، ففي الوقف الخاص يعتبر قبض الموقوف عليهم، و يكفي قبض الطبقة الأولى عن بقية الطبقات، بل يكفي قبض الموجودين من الطبقة الأولى عمن سيوجد، ولو كان فيهم قاصر قام وليه مقامه، ولو قبض بعض الموجودين دون بعض صح بالنسبة إلى من قبض دون غيره، و أما الوقف على الجهات العامة و المصالح كالمساجد و ما وقف عليها فان جعل الواقف له قيّماً و متولياً اعتبر قبضه أو قبض الحاكم، و الأحوط عدم الاكتفاء بالثاني مع وجود الأول. و مع عدم القيّم تعين الحاكم، و كذا الحال في الوقف على العناو ين الكلية كالفقراء و الطلبة، و هل يكفي قبض بعض أفراد ذلك العنوان بأن يقبض فقير في الوقف على الفقراء مثلاً؟ لعل الأقوى ذلك فيما إذا سلّم الوقف إلى المستحق لاستيفاء ما يستحق، كما إذا سلّم الدار الموقوفة على الفقراء للسكنى إلى فقير فسكنها، أو الدابة الموقوفة على الزوار و الحجاج للركوب إلى زائر و حاج فركبها. نعم لا يكفي مجرد استيفاء المنفعة و الثمرة من دون استيلاء على العين. فاذا وقف بستاناً على الفقراء لا يكفي في القبض إعطاء شيء من ثمرته لبعض الفقراء مع كون البستان تحت يده، بل لا يكفي ذلك في الاعطاء لولي العام أو الخاص أيضاً.

مسألة ٩ ـ لو وقف مسجداً أو مقبرة كفى في القبض صلاة واحدة فيه أو دفن ميت واحد فيها باذن الواقف و بعنوان التسليم و القبض.

مسألة ١٠ ـ لو وقف الأب على أولاده الصغار ما كان تحت يده و كذا كل ولي إذا وقف على المولى عليه ما كان تحت يده لم يحتج إلى قبض حادث جديد، لكن الأحوط أن يقصد كون قبضه عنه، بل لا يخلو من وجه.

مسألة ١١ ـ لو كانت العين الموقوفة بيد الموقوف عليه قبل الوقف بعنوان الوديعة أو العارية مثلاً لم يحتج إلى قبض جديد بأن يستردها ثم يقبضها، نعم لابد أن يكون بقاؤها في يده باذن الواقف. و الأحوط بل الأوجه أن يكون بعنوان الوقفية.

مسئلہ ۸: وقف کے صحیح ہونے کے لئے قبضہ کرنا شرط ہے اور قبضہ کا واقف کی اجازت سے ہونا ضروری ہے۔ اگر وقف، وقفِ خاص ہو، تو جن لوگوں کے لئے وقف ہے وہی قبضہ کریں۔ اگر پہلا طبقہ قبضہ کرے تو وہی باقی طبقات کے لئے بھی کافی ہے۔ بلکہ پہلے طبقہ میں جو لوگ موجود ہوں اگر وہ قبضہ کرلیں تو یہ قبضہ بعد والوں۔ کی طرف سے بھی کافی ہوگا۔ اور اگر ان میں کوئی شخص قبضہ سے قاصر ہو تو اس کی جگہ اس کا ولی قبضہ کرے گا۔ اگر موجودہ حضرات میں سے بعض قبضہ کریں اور بعض نہ کریں۔ تو قبضہ کرنے والوں کے لئے وقف صحیح ہے۔ دوسروں کیلئے صحیح نہیں۔ اور اگر وقف عمومی مصالح کے لئے ہو جیسے مساجد اور ان پر وقف شدہ چیزیں پس اگر واقف ان پر سرپرست یا متولی مقرر کردے تو یا وہ قبضہ کریگا یا حاکم شرع۔ اور اگر متولی یا سرپرست موجود ہو تو احتیاط یہ ہے کہ وہ خود قبضہ کرے حاکم شرع کے قبضہ پر اکتفا نہ کی جائے۔ البتہ سرپرست نہ ہونے کی صورت میں حاکم شرع ہی قبضہ کرے گا۔ یہی حکم کلی عنوانات جیسے فقراء اور طلاب پر کئے جانے والے وقف کا ہے۔ اور آیا اس عنوانِ کلی کے بعض افراد کا قبضہ کرلینا کافی ہے۔ مثال کے طور پر ایک فقیر کرے؟ شاید ایسی صورت میں اقوی یہی ہو جہاں وقف کو مستحق کی تحویل میں دے۔ تاکہ وہ اپنا حق اس سے حاصل کرسکے۔ مثلاً فقیروں کی رہائش کے لئے وقف کئے گئے گھر کو ایک فقیر کو دے اور وہ اس میں سکونت اختیار کرے یا کوئی جانور حاجیوں اور زائروں کی سواری کے لئے وقف ہو اور اسے سواری کی خاطر کسی حاجی یا زائر کی تحویل میں دے اور وہ اس پر سوار ہو۔ البتہ اصل چیز کو قبضہ میں لینا ضروری ہے صرف اس سے فائدہ اٹھانا کافی نہیں ہے۔ پس اگر کوئی باغ فقیروں پر وقف کرے اور بعض فقراء کو اس باغ میں سے کچھ پھل دے تو یہ قبضہ کے لئے کافی نہیں ہے۔ جب کہ باغ خود واقف کے قبضہ میں ہو بلکہ اگر ولی خاص یا عام کو قبضہ دینا چاہے تب بھی صرف پھلوں کا۔ دینا قبضہ کے لئے کافی نہیں ہے۔

مسئلہ ۹: اگر مسجد یا مقبرہ وقف کیا جائے تو اس پر قبضہ صادق آنے کے لئے اس میں واقف کی اجازت سے ایک نماز پڑھنا یا ایک مردے کو دفن کرنا کافی ہے۔ جب کہ واقف کی نیت قبضہ دینا بھی ہو۔

مسئلہ ۱۰: باپ اپنے قبضہ میں موجود کوئی چیز اگر اپنی نابالغ اولاد پر وقف کرے۔ بلکہ ہر سرپرست اپنے قبضہ میں موجود کوئی شئی جب ان لوگوں پر وقف کرے جو اس کی سرپرستی میں ہوں، تو اس میں نئے سرے سے قبضہ کی ضرورت نہیں لیکن احتیاط یہ ہے کہ موقوف علیہ کی طرف سے قبضہ کا قصد کرے۔ بلکہ یہ احتیاط دلیل سے خالی نہیں۔

مسئلہ ۱۱: وقف شدہ چیز اگر وقف سے پہلے ہی "موقوف علیہ" کے پاس مثلاً بطور امانت یا عاریت موجود ہو تو نئے قبضہ کی حاجت نہیں کہ وہ اس چیز کو پہلے واقف کی تحویل میں دے اور پھر اس پر قبضہ کرے۔ البتہ واقف کی اجازت سے ہی اس چیز کا موقوف علیہ کے قبضہ میں باقی رہنا ضروری ہے۔ اور احوط بلکہ اوجہ یہ ہے کہ وہ شئے وقف کے عنوان سے اس کے پاس باقی رہے

مسألة ١٢ ـ فيما يعتبر أو يكفي قبض المتولي كالوقف على الجهات العامة لو جعل الواقف التولية لنفسه لايحتاج إلى قبض آخر، و يكفي ما هو حاصل، والأحوط بل الأوجه أن يقصد قبضه بما أنه متولي الوقف.

مسألة ١٣ ـ لا يشترط في القبض الفورية، فلو وقف عيناً في زمان ثم أقبضها في زمان متأخر كفى، و تم الوقف من حين القبض.

مسألة ١٤ ـ لو مات الواقف قبل القبض بطل الوقف و كان ميراثاً.

مسألة ١٥ ـ يشترط في الوقف الدوام بمعنى عدم توقيته بمدة، فلو قال: «وقفت هذا البستان على الفقراء إلى سنة» بطل وقفاً، و في صحته حبساً أو بطلانه كذلك أيضاً وجهان، نعم لو قصد به الحبس صح.

مسألة ١٦ ـ لو وقف على من ينقرض كما إذا وقف على أولاده و اقتصر على بطن أو بطون ممن ينقرض غالباً و لم يذكر المصرف بعد انقراضهم ففي صحته وقفاً أو حبساً أو بطلانه رأساً أقوال، والأقوى هو الأول، فيصح الوقف المنقطع الآخر بأن يكون وقفاً حقيقة إلى زمان الانقراض و الانقطاع، و ينقضي بعد ذلك و يرجع إلى الواقف أو ورثته، بل خروجه عن ملكه في بعض الصور محل منع.

مسألة ١٧ ـ الظاهر أن الوقف المؤبد يوجب زوال ملك الواقف، و أما الوقف المنقطع الآخر فكونه كذلك محل تأمل، بخلاف الحبس فانه باق معه على ملك الحابس و يورث، و يجوز له التصرفات غير المنافية لاستيفاء المحبس عليه المنفعة إلا التصرفات الناقلة فانها لا تجوز، بل الظاهر عدم جواز رهنه أيضاً، لكن بقاء الملك على ملك الحابس في بعض الصور محل منع.

مسألة ١٨ ـ لو انقرض الموقوف عليه و رجع إلى ورثة الواقف فهل يرجع إلى ورثته حين الموت أو حين الانقراض؟ قولان، أظهرهما الأول و تظهر الثمرة فيما لو وقف على من ينقرض كزيد و أولاده ثم مات الواقف عن ولدين و مات بعده أحد الولدين عن ولد قبل الانقراض ثم انقرض، فعلى الثاني يرجع إلى الولد الباقي، و على الأول يشاركه ابن أخيه.

مسئلہ ۱۲: جہاں متولی کے لئے قبضہ کرنا ضروری ہے، یا اسی کا قبضہ کافی ہے کسی اور کے قبضہ کی ضرورت نہیں۔ جیسے عمومی افادیت پر کئے گئے وقف میں ہوتا ہے۔ وہاں اگر واقف خود ہی متولی بن جائے تو اسے دوسرے قبضہ کی ضرورت نہیں بلکہ جو قبضہ حاصل ہے وہی کافی ہے۔ اور احتیاط بلکہ اوجہ یہ ہے کہ متولی وقف ہونیکی حیثیت سے قبضہ کا قصد کرے۔

مسئلہ ۱۳: قبضہ کا فوری ہونا شرط نہیں ہے۔ پس اگر کسی چیز کو وقف کردے اور ایک مدت گذر جانے کے بعد اسے قبضہ میں دے تو کافی ہے۔ اور قبضہ کے بعد ہی وقف مکمل ہوگا۔

مسئلہ ۱۴: قبضہ دینے سے پہلے اگر واقف مرجائے تو وقف باطل ہو جائے گا اور وہ چیز وارثوں کو مل جائیگی۔

مسئلہ ۱۵: وقف کا دائمی ہونا شرط ہے۔ یعنی وقف کی مدت معین نہ کی جائے۔ چنانچہ اگر کہے ”میں ایک سال کے لئے یہ باغ فقیروں پر وقف کرتا ہوں“ تو وقف باطل ہے۔ لیکن آیا وہ وقف حبس کی صورت میں بھی صحیح ہے یا باطل ہے؟ اس میں دو وجہیں ہیں۔ البتہ اگر حبس (قید) کر دینے کا قصد کرے تو صحیح ہے۔

مسئلہ ۱۶: اگر کسی ایسے افراد پر وقف کرے جو ختم ہو جانیوالی ہو مثلاً اپنی اولاد کے لئے وقف کرے۔ اور بعد کی ایک یا دو پشتوں پر اکتفا کرے جو اکثر ختم ہو جاتی ہیں۔ اور ان کے ختم ہو جانے کے بعد اس وقف کا مصرف بیان نہ کرے۔ تو وقف یا حبس کی حیثیت سے صحیح ہے۔ یا نہیں بلکہ سرے سے باطل ہے۔ اس میں چند قول ہیں۔ اقویٰ پہلا قول ہے (کہ وہ بطور وقف صحیح ہے) یعنی وہ وقف کہ جس کی مدت آخر کار ختم ہو جانے والی ہو صحیح ہے۔ اس طرح کہ جب تک مدت باقی ہے وقف رہے گا۔ مدت ختم ہو جانے کے بعد وقف ختم ہو جائے گا۔ اور شئی موقوف یا واقف کو ملے گی یا اس کے وارثوں کو۔ بلکہ اس طرح کے وقف میں اس شئی کا بعض صورتوں میں واقف کی ملکیت سے خارج ہونا ممنوع ہے۔

مسئلہ ۱۷: ظاہراً وقف دائمی واقف کی ملکیت کو زائل کر دینے کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن ایسا وقف جس کی مدت ختم ہو جانے والی ہو۔ اس کے واقف کی ملکیت کو زائل کرنے میں تامل ہے۔ البتہ ”حبس“ اس کے برخلاف ہے۔ اس لئے کہ ”حبس“ کی صورت میں شئے موقوف واقف کی ملکیت میں باقی رہیگی اور اسکی موت کے بعد وارثوں کو بطور میراث ملیگی۔ چنانچہ ”حابس“ کے لئے اس میں تصرفات جائز ہیں جو ”محبس علیہ“ (جس کے لئے مخصوص کیا ہے) کے استفادے میں رکاوٹ نہ بنیں البتہ ایسے تصرفات جو ملکیت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کریں وہ جائز نہیں۔ بلکہ ظاہراً اس شئی کو رہن رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ لیکن بعض صورتوں میں اس شئے کا ”حابس“ کی ملکیت میں باقی رہنا ممنوع ہے۔

مسئلہ ۱۸: اگر ”موقوف علیہ“ ختم ہو جائے اور شئے موقوف واقف کے وارثوں کو ملے۔ تو آیا وہ چیز واقف کی موت کے بعد وارثوں کو ملے گی یا اسی وقت ملیگی جب موقوف علیہ منقرض (ختم) ہو جائیگا؟ اسمیں دو قول ہیں۔ اظہر پہلا قول ہے۔ دو اقوال کا نتیجہ وہاں ظاہر ہوگا کہ اگر ختم ہو جانیوالوں جیسے زید اور اسکی اولاد کیلئے وقف کرے۔ اسکے بعد واقف کی موت واقع ہو جائے اور اسکے دو بیٹے موجود ہوں۔ اور وقف منقرض ہونے سے پہلے ان دو بیٹوں میں سے بھی ایک دنیا سے چلا جائے اور اپنے پیچھے ایک بیٹا چھوڑ جائے۔ اسکے بعد وقف منقرض ہو۔ قول دوم کی بناء پر (یعنی اگر رجوع وقف کو انقراض کے بعد تسلیم کیا جائے تو) وہ مال اس ایک بیٹے کو ملے گا جو باقی رہ گیا ہے اور قول اول کی بناء پر اس کے ساتھ اس کے بھائی کا بیٹا بھی

مسألة ١٩ ـ من الوقف المنقطع الآخر ما كان الوقف مبنياً على الدوام لكن كان على من يصح الوقف عليه في أو له دون آخره، كما إذا وقف على زيد و أولاده و بعد انقراضهم على الكنائس و البيع مثلاً، فيصح بالنسبة إلى من يصح الوقف عليه دون غيره.

مسألة ٢٠ ـ الوقف المنقطع الأول إن كان بجعل الواقف كما إذا وقفه إذا جاء رأس الشهر الكذائي فالأحوط بطلانه، فاذا جاء رأس الشهر المزبور فالأحوط تجديد الصيغة، و لا يترك هذا الاحتياط، و إن كان بحكم الشرع بأن وقف أولاً على ما لا يصح الوقف عليه ثم على غيره فالظاهر صحته بالنسبة إلى من يصح، و كذا في المنقطع الوسط كما إذا كان الموقوف عليه في الوسط غير صالح للوقف عليه بخلافه في الأول و الآخر، فيصح على الظاهر في الطرفين، و الأحوط تجديده عند انقراض الأول في الأول والوسط في الثاني.

مسألة ٢١ ـ لو وقف على جهة أو غيرها و شرط عوده إليه عند حاجته صح على الأقوى، و مرجعه إلى كونه وقفاً مادام لم يحتج إليه، و يدخل في منقطع الآخر، و إذا مات الواقف فان كان بعد طرو الحاجة كان ميراثاً، و إلا بقي على وقفيته.

مسألة ٢٢ ـ يشترط في صحة الوقف التنجيز على الأحوط، فلو علقه على شرط متوقع الحصول كمجيء زيد أو على غير حاصل يقيني الحصول فيما بعد كما إذا قال: «وقفت إذا جاء رأس الشهر» بطل على الأحوط، نعم لا بأس بالتعليق على شيء حاصل سواء علم بحصوله أم لا، كما إذا قال: «وقفت إن كان اليوم جمعة» و كان كذلك.

مسألة ٢٣ ـ لو قال: «هو وقف بعد موتي» فان فهم منه أنه وصية بالوقف صح، و إلا بطل.

مسألة ٢٤ ـ من شرائط صحة الوقف إخراج نفسه عنه، فلو وقف على نفسه لم يصح، ولو وقف على نفسه و غيره فان كان بنحو التشريك بطل بالنسبة الى

شریک ہوگا۔

مسئلہ ۱۹: اگر وقف دائمی ہو لیکن موقوف علیہ ایسے افراد ہوں جنکے لئے ابتداء میں وقف صحیح ہے لیکن ان کے ختم ہوجانیکے بعد انکے لئے وقف صحیح نہیں تو اسے بھی وقف منقطع الآخر کہتے ہیں۔ چنانچہ ابتداء میں زید اور اسکی اولاد کے لئے وقف کرے اور ان کے بعد یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہوں کے لئے وقف کردے۔ تو ایسا وقف اسی صورت میں صحیح مانا جائے گا کہ جن کے لئے وقف کرنا صحیح ہے۔ اسکے علاوہ کسی اور صورت میں صحیح نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۲۰: اگر وقف کا سلسلہ شروع میں منقطع ہو۔ مثلاً واقف اس شرط کیساتھ وقف کرے کہ اگر فلاں مہینہ شروع ہوگا تو یہ چیز وقف ہوجائیگی ایسی صورت میں احتیاط یہ ہے کہ یہ وقف باطل ہے۔ چنانچہ جب وہ مہینہ شروع ہو تو احتیاط کی بناء پر پھر سے صیغۂ وقف جاری کرے اور یہ احتیاط ترک نہ کی جائے۔ اور اگر وقف شریعت کے حکم کے مطابق ہو اور ابتداء میں ان چیزوں کے لئے وقف کرے جن کیلئے وقف کرنا صحیح نہیں اسکے بعد دوسری چیزوں پر وقف کردے تو ظاہراً جس کیلئے وقف صحیح مانا گیا ہے۔ اسی کے لئے صحیح ہوگا۔ یہی حکم وہاں بھی ہے جہاں وقف کا سلسلہ درمیان سے منقطع ہو۔ مثلاً اول و آخر میں جو "موقوف علیہ" ہیں ان کے لئے وقف صحیح ہو لیکن درمیان میں جو "موقوف علیہ" ہو وہ وقف کا اہل نہ ہو۔ تو ظاہراً اول و آخر کے لئے وقف صحیح ہے۔ اور احتیاط یہ ہے کہ پہلی صورت میں جہاں وقف اول سے منقطع ہو، موقوف علیہ منقرض ہوجانیکے بعد نئے سرے سے وقف کرے" اور دوسری صورت میں بھی جہاں وقف کا سلسلہ درمیان سے منقطع ہو، موقوف علیہ ختم ہوجانے کے بعد پھر سے صیغۂ وقف جاری کرے۔

مسئلہ ۲۱: اگر کسی امر شرعی یا اس کے علاوہ کسی دوسرے امر کے لئے وقف کرے اور شرط کردے کہ ضرورت پڑنے پر شئی موقوفہ مجھے دوبارہ مل جائے تو اقویٰ یہ ہے کہ ایسا وقف صحیح ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ جب تک واقف کو اسکی ضرورت نہ ہو وہ وقف ہے اور یہ اس قسم کا وقف ہے جس کا آخر منقطع ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر واقف کی موت ہوجائے اور ضرورت پیش آنے کے بعد مرے تو وہ اس کے ترکہ میں شمار ہوگا۔ لیکن اگر ضرورت پیش نہ آئے اور مرجائے تو وہ وقف اپنی وقفیت پر باقی رہے گا۔

مسئلہ ۲۲: وقف صحیح ہونے کیلئے احتیاط کی بناء پر اسکا کسی چیز پر معلق نہ ہونا شرط ہے۔ چنانچہ اگر وقف کو ایسی شرط پر معلق کرے جسکا حصول متوقع ہو مثلاً زید کی آمد، یا ایسی شرط پر معلق کرے جو فی الحال نہ پائی جاتی ہو لیکن بعد میں اس کا پایا جانا یقینی ہو، مثلاً اس طرح وقف کرنا "میں نے وقف کیا بشرطیکہ مہینے کی پہلی تاریخ آجائے" تو احتیاط کی بناء پر یہ وقف باطل ہے۔ ہاں! اگر کسی ایسی شرط پر معلق کرے جو موجود ہو، چاہے اسکی موجودیت کا علم ہو یا نہ ہو" مثلاً اگر آج جمعہ ہے تو میں وقف کرتا ہوں" اور وہ واقعاً جمعہ کا دن ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ ۲۳: اگر یوں کہے "فلاں چیز میری موت کے بعد وقف ہے۔ تو اگر اس سے یہ سمجھ میں آتا ہو کہ اس نے وقف کے سلسلہ میں وصیت کی ہے تو صحیح ہے۔ ورنہ باطل ہے۔

مسئلہ ۲۴: وقف صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ واقف اپنے آپ کو وقف سے الگ رکھے چنانچہ اپنی ذات کے لئے وقف کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگر اپنی ذات کے لئے وقف کرے اور اس میں کسی اور کو بھی شامل کرے تو اگر بطور مشترک وقف کرے تو وقف دوسرے کے لئے صحیح ہے۔ جب کہ اپنے لئے صحیح نہیں۔ لیکن اگر ترتیب سے وقف

نفسه دون غيره، و إن كان بنحو الترتيب فان وقف على نفسه ثم على غيره فن منقطع الأول، و ان كان بالعكس فنقطع الآخر، و ان كان على غيره ثم نفسه ثم غيره فنقطع الوسط، وقد مر حكم الصور.

مسألة ٢٥ ـ لو وقف على غيره كأولاده أو الفقراء مثلاً و شرط أن يقضي ديونه أو يؤدي ما عليه من الحقوق المالية كالزكاة و الخمس أو ينفق عليه من غلة الوقف لم يصح، و بطل الوقف من غير فرق بين مالو أطلق الدين أو عيّن، و كذا بين أن يكون الشرط الانفاق عليه و إدرار مؤونته إلى آخر عمره أو إلى مدة معينة، و كذا بين تعيين المؤونة و عدمه، هذا كله إن رجع الشرط الى الوقف لنفسه، و أما إن رجع الى الشرط على الموقوف عليهم بأن يؤدوا ما عليه أو ينفقوا عليه من منافع الوقف التي صارت ملكاً لهم فالأقوى صحته، كما أن الأقوى صحة استثناء مقدار ما عليه من منافع الوقف، ثم إن في صورة بطلان الشرط تختلف الصور، ففي بعضها يمكن أن يقال بالصحة بالنسبة الى ما يصح كما لو شرك نفسه مع غيره، وفي بعضها يصير من قبيل منقطع الأول، فيصح على الظاهر فيما بعده، لكن الاحتياط باجراء الصيغة في مواردها لا ينبغي تركه.

مسألة ٢٦ ـ لو شرط أكل أضيافه و من يمر عليه من ثمرة الوقف جاز، و كذا لو شرط إدرار مؤونة أهله و عياله و إن كان ممن يجب نفقته عليه حتى الزوجة الدائمة إذا لم يكن بعنوان النفقة الواجبة عليه حتى تسقط عنه و إلا رجع الى الوقف على النفس.

مسألة ٢٧ ـ لو آجر عيناً ثم وقفها صح الوقف، و بقيت الاجارة على حالها، و كان الوقف مسلوب المنفعة في مدة الاجارة، فان انفسخت بالفسخ أو الاقالة بعد تمامية الوقف رجعت المنفعة الى الواقف المؤجر دون الموقوف عليهم.

مسألة ٢٨ ـ لا إشكال في جواز انتفاع الواقف بالأوقاف على الجهات العامة، كالمساجد و المدارس و القناطر و الخانات المعدة لنزول المسافرين و نحوها، و أما الوقف على العناوين العامة كفقراء المحل مثلاً إذا كان الواقف

کرے۔ اس طرح کہ پہلے اپنے وقف کرے بعد میں دوسرے کے لئے تو یہ ایسا وقف ہوگا جس کا اوّل سے سلسلہ منقطع ہے۔ لیکن اگر ترتیب برعکس ہو۔ یعنی پہلے دوسرے کے لئے وقف ہو بعد میں اپنے لئے تو یہ ایسا وقف ہے جس کا آخر میں سلسلہ منقطع ہے۔ لیکن اگر پہلے کسی دوسرے کے لئے وقف کرے۔ پھر اپنے لئے اور آخر میں پھر کسی اور کے لئے تو یہ وقف منقطع الوسط ہوگا۔ اور ان تینوں صورتوں کا حکم بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ ۲۵: اگر کسی کے لئے وقف کرے جیسے اولاد یا فقراء کے لئے اور اپنا قرض ادا کرنے یا حقوق مالی جیسے زکوٰۃ یا خمس وغیرہ ادا کرنے، یا وقف کے غلّہ میں سے اپنی ذات پر خرچ کرنے کی شرط کر دے، تو یہ شرط صحیح نہیں ہے۔ اور وقف باطل ہوگا۔ چاہے قرضہ کو بطور مطلق ذکر کرے یا معیّن کر دے، اور اسی طرح آخر عمر تک اپنے اخراجات دیئے جانے کی شرط رکھے یا ایک معیّن مدت تک کے لئے اور اخراجات کو معیّن کرے یا نہ کرے۔ البتہ ان تمام صورتوں میں اگر شرط وقف کے ساتھ ہو تو وقف باطل ہوگا۔ لیکن اگر شرط وقف کے ساتھ نہ ہو بلکہ اس کا تعلق ان لوگوں سے ہو جن کے لئے وقف ہے۔ کہ وہ اس کا قرضہ ادا کریں۔ یا منافع وقف میں سے جو ان کی ملکیت ہوں گے اس کے اخراجات دیں تو اقویٰ یہ ہے کہ وقف صحیح ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے منافع وقف میں سے اپنے قرضے کی ادائیگی کے بقدر وقف سے مستثنیٰ کرنا صحیح ہے۔ لیکن شرط کے باطل ہونے کی صورت میں بھی حکم مختلف ہوں گے۔ بعض صورتوں میں ممکن ہے کہ شرط باطل ہو مگر جس کے لئے وقف صحیح ہوتا ہے اس کے لئے صحیح ہو۔ مثلاً جہاں وقف میں اپنی ذات کو دوسرے کے ساتھ شریک کرے۔ اس میں اپنے لئے وقف باطل ہے دوسرے کے لئے صحیح ہے۔ بعض صورتوں میں وقف ابتداء سے منقطع ہوگا۔ پس ظاہراً جو اس کے بعد ہوں گے ان کے لئے صحیح ہوگا۔ لیکن احتیاط یہ ہے کہ ان موارد میں صیغۂ وقف جاری کرے اور اس احتیاط کو ترک نہ کیا جائے۔

مسئلہ ۲۶: واقف کا اپنے مہمانوں یا اس راہ سے گذرنے والوں کے لئے وقف کے پھل استعمال کرنے کی شرط رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے اہل و عیال چاہے ان کا نفقہ اس پر واجب ہی کیوں نہ ہو حتیٰ دائمی بیوی کے اخراجات پورے کئے جانے کی شرط رکھنا بھی جائز ہے۔ لیکن اس وقت جب کہ پہلے سے بعنوان نفقۂ واجب اس کے ذمہ کچھ نہ ہو جو اس شرط کے ساتھ اس پر سے ساقط ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر اپنی ذات پر وقف ہو جائے گا۔ (جو صحیح نہیں ہے)

مسئلہ ۲۷: کسی چیز کو کرائے پر دینے کے بعد وقف کر دینا صحیح ہے۔ وہ چیز کرائے پر باقی رہے گی، اور کرائے کی مدت کے دوران وقف استفادہ کے اعتبار سے معطل رہے گا۔ چنانچہ اگر فسخ کے ذریعہ یا دونوں کی مرضی سے اجارہ ختم ہو جائے اور وقف مکمل ہو چکا ہو۔ تو وقف کی منفعت کا حقدار واقف ہو جو گا۔ جن لوگوں کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ اس کے حقدار نہیں ہوں گے۔

مسئلہ ۲۸: جو چیزیں عمومی افادیت کے لئے وقف ہوں، جیسے مسجدیں، مدرسے، پل، ہوٹل اور مسافر خانے وغیرہ تو واقف ان سے بلا اشکال استفادہ کر سکتا ہے۔ لیکن جو چیزیں عمومی عناوین، مثلاً محلّے کے فقراء وغیرہ کے لئے وقف کی جائیں اور وقف کے وقت واقف بھی اس عنوان میں شامل ہو، یا وقف کرنے کے بعد شامل

داخلاً في العنوان حين الوقف أو صار داخلاً فيه فيما بعد فان كان المراد التوزيع عليهم فلا إشكال في عدم جواز أخذ حصته من المنافع، بل يلزم أن يقصد من العنوان المذكور حين الوقف من عدا نفسه و يقصد خروجه عنه، و من ذلك ما لو وقف شيئاً على ذرية أبيه أو جده إن كان المقصود البسط و التوزيع كما هو الشائع المتعارف فيه، و إن كان المراد بيان المصرف كما هو الغالب المتعارف في الوقف على الفقراء و الزوار والحجاج و نحو هم فلا إشكال في خروجه و عدم جواز الانتفاع به إذا قصد خروجه، و أما لو قصد الاطلاق و العموم بحيث يشمل نفسه فالأقوى جواز الانتفاع، و الأحوط خلافه، بل يكفي في جوازه عدم قصد الخروج، و هو أولى به ممن قصد الدخول.

مسألة ٢٩ ـ يعتبر في الواقف البلوغ و العقل و الاختيار و عدم الحجر لفلس أو سفه، فلا يصح وقف الصبي وإن بلغ عشراً على الأقوى، نعم حيث ان الأقوى صحة وصية من بلغه كما يأتي فان أوصى به صح وقف الوصي عنه.

مسألة ٣٠ ـ لا يعتبر في الواقف أن يكون مسلماً، فيصح وقف الكافر فيما يصح من المسلم على الأقوى، وفيما يصح منه على مذهبه إقراراً له على مذهبه.

مسألة ٣١ ـ يعتبر في الموقوف أن يكون عيناً مملوكة يصح الانتفاع به منفعة محللة مع بقاء عينه بقاءً معتداً به غير متعلق لحق الغير المانع من التصرف و يمكن قبضه، فلا يصح وقف المنافع، ولا الديون، ولا ما لا يملك مطلقا كالحر، أو لا يملكه المسلم كالخنزير، و لا ما لا انتفاع به إلا باتلافه كالأطعمة و الفواكه، و لا ما انحصر انتفاعه المقصود في المحرم كآلات اللهو والقمار، و يلحق به ما كانت المنفعة المقصودة من الوقف محرمة، كما إذا وقف الدابة لحمل الخمر أو الدكان لحرزها أو بيعها، و كذا لا يصح وقف ريحانة للشم على الأصح، لعدم الاعتداد ببقائها، و لا العين المرهونة، و لا ما لا يمكن قبضه كالدابة الشاردة، و يصح وقف كل ما صح الانتفاع به مع بقاء عينه بالشرائط، كالأراضي والدور و العقار و الثياب و السلاح و الآلات المباحة و الأشجار و المصاحف و الكتب

ہو جائے۔ پس اگر وقف کا مقصد اس کے منافع کو ان پر تقسیم کرنا ہو تو بلا اشکال منافع میں واقف کے لئے حصہ لینا جائز نہیں بلکہ وقف کے موقع پر اس پر لازم ہے کہ عنوانِ مذکور (یعنی فقراء) سے دوسروں کو مراد لے اور اپنے آپ کو اس عنوان سے الگ کرنے کا قصد کرے، یہی حکم وہاں بھی ہے جہاں کوئی شخص اپنے باپ یا دادا کی اولاد کے لئے کچھ وقف کرے اور اس کا قصد وہ چیز ان کے درمیان تقسیم کرنا ہو جیسا کہ عرف عام میں اس طرح کے اوقاف میں ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس کی مراد مصرف بیان کرنا ہو۔ جیسا کہ فقیروں، زائروں اور حاجیوں وغیرہ کے لئے وقف کرنے میں ہوتا ہے۔ تو اگر وہ اپنے آپ کو الگ کرکے وقف کرے تو بلا اشکال وہ اس زمرے سے خارج ہوگا اور اس کے لئے وقف سے استفادہ کرنا جائز نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ عموم واطلاق کا اس طرح قصد کرے جس میں وہ خود بھی شامل ہو تو اقویٰ یہ ہے کہ اس کے لئے بھی وقف سے استفادہ کرنا جائز ہے۔ اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ وہ بذاتِ خود وقف سے استفادہ نہ کرے۔ بلکہ اس کے لئے استفادہ جائز ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مصرف سے الگ کرنے کا قصد نہ رکھتا ہو۔ اور وہ اس شخص کی بہ نسبت استفادہ کا زیادہ حقدار ہے جس نے مصرف میں شامل رہنے کا قصد کیا ہو۔

مسئلہ ۲۹: واقف کے لئے شرط ہے کہ وہ بالغ، عاقل اور صاحبِ اختیار ہو۔ اور افلاس یا سفاہت کی وجہ سے ممنوع التصرف نہ ہو۔ پس اقویٰ یہ ہے کہ بچہ چاہے دس سال کا ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ کسی چیز کو وقف کرے تو یہ وقف صحیح نہیں ہے، البتہ چونکہ اقویٰ یہ ہے کہ دس سال کے بچہ کی وصیت صحیح ہے (جس کا بیان آنے والا ہے) لہٰذا اگر وہ وقف کی وصیت کرے تو وصی کا اس کی طرف سے وقف کرنا صحیح ہے۔

مسئلہ ۳۰: واقف کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔ پس جہاں مسلمان کا وقف صحیح ہے۔ وہاں اقویٰ یہ ہے کہ کافر کا وقف بھی صحیح ہے۔ اور اسی طرح وہاں بھی اس کا وقف صحیح ہے۔ جہاں اس کے مذہب کے مطابق وقف صحیح ہو۔ کیونکہ اس نے اپنے مذہب کے مطابق اقرار کیا ہے۔

مسئلہ ۳۱: جس چیز کو وقف کرنا چاہے اسکا ایسی ملکیت ہونا ضروری ہے جس سے بطور حلال استفادہ کرنا اس طرح ممکن ہو کہ وہ چیز خود اپنی جگہ پر باقی رہے۔ اور کسی دوسرے کا حق اس سے متعلق نہ ہو جو اس کے استعمال میں رکاوٹ بنتا ہو۔ نیز اس چیز کو قبضہ میں لینا بھی ممکن ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی چیز کے منافع یا قرضوں کو وقف کرنا۔ یا ایسی چیز کا وقف کرنا جو کسی کی ملکیت نہ بن سکے جیسے آزاد انسان، یا مسلمان اس چیز کا مالک نہ بن سکے جیسے سور، صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح ایسی چیزوں کا وقف بھی صحیح نہیں جو استعمال کرنے سے ختم ہو جاتی ہوں۔ جیسے کھانے پینے کی چیزیں اور میوے وغیرہ اور ایسی چیزیں جن سے استفادہ حرام شکل میں منحصر ہو جیسے لھو ولعب اور جوئے وغیرہ کے آلات۔ یہی حکم اس چیز کا بھی ہے جس کے وقف سے بطور حرام استفادہ کی نیت ہو، جیسے شراب ڈھونے کے لئے جانور، اور شراب محفوظ کرنے اور اسے فروخت کرنے کے لئے دکان کا وقف کرنا۔ اسی طرح اصح یہ ہے کہ خوشبو سونگھنے کی خاطر پھول وقف کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ قابلِ اعتنا حد تک

و الحلي و صنوف الحيوان حتى الكلب المملوك و السنور و نحوها.

مسألة ٣٢ ـ لا يعتبر في العين الموقوفة كونها مما ينتفع بها فعلاً، بل يكفي كونها معرضاً للانتفاع ولو بعد مدة، فيصح وقف الدابة الصغيرة و الأصول المغروسة التي لا تثمر إلا بعد سنين.

مسألة ٣٣ ـ المنفعة المقصودة في الوقف أعم من المنفعة المقصودة في العارية و الاجارة، فتشمل النماءات والثمرات،فيصح وقف الأشجار لثمرها و الشاة لصوفها و لبنها و نتاجها.

مسألة ٣٤ ـ ينقسم الوقف باعتبار الموقوف عليه على قسمين: الوقف الخاص، و هو ما كان وقفاً على شخص أو أشخاص، كالوقف على أولاده و ذريته أو على زيد و ذريته، و الوقف العام، و هو ما كان على جهة و مصلحة عامة كالمساجد و القناطر والخانات أو على عنوان عام كالفقراء والأيتام ونحوهما.

مسألة ٣٥ ـ يعتبر في الوقف الخاص وجود الموقوف عليه حين الوقف، فلا يصح الوقف ابتداءً على المعدوم، و من سيوجد بعدُ، و كذا الحمل قبل أن يولد، و المراد بكونه ابتداءً أن يكون هو الطبقة الأولى من دون مشاركة موجود في تلك الطبقة، فلو وقف على المعدوم أو الحمل تبعاً للموجود بأن يجعل طبقة ثانية أو مساوياً للموجود في الطبقة بحيث شاركه عند وجوده صح بلا إشكال، كما إذا وقف على أولاده الموجودين و من سيولد له على التشريك أو الترتيب، بل لا يلزم أن يكون في كل زمان وجود الموقوف عليه و ولادته، فلو وقف على ولده الموجود و على ولد ولده بعده و مات الولد قبل ولادة ولده فالظاهر صحته، و يكون الموقوف عليه بعد موته الحمل، فما لا يصح الوقف عليه هو المعدوم أو الحمل ابتداءً بنحو الاستقلال لا التبعية.

مسألة ٣٦ ـ لا يعتبر في الوقف على العنوان العام وجود مصداقه في كل زمان، بل يكفي إمكان وجوده مع وجوده فعلاً في بعض الأزمان فلو وقف بستاناً مثلاً على فقراء البلد و لم يكن في زمان الوقف فقير فيه لكن سيوجد صح الوقف، و لم

باقی نہیں رہتا۔ ایسی چیز کا وقف کرنا بھی صحیح نہیں ہے جو رہنی ہو۔ یونہی وہ چیز جس پر قبضہ کرنا ممکن نہ ہو جیسے بھاگا ہوا جانور۔ چنانچہ ہر وہ چیز جو باقی رہے اور اس سے مذکورہ شرائط کے ساتھ استفادہ صحیح ہو اسکا وقف صحیح ہے۔ جیسے زمین، مکانات، کھیت، لباس، ہتھیار، مباح چیزیں، درخت، قرآن، کتابیں، زیورات اور مختلف قسم کے جانور حتیٰ کہ پالتو کتا اور بلی وغیرہ۔

مسئلہ ۳۲: وقف کی جانے والی چیز کا فوراً ہی قابلِ استفادہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اسکا فائدہ کے قابل ہونا ہی صحتِ وقف کے لئے کافی ہے۔ چاہے وہ ایک عرصہ کے بعد قابلِ استفادہ ہو سکے۔ چنانچہ چھوٹے جانور اور چھوٹے چھوٹے درختوں کا وقف کرنا صحیح ہے جو کہ کئی سال گذرنے کے بعد پھل دیں۔

مسئلہ ۳۳: وقف میں جو فائدہ مقصود ہوتا ہے وہ عاریت اور اجارہ پر دی جانیوالی چیز کی بہ نسبت عام ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر طرح کا فائدہ اور نتیجہ وقف میں شامل ہے۔ اسی بناء پر درختوں کو پھلوں کی خاطر اور گوسفند کو اون، دودھ اور افزائشِ نسل کے لئے وقف کرنا صحیح ہے۔

مسئلہ ۳۴: "موقوف علیہ" کے اعتبار سے وقف کی دو قسمیں ہیں ۱: وقفِ خاص، جو کسی ایک شخص یا چند اشخاص کے لئے ہو۔ جیسے اولاد اور ذریت کے لئے یا کسی دوسرے شخص مثلاً زید اور اس کی ذریت کے لئے ۔

۲: وقفِ عام، جو کسی عام جہت یا عمومی مصلحت کے لئے ہو، جیسے مسجدیں، پل، مسافر خانے وغیرہ یا عمومی عنوان کے تحت وقف ہو، جیسے فقیروں اور یتیموں وغیرہ کے لئے۔

مسئلہ ۳۵: وقفِ خاص میں وقف کے وقت موقوف علیہ کا موجود ہونا ضروری ہے۔ پس کسی ایسے کے لئے وقف کرنا جو ابتداء میں موجود نہ ہو۔ یا جو بعد میں آنیوالا ہو صحیح نہیں۔ اسی طرح ولادت سے پہلے شکم میں موجود بچہ کے لئے وقف صحیح نہیں ہے۔ وقفِ ابتدائی سے مراد یہ ہے کہ غائب شخص "موقوف علیہ" کے پہلے طبقہ میں ہو اور اسی طبقہ کا کوئی موجود شخص اس کے ساتھ شریک نہ ہو۔ چنانچہ اگر غائب شخص یا شکم میں موجود بچہ کے لئے موجود لوگوں کی پیروی میں وقف کرے۔ یعنی معدوم کو دوسرے طبقہ میں رکھے، یا موجودہ طبقہ کے ساتھ اس طرح مساوی قرار دے کہ جب وہ پیدا ہو جائے تو ان کے ساتھ شریک ہو جائے، ایسا وقف بلا اشکال صحیح ہے۔ اور اس کی نوعیت وہی ہوگی جیسے کوئی شخص اپنی موجود اولاد اور بعد میں پیدا ہونے والی اولاد کے لئے مشترک طور پر یا ترتیب وار وقف کرے۔ بلکہ ہر زمانہ میں موقوف علیہ کا موجود رہنا یا پیدا ہونا ضروری نہیں۔ پس اگر اپنے موجود فرزند اور اس کے بعد اس کے فرزند کے لئے وقف کرے اور پوتے کی ولادت سے پہلے ہی بیٹا مر جائے تو ظاہراً وقف صحیح ہے۔ اور بیٹے کی موت واقع ہو جانیکے بعد شکمِ مادر میں موجود بچہ موقوف علیہ کہلائے گا۔ پس ابتدائی وقف جس کے لئے صحیح نہیں یہ وہی غائب شخص یا حمل ہے جس کیلئے کسی کی پیروی میں نہیں بلکہ بطور مستقل ابتداء میں وقف کیا جائے۔

مسئلہ ۳۶: عام عنوان کے لئے وقف کئے جانے کی صورت میں اس کے مصداق و مستحق کا ہر زمانہ میں موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر ایک زمانہ میں موجود ہو اور دوسرے زمانہ میں موجود ہونے کا امکان ہو تو یہ چیز وقف صحیح ہونے کے لئے کافی ہے۔ پس اگر شہر کے فقیروں کے لئے کوئی باغ وغیرہ وقف کرے اور وقف کے زمانہ میں کوئی فقیر اس شہر میں موجود نہ ہو، لیکن بعد میں موجود ہونیکا امکان ہو تو وقف صحیح ہے۔ اور یہ وقف اس قبیل سے

يكن من منقطع الأول، كما أنه مع فقده بعد وجوده لم يكن منقطع الوسط بل هو باقٍ على وقفيته، فيحفظ غلته إلى أن يوجد.

مسألة ٣٧ ـ يشترط في الموقوف عليه التعيين، فلو وقف على أحد الشخصين أو أحد المسجدين لم يصح.

مسألة ٣٨ ـ الظاهر صحة الوقف على الذمي و المرتد لا عن فطرة سيما إذا كان رحماً، و أما الكافر الحربي و المرتد عن فطرة فمحل تأمل.

مسألة ٣٩ ـ لا يصح الوقف على الجهات المحرمة و ما فيه إعانة على المعصية، كمعونة الزنا و قطع الطريق و كتابة كتب الضلال،و كالوقف على البيع و الكنائس و بيوت النيران لجهة عمارتها و خدمتها و فرشها و معلقاتها و غيرها، نعم يصح وقف الكافر عليها.

مسألة ٤٠ ـ لو وقف مسلم على الفقراء أو فقراء البلد انصرف إلى فقراء المسلمين، بل الظاهر أنه لو كان الواقف شيعياً انصرف إلى فقراء الشيعة، ولو وقف كافر على الفقراء انصرف إلى فقراء نحلته، فاليهود إلى اليهود، و النصارى إلى النصارى و هكذا، بل الظاهر أنه لو كان الواقف مخالفاً انصرف إلى فقراء أهل السنة، نعم الظاهر أنه لا يختص بمن يوافقه في المذهب، فلا انصراف لو وقف الحنفي إلى الحنفي و الشافعي إلى الشافعي و هكذا.

مسألة ٤١ ـ لو كان أفراد عنوان الموقوف عليه منحصرة في أفراد محصورة معدودة، كما لو وقف على فقراء محلة أو قرية صغيرة توزع منافع الوقف على الجميع، و إن كانوا غير محصورين لم يجب الاستيعاب، لكن لا يترك الاحتياط بمراعاة الاستيعاب العرفي مع كثرة المنفعة، فتوزع على جماعة معتد بها بحسب مقدار المنفعة.

مسألة ٤٢ ـ لو وقف على فقراء قبيلة كبني فلان و كانوا متفرقين لم يقتصر على الحاضرين، بل يجب تتبع الغائبين و حفظ حصتهم للايصال إليهم، ولو صعب إحصاؤهم يجب الاستقصاء بمقدار الامكان و عدم الحرج على الأحوط،

نہیں ہے جس کا اوّل منقطع ہو، بالکل یوں ہی جیسے اگر کچھ عرصے تک وقف کا مصداق موجود رہنے کے بعد مفقود ہو جائے تو یہ وقف درمیان سے منقطع شمار کیا جائیگا بلکہ اپنی وقفیت پر باقی رہے گا اور جب تک مستحق پیدا نہ ہو جائے۔ اس کا غلّہ حفاظت سے رکھا جائے گا۔

مسئلہ ۳۷: "موقوف علیہ" کو معیّن کرنا شرط ہے۔ چنانچہ اگر بغیر معیّن کئے ہوئے دو میں سے کسی ایک شخص یا دو مسجدوں میں سے کسی ایک مسجد کے لئے وقف کرے تو صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۸: ظاہراً ذمّی اور مُرتد غیر فطری کے لئے وقف کرنا صحیح ہے۔ خاص طور سے جب وہ قریبی عزیز ہو لیکن کافر حربی اور مُرتد فطری کے لئے وقف کرنے میں تامّل ہے۔

مسئلہ ۳۹: حرام مقاصد اور ایسے امور کے لئے وقف کرنا صحیح نہیں ہے جن میں گناہ کو مدد ملے جیسے زنا، قزاقی گمراہ کن کتابوں کی تصنیف و تالیف وغیرہ کے سلسلہ میں اعانت ہو، اسی طرح بُت خانوں، آتشکدوں، یہودیوں کی عبادت گاہوں، ان کی تعمیر، ان کے خدام، ان کے فرش یا ان کی زینت و آرائش کے لئے وقف کرنا صحیح نہیں ہے۔ ہاں کافر کا ان امور کے لئے وقف کرنا صحیح ہے۔

مسئلہ ۴۰: اگر کوئی مسلمان عام فقیروں یا اپنے شہر کے فقیروں کے لئے وقف کرے، تو وہ وقف صرف مسلمان فقیروں کے لئے ہوگا۔ بلکہ ظاہراً اگر واقف شیعہ ہو، تو وقف بھی شیعہ فقیروں کیلئے ہی مخصوص ہوگا۔ اور اگر کوئی کافر فقیروں کی خاطر وقف کرے تو وہ اسکی قوم کے فقیروں کے لئے مخصوص ہوگا۔ اسی طرح یہودیوں کا یہودیوں کے لئے اور عیسائی کا عیسائی کے لئے خلاصہ جس مذہب کا شخص وقف کرے، وقف اسی مذہب کے والوں کے لئے ہوگا۔ بلکہ ظاہراً اگر اہلِ سنّت میں سے کوئی وقف کرے تو وہ فقراء اہلِ سنّت کے لئے مخصوص ہوگا "ہاں" اگر مذہب ایک ہی ہو تو اس میں کوئی تخصیص پیدا نہیں ہوگی۔ چنانچہ اگر کوئی حنفی یا شافعی وقف کرے تو وہ حنفیوں یا شافعیوں کے لئے مخصوص نہیں ہوگا۔ اسی طرح دوسروں کا وقف ان ہی کے لئے نہیں ہوگا بلکہ اس میں حنفی اور شافعی بھی شریک ہوں گے۔

مسئلہ ۴۱: اگر موقوف علیہم چند گنے چنے معیّن افراد ہوں۔ مثلاً وقف ایک محلہ یا دیہات کے چند فقیروں کے لئے ہو تو وقف کی آمدنی ان سب کے درمیان تقسیم کی جائے گی۔ لیکن اگر موقوف علیہم کی تعداد معیّن نہ ہو تو سب میں تقسیم کرنا واجب نہیں البتہ اگر وقف کی آمدنی بہت زیادہ ہو تو احتیاط کو ترک نہ کیا جائے۔ اور اسے اس قدر فقراء میں تقسیم کیا جائے کہ عرف عام میں اسے سب میں تقسیم ہو جانا کہا جائے۔ پس یہ آمدنی کی مقدار کے لحاظ سے اس کو فقیروں کی بڑی تعداد پر تقسیم کیا جائے گا۔

مسئلہ ۴۲: اگر ایک قبیلہ کے فقراء کے لئے وقف کرے۔ اور وہ لوگ مختلف مقامات پر رہائش پذیر ہوں تو صرف موجودہ لوگوں پر اکتفا نہ کی جائے گی، بلکہ جہاں جہاں حضرات ہوں انھیں تلاش کرنا، اور ان کا حصّہ ان تک پہونچانے کی خاطر محفوظ رکھنا واجب ہے۔ لیکن اگر فرد فرد تک حصّہ پہونچانا مشکل ہو، اور لوگوں کو تلاش کرنے میں دشواری یا حرج لازم آئے تو جس مقدار میں ممکن ہو، اور تلاش کرنے سے کوئی حرج لازم نہ آتا ہو تو احتیاط یہ ہے کہ اسی مقدار تک حصّہ پہونچانا

نعم لو كان عدد فقراء القبيلة غير محصور كبني هاشم جاز الاقتصار على الحاضرين، كما أن الوقف لو كان على الجهة جاز اختصاص الحاضرين به، ولا يجب الاستقصاء.

مسألة ٤٣ ـ لو وقف على المسلمين كان لمن أقر بالشهادتين إذا كان الواقف ممن يرى أن غير أهل مذهبه أيضاً من المسلمين، ولو وقف الامامي على المؤمنين اختص بالاثني عشرية، و كذا لو وقف على الشيعة.

مسألة ٤٤ ـ لو وقف في سبيل الله يصرف في كل ما يكون وصلة إلى الثواب، و كذلك لو وقف في وجوه البرّ.

مسألة ٤٥ ـ لو وقف على أرحامه أو أقاربه فالمرجع العرف، ولو وقف على الأقرب فالأقرب كان ترتيبياً على كيفية طبقات الارث.

مسألة ٤٦ ـ لو وقف على أولاده اشترك الذكر و الأنثى و الخنثى ويقسم بينهم على السواء، ولو وقف على أولاد أولاده عمّ أولاد البنين و البنات ذكورهم و إناثهم بالسوية.

مسألة ٤٧ ـ لو قال: «وقفت على ذريتي» عمّ البنين و البنات و أولادهم بلا واسطة و معها ذكوراً و إناثاً، و تشارك الطبقات اللاحقة مع السابقة، و يكون على الرؤوس بالسوية، و كذا لو قال: «وقفت على أولادي و أولاد أولادي» فان الظاهر منها التعميم لجميع الطبقات أيضاً، نعم لو قال: «وقفت على أولادي ثم على الفقراء» أو قال: «وقفت على أولادي و أولاد أولادي ثم على الفقراء» فلا يبعد أن يختص بالبطن الأول في الأول و بالبطنين في الثاني خصوصاً في الصورة الأولى.

مسألة ٤٨ ـ لو قال: «وقفت على أولادي نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن» فالظاهر المتبادر منه عرفاً أنه وقف ترتيب، فلا يشارك الولد أباه و لا ابن الأخ عمه.

مسألة ٤٩ ـ لو علم من الخارج وقفية شيء على الذرية و لم يعلم أنه وقف

واجب ہے۔ "ہاں" اگر کسی قبیلہ کے فقراء لاتعداد ہوں جیسے بنی ہاشم تو موجود اور حاضر افراد پر ہی اکتفا کرنا جائز ہے۔ بالکل یوں ہی جیسے اگر وقف کسی خاص غرض کے لئے ہو تو حاضر اور موجود افراد کے لئے ہی اسے مخصوص کر دینا جائز ہے۔ سب تک پہونچانا واجب نہیں ہے۔

مسئلہ ۴۳: اگر مسلمانوں کے لئے وقف کرے اور واقف اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذہب والوں کو بھی مسلمان سمجھتا ہو تو ہر کلمہ گو سے اس وقف کا تعلق ہوگا۔ اور اگر بارہ اماموں کا ماننے والا مومنین کے لئے وقف کرے تو وہ اثنا عشریوں سے ہی مخصوص ہوگا۔ یہی حکم اس وقت بھی ہے جب وہ شیعوں کے لئے وقف کرے۔

مسئلہ ۴۴: اگر "فی سبیل اللہ" وقف کرے تو ہر امر خیر میں اسکو خرچ کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر نیک امور کے لئے وقف کرے تو ہر اچھے کام میں اس کا استعمال ہوگا۔

مسئلہ ۴۵: اگر اپنے رشتہ داروں یا اقرباء کے لئے وقف کرے تو ان کی تشخیص و تعیین عرفِ عام کے ذمہ ہے۔ لیکن اگر اپنے قریب تر رشتہ دار کیلئے وقف کرے تو اسکی ترتیب میراث پانے والوں کے طبقوں کی مانند ہوگی۔

مسئلہ ۴۶: اگر اپنی اولاد کے لئے وقف کرے تو یہ وقف مذکر، مونث اور خنثیٰ، سبھی سے متعلق ہوگا۔ اور سب کو برابر حصہ دیا جائے گا۔ اور اگر اپنی اولاد کے لئے وقف کرے، تو بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد کے لئے عام ہوگا۔ اور ان میں برابر تقسیم کیا جائے گا، چاہے وہ مرد ہوں یا عورت۔

مسئلہ ۴۷: اگر صیغۂ وقف ان الفاظ میں پڑھے "وقفتُ علی ذریتی" یہ میری ذریت کے لئے وقف ہے۔ وقف بیٹوں، بیٹیوں اور ان کی بلاواسطہ یا بالواسطہ مذکر و مونث اولاد سب کو شامل ہوگا۔ اور بعد والے طبقے پہلے طبقوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ اور وقف تمام افراد پر بطور مساوی تقسیم ہوگا۔ یہی حکم تب بھی ہے جب ان الفاظ میں وقف کرے "وقفتُ علی اولادی و اولاد اولادی" یہ اولاد اور اولاد در اولاد کے لئے وقف ہے۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں بھی تمام طبقات شامل ہیں۔ البتہ اگر یوں کہے: "وقفتُ علی اولادی ثم علی الفقراء" میں نے اپنی اولاد اور پھر فقراء کے لئے وقف کیا، یا یوں کہے: "وقفتُ علی اولادی و اولاد اولادی ثم علی الفقراء" میں نے اپنی اولاد اور پھر اولاد کی اولاد اور پھر فقراء کے لئے وقف کیا، تو بعید نہیں کہ پہلی صورت میں بطن اول سے اور دوسری صورت میں دو طبقوں کے ساتھ خاص طور سے پہلی صورت میں مخصوص ہو۔

مسئلہ ۴۸: اگر اس طرح کہے: "وقفتُ علی اولادی نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن" میں نے اپنی اولاد کے لئے نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن وقف کیا، تو عرفِ عام میں بظاہر اس سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ وقفِ ترتیبی ہے۔ لہٰذا بیٹا اپنے باپ اور بھتیجہ اپنے چچا کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۴۹: اگر صرف اس حد تک معلوم ہو کہ فلاں جائیداد ذریت کے لئے وقف ہے۔ لیکن یہ علم نہ ہو کہ آیا وقف شرکتی ہے یا ترتیبی؟ تو ظاہراً پہلے طبقہ کے حصہ کے علاوہ بقیہ لوگوں کے لئے قرعہ اندازی کی جائے گی۔

تشريك أو ترتيب فالظاهر فيما عدا قسمة الطبقة الأولى الرجوع إلى القرعة.

مسألة ٥٠ ـ لو قال: «وقفت على أولادي الذكور نسلاً بعد نسل» يختص بالذكور من الذكور في جميع الطبقات، و لا يشمل الذكور من الاناث.

مسألة ٥١ ـ لو كان الوقف ترتيبياً كانت الكيفية تابعة لجعل الواقف فتارة جعل الترتيب بين الطبقة السابقة و اللاحقة و يراعى الأقرب فالأقرب إلى الواقف، فلا يشارك الولد أباه، و لا ابن الأخ عمه و عمته، و لا ابن الأخت خاله و خالته، و أخرى جعل الترتيب بين خصوص الآباء من كل طبقة و أبنائهم، فاذا كانت إخوة و لبعضهم أولاد لم يكن للأولاد شيء ما دام حياة الآباء، فاذا توفي الآباء شارك الأولاد أعمامهم، و له أن يجعل الترتيب على أي نحو شاء و يتبع.

مسألة ٥٢ ـ لو قال: «وقفت على أولادي طبقة بعد طبقة» فاذا مات أحدهم و كان له ولد فنصيبه لولده، ولو مات أحدهم و له ولد يكون نصيبه له، ولو تعدد الولد يقسم نصيبه بينهم على الرؤوس، و إذا مات من لا ولد له فنصيبه لمن كان في طبقته، و لا يشاركهم الولد الذي أخذ نصيب والده.

مسألة ٥٣ ـ لو وقف على العلماء انصرف إلى علماء الشريعة، فلا يشمل غير هم كعلماء الطب و النجوم و الحكمة.

مسألة ٥٤ ـ لو وقف على أهل مشهد كالنجف مثلاً اختص بالمتوطنين و المجاورين، و لا يشمل الزوار و المترددين.

مسألة ٥٥ ـ لو وقف على المشتغلين في النجف مثلاً من أهل بلد كطهران أو غيره اختص بمن هاجر من بلده اليه للاشتغال، و لا يشمل من جعله وطناً له معرضاً عن بلده.

مسألة ٥٦ ـ لو وقف على مسجد فمع الاطلاق صرفت منافعه في تعميره وضوئه و فرشه و خادمه، ولو زاد شيء يعطى لامامه.

مسألة ٥٧ ـ لو وقف على مشهد يصرف في تعميره وضوئه و خدامه المواظبين

مسئلہ ۵۰: اگر وقف کے لئے یہ صیغہ پڑھے "وقفت علی اولادی الذکور نسلاً بعد نسل" میں نے نسلاً بعد نسل اپنی اولادِ مذکر کے لئے وقف کیا۔ تو تمام طبقوں میں وقف صرف بیٹوں کی اولادِ نرینہ کے ساتھ مخصوص ہوگا اور بیٹیوں کی اولادِ نرینہ کو شامل نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۵۱: اگر وقف ترتیبی ہو تو اسکی کیفیت وہی رہے گی جو واقف مقرر کردے۔ چنانچہ اگر اس نے پہلے اور دوسرے ترتیب کو طبقہ سابق اور اس کے بعد والے طبقہ کے درمیان رکھا ہو۔ تو اس صورت میں واقف کی نسبت قریب سے قریب تر افراد کو مقدم رکھا جائے گا۔ لہٰذا بیٹا اپنے باپ بھتیجہ اپنے چچا یا چچی اور بھانجہ اپنی خالہ یا ماموں کے ساتھ شریک نہیں ہوں گے۔ لیکن اگر ہر طبقہ میں ترتیب باپ اور اس کے بیٹوں کے درمیان ہو تو ایسی صورت میں اگر چند بھائی موجود ہوں اور انہیں سے بعض صاحبِ اولاد بھی ہوں تو باپ کے زندہ رہنے کی صورت میں اولاد کو کچھ نہیں ملے گا۔ لیکن جب باپ مرجائیں تو اولادیں اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک ہوں گی اب وقف چاہے جو ترتیب رکھے اسے حق حاصل ہے اور اسی ترتیب کی پیروی کی جائے گی۔

مسئلہ ۵۲: اگر واقف یوں کہے "وقفت علی اولادی طبقۃ بعد طبقۃ" میں نے ایک طبقہ کے بعد دوسرے طبقہ میں اپنی اولاد کے لئے وقف کیا، اس طرح کہ اگر اولاد میں سے کوئی مرجائے اور اس کا فرزند موجود ہو تو اس کا حصّہ اس کے فرزند کو ملے گا۔ چنانچہ اگر اولاد میں سے کوئی مرجائے اور اس کا فرزند موجود ہو تو مرنے والے کا حصّہ اس کے فرزند کو مل جائے گا۔ اور اگر فرزند متعدد ہوں تو مرنے والے کا حصّہ ان کے درمیان برابر تقسیم ہوگا۔ اگر کوئی مرجائے اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو تو اس کا حصّہ اسی کے طبقہ والوں کو ملے گا۔ اور جو فرزند اپنے باپ کا حصّہ لے چکا ہے ان کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۵۳: اگر علماء کے لئے وقف کرے تو اس کا تعلق علمائے شریعت سے ہوگا۔ علمائے شریعت کے علاوہ، مثلاً علماءِ طب، نجوم اور علمائے فلسفہ کو کچھ نہیں ملے گا۔

مسئلہ ۵۴: اگر کسی مقدس مقام جیسے نجف یا کربلا میں رہنے والوں کے لئے وقف کرے تو وہ وقف ان لوگوں سے مخصوص ہوگا جن کا وہ وطن ہے اور جو اس کے مجاور ہیں۔ اس کا تعلق زائروں اور ہمیشہ آمد و رفت رکھنے والوں سے نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۵۵: اگر کسی دوسرے شہر۔ مثلاً تہران سے جاکر نجف میں کام کرنے والوں کے لئے وقف کرے تو ایسا وقف ان ہی لوگوں سے مخصوص ہوگا جو کام کی تلاش میں ہجرت کرکے جائیں۔ لیکن جو لوگ اپنے شہر کو چھوڑ کر مثال کے طور پر نجف ہی کو وطن بنالیں وقف ان کے لئے نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۵۶: اگر مسجد کے لئے بطورِ مطلق وقف کرے تو اس کے منافع کو مسجد کی تعمیر اس میں روشنی کے وسائل اور اس کے خادم پر خرچ کیا جائیگا اور منافع زیادہ ہونے کی صورت میں پیش نماز کو بھی کچھ دیا جائیگا۔

مسئلہ ۵۷: اگر کسی زیارت گاہ کے لئے وقف کرے، تو اسے اس کی تعمیر اس میں روشنی کرنے اور اس کے ان خدمت گذاروں کے اوپر صرف کیا جائے گا جو اس کے بعض ضروری امور کی دیکھ بھال کرتے ہوں۔

لبعض الأشغال اللازمة المتعلقة به.

مسألة ٥٨ ـ لو وقف على سيدالشهداء عليه السلام يصرف في إقامة تعزيته من أجرة القاريء و ما يتعارف صرفه في المجلس للمستمعين و غيرهم.

مسألة ٥٩ ـ لا إشكال في أنه بعد تمامية الوقف ليس للواقف التغيير في الموقوف عليه باخراج بعض من كان داخلاً أو إدخال من كان خارجاً إذا لم يشترط ذلك في ضمن عقد الوقف، و هل يصح ذلك إذا شرطه؟ لا يبعد عدم الجواز مطلقا لا إدخالاً و لا إخراجاً، فلو شرط ذلك بطل شرطه بل الوقف على إشكال، و مثل ذلك لو شرط نقل الوقف من الموقوف عليهم إلى من سيوجد، نعم لو وقف على جماعة إلى أن يوجد من سيوجد و بعد ذلك كان الوقف على من سيوجد صح بلا إشكال.

مسألة ٦٠ ـ لو علم وقفية شيء و لم يعلم مصرفه ولو من جهة نسيانه فان كانت المحتملات متصادقة غير متباينة يصرف في المتيقن، كما إذا لم يدر أنه وقف على الفقراء أو الفقهاء فيقتصر على مورد تصادق العنوانين و إن كانت متباينة فان كان الاحتمال بين أمور محصورة كما إذا لم يدر أنه وقف على المسجد الفلاني أو المشهد الفلاني أو فقراء هذا البلد أو ذلك يقرع و يعمل بها، و إن كان بين أمور غير محصورة فان كان بين عناو ين و أشخاص غير محصورة كما اذا علم أنه وقف على ذرية أحد أفراد المملكة الفلانية و لا طريق إلى معرفته كانت منافعه بحكم مجهول المالك ، فيتصدق بها باذن الحاكم على الأحوط، و الأولى أن لا يخرج التصدق عن المحتملات مع كونها مورداً له و إن كان مردداً بين الجهات غير المحصورة كما اذا علم أنه وقف على جهة من الجهات و لم يعلم أنهامسجد أو مشهد أو قنطرة أو تعزية سيدالشهداء عليه السلام أو إعانة الزوار و هكذا تصرف المنافع في وجوه البرّ بشرط عدم الخروج عن مورد المحتملات.

مسألة ٦١ ـ لو كان للعين الموقوفة منافع متجددة و ثمرات متنوعة يملك الموقوف عليهم جميعها مع إطلاق الوقف، ففي الشاة الموقوفة يملكون صوفها

مسئلہ ۵۸: اگر امام حسین علیہ السلام کے لئے وقف کرے تو اسے مجلس عزاء منعقد کرنے، ذاکر وخطیب کو حق زحمت دینے اور سامعین کے لئے تبرک وغیرہ مہیا کرنے پر خرچ کیا جائیگا، جیسا کہ معمولاً ہوتا ہے۔

مسئلہ ۵۹: وقف مکمل ہو جانے کے بعد واقف کو حق حاصل نہیں کہ جن کے لئے وقف کیا ہے ان میں سے بعض کو اس میں سے خارج کر دے اور ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو شامل کرے۔ بشرطیکہ عقد کے ضمن میں یہ شرط نہ رکھی گئی ہو۔ لیکن اگر عقد وقف کے موقع پر واقف نے یہ شرط رکھ دی ہو تو ایسا کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بھی قیمت پر جائز نہ ہونا بعید نہیں ہے (یعنی نہ کسی کو وقف سے الگ کر سکتا ہے اور نہ کسی کو اس میں شامل کر سکتا ہے) بلکہ اگر عقد کے ضمن میں یہ شرط رکھے تو نہ صرف شرط باطل ہوگی بلکہ وقف میں بھی اشکال ہے۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب واقف عقد کے ضمن میں شرط رکھ دے کہ وقف "موقوف علیہم" سے ان لوگوں کی طرف منتقل ہو جائے گا جو بعد میں پیدا ہوں گے۔ "ہاں" اگر کسی جماعت کے لئے اس وقت تک وقف کرے جب تک دوسرے پیدا نہ ہو جائیں اور ان کے بعد ان لوگوں کے لئے وقف ہو جو بعد میں پیدا ہونے والا ہے تو یہ بلا اشکال صحیح ہے۔

مسئلہ ۶۰: اگر کسی چیز کے وقف ہونے کا علم ہو۔ لیکن اس کے مصرف کے بارے میں نہ جانتا ہو چاہے نسیان ہی کی وجہ سے سہی، تو اس صورت میں جہاں جہاں احتمال ہو۔ اگر وہ ایک دوسرے پر صادق آئیں اور ایکدوسرے کی ضد نہ ہوں۔ تو جو مصرف یقینی ہو اس میں خرچ کرے۔ مثلاً اگر اسے علم نہ ہو کہ فقیروں کے لئے وقف ہے یا فقیہوں کے لئے۔ تو اس شخص پر خرچ کرے جو فقیہ بھی ہو اور فقیر بھی۔ لیکن اگر وہ موارد جن میں احتمال ہے کہ ایکدوسرے کی ضد ہوں اب جن موارد میں احتمال ہے اگر وہ چند گنے چنے موارد ہوں۔ مثال کے طور پر اسے معلوم نہ ہو کہ فلاں مسجد کے لئے وقف ہے یا فلاں زیارتگاہ کے لئے، یا اس شہر کے فقراء کے لئے وقف ہے یا دوسرے شہر کے؟ تو قرعہ اندازی کر کے اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ لیکن اگر احتمال بہت سے امور میں ہو اور ان میں اشخاص بھی ہوں اور عنوانات بھی، مثال کے طور پر یہ علم ہو کہ فلاں ملک کے کسی شخص کی ذریت کے لئے وقف ہے۔ لیکن ان کی شناخت کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہ ہو، تو اس وقف کے منافع پر مجہول المالک ہونے کا حکم لاگو ہوگا۔ لہٰذا انھیں احتیاطاً حاکم شرع کی اجازت سے صدقہ کے طور پر دے دیا جائیگا۔ چنانچہ اگر احتمال کے موارد صدقہ کے حقدار ہوں تو بہتر ہے کہ صدقہ بھی ان ہی کو دے ان کے علاوہ کسی کو نہ دے۔ لیکن اگر وقف مختلف جہتوں کے درمیان مردد ہو، مثال کے طور پر یہ علم رکھتا ہو کہ کسی شرعی افادیت کے لئے وقف ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ مسجد کے لئے ہے یا زیارتگاہ کیلئے۔ پل سے متعلق ہے یا عزاداری سید الشہداء کے لئے ہے؟ زائروں کی مدد کے لئے ہے یا اس کے علاوہ کسی دوسری جہت کے لئے؟ تو اس صورت میں وقف کے منافع کو نیک کاموں میں خرچ کیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ نیک کام موارد احتمال سے خارج نہ ہوں۔

مسئلہ ۶۱: اگر وقف شدہ چیز کے منافع نئے نئے اور مختلف نوعیت کے ہوں تو وقف کے مطلق ہونے کی صورت میں تمام منافع انھیں ملیں گے جن پر وہ چیز وقف کی گئی ہو۔ چنانچہ وقف شدہ چیز اگر گوسفند

المتجددة و لبنها و نتاجها و غيرها، وفي الشجر و النخل ثمر هما و منفعة الاستظلال بهما والسعف و الأغصان والأوراق اليابسة، بل و غيرها مما قطعت للاصلاح، و كذا فروخهما و غير ذلك، و هل يجوز في الوقف التخصيص ببعض المنافع حتى يكون للموقوف عليهم بعض المنافع دون بعض؟ الأقوى ذلك.

مسألة ٦٢ ـ لو وقف على مصلحة فبطل رسمها كما إذا وقف على مسجد أو مدرسة أو قنطرة فخربت ولم يمكن تعميرها أو لم تحتج إلى مصرف لانقطاع من يصلي في المسجد و الطلبة و المارة و لم يرج العود صرف الوقف في وجوه البر، و الأحوط صرفه في مصلحة أخرى من جنس تلك المصلحة و مع التعذر يراعى الأقرب فالأقرب منها.

مسألة ٦٣ ـ إذا خرب المسجد لم تخرج عرصته عن المسجدية، فتجري عليها أحكامها إلا في بعض الفروض، و كذا لو خربت القرية التي هو فيها بقي المسجد على صفة المسجدية.

مسألة ٦٤ ـ لو وقف داراً على أولاده أو على المحتاجين منهم فان أطلق فهو وقف منفعة، كما إذا وقف عليهم قرية أو مزرعة أو خاناً و نحوها يملكون منافعها، فلهم استنماؤها، فيقسمون بينهم ما حصل منها باجارة و غيرها على حسب ما قرره الواقف من الكمية و الكيفية، و إن لم يقرر كيفية في القسمة يقسمونه بينهم بالسوية، و إن وقفها عليهم لسكناهم فهو وقف انتفاع، و يتعين لهم ذلك، وليس لهم إجارتها، وحينئذ إن كفت لسكنى الجميع فلهم أن يسكنوها، و ليس لبعضهم أن يستقل به و يمنع غيره، و إن وقع بينهم تشاح في اختيار الحجر فان جعل الواقف متولياً يكون له النظر في تعيين المسكن للساكن كان نظره و تعيينه هو المتبع، و مع عدمه كانت القرعة هي المرجع، ولو سكن بعضهم و لم يسكنها بعض فليس له مطالبة الساكن بأجرة حصته إن لم يكن مانعاً عنه بل هو لم يسكن باختياره أو لمانع خارجي، و إن لم تكف لسكنى الجميع فان تسالموا على المهاياة أو غيرها فهو، و إلا كان المتبع نظر المتولي من قبل الواقف لتعيين

ہو تو اس کے اون، دودھ اور بچے وغیرہ اہل وقف کو ملیں گے۔ اور خرما یا دوسرے درختوں کے وقف ہونے کی صورت میں، ان کے پھل سائے اور شاخوں اور سوکھے پتوں سے استفادہ کا حق بھی ان ہی کو ہوگا جن کے لئے وقف ہے۔ بلکہ وہ شاخیں جو درخت کی زیبائی کی خاطر کاٹی جاتی ہیں اور ان کے چھوٹے چھوٹے پودوں وغیرہ پر بھی ان ہی کا حق ہوگا۔ اب آیا وقف میں منافع کی تخصیص جائز ہے یعنی جن کے لئے وقف ہے وہ موقوفہ چیز کے بعض منافع کے حقدار ہوں اور بعض پر ان کا کوئی حق نہ ہو؟ تو اقویٰ یہ ہے کہ یہ تخصیص جائز ہے۔

مسئلہ ۶۲: اگر کسی عام افادیت والی چیز کے لئے وقف کرے لیکن خود اس چیز کی شکل و صورت باقی نہ رہے۔ مثال کے طور پر مسجد، مدرسے یا پل وغیرہ کے لئے وقف کرے اور وہ تباہ ہو جائے اس کی تعمیر بھی ممکن نہ ہو یا اس کی ضرورت باقی نہ رہ گئی ہو، مسجد کے نمازی نہ رہیں۔ مدرسہ میں طلبہ نہ رہیں اور پل پر آمدورفت ختم ہو جائے اور دوبارہ ان چیزوں کے مصرف میں آنے کی امید نہ ہو تو وقف کو نیک امور میں خرچ کیا جائے گا۔ اور احتیاط یہ ہے کہ اس کو کسی ایسی ہی مصلحت عامہ پر خرچ کیا جائے جو پہلی مصلحت عامہ کی جنس سے ہو۔ لیکن اگر معذور ہو تو ان میں قریب سے قریب تر مصلحت کی رعایت کی جائے۔

مسئلہ ۶۳: مسجد منہدم ہو جانے کی صورت میں بھی اس کی زمین ہمیشہ مسجد رہے گی اور بعض صورتوں کے علاوہ اسپر مسجد ہی کے احکام جاری ہوں گے۔ اسی طرح جس گاؤں میں مسجد ہو اگر وہ پورا گاؤں مسمار اور منہدم ہو جائے۔ اس کے باوجود مسجد کی زمین مسجد ہی رہے گی۔

مسئلہ ۶۴: اگر اپنی اولاد، یا اولاد میں سے جو ضرورتمند ہوں ان کے لئے کوئی مکان وقف کرے۔ اور اسمیں کوئی قید و شرط نہ ہو تو اسے وقف منفعت کہتے ہیں مثلاً اولاد کے لئے کوئی گاؤں، کھیت یا دکان وغیرہ وقف کرے تو اولاد ان چیزوں سے حاصل ہونے والے منافع کی مالک ہوگی اور وہ اس کے منافع سے استفادہ کی حقدار ہوگی۔ چنانچہ اُجرت وغیرہ کی صورت میں حاصل ہونے والے منافع ان کے درمیان تقسیم کئے جائیں گے اور تقسیم میں مقدار اور کیفیت کے اعتبار سے واقف کی مقرر کردہ شرطوں کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ لیکن اگر واقف نے تقسیم کی کیفیت بیان نہ کی ہو تو منافع بطور مساوی ان میں تقسیم کئے جائیں گے۔ اور اگر واقف ان کی رہائش کے لئے مکان وقف کرے تو اسے وقف انتفاعی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس صورت وہی لوگ اس میں رہ سکتے ہیں اسے کرایہ پر دینے کا حق نہیں رکھتے۔ پس اگر وقف شدہ مکان سب کی رہائش کے لئے کافی ہو تو سب کو اس میں سکونت کا حق ہوگا۔ چنانچہ ان میں سے بعض کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہی مستقل طور پر اس میں رہیں۔ اور دوسروں کو اس میں رہائش سے روک دیں چنانچہ اگر کمروں کی تقسیم کے سلسلہ میں ان کے درمیان اختلاف ہو جائے اور واقف نے متولی معین کر دیا ہو تو ہر ایک کی رہائش کے لئے کمرہ معین کرنے کا اختیار متولی کو ہوگا اور اسکی تعیین کی پیروی کی جائے گی۔ لیکن اگر واقف نے متولی معین نہ کیا ہو تو قرعہ اندازی کے ذریعہ مسئلہ حل کیا جائے گا۔ اگر کچھ لوگ اس میں رہائش پذیر ہو جائیں اور بعض رہائش اختیار نہ کریں۔ تو رہائش اختیار نہ کرنیوالوں کو اس مکان میں رہنے والوں سے کرایہ کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا بشرطیکہ جس نے رہائش اختیار کی ہے وہ دوسرے کی رہائش میں رکاوٹ نہ ڈالے بلکہ وہ خود یا اپنے اختیار سے الگ سے کسی دوسری رکاوٹ کی بنا پر اس میں رہنے نہ آئے۔ چنانچہ اگر وہ مکان سب

الساكن، و مع فقده فالمرجع القرعة، فمن خرج اسمه يسكن، و ليس لمن لم يسكن مطالبته بأجرة حصته.

مسألة ٦٥ ـ الثمر الموجود حال الوقف على النخل و الشجر لا يكون للموقوف عليهم، بل هو باقٍ على ملك الواقف، و كذلك الحمل الموجود حال وقف الحامل، نعم في الصوف على الشاة و اللبن في ضرعها إشكال فلا يترك الاحتياط.

مسألة ٦٦ ـ لو قال: «وقفت على أولادي و أولاد أولادي» شمل جميع البطون كما مر، فمع إشتراط الترتيب أو التشريك أو المساواة أو التفضيل أو الذكورة أو الأنوثة أو غير ذلك يكون هو المتبع، ولو أطلق فمقتضاه التشريك و الشمول للذكور و الاناث و المساواة و عدم التفضيل، ولو قال: «وقفت على أولادي ثم على أولاد أولادي» أفاد الترتيب بين الأولاد و أولاد الأولاد قطعاً، و أما بالنسبة إلى البطون اللاحقة فالظاهر عدم الدلالة على الترتيب، فيشترك أولاد الأولاد مع أولادهم إلا إذا قامت القرينة على أن حكمهم كحكمهم مع الأولاد و أن ذكر الترتيب بين الأولاد و أولاد الأولاد من باب المثال و المقصود الترتيب في سلسلة الأولاد و أن الوقف للأقرب فالأقرب إلى الواقف.

مسألة ٦٧ ـ لا ينبغي الاشكال في أن الوقف بعد تماميته يوجب زوال ملك الواقف عن العين الموقوفة إلا في منقطع الآخر الذي مرّ التأمل في بعض أقسامه، كما لا ينبغي الريب في أن الوقف على الجهات العامة كالمساجد و المشاهد و القناطر و الخانات و المقابر و المدارس و كذا أوقاف المساجد و المشاهد و أشباه ذلك لا يملكها أحد، بل هو فك الملك و تسبيل المنافع على جهات معينة، وأما الوقف الخاص كالوقف على الأولاد و الوقف العام على العناوين العامة كالفقراء و العلماء و نحوهما فهل يكون كالوقف على الجهات العامة لا يملك الرقبة أحد، سواء كان وقف منفعة بأن وقف ليكون منافع الوقف لهم فيستوفونها بأنفسهم أو بالاجارة أو ببيع الثمرة و غير ذلك، أو وقف انتفاع كما إذا وقف الدار لسكنى ذريته أو الخان لسكنى الفقراء، أو يملك الموقوف عليهم رقبته ملكاً غير طلق

کی رہائش کیلئے ناکافی ہو۔ تو اس صورت میں اگر وہ باری باری سے رہنے یا کسی دوسری تجویز پر راضی ہوجائیں تو بہتر ہے ورنہ دوسری صورت میں رہنے والے کی تعیین کے لئے واقف کے مقرر کردہ متولی کی بات مانی ہوگی۔ اور اگر متولی نہ ہو تو قرعہ اندازی کی جائے گی۔ چنانچہ قرعہ اندازی میں جس کا نام نکلے گا وہی رہے گا۔ اور جس کو سکونت کا موقع نہیں علاوہ اپنے حصّہ کی اجرت طلب نہیں کر سکتا۔

مسئلہ ۶۵: وقف کے موقع پر نخل خرما یا دوسرے درخت پر موجود پھل، موقوف علیہ کی ملکیت نہیں ہوگا بلکہ وہ واقف کی ملکیت ہوگا۔ یہی حکم حامل کے شکم میں موجود حمل کا بھی ہے۔ البتہ گوسفند کے جسم پر اون اور اس کے پستانوں میں موجود دودھ کے سلسلہ میں اشکال ہے۔ لہٰذا احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۶۶: اگر یوں صیغۂ وقف ادا کرے" وقفتُ علی اولادی واولاد اولادی" میں نے اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کیلئے وقف کیا تو وقف تمام آئندہ نسلوں کو شامل ہوگا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ پس اگر واقف ترتیب یا مشارکت مساوات یا تفصیل یا مرد یا عورت ہونے وغیرہ کی شرط لگادے تو اس شرط کی پیروی کی جائے گی۔ لیکن اگر مطلق رکھے (یعنی کوئی شرط نہ لگائے) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وقف مشارکت و مساوات اور مذکر و مونث سب کو شامل ہے۔ ایک کو دوسرے پر تقدم حاصل نہ ہوگا۔ اور اگر اس طرح وقف کرے" وقفتُ علی اولادی ثم علی اولاد اولادی" میں نے اپنی اولاد اور پھر اولاد کی اولاد کے لئے وقف کیا۔ تو اسکا مطلب یقیناً اولاد اور اولاد کی اولاد کے درمیان ترتیب ہے۔ لیکن بعد میں آنیوالوں کے لئے بظاہر یہ عبارت ترتیب پر دلالت نہیں کرتی لہٰذا اولاد کی اولاد، اپنی اولاد کے ساتھ شریک ہوگی۔ مگر یہ کہ قرینہ موجود ہو کہ بعد والوں کا حکم بھی وہی ہے جو اولاد کی اولاد کا ہے۔ اور مذکورہ ترتیب مثال کے عنوان سے ذکر کی گئی ہے جس سے مراد سلسلۂ اولاد کی ترتیب بیان کرنا اور یہ کہ وقف، واقف سے قریب سے قریب تر ہونا چاہیئے۔

مسئلہ ۶۷: وقف مکمل ہوجانے کے بعد عین موقوفہ کے واقف کی ملکیت سے خارج ہوجانے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ سوائے اس وقف کے جس میں موقوف علیہم کا سلسلہ آخر سے منقطع ہو جس کی بعض قسموں میں تامل کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ جس طرح رفاہ عام کے وقف جیسے مسجدوں، زیارت گاہوں، پل، مدرسوں اور مسافر خانوں کے وقف، اور مساجد، مزارات یا ان کے مانند دوسری چیزوں کے اوقاف کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ بلکہ ان میں وقف کا مطلب ملکیت کا سلسلہ منقطع کرنا اور معیّن امور میں منافع کا سلسلہ جاری کرنا ہے۔ لیکن وقفِ خاص۔ جیسے اولاد کے لئے یا وقفِ عام جو عمومی عناوین جیسے فقراء و علماء وغیرہ کے لئے۔ یا ان ہی دونوں کے مانند دوسرے افراد کے لئے وقف ہے۔ کیا اس کی حیثیت بھی عمومی رفاہ والے وقف کی مانند ہوگی جو کسی کی ملکیت نہیں ہوتا؟ چاہے وقف منفعتی ہو جس میں اہلِ وقف اس کے منافع سے یا بذات خود فائدہ اٹھا سکتے ہیں یا کرائے پر دیکر، یا اس کا پھل بیچ کر یا دوسرے طریقوں سے اس کا فائدہ حاصل کریں۔ چاہے وہ وقف انتفاعی ہو جیسے گھر کو اپنی اولاد کے رہنے یا سرائے کو فقیروں کی رہائش کے لئے وقف کرے۔ یا جن پر وقف ہو وہ اس کے مالک ہوں گے لیکن خود وہ ملکیت آزاد نہیں ہوگی چاہے وقف منفعتی ہو یا وقف انتفاعی، یا پھر وقف منفعتی اور انتفاعی میں فرق رکھا جائے گا۔ چنانچہ وقفِ انتفاعی عمومی رفاہ کی مانند ہوگا۔ جب کہ وقف منفعتی ان کے مانند نہیں ہوگا۔ یا فرق وقفِ خاص اور وقفِ عام کے

مطلقا، أو تفصيل بين وقف المنفعة و وقف الانتفاع، فالثاني كالوقف على الجهات العامة دون الأول، أو بين الوقف الخاص فيملك الموقوف عليه ملكا غير طلق، و الوقف العام فكالوقف على الجهات؟ وجوه، لا يبعد أن يكون اعتبار الوقف في جميع أقسامه إيقاف العين لدرّ المنفعة على الموقوف عليه، فلا تصير العين ملكاً لهم، وتخرج عن ملك الواقف إلا في بعض صور المنقطع الآخر كما مرّ.

مسألة ٦٨ ـ لا يجوز تغيير الوقف و إبطال رسمه و إزالة عنوانه ولو إلى عنوان آخر كجعل الدار خاناً أو دكاناً أو بالعكس، نعم لو كان الوقف وقف منفعة و صار بعنوانه الفعلي مسلوب المنفعة أو قليلها في الغاية لا يبعد جواز تبديله إلى عنوان آخر ذي منفعة، كما إذا صار البستان من جهة انقطاع الماء عنه أو لعارض آخر لم ينتفع به، بخلاف ما إذا جعل داراً أو خاناً.

مسألة ٦٩ ـ لو خرب الوقف و انهدم و زال عنـوانه كالبستان انقلعت أو يبست أشجاره، والدار اذا تهدمت حيطانها و عفت آثارها فان أمكن تعميره و إعادة عنوانه ولو بصرف حاصله الحاصل بالاجارة و نحوها لزم، و تعين على الأحوط، و إلا ففي خروج العرصة عن الوقفية و عدمه فيستنمى منها بوجه آخر ولو بزرع و نحوه و جهان بل قولان، أقواهما الثاني، و الأحوط أن تجعل وقفاً و يجعل مصرفه و كيفياته على حسب الوقف الأول.

مسألة ٧٠ ـ إذا احتاجت الأملاك الموقوفة إلى تعمير و ترميم و إصلاح لبقائها و الاستنماء منها فان عيّن الواقف لها ما يصرف فيها فهو، و إلا يصرف فيها من نمائها على الأحوط مقدماً على حق الموقوف عليهم، و الأحوط لهم الرضا بذلك، ولو توقف بقاؤها على بيع بعضها جاز.

مسألة ٧١ ـ الأوقاف على الجهات العامة التى مرّ أنها لا يملكها أحد كالمساجد و المشاهد و المدارس و المقابر و القناطر و نحو ها لا يجوز بيعها بلا إشكال في مثل الأولين، و على الأحوط في غيره و إن آل إلى ما آل حتى عند

درمیان رکھا جائے گا۔ اس طرح کہ وقفِ خاص میں موقوف علیہ، مالک ہوگا لیکن ملکیت آزاد نہ ہوگی کہ جو چاہے کرے اور وقفِ عام (جہاتِ عمومی کے لئے وقف) میں مالک نہیں ہوگا؟ اس مسئلہ میں کئی صورتیں ہیں اور بعید نہیں کہ تمام صورتوں میں وقف موقوف علیہ کی ملکیت نہ ہو، بلکہ اس کی منفعت موقوف علیہ کے لئے ہو۔ اور سب صورتوں میں وقف مالک کی ملکیت سے خارج ہو جائے۔ سوائے وقف کی بعض صورتوں کے جس میں موقوف علیہم کا سلسلہ آخر سے منقطع ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ ۶۸: وقف کی شکل وصورت تبدیل کرنا، یا اس کا عنوان ختم کرنا جائز نہیں ہے۔ چاہے اسے دوسرا عنوان دے، جیسے گھر کو سرائے یا دکان بنا دے۔ یا سرائے یا دکان کو گھر بنا دے۔ البتہ اگر وقف، وقفِ منفعتی ہو۔ اور موجودہ حالت میں وہ بے فائدہ ہو گیا ہو یا اس کا نفع نہایت ہی کم ہو کر رہ گیا ہو تو بعید نہیں ہے کہ اسے کسی دوسرے نفع بخش عنوان میں تبدیل کر دینا جائز ہو، جیسے باغ پانی نہ پہونچنے یا کسی دوسری وجہ سے اپنا نفع کھو بیٹھے تو اس کے بجائے باغ کو گھر یا سرائے میں تبدیل کر دیا جائے۔

مسئلہ ۶۹: اگر وقف منہدم ہو جائے یا بیکار ہو جائے اور اس کا عنوان زائل ہو جائے، مثلاً باغ کے درخت اکھاڑ دیئے جائیں یا سوکھ جائیں یا گھر کی دیواریں اور اس کے آثار منہدم ہو جائیں۔ اس صورت میں اگر اس کی تعمیر ممکن ہو چاہے تعمیر کے اخراجات اسی سے حاصل ہونے والے کرائے وغیرہ سے دیئے جائیں۔ تو تعمیر کے ذریعہ اس کا عنوان بحال کرنا احتیاطاً لازم و ضروری ہے۔ لیکن اگر تعمیر کے ذریعے اس کے عنوان کی بحالی ممکن نہ ہو تو آیا اس کی زمین وقفیت سے خارج ہو جائے گی یا زمین بدستور وقف رہے گی اور اس سے زراعت کرکے، یا کسی دوسرے طریقہ سے استفادہ کیا جائیگا؟ اس میں دو صورتیں بلکہ دو قول ہیں۔ اور دوسرا قول اقویٰ ہے (یعنی زمین بدستور وقف رہے گی) اور احتیاط یہ ہے کہ اس کو وقف قرار دیا جائے اور اس کا استعمال نیز اس کی کیفیت وہی رکھی جائے جو پہلے وقف کی تھی۔

مسئلہ ۷۰: اگر موقوفہ ملکیتوں کی بقاء کی غرض سے اور استفادہ کے لئے ان میں تعمیر، مرمت یا اصلاح کی ضرورت پیش آجائے اور اس کے لئے اگر واقف نے کچھ معیّن کیا ہو تو وہی کام میں لایا جائے گا۔ لیکن اگر واقف نے کچھ معیّن نہ کیا ہو تو احتیاطاً اسی کی آمدنی کو اس پر خرچ کیا جائے اور موقوف علیہم کے حق پر تعمیر وغیرہ کو ترجیح دی جائے گی اور موقوف علیہم کے لئے احتیاط یہ ہے کہ وہ اس سے راضی ہو جائیں۔ اور اگر وقف کی بقاء اس کے کچھ حصّہ کو فروخت کر دینے پر موقوف ہو تو اسے فروخت کر دینا جائز ہے۔

مسئلہ ۷۱: عمومی جہتوں کے لئے جو چیز وقف ہو۔ جیسے مسجدیں۔ زیارت گاہیں، مدرسے اور پل وغیرہ جن کے بارے میں بیان ہو چکا ہے کہ کوئی بھی ان کا مالک نہیں ہوتا۔ اس کو بیچنا جائز نہیں ہے چنانچہ مسجد اور زیارت گاہ کو بیچنا بلا اشکال جائز نہیں ہے۔ جب کہ بقیہ چیزوں کو بیچنا احتیاطاً جائز نہیں ہے۔ چاہے ان کا جو بھی حشر ہو۔ حتیٰ کہ وہ مسمار ہو جائیں اور ان سے مطلوبہ فائدہ حاصل ہونے کی کوئی امید بھی نہ رہ جائے۔ بلکہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ تو تھا اصل عمارت وغیرہ کا حکم۔ اب رہ

خرابها و اندارسها بحيث لا يرجى الانتفاع بها في الجهة المقصودة أصلاً بل تبق على حالها، هذا بالنسبة إلى أعيانها، و أما ما يتعلق بها من الآلات و الفرش و ثياب الضرائح و أشباه ذلك فما دام يمكن الانتفاع بها باقية على حالها لا يجوز بيعها، و إن أمكن الانتفاع بها في المحل الذي أعدت له بغير ذلك الانتفاع الذي أعدت له بقيت على حالها أيضاً، فالفرش المتعلقة بمسجد أو مشهد إذا أمكن الافتراش بها في ذلك المحل بقيت على حالها فيه، ولو فرض استغناؤه عن الافتراش بالمرة لكن يحتاج إلى ستر يقي أهله من الحرّ أو البرد مثلاً تجعل ستراً لذلك المحل، ولو فرض استغناء المحل عنها بالمرة بحيث لا يترتب على إمساكها و إبقائها فيه إلا الضياع و الضرر و التلف تجعل في محل آخر مماثل له، بأن تجعل ماللمسجد لمسجد آخر، و ما للمشهد لمشهد آخر، فان لم يكن المماثل أو استغنى عنها بالمرة جعلت في المصالح العامة، هذا إذا أمكن الانتفاع بها باقية على حالها، و أما لو فرض أنه لا يمكن الانتفاع بها إلا ببيعها و كانت بحيث لو بقيت على حالها ضاعت و تلفت، بيعت و صرف ثمنها في ذلك المحل ان احتاج اليه، و الا ففي المماثل ثم المصالح حسب ما مرّ.

مسألة ٧٢ ـ كما لا يجوز بيع تلك الأوقاف الظاهر أنه لا يجوز إجارتها، ولو غصبها غاصب و استوفى منها غير تلك المنافع المقصودة منها كما إذا جعل المسجد أو المدرسة بيت المسكن فلا يبعد أن تكون عليه أجرة المثل في مثل المدارس والخانات والحمامات دون المساجد و المشاهد و المقابر و القناطر و نحو ها ولو أتلف أعيانها متلف فالظاهر ضمانه، فيؤخذ منه القيمة، و تصرف في بدل التالف و مثله.

مسألة ٧٣ ـ الأوقاف الخاصة كالوقف على الأولاد و الأوقاف العامة التي كانت على العناوين العامة كالفقراء لا يجوز بيعها و نقلها بأحد النواقل إلا لعروض بعض العوارض و طرو بعض الطوارىء، و هي أمور:

الأول ـ ما إذا خربت بحيث لا يمكن إعادتها إلى حالها الأولى و لا الانتفاع

گیا ان کے متعلقات، جیسے آلات، فرش اور ضریحوں کے کپڑوں وغیرہ کا حکم، تو جب تک وہ باقی رہیں اور ان سے استفادہ ممکن ہو انہیں بیچنا جائز نہیں۔ اور اگر ان چیزوں سے اسی جگہ پر ان کے اصلی استفادہ کے علاوہ کوئی دوسرا استفادہ ممکن ہو تب بھی ان کو اسی حالت پر باقی رہنا چاہیے۔ مثلاً مسجد یا زیارت گاہ سے متعلق فرش کو اگر اسی جگہ بچھایا جاسکتا ہو تو اسے اسی جگہ بچھا رہنے دیا جائے گا۔ لیکن اگر فرض کرلیں کہ اب وہاں فرش کی بالکل ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔ لیکن اہلِ مسجد یا زیارت گاہ کو گرمی یا سردی سے محفوظ رکھنے کے لئے پردہ وغیرہ کی ضرورت محسوس ہو تو اس فرش کو اسی جگہ بطور پردہ وغیرہ استعمال کیا جائے گا اور اگر فرض کریں کہ اس جگہ اب اس چیز کی ضرورت ہی نہیں رہ گئی ہے اور اگر اسے وہاں رکھا جائے تو اس کے نقصان یا ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس فرش کو اسی کے جیسی دوسری جگہ بچھایا جائے۔ اس طرح کہ اگر مسجد کا فرش ہو تو اسے دوسری مسجد میں اور اگر زیارت گاہ کا فرش ہو تو اسے دوسری زیارت گاہ میں بچھایا جائے گا۔ اب اگر اس کے مثل کوئی مسجد یا زیارت گاہ موجود نہ ہو یا موجود ہو مگر اسے فرش کی بالکل ضرورت نہ ہو۔ تو اس صورت میں اس فرش وغیرہ کو مصالحِ عامہ میں استعمال کیا جائے گا۔ یہ اس وقت ہو گا جب فرش باقی رہے اور اس سے استفادہ ممکن ہو۔ لیکن اگر اس سے استفادہ کا واحد ذریعہ یہ ہو کہ اسے بیچ دیا جائے۔ اس طرح کہ اگر اسے نہ بیچا جائے تو اس کے تلف ہو جانے یا خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ تو اسے فروخت کر کے اس سے حاصل ہونے والی رقم اسی جگہ خرچ کی جائے گی اگر اس جگہ کو اس رقم کی ضرورت ہو۔ اور وہ رقم اسی کے مانند دوسری جگہ خرچ کی جائے گی اور اگر دوسری جگہ بھی ضرورت نہ ہو تو پھر اسے مصالحِ عمومی میں خرچ کیا جائیگا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ ۷۲: جس طرح عام افادیت کے اوقاف کو فروخت کرنا جائز نہیں اسی طرح ظاہراً ان کو کرائے پر اٹھانا بھی جائز نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی وقف کو غصب کرے اور اسے جن منافع کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے منافع اس سے حاصل کرے۔ مثلاً مسجد یا مدرسہ کو رہائشی مکان بنائے تو اگر وقف، مدرسوں، مسافر خانوں یا حماموں کی شکل میں ہو تو اس کے ذمّہ اجرت المثل یا کرایہ کا واجب الادا ہونا بعید نہیں۔ لیکن، مسجدوں، مقبروں، زیارت گاہوں اور پلوں وغیرہ کا یہ حکم نہیں۔ اور اگر کوئی عینِ وقف کو تلف کردے تو ظاہراً وہ ضامن ہے۔ چنانچہ اس سے اس کی قیمت وصول کی جائے گی اور اس قیمت کو تلف شدہ چیز یا اس کے مانند چیز کے حصول میں خرچ کیا جائے گا۔

مسئلہ ۷۳: اوقافِ خاصہ جیسے اولاد کے لئے وقف، اور اوقافِ عامّہ جیسے عام عنوانوں مثلاً فقراء وغیرہ کے لئے وقف، کا بیچنا اور کسی بھی ذریعہ سے ان میں ردّ و بدل کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر درج ذیل چند عوارض اور امور میں سے کوئی ایک عارض لاحق ہو جائے تو بیچنا جائز ہے۔

اوّل: وقف کی جائیداد اس قدر بیکار ہو جائے کہ اس کو اپنی اصلی حالت پر واپس لانا، اور اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو۔ مگر یہ کہ اسے بیچ دیا جائے اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ جیسے ذبح کیا

بها إلا ببيعها و الانتفاع بثمنها كالحيوان المذبوح و الجذع البالي و الحصير الخلق فتباع و يشترى بثمنها ما ينتفع به الموقوف عليهم، و الأحوط لو لم يكن الأقوى مراعاة الأقرب فالأقرب إلى العين الموقوفة.

الثاني ـ أن يسقط بسبب الخراب أو غيره عن الانتفاع المعتدبه، بحيث كان الانتفاع به بحكم العدم بالنسبة إلى أمثال العين الموقوفة بشرط أن لا يرجى العود كما مر، كما إذا انهدمت الدار و اندرس البستان فصار عرصة لا يمكن الانتفاع بها إلا بمقدار جزئي جداً يكون بحكم العدم بالنسبة اليهما، لكن لو بيعت يمكن أن يشترى بثمنها دار أو بستان آخر أو ملك آخر تساوي منفعته منفعة الدار أو البستان أو تقرب منها أو تكون معتداً بها، ولو فرض أنه على تقدير بيعها لا يشترى بثمنها إلا ما يكون منفعتها كمنفعتها باقية على حالها أو قريب منها لم يجز بيعها، و تبقى على حالها.

الثالث ـ ما إذا اشترط الواقف في وقفه أن يباع عند حدوث أمر مثل قلة المنفعة، أو كثرة الخراج أو المخارج، أو وقوع الخلاف بين أربابه، أو حصول ضرورة أو حاجة لهم أو غير ذلك، فلا مانع من بيعه عند حدوث ذلك الأمر على الأقوى.

الرابع ـ ما إذا وقع بين أرباب الوقف اختلاف شديد لا يؤمن معه من تلف الأموال و النفوس و لا ينحسم ذلك إلا ببيعه،فيباع، و يقسم ثمنه بينهم، نعم لو فرض أنه يرتفع الاختلاف ببيعه و صرف الثمن في شراء عين أخرى أو تبديل العين الموقوفة بالأخرى تعين ذلك ، فتشترى بالثمن عين أخرى أو يبدل بآخر فيجعل وقفاً و يبقى لسائر البطون، و المتولي للبيع في الصور المذكورة و للتبديل و لشراء عين أخرى هو الحاكم أو المنصوب من قبله إن لم يكن متول منصوب من قبل الواقف.

مسألة ٧٤ ـ لا إشكال في جواز إجارة ما وقف وقف منفعة، سواء كان وقفاً خاصاً أو عاماً على العناوين أو على الجهات و المصالح العامة كالدكاكين و

گیا جانور، بوسیدہ درخت کا تنہ اور پرانی چٹائی وغیرہ، چنانچہ اس صورت میں ان چیزوں کو بیچ کر ان کے بدلے جن لوگوں کے لیے وقف ہے ان کے فائدے کی چیز خریدی جائے گی۔ اور اگر اقویٰ نہ ہو تو بھی احتیاط یہ ہے کہ جو چیز خریدی جائے وہ "عینِ موقوفہ" سے قریب تر ہو۔

دوّم:- عینِ موقوفہ کے خراب ہو جانے کے باعث یا کسی دوسری علّت کی بناء پر اس کا قابلِ اعتنا فائدہ ختم ہو جائے، اس طرح کہ جو فائدہ اس سے حاصل ہو رہا ہو وہ اس کے مانند دوسری چیزوں کے فائدے کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہو۔ بشرطیکہ اس چیز کی اصلی حالت بحال ہونا بھی ممکن نہ ہو جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، مثال کے طور پر گھر منہدم ہو جائے، باغ اجڑ جائے اور ایسے چٹیل میدان میں تبدیل ہو جائے جس کے اصلی فائدہ کے مقابلہ میں اس کا موجودہ فائدہ کالعدم ہو۔ لیکن اگر اس میدان کو بیچ دیا جائے، تو اس کی قیمت سے دوسرے مکان، باغ، یا کسی ایسی ملکیت کی خریداری ممکن ہو جس کی منفعت اس مکان یا باغ کی منفعت کے مساوی یا اس سے قریب یا کم از کم قابلِ اعتنا ہو لیکن اس کے بیچ دینے کی صورت میں اگر اس کی قیمت سے ایسی ہی چیز خریدی جا سکے جس کی منفعت اس گھر یا باغ کی موجودہ منفعت کے برابر یا اس سے قریب ہو تو اس کا بیچنا جائز نہیں بلکہ اس کو اسی حالت پر باقی رکھا جائیگا۔

سوم:- واقف اپنے وقف میں شرط کر دے کہ جب کوئی مشکل درپیش ہو تو اسے بیچ دیا جائے۔ مثلاً فائدہ بہت کم رہ جائے، یا ٹیکس اور اخراجات بہت زیادہ ہو جائیں۔ یا اہلِ وقف کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے۔ یا ان کو کوئی ضرورت یا حاجت درپیش ہو، یا اسی قبیل کا کوئی اور مسئلہ درپیش ہو، تو اقویٰ یہ ہے کہ اس کو فروخت کر دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

چہارم:- اربابِ وقف کے درمیان شدید اختلاف پیدا ہو جائے جس کے باعث اموال اور نفوس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو اور اس کا سدِّباب صرف وقف کو بیچنے ہی کی صورت میں ممکن ہو۔ تو وقف کو بیچ کر اس سے حاصل ہونے والی قیمت کو اہلِ وقف کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر وقف کو بیچ کر اس کی جگہ کوئی دوسری جائیداد خریدنے یا عینِ موقوف کو کسی دوسری چیز سے بدل لینے سے اختلاف دور ہو سکتا ہو تو اس صورت میں یہی کیا جائے، یعنی وقف کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری جائیداد خریدی جائے گی یا "عینِ موقوف" کو کسی ویسی ہی دوسری چیز میں تبدیل کر لیا جائے گا اور اسے تمام آئندہ نسلوں کے لئے وقف کے طور پر باقی رکھا جائے گا۔ مذکورہ صورتوں میں وقف کی فروخت یا وقف شدہ چیز کو تبدیل کرنے اور کوئی دوسری جائیداد خریدنے کے اختیارات حاکمِ شرع کو ہوں گے یا جسے وہ معیّن کر دے، بشرطیکہ واقف نے خود کوئی متولّی معیّن نہ کیا ہو۔

مسئلہ ۴۷: وقفِ منفعتی کو کرائے پر اٹھانا بلا اشکال جائز ہے۔ چاہے وقفِ خاص ہو یا عام، "عام عناوین" کے لئے ہو یا عمومی افادیت کے لئے جیسے دکانیں اور کھیت وغیرہ، جنہیں اولاد، فقراء یا جہاتِ عمومی کے لئے وقف کیا گیا ہو۔ اس لئے کہ وقف منفعتی میں غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ اسے کرائے وغیرہ پر

المزارع الموقوفة على الأولاد أو الفقراء أو الجهات العامة، حيث أن المقصود استنماؤها باجارة و نحوها و وصول نفعها إلى الموقوف عليهم، بخلاف ما كان وقف انتفاع كالدار الموقوفة على سكنى الذرية وكالمدرسة والمقبرة والقنطرة و الخانات الموقوفة لنزول المارة، فان الظاهر عدم جواز إجارتها في حال من الأحوال.

مسألة ٧٥ ـ لو خرب بعض الوقف بحيث جاز بيعه و احتاج بعضه الآخر الى التعمير لحصول المنفعة فان أمكن تعمير ذلك البعض المحتاج من منافعه فالأحوط تعميره منها، و صرف ثمن البعض الآخر في اشتراء مثل الموقوفة، و ان لم يمكن لا يبعد أن يكون الأولى بل الأحوط أن يصرف الثمن في التعمير المحتاج اليه، و أما جواز صرفه لتعميره الموجب لتوفير المنفعة فبعيد، نعم لو لم يكن الثمن بمقدار شراء مثل الموقوفة يصرف في التعمير ولو للتوفير.

مسألة ٧٦ ـ لا إشكال في جواز إفراز الوقف عن الملك الطلق فيما اذا كانت العين مشتركة بينهما، فيتصديه مالك الطلق مع متولي الوقف أو الموقوف عليهم، بل الظاهر جواز قسمة الوقف أيضاً لو تعدد الواقف والموقوف عليه، كما اذا كانت دار مشتركة بين شخصين فوقف كل منهما حصته المشاعة على أولاده، بل لا يبعد الجواز فيما اذا تعدد الوقف و الموقوف عليه مع اتحاد الواقف، كما إذا وقف نصف داره مشاعاً على مسجد و النصف الآخر على مشهد، و لا يجوز قسمته بين أربابه إذا اتحد الوقف و الواقف مع كون الموقوف عليهم بطوناً متلاحقة أيضاً، ولو وقع النزاع بين أربابه بما جاز معه بيع الوقف و لا ينحسم إلا بالقسمة جازت، لكن لا تكون نافذة بالنسبة إلى البطون اللاحقة، و لعلها ترجع إلى قسمة المنافع، و الظاهر جوازها مطلقاً، و أما قسمة العين بحيث تكون نافذة بالنسبة إلى البطون اللاحقة فالأقوى عدم جوازها مطلقاً.

مسألة ٧٧ ـ لو آجر الوقف البطن الأول وانقرضوا قبل انقضاء مدة الاجارة بطلت بالنسبة إلى بقية المدة إلا أن يجيز البطن اللاحق فتصح على الأقوى، ولو

دے کر اس سے فائدہ حاصل کیا جائے اور اسے اربابِ وقف میں تقسیم کیا جائے۔ اس کے برخلاف اگر وقف انتفاعی ہو، مثلاً ذرّیت کی رہائش کے لئے مکان، یا عام لوگوں کے لئے مدرسہ، مقبرہ، پل، مسافر خانہ جو مسافروں کے لئے وقف ہوتا ہے۔ تو ظاہراً کسی بھی صورت میں انھیں کرائے پر اُٹھانا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۷۵: اگر وقف کا کچھ حصّہ اس قدر خراب ہو جائے کہ اس کو فروخت کر دینا جائز ہو جائے اور دوسرا حصّہ حصولِ منفعت کے لئے تعمیر کا محتاج ہو۔ تو اگر تعمیر اسی کے منافع سے ممکن ہو تو احتیاط یہ ہے کہ اسی کے منافع کو تعمیر میں صرف کیا جائیگا اور دوسرے حصّہ کی قیمت کو اسی جیسی جائیداد خریدنے میں لگایا جائیگا، لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو بعید نہیں بلکہ احتیاط یہ ہے کہ اسکی تعمیر پر دوسرے حصّہ کی قیمت کو خرچ کیا جائے گا۔ لیکن منفعت بڑھانے کی خاطر وقف کی تعمیر میں اسکو خرچ کر دینے کا جواز بعید ہے۔ البتہ اگر وہ قیمت "عین موقوفہ" کے مانند دوسری چیز خریدنے کے لئے کافی نہ ہو، تو اس صورت میں اس کو تعمیر میں لگا دینا جائز ہے چاہے منفعت بڑھانے کے لئے ہی سہی۔

مسئلہ ۷۶: اگر عین مشترک ہو تو آزاد ملکیت سے وقف کو جدا کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔ چنانچہ اس کام کو آزاد ملکیت کا مالک، وقف کے متولی یا موقوف علیہم کے ساتھ ملکر انجام دیگا۔ بلکہ اگر واقف اور موقوف علیہم متعدد ہوں تو بھی وقف کو تقسیم کرنا ظاہراً جائز ہے۔ مثلاً کسی گھر کے دو مالک ہوں اور ہر ایک اپنے حصّہ کو بطور مشاع (بغیر الگ کئے ہوئے) اپنی اولاد کے لئے وقف کر دے۔ بلکہ اگر واقف ایک ہی ہو لیکن وقف اور موقوف علیہم متعدد ہوں تب بھی بعید نہیں کہ تقسیم جائز ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص اپنے آدھے مکان کو مسجد اور آدھے کو زیارت گاہ کے لئے بطور مشاع (بغیر الگ کئے ہوئے) وقف کرے۔ البتہ اگر واقف ایک ہو اور وقف بھی ایک ہی ہو لیکن موقوف علیہم میں بعد کی وہ نسلیں بھی شامل ہوں جو ایک دوسرے سے ملحق ہوں تو موجودہ اربابِ وقف کے درمیان وقف کو تقسیم کر دینا جائز نہیں۔ لیکن اگر ان کے درمیان ایسا شدید اختلاف پیدا ہو جائے جس کے بعد وقف کو بیچ دینا جائز ہو جاتا ہے اور وقف تقسیم کئے بغیر اس اختلاف کے ختم ہونے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس صورت میں اس کی تقسیم جائز ہے۔ لیکن وہ تقسیم آئندہ نسلوں پر نافذ نہیں ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ اس تقسیم سے مراد اس کے منافع کی تقسیم ہو۔ جو ظاہراً ہر حال میں جائز ہے (یعنی چاہے اختلاف ہو یا نہ ہو) لیکن عین موقوف کو اس طرح تقسیم کرنا جو آئندہ نسلوں پر بھی نافذ ہو، اقویٰ یہ ہے کہ یہ کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

مسئلہ ۷۷: اگر پہلی نسل والے وقف کو کرائے پر اٹھا دیں اور اجارہ کی مدّت تمام ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائیں تو باقی مدّت کی بہ نسبت عقد اجارہ باطل ہو جائے گا۔ لیکن بعد کی نسل والے اجازت دے دیں تو اقویٰ یہ ہے کہ صحیح ہے۔ اور اگر متولی وقف کو کرائے پر اٹھائے اور مصلحتِ وقف کو پیشِ نظر رکھے تو صحیح ہے اور اس کا نفاذ آئندہ نسلوں پر بھی رہے گا۔

بلکہ اگر وقف کے بجائے آئندہ نسلوں کی مصلحت کی رعایت کرے تو بھی اقویٰ یہ ہے کہ یہ حکم ان کے زمانہ میں بھی نافذ ہے اور اس میں ان کی اجازت ضروری نہیں۔

آجره المتولي فان لاحظ فيه مصلحة الوقف صحت و نفذت بالنسبة إلى البطون اللاحقة، بل الأقوى نفوذها بالنسبة إليهم لو كانت لأجل مراعاتهم دون أصل الوقف، و لا تحتاج إلى إجازتهم.

مسألة ٧٨ ـ يجوز للواقف أن يجعل تولية الوقف و نظارته لنفسه دائماً أو إلى مدة مستقلاً و مشتركاً مع غيره، و كذا يجوز جعلها للغير كذلك، بل يجوز أن يجعل أمر جعل التوليه بيد شخص، فيكون المتولي من يعيّنه ذلك الشخص، بل يجوز جعل التولية لشخص و يجعل أمر تعيين المتولي بعده بيده، و هكذا يقرر أن كل متول يعين المتولي بعده.

مسألة ٧٩ ـ انما يكون للواقف جعل التولية لنفسه أو لغيره حين إيقاع الوقف و في ضمن عقده، و أما بعد تماميته فهو أجنبي عن الوقف، فليس له جعل التولية و لا عزل من جعله متولياً إلا إذا اشترط في ضمن عقده لنفسه ذلك، بأن جعل التولية لشخص و شرط أنه متى أراد أن يعزله عزله.

مسألة ٨٠ ـ لا إشكال في عدم اعتبار العدالة فيما إذا جعل التولية و النظر لنفسه، و الأقوى عدم اعتبارها لو جعلها لغيره أيضاً، نعم يعتبر فيه الأمانة و الكفاية، فلا يجوز جعلها خصوصاً في الجهات و المصالح العامة لمن كان خائناً غير موثوق به، و كذا من ليس له الكفاية في تولية أمور الوقف، و لا يجوز جعل التولية للمجنون و لا الطفل حتى المميز ان أريد عمل التولية من إجارة الوقف و أمثالها مباشرة، و أما اذا جعل التولية له حتى يقوم القيم بأمرها مادام قاصراً فالظاهر جوازه ولو كان غير مميز، بل لا يبعد الجواز في جعلها لمجنون متوقع برؤه و يقوم الولي مقامه الى أن يفيق.

مسألة ٨١ ـ لو جعل التولية لشخص لم يجب عليه القبول، سواء كان حاضراً في مجلس العقد أو غائباً بلغ اليه الخبر ولو بعد وفاة الواقف، ولو جعل التولية لأشخاص على الترتيب وقبل بعضهم لم يجب القبول على من بعده، و مع عدم القبول كان الوقف بلا متول منصوب، ولو قبل التولية فهل يجوز له عزل نفسه

مسئلہ ۷۸: واقف کے لئے تولیت اور وقف کی نگرانی کے فرائض اپنے ذمّے رکھنا جائز ہے۔ چاہے ہمیشہ کے لئے یا ایک مدّتِ معینہ تک، اور چاہے تنہا اس ذمّہ داری کو نبھائے یا کسی کو شریک بناکر۔ اسی طرح اسی کیفیت کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی متولّی اور ناظر بنا سکتا ہے۔ بلکہ اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ متولّی معیّن کرنے کا کام کسی دوسرے شخص کو سونپ دے۔ چنانچہ جس شخص کو وہ معیّن کردے وہی متولّی ہوگا۔ اور اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ کسی کو متولّی بنائے اس کے بعد متولّی مقرر کرنے کی ذمّہ داری بھی اسی کے حوالے کردے، اور اسی طرح یہ بھی طے کردے کہ ہر متولّی اپنے بعد متولّی معیّن کرے گا۔

مسئلہ ۷۹: واقف وقف کرتے وقت اور عقد کے ضمن میں ہی خود کو یا کسی دوسرے کو متولّی بنا سکتا ہے۔ لیکن وقف مکمل ہو جانے کے بعد اس کا وقف سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ اس وقت نہ کسی کو متولّی بنا سکتا ہے اور نہ کسی متولّی کو برطرف کر سکتا ہے۔ مگر یہ کہ اس نے عقد کے ضمن میں یہ اختیارات اپنے لئے محفوظ رکھے ہوں۔ اس طرح کہ وہ کسی شخص کو متولّی بنائے اور اس کے ساتھ یہ شرط رکھ دے کہ جب چاہے اسے برطرف کر سکتا ہے۔

مسئلہ ۸۰: اگر واقف تولیت اور وقف کی نگرانی کے اختیارات اپنے لئے مخصوص رکھے تو بلااشکال اس میں عدالت شرط نہیں۔ چنانچہ اگر دوسرے کو یہ فرائض سونپ دے تو بھی اقویٰ یہ ہے کہ عدالت ضروری نہیں۔ البتہ اس شخص کا امین اور باصلاحیت ہونا ضروری ہے۔ پس کسی خائن اور بے اعتبار شخص کو خاص طور سے مصالحِ عمومی اور جہاتِ عامّہ کے وقف پر متولّی یا ناظر قرار دینا جائز نہیں۔ اسی طرح ایسے شخص کو بھی یہ ذمّہ داری سونپنا جائز نہیں جو امورِ وقف کو نبھانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ چنانچہ دیوانہ اور بچہ حتیٰ سمجھ دار بچّہ کو بھی متولّی مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ بشرطیکہ خود بچّے یا دیوانے کو کوئی فرائض بھی انجام دینے ہوں مثلاً اسے بذاتِ خود وقف کو کرائے پر اٹھانا ہو یا دوسرے کام کرنے ہوں۔ لیکن اگر اس کو متولّی مقرر کرے اور یہ تولیت اس وقت تک اس کے سرپرست کے ذمّہ ہو۔ جب تک وہ اس قابل نہ ہو جائے تو اس صورت میں جائز ہے۔ چاہے بچّہ غیر ممیز ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ ایسے دیوانہ کو بھی متولّی بنائے جانے کا جواز بعید نہیں جس کا ٹھیک ہو جانا متوقع ہو اور اس کے افاقہ حاصل کر لینے تک اس کا ولی (سرپرست) اس کے فرائض انجام دے۔

مسئلہ ۸۱: جس شخص کو متولّی بنایا جائے اس کے لئے واجب نہیں کہ وہ تولیت کے فرائض قبول کرلے چاہے وہ مجلس عقد میں موجود ہو یا غائب ہو اور اسے خبر دی جائے اور چاہے یہ خبر واقف کے مرنے کے بعد ہی کیوں نہ پہونچے۔ اگر چند اشخاص کو یکے بعد دیگرے ترتیب وار متولّی مقرر کرے چنانچہ ان میں سے بعض اس ذمّہ داری کو قبول کرلیں تو جو لوگ ترتیب میں ان کے بعد ہیں ان پر قبول کرنا واجب نہیں۔ چنانچہ قبول نہ کرنے کی صورت میں وقف بلا متولّی رہے گا اور اگر کوئی تولیت کی ذمّہ داری قبول کرے تو گویا وکیل کی مانند

كالوكيل أم لا؟ قولان لا يترك الاحتياط بعدم العزل، و معه يقوم بوظائفه مع المراجعة الى الحاكم و نصبه.

مسألة ٨٢ ـ لو جعل التولية لاثنين فان جعل لكل منهما مستقلاً استقل، و لا يلزم عليه مراجعة الآخر، و اذا مات أحدهما أو خرج عن الأهلية انفرد الآخر، و إن جعلهما بالاجتماع ليس لأحدهما الاستقلال، و كذا لو أطلق و لم تكن على ارادة الاستقلال قرائن الأحوال، فحينئذ لو مات أحدهما أو خرج عن الأهلية يضم الحاكم الى الآخر شخصاً آخر على الأحوط لو لم يكن الأقوى.

مسألة ٨٣ ـ لو عيّن الواقف وظيفة المتولي و شغله فهو المتبع، ولو أطلق كانت وظيفته ما هو المتعارف من تعمير الوقف و اجارته و تحصيل أجرته وقسمتها على أربابه و أداء خراجه و نحو ذلك ، كل ذلك على وجه الاحتياط و مراعاة الصلاح، و ليس لأحد مزاحمته فيه حتى الموقوف عليهم، و يجوز أن يجعل الواقف تولية بعض الأمور لشخص و بعضها لآخر، فجعل أمر التعمير و تحصيل المنافع مثلاً لأحد و أمر حفظها وقسمتها على أربابها لآخر، أو جعل لواحد أن يكون الوقف بيده و حفظه و للآخر التصرفات ولو فوض الى واحد أمراً كالتعمير و تحصيل الفائدة و أهمل باقي الجهات من الحفظ و القسمة و غيرهما كان الوقف بالنسبة الى غير ما فوض اليه بلا متولٍ منصوب، فيجري عليه حكمه الآتي.

مسألة ٨٤ ـ لو عيّن الواقف للمتولي سيباً من المنافع تعين، و كان ذلك أجرة عمله ليس له أزيد منه و ان كان أقل من أجرة مثله، ولو لم يعين شيئاً فالأقرب أن له أجرة المثل.

مسألة ٨٥ ـ ليس للمتولي تفويض التولية الى غيره حتى مع عجزه عن التصدي إلا اذا جعل الواقف له ذلك عند جعله متولياً، نعم يجوز له التوكيل في بعض ما كان تصديه وظيفته ان لم يشترط عليه المباشرة.

مسألة ٨٦ ـ يجوز للواقف أن يجعل ناظراً على المتولي، فان أحرز أن المقصود مجرد اطلاعه على أعماله لأجل الاستيثاق فهو مستقل في تصرفاته و لا يعتبر إذن

وہ اپنے آپ کو الگ کرنے کا جواز بھی رکھتا ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ احتیاط یہ ہے کہ خود کو الگ نہ کرے۔ لیکن اپنے آپ کو برطرف کرنے کی صورت میں اس کی ذمّہ داری ہے کہ حاکم شرع کی طرف رجوع کرے اور اسے متولی کے طور پر نصب کرے۔

مسئلہ ۸۲: اگر دو اشخاص کو متولی بنائے اور ہر ایک کو بطورِ مستقل مقرر کرے تو ہر ایک اس ذمّہ داری کو نبھانے میں مستقل ہوگا۔ اور دوسرے سے پوچھ کر اقدام کرنا اس کے لئے ضروری نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگر ان میں سے ایک مر جائے یا اس کے اندر ذمّہ داری نبھانے کی صلاحیت نہ رہے تو دوسرا بطور منفرد متولی ہوگا۔ لیکن اگر دو آدمیوں کو ایک ساتھ متولی بنائے تو ان میں سے کوئی بھی مستقل نہیں ہوگا۔ یہی حکم وہاں بھی ہوگا کہ جہاں دو اشخاص کو مطلق طور پر متولی بنائے اور کسی کے مستقل ہونے پر قرینہ موجود نہ ہو۔ چنانچہ اگر ان میں ایک مر جائے یا اس کی صلاحیت سلب ہو جائے تو اگر اقویٰ نہ ہو تب بھی احتیاط یہ ہے کہ حاکم شرع اس کی جگہ دوسرے شخص کو شامل کرے گا۔

مسئلہ ۸۳: اگر واقف متولی کے فرائض اور اس کا کام معیّن کر دے تو متولی کے لئے اس کا اتباع ضروری ہے۔ لیکن اگر معیّن نہ کرے تو عرفِ عام میں جو متولی کی ذمّہ داریاں ہوتی ہیں وہ انھیں نبھائے گا۔ مثال کے طور پر وقف کی تعمیر، اسے کرائے پر دینا، اس کی اُجرت وصول کرنا، اربابِ وقف کے درمیان اسے تقسیم کرنا، اس کا ٹیکس ادا کرنا وغیرہ۔ ان سب امور میں وہ احتیاط اور مصلحت کو ہمیشہ نظر رکھے گا۔ اور کسی کو اس کے امور میں رکاوٹ پیدا کرنے کا حق حاصل نہیں۔ حتیٰ جن پر یہ وقف ہے۔ واقف کے لئے جائز ہے کہ بعض امور کا متولی ایک شخص کو معیّن کرے اور بعض امور کا متولی دوسرے شخص کو بنائے۔ مثال کے طور پر تعمیرِ وقف اور اس کے منافع کی وصولی کا کام ایک شخص کے ذمّہ کرے جبکہ ان منافع کی حفاظت اور ان کو اربابِ وقف کے درمیان تقسیم کرنے کا کام دوسرے کے حوالے کرے۔ یا ایک شخص کو وقف کی حفاظت کے لئے متولی بنائے اور دوسرے کو اس میں تصرّف کا اختیار دے۔ چنانچہ اگر بعض امور پر ایک شخص کو متولی بنا دے، مثلاً تعمیرِ وقف اور اس کے منافع کے حصول پر، اور حفاظت اور منافع کی تقسیم کے کام پر کسی کو متولی نہ بنائے تو ان امور میں کوئی متولی نہیں ہوگا۔ چنانچہ آئندہ بیان ہونے والا حکم اس پر لاگو ہوگا۔

مسئلہ ۸۴: اگر واقف متولی کیلئے منافع میں سے کچھ معیّن کر دے تو وہی اسکا حق ہوگا۔ اور وہی اس کے کام کی اُجرت ہوگی۔ اس سے زیادہ لینے کا وہ حقدار نہیں ہوگا چاہے وہ اسکے کام کی اُجرت سے کم ہی ہو۔ لیکن اگر کچھ معیّن نہ کرے تو وہ کام کے مطابق مختانہ کا حقدار ہوگا۔

مسئلہ ۸۵: متولی کسی دوسرے کو متولی نہیں بنا سکتا چاہے وہ فرائض کی انجام دہی سے قاصر ہی کیوں نہ ہو۔ مگر یہ کہ واقف نے اُسے متولی مقرر کرتے وقت یہ اختیار دیا ہو۔ اس صورت میں وہ دوسرے کو متولی بنا سکتا ہے۔ البتہ جن امور کو اس کے لئے بنفسِ نفیس انجام دینا شرط نہ ہو ان میں وہ کسی دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے۔

مسئلہ ۸۶: واقف کے لئے متولی کے اوپر کسی کو ناظر مقرر کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ناظر مقرر کرنے سے واقف کی غرض یہ تھی کہ ناظر متولی کے امور سے آگاہ رہے اور تصرّفات کے صحیح ہونے کا اطمینان رہے۔

الناظر في صحتها و نفوذها، و انما اللازم عليه اطلاعه، و إن كان المقصود إعمال نظره و تصو يبه لم يجز له التصرف إلا باذنه و تصو.يبه، ولو لم يحرز مراده فاللازم مراعاة الأمرين.

مسألة ٨٧ ـ لو لم يعين الواقف متولياً أصلاً ففي الاوقاف العامة يكون الحاكم أو المنصوب من قبله متولياً على الأقوى، و كذا في الخاصة فيما يرجع إلى مصلحة الوقف و مراعاة البطون من تعميره و حفظ الأصول و إجارته للبطون اللاحقة، و أما بالنسبة إلى تنميته و إصلاحاته الجزئية المتوقف عليها حصول النماء الفعلي كتنقية أنهاره و كريه و حرثه و جمع حاصله و تقسيمه و أمثال ذلك فأمرها راجع إلى الموقوف عليهم الموجودين.

مسألة ٨٨ ـ في الأوقاف التي توليتها للحاكم و منصوبه، مع فقد هما و عدم الوصول اليهما توليتها لعدول المؤمنين.

مسألة ٨٩ ـ لا فرق فيما كان أمره راجعاً إلى الحاكم بين ما إذا لم يعين الواقف متولياً و بين ما إذا عين و لم يكن أهلاً لها أو خرج عن الأهلية، فاذا جعل للعادل من أولاده و لم يكن بينهم عادل أو كان ففسق كان كأن لم ينصب متولياً.

مسألة ٩٠ ـ لو جعل التولية لعدلين من أولاده مثلاً و لم يكن فيهم إلا عدل واحد ضم الحاكم اليه عدلاً آخر، و أما لو لم يكن فيهم عدل أصلاً فهل اللازم عليه نصب عدلين أو يكفي نصب واحد أمين؟ أحوطهما الأول، و أقواهما الثاني.

مسألة ٩١ ـ لو احتاج الوقف إلى التعمير و لم يكن ما يصرف فيه يجوز للمتولي أن يقترض له قاصداً أداء ما في ذمته بعد ذلك مما يرجع اليه كمنافعه أو منافع موقوفاته، فيقترض متولي البستان مثلاً لتعميره بقصد أن يؤدي دينه من عائداته، و متولي المسجد أو المشهد أو المقبرة و نحو ها بقصد أن يؤديه من عائدات موقوفاتها، بل يجوز أن يصرف في ذلك من ماله بقصد الاستيفاء مما ذكر، ولو اقترض له و صرفه لا بقصد الأداء منه أو صرف ماله لا بقصد الاستيفاء منه لم

تو اس صورت میں متولی وقف میں تصرف کرنے میں آزاد ہوگا اور تصرف کے صحیح اور نافذ ہونے کے لئے ناظر کی اجازت لازمی نہیں ہوگی۔ لیکن اگر ناظر مقرر کرنے میں واقف کا مقصد یہ رہا ہو کہ ناظر متولی کے امور میں دخیل ہو اور اپنی رائے دے تو اس صورت میں ناظر کی اجازت کے بغیر متولی کے لئے تصرف جائز نہیں۔ لیکن اگر واقف کی مراد معلوم نہ ہوسکے تو دونوں امور کا لحاظ رکھا جائے۔

مسئلہ ۸۷: اگر واقف سرے سے ہی متولی معین نہ کرے تو اقوی یہ ہے کہ عمومی اوقاف میں یا تو حاکم شرع متولی ہوگا یا وہ شخص، جس کو حاکم شرع معین کردے۔ اسی طرح وقف خاص کے ان موارد میں جنکا تعلق مصلحتِ وقف اور آئندہ نسلوں سے ہے۔ مثال کے طور پر وقف کی تعمیر، اس کے درختوں کی حفاظت، اور آئندہ نسلوں کے لئے ان کو کرائے پر اٹھانا وغیرہ۔ لیکن وقف کا فرائش، اس میں جزئی اصلاحات جن پر حالِ حاضر میں فائدہ کا دار و مدار ہے۔ مثال کے طور پر وقف کی نہروں کی صفائی، کھیتی کرنا، اس کا محصول جمع کرنا اور اس کی تقسیم وغیرہ جیسے امور وہ موجودہ لوگ انجام دیں گے جن کے لئے وقف کیا گیا ہے۔

مسئلہ ۸۸: جن اوقاف کی تولیت حاکم شرع یا اس کے معین کردہ شخص سے منصوص ہے، اگر حاکم شرع اور اس کی طرف سے منصوب شخص موجود نہ ہوں یا ان تک رسائی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ان اوقاف کے متولی عادل مومنین ہوں گے۔

مسئلہ ۸۹: جہاں واقف نے متولی معین نہ کیا ہو یا جس کو متولی مقرر کیا ہو وہ صلاحیت ہی نہ رکھتا ہو یا اس کی صلاحیت سلب ہوگئی ہو تو دونوں صورتوں میں بغیر کسی فرق کے وقف کا متولی حاکم شرع ہوگا۔ اور اگر واقف اپنی اولاد میں سے کسی عادل کو متولی بنائے اور واقف کی اولاد میں کوئی عادل ہی نہ ہو یا فاسق ہوگیا ہو تو گویا اس وقف کا کوئی متولی ہی نہیں ہے۔

مسئلہ ۹۰: اگر واقف تولیت کی ذمہ داری اپنی اولاد میں سے دو عادلوں کے لئے رکھے اور واقف کی اولاد میں صرف ایک عادل شخص ہو تو حاکم شرع اس کی ہمراہی کے لئے دوسرا عادل مقرر کرے گا۔ لیکن اگر ان کے درمیان کوئی عادل موجود نہ ہو۔ تو آیا حاکم شرع کی ذمہ داری دو عادل مقرر کرنا ہے یا ایک امین شخص کو مقرر کردینا کافی ہے؟ ان دونوں صورتوں میں احوط پہلا قول ہے۔ اور اقوی دوسرا قول۔

مسئلہ ۹۱: اگر وقف میں تعمیر کی ضرورت ہو لیکن تعمیر کے لئے اخراجات موجود نہ ہوں۔ تو متولی کے لئے اس نیت پر قرض لینا جائز ہے کہ بعد میں وہ قرض وقف سے حاصل ہونے والے اپنے منافع یا موقوفات کے منافع سے ادا کردے گا۔ چنانچہ اگر باغ کا متولی ہو تو اس کی تعمیر کی غرض سے قرض لے اور نیت اس کی یہ ہونی چاہیے کہ باغ کے منافع سے ادا کرے گا، یا مسجد، زیارت گاہ اور مقبرے وغیرہ کا متولی ہو تو ان کی آمدنی سے ادا کردینے کی نیت سے قرض لے سکتا ہے۔ بلکہ اگر قصد یہ ہو کہ وقف کی آمدنی سے اپنا حق پورا کرے گا تو اپنا مال اس کی تعمیر میں صرف کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن اگر وقف کے لئے قرض لے اور اس کی تعمیر میں خرچ کرے اور ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو یا اپنا مال صرف کردے اور وقف سے اپنا حق لے لینے کی نیت نہ رکھتا ہو۔ تو اس صورت میں موقوفات کی آمدنی سے بعد میں وصول کرلینے کا

يكن له ذلك بعده.

مسألة ٩٢ ـ تثبت الوقفية بالشياع المفيد للعلم أو الاطمئنان، و باقرار ذي اليد أو ورثته بعد موته، و بكونه في تصرف الوقف بأن يعامل المتصرفون فيه معاملة الوقف بلا معارض، و بالبيّنة الشرعية.

مسألة ٩٣ ـ لو أقر بالوقف ثم ادعى أن إقراره كان لمصلحة يسمع منه لكن يحتاج الى الإثبات لو نازعه منازع صالح، بخلاف ما اذا أوقع العقد و حصل القبض ثم ادعى أنه لم يكن قاصداً، فانه لا يسمع منه أصلاً، كما هو الحال في جميع العقود و الايقاعات.

مسألة ٩٤ ـ كما أن عمل المتصرفين معاملة الوقفية دليل على أصل الوقفية ما لم يثبت خلافها كذلك كيفية عملهم من الترتيب والتشريك و المصرف و غير ذلك دليل على كيفيته، فيتبع ما لم يعلم خلافها.

مسألة ٩٥ ـ لو كان ملك بيد شخص يتصرف فيه بعنوان الملكية لكن علم أنه قد كان في السابق وقفاً لم ينتزع من يده بمجرد ذلك ما لم يثبت و قفيته فعلاً، و كذا لو ادعى أحد أنه قد وقف على آبائه نسلاً بعد نسل و أثبت ذلك من دون أن يثبت كونه وقفاً فعلاً، نعم لو أقرّ ذو اليد في مقابل دعوى خصمه بأنه كان وقفاً إلا أنه قد حصل مسوغ البيع و قد اشتراه سقط حكم يده و ينتزع منه، و يلزم باثبات وجود المسوغ و وقوع الشراء.

مسألة ٩٦ ـ لو كان كتاب أو مصحف أو غيرهما بيد شخص و هو يدعي ملكيته و كان مكتوباً عليه أنه وقف لم يحكم بوقفيته بمجرده، فيجوز الشراء منه، نعم الظاهر أن وجود مثل ذلك عيب و نقص في العين، فلو خفي على المشتري حال البيع كان له الخيار.

مسألة ٩٧ ـ لو ظهر في تركة الميت ورقة بخطه أن ملكه الفلاني وقف و أنه وقع القبض و الاقباض لم يحكم بوقفيته بمجرده ما لم يحصل العلم أو الاطمئنان به، لاحتمال أنه كتب ليجعله وقفاً كما يتفق ذلك كثيراً.

حق دار نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۹۲: کسی چیز کا وقف ہونا چند چیزوں سے ثابت ہو جاتا ہے، اس کا وقف ہونا اس قدر مشہور ہو جائے کہ آدمی کو اس کے وقف ہو جانے کا یقین یا اطمینان حاصل ہو جائے، واقف کے مرنے کے بعد واقف کے وارث یا وہ شخص جس کے قبضہ میں وہ چیز ہو، اس کے وقف ہونے کا اقرار کریں، وہ چیز وقف کے تصرف میں ہو اور اہل معاملہ اس کے ساتھ بغیر کسی روک ٹوک کے وقف والا برتاؤ کریں، اس کے وقف ہونے پر شرعی گواہی قائم ہو جائے۔

مسئلہ ۹۳: اگر کسی چیز کے وقف ہونے کا اعتراف کرے اور اس کے بعد یہ ادعا کرے کہ اسکا اقرار کسی مصلحت پر مبنی تھا، تو اسکی یہ بات قبول کر لی جائے گی، لیکن اگر کوئی صاحب شخص اس کی تردید کر دے تو اسے ثابت کرنا پڑیگا۔ اس کے برخلاف اگر عقد واقع ہو جائے اور اس پر قبضہ بھی ہو جائے اس کے بعد ادعا کرے کہ وہ وقف کرنے کا قصد نہیں رکھتا تھا تو اس کا یہ ادعا ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا۔ جیسا کہ تمام عقود و ایقاعات میں یہی ہوتا ہے۔

مسئلہ ۹۴: جس طرح اہل تصرف کا کسی جائیداد میں وقفی جائیداد جیسا تصرف کرنا اس جائیداد کے وقف ہونے کی دلیل ہے جب تک اسکا وقف ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ اسی طرح جس کیفیت سے وہ تصرف کریں بشکل ترتیب وار یا مشترک طور پر یا اس کے علاوہ کسی اور نوعیت کا تصرف تو اس سے وقف کی کیفیت بھی معلوم ہو جاتی ہے اور جب تک اس کیفیت کے خلاف کوئی ثبوت نہ ملے اسی پر عمل کیا جائے گا۔

مسئلہ ۹۵: اگر کوئی جائیداد کسی شخص کے قبضہ میں ہو اور وہ اپنی ملکیت کی طرح اس میں تصرف کرتا ہو اور اس کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ سابق میں یہ جائیداد وقف تھی۔ تو جب تک اس جائیداد کا حال حاضر میں وقف ہونا ثابت نہ ہو جائے تب تک اس شخص سے وہ جائیداد نہیں لی جائیگی۔ اور یہی حکم اس وقت بھی ہوگا۔ جب شخص قابض یہ دعویٰ کرے کہ موجودہ جائیداد نسلاً بعد نسلٍ اس کے آباؤ اجداد کے لئے وقف تھی۔ اور وہ اس دعوے کو ثابت بھی کر دے لیکن اس جائیداد کا حال حاضر میں وقف ہونا ثابت نہ ہو سکے۔ البتہ اگر شخص قابض یہ ادعا کرے کہ جائیداد وقف تو تھی۔ لیکن بعد میں اسکو فروخت کر دینا جائز ہو گیا تھا اور میں نے اسے خرید لیا ہے تو اسکا قبضہ ختم ہو جائیگا وہ جائیداد اس سے لے لی جائیگی۔ اور اس سے کہا جائیگا کہ وہ جواز بیع اور خریداری کو ثابت کرے۔

مسئلہ ۹۶: کسی شخص کے پاس موجود کتاب یا قرآن مجید وغیرہ پر لکھا ہو کہ یہ وقف ہے لیکن وہ شخص دعویٰ کرے کہ یہ اسکی ملکیت ہے، تو صرف لکھے ہونے سے اس پر وقف ہونے کا حکم نہیں لگایا جائیگا۔ چنانچہ اس کتاب یا قرآن مجید کو اس سے خریدنا جائز ہے۔ البتہ ظاہراً اس لکھائی کو اس چیز کے عیب و نقص میں شمار کیا جائیگا۔ پس اگر یہ بات معاملہ کے وقت خریدار پر ظاہر نہ ہوئی ہو تو اسے معاملہ فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا۔

مسئلہ ۹۷: اگر میت کے ترکہ سے اس کی اپنی تحریر برآمد ہو جس پر لکھا ہو کہ اسکی فلاں جائیداد وقف ہے۔ اور اس میں قبض و اقباض بھی ہو چکا ہے۔ تو جب تک یقین یا اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک صرف اس تحریر کی بناء پر اس جائیداد کو وقف قرار نہیں دیا جائیگا۔ اس لئے کہ احتمال یہ ہے کہ اس نے وقف کرنے کی نیت سے لکھا ہو۔ لیکن وقف نہ کر پایا ہو جیسا کہ اکثر اتفاق ہوتا ہے۔

مسألة ٩٨ ـ إذا كانت العين الموقوفة من الأعيان الزكوية كالأنعام الثلاثة لم يجب على الموقوف عليهم زكاتها و إن بلغت حصة كل منهم النصاب، و أما لو كانت نماؤها منها كالعنب و التمر في الوقف الخاص وجبت الزكاة على كل من بلغت حصته النصاب من الموقوف عليهم، لأنها ملك طلق لهم بخلاف الوقف العام حتى مثل الوقف على الفقراء، لعدم كونه ملكاً لواحد منهم إلا بعد قبضه، نعم لو أعطي الفقير مثلاً حصة من الحاصل على الشجر قبل وقت تعلق الزكاة بتفصيل مر في كتاب الزكاة وجبت عليه لو بلغت النصاب.

مسألة ٩٩ ـ الوقف المتداول بين بعض الطوائف ـ يعمدون إلى نعجة أو بقرة و يتكلمون بألفاظ متعارفة بينهم و يكون المقصود أن تبقى و تذبح أولادها الذكور و تبقى الاناث و هكذا ـ الظاهر بطلانه لعدم تحقق شرائط صحته.

خاتمة:

تشتمل على أمرين: أحدهما في الحبس و ما يلحق به، ثانيهما في الصدقة.

القول في الحبس وأخواته

مسألة ١ ـ يجوز للشخص أن يحبس ملكه على كل ما يصح الوقف عليه، بأن تصرف منافعه فيما عيّنه على ما عيّنه، فلو حبسه على سبيل من سبل الخير و محال العبادات مثل الكعبة المعظمة و المساجد و المشاهد المشرفة فان كان مطلقا أو صرح بالدوام فلا رجوع بعد قبضه و لا يعود إلى ملك المالك و لا يورث، و إن كان إلى مدة لا رجوع إلى انقضائها، و بعده يرجع إلى المالك أو وارثه، ولو حبسه على شخص فان عين مدة أو مدة حياته لزم الحبس في تلك المدة، ولو مات الحابس قبل انقضائها يبقى على حاله إلى أن تنقضي، و إن أطلق و لم يعيّن وقتاً

مسئلہ ۹۸: اگر موقوفہ شئے ایسی چیزوں میں سے ہو جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جیسے انعام ثلاثہ (تین قسم کے جانور) تو جن لوگوں کے لئے وقف ہے ان پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہے چاہے ہر ایک کا حصّہ بقدرِ نصاب ہو جائے۔ لیکن اگر وقف شدہ چیز کے ثمرات ایسے ہوں جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جیسے انگور اور خرما، تو وقفِ خاص میں، جن لوگوں کیلئے وقف ہو ان میں سے جس کا حصّہ بھی نصاب کی حد تک پہونچ جائے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس لئے کہ وہ ان کی آزاد ملکیت ہیں۔ جب کہ وقفِ عام میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ یہاں تک کہ فقراء کے لئے جو کچھ وقف ہے اس میں بھی نہیں۔ اس لئے کہ وہ قبضہ کرنے سے پہلے کسی کی ملکیت نہیں۔ البتہ اگر زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے ہی درختوں پر موجود پھل میں سے کسی فقیر کو "کتاب زکوٰۃ" میں بیان شدہ تفصیل کے مطابق "حصّہ دے دیا جائے، تو اگر اس کا حصّہ نصاب تک پہونچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

مسئلہ ۹۹: بعض قبیلوں میں وقف کا ایک طریقہ رائج ہے کہ وہ مادہ گائے یا بھیڑ کو سامنے رکھ کر کچھ مخصوص کلمات زبان پر جاری کرتے ہیں جن سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی مادہ اولاد کو زندہ رکھا جائے اور نر اولاد کو ذبح کر دیا جائے۔ ظاہراً یہ وقف باطل ہے اس لئے کہ اس میں صحتِ وقف کے شرائط موجود نہیں۔

خاتمہ

دو چیزوں پر مشتمل ہے ۱:۔ حبس اور اس کے ملحقات ۲:۔ صدقہ کے احکام

حبس اور اس کے ملحقات کے احکام

مسئلہ ۱: انسان کے لئے ہر وہ چیز کہ جس کی خاطر وقف صحیح ہے۔ اس کی خاطر اپنی ملکیت کو حبس (مقیّد و مخصوص) کر دینا بھی جائز ہے اس طرح سے کہ اس کے منافع اس کی تعیین کے مطابق اس کے معیّن کردہ امور میں خرچ کئے جائیں۔ پس اگر وہ اپنی ملکیت کو نیک کاموں اور عبادت گاہوں، مثلاً کعبہ مکرم مسجدوں یا زیارتگاہوں کے لئے معیّن کرے اور بطور مطلق، یا صراحت کے ساتھ دائمی طور پر مقیّد کرے، تو قبضہ ہو جانے کے بعد اس جائیداد کو واپس نہیں لے سکتا۔ چنانچہ نہ وہ جائیداد دوبارہ مالک کی ملکیت بنے گی اور نہ ہی وارثوں کو ملیگی۔ لیکن اگر ایک مدّتِ معیّن تک مقیّد کرے تو مدّت پوری ہونے سے پہلے واپس نہیں لے سکتا۔ جب کہ مدّت پوری ہو جانے کے بعد وہ جائیداد اس کے مالک یا مالک کے وارثوں کو مل جائے گی۔ اگر کسی شخص کے لئے جائیداد مخصوص کرے اور مدّت معیّن کر دے یا اس کی زندگی تک اس کے لئے مخصوص کر دے تو اس مدّت میں وہ جائیداد اسی شخص کے لئے مخصوص ہو جائے گی۔ چنانچہ مدّت پوری ہونے سے پہلے حابس معیّن کرنے والے کے مرجانے کی صورت میں بھی وہ اپنی حالت

لزم مادام حياة الحابس، فان مات كان ميراثاً، و هكذا الحال لو حبس على عنوان عام كالفقراء، فان حدده. بوقت لزم إلى انقضائه، و إن لم يوقت لزم مادام حياة الحابس.

مسألة ٢ ـ لو جعل لأحد سكنى داره مثلاً بأن سلطه على إسكانها مع بقائها على ملكه يقال له: السكنى، سواء أطلق ولم يعيّن مدة كأن يقول: «أسكنتك داري» أو «لك سكناها» أو قدّره بعمر أحدهما كما إذا قال: «لك سكنى داري مدة حياتك» أو مدة حياتي، أو قدّره بالزمان كسنة و سنتين مثلاً، نعم لكل من الأخيرين اسم يختص به، و هو العمرى في أولها و الرقبى في الثاني.

مسألة ٣ ـ يحتاج كل من الثلاثة إلى عقد مشتمل على إيجاب من المالك وقبول من الساكن، فالايجاب كل ما أفاد التسليط المزبور عرفاً كأن يقول في السكنى: «أسكنتك هذه الدار» أو «لك سكناها» و ما أفاد معناهما بأيّ لغة كان، و في العمرى باضافة مدة حياتي أو حياتك، و في الرقبى باضافة سنة أو سنتين مثلاً، و للعمرى و الرقبى لفظان آخران، فللأولى أعمرتك هذه الدار عمرك أو عمري أو ما بقيت أو بقيت أو ما عشت أو عشت و نحوها، و للثانية أرقبتك مدة كذا، و القبول كل ما دل على الرضا بالايجاب.

مسألة ٤ ـ يشترط في كل من الثلاثة قبض الساكن، و هل هو شرط الصحة أو اللزوم؟ وجهان لا يبعد أولهما، فلو لم يقبض حتى مات المالك بطلت كالوقف على الأظهر.

مسألة ٥ ـ هذه العقود الثلاثة لازمة يجب العمل بمقتضاها، و ليس للمالك الرجوع و إخراج الساكن، ففي السكنى المطلقة حيث ان الساكن استحق مسمى الاسكان ولو يوماً لزم العقد في هذا المقدار، و ليس للمالك منعه عنه، و له الرجوع في الزائد متى شاء، و في العمرى و الرقبى لزم بمقدار التقدير، و ليس له إخراجه قبل انقضائه.

مسألة ٦ ـ لو جعل داره سكنى أو عمرى أو رقبى لشخص لم تخرج عن ملكه،

پر باقی رہے گی۔ یہاں تک کہ مدت پوری ہو جائے۔ اور اگر مدت معین نہ کرے بلکہ بطورِ مطلق مخصوص کر دے تو حابس کی زندگی تک وہ جاندار مخصوص رہے گی، اور اس کے مرنے کے بعد بطور میراث وارثوں کو مل جائے گی یہی حکم عنوانِ عام جیسے فقراء وغیرہ کے لئے کوئی جائیداد "حبس" کر دینے کا ہے کہ اگر وقت معین کر دے تو اس وقت تک اس کا محبوس رہنا ضروری ہے۔ لیکن اگر وقت معین نہ کرے تو حابس کی زندگی تک وہ جائیداد مقید رہے گی۔

مسئلہ ۲: اگر کسی شخص کے لئے گھر میں رہائش و سکونت کو مخصوص کرے، اس طرح کہ سکونت کا حق اسے دیدے اور گھر کو اپنی ملکیت میں رکھے تو شریعت کی زبان میں اسے "سکنیٰ" کہتے ہیں۔ چاہے بطور مطلق کہے اور مدت معین نہ کرے۔ مثال کے طور پر "میں نے تمھیں اپنے گھر میں ساکن کیا" یا اس گھر میں رہائش آپ سے مخصوص ہے۔ یا دونوں میں سے کسی ایک کی زندگی تک کی قید لگا دے، مثلاً میری یا تمھاری زندگی تک اس گھر میں آپ رہیں گے۔ یا ایک مخصوص مدت جیسے سال یا دو سال کی قید لگا دے۔ بہر حال تینوں صورتوں کو "سکنیٰ" کہتے ہیں۔ البتہ بعد والی دو صورتوں کی اپنی اپنی اصطلاح بھی ہے۔ چنانچہ جہاں مطلق رکھے یا عمر کی قید لگا دے اسے "عمریٰ" اور جہاں سال دو سال کی قید لگائے اسے "رقبیٰ" کہتے ہیں۔

مسئلہ ۳: سکنیٰ، عمریٰ اور رقبیٰ تینوں صورتوں میں حبس (معین) کرنے کے لئے ایجاب و قبول یعنی عقد کا ہونا لازمی ہے۔ ایجاب مالک کی طرف سے اور قبول ساکن کی جانب سے، ایجاب کے لئے ایسے الفاظ کا انتخاب کرے جو عرف عام میں سکونت پر مسلط کرنے کیلئے استعمال ہوتے ہوں۔ مثلاً سکنیٰ کی شکل میں معین کرنے کی صورت میں یہ کہے "میں نے تمھیں اس گھر کی سکونت دی" یا "اس گھر کی سکونت تمھارے لئے ہے۔ یا اسکے ہم معنیٰ و مفہوم الفاظ، کسی بھی زبان میں ادا کر سکتا ہے۔ اور حبس عمریٰ میں، مذکورہ الفاظ کے ساتھ اپنی زندگی یا ساکن کی زندگی تک کی قید کا اضافہ کرنا پڑیگا اور "رقبیٰ" میں سال دو سال کی قید لگانا پڑے گی۔ "عمریٰ" اور "رقبیٰ" کیلئے جداگانہ صیغہ بھی پڑھ سکتا ہے۔ مثلاً "عمریٰ" میں یوں کہے "میں نے تمھیں اس گھر میں آباد کیا" اپنی زندگی یا تمھاری زندگی تک یا جب تک میں باقی ہوں یا جب تک تم باقی ہو، یا جب تک میں زندہ ہوں یا جب تک تم زندہ ہو" یا اسی قبیل کے دوسرے الفاظ، اور "رقبیٰ" میں اس طرح کہے "ارقبتک مدۃ کذا" میں سال یا دو سال کے لئے تمھیں اس گھر کی سکونت دیتا ہوں" "قبول" کے لئے رضایت کو ظاہر کرنیوالے الفاظ کافی ہیں۔

مسئلہ ۴: تینوں صورتوں میں "ساکن" کا اس مکان پر قبضہ کر لینا شرط ہے۔ لیکن آیا یہ صحت عقد کی شرط ہے یا لزوم عقد کی۔ اسکی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت (یعنی اس کا صحت عقد کی شرط ہونا) بعید نہیں ہے۔ چنانچہ اگر مالک مر جائے اور ساکن نے قبضہ نہ کیا ہو تو اظہر یہ ہے کہ وقف کی مانند یہ عقد بھی باطل ہو جائے گا۔

مسئلہ ۵: یہ تینوں عقد لازم ہیں اور انکے تقاضوں پر عمل کرنا واجب ہے۔ چنانچہ مالک کو حق حاصل نہیں کہ وہ "ساکن" کو نکال کر اپنا مکان واپس لیلے۔ چنانچہ "سکنیٰ" اگر مطلق ہو تو اسمیں ساکن چونکہ صرف نام کیلئے سکونت کا مالک ہے چاہے ایک دن کیلئے ہی ہی۔ لہٰذا اسی مقدار میں عقد کی پابندی لازمی ہے اور مالک کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس مقدار میں سکونت سے ساکن کو روک دے۔ لیکن ساکن کے اسی مکان میں سکونت پذیر ہو جانے کے بعد جب چاہے عقد کو فسخ کر کے مکان واپس لے سکتا ہے۔ لیکن "عمریٰ" اور "رقبیٰ" میں معینہ مدت تک کیلئے عقد کی پابندی لازمی ہے۔ چنانچہ مدت پوری ہونے سے پہلے مالک ساکن کو نکالنے کا حق نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۶: "سکنیٰ" "عمریٰ" اور "رقبیٰ" میں سے کسی صورت میں بھی مکان کسی کے حوالے کرنے سے وہ مکان مالک کی ملکیت

و جاز بيعها، و لم تبطل العقود الثلاثة، بل يستحق الساكن السكنى على النحو الذي جعلت له، و كذا ليس للمشتري إبطالها، ولو كان جاهلاً فله الخيار بين فسخ البيع و إمضائه بجميع الثمن، نعم في السكنى المطلقة بعد مقدار المسمى يبطل العقد و ينفسخ إذا أريد بالبيع فسخه و تسليط المشتري على المنافع، فحينئذ ليس للمشتري الخيار.

مسألة ٧ ـ لو جعلت المدة في العمرى طول حياة المالك و مات الساكن قبله كان لورثته السكنى إلى أن يموت المالك، ولو جعلت طول حياة الساكن و مات المالك قبله ليس لورثته إخراج الساكن طول حياته، ولو مات الساكن ليس لورثته السكنى إلا إذا جعل له السكنى مدة حياته و لعقبه بعد وفاته فلهم ذلك، فاذا انقرضوا رجعت إلى المالك أو ورثته.

مسألة ٨ ـ هل مقتضى العقود الثلاثة تمليك سكنى الدار، فيرجع إلى تمليك المنفعة الخاصة، فله استيفاؤها مع الاطلاق بأيّ نحو شاء من نفسه و غيره مطلقا ولو أجنبياً، و له إجارتها و إعارتها، و تورث لو كانت المدة عمر المالك و مات الساكن دون المالك، أو مقتضاها الإلتزام بسكونة الساكن على أن يكون له الانتفاع و السكنى من غير أن تنتقل إليه المنافع، و لازمه عند الاطلاق جواز إسكان من جرت العادة بالسكنى معه كأهله و أولاده و خادمه و خادمته و مرضعة ولده وضيوفه، بل و كذا دوابه إن كان الموضع معداً لمثلها، و لا يجوز أن يسكن غيرهم إلا أن يشترط ذلك أو رضي المالك و لا يجوز أن يؤجر المسكن و يعيره، و يورث هذا الحق بموت الساكن، أو مقتضاها نحو إباحة لازمة، و لازمه كالاحتمال الثاني إلا في التوريث، فان لازمه عدمه؟ و لعل الأول أقرب خصوصاً في مثل «لك سكنى الدار» و كذا في العمرى و الرقبى، و مع ذلك لا تخلو المسألة من إشكال.

مسألة ٩ ـ كل ما صح وقفه صح إعماره من العقار و الحيوان والأثاث و غيرها، و الظاهر أن الرقبى بحكم العمرى، فتصح فيما يصح الوقف و أما السكنى

سے خارج نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسکا بیچ دینا جائز ہے۔ اور بیچنے سے یہ تینوں عقد باطل نہیں ہونگے۔ بلکہ ساکن اپنی معینہ سکونت کی مدت پوری کرنیکا حق رکھتا ہے۔ اسی طرح خریدار کو بھی ان عقود کو باطل کر دینیکا حق نہیں۔ البتہ اگر وہ اس صورت سے بے خبر ہو تو اسے اختیار ہے کہ چاہے تو بیع کو باقی رکھے یا فسخ کر دے اور اپنی پوری رقم وصول لے۔ ہاں اگر "سکنیٰ" بطور مطلق ہو تو ساکن کے اسمیں سکونت اختیار کرنے کے بعد عقد سکنیٰ باطل ہو جائے گا۔ اور اگر عقد بیع کے ذریعہ عقد سکنیٰ فسخ کرنا چاہیں اور خریدار کو مکان کے منافع کا مالک بنانا چاہیں تو عقدِ سکنیٰ فسخ ہو جائیگا تو ایسی صورت میں خریدار کو خیار فسخ کا حق حاصل نہیں۔

مسئلہ ۷: اگر "عمریٰ" میں مالک کی زندگی کو "مدتِ حبس" قرار دیا گیا ہو۔ اور ساکن مالک سے پہلے مر جائے تو مالک کی موت تک "ساکن" کے وارثوں کو سکونت کا حق حاصل رہے گا۔ لیکن اگر "ساکن" کی زندگی کو مدت قرار دیا جائے اور مالک اس سے پہلے مر جائے تو مالک کے وارث، ساکن کو اسکی زندگی تک نکالنے کا حق نہیں رکھتے۔ اور اگر ساکن مر جائے تو اس کے وارثوں کو سکونت کا حق نہیں۔ مگر یہ کہ ساکن کی وفات کے بعد ان کیلئے بھی حق سکونت رکھا گیا ہو۔ تو ان کو سکونت کا حق ہوگا۔ لیکن ان کے ختم ہوجانے کے بعد وہ مکان، مالک یا اس کے وارثوں کو ملے گا۔

مسئلہ ۸: آیا تینوں عقدوں کا مقتضا ساکن کو گھر کی سکونت کا مالک قرار دینا ہے کہ جسکا مطلب یہ ہے کہ اس کو خاص منفعت کا مالک بنایا جا رہا ہے کہ وہ بطورِ کامل جیسے چاہے اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ چاہے خود اس میں رہے یا کسی اپنے یا بیگانہ کو اسکی رہائش وگذار کرے۔ کرائے پر اٹھائے یا عاریتاً کسی کے حوالے کرے اور اگر مدتِ عقد مالک کی زندگی تک ہو اور ساکن مر جائے اور مالک زندہ رہے تو ساکن کے وارثوں کو وہ مکان ملے؟ یا ان عقود کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ساکن گھر کے منافع کا مالک نہیں بلکہ اس گھر میں اس کیلئے سکونت مباح ہے چنانچہ مطلق ہونے کی صورت میں اس کا لازمہ یہ ہے۔ کہ عادتاً جو لوگ اسکے ساتھ رہتے ہیں جیسے اسکی بیوی بچے خادم، خادمائیں، اسکے بچے کو دودھ پلانے والی اور اس کے مہمان، بلکہ اسکے مویشی وغیرہ بشرطیکہ وہ مکان مویشیوں کیلئے بنایا گیا ہو۔ سب کی رہائش اس میں جائز ہوگی۔ لیکن ان کے علاوہ کسی کے لئے اس میں رہنا جائز نہیں ہوگا مگر یہ کہ پہلے سے طے شدہ ہو یا مالک راضی ہو۔ چنانچہ اس کے لیے اس مکان کو کرائے پر اٹھانا، یا عاریت دینا جائز نہیں ہوگا۔ اور ساکن کے مرجانے کے بعد یہ حق اس کے وارثوں کو حاصل ہوگا (آیا یہ صورت ہے؟) یا ان عقود کا مقتضیٰ اباحۃ لازمی ہے؟ جس کی کیفیت دوسرے احتمال جیسی ہے۔ مگر اس میں وراثت نہیں اس لئے کہ اباحۃ لازمی (یعنی تیسرے احتمال) کا لازمہ عدم وراثت ہے۔ اور شاید ان تینوں صورتوں میں سے پہلی وجہ اقرب ہو۔ خاص طور سے جب یوں کہے "لک سکنیٰ الدار" اس گھر کی رہائش تمہارے لئے ہے اور اسی طرح "عمریٰ" اور "رقبیٰ" میں بھی۔ لیکن اس کے باوجود مسئلہ اشکال سے خالی نہیں۔

مسئلہ ۹: ہر وہ چیز جس کو وقف کرنا جائز ہے جیسے کھیت، حیوانات اور اثاثہ وغیرہ اس کو "عمریٰ" صورت میں مقید کرنا بھی جائز ہے اور بظاہر "رقبیٰ" کا حکم بھی وہی ہے جو "عمریٰ" کا ہے چنانچہ جس میں وقف صحیح ہے اس میں "رقبیٰ" بھی صحیح ہے۔ لیکن "سکنیٰ" مکانات کے لئے مخصوص ہے۔

maablib.org

فيختص بالمساكن.

القول في الصدقة

قد وردت النصوص الكثيرة على ندبها و الحث عليها خصوصاً في أوقات مخصوصة، كالجمعة و عرفة و شهر رمضان، و على طوائف مخصوصة كالجيران و الأرحام حتى ورد في الخبر «لا صدقة و ذو رحم محتاج» و عن رسول الله صلى الله عليه و آله «إن الله لا إله إلا هو ليدفع بالصدقة الداء والدبيلة و الحرقة و الغرق و الهدم و الجنون ـ وعدّ سبعين باباً من السوء ـ...» و قد ورد «أن الافتتاح بها في اليوم يدفع نحس يومه و في الليلة يدفع نحسها» و «أن صدقة الليل تطفىء غضب الرب و تمحو الذنب العظيم و تهون الحساب و صدقة النهار تثمر المال و تزيد في العمر» و «ليس شيء أثقل على الشيطان من الصدقة على المؤمن، و هي تقع في يد الربّ تبارك و تعالى قبل أن تقع في يد العبد» و عن علي بن الحسين عليه السلام «كان يقبّل يده عند الصدقة فقيل له في ذلك، فقال: إنها تقع في يدالله قبل أن تقع في يد السائل» و نحوه عن غيره عليه السلام، و عن النبي صلى الله عليه و آله «كل معروف صدقة إلى غني أو فقير، فتصدقوا ولو بشق التمرة، و اتقوا النار ولو بشق التمرة، فان الله يربيها لصاحبها كما يربي أحدكم فلوه أو فصيله حتى يوفيه إياها يوم القيامة و حتى يكون أعظم من الجبل العظيم» إلى غير ذلك.

مسألة ١ ـ يعتبر في الصدقة قصد القربة، و لا يعتبر فيها العقد المشتمل على الايجاب و القبول على الأقوى، بل يكفي المعاطاة، فتتحقق بكل لفظ أو فعل من إعطاء أو تسليط قصد به التمليك مجاناً مع نية القربة، و يشترط فيها الاقباض و القبض.

مسألة ٢ ـ لا يجوز الرجوع في الصدقة بعد القبض و إن كانت على أجنبي على الأصح.

صدقہ کے احکام

بہت سی روایتوں میں صدقہ کے استحباب اور اسکی ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے۔ خاص طور سے مخصوص اوقات جیسے جمعہ، روزِ عرفہ اور ماہِ رمضان وغیرہ اور اسی طرح کچھ خاص افراد کو صدقہ دینے پر بھی زور دیا گیا ہے جیسے پڑوسی اور اپنے قریبی رشتہ دار وغیرہ۔ حتیٰ یہ کہ حدیث میں ہے "لاصدقۃ وذو رحم محتاج" اگر اپنا قریبی عزیز ضرورتمند ہو تو دوسروں کو صدقہ دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور پیغمبر اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے "ان اللہ لاالٰہ الا ھو لیدفع بالصدقۃ الداء والدبیلۃ والحرقۃ والغرق والھدم والجنون الخ" بیشک اللہ کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، صدقہ کے ذریعہ ستر قسم کی آفتوں سے انسان کو بچاتا ہے۔ جن میں ظاہری اور باطنی امراض، آگ میں جلنا، غرق ہونا، مکان کے نیچے دب جانا اور جنون وغیرہ شامل ہیں۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ اگر دن اور رات کا آغاز صدقہ سے کیا جائے تو ان کی نحوستیں دور ہو جاتی ہیں۔ "وان صدقۃ اللیل تطفی غضب الرب وتمحو الذنب العظیم وتھون الحساب وصدقۃ النہار تثمر المال وتزید فی العمر" رات میں صدقہ نکالنا غضب پروردگار کے شعلوں کو خاموش کرتا ہے۔ گناہِ کبیرہ کو مٹاتا ہے۔ حساب کتاب کو آسان کرتا ہے اور دن میں صدقہ دینا مال میں اضافہ اور عمر میں زیادتی کا باعث بنتا ہے۔ "ولیس شیء اثقل علی الشیطان من الصدقۃ علی المؤمن، وھی تقع فی ید الرب تبارک وتعالیٰ قبل ان تقع فی ید العبد" مومن کو صدقہ دیئے جانے سے زیادہ شیطان کے لئے تکلیف دہ کوئی عمل نہیں۔ اور بندوں کے ہاتھوں میں پہونچنے سے پہلے صدقہ دستِ پروردگار تک پہونچتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے "کان یقبّل یدہ عند الصدقۃ فقیل لہ فی ذالک۔ فقال انھا تقع فی ید اللہ قبل ان تقع فی ید السائل" کہ حضرت صدقہ دیتے وقت اپنا ہاتھ چوما کرتے تھے۔ اس کا سبب دریافت کئے جانے پر حضرت نے فرمایا "سائل کے ہاتھ میں پہونچنے سے پہلے صدقہ اللہ کے ہاتھ میں پہونچتا ہے" حضرت کے علاوہ دوسرے معصومینؑ سے بھی ایسی حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔ پیغمبرِ اسلامؐ کا ارشاد ہے "کل معروف صدقۃ الی غنی او فقیر فتصدقوا ولو بشق التمرۃ، واتقوا النار ولو بشق التمرۃ۔ فان اللہ یربیھا لصاحبھا کما یربی احدکم فلوہ او فصیلہ حتیٰ یوفیہ ایاھا یوم القیامۃ وحتی یکون اعظم من الجبل العظیم" ہر احسان صدقہ ہے چاہے کسی امیر کے ساتھ ہو یا فقیر کے ساتھ، پس صدقہ دو چاہے آدھا خرما ہی کیوں نہ ہو۔ جہنم سے بچو چاہے آدھے خرمے کے ذریعہ۔ اس لئے کہ خدا صدقہ کو اس کے مالک کے لئے بڑھاتا ہے۔ جس طرح تم میں سے کوئی گھوڑے کے بچے یا اس کے دودھ چھڑاتے ہوئے بچے کی دیکھ بھال کرتا ہے تاکہ وہ قیامت کے دن اس کے ساتھ وفا کرے۔ اور وہ بڑے اونچے پہاڑ سے بھی زیادہ عظیم ہو جائے اس مضمون کی اور بھی روایتیں ہیں جو صدقہ کے بارے میں ہیں۔

مسئلہ ۱: صدقہ دیتے وقت قربۃً الی اللہ کی نیت کرنا شرط ہے اور اقویٰ یہ ہے کہ صدقہ میں ایجاب و قبول پر مشتمل عقد کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے معاطات لینا اور دینا ہی کافی ہے۔ چنانچہ اگر مفت میں کسی کو کسی چیز کا مالک بنانے کے ساتھ تقرب الٰہی کی نیت کرے اور وہ چیز اس کے حوالے کر دے۔ تو چاہے زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے صدقہ متحقق ہو جائیگا۔ البتہ صدقہ کو مستحق کے حوالے کرنا اور مستحق کا اس پر قبضہ کرنا شرط ہے۔

مسئلہ ۲: اصح یہ ہے کہ قبضہ ہو جانے کے بعد صدقہ میں دی گئی چیز کو واپس لینا جائز نہیں چاہے کسی غیر ہی کو کیوں نہ دے۔

مسألة ٣ ـ تحل صدقة الهاشمي لمثله و لغيره مطلقا حتى الزكاة المفروضة و الفطرة، و أما صدقة غير الهاشمي للهاشمي فتحل في المندوبة و تحرم في الزكاة المفروضة و الفطرة، و أما غيرهما من المفروضات كالمظالم و الكفارات و نحوهما فالظاهر أنها كالمندوبة و إن كان الأحوط عدم إعطائهم لها و تنزههم عنها.

مسألة ٤ ـ يعتبر في المتصدق البلوغ و العقل و عدم الحجر لفلس أوسفه، فلا تصح صدقة الصبي حتى من بلغ عشراً.

مسألة ٥ ـ لا يعتبر في المتصدق عليه في الصدقة المندوبة الفقر و لا الايمان و لا الاسلام، فتجوز على الغني و على الذمي و المخالف و إن كانا أجنبيين، نعم لا تجوز على الناصب و لا على الحربي و إن كانا قريبين.

مسألة ٦ ـ الصدقة سراً أفضل، فقد ورد «أن صدقة السر تطفىء غضب الرب و تطفىء الخطيئة كما يطفىء الماء النار و تدفع سبعين باباً من البلاء» نعم لو اتهم بترك المواساة فأراد دفع التهمة عن نفسه أو قصد اقتداء غيره به لا بأس بالاجهار بها و لم يتأكد إخفاؤها، هذا في المندوبة، وأما الواجبة فالأفضل إظهارها مطلقا.

مسألة ٧ ـ يستحب المساعدة و التوسط في إيصال الصدقة، فعن النبي صلى الله عليه و آله في خطبة له «و من تصدق بصدقة عن رجل الى مسكين كان له مثل أجره، ولو تداولها أربعون ألف انسان ثم وصلت الى المسكين كان لهم أجر كامل، وما عندالله خير و أبقى للذين اتقوا و أحسنوا لو كنتم تعلمون».

مسألة ٨ ـ يكره كراهة شديدة أن يتملك من الفقير ما تصدق به بشراء أو اتهاب أو بسبب آخر بل قيل بحرمته، نعم لا بأس بأن يرجع اليه بالميراث.

مسألة ٩ ـ يكره رد السائل ولو ظن غناه، بل يعطى ولو شيئاً يسيراً.

مسألة ١٠ ـ يكره كراهة شديدة السؤال من غير احتياج، بل مع الحاجة أيضاً، بل قيل بحرمة الأول، و لا ينبغي ترك الاحتياط، و قد ورد فيه الازعاج الأكيد، ففي الخبر «من سأل الناس و عنده قوت ثلاثة أيام لقى الله يوم القيامة و ليس على وجهه لحم».

مسئلہ ۳: سید ہاشمی کا صدقہ ہاشمی اور غیر ہاشمی دونوں کے لئے مطلقاً حلال ہے چاہے زکوٰۃ واجب اور فطرہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن ہاشمی غیر ہاشمی سے مستحب صدقہ تو لے سکتا ہے مگر واجب صدقہ جیسے زکوٰۃ اور فطرہ اس کے لئے حرام ہے۔ لیکن زکوٰۃ اور فطرہ کے علاوہ جو چیزیں فرض ہوئی ہیں جیسے ردّ مظالم اور کفارات وغیرہ تو ظاہراً ان کا حکم وہی ہے جو مستحب صدقہ کا ہے۔ اگرچہ احوط یہ ہے کہ اس قسم کا صدقہ بھی ہاشمیوں کو نہ دیا جائے اور وہ لوگ بھی اس کو لینے سے پرہیز کریں۔

مسئلہ ۴: صدقہ دینے والے کا بالغ اور عاقل ہونا اور مفلسی یا سفاہت کی وجہ سے ممنوع التصرّف نہ ہونا شرط ہے۔ چنانچہ بچہ اگر صدقہ دے تو وہ صحیح نہیں چاہے وہ دس سال کا ہی کیوں نہ ہو۔

مسئلہ ۵: مستحبی صدقہ میں جس کو صدقہ دیا جا رہا ہو اس کا فقیر، مومن یا مسلمان ہونا شرط نہیں۔ چنانچہ کسی غنی، کافر ذمّی یا سنّی کو بھی صدقہ دیا جا سکتا ہے۔ چاہے اجنبی ہی کیوں نہ ہوں۔ البتہ ناصبی اور کافر حربی کو صدقہ دینا جائز نہیں چاہے اپنے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

مسئلہ ۶: مخفی طور پر صدقہ دینا افضل ہے چنانچہ حدیث میں ہے "مخفی طور پر صدقہ دینا غضب پروردگار کو ختم کرتا ہے اور گناہوں کو اس طرح مٹاتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے اور ستّر قسم کی آفتوں کو دفع کرتا ہے" البتہ اگر کسی شخص پر حسن سلوک نہ کرنے کا الزام ہو اور وہ اس تہمت کے دھبّہ کو مٹانا چاہتا ہو، یا اس کا ارادہ یہ ہو کہ کوئی دوسرا بھی اس کی اقتدا کرے تو اس صورت میں علی الاعلان صدقہ دینے میں کوئی حرج نہیں اور اس کا چھپانا ضروری نہیں۔ یہ تو تھا مستحبی صدقہ کا حکم اب رہی واجب صدقہ کی بات افضل یہ ہے کہ اسے ہر حال میں دوسروں پر ظاہر کیا جائے۔

مسئلہ ۷: صدقہ پہونچانے میں واسطہ اور مدد کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے ایک خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا "کسی کی طرف سے اگر کوئی کسی مسکین کو صدقہ دینے میں واسطہ قرار پائے تو اس کو صدقہ دینے والے کے برابر ثواب ملتا ہے اور اگر چالیس ہزار انسان یہ کام کریں اور اس کے بعد صدقہ مسکین تک پہونچے تو سب کو اس کا پورا پورا ثواب ملے گا۔ اگر تم اس حقیقت کو درک کر لو۔ صاحبانِ تقویٰ اور نیکی کرنیوالوں کے لئے اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ سراسر خیر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

مسئلہ ۸: جو چیز کسی فقیر کو بطور صدقہ دی جائے اس کا مالک بننا چاہے خرید کر یا ہبہ کے ذریعہ یا کسی اور طریقے سے ہو شدیداً مکروہ ہے۔ بلکہ بعض نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ البتہ اگر بطور میراث وہ چیز اسے مل جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ ۹: سائل کو خالی ہاتھ واپس کرنا مکروہ ہے چاہے اس کے مالدار ہونے کا گمان رکھتا ہو بلکہ اس کو کچھ نہ کچھ دینا چاہیئے چاہے کوئی معمولی چیز ہی کیوں نہ ہو۔

مسئلہ ۱۰: بغیر ضرورت کے کسی سے مانگنا شدّت کے ساتھ مکروہ ہے بلکہ ضرورت کے باوجود بھی مکروہ ہے بلکہ بغیر ضرورت کے مانگنے کو بعض نے حرام قرار دیا ہے لہٰذا احتیاط کو نہ چھوڑا جائے۔ روایت میں بڑی تاکید کے ساتھ اس سے روکا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جس کے پاس تین دن کی خوراک موجود ہو اور وہ لوگوں سے مانگتا پھرے تو قیامت کے دن اس طرح پروردگار سے ملاقات کرے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نام کو بھی نہیں ہوگا۔"

كتاب الوصية

و هي إما تمليكية كأن يوصي بشيء من تركته لزيد، و يلحق بها الايصاء بالتسليط على حق، و إما عهدية كأن يوصي بما يتعلق بتجهيزه أو باستيجار الحج أو الصلاة أو نحوهما له، و إما فكية تتعلق بفك ملك كالايصاء بالتحرير.

مسألة ١ ـ إذا ظهرت للانسان أمارات الموت يجب عليه إيصال ما عنده من أموال الناس من الودائع و البضائع و نحوها إلى أربابها، و كذا أداء ما عليه خالقياً كقضاء الصلوات و الصيام و الكفارات و غيرها، أو خلقياً إلا الديون المؤجلة، ولو لم يتمكن من الإيصال و الاتيان بنفسه يجب عليه أن يوصي بايصال ما عنده من أموال الناس إليهم، و الاشهاد عليها خصوصاً إذا خفيت على الورثة، و كذا بأداء ما عليه من الحقوق المالية خلقياً كالديون والضمانات و الديات و أروش الجنايات أو خالقياً كالخمس و الزكاة و الكفارات و نحوها، بل يجب عليه أن يوصي بأن يستأجر عنه ما عليه من الواجبات البدنية مما يصح فيها الاستيناب و الاستئجار كقضاء الصلاة و الصوم ان لم يكن له ولي يقضيها عنه، بل ولو كان له ولي لا يصح منه العمل أو كان ممّن لا يوثق باتيانه أو يرى عدم صحة عمله.

مسألة ٢ ـ إن كان عنده أموال الناس أو كان عليه حقوق و واجبات لكن

کتابِ وصیّت

وصیت یا تملیکہ ہے جیسے اپنے ترکہ میں سے کسی چیز کے سلسلے میں زید کیلئے وصیت کرکے اور حق پر مسلط ہونیکے لئے وصیت کرنا اس سے ملحق ہے یا پھر وصیت عہدیہ ہے شلاً تجہیز و تکفین کیلئے وصیت کرنا یا حج یا نماز وغیرہ کے لئے کسی کو اُجرت دیکر معین کرنے کی وصیت کرے یا فکیہ ہے جس کا تعلق کسی چیز کو ملکیت سے خارج کرنے سے ہے۔ مثلاً غلام کو آزاد کرنے کے لئے وصیت کرنا۔

مسئلہ ۱: جب انسان پر موت کی علامتیں ظاہر ہو جائیں تو اس پر واجب ہے کہ لوگوں کی امانتیں یا اموال تجارت جو اس کے پاس ہوں انکے مالکوں تک پہنچا دے۔ اسی طرح حقوق اللہ مثلاً نماز، روزہ کی قضاء، وکفارہ وغیرہ یا حق الناس مدت دار قرضوں کے علاوہ جو اس کے ذمے ہوں انھیں ادا کرے۔ اگر خود انھیں پہنچانے یا انجام دینے پر قادر نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ لوگوں کا مال اُن تک پہنچانے کیلئے وصیت کرے اور گواہ معین کرے۔ خاص طور سے ایسی صورت میں جب لوگوں کا مال اسکے وارثوں سے مخفی ہو اسیطرح جو لوگوں کے مالی حقوق اسکے ذمہ ہوں مثلاً قرض، ضمانتیں، دیتیں، جرائم کا خسارہ یا حقوق اللہ مثلاً خمس، زکوٰۃ اور کفارے وغیرہ کی ادائگی کیلئے وصیت کرنا واجب ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ جسمانی واجبات جن کے لئے نائب قرار دینا اور اُجرت دیکر کسی کو معین کرنا صحیح ہے ان کیلئے بھی وصیت کرے۔ مثلاً نماز، روزے کی قضا، جب کہ اس کا کوئی ولی نہ ہو جو انھیں ادا کرے، بلکہ چاہے کوئی ایسا ولی ہو بھی کہ جس کا عمل صحیح نہ ہو یا ان لوگوں میں سے جن کی انجام دہی پر اسے اطمینان نہ ہو یا اس کے عمل کو صحیح نہ پاتا ہو۔

مسئلہ ۲: اگر لوگوں کا مال اس کے پاس ہو یا حقوق و واجبات اس کے ذمے ہوں، لیکن وہ یہ جانتا ہو یا اطمینان

يعلم أو يطمئن بأن أخلافه يوصلون الأموال و يؤدون الحقوق و الواجبات لم يجب عليه الايصال و الايصاء و إن كان أحوط و أولى.

مسألة ٣ ـ يكفي في الوصية كل مادل عليها من الألفاظ من أيّ لغة كان، و لا يعتبر فيها لفظ خاص، ففي التمليكية يقول: «أوصيت لفلان بكذا» أو أعطوا فلاناً أو ادفعوا إليه بعد موتي أو لفلان بعد موتي كذا و نحوها بأيّ نحو يفيد ذلك، و في العهدية افعلوا بعد موتي كذا و كذا، و الظاهر الاكتفاء بالكتابة حتى مع القدرة على النطق خصوصاً في الوصية العهدية إذا علم أنه كان في مقام الوصية و كانت العبارة ظاهرة الدلالة على المعنى المقصود، فيكفي وجود مكتوب من الموصي بخطه و إمضائه أو خاتمه إذا علم من قرائن الأحوال كونه بعنوان الوصية، فيجب تنفيذها، بل الاكتفاء بالاشارة المفهمة حتى مع القدرة على النطق أو الكتابة لا يخلو من قوة و إن كان الأحوط عدم الايصاء بها اختياراً.

مسألة ٤ ـ للوصية التمليكية أركان ثلاثة: الموصي و الموصى به و الموصى له، و قوام العهدية بأمرين: الموصي و الموصى به، نعم إذا عين الموصي شخصاً لتنفيذ ها تقوم حينئذ بأمور ثلاثة: هما و الموصى إليه، و هو الذي يطلق عليه الوصي.

مسألة ٥ ـ لا إشكال في أن الوصية العهدية لاتحتاج إلى قبول، نعم لو عيّن وصياً لتنفيذها لابد من قبوله لكن في وصايته لا في أصل الوصية و أما الوصية التمليكية فان كانت تمليكاً للنوع كالوصية للفقراء و السادة فهي كالعهدية لا يعتبر فيها القبول، و إن كانت تمليكاً للشخص فالمشهور على أنه يعتبر فيها القبول من الموصى له، و الظاهر أن تحقق الوصية و ترتب أحكامها من حرمة التبديل و نحوها لا يتوقف على القبول، لكن تملك الموصى له متوقف عليه، فلا يتملك قهراً، فالوصية من الايقاعات لكنها جزء سبب للملكية في الفرض.

مسألة ٦ ـ يكفي في القبول كل ما دل على الرضا قولاً أو فعلاً كأخذ الموصى

رکھتا ہو کہ اسکے اخلاف مال پہنچادیں گے اور اسکے ذمے حقوق وواجبات کو ادا کر دیں گے تو اس پر پہنچانا یا وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔ اگرچہ احوط واولی وصیت کرنا ہے۔

مسئلہ ۳: وصیت میں تمام ایسے الفاظ جو وصیت پر دلالت کرتے ہوں کافی ہیں۔ چاہے وہ جس زبان میں ہوں۔ اور اس میں کوئی خاص لفظ معتبر و معین نہیں ہے۔ پس تملیکیہ میں کہے: "میں نے فلاں کے لئے یہ .... وصیت کی" یا "میرے مرنے کے بعد فلاں شخص کو یہ چیز دے دو" یا فلاں شخص کے لئے میرے مرنے کے بعد فلاں فلاں چیز ہے.... وغیرہ چاہے جس صورت میں یہ مفہوم ادا ہوتا ہو۔ اور عہدیہ میں کہے۔ "میری موت کے بعد فلاں عمل انجام دو" اور بظاہر اس کا لکھ دینا ہی کافی ہے۔ چاہے وہ اسے کہنے کی طاقت رکھتا ہو خاص طور سے وصیت عہدیہ میں جب کہ یہ معلوم ہو کہ وہ وصیت کر رہا ہے۔ اور وصیت کی عبارت واضح طور پر اس کے مقصود پر دلالت کرتی ہو۔

پس ایسی تحریر کا ہونا جو وصیت کرنے والے کی ہو یا اس پر اس کا دستخط یا مہر ہو کافی ہے۔ جب کہ قرائن وحالات سے یہ معلوم ہو کہ وہ تحریر وصیت کے عنوان سے لکھی گئی ہے۔

پس اس کی تعمیل واجب ہے۔ بلکہ ایسے اشارہ پر ہی اکتفاد کرنا جو سمجھ میں آنے والا ہو قوت سے خالی نہیں ہے چاہے وصیت کرنے والا بولنے یا لکھنے پر قادر بھی رہا ہو۔ اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ اختیار کی حالت میں اشارہ سے وصیت نہ کرے۔

مسئلہ ۴: وصیتِ تملیکیہ کے تین رکن ہیں۔ موصی۔ وصیت کرنے والا۔ موصیٰ بہ، وہ چیز جس کی وصیت کی جائے اور موصیٰ لہ۔ وہ شخص جس کے لئے وصیت کی جائے۔ جب کہ وصیت عہدیہ دو چیزوں پر قائم ہے۔ موصی۔ اور موصیٰ بہ۔

البتہ وصیت عہدیہ میں اگر وصیت کرنے والا وصیت کو نافذ کرنے کے لئے کسی شخص کو معین کرے تو اس صورت میں عہدیہ بھی تین چیزوں پر قائم ہوگی۔ جن دو تو وہی موصی اور موصیٰ بہ ہیں، اور ان کے علاوہ موصیٰ الیہ بھی ہے۔ اور یہی وہ شخص ہے جسے اصطلاح میں وصی کہتے ہیں۔

مسئلہ ۵: وصیت عہدیہ کے قبول کی محتاج نہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ البتہ اگر وصیت کو نافذ کرنیکے لئے کسی شخص کو معین کرے تو اس صورت میں قبول کرنا ضروری ہے۔ البتہ قبول کرنا صرف وصی ہونیکے لئے ضروری ہے۔ اصل وصیت کے لئے ضروری نہیں۔ اور وصیت تملیکیہ اگر کسی نوع کی تملیک کیلئے ہو جیسے فقراء اور سادات کے لئے وصیت، تو اس صورت میں تملیکیہ کا حکم بھی عہدیہ جیسا ہے۔ یعنی اس میں بھی قبول کرنا ضروری نہیں۔ لیکن اگر وصیت کسی شخص کو مالک بنانے کے لئے ہو تو مشہور کا نظریہ یہ ہے کہ: موصیٰ لہ (یعنی جس کے لئے وصیت کی گئی ہے) کا قبول کرنا معتبر ہے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ وصیت کا تحقق اور اس کے احکام کا مرتب ہونا مثلاً یہ کہ اس کو تبدیل کرنے کی حرمت وغیرہ قبول پر موقوف نہیں۔ لیکن موصیٰ لہ کا مالک ہونا قبول کرنے پر موقوف ہے چنانچہ قہراً مالک نہیں ہو جائے گا۔ بناء بر این وصیت اگرچہ ایقاعات میں سے ہے لیکن اس فرض میں وصیت سبب ملکیت کا جزء ہے۔

به و التصرف فيه بقصد القبول.

مسألة ٧ ـ لا فرق بين وقوع القبول في حياة الموصي أو بعد موته كما لا فرق في الواقع بعد الموت بين أن يكون متصلاً به أو متأخراً عنه مدة.

مسألة ٨ ـ لو ردّبعضاً و قبل بعضاً صح فيما قبله و بطل فيما ردّه على الأقوى إلا إذا أوصى بالمجموع من حيث المجموع.

مسألة ٩ ـ لو مات الموصى له في حياة الموصي أو بعد موته قبل أن يصدر منه ردّ أو قبول قام ورثته مقامه في الرد و القبول فيملكون الموصى به بقبولهم كمورثهم لو لم يرجع الموصي عن وصيته.

مسألة ١٠ ـ الظاهر أن الوارث يتلقى المال من الموصي ابتداءً، لا أنه ينتقل إلى الموصى له أولاً ثم إلى وارثه و إن كانت القسمة بين الورثة مع التعدد على حسب قسمة المواريث، فعلى هذا لا يخرج من الموصى به ديون الموصى له و لا تنفذ فيه وصاياه.

مسألة ١١ ـ إذا قبل بعض الورثة وردّ بعضهم صحت الوصية فيمن قبل و بطلت فيمن ردّ بالنسبة.

مسألة ١٢ ـ يعتبر في الموصي البلوغ و العقل و الاختيار و الرشد، فلا تصح وصية الصبي، نعم الأقوى صحة وصية البالغ عشراً إذا كانت في البر و المعروف كبناء المساجد و القناطر و وجوه الخيرات و المبّرات، و كذا لا تصح وصية المجنون ولو أدوارياً في دور جنونه، و لا السكران و لا المكره و لا المحجور عليه إذا كانت متعلقة بالمال المحجور فيه.

مسألة ١٣ ـ يعتبر في الموصي مضافاً إلى ما ذكر أن لا يكون قاتل نفسه متعمداً، فمن أوقع على نفسه جرحاً أو شرب سماً أو ألقى نفسه من شاهق و نحو ذلك مما يقطع أو يظن كونه مؤدياً إلى الهلاك لم تصح وصيته المتعلقة بأمواله، وإن كان إيقاع ما ذكر خطأ أو كان مع ظن السلامة فاتفق موته به نفذت وصيته، ولو أوصى ثم أحدث في نفسه ما يؤدي إلى هلاكه لم تبطل وصيته و إن كان

مسئلہ ۶: ہر وہ قول و فعل جو رضایت پر دلالت کرتا ہو قبول کے لئے کافی ہے۔ مثلاً جس چیز کے متعلق وصیت کی گئی ہو قبول کرنے کے ارادے سے اسے لے کر اس میں تصرف کرنا۔

مسئلہ ۷: اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وصیت کنندہ کی حیات میں واقع ہو یا اس کی موت کے بعد جیساکہ اس بات میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کہ موصی کی موت کے فوراً بعد قبول کرے۔ یا کچھ عرصہ گذرنے کے بعد قبول کرے۔

مسئلہ ۸: اگر وصیت کا کچھ حصّہ قبول کر لیا جائے۔ اور کچھ رد کر دیا جائے تو بنا بر اقویٰ قبول شدہ کی بہ نسبت وصیت صحیح اور ما بقی کی بہ نسبت باطل ہوگی مگر یہ کہ وصیت کرنے والا تمام اموال کی یکجا وصیت کرے۔

مسئلہ ۹: اگر موصیٰ لہ موصی کی زندگی میں یا موصی کے مرنے کے بعد قبول یا رد کا فیصلہ سنائے۔ بغیر مر جائے تو اس صورت میں قبول و رد کا فیصلہ اس کے وارث کریں گے۔ اور قبول کی صورت میں موصیٰ لہ کی طرح موصی بہ کے بھی وارث ہو جائیں گے۔ بشرطیکہ وصیت کنندہ اپنی وصیت سے نہ پھرے۔

مسئلہ ۱۰: ظاہر یہ ہے کہ وارث مال کو ابتداً ہی موصی سے لے گا نہ یہ کہ موصی لہ پہلے اپنی تحویل میں لے گا۔ اور پھر وارث کو ملے گا۔

اگرچہ وارثوں کے متعدد ہونے کی صورت میں اس کی تقسیم میراث کی اساس ہوگی اس بنا پر موصی بہ سے موصیٰ لہ کے قرض خارج نہیں ہوں گے اور اس میں اس کی وصیت نافذ نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۱۱: اگر بعض وارث قبول کریں اور بعض ٹھکرا دیں تو جنھوں نے قبول کیا ہے ان کے حصّہ میں وصیت صحیح ہے اور جنھوں نے رد کیا ہے ان کے حصّہ میں باطل ہے۔

مسئلہ ۱۲: وصیت کرنے والے کا بالغ، عاقل، با اختیار اور ذی ہوش ہونا معتبر ہے۔ لہٰذا بچّے کی وصیت صحیح نہیں البتہ اقویٰ یہ ہے کہ اگر بچہ دس سال کا ہو تو مسجدوں اور پلوں وغیرہ جیسے امور خیر کی انجام دہی کے لئے اس کی وصیت صحیح ہے۔ اسی طرح دیوانے کی وصیت چاہے وہ ادواری ہی ہو اس کے دورِ جنون میں صحیح نہیں اور نہ مست، مجبور کئے گئے اور ایسے شخص کی وصیت صحیح ہے جو اپنے مال میں تصرف کا حق نہ رکھتا ہو۔ بشرطیکہ وصیت اس مال سے متعلق ہو جس میں تصرف کا حق نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۱۳: مذکورہ شرطوں کے علاوہ وصیت کرنے والے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ اس نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کیا ہو۔ پس اگر کوئی اپنے کو زخمی کرے۔ زہر پئے یا کسی بلندی سے گر جائے یا اس طرح کوئی حرکت کرے جس سے اس کی موت واقع ہو جانے کا یقین یا گمان ہو جائے۔ تو اموال سے متعلق اس کی وصیت صحیح نہیں۔ اور اگر غلطی سے مذکورہ امور میں سے کسی ایک کا مرتکب ہو یا اس کے زندہ رہ جانے کا گمان ہو۔ لیکن اتفاقاً مر جائے تو اسکی وصیت نافذ ہے۔ اور اگر وصیت کرنے کے بعد اپنے اندر ایسی خرابی پیدا کرے جو اس کے ہلاکت کا باعث ہو۔ تو اس کی وصیت باطل نہیں ہوگی۔ اگرچہ وصیت کرتے وقت اس کا خیال یہ رہا ہو کہ وہ بعد میں ایسی خرابی اپنے اندر ایجاد کرے گا۔

حين الوصية بانياً على أن يحدث ذلك بعدها.

مسألة ١٤ ـ لا تبطل الوصية بعروض الأغماء و الجنون للموصي و إن بقيا إلى حين الممات.

مسألة ١٥ ـ يشترط في الموصى له الوجود حين الوصية، فلا تصح للمعدوم كالميت أو لما تحمله المرأة في المستقبل و لمن سيوجد من أولاد فلان و تصح للحمل بشرط وجوده حين الوصية و إن لم تلجه الروح، و إنفصاله حياً، فلو انفصل ميتاً بطلت و رجع المال ميراثاً لورثة الموصي.

مسألة ١٦ ـ تصح الوصية للذمي و كذا للمرتد الملي إن لم يكن المال مما لا يملكه الكافر كالمصحف، و في عدم صحتها للحربي و المرتد الفطري تأمل.

مسألة ١٧ ـ يشترط في الموصى به في الوصية التمليكية أن يكون مالاً أو حقاً قابلاً للنقل كحق التحجير و الاختصاص، من غير فرق في المال بين كونه عيناً أو ديناً في ذمة الغير أو منفعة، و في العين بين كونها موجودة فعلاً أو مما ستوجد، فتصح الوصية بما تحمله الدابة أو يثمر الشجر في المستقبل.

مسألة ١٨ ـ لابد و أن تكون العين الموصى بها ذات منفعة محللة مقصودة حتى تكون مالاً شرعاً، فلا تصح الوصية بالخمر غير المتخذة للتخليل و الخنزير و آلات اللهو و القمار، ولا بالحشرات و كلب الهراش و نحوها، وأن تكون المنفعة الموصى بها محللة مقصودة، فلا تصح الوصية بمنفعة المغنية و آلات اللهو، و كذا منفعة القردة و نحوها.

مسألة ١٩ ـ لا تصح الوصية بمال الغير و إن أجاز المالك إذا كان الايصاء به عن نفسه بأن جعل مال الغير لشخص بعد وفاة نفسه، و أما عن الغير بأن جعله لشخص بعد وفاة مالكه فلا تبعد صحته و نفوذه بالاجازة.

مسألة ٢٠ ـ يشترط في الوصية العهدية أن يكون ما أوصى به عملاً سائغاً تعلق به أغراض العقلاء، فلا تصح الوصية بصرف ما له في معونة الظلمة و قطاع الطريق و تعمير الكنائس و نسخ كتب الضلال و نحوها، و كذا بصرف المال

مسئلہ ۱۴: وصیت کرنے والے پر بے ہوشی اور پاگل پن کے عارض ہو جانے سے وصیت باطل نہیں ہوگی چاہے اس کے مرنے تک یہ عارضے باقی رہیں۔

مسئلہ ۱۵: وصیت کے وقت موصیٰ لہ کا موجود ہونا شرط ہے لہٰذا معدوم جیسے میت یا اس بچے کے لئے کہ جس سے مستقبل میں عورت حاملہ ہو۔ یا اس کے لئے جو بعد میں کسی دوسرے شخص کے گھر پیدا ہو۔ وصیت صحیح نہیں۔ البتہ اگر وصیت کے وقت حمل موجود ہو چاہے۔ ابھی اس میں روح نہ پھونکی گئی ہو۔ اور بچہ ماں کے شکم سے زندہ پیدا ہو تو وصیت صحیح ہے۔ پس اگر بچہ مُردہ پیدا ہو تو وصیت باطل ہے اور مال وصیت کرنے والے کے وارثوں کی میراث قرار پائے گا۔

مسئلہ ۱۶: کافر ذمی اور مرتد ملی کے لئے ان چیزوں کے علاوہ کہ جن کا کافر مالک نہیں بن سکتا جیسے قرآن وصیت صحیح ہے۔ اور مرتدِ فطری اور کافر حربی کی وصیت صحیح نہ ہونے میں تامل ہے۔

مسئلہ ۱۷: وصیت تملیکیہ میں جس چیز کی وصیت کی جائے۔ اس کا مال ہونا یا قابلِ نقل ہونا جیسے حق اختصاص اور حق تحجیر شرط ہے۔ مال چاہے "عین" ہو یا دین ہو کسی کے ذمے یا منفعت ہو۔

اور اسی طرح عین شئی۔ چاہے موجودِ فعلی ہو یا بعد میں موجود ہونے والی ہو۔ پس جانور کے حمل اور درخت کے آئندہ کے پھلوں کی وصیت کرنا صحیح ہے۔

مسئلہ ۱۸: جس چیز کے متعلق وصیت کی جا رہی ہو اس کا دائرے منفعت حلال اور قابلِ قصد ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ شرعی مال کے حکم میں آئے۔ پس ایسے شراب کی وصیت کرنا جو سرکہ بنانے کے لئے نہ ہو یا سور کھیل کود اور جوئے کے اسباب کی وصیت صحیح نہیں۔ اور نہ کیڑے مکوڑوں اور وحشی کتے وغیرہ کی وصیت صحیح ہے۔ اور جس منفعت کی وصیت کی جائے وہ بھی حلال اور قابلِ قصد ہو۔ چنانچہ گانے والے اور آلاتِ لھو کی منفعت کی وصیت درست نہیں اور اس طرح بندر وغیرہ کی وصیت بھی صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۹: دوسرے کے مال کی وصیت کر دینا صحیح نہیں۔ چاہے مالک اجازت دے۔ مگر اس صورت میں کہ جب وصیت اپنی طرف سے کرے اسطرح کہ اپنے مرنے کے بعد دوسرے کے مال کو کسی شخص کو دے دینے کی وصیت کی جائے۔ لیکن اگر دوسرے مال کی وصیت اس کے مرنے کے بعد اسی کی طرف سے کر دے تو اسکا صحیح ہونا اور مالک کی اجازت کے بعد نافذ ہونا بعید نہیں۔

مسئلہ ۲۰: وصیت عہدیہ میں شرط ہے کہ جس کے متعلق وصیت کر رہا ہے وہ جائز ہو اور اغراض عقلائی اس سے وابستہ ہوں۔ لہٰذا اپنے مال کے ظالموں اور راہزنوں کی مدد اور گرجا گھروں کی تعمیر اور گمراہ کن کتب کی نسخہ برداری وغیرہ میں صرف کرنے کی وصیت صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اپنے مال کو بیہودہ اور عبث کاموں میں صرف کرنے کی وصیت بھی جائز نہیں ہے۔

فيما يكون سفهاً و عبثاً.

مسألة ٢١ ـ لو أوصى بما هو سائغ عنده اجتهاداً أو تقليداً و غير سائغ عندالوصي كما أوصى بنقل جنازته بعد دفنه و هوغير جائز عندالوصي لم يجز له تنفيذها، ولو انعكس الأمر انعكس.

مسألة ٢٢ ـ لو أوصى لغير الولي بمباشرة تجهيزه كتغسيله و الصلاة عليه مع وجود الولي ففي نفوذها و تقديمه على الولي و عدمه وجهان بل قولان، و لا يترك الوصي الاحتياط بالاستئذان من الولي، والولي بالاذن له.

مسألة ٢٣ ـ يشترط في نفوذ الوصية في الجملة أن لا تكون في الزائد على الثلث، و تفصيله أن الوصية إن كانت بواجب مالي كأداء ديونه و أداء ما عليه من الحقوق كالخمس و الزكاة و المظالم و الكفارات يخرج من أصل المال بلغ ما بلغ، بل لو لم يوص به يخرج منه و إن استوعب التركة و يلحق به الواجب المالي المشوب بالبدني كالحج ولو كان منذوراً على الأقوى، و إن كانت تمليكية أو عهدية تبرعية كما إذا أوصى باطعام الفقراء أو الزيارات أو إقامة التعزية و نحو ذلك نفذت بمقدار الثلث، و في الزائد صحت إن أجاز الورثة، و إلا بطلت من غير فرق بين وقوعها في حال الصحة أو المرض، و كذلك إذا كانت بواجب غير مالي على الأقوى. كما لو أوصى بالصلاة و الصوم عنه إذا اشتغلت ذمته بهما.

مسألة ٢٤ ـ لا فرق فيما ذكر بين ما إذا كانت الوصية بكسر مشاع أو بمال معين أو بمقدار من المال، فكما أنه لو أوصى بالثلث نفذت ولو أوصى بالنصف نفذت في الثلث إلا اذا أجاز الورثة كذلك لو أوصى بمال معين كبستانه أو بمقدار معين كألف دينار، فانه ينسب الى مجموع التركة فان لم تزد على ثلث المجموع نفذت، و إلا تحتاج الى اذن الورثة.

مسألة ٢٥ ـ لو كانت اجازة الورثة لما زاد على الثلث بعد موت الموصي نفذت بلا إشكال و ان ردها قبل موته، و كذا لو أجازها قبل الموت و لم يردها بعده، و أما لو ردها بعده، فهل تنفذ الاجازة السابقة ولا أثر للرد بعدها أم لا؟ قولان

مسئلہ ۲۱: اگر کسی ایسی چیز کی وصیت کرے جو خود اس کے نزدیک اپنے ذاتی اجتہاد یا کسی مجتہد کی تقلید کی بناء پر جائز ہو لیکن وصی کے نزدیک جائز نہ ہو جیسے وصیت کرے کہ میرے جنازے کو دفن کے بعد کسی دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔ جب کہ یہ وصی کے نزدیک جائز نہ ہو تو وصی کے لئے ایسی وصیت کا نافذ کرنا جائز نہیں اور اگر امر اس کے برعکس ہو تو حکم بھی برعکس ہوگا۔

مسئلہ ۲۲: اگر ولی کے ہوتے ہوئے اپنی تجہیز و تکفین جیسے غسل و نماز وغیرہ کی وصیت غیر ولی کو کرے کہ غیر ولی خود اس کام کو انجام دے تو اسکے نافذ ہونے اور ولی پر مقدم ہونے یا عدم نفوذ میں دو وجہیں بلکہ دو قول ہیں۔ اور وصی کو یہ احتیاط ترک نہ کرنا چاہیے کہ وہ ولی سے اجازت لے اور ولی بھی اس کو اجازت دے۔

مسئلہ ۲۳: وصیت کے نافذ ہونے میں فی الجملہ شرط ہے کہ مال کے ایک سوم (⅓) سے زیادہ کی وصیت نہ ہو اور اس کی تفصیل معلوم ہے کہ اگر وصیت واجب مال سے متعلق ہو جیسے قرض اور ان حقوق کی ادائیگی جو اس کی گردن پر ہیں۔ جیسے خمس، زکوٰۃ، کفارات اور مظالم، تو اصل مال سے ادائیگی کی جائے گی۔ چاہے رقم کتنی ہی زیادہ ہو۔ بلکہ اگر وصیت نہ بھی کرے جب بھی اصل مال سے ادا کیا جائے گا۔ اگرچہ پورا ترکہ اس پر لگ جائے۔ اور واجب مالی کو جس میں بدنی شامل ہے وہ بھی اسی سے ملحق کیا جائے گا۔

جیسے حج، چاہے بناء بر قول اقویٰ نذر کیوں نہ ہو۔ اور اگر وصیت تملیکیہ یا عہدیہ تبرعی (صدقات وغیرہ) ہو جیسے فقراء کو کھانا کھلانے یا زیارات یا عزاداری وغیرہ کے منعقد کرنے کے سلسلہ میں تو مال کے تیسرے حصے کی حد تک نافذ ہوگی۔ اور اس سے زیادہ کی اگر وارث اجازت دیں تو صحیح ہے۔ ورنہ باطل ہے۔ چاہے صحت میں واقع ہوئی ہو یا بیماری میں اور بناء بر اقویٰ یہی حکم واجب غیر مالی کی وصیت کا بھی ہے۔

جیسے کہ اپنے ذمے واجب الادا نماز اور روزوں کے متعلق وصیت کرے۔

مسئلہ ۲۴: اس میں کوئی فرق نہیں کہ "کسر مشاع" یا معین مال کی یا مال میں سے ایک مقدار کی وصیت کرے۔ پس جیسا کہ اگر ⅓ کی وصیت کرے تو ایک تہائی میں نافذ ہے مگر یہ کہ وارثین اجازت دیں۔ اسی طرح اگر مالِ معین، جیسے باغ یا مقدارِ معین، جیسے ہزار دینار کی وصیت کرے تو نافذ ہے اس لئے کہ مجموع ترکہ سے اس کا حساب کیا جائے گا۔ اگر ایک سوم سے کم ہے تو نافذ ہوگی ورنہ قدرِ زائد میں وارثین کی اجازت لازم ہے۔

مسئلہ ۲۵: ⅓ سے زائد کے سلسلہ میں موصی کے مرنے کے بعد اگر وارثین اجازت دیدیں تو بلا اشکال کے وصیت نافذ ہوگی۔ چاہے مرنے سے پہلے اس کو رد کر دیا ہو۔ اسی طرح اگر مرنے سے پہلے وصیت کی اجازت دے دیں۔ مرنے کے بعد اس کو رد نہ کریں تو بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر مرنے کے بعد رد کر دیں تو آیا سابقہ اجازت نافذ ہے اور رد کرنا کوئی اثر نہیں رکھتا ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ قولِ اوّل اقویٰ ہے۔

أقواها الأول.

مسألة ٢٦ ـ لو أجاز الوارث بعض الزيادة لا تمامها نفذت بمقدار ما أجاز، و بطلت في الزائد عليه.

مسألة ٢٧ ـ لو أجاز بعض الورثة دون بعضهم نفذت في حق المجيز في الزائد، و بطلت في حق غيره، فاذا كان للموصي ابن و بنت و أوصى لزيد بنصف ماله قسمت التركة ثمانية عشر و نفذت في ثلثها و هو ستة، و في الزائد و هو ثلاثة احتاج الى إمضاء الابن و البنت، فان أمضى الابن دون البنت نفذت في اثنين وبطلت في واحد، و ان أمضت البنت نفذت في واحد و بطلت في اثنين.

مسألة ٢٨ ـ لو أوصى بعين معينة أو مقدار كلي من المال كمأة دينار يلاحظ في كونه بمقدار الثلث أو أقل أو أزيد بالنسبة إلى أمواله حين الفوت لا حين الوصية، فلو أوصى بعين كانت بمقدار نصف أمواله حين الوصية و صارت لجهة بمقدار الثلث مما ترك حين الوفاة نفذت في الكل، ولو انعكس نفذت في مقدار الثلث مما ترك ، و بطلت في الزائد و هذا مما لا إشكال فيه، و انما الاشكال فيما إذا أوصى بكسر مشاع كما إذا قال: «ثلث مالي لزيد بعد و فاتي» ثم تجدد له بعد الوصية أموال و أنه هل تشمل الوصية الزيادات المتجددة بعدها أم لا؟ سيما إذا لم تكن متوقعة الحصول، و الظاهر نظراً إلى شاهد الحال أن المراد بالمال هو الذي لو لم يوص بالثلث كان جميعه للورثة، و هو ما كان له عند الوفاة، نعم لو كانت قرينة تدل على أن مراده الأموال الموجودة حال الوصية اقتصر عليها.

مسألة ٢٩ ـ الاجازة من الوارث إمضاء و تنفيذ، فلا يكفي فيها مجرد الرضى و طيب النفس من دون قول أو فعل يدلان على الامضاء.

مسألة ٣٠ـ لا تعتبر في الاجازة الفورية.

مسألة ٣١ ـ يحسب من التركة ما يملك بالموت كالدية، و كذا ما يملك بعد الموت إذا أوجد الميت سببه قبل موته مثل ما يقع في الشبكة التي نصبها الميت في زمان حياته، فيخرج منه دين الميت و وصاياه، نعم بعض صورها محل تأمل.

مسئلہ ۲۶: اگر وارث ⅓ سے زائد حصّہ میں سے کچھ مقدار کی اجازت دے دیں سب کی اجازت نہ دیں تو جس مقدار کی اجازت دی ہے اس میں وصیت نافذ ہوگی اور اس سے زیادہ میں باطل ہوگی۔

مسئلہ ۲۷: اگر وارثین میں سے بعض اجازت دے دیں اور بعض نہ دیں تو جنھوں نے اجازت دی ہے ان کے زائد حصّے میں نافذ ہوگی۔ اور جنھوں نے اجازت نہیں دی ان کے زائد حصّے میں باطل ہے۔ پس اگر موصی کے ورثا میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو اور وہ زید کے لئے آدھے مال کی وصیت کر دے تو اس کے تمام مال کو اٹھارہ حصّوں میں تقسیم کیا جائے گا ⅓ یعنی چھ حصّوں میں وصیت نافذ ہے اور زائد یعنی بقیہ تین حصّوں میں بیٹے اور بیٹی کی اجازت ضروری ہے۔ پس اگر بیٹے نے اجازت دے دی اور بیٹی نے نہ دی تو دو حصّوں میں نافذ اور ایک حصّے میں باطل اور اگر بیٹی نے اجازت دے دی اور بیٹے نے نہ دی تو ایک حصّے میں نافذ اور دو حصّوں میں باطل ہے۔

مسئلہ ۲۸: اگر مال میں سے معیّن چیز یا غیر معیّن مقدار مثلاً سو دینار کی وصیت کرے تو اسکا ایک تہائی یا اس سے زیادہ یا اس سے کم اس کے موت کے وقت کے اموال سے معلوم کیا جائیگا نہ وصیت کے وقت کے اموال سے۔ پس اگر وہ کسی چیز کی وصیت کرے جو وصیت کے وقت اس کے اموال کے نصف کے برابر ہو۔ لیکن وفات کے وقت جو اس نے ترکہ چھوڑا ہے کسی وجہ سے وہ چیز ایک تہائی کے برابر ہو جائے تو سب میں وصیت نافذ ہوگی۔ لیکن اگر اس کے برعکس ہو جائے تو ترکے کے ایک تہائی میں نافذ ہوگی اور اس سے زیادہ میں باطل۔ اور اس میں کوئی اشکال نہیں، اشکال صرف اس صورت میں ہے کہ اگر "کسر مشاع" یعنی غیر معیّن مال میں سے وصیت کرے، مثلاً یہ کہے: "میرا ایک تہائی مال میرے مرنے کے بعد زید کا ہے۔" پھر وصیت کے بعد اس کے اموال میں کچھ نئے اموال کا اضافہ ہو۔ تو آیا اضافہ شدہ نئے اموال کو بھی وصیت شامل ہوگی یا نہیں؟ خاص کر جب ان اموال کے حاصل ہونے کی توقع نہ ہو۔ قرینہ حالیہ کو دیکھتے ہوئے ظاہر یہ ہے کہ مال سے مراد وہ ہے کہ اگر تہائی کی وصیت نہ کرتا تو سب مال وارثوں کا ہوتا اور وہ وہی مال ہے جو وفات کے وقت اس کے پاس ہے۔ ہاں اگر قرینہ موجود ہو کہ اموال سے اس کی مراد وصیت کے وقت موجود اموال ہیں تو اسی پر اکتفاء کیا جائے۔

مسئلہ ۲۹: وارث کی اجازت امضاء و تنفیذ ہے۔ پس جب تک قول یا فعل نہ ہو جو راضی ہونے پر دلالت کرے، فقط دل سے خوش اور راضی ہونا کافی نہیں۔

مسئلہ ۳۰: اجازت کا فوری صادر ہونا معتبر نہیں۔

مسئلہ ۳۱: جس چیز کا مالک انسان موت کی وجہ سے بنے اسکو ترکے میں شمار کیا جائے گا۔ جیسے دیت اور اسی طرح اس چیز کا شمار بھی ترکے میں ہوگا کہ جس کا مالک مرنے کے بعد بنے گا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ اس چیز کے حصول کے اسباب وہ مرنے سے پہلے فراہم کر چکا ہو جیسے وہ شکار جو اس کے مرنے کے بعد اس کی زندگی میں لگائے جال میں پھنسے۔ لہٰذا اس میں سے میّت کا قرض اور اسکی وصیتیں پوری کی جائیں گی، البتہ بعض صورتوں میں تأمل ہے۔

مسألة ٣٢ ـ للموصي تعيين ثلثه في عين مخصوصة من التركة، و له تفويض التعيين إلى الوصي، فيتعين فيما عينه، و مع الاطلاق كما لو قال ثلث مالي لفلان يصير شريكاً مع الورثة بالاشاعة، فلابد و أن يكون الافراز و التعيين برضا الجميع كسائر الأموال المشتركة.

مسألة ٣٣ ـ انما يحسب الثلث بعد إخراج ما يخرج من الأصل كالدين والواجبات المالية، فان بقي بعد ذلك شيء يخرج ثلثه.

مسألة ٣٤ ـ لو أوصى بوصايا متعددة غير متضادة و كانت من نوع واحد فان كانت جميعاً واجبة مالية ينفذ الجميع من الأصل، و ان كانت واجبة بدنية أو كانت تبرعية تنفذ من الثلث، فان و فى بالجميع أو زادت عليه و أجاز الورثة تنفذ في الجميع، و ان لم يجيزوا فان لم يكن بين الوصايا ترتيب و تقديم و تأخير في الذكر بل كانت مجتمعة كما إذا قال: «اقضوا عشرين سنة واجباتي البدنية» أو «اقضوا عشرين سنة صلواتي و صيامي» أو قال: «أعطوا زيداً و عمراً و خالداً كلاً منهم مأة دينار» كانت بمنزلة وصية واحدة، فيوزع النقص على الجميع بالنسبة، فلو أوصى بمقدار من الصوم و مقدار من الصلاة و لم يف الثلث بهما و كانت أجرة الصلاة ضعف أجرة الصوم ينتقص من وصية الصلاة ضعف ما ينتقص من الصوم، كما اذا كانت التركة ثمانية عشر و أوصى بستة لاستئجار الصلاة و ثلاثة لاستئجار الصوم و لم يجز الورثة بطلتا في الثلاثة، و توزع النقص عليهما بالنسبة، فينتقص عن الصلاة إثنان فيصرف فيها أربعة، وعن الصوم واحد و يصرف فيه إثنان، و كذا الحال في التبرعية، و ان كانت بينها ترتيب و تقديم وتأخير في الذكر بأن كانت الثانية بعد تمامية الأولى و الثالثة بعد تمامية الثانية و هكذا و كان المجموع أزيد من الثلث و لم يجز الورثة يبدأ بالأول فالأول الى أن يكمل الثلث و لغت البقية.

مسألة ٣٥ ـ لو أوصى بوصايا مختلفة بالنوع كما إذا أوصى بأن يعطى مقدار معين خمساً و زكاة، و مقدار صوماً و صلاة، و مقدار لاطعام الفقراء فان أطلق و

مسئلہ ۳۲: موصی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنے ترکے میں سے تیسرے حصّے کو کسی مخصوص چیز میں سے معیّن کر دے۔ اور یہ بھی کر سکتا ہے کہ تعیین کا کام وصی پر چھوڑ دے۔ پس جس چیز کو وہ تعیین کرے گا وہی معین ہو جائیگی۔ اور اگر معیّن نہ کرے بلکہ بطورِ مطلق کہے کہ میرے مال کا تیسرا حصّہ فلاں کو دے دینا تو اس میں وہ (فلاں) وارثین کے ساتھ بطورِ مشاع شریک ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تمام اموال مشترکہ کی طرح تقسیم اور تعیین سبھی کی رضایت کے تحت قرار پائے۔

مسئلہ ۳۳: ان تمام اشیاء کے اخراج کے بعد کہ جن کا خارج کرنا اصل ترکے میں سے ضروری ہے جیسے قرض اور واجبات مالی ثلث کا حساب ہوگا۔ لہٰذا ان تمام واجبات کے اخراج کے بعد اگر کچھ باقی بچے تو اس میں سے تیسرا حصّہ خارج کیا جائے گا۔

مسئلہ ۳۴: اگر ایسی متعدد وصیتیں کرے جو آپس میں متضاد نہ ہوں اور سب کا تعلق ایک ہی نوع سے بھی ہو تو اگر سب کے سب واجبات مالی سے ہوں تو تمام وصیتیں اصل مال میں نافذ ہوں گی۔ اور اگر واجب بدنی سے متعلق ہوں یا تبرعی ہوں تو تیسرے حصّے میں نافذ ہوں گے۔ پس اگر تمام وصیتوں کے لئے تیسرا حصّہ کافی ہو یا کافی نہ ہو بلکہ زیادہ ہو اور وارث اضافی کی اجازت دیدیں تو تمام مال میں نافذ ہوں گی۔ اور اگر اجازت نہ دیں تو اگر وصیتوں کے آگے پیچھے کی ترتیب کا ذکر نہ ہو بلکہ ایک ساتھ تمام وصیتیں کی ہوں جیسے کہ اگر کہا ہو۔ (میرے واجبات بدنی میں سے بیس سال کی قضا بجالانا) یا (میرے بیس سال کی نماز و روزہ کی قضاء بجالانا) یا (خالد، بکر اور عمر میں سے ہر ایک کو سَو دینار دینا) تو تمام وصیتیں ایک وصیت شمار کی جائیں گی۔ اور کمی کو تمام پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور کچھ نمازوں اور کچھ روزوں کی قضاء کرنے کی وصیت کرے اور ثلث مال دونوں کے لئے کافی نہ ہو اور نماز کی اُجرت روزے کی اجرت کے دوُ برابر ہو تو جتنا روزے سے کم کیا جائے اس کے دوُ برابر نماز کی وصیت سے کم کیا جائے گا۔

چنانچہ اگر ترکے کے اٹھارہ حصّے ہوں اور چھ حصّے نماز کی اُجرت کیلئے ہوں اور تین حصّوں کی روزے کے لئے وصیت کرے اور وارثین اجازت نہ دیں تو تین حصّوں میں نماز و روزہ دونوں باطل ہو جائیں گے اور کمی کو دونوں پر برابر تقسیم کیا جائے گا۔ پس نماز سے دوُ حصّوں کو کم کر کے چار حصّوں کو اس پر صرف کیا جائیگا۔ اور روزہ میں سے ایک حصّہ کم کر کے دوُ حصّے اس پر صرف کئے جائیں گے۔ اور وصیت تبرعیہ میں بھی یہی صورتحال ہوگی۔ اور اگر ان کے ذکر کرنے میں تقدیم و تاخیر اور کوئی ترتیب وغیرہ ہو مثلاً یہ کہ پہلی وصیت کی انجام دہی کے بعد دوسری پر عمل کرنا اور دوسری کے بعد تیسری کو انجام دینا وغیرہ اور تمام وصیتوں کی انجام دہی کے اخراجات ثلث مال سے زیادہ ہوں اور وارثین اجازت نہ دیں تو پہلی وصیت سے شروع کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ثلث مال ختم ہو جائے۔ اور جن وصیتوں پر عمل نہ ہو سکے گا وہ لغو ہو جائیں گی۔

مسئلہ ۳۵: اگر چند ایسی چیزوں کے متعلق وصیت کرے جو مختلف ہیں۔ مثلاً وصیت کرے کہ ایک مقدار خمس و زکوٰۃ اور ایک مقدار نماز و روزہ اور ایک مقدار طعام فقراء پر صرف کیا جائے۔ تو اگر بطورِ مطلق وصیت کی ہو، اور کہاں سے مال وصیت خرچ کیا جائے اسکو ذکر نہ کیا ہو تو واجب مالی سے ابتداء کی جائے گی۔ اور اسے اصل

لم يذكر المخرج يبدأ بالواجب المالي فيخرج من الأصل فان بقي شيء يعين ثلثه و يخرج منه البدني و التبرعي، فان وفى بهما أو لم يف و أجاز الورثة نفذت في كليهما، و ان لم يف و لم يجيزوا يقدم الواجب البدني و يرد النقص على التبرعي، و إن ذكر المخرج و أوصى بأن تخرج من الثلث تقدم الواجبات مالية كانت أو بدنية على التبرعي على الأقوى و أما الواجبات فلا يقدم بعضها على بعض، بل الظاهر أنه لو أوصى مرتباً يقدم المقدم فالمقدم إلى أن يفنى الثلث، فان بقي من الواجب المالي شيء يخرج من الأصل، و إن بقي من البدني يلغى، و إن لم يكن بينها ترتيب يوزع الثلث عليها و يتم الواجب المالي من الأصل دون البدني.

مسألة ٣٦ ـ لو أوصى بوصايا متضادة بأن كانت المتأخرة منافية للمتقدمة كما لو أوصى بعين شخصية لواحد ثم أوصى بها لآخر أو أوصى بثلثه لشخص ثم أوصى به لآخر كانت اللاحقة عدولاً عن السابقة فيعمل باللاحقة، ولو أوصى بعين شخصية لشخص ثم أوصى بنصفها مثلاً لشخص آخر فالظاهر كون الثانية عدولاً بالنسبة إلى النصف لا التمام فيبقى النصف الآخر للأول.

مسألة ٣٧ ـ متعلق الوصية إن كان كسراً مشاعاً من التركة كالثلث أو الربع ملكه الموصى له بالموت و القبول، و له من كل شيء ثلثه أو ربعه وشارك الورثة فيها من حين ما ملكه، هذا في الوصية التمليكية، و أما في العهدية كما إذا أوصى بصرف ثلثه أو ربع تركته في العبادات و الزيارات كان الموصى به فيها باقياً على حكم مال الميت، فهو يشارك الورثة حين ما ملكوا بالارث. فكان للميت من كل شيء ثلثه أو ربعه و الباقي للورثة، و هذه الشركة باقية ما لم يفرز الموصى به عن ما لهم و لم تقع القسمة بينهم و بين الموصى له، فلو حصل نماء متصل أو منفصل قبل القسمة كان بينهما، ولو تلف شيء من التركة كان منهما، و إن كان ما أوصى به مالاً معيناً يساوي الثلث أو دونه اختص بالموصى له، و لا اعتراض فيه للورثة، و لا حاجة الى إجازتهم، لكن انما يستقر ملكية الموصى له أو الميت في تمام الموصى به إذا كان يصل إلى الوارث ضعف ما أوصى به، فاذا

ترکے میں سے لیا جائیگا۔ اس کے بعد اگر کچھ مال باقی بچ جائے تو اس کا ایک تہائی معین کرکے واجب بدنی اور تبرعی کو اس میں سے الگ کیا جائیگا۔ اگر دونوں کے لئے کافی ہو یا کافی نہ ہو لیکن ورثاء اجازت دے دیں تو دونوں وصیتوں پر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر کافی نہ ہو وارث بھی اجازت نہ دیں تو واجب بدنی کو مقدم کیا جائے اور کمی وصیت تبرعی کے حصے میں کی جائے گی۔ اور اگر مال وصیت کا مخرج ذکر کردیا ہو اور یہ وصیت کی ہو کہ تہرے حصے سے خرچ کیا جائے۔ تو اقوی یہ ہے کہ واجبات کو چاہے مالی ہو یا بدنی ہو تبرعی پر مقدم کیا جائے گا۔ اور واجبات میں سے بعض کو بعض پر مقدم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اگر وصیتوں میں ترتیب ہو تو جو وصیت پہلے کی گئی ہے اس کو مقدم کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ثلث مال تمام ہو جائے۔ اور اگر واجب مالی میں سے کوئی وصیت بچ جائے تو اسے اصل میں سے انجام دیا جائے گا۔ اور اگر واجب بدنی میں سے کچھ باقی رہ جائے تو وہ لغو ہو جائے گی۔ اور اگر ترتیب نہ ہو تو ثلث مال کو تمام پر برابر صرف کیا جائے گا۔ اور جب مالی کو اصل میں سے تکمیل کیا جائے گا بدنی کو نہیں۔

مسئلہ ۳۶: اگر چند ایسی وصیتیں کرے جو ایک دوسرے کی ضد ہو یعنی یہ کہ بعد والی وصیت پہلی وصیت کی نفی کرتی ہو مثلاً کسی معین شئی کی کسی کے لئے وصیت کرے اور پھر اس کے بعد اسی شئی کی کسی دوسرے کے نام وصیت کردے یا اپنے مال کے تیسرے حصے کی ایک شخص کے لئے وصیت کرے۔ اور پھر اس کے بعد اسی مال کی وصیت کسی دوسرے کے لئے کردے تو بعد والی وصیت پہلی وصیت سے پھر جانا کہلائے گا۔ اور عمل بعد والی وصیت پر ہوگا۔ اور اگر معین شئی کی کسی کے لئے وصیت کرے اور اسی شئی کے نصف کی کسی دوسرے کے لئے وصیت کردے تو ظاہراً دوسری وصیت کو پہلی وصیت کے آدھے حصے سے پھر جانا قرار دیا جائے گا۔ پورے حصے سے نہیں۔ چنانچہ پہلی کا آدھا حصہ پہلے شخص کا ہی رہے گا۔

مسئلہ ۳۷: اگر متعلق وصیت کسر مشاع۔ جیسے ترکے کا ایک تہائی یا ایک چوتھائی ہو تو جس کے لئے وصیت کی گئی ہے۔ وہ وصیت کنندہ کے مرجانے اور خود وصیت کو قبول کر لینے سے مالک ہو جائیگا۔ اور ہر چیز (چنانچہ ہر چیز) کا تیسرا یا چوتھا حصہ اسکی ملکیت ہوگا۔ اور مالک بننے کے وقت سے اس میں وارثوں کا شریک ہو جائے گا۔ یہ تھا وصیت تملیکیہ کا حکم۔ لیکن عہدیہ میں جیسا کہ اگر اپنے ترکے میں سے تیسرا یا چوتھا حصہ عبادات و زیارات پر صرف کرنے کی وصیت کرے تو اس قسم کی وصیتوں میں وصیت سے متعلق چیز مالِ میت کے حکم پر باقی رہے گی۔ پس میراث کے قانون کے تحت وارث مالک بنے تب سے وہ ان کا شریک ہوگا۔ لہٰذا اس صورت میں میت کا ہر چیز میں سے تیسرا یا چوتھا حصہ اور باقی مال وارثوں کا ہوگا۔ یہ شرکت باقی رہے گی۔ جب تک وصیت سے متعلق چیز ان کے مال سے الگ نہ ہو جائے اور موصیٰ لہ اور وارثوں کے درمیان مال تقسیم نہ ہو جائے اب اگر تقسیم سے پہلے مال میں متصل یا منفصل کسی قسم کا اضافہ ہو جائے تو اس میں وارث اور موصیٰ لہ دونوں شریک ہوں گے اور اگر ترکے میں سے کچھ تلف ہو جائے تو وہ بھی دونوں کے مال میں سے ہوگا۔ لیکن اگر جس چیز کی وصیت کی ہے وہ مال معین ہو اور ایک تہائی کے برابر یا اس سے کم ہو تو وہ صرف موصیٰ لہ سے مخصوص ہے۔ وارثوں کو اس میں ٹانگ اڑانے کا کوئی حق نہیں۔ اور نہ ان کی اجازت کی کوئی ضرورت ہے۔ لیکن وصیت کی

كان له مال عند الورثة بهذا المقدار استقرت ملكية تمام المال المعين، فللموصى له أو الوصي التصرف فيه أنحاء التصرفات، و إن كان ما عدا ما عيّن غائباً توقف ذلك على حصول مثليه بيد الورثة، نعم للموصى له أو الوصي التصرف في الثلث بمثل الانتقال إلى الغير، بل لهما المطالبة بتعيين الثلث حتى يتصرفا فيه كيف شاءا و إن لم يكن للورثة التصرف في الثلثين بوجه من الوجوه، ولو لم يحصل بيد الورثة شيء منه شاركوا الموصى له في المال المعين أثلاثاً: ثلث للموصى له و ثلثان للورثة.

مسألة ٣٨ ـ يجوز للموصي أن يعين شخصاً لتنجيز وصاياه و تنفيذها فيتعين، و يقال له: الموصى اليه و الوصي، و يشترط فيه البلوغ و العقل و الاسلام، فلا تصح وصاية الصغير ولا المجنون ولا الكافر عن المسلم و إن كان ذمياً قريباً، و هل يشترط فيه العدالة أم يكفي الوثاقة؟ لا يبعد الثاني و ان كان الأحوط الأول.

مسألة ٣٩ ـ انما لا تصح وصاية الصغير منفرداً، و أما منضماً إلى الكامل فلا بأس به، فيستقل الكامل بالتصرف الى زمان بلوغه، فاذا بلغ شاركه من حينه، و ليس له الاعتراض فيما أمضاه الكامل سابقاً إلا ما كان على خلاف ما أوصى به الميت، فيرده الى ما أوصى به، ولو مات الصغير أو بلغ فاسد العقل كان للكامل الانفراد بالوصاية.

مسألة ٤٠ ـ لو طرأ الجنون على الوصي بعد موت الموصي فهل تبطل الوصاية أم لا؟ لا يخلو الثاني من وجه و إن لم تنفذ تصرفاته، فلو أفاق جازت التصرفات، لكن الأحوط نصب الحاكم إياه، نعم لو كان جنونه بحيث لا يرجى زواله فالظاهر بطلانها.

مسألة ٤١ ـ الأحوط أن لا يردّ الابن وصية والده، و لا يجب على غيره قبول الوصاية، و له أن يردها مادام الموصي حياً بشرط أن يبلغه الرد و إن كان الأحوط الأولى أن لا يرد فيما إذا لم يتمكن الموصي من الايصاء إلى غيره، فلو

گئی چیز میں موصیٰ لہ یا میّت کی ملکیت اس وقت ثابت ہوگی جب وصیت کی گئی چیز کا دو گنا وارثوں کو مل رہا ہو۔ پس اگر وارثوں کے پاس اس مقدار میں میّت کا مال ہو تو معیّن کئے گئے تمام مال میں موصیٰ لہ کی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ پس موصیٰ لہ یا وصی کے لئے اس مال میں ہر قسم کے تصرّف کا حق ہے۔ اور اگر وصیت شدہ مال کے علاوہ تمام مال غائب ہو تو اس وقت تک تصرف نہیں کر سکتے جب تک اس کا دوگنا وارثوں کو نہ مل جائے۔ البتہ موصیٰ لہ اور وصی ایک تہائی (غیر تقسیم شدہ) مال میں مثلاً ایسا تصرّف کر سکتے ہیں کہ وہ کسی کو منتقل کر دیں۔ بلکہ وہ ایک تہائی مال کو معیّن کرنے کا مطالبہ بھی کر سکتے ہیں تاکہ وہ اس میں جیسے چاہیں تصرف کریں۔ اگرچہ وارثین کو بقیہ دوٌ حصّوں میں کسی بھی طرح کے تصرّف کا حق نہیں ہے۔ اور اگر غائب شدہ مال میں وارثین کو کچھ بھی نہ ملے تو وہ موصیٰ لہ کے ساتھ اس طرح شریک ہیں کہ مال کے تین حصّے کئے جائیں گے۔ جس میں ایک حصّہ موصیٰ لہ اور دوٌ حصّے وارثوں کے ہوں گے۔

مسئلہ ۳۸: وصیت کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی وصیتوں کو پورا کرنے اور انھیں نافذ کرنے کے لئے کسی شخص کو معیّن کرے۔ چنانچہ وہ شخص معیّن ہو جائے گا۔ جس کو موصیٰ الیہ یا وصی کہتے ہیں۔ اس شخص کا عاقل، بالغ اور مسلمان ہونا شرط ہے۔ پس بچّے، دیوانے اور مسلمان کی طرف سے کافر کو وصی بنانا صحیح نہیں چاہے وہ ذمّی اور قریبی ہی کیوں نہ ہو۔ اور آیا اس کا عادل ہونا بھی شرط ہے۔ یا صرف باوثوق ہونا کافی ہے؟ دوسری صورت بعید نہیں ہے اگرچہ احوط پہلی صورت ہے۔

مسئلہ ۳۹: بچّے کا منفرد طور پر وصی بننا صحیح نہیں اگر کسی کامل شخص کے ساتھ مل کر وصی بنے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ اس کے بالغ ہونے تک شخص کامل تصرّف میں آزاد ہوگا۔ اور جب بالغ ہو جائے تو اسی وقت سے اس کے ساتھ شریک ہو جائے گا۔ اور شخص کامل نے اس سے پہلے جن وصیتوں پر عمل کیا ہے۔ ان سے اعتراض کا حق نہ ہوگا۔ مگر یہ کہ اس نے میّت کی وصیت کے برخلاف عمل کیا ہو۔ چنانچہ وہ اس کو وصیت کے مطابق کرے گا۔ اور اگر بچہ مر جائے یا عقل کی خرابی کے ساتھ بالغ ہو تو شخص کامل منفرد طور پر وصی قرار پائے گا۔

مسئلہ ۴۰: اگر وصیت کنندہ کی موت کے بعد وصی دیوانہ ہو جائے تو آیا وصیت باطل ہو جائے گی یا نہیں؟ دوسری صورت (یعنی باطل نہ ہونا) وجہ سے خالی نہیں اگرچہ اس کے تصرّفات نافذ نہیں ہوں گے۔ لیکن جب دیوانگی سے افاقہ ہو جائے تو تصرّفات جائز ہوں گے۔ لیکن احتیاط یہ ہے کہ حاکم شرع اس کا تقرر کرے۔ البتہ اگر اس کا جنون ایسا ہو کہ جس کے زائل ہونے کی اُمید نہ ہو تو ظاہر یہ ہے کہ وصیت باطل ہو جائے گی۔

مسئلہ ۴۱: بنا بر احتیاط بیٹے کو باپ کی وصیت رد نہیں کرنا چاہئے۔ اور کسی دوسرے پر بھی اس کو قبول کر لینا واجب نہیں۔ لیکن وصیت کنندہ کی زندگی میں اسے وصیت کے ٹھکرا دینے کا حق ہے۔ بشرطیکہ وصیت کرنے والے کو اس سے آگاہ کر دے۔ اگرچہ احوط واولیٰ یہ ہے کہ اگر موصی کے لئے کسی اور کو وصی بنانا ممکن نہ ہو نہ ٹھکرائے۔ اور اگر اس کی موت کے بعد ٹھکرائے یا زندگی میں ٹھکرا دے لیکن وہ مرتے دم

كان الرد بعد موت الموصي أو قبله و لكن لم يبلغه حتى مات كانت الوصاية لازمة على الوصي و ليس له الرد، بل لو لم يبلغه أنه قد أوصى إليه و جعله وصياً إلا بعد موت الموصي لزمته الوصاية و ليس له ردها.

مسألة ٤٢ ـ يجوز للموصي أن يجعل الوصاية لاثنين فما فوق، فان نص على الاستقلال و الانفراد لكل منهما أو كان لكلامه ظهور فيه ولو بقرينة حال أو مقال فيتبع، و إلا فليس لكل منهما الاستقلال بالتصرف لا في جميع ما أوصى به و لا في بعضه، وليس لهما أن يقسما الثلث و ينفرد كل منهما في نصفه، من غير فرق في ذلك بين أن يشترط عليهما الاجتماع أو يطلق، ولو تشاحا و لم يجتمعا أجبرهما الحاكم على الاجتماع، فان تعذر استبدل بهما، هذا إذا لم يكن التشاح لاختلاف اجتهادهما و نظرهما، و إلا فألزمهما على نظر ثالث إذا كان في إنظارهما تعطيل العمل بالوصاية، فان امتنعا استبدل بهما، و إن امتنع أحدهما استبدل به.

مسألة ٤٣ ـ لو مات أحد الوصيين أو طرأ عليه الجنون أو غيره مما يوجب ارتفاع وصايته فالأحوط مع عدم استقلال كل منهما ضم الحاكم شخصاً إليه، بل اللزوم لا يخلو من قوة، ولو ماتا معاً احتاج إلى النصب من قبله، فهل اللازم نصب إثنين أو يجوز نصب واحد إذا كان كافياً؟ وجهان، أحوطهما الأول و أقواهما الثاني.

مسألة ٤٤ ـ يجوز أن يوصي إلى واحد في شيء و إلى آخر في غيره و لا يشارك أحدهما الآخر.

مسألة ٤٥ ـ لو قال: «أوصيت إلى زيد فان مات فالى عمرو» صح و يكون وصياً بعد موته، و كذا لو قال: «أوصيت إلى زيد فان كبر ابني أو تاب عن فسقه أو اشتغل بالعلم فهو وصيي» فانه يصح، و تنتهي وصاية زيد بحصول ما ذكر.

مسألة ٤٦ ـ لو ظهرت خيانة الوصي فعلى الحاكم عزله و نصب شخص آخر مكانه أو ضم أمين إليه حسب ما يراه من المصلحة، ولو ظهر منه العجز عن

تک آگاہ نہ ہو سکے تو وصی پر لازم ہے کہ وہ وصیت پر عمل کرے۔ اور اسے رد کر دینے کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ اگر وصیت کرنے والا وصی کو خبر ہی نہ دے اور اسے اپنے مرجانے کے بعد ہی کے لیے وصی بنایا گیا ہو تب بھی وصیت کا اجراء اس پر واجب ہے اور ٹھکرانے کا کوئی حق نہیں۔

مسئلہ ۴۲: موصی کے لیے دو یا دو سے زیادہ افراد کو وصی بنانا جائز ہے۔ پس اگر تصریح کر دے کہ ان میں سے ہر ایک مستقل اور منفرد طور پر وصی ہے یا اس کے کلام سے ظاہر ہی ہوتا ہو چاہے قرینۂ حالیہ یا مقالیہ کی مدد سے ہی سہی تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو ان میں سے کوئی بھی تصرف میں آزاد نہیں ہوگا۔ نہ تمام وصیت میں اور نہ ہی اس کے کچھ حصے میں۔ اور ان کو یہ حق بھی نہیں کہ وہ ایک تہائی کو دو حصوں میں بانٹ لیں اور ہر ایک آزادانہ طور پر آدھے حصے میں تصرف کرے۔ چاہے ان کے ایک ساتھ رہنے کی شرط ہو یا شرط نہ ہو بلکہ بطور مطلق ہو۔ اگر ان میں نزاع ہو جائے اور وہ اکٹھے نہ ہو سکیں تو حاکم شرع ان کو اکٹھے ہونے پر مجبور کرے اور اگر ایسا کرنے سے معذور ہو تو دونوں کو بدل دے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب ان کے درمیان نزاع ان کے اجتہاد اور اختلاف نظر کی بناء پر نہ ہو۔ چنانچہ اگر ایسا ہو تو ایک تیسرے نکتۂ نظر کو قبول کرنا ان پر لازمی ہو۔ بشرطیکہ ان کے اختلافِ نظر کی بناء پر وصیت پر عمل معطل ہو رہا ہو۔ چنانچہ اگر وہ دونوں اس سے انکار کر دیں تو ان کو بدل دے اور اگر ایک انکار کرے تو اسی کو بدلے۔

مسئلہ ۴۳: اگر دونوں وصیوں میں سے ایک مر جائے یا دیوانہ ہو جائے یا اسی طرح کی کوئی دوسری چیز جو وصیت کے ختم ہونے کا باعث ہو اس پر عارض ہو جائے تو ان دونوں میں سے کسی کے آزاد نہ ہونے کی صورت میں احتیاط یہ ہے کہ حاکم شرع تیسرے شخص کو ان کے ساتھ شامل کرے بلکہ اس کا لازمی ہونا قوت سے خالی نہیں۔ اور اگر دونوں اکٹھے مر جائیں تو حاکم شرع کی طرف سے کسی کا تقرر ضروری ہے۔ اب آیا دو کا تقرر لازمی ہے۔ یا اگر کافی ہو تو ایک ہی کا تقرر کر دینا جائز ہے؟ اس میں دو وجہیں ہیں پہلی احوط اور دوسری اقوی ہے۔

مسئلہ ۴۴: ایک چیز کے متعلق ایک شخص کو اور دوسرے کے بارے میں دوسرے کو وصیت کرنا جائز ہے۔ اس صورت میں ان میں سے ایک دوسرے کا شریک نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۴۵: اگر کوئی کہے: میں زید کو وصی بناتا ہوں اور اگر وہ مر جائے تو عمرو کو، تو وصیت صحیح ہے اور زید کی موت کے بعد عمرو وصی ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ کہے کہ زید کو وصی مقرر کرتا ہوں اور اگر میرا بیٹا بڑا ہو جائے یا فسق سے توبہ کرے یا حصول علم میں مشغول ہو جائے تو وہ میرا وصی ہوگا۔ تو یہ بھی صحیح ہے۔ چنانچہ موصی کی مراد حاصل ہو جانے پر زید کی وصیت ختم ہو جائے گی۔

مسئلہ ۴۶: اگر وصی کی خیانت ظاہر ہو جائے تو حاکم شرع کو چاہیے کہ اس کو معزول کر کے دوسرا شخص اس کی جگہ مقرر کرے یا حسبِ مصلحت کسی امین شخص کو اس کے ساتھ شامل کرے۔ اور اگر اکیلا رہ کر عمل کرنے سے اس کا عاجز ہونا ظاہر ہو جائے تو کسی کو اس کی مدد کے لیے معین کرے لیکن اگر تدبیر و عمل سے بالکل عاجز ہو جائے کہ جس کے زائل ہونے کی امید نہ ہو۔ مثلاً بڑھاپے کی بناء پر عقل سے ناکارہ

الاستقلال ضم اليه من يساعده، و أما إن عجز عن التدبير و العمل مطلقا بحيث لا يرجى زواله كالهرم الخرف فالظاهر إنعزاله، و على الحاكم نصب شخص آخر مكانه.

مسألة ٤٧ ـ لو لم ينجز الوصي ما أوصي اليه في حياته ليس له أن يجعل وصياً لتنجيزه بعد موته إلا إذا كان مأذوناً من الموصي في الايصاء.

مسألة ٤٨ ـ الوصي أمين، فلا يضمن ما كان في يده إلا مع التعدي أو التفريط ولو بمخالفة الوصية، فيضمن لو تلف.

مسألة ٤٩ ـ لو أوصى إليه بعمل خاص أو قدر مخصوص أو كيفية خاصة اقتصر عليه و لم يتجاوز إلى غيره، و أما لو أطلق بأن قال: «أنت وصيي» من دون ذكر المتعلق فالأقرب وقوعه لغواً إلا إذا كان هناك عرف خاص و تعارف يدل على المراد، فيتبع كما في عرف بعض الطوائف، حيث ان مرادهم بحسب الظاهر الولاية على أداء ما عليه من الديون، واستيفاء ما له على الناس، ورد الأمانات و البضائع إلى أهلها، و إخراج ثلثه وصرفه فيما ينفعه ولو بنظر الحاكم من استئجار العبادات و أداء الحقوق الواجبة والمظالم و نحوها، نعم في شموله بمجرده للقيمومة على الأطفال تأمل و إشكال، فالأحوط أن يكون تصديه لأمورهم باذن من الحاكم، و بالجملة المدار هو التعارف بحيث يكون قرينة على مراده، فيختلف باختلاف الأعصار و الأمصار.

مسألة ٥٠ ـ ليس للوصي أن يعزل نفسه بعد موت الموصي، و لا أن يفوض أمر الوصية إلى غيره، نعم له التوكيل في بعض الأمور المتعلقة بها مما لم يتعلق الغرض إلا بوقوعها من أي مباشر كان خصوصاً إذا كان مما لم يجر العادة على مباشرة أمثال هذا الوصي و لم يشترط عليه المباشرة.

مسألة ٥١ ـ لو نسي الوصي مصرف الوصية مطلقا فان تردد، بين أشخاص محصورين يقرع بينهم على الأقوى، أو جهات محصورة يقسط بينها، و تحتمل القرعة، و يحتمل التخيير في صرفه في أيّ الجهات شاء منها و لا يجوز صرفه في

ہو جائے تو ظاہراً وہ خود بخود معزول ہو جائے گا۔ چنانچہ حاکم شرع کا کام ہے کہ اس کی جگہ کسی کو معیّن کرے۔

مسئلہ ۴۷: اگر وصی۔ موصی کی زندگی میں وصیت شدہ امور کو انجام نہ دے تو اسے حق نہیں کہ اس کے مرنے کے بعد ان امور کے انجام پر کسی کو وصی بنائے۔ مگر یہ کہ وصی بنانے کی موصی کی طرف سے اس کو اجازت ہو۔

مسئلہ ۴۸: وصی امین ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر افراط و تفریط نہ کرے تو کسی چیز کا ضامن نہیں خواہ افراط و تفریط وصیت کی مخالفت کی شکل میں ہی کیوں نہ ہو۔ پس اس صورت میں اگر کچھ تلف ہو جائے تو ضامن ہے۔

مسئلہ ۴۹: اگر وصی کو خاص کام یا خاص مقدار یا کیفیت خاص کی وصیت کی جائے تو اسی پر اکتفا کرے اور اس سے تجاوز نہ کرے اور اگر وصیت مطلق ہو یعنی کہے "انت وصیی" کہ تو میرا وصی ہے اور متعلق وصیت کو ذکر نہ کرے تو اقرب یہ ہے کہ یہ وصیت لغو اور بیکار ہے مگر یہ کہ عرفِ خاص ہو جو اس کی مراد پر دلالت کرے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ جیسا کہ بعض طائفوں کے عرف میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ظاہراً ان کی مراد یہ ہے کہ میت کے قرضے ادا کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔ اور لوگوں کے ذمے جو اس کا حق ہے اسے وصول کرے۔ امانتیں اور تجارتی اموال ان کے مالکوں کو لوٹائے اور ایک تہائی مال الگ کر کے اس کو میت کے فائدہ پہونچانے والے امور میں خرچ کرے۔ خواہ حاکم شرع کی رائے کے مطابق ہی سہی۔ مثلاً انجام عبادات کے لئے اجیر مقرر کرے واجب حقوق اور مظالم وغیرہ ادا کرے۔ البتہ تنہا اس وصیت کا اطفال پر سرپرستی حاصل ہونے کو شامل ہونے میں تأمل اور اشکال ہے۔ پس احتیاط یہ ہے کہ ان کے امور حاکم شرع کی مرضی سے انجام دے۔ خلاصہ یہ کہ معیار عرفِ عام ہے اگر اس کی مراد پر اس میں قرینہ ہو۔ اور عرف زمانوں اور مکانوں کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔

مسئلہ ۵۰: موصی کے مرنے کے بعد وصی کو کوئی حق نہیں پہونچتا کہ اپنے کو معزول کرے اور نہ یہ حق ہے کہ امر وصیت کو دوسرے کی طرف منتقل کر دے ہاں اتنا حق ضرور رکھتا ہے کہ بعض ان امور میں کہ جو وصیت سے متعلق ہوں اور فقط اس کا واقع ہونا مقصود ہو۔ انجام دینے والا چاہے کوئی بھی ہو کسی کو وکیل بنائے خصوصاً اگر ایسی چیز ہو کہ عموماً وصی اس کو خود انجام نہ دیتا ہو اور خود انجام دینے کی شرط بھی نہ ہو۔

مسئلہ ۵۱: اگر وصی وصیت کے مصرف کو ذکر کرنا مطلقاً بھول جائے تو اگر چند گنے چنے افراد کے درمیان مترّدد ہو تو اقویٰ یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کرے یا کچھ محدود امور میں متردد ہو تو ان کے درمیان تقسیم کر دے۔

اگرچہ اس میں قرعہ کا احتمال بھی ہے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ان امور میں سے جس میں چاہے خرچ کر دے لیکن اقرب یہ ہے کہ مطلق خیرات میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر غیر

مطلق الخيرات على الأقرب، و إن تردد بين أشخاص أو جهات غير محصورة يجوز صرفه في الخيرات المطلقة في الأول، و الأولى عدم الخروج عن طرف الشبهة، وجهة من الجهات في الثاني بشرط عدم الخروج عن أطراف الشبهة.

مسألة ٥٢ ـ لو أوصى الميت وصية عهدية و لم يعين وصياً أو بطل وصاية من عيّنه بموت أو جنون أو غير ذلك تولى الحاكم أمرها أو عيّن من يتولاه، ولو لم يكن الحاكم و لا منصوبه تولاه من المؤمنين من يوثق به.

مسألة ٥٣ ـ يجوز للموصي أن يجعل ناظراً على الوصي، و وظيفته تابعة لجعله، فتارة من جهة الاستيثاق على وقوع ما أوصى به يجعل الناظر رقيباً على الوصي بأن يكون أعماله باطلاعه حتى أنه لو رأى منه خلاف ما قرره الموصي لاعترض عليه، و أخرى من جهة عدم الاطمئنان بأنظار الوصي و الاطمئنان بأنظار الناظر يجعل على الوصي أن يكون أعماله على طبق نظره، و لا يعمل إلا ماراه صلاحاً، فالوصي و ان كان ولياً مستقلاً في التصرف لكنه غير مستقل في الرأي و النظر، فلا يمضى من أعماله إلا ما وافق نظر الناظر، فلو استبد الوصي بالعمل على نظره من دون مراجعة الناظر و اطلاعه و كان عمله على طبق ما قرره الموصي فالظاهر صحته و نفوذه على الأول بخلافه على الثاني، و لعل الغالب المتعارف في جعل الناظر في الوصايا هو النحو الأول.

مسألة ٥٤ ـ يجوز للأب مع عدم الجد و للجد للأب مع فقد الأب جعل القيم على الصغار ومعه لا ولاية للحاكم، و ليس لغيرهما أن ينصب القيم عليهم حتى الأم.

مسألة ٥٥ ـ يشترط في القيم على الاطفال ما اشترط في الوصي على المال، و الأحوط اعتبار العدالة، و إن كان الاكتفاء بالأمانة و وجود المصلحة ليس ببعيد.

مسألة ٥٦ ـ لو عين الموصي على القيم تولي جهة خاصة و تصرفاً مخصوصاً اقتصر عليه، و يكون أمر غيره بيد الحاكم أو المنصوب من قبله، فلو جعله قيماً في

محدود افراد اور امور کے درمیان مرددّ ہو تو پہلی صورت میں مطلق خیرات میں صرف کرے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اطراف شبہ سے خارج نہ ہو۔ اور دوسری صورت میں جائز ہے کہ امور میں سے کسی ایک امر میں صرف کرے اس شرط کے ساتھ کہ اطراف شبہ سے خارج نہ ہو۔

مسئلہ ۵۲: اگر مرنے والا وصیت عہدیہ یہ کر کے مرے۔ لیکن وصی کو معین نہ کرے یا معین شدہ وصی کی وصایت موت یا دیوانگی یا کسی اور وجہ سے باطل ہو جائے تو حاکم شرع امرِ وصیت کا مالک ہو گا یا کسی کو معین کرے کہ وہ اس کا مالک ہو۔ اور اگر حاکم شرع یا اس کا منصوب کردہ نہ ہو تو مومنین میں سے جو قابلِ اعتماد ہو وہ اس کا متولی ہو جائے گا۔

مسئلہ ۵۳: موصی کے لئے جائز ہے کہ وصی پر ناظر مقرر کرے۔ چنانچہ اس کی ذمہ داری قرارداد کے تابع ہوگی۔ پس کبھی یہ اطمینان پیدا کرنے کے لئے مقرر کرتا ہے کہ وصیت پر عمل ہو جائے اور ناظر وصی پر نگاہ رکھے اس طرح کہ وصی کی کارکردگی اس کے علم میں رہے تاکہ اگر وصی کی وصیت کے برخلاف کی چیز کو دیکھے تو اس پر اعتراض کرے اور کبھی ناظر اس لئے ہوتا ہے کہ وصی کے فیصلوں پر اعتماد نہیں ہوتا لیکن ناظر کے فیصلوں پر اطمینان ہوتا ہے اور اس کو وصی پر بعنوان ناظر معین کر دیا جاتا ہے کہ وصی کے تمام فیصلے ناظر کے زیرِ نظر ہوں اور وہی کام انجام دے جس کو ناظر مناسب سمجھتا ہو۔

پس وصی اگرچہ تصرف میں مستقل طور سے ولایت رکھتا ہے لیکن رائے اور نظر کے لحاظ سے مستقل نہیں اس لئے اس کے اعمال اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتے جب تک کہ ناظر کی نظر کے موافق نہ ہوں۔

اسی وجہ سے اگر وصی ناظر کی طرف رجوع کئے بغیر اپنی ہی مرضی سے عمل شروع کرے اور اس کو اطلاع نہ ہو۔ لیکن اس کا عمل موصی کی وصیت کے مطابق ہو تو ظاہراً یہ پہلی صورت میں اس کا عمل صحیح اور نافذ ہے۔

بر خلاف دوسری صورت کے کہ اس میں صحیح نہیں۔ اور شاید وصیتوں میں معمولاً ناظر مقرر کرنے کا وہی پہلا طریقہ ہو۔

مسئلہ ۵۴: باپ کے لئے جبکہ دادا موجود نہ ہو۔ اور دادا کیلئے جبکہ باپ موجود نہ ہو جائز ہے کہ وہ چھوٹے بچوں کیلئے سرپرست مقرر کرے۔ اور اسکی موجودگی میں حاکم شرع کو ولایت حاصل نہیں ہوگی اور ان دو کے علاوہ کوئی بھی حتیٰ کہ ماں بھی اپنے چھوٹے بچوں پر سرپرست مقرر نہیں کر سکتی۔

مسئلہ ۵۵: جو مال پر وصی مقرر کرنے کی شرطیں ہیں۔ بچوں پر سرپرست مقرر کرنے کی ہیں احتیاطاً عادل ہونا معتبر ہے اگرچہ امین ہونے اور مصلحت کے موجود ہونے پر اکتفا کرنا بعید نہیں ہے۔

مسئلہ ۵۶: اگر موصی قیم کے لئے کسی جہت خاص اور مخصوص تصرف کو معین کر دے تو قیم صرف اسی پر اکتفا کرے اس کے علاوہ دوسرے امور حاکم شرع یا اس کے نصب کردہ شخص کے اختیار میں ہوں گے۔ پس اگر

حفظ ما له و ما يتعلق بانفاقه مثلاً ليس له الولاية على أمواله بالبيع و الاجارة و نحوهما و على نفسه بالاجارة و نحوها و على ديونه بالوفاء و الاستيفاء، ولو أطلق و قال: «فلان قيم على أولادي» مثلاً كان ولياً على جميع ما يتعلق بهم مما كان للموصي الولاية عليه، فله الانفاق عليهم بالمعروف و الانفاق على من عليهم نفقته، و حفظ أموالهم و استنماؤها واستيفاء ديونهم، و إيفاء ما عليهم، كأرش ما أتلفوا من أموال الناس، و كذا إخراج الحقوق المتعلقة بأموالهم كالخمس و غير ذلك، و في ولايته على تزويجهم كلام يأتي في محله إنشاء الله تعالى.

مسألة ٥٧ ـ يجوز جعل الولاية على الأطفال لاثنين فما زاد بالاستقلال و الاشتراك و جعل الناظر على الوصي كالوصية بالمال.

مسألة ٥٨ ـ ينفق الوصي على الصبي من غير إسراف و لا تقتير، فيطعمه و يلبسه عادة أمثاله و نظرائه، فان أسرف ضمن الزيادة، ولو بلغ فأنكر أصل الانفاق أو ادعى عليه الاسراف فالقول قول الوصي بيمينه، و كذا لو ادعى عليه أنه باع ماله من غير حاجة و لا غبطة، نعم لو اختلفا في دفع المال إليه بعد البلوغ فادعاه الوصي و أنكره الصبي قدم قول الصبي و البينة على الوصي.

مسألة ٥٩ ـ يجوز للقيم الذي يتولى أمور اليتيم أن يأخذ من ماله أجرة مثل عمله سواء كان غنياً أو فقيراً، و إن كان الأحوط الأولى للأول التجنب، و أما الوصي على الأموال فان عين الموصي مقدار المال الموصى به و طبقه على مصرفه المعين بحيث لم يبق شيئاً لأجرة الوصي و استلزم أخذها إما الزيادة على المال الموصى به أو النقصان في مقدار المصرف لم يجز له أن يأخذ الأجرة لنفسه، و إن عين المال و المصرف على نحو قابل للزيادة و النقصان كان حاله حال متولي الوقف في أنه لو لم يعين له جعلاً معيناً جاز له أن يأخذ أجرة مثل عمله، كما إذا أوصى بأن يصرف ثلثه أو مقداراً معيناً من المال في بناء القناطر و تسوية المعابر و تعمير المساجد.

مسألة ٦٠ ـ الوصية جائزة من طرف الموصي، فله أن يرجع عنها ما دام فيه

بچے کے مال کی حفاظت یا اس پر خرچ کرنے پر مقرر کرے تو اس مال کو بیچنے یا اجارہ پر دینے یا خود بچے کو اجارے پر دینے وغیرہ اور اس کے قرضے ادا کرنے یا وصول کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

اور اگر معین نہ کرے بلکہ مطلقاً کہہ دے کہ مثلاً (فلاں قیم علی اولادی) کہ فلاں شخص میری اولاد کا سرپرست ہے تو بچوں سے متعلق ہر وہ چیز جس کا موصی کو اختیار تھا اس کا اختیار ہوگا۔ پس سب کو حق ہے کہ معمول کے مطابق ان پر خرچ کرے اور ان لوگوں پر خرچ کرے جن کا نان و نفقہ اس کے ذمہ ہے۔ اور انکے اموال و منافع کی حفاظت کرے جن لوگوں پر اسکا حق ہے وصول کرے اس کے قرض کو ادا کرے مثلاً لوگوں کے اموال جو اس نے ضایع کئے ہوں انکا تاوان دے۔ اسیطرح سے وہ حقوق نکالے جو اسکے مال سے تعلق رکھتے ہیں جیسے خمس وغیرہ البتہ انکی شادی کے لیئے ولی ہونا ایک الگ گفتگو ہے۔ جسکو انشاءاللہ اس کی جگہ پر بیان کیا جائیگا۔

مسئلہ ۵۷: بچوں پر دو یا زیادہ افراد کو ہر ایک کو بطور مستقل یا مشترک ولی بنانا جائز ہے اور وصی پر ناظر مقرر کرنا وصیت مال کی مانند ہے۔

مسئلہ ۵۸: وصی کو چاہیئے کہ بغیر اسراف اور تنگی کے بچے پر خرچ کرے اس جیسے دوسرے بچوں کی مانند اس کو لباس اور کھانا دیتا رہے اگر اسراف کرتا ہے تو جو اس نے زیادہ خرچ کیا ہے اس کا ضامن ہوگا اگر وہ (بچہ) بالغ ہونے کے بعد اصل خرچ سے انکار کرے یا اس پر دعویٰ اسراف کرے تو قسم کے ساتھ وصی کا قول قبول کیا جائے گا۔ اور اسی طرح اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ بغیر کسی احتیاج اور مصلحت کے اس کا مال فروخت کیا ہے۔ لیکن اگر بلوغ کے بعد بچے کو مال کے واپس کرنے میں اختلاف کرے وصی اس کا دعویٰ کرے اور بچہ انکار کرے تو بچے کا قول مقدم ہوگا اور وصی کے لیئے گواہ پیش کرنا ہے۔

مسئلہ ۵۹: جو امور یتیم کا متولی ہے اس کے لیئے اس کے مال سے اپنے عمل کی اجرت مثل لینا جائز ہے۔ خواہ امیر ہو یا فقیر۔ اگرچہ مالدار کے لیئے احتیاط اور بہتر یہ ہے کہ وہ مزدوری لینے سے پرہیز کرے۔ لیکن جو اموال پر وصی ہو تو۔ اگر موصیٰ موصی بہ مال کی مقدار معین کردے اور اس کے مطابق اس کا مصرف بھی معین کردے کہ موصی کی اجرت کے لیئے کوئی چیز باقی نہ بچے اور اگر وہ اجرت لیتا ہے تو اس کا لازمہ مال موصیٰ بہ میں زیادتی یا مقدار مصرف میں کمی ہو جاتا ہو تو اس صورت میں جائز نہیں ہے کہ اپنے لیئے اجرت لے۔

لیکن اگر مال اور مصرف کو معین کرے اس طرح کہ کم و زیاد کی گنجائش ہو تو اس کا مال وقف کے متولی کی طرح ہوگا کہ اگر اس کی اجرت معین نہ ہو تو اپنے کام کی اجرت لینا جائز ہے۔ جیسا کہ اگر وصیت کرے کہ ایک تہائی مال یا اس کی معین مقدار مال سے ثلث پل اور مساجد بنانے اور راستے ہموار کرنے میں صرف کرے۔

مسئلہ ۶۰: موصی کی طرف سے وصیت جائز یعنی قابل فسخ ہے پس اسکو حق ہے کہ جب تک اس کے جسم میں روح موجود ہے وہ اسے فسخ کردے یا سرے سے بدل دے۔ یا اس میں بعض جہات۔ کیفیات و تعلقات کے لحاظ سے رد و بدل کرے۔ اور اس کو یہ بھی حق ہے کہ وہ تمام کے تمام

الروح و تبديلها من أصلها أو من بعض جهاتها وكيفياتها و متعلقاتها، فله تبديل الموصى به كلاً أو بعضاً و تغيير الوصي و الموصى له و غير ذلك، و لو رجع عن بعض الجهات يبقى غيرها بحاله، فلو أوصى بصرف ثلثه في مصارف مخصوصة و جعل الوصاية لزيد ثم بعد ذلك عدل عن وصاية زيد و جعلها لعمرو يبقى أصل الوصية بحاله، و كذلك إذا أوصى بصرف ثلثه في مصارف معينة على يد زيد ثم بعد ذلك عدل عن تلك المصارف الى أخرى تبقى الوصاية على يد زيد بحالها و هكذا، و كما له الرجوع في الوصية المتعلقة بالمال كذلك له الرجوع في الوصية بالولاية على الأطفال.

مسألة ٦١ ـ يتحقق الرجوع عن الوصية بالقول، و هو كل لفظ دال عليه عرفاً بأيّ لغة كان، نحو رجعت عن وصيّتي أو أبطلتها أو عدلت عنها أو نقضتها و نحوها، و بالفعل، و هو إما باعدام موضوعها كاتلاف الموصى به، و كذا نقله إلى الغير بعقد لازم كالبيع أو جائز كالهبة مع القبض، و إما بما يعد عند العرف رجوعاً و إن بقي الموصى به بحاله و في ملكه، كما إذا و كل شخصاً على بيعه.

مسألة ٦٢ ـ الوصية بعد ما وقعت تبقى على حالها و يعمل بها لو لم يرجع الموصي و إن طالت المدة، ولو شك في الرجوع ولو للشك في كون لفظ أو فعل رجوعاً يحكم ببقائها و عدم الرجوع، هذا إذا كانت الوصية مطلقة بأن كان مقصود الموصي وقوع مضمون الوصية و العمل بها بعد موته في أيّ زمان قضى الله عليه، و أما لو كانت مقيدة بموته في سفر كذا أو عن مرض كذا و لم يتفق موته في ذلك السفر أو عن ذلك المرض بطلت تلك الوصية، ولو أوصى في جناح سفر أو في حال مرض و نحوهما و قامت قرائن حالية أو مقالية على عدم الاطلاق و أن نظره مقصور على موته في هذه الأحوال لا يجوز العمل بها، و إلا فالأقرب الأخذ بها والعمل عليها ولو مع طول المدة إلا إذا نسخها، سيما إذا ظهر من حاله أن عدم الايصاء الجديد لأجل الاعتماد على الوصية السابقة كما إذا شوهد منه المحافظة على ورقة الوصية مثلاً.

موصی بہ یا اس کے کچھ حصّہ کو بدل دے۔ اور وصی یا موصی لہ یا ان کے علاوہ کو تبدیل کردے۔ اگر وہ بعض جہات سے منحرف ہوتا ہے تو باقی وصیت اپنی حالت پر باقی رہے گی۔

پس اگر وصیت کرے کہ مال کا تیسرا حصّہ مخصوص جگہوں پر صرف کرے۔ اور زید کو وصی مقرر کرے۔ بعد میں زید کو چھوڑ کر عمرو کو وصی بنادے تو اصل وصیت اپنے حال پر باقی رہے گی۔

اسی طرح اگر وصیت کرے کہ مال کا تیسرا حصّہ فلاں کام میں زید کے ہاتھوں خرچ ہو۔ بعد میں ان مصارف کو چھوڑ کر دوسرے مصارف کی وصیت کردے تو زید بدستور وصی رہے گا۔

مسئلہ ۶۱: وصیت سے رجوع قول کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ قول سے مراد وہ لفظ ہے جو رجوع پر عرفاً دلالت کرے چاہے جس زبان میں ہو، مثلاً میں اپنی وصیت سے پھر گیا، یا میں نے اس کو باطل کردیا، یا میں نے اس سے عدول کرلیا، یا میں نے اس کو توڑ دیا وغیرہ، یا عمل کے ذریعہ سے رجوع ثابت ہوتا ہے۔ عمل کے ذریعہ رجوع کی ایک صورت یہ ہے کہ یا تو وہ اس کے موضوع مثلاً موصی بہ کو تلف کردے اور ایسے ہی کسی دوسرے کی طرف عقد لازم کے ذریعہ منتقل کردے جیسے بیع یا عقد جائز یا ہبہ یا قبض کے ذریعہ اور عمل کے ذریعہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایسا کوئی کام کرے۔ جو عرف عام میں رجوع شمار ہو۔ اگرچہ موصی بہ اپنی حالت پر اور اس کی ملکیت میں باقی ہو۔ مثلاً کسی کو موصی بہ فروخت کردینے پر وکیل تقرر کردے۔

مسئلہ ۶۲: وصیت واقع ہونے کے بعد ایک طویل عرصہ تک اگر موصی وصیت سے نہ پھرے تو وصیت اپنی حالت پر باقی رہے گی۔ اور اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر شک ہوجائے کہ وصیت سے منحرف ہوچکا ہے وہ شک اس لفظ یا فعل کی بناء پر ہو کہ آیا رجوع ہے یا نہیں؟ تو باقی ہونے اور منحرف نہ ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب وصیت مطلق ہو یعنی موصی کا مطلب یہ ہو کہ وصیت کا مضمون واقع ہو اور اس کی موت کے بعد جس زبان میں بھی حکم الہٰی ہو اس پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن اگر وصیت کو مقید کردے فلاں سفر میں موت آئے۔ یا فلاں بیماری کی وجہ سے موت آئے۔ اس سفر میں اس کو موت نہ آئے یا اس بیماری میں نہ مرے تو یہ وصیت باطل ہے۔ اور اگر مسافرت یا بیماری کی حالت میں یا ان کے مانند وصیت کرے اور قرینۂ حالیہ یا مقالیہ وصیت کے مطلق نہ ہونے پر ہو۔ اور یہ کہ اس کی نظر میں تنہا ان حالات میں موت واقع ہوجانے پر ہو تو اس پر عمل جائز نہیں ہے۔

لیکن اگر ایسا کوئی قرینہ نہ ہو تو اقرب یہ ہے کہ اس کو قبول کرکے اس پر عمل کیا جائے۔ اگرچہ اس کو کافی عرصہ ہی کیوں نہ لگ جائے۔ مگر یہ کہ اس کو منسوخ کردیا ہو۔ خاص کر اگر اس کے حالات سے پتہ چل جائے کہ نئی وصیت نہ کرنا گذشتہ وصیت پر اعتماد کی خاطر ہے۔ مثلاً یہ دیکھا جاتا ہو کہ وہ وصیت کے کاغذ کی حفاظت کرتا ہے۔

مسئلہ ۶۳: ولایت کی وصیت چاہے مال پر ولایت ہو یا اطفال پر صرف دو عادلوں کی گواہی سے ثابت ہوگی۔

مسألة ٦٣ ـ لا تثبت الوصية بالولاية سواء كانت على المال أو على الأطفال إلا بشهادة عدلين من الرجال، و لا تقبل فيها شهادة النساء لا منفردات و لا منضمات بالرجال، و أما الوصية بالمال فهي كسائر الدعاوي المالية تثبت بشهادة رجلين عدلين و شاهد و يمين و شهادة رجل عدل و امرأتين عادلتين، و تمتاز من بين الدعاوي المالية بأمرين أحدهما- أنها تثبت بشهادة النساء منفردات و إن لم تكمل أربع و لم تنضم اليمين، فتثبت ربعها بواحدة عادلة، و نصفها باثنتين، و ثلاثة أرباعها بثلاث، و تمامها بأربع، ثانيهما- أنها تثبت بشهادة رجلين ذميين عدلين في دينهما عند الضرورة و عدم عدول المسلمين، و لا تقبل شهادة غير أهل الذمة من الكفار.

مسألة ٦٤ ـ لو كانت الورثة كباراً و أقروا كلهم بالوصية بالثلث و مادونه لوارث أو أجنبي أو بأن يصرف في مصرف تثبت في تمام الموصى به، و يلزمون بالعمل بها أخذاً باقرارهم، و لا يحتاج إلى بيّنة، و إن أقرّبها بعضهم دون بعض فان كان المقر إثنين عدلين تثبت أيضاً في التمام، لكونه إقراراً بالنسبة إلى المقر و شهادة بالنسبة إلى غيره، فلا يحتاج إلى بيّنة أخرى و إلا تثبت بالنسبة إلى حصة المقر، و يحتاج إلى البينة في الباقين، نعم لو كان المقر عدلاً واحداً و كانت الوصية بالمال لشخص أو أشخاص كفى ضم يمين المقر له باقرار المقر في ثبوت التمام، بل لو كان امرأة واحدة عادلة تثبت في ربع حصة الباقين على حذو ما تقدم في المسألة السابقة، وبالجملة المقر من الورثة شاهد بالنسبة إلى حصص الباقين كالأجنبي، فيثبت به ما يثبت به.

مسألة ٦٥ ـ لو أقر الوارث بأصل الوصية كان كالأجنبي، فليس له إنكار وصاية من يدعيها، و لا يسمع منه كغيره، نعم لو كانت الوصية متعلقة بالقصر أو العناوين العامة كالفقراء أو وجوه القرب كالمساجد و المشاهد أو الميت نفسه كاستئجار العبادات و الزيارات له و نحو ذلك كان لكل من يعلم كذب مدعي الوصاية خصوصاً إذا رأى منه الخيانة الانكار عليه و الترافع معه عند الحاكم من

اور اس میں عورتوں کی انفرادی یا انضمامی گواہی قبول نہیں ہوگی۔ لیکن مال کے بارے میں وصیت، دوسرے تمام دعوؤں کی طرح دوٗ عادل مردوں یا ایک گواہ اور قسم۔ یا عادل مرد اور دوٗ عادل عورتوں کی شہادت کے ذریعہ ثابت ہوجاتی ہے۔ اور مال دعوؤں کے درمیان۔ وصیت بالمال دو چیزوں کی وجہ سے امتیاز رکھتی ہے۔ ایک یہ کہ عورتوں کی تنہا شہادت سے ثابت ہوجاتی ہے۔

اگرچہ چار مکمل نہ ہوں اور قسم بھی شامل نہ کریں۔ پس چوتھا حصہ ایک عادل عورت کی شہادت سے نصف حصہ دوٗ عادل عورتوں کی شہادت سے دوٗ تہائی نہیں، اور مکمل وصیت چار عادل عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوجاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ضرورت کے وقت اور مسلمان عادل نہ ہوتے ہوئے دوٗ ذمی عادل جو اپنے دین میں عادل ہوں کی گواہی سے ثابت ہوجاتی ہے۔ لیکن اہلِ ذمی کے علاوہ دیگر کافروں کی شہادت قابلِ قبول نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۴: اگر وارث بڑے ہوں، اور سب کے سب ایک تہائی یا اس سے کم مال کی وارث یا کسی اور کے لئے وصیت کئے جانے کا اقرار کریں۔ یا یہ اعتراف کریں کہ اس نے کہیں خرچ کرنے کیلئے کہا ہے۔ تو اس تمام مال میں وصیت ثابت ہے اور اقرار کی بناء پر انکے لئے اس پر عمل لازمی ہوجائیگا۔ بینہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر کچھ وارث اقرار کریں لیکن کچھ اقرار نہ کریں تو اقرار کرنے والے دوٗ ہوں اور عادل ہوں تب بھی تمام اس مال میں ثابت جس کی وصیت کی گئی ہے۔ اس لئے کہ ان کا یہ اقرار اپنے لئے اقرار اور جس نے اقرار نہیں کیا اس کے لئے گواہی ہے۔ پس کسی اور گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اقرار کرنے والے اگر عادل نہ ہوں تو اقرار کرنیوالے کے حصے میں ثابت ہے۔ جبکہ دوسرے کے حصے میں ثابت ہونے کے لئے گواہی کی ضرورت ہے۔ البتہ اگر اقرار کرنے والا ایک عادل ہو اور مال کی وصیت کسی ایک شخص یا چند اشخاص کے لئے ہو تو وصیت کئے گئے تمام مال میں وصیت کے ثبوت کیلئے اقرار کرنے والے کے اقرار کے ساتھ جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے اس کی قسم کو شامل کر لینا کافی ہے۔ بلکہ اگر اقرار کرنے والی ایک عادل عورت ہو تو گذشتہ مسئلہ میں بیان شدہ طریقے کے مطابق باقی افراد کے چوتھے حصہ میں ثابت ہوجائے گی۔ باقی جس طرح مسئلہ گذشتہ بیان کیا ہے ثابت ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وارثوں میں سے جس نے اقرار کیا ہے وہ باقی دیگر افراد کے حصوں میں ثابت ہونے پر گواہ ہوگا۔ جیسے اجنبی ہوتا ہے۔ پس جیسے اجنبی کی گواہی سے ثابت ہوتی، ویسے ہی وارثوں میں سے بعض کے اقرار کرنے سے ثابت ہوجائے گی۔

مسئلہ ۶۵: اگر وارث اصل وصیت کا اقرار کرے تو وہ اجنبی کی مانند ہے۔ پس اس کو حق نہیں کہ اگر کوئی شخص وصی ہونے کا دعویٰ کرے تو اسکو جھٹلائے۔ اور دوسروں کی طرح اسکا انکار بھی نہیں سنا جائیگا۔ لیکن اگر وصیت متفرق کے اشخاص یا عام عناوین جیسے فقراء یا اللہ سے نزدیکی کے وسائل جیسے مسجدوں اور زیارت گاہوں کے سلسلہ میں یا خود میت کے سلسلہ میں ہو۔ جیسے اس کی عبادتیں اجرت پہ دینا اور اس کے لئے زیارت کروانا وغیرہ تو جو دعویدار وصایت کے جھوٹ سے آگاہ ہو اس پر اس کا انکار کرنا اور حاکم شرع سے شکایت کرنا فرض ہے۔ لیکن وارث اور اجنبی اس میں برابر ہیں۔ مگر اس چیز میں جو امورِ میت سے متعلق ہو۔ اس لئے کہ اس میں وارث کا غیر سے بہتر ہونا بعید نہیں۔ اور دوسروں سے پہلے دعویٰ کا حق اس کے

باب الحسبة، لكن الوارث و الأجنبي في ذلك سيّان إلا فيما تعلقت بأمور الميت، فانه لا يبعد أولوية الوارث من غيره، و اختصاص حق الدعوى به مقدماً على غيره.

مسألة ٦٦ ـ قد مرّ في كتاب الحجر أن الوصية نافذة في الثلث، و في الزائد يتوقف على إمضاء الوارث، و المنجزات نافذة في الأصل حتى من المريض في مرض موته، و حتى المجانية و المحاباتية على الأقوى.

مسألة ٦٧ ـ لو جمع في مرض الموت بين عطية منجزة و معلقة على الموت فان و في الثلث بهما لا إشكال في نفوذهما في تمام ما تعلقتا به، و إن لم يف بهما يبدأ بالمنجزة، فتخرج من الأصل، و تخرج المعلقة من ثلث ما بقي مع عدم إذن الورثة.

modblib.org

لئے مخصوص ہوگا۔

مسئلہ ۶۶: کتاب حجر میں گذر چکا ہے کہ وصیت مال کے تیسرے حصہ میں نافذ ہوگی۔ اور اس سے زیادہ میں وارث کی اجازت پر منحصر ہے و منجزات اصل مال میں نافذ ہے۔ یہاں تک کہ مریض سے مرض موت میں بھی چاہے علی الاقوی۔

مسئلہ ۶۷: اگر مرض موت میں منجز اور موت پر معلق دونوں طرح کے عطیے کرے۔ تو اگر ایک تہائی مال ان کے لئے کافی ہو تو وہ جن چیزوں سے متعلق ہیں۔ بلا اشکال ان میں نافذ ہوں گے۔ لیکن اگر تیسرا حصہ ان کے لئے کافی نہ ہو تو عطیہ منجزہ سے ابتداء کرے چنانچہ اس کو اصل مال سے لیا جائے گا اور عطیہ معلقہ ورثہ کی طرف سے اجازت نہ ہونے کی صورت میں تیسرے حصہ سے لیا جائے گا۔

كتاب الايمان والنذور

القول في اليمين

و يطلق عليها الحلف والقسم، وهي ثلا ثة أقسام:

الأول ـ ما يقع تأكيداً و تحقيقاً للاخبار بوقوع شيء ماضياً أو حالاً أو استقبالاً.

الثاني ـ يمين المناشدة، و هي ما يقرن به الطلب و السؤال يقصد بها حث المسؤول على إنجاح المقصود كقول السائل «أسألك بالله أن تفعل كذا».

الثالث ـ يمين العقد وهي ما يقع تأكيداً و تحقيقاً لما بنى عليه و التزم به من إيقاع أمر أو تركه في الآتي، كقوله والله لأصومن أو لأتركن شرب الدخان مثلاً لا إشكال في أنه لا ينعقد القسم الأول، و لا يترتب عليه شيء سوى الاثم فيما كان كاذباً في إخباره عن عمد، و كذا لا ينعقد القسم الثاني، و لا يترتب عليه شيء من إثم أو كفارة لا على الحالف في إحلافه، و لا على المحلوف عليه في حنثه و عدم إنجاح مسؤوله، و أما القسم الثالث فهو الذي ينعقد عند اجتماع الشرائط الآتية، و يجب برّه و الوفاء به، و يحرم حنثه، و يترتب على حنثه الكفارة.

مسألة ١ ـ لا تنعقد اليمين إلا باللفظ أو ما يقوم مقامه كاشارة الأخرس، و لا تنعقد بالكتابة على الأقوى، و الظاهر أنه لا يعتبر فيها العربية خصوصاً في

کتابِ قسم و نذر اور ان کی قسمیں

بیانِ یمین :۔ جس کو حلف اور قسم بھی کہتے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں :
پہلی قسم :۔ وہ قسم جو ماضی، حال اور مستقبل میں کسی چیز کے واقع ہونے کی خبر کی تحقیق و تاکید کیلئے ہو۔
دوسری قسم :۔ یمین مناشدہ ہے۔ یعنی وہ قسم جس کے ساتھ طلب اور سوال ہو اور اس کا مقصد مسئول کو سائل کی مراد پوری کرنے پر ابھارنا ہو جیسا کہ سائل کا یہ کہنا " میں اللہ کے نام آپ سے سوال کرتا ہوں کہ میرا فلاں کام کر دیں۔

تیسری قسم " یمین عقد " ہے۔ جس سے غرض کسی امر کے انجام دینے یا ترک کرنے کے سلسلہ میں اپنے ارادے اور التزام کی تحقیق و تاکید کو ظاہر کرنا ہے۔ مثلاً یہ کہے " خدا کی قسم میں روزہ رکھوں گا۔ یا مثلاً تمبا کو پینا چھوڑ دوں گا اس میں اشکال نہیں کہ پہلی قسم واقع نہیں ہوتی اور اس کا گناہ کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کہ اگر خبر دینے میں جھوٹ سے کام لیا ہو۔ اور اسی طرح دوسری قسم بھی منعقد نہیں ہوتی اور اسکا کوئی اثر نہیں، نہ گناہ اور نہ کفارہ، نہ قسم کھانے والے پر۔ اور نہ جس کو قسم دی گئی ہے۔ اس کے توڑنے پر۔ اور حاجت پوری نہ کرنے پر۔ رہ گئی تیسری قسم تو آئندہ شرطوں کے ہوتے ہوئے یہ قسم واقع ہو جاتی ہے۔ اور اس کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور توڑنا حرام۔ اور توڑنے کا کفارہ دینا پڑتا ہے۔

مسئلہ ۱: قسم یا لفظ سے یا اس کے قائم مقام کسی چیز سے منعقد ہوتی ہے، جیسے گونگے کا اشارہ۔ چنانچہ اقویٰ یہ ہے کہ لکھنے سے قسم منعقد نہیں ہوتی۔ اور ظاہراً اس کا عربی میں ہونا ضروری نہیں خاص کر اس کے متعلقات

متعلقاتها.

مسألة ٢ ـ لا تنعقد اليمين إلا إذا كان المقسم به هو الله جل شأنه إما بذكر اسمه العلمي المختص به كلفظ الجلالة، و يلحق به ما لا يطلق على غيره كالرحمان، أو بذكر الأوصاف و الأفعال المختصة به التي لا يشاركه فيها غيره كقوله: و مقلب القلوب و الأبصار، و الذي نفسي بيده، و الذي فلق الحبة و برأ النسمة و أشباه ذلك، أو بذكر الأوصاف و الأفعال المشتركة التي تطلق عليه تعالى و على غيره لكن الغالب إطلاقها عليه بحيث ينصرف عند الاطلاق إليه تعالى كالربّ و الخالق و البارىء و الرازق و الرحيم، و لا تنعقد بما لا ينصرف إليه كالموجود و الحيّ والسميع و البصير و القادر و إن نوى بها الحلف بذاته المقدسة على إشكال، فلا يترك الاحتياط.

مسألة ٣ ـ المعتبر في انعقاد اليمين أن يكون الحلف بالله تعالى لا بغيره فكل ما صدق عرفاً انّه حلف به تعالى انعقدت اليمين به، و الظاهر صدق ذلك بأن يقول: «و حق الله» و «بجلال الله» و «بعظمة الله» و «بكبرياء الله» و «لعمر الله» و في انعقادها بقوله: «بقدرة الله» و «بعلم الله» تأمل و إن لا يخلو من قرب.

مسألة ٤ ـ لا يعتبر في انعقادها أن يكون إنشاء القسم بحروفه بأن يقول: والله أو بالله أو تالله لأفعلنّ كذا، بل لو أنشأه بصيغتي القسم و الحلف كقوله: أقسمت بالله أو حلفت بالله انعقدت أيضاً، نعم لا يكفي لفظا أقسمت و حلفت بدون لفظ الجلالة أو ما هو بمنزلته.

مسألة ٥ ـ لا تنعقد اليمين بالحلف بالنبي صلى الله عليه و آله و الأئمة عليهم السلام و سائر النفوس المقدسة المعظمة، و لا بالقرآن الكريم و لا بالكعبة المشرفة و سائر الأمكنة المحترمة.

مسألة ٦ ـ لا تنعقد اليمين بالطلاق و نحوه بأن يقول: زوجتي طالق إن فعلت كذا أو إن لم أفعل، فلا يؤثر مثل هذه اليمين لا في حصول الطلاق و نحوه بالحنث و لا في ترتب إثم أو كفارة عليه، و كذا اليمين بالبراءة من الله تعالى أو من

میں عربیت معتبر نہیں۔

مسئلہ ۲: قسم اگر اللہ کی کھائی جائے تو منعقد ہوگی ورنہ نہیں یا تو اس کا اسم عَلَم کہ جو اس کی ذات سے مخصوص ہے۔ جیسے لفظ جلالۃ اس کے ساتھ قسم کھائی جائے۔ اور جس اسم کا استعمال غیر خدا کے لئے نہ ہوتا ہو اس کا حکم بھی یہی ہے۔ یا اسکے مخصوص اوصاف افعال کا ذکر کیا جائے جن میں اسکے علاوہ کوئی دوسرا شریک نہ ہو جیسے "مقلب القلوب والابصار" یا وہ کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا وہ کہ جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ان کو پیدا کیا یا ان کے مثل۔ یا ایسے اوصاف و افعال جو خدا اور غیر خدا دونوں کے لئے استعمال ہوتے ہوں۔ لیکن غالباً ان کا استعمال خدا کے لئے ہوتا ہو اس طرح کہ جب ان کو مطلق یعنی بغیر قرینہ کے استعمال کیا جائے تو ان سے خدا کی ذات سمجھ میں آتی ہو۔ جیسے۔ رب، خالق باری، رازق، رحیم اور جن سے خدا سمجھ میں نہ آتا ہو جیسے موجود، حتی۔ سمیع۔ بصیر۔ قادر، ان سے تو قسم منعقد نہیں ہوتی۔ اگر اس کی نیت خداوند عالم کی ذات مقدس کی قسم ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اشکال ہے۔ پس احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۳: وہ چیز قسم کے منعقد ہونے کے لئے معتبر ہے یہ ہے کہ خداوند متعال کے نام کی کھائی جائے نہ کہ کسی دوسرے کے نام کی پس جس قسم پر یہ صادق آئے کہ عرف میں یہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے تو اس سے یمین منعقد ہو جائے گی۔ اگر یہ کہے کہ حق اللہ کی قسم۔ اللہ کے جلال کی قسم۔ اللہ کی عظمت کی قسم۔ اللہ کی کبریائی کی قسم۔ اللہ کی عمر کی قسم تو ظاہراً اس پر اللہ کی قسم ہونا صادق آئے گا۔ لیکن اللہ کی قدرت اور اللہ کے علم کی قسم کھانے سے یمین کے منعقد ہونے میں تأمل ہے۔ اگرچہ قرب سے خالی نہیں۔

مسئلہ ۴: انعقاد قسم میں معتبر نہیں ہے کہ انشائی قسم حروف قسم جیسے۔ "واللّٰہ" یا "باللّٰہ" یا "تاللّٰہ" کے ذریعے ہی ہو۔

بلکہ اگر قسم یا حلف کے ذریعہ ہو جیسے "اقسمت باللّٰہ" یا "حلفت اللّٰہ" تو بھی قسم منعقد ہو جائے گی۔ البتہ "اقسمت یا حلفت" لفظ جلالہ یا اس لفظ کے بغیر جو بمنزلہ لفظ جلالہ ہو۔ انعقاد قسم کے لئے کافی نہیں۔

مسئلہ ۵: نبیٔ اکرم صلی اللہ وآلہ وسلم و آئمہ اطہار علیہم السلام و تمام نفوس مقدسہ و معظمہ قرآنِ کریم اور کعبۂ مشرفہ اور مکانات محترمہ کے اسمائے گرامی سے قسم منعقد نہیں ہوتی۔

مسئلہ ۶: طلاق یا اس کے مثل کسی دوسری چیز کے ذریعے سے قسم منعقد نہیں ہوتی، مثلاً کہے "زوجتی طالق" میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں گا اگر میں نے یہ کام انجام دیا۔ یا یہ کا کام انجام نہ دیا۔ اس طرح کی قسم اگر ٹوٹ جائے تو طلاق کے حاصل ہونے میں یا اس کے مانند یا اس پر گناہ اور کفارہ کے مترتب ہونے میں مؤثر نہیں ہوتی۔ اور اسی طریقہ سے وہ قسم بھی غیر مؤثر ہے۔ جو خداوند عالم، رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آئمہ اطہارؑ یا دین سے بیزاری کے عنوان سے ہو۔ مثلاً کہے کہ خدا یا دینِ اسلام سے بری ہوں اگر اس کام

رسوله(ص) أو من دينه أو من الأئمة عليهم السلام بأن يقول مثلاً: برأت من الله أو من دين الاسلام ان فعلت كذا أو لم أفعل كذا، فلا يؤثر في ترتب الاثم أو الكفارة على حنثه، نعم هذا الحلف بنفسه حرام، و يأثم حالفه من غير فرق بين الصدق و الكذب و الحنث و عدمه، بل الأحوط تكفير الحالف باطعام عشرة مساكين لكل مسكين مدّ، و يستغفر الله تعالى شأنه، و كذا لا تنعقد بأن يقول ان لم أفعل كذا فأنا يهودي أو نصراني مثلاً.

مسألة ٧ ـ لو علق اليمين على مشية الله تعالى بأن قال: «والله لأفعلن كذا إن شاء الله» و كان المقصود التعليق على مشيته تعالى لا مجرد التبرك بهذه الكلمة لا تنعقد حتى فيما كان المحلوف عليه فعل واجب أو ترك حرام، بخلاف ما اذا علق على مشية غيره بأن قال: «والله لأفعلن كذا إن شاء زيد» مثلاً، فانه تنعقد على تقدير مشيته، فان قال زيد: «أنا شئت أن تفعل كذا» انعقدت و يتحقق الحنث بتركه، و ان قال: «لم أشأ» لم تنعقد، ولو لم يعلم أنه شاء أولا لا يترتب عليه أثر وحنث، و كذا الحال لو علق على شيء آخر غير المشية، فانه تنعقد على تقدير حصول المعلق عليه، فيحنث لو لم يأت بالمحلوف عليه على ذلك التقدير.

مسألة ٨ ـ يعتبر في الحالف البلوغ و العقل و الاختيار و القصد و انتفاء الحجر في متعلقه، فلا تنعقد يمين الصغير و المجنون مطبقاً أو أدوارياً حال دوره و لا المكره و لا السكران، بل و لا الغضبان في شدة الغضب السالب للقصد و لا المحجور عليه فيما حجر عليه.

مسألة ٩ ـ لا تنعقد يمين الولد مع منع الوالد، و لا يمين الزوجة مع منع الزوج إلا أن يكون المحلوف عليه فعل واجب أو ترك حرام و كان المنع متوجهاً إليه، و أما إذا كان متوجهاً الى الحلف فلا يبعد عدم انعقاده، ولو حلفا في غير ذلك كان للأب أو الزوج حل اليمين و ارتفع أثرها، فلا حنث و لا كفارة عليه، و هل يشترط إذنهما و رضا هما في انعقاد يمينهما حتى أنه لو لم يطلعا على حلفهما أو لم يحلا مع علمهما لم تنعقد أصلاً أولا بل كان منعهما مانعاً عن انعقادها و حلهما رافعاً

کو انجام دوں یا اگر اس کام کو انجام نہ دوں۔

پس اس کی مخالفت پر گناہ و کفارہ نہیں۔ البتہ بذات خود قسم کھانا حرام ہے۔ اور اس کو کھانے والا گناہ گار ہے۔ چاہے جھوٹی ہو یا سچی۔ اور خواہ توڑی جائے یا نہ توڑی جائے۔ بلکہ احتیاط یہ ہے کہ قسم کھانے والا دس مسکینوں کو بعنوان کفارہ ایک ایک مُد طعام دے۔ اور خداوند عالم سے مغفرت و بخشش طلب کرے۔ اسی طرح اگر کہے اگر میں یہ کام انجام نہ دوں تو میں یہودی یا نصرانی ہوں۔ تو بھی قسم منعقد نہیں ہوتی۔

مسئلہ ۷: اگر قسم کو خداوند عالم کی مشیت پر معلق کرے مثلاً اس طرح سے کہے "قسم بخدا اگر خدا نے چاہا اس کو انجام دوں گا۔ اور اس تعلیق کا مقصد خداوند متعال کی مشیت ہو نہ کہ فقط یہ کلمہ از لحاظ تبرک استعمال کیا ہو تو یہ قسم منعقد نہیں ہے حتیٰ کہ جس کے متعلق قسم کھائی گئی ہے اس کام کا کرنا واجب اور ترک کرنا حرام ہی کیوں نہ ہو اس کے برخلاف اگر خداوند متعال کی مشیت کے علاوہ کسی دوسرے کی مشیت پر معلق کرے مثلاً کہے قسم بخدا اگر زید نے چاہا تو میں اس کا کام کو انجام دوں گا۔ تو بہ فرض اگر زید نے چاہا تو قسم منعقد ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر زید کہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اس کام کو تم انجام دو تو قسم کا انعقاد ہو جائے گا۔ اور اس کام کے ترک پر قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر کہے" میں نہیں چاہتا ہوں کہ اس کام کو تم انجام دو" تو قسم منعقد نہیں ہوتی۔ اگر قسم کھانے والا نہ جانے کہ زید اس کام کے انجام دینے کو چاہتا ہے یا نہیں تو نہ قسم ٹوٹے گی اور نہ اس کا کوئی اثر ہے۔ اور اسی طریقہ سے اگر کوئی مشیت کے علاوہ کسی اور چیز پر معلق کرے تو جس پر اس کو معلق کیا گیا ہے اس کے حاصل ہونے پر قسم منعقد ہو جائے گی اور قسم کھائی گئی چیز کو انجام نہ دینے پر قسم ٹوٹ جائے گی۔

مسئلہ ۸: قسم کھانے والے کے لئے ہے کہ وہ بالغ، عاقل با اختیار ہو اور قصد رکھتا ہو اور جس چیز کی قسم اس نے کھائی ہے اس میں تصرف سے روکا نہ گیا ہو۔ لہٰذا بچے۔ دیوانے کی قسم خواہ اسکی دیوانگی دائمی ہو یا ادواری کہ دورِ جنون میں منعقد نہیں ہو گی۔ مجبور کئے گئے اور بے ہوش کی قسم بلکہ اگر کوئی اس طرح غضبناک ہو کہ اس کا ارادہ سلب ہو جائے اس کی قسم اور ممنوع التصرف کی قسم ان موارد میں جن میں اس کو تصرف سے روکا گیا ہے منعقد نہیں ہوتی۔

مسئلہ ۹: بیٹے کی قسم باپ کے منع کرنے پر اور بیوی کی قسم شوہر کے منع کرنے پر منعقد نہیں ہوتی مگر یہ کہ جس کے لئے قسم کھائی جا رہی ہو وہ فعل واجب یا ترک حرام ہو۔ اور اسی سے روکا جا رہا ہو۔ لیکن اگر قسم سے روکا جا رہا ہو تو بعید نہیں ہے کہ منعقد نہ ہو۔ اور اگر ان کے علاوہ قسم کھائے تو باپ اور شوہر کو حق ہے کہ وہ قسم کو منحل کر دیں۔ اور اس کے اثر کو ختم کر دیں۔ پس اسکی مخالفت سے نہ قسم ٹوٹے گی نہ کفارہ دینا پڑے گا۔ اور آیا باپ اور شوہر کی اجازت و رضایت بیٹے اور بیوی کی قسم منعقد ہونے میں شرط ہے کہ اگر ان کو ان کی قسم کا پتہ نہ چلے یا پتہ چل جائے مگر اسے منحل نہ کریں تب بھی اصلاً منعقد نہ ہو یا شرط نہیں بلکہ ان کا منع کرنا ہی انعقاد سے مانع ہو گا اور ان کا منحل کرنا ہی اس کے استمرار کو ختم کرے گا۔ چنانچہ مذکورہ دونوں صورتوں میں قسم صحیح ہو؟

لاستمرارها فتصح و تنعقد في الصورتين المزبورتين؟ قولان، أولهما لا يخلو من رجحان، فحينئذ لا يبعد عدم الانعقاد بدون إذنهما حتى في فعل واجب أو ترك حرام، لكن لا يترك الاحتياط خصوصاً فيهما.

مسألة ١٠ ـ لا إشكال في انعقاد اليمين لو تعلقت بفعل واجب أو مستحب أو بترك حرام أو مكروه و في عدم انعقادها لو تعلقت بفعل حرام أو مكروه أو بترك واجب أو مستحب، و أما المباح المتساوي الطرفين في نظر الشرع فان ترجح فعله على تركه بحسب المنافع و الأغراض العقلائية الدنيوية أو العكس فلا إشكال في انعقادها إذا تعلقت بطرفه الراجح، و عدم انعقادها لو تعلقت بطرفه المرجوح، ولو ساوى طرفاه بحسب الدنيا أيضاً فهل تنعقد إن تعلقت به فعلاً أو تركاً؟ قولان، أشهر هما و أحوطهما أولهما، بل لا يخلو من قوة.

مسألة ١١ ـ كما لا تنعقد اليمين على ما كان مرجوحاً تنحل إن تعلقت براجح ثم صار مرجوحاً. ولو عاد إلى الرجحان لم تعد اليمين بعد انحلالها على الأقوى.

مسألة ١٢ ـ انما تنعقد اليمين على المقدور دون غيره، ولو كان مقدوراً ثم طرأ عليه العجز بعدها انحلت اذا كان عجزه في تمام الوقت المضروب للمحلوف عليه أو أبداً اذا كان الحلف مطلقاً، وكذا الحال في العسر والحرج الرافعين للتكليف.

مسألة ١٣ ـ اذا انعقدت اليمين وجب عليه الوفاء بها، و حرمت عليه مخالفتها، و وجبت الكفارة بحنثها، و الحنث الموجب للكفارة هي المخالفة عمداً، فلو كانت جهلاً أو نسياناً أو اضطراراً أو إكراهاً فلا حنث و لا كفارة.

مسألة ١٤ ـ لو كان متعلق اليمين فعلاً كالصلاة و الصوم فان عيّن له وقتا تعيّن، و كان الوفاء بها بالاتيان به في وقته، وحنثها بعدم الاتيان فيه و ان أتى به في وقت آخر، و ان أطلق كان الوفاء بها بايجاده في أيّ وقت كان ولو مرة واحدة، و حنثها بتركه بالمرة، و لا يجب التكرار و لا الفور والبدار، و يجوز له التأخير ولو بالاختيار الى أن يظن الفوت لظن طرو العجز أو عروض الموت، و ان كان متعلقها الترك كما اذا حلف أن لا يشرب الدخان مثلاً فان قيده بزمان

اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول رجحان سے خالی نہیں۔ پس ایسی صورت میں ان دو کی اجازت کے بغیر حتیٰ فعلِ واجب اور ترکِ حرام میں بھی قسم منعقد نہیں ہوگی۔ لیکن احتیاط ترک نہ کی جائے خاص کر فعلِ واجب اور ترکِ حرام میں۔

مسئلہ ۱۰: اگر فعلِ واجب یا مستحب یا ترکِ حرام یا مکروہ کے سلسلہ میں قسم کھائے تو اس کے منعقد ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ اور اگر فعلِ حرام یا مکروہ یا ترکِ واجب یا مستحب کے بارے میں ہو تو اس کے منعقد نہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔

لیکن اس فعلِ مباح کے سلسلہ میں جو شریعت کی نظر میں "متساوی الطرفین" ہو، تو اگر اس کا فعل اس کے ترک پر منافع، اغراضِ عقلائی، دنیوی یا دینی کے اعتبار سے ترجیح رکھتا ہو تو قسم کے منعقد ہونے میں کوئی اشکال نہیں جب ترجیح والی سمت سے متعلق ہو۔ اور منعقد نہ ہونا بلا اشکال ہے جب قسم کا تعلق سمت مرجوح سے ہو۔ لیکن اگر طرفین مساوی ہوں اور دنیا کے اعتبار سے بھی تو اگر اس سے فعل یا ترکِ فعل یا ترکِ متعلق ہو تو آیا قسم منعقد ہوگی یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں۔ جن میں اشہر واحوط پہلا ہے۔ بلکہ قوت سے خالی نہیں۔

مسئلہ ۱۱: جس طرح کہ طرف مرجوح کی قسم منعقد نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر طرف راجح سے متعلق ہو لیکن بعد میں مرجوح ہو جائے تو قسم ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس میں پھر سے رجحان عود کر آئے تو اقویٰ یہ ہے کہ منحل ہو جانے کے بعد قسم عود نہیں کرے گی۔

مسئلہ ۱۲: قسم صرف شئے مقدور پر منعقد ہوتی ہے غیر مقدور پر نہیں۔ اگر مقدور ہو۔ لیکن بعد میں عجز طاری ہو جائے تو قسم منحل ہو جائے گی۔ بشرطیکہ قسم کھائی گئی چیز تمام معین شدہ وقت میں قدرت سے باہر رہے یا ہمیشہ قدرت سے باہر رہے اگر حلف مطلق ہو تو۔ یہی حکم عسر و حرج کا بھی ہے جن کی وجہ سے شرعی تکلیف اٹھ جاتی ہے۔

مسئلہ ۱۳: قسم منعقد ہو جانے کے بعد اس کی وفا واجب ہے۔ اور مخالفت حرام ہے۔ اور اگر توڑ دے تو کفارہ واجب ہے۔ جس "حنث" یعنی قسم توڑنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جان کر قسم توڑے۔ اگر نادانی، نسیان، یا مجبوری یا اکراہ کی حالت میں ٹوٹ جائے، تو نہ قسم ٹوٹنا کہا جائے گا اور نہ کفارہ ہوگا۔

مسئلہ ۱۴: اگر متعلق قسم فعل جیسے نماز، روزہ ہو تو اگر اس کا وقت معین کیا ہو تو وہی وقت رہے گا۔ اور اسی وقت میں بجالانے پر قسم کی وفا ہوگی۔ اور اسمیں بجا نہ لانے پر ٹوٹ جائیگی۔ چاہے دوسرے وقت میں انجام بھی دے ڈالے۔ لیکن اگر وقت معین نہ کرے بلکہ مطلق رکھے تو جس وقت میں بھی بجالائے قسم کی وفا ہو جائے گی چاہے ایک مرتبہ ہی بجالائے۔ اور ایک مرتبہ چھوڑ دینے پر ٹوٹ جائے گی۔ تکرار، فوریت اور سبقت واجب نہیں۔ اور اس وقت تک تاخیر "خواہ اختیاراً" ہی ہو جائز ہے۔ جب کہ گمان ہو جائے کہ چھوٹ جائے گی یا عاجز ہو جائیگا یا مر جائے گا وغیرہ۔ اور اگر متعلق قسم ترک ہو، مثلاً قسم کھائے کہ تمباکو

كان حنثها بايجاده ولو مرة في ذلك الزمان، و ان أطلق كان مقتضاه التأبيد مدة العمر، فلو أتى به مدته ولو مرة تحقق الحنث.

مسألة ١٥ ـ لو كان المحلوف عليه الاتيان بعمل كصوم يوم سواء كان مقيداً بزمان كصوم يوم من شعبان أو مطلقاً لم يكن له إلا حنث واحد بتركه في الوقت المضروب أو مطلقاً، و كذلك اذا كان ترك عمل على الاطلاق سواء قيده بزمان أم لا، فالوفاء بها بتركه في الوقت المضروب أو مطلقاً، و حنثها بايقاعه ولو مرة واحدة، فلو أتى به حنث و انحلت اليمين، فلو أتى به مراراً لم يحنث إلا مرة واحدة، فلا تتكرر الكفارة، و الأقوى أن الأمر كذلك لو حلف على أن يصوم كل خميس، أو حلف أن لا يشرب الدخان كل جمعة، فلا يتكرر الحنث والكفارة لو ترك الصوم في أكثر من يوم، أو شرب الدخان في أكثر من جمعة، و تنحل اليمين بالمخالفة الأولى، و الاحتياط حسن.

مسألة ١٦ ـ كفارة اليمين عتق رقبة أو إطعام عشرة مساكين أو كسوتهم، فان لم يقدر فصيام ثلاثة أيام، و سيجيء تفصيلها في الكفارات ان شاء الله تعالى.

مسألة ١٧ ـ الأيمان الصادقة كلها مكروهة، سواء كانت على الماضي أو المستقبل، نعم لو قصد بها دفع مظلمة عن نفسه أو غيره من إخوانه جاز بلا كراهة ولو كذباً، بل ربما تجب اليمين الكاذبة لدفع ظالم عن نفسه أو عرضه أو عن نفس مؤمن أو عرضه، والأقوى عدم وجوب التورية و إن أحسنها.

مسألة ١٨ ـ الأقوى جواز الحلف بغير الله في الماضي و المستقبل و إن لم يترتب على مخالفته إثم و لا كفارة، كما أنه ليس قسماً فاصلاً في الدعاوي و المرافعات.

القول في النذر

مسألة ١ ـ النذر هو الالتزام بعمل لله تعالى على نحو مخصوص، و لا ينعقد

نہیں پڑے گا۔ تو اگر اس کو کسی زمانہ سے مقید کرے تو اس زمانہ میں خواہ ایک مرتبہ ہی سہی تمباکو پینے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر مطلق رکھا ہو تو اس کا مقتضی ہمیشگی اور مادام العمر ہے۔ چنانچہ اگر ساری عمر میں ایک مرتبہ بھی تمباکو پے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

مسئلہ ۱۵: اگر کسی کام کو انجام دینے کی قسم کھائی ہو۔ جیسے ایک دن کا روزہ چاہے مقید ہو جیسے شعبان میں ایک دن، یا مطلق ہو تو معیّن وقت میں یا کسی وقت بھی ایک بار ترک کرنے سے ہی ٹوٹ جائیگی۔ اسی طرح اگر مطلق طور پر کسی عمل کے ترک کی قسم کھائی ہو چاہے اس میں وقت کی قید ہو یا نہ ہو۔ تو قسم پوری ہونے کا انحصار اس کے معیّن وقت یا کسی بھی وقت میں اس عمل کے ترک پر ہے۔ اور اس کا ٹوٹ جانا اس عمل کے انجام دینے پر ہے چاہے۔ ایک ہی مرتبہ انجام دے۔ پس اگر اس عمل کو انجام دے تو قسم توڑنے کا مرتکب ہوگا اور یمین منحل ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر کئی بار وہ عمل انجام دے تو قسم صرف ایک بار سے ٹوٹ جائے گی۔ لہٰذا کفارہ مکرر نہیں ہوگا۔ اور اقویٰ یہ ہے کہ اگر ہر جمعرات روزہ رکھنے کی یا ہر جمعہ کو تمباکو نہ پینے کی قسم کھائے، تو ایک دن سے زیادہ کے روزے ترک کرنے یا ایک جمعہ سے زیادہ تمباکو پینے پر بھی حکم وہی رہے گا۔ پس نہ بار بار قسم ٹوٹے گی اور نہ کفارہ بار بار دینا پڑے گا۔ چنانچہ پہلی ہی مخالفت سے قسم منحل ہو جائے گی اور احتیاط بہتر ہے۔

مسئلہ ۱۶: قسم توڑنے کا کفارہ غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا لباس پہنانا ہے۔ اگر اس پر قادر نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں۔ اور کتاب کفارات میں انشاءاللہ اس کی تفصیل بیان ہوگی۔

مسئلہ ۱۷: تمام سچی قسمیں مکروہ ہیں، چاہے ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے۔ البتہ اگر اپنی یا اپنے دوسرے بھائیوں کی ذات سے ظلم وستم دفع کرنا چاہتا ہو تو بغیر کراہت کے جائز ہے چاہے جھوٹی ہی ہو بلکہ کبھی کبھی تو اپنی جان وناموس، یا کسی مومن کی جان وناموس کو ظالم سے بچانے کے لئے جھوٹی قسم واجب ہو جاتی ہے۔ اور اقویٰ یہ ہے کہ ایسے مواقع پر توریہ واجب نہیں چاہے اچھی طرح کرسکتا ہو۔

مسئلہ ۱۸: اقویٰ یہ ہے کہ ماضی یا مستقبل سے متعلق غیر خدا کی قسم کھانا جائز ہے اگرچہ اس کی مخالفت کا نہ کفارہ ہے اور نہ کوئی گناہ، جیسا کہ باب قضایا میں ایسی قسم فیصلہ کن بھی نہیں ہوگی۔

نذر

مسئلہ ۱: نذر کسی کام کا خداوند عالم کے لئے بطور خصوص اپنے اوپر لازم قرار دیدینا۔ نذر فقط نیّت سے ہی منعقد نہیں ہو جاتی بلکہ اس میں صیغہ کی بھی ضرورت ہے۔ صیغہ کے الفاظ وہ ہوں جن کا مفاد خدا کے لئے کسی

بمجرد النية، بل لابد من الصيغة، وهي ما كان مفادها جعل فعل أو ترك على ذمته لله تعالى، بأن يقول: لله عليّ أن أصوم أو أن أترك شرب الخمر مثلاً، و هل يعتبر في الصيغة قول: «لله» بالخصوص أو يجزي غير هذه اللفظة من أسمائه المختصة كما تقدم في اليمين؟ الظاهر هو الثاني، و لا يبعد انعقاده بما يرادف القول المزبور من كل لغة خصوصاً لمن لا يحسن العربية، ولو اقتصر على قوله: «عليّ كذا» لم ينعقد و إن نوى في ضميره معنى «لله» و لو قال: «نذرت لله أن أصوم» مثلاً أو «لله عليّ نذر صوم يوم» مثلاً لم ينعقد على إشكال، فلا يترك الاحتياط.

مسألة ٢ ـ يشترط في الناذر البلوغ و العقل و الاختيار و القصد وانتفاء الحجر في متعلق نذره، فلا ينعقد نذر الصبي و إن كان مميزاً و بلغ عشراً و لا المجنون ولو أدوارياً حال دوره، و لا المكره، و لا السكران، بل و لا الغضبان غضباً رافعاً للقصد، و لا السفيه المحجور عليه إن كان المنذور مالاً ولو في ذمته، و لا المفلس المحجور عليه إن كان المنذور من المال الذي حجر عليه و تعلق به حق الغرماء.

مسألة ٣ ـ لا يصح نذر الزوجة مع منع الزوج و إن كان متعلقا بمالها و لم يكن العمل به مانعاً عن حقه، بل الظاهر اشتراط انعقاده باذنه، ولو أذن لها فنذرت انعقد، و ليس له بعد ذلك حله ولا المنع عن الوفاء به، و لا يشترط نذر الولد باذن والده على الأظهر، و ليس له حله و لا منعه عن الوفاء به.

مسألة ٤ ـ النذر إما نذر بر و يقال له: نذر المجازاة، و هو ما علق على أمر إما شكراً لنعمة دنيوية أو أخروية كأن يقول: «إن رزقت ولداً فللّه عليّ كذا» أو «إن وفقت لزيارة بيت الله فللّه عليّ كذا» و إما استدفاعاً لبلية كأن يقول: إن شفى الله مريضي فللّه علي كذا، و إما نذر زجر، و هو ما علق على فعل حرام أو مكروه زجراً للنفس عن ارتكابها مثل أن يقول: «إن تعمدت الكذب أو بلت في الماء فللّه عليّ كذا» أو على ترك واجب أو مستحب زجراً لها عن تركها، و إما نذر تبرع، و هو ما كان مطلقاً و لم يعلق على شيء، كأن يقول: «لله عليّ أن

کسی کام کو انجام دینے یا ترک کرنے کو اپنے ذمّے قرار دینا ہو مثلاً کہے۔ "میں خدا کے لئے روزہ رکھوں گا یا شراب کو ترک کردوں گا" آیا صیغہ کے لئے بالخصوص لفظ "اللہ" معتبر ہے۔ یا اس لفظ کے علاوہ اسماء بھی جائز ہیں۔ جو اسم خدا سے مخصوص ہیں۔ جس طرح قسم میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ظاہر قول دوم ہے۔ اور بعید نہیں ہے کہ کسی بھی زبان کے الفاظ میں جو قول مذکور کے مترادف ہوں۔ خاص کر اس شخص کے لئے جو عربی زبان اچھی طرح نہ جانتا ہو۔ صیغہ منعقد ہو جائے۔ اگر صرف یہ کہے کہ میرے ذمّے یہ ہے تو صیغہ منعقد نہیں ہوگا۔ اگرچہ دل میں اس نے "اللہ" کے معنیٰ کا قصد کیا ہو۔ اور اگر کہے کہ میں نے اللہ کے لئے نذر کی ہے کہ میں روزہ رکھوں گا۔ یا مثلاً یوں کہے کہ اللہ کے لئے ایک دن کے روزے کی نذر میرے ذمّے ہے۔ تو منعقد نہیں ہوگا اگرچہ اشکال ہے۔ اور لہٰذا احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۲: نذر کرنے والے کے لئے بالغ، عاقل، با اختیار، با ارادہ اور متعلق نذر میں ممنوع التصرف نہ ہونا شرط ہے۔ پس بچے کی نذر اگرچہ وہ ممیز ہو اور اسکی عمر دس سال ہو، اور دیوانہ کی نذر جبکہ اس پر دیوانگی طاری ہو اگرچہ اس کی دیوانگی ادواری ہی کیوں نہ ہو۔ منعقد نہیں ہو سکتی۔ نیز مجبور کئے گئے اور مست بلکہ ایسے غصّے کی حالت میں جس سے ارادہ سلب ہو جائے اور اس بیوقوف کی نذر جسکو مال میں تصرف کا حق نہ ہو۔ بشرطیکہ نذر کی گئی چیز مال ہو چاہے۔ اس کے ذمّے ہی کیوں نہ ہو، اور اس غریب کی نذر جس کو تصرف سے روک دیا گیا ہو۔ بشرطیکہ نذر اس مال میں سے ہو جس میں تصرف سے روک دیا گیا ہے۔ اور قرض خواہوں کا حق اس میں ہو منعقد نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۳: بیوی کی نذر شوہر کے منع کرنے پر اگرچہ بیوی کے اپنے مال سے متعلق ہو اور نذر پر عمل کرنا شوہر کے حق سے مانع بھی نہ ہو۔ درست نہیں ہے۔ بلکہ ظاہراً اس کے انعقاد کے لئے شوہر کی اجازت شرط ہے۔ چنانچہ شوہر اگر اجازت دیدے اور وہ نذر کرلے تو نذر منعقد ہو جائے گی۔ پھر شوہر کو حق نہیں پہونچتا کہ اس کو منحل کرے یا اس پر عمل کرنے سے روکے اور اظہر یہ ہے کہ بیٹے کی نذر کیلئے باپ کی اجازت شرط نہیں ہے۔ اور نہ وہ اس کو منحل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے روکنے کا حق نہیں رکھتا ہے۔

مسئلہ ۴: نذر یا تو نذر "بر" ہے کہ جس کو نذر مجازات کہتے ہیں۔ نذر مجازات کا مطلب یہ ہے کہ یا دنیاوی اور اخروی نعمت کے شکر کے طور پر کسی چیز پر معلق ہو۔ جیسے اگر یوں کہے۔ اگر اللہ نے مجھے فرزند عطا کیا تو میں اللہ کے لئے فلاں کام کروں گا۔ یا اگر مجھے بیت اللہ کی زیارت نصیب ہوگئی تو اللہ کے لئے فلاں کام کروں گا۔ یا ردِ بلا کے لئے کسی چیز پر معلق ہو مثلاً کہے۔ اگر خدا نے مریض کو شفاء عطا کی تو میں خدا کے لئے فلاں کام کروں گا۔ یا نذر "زجر" ہے جیسے اپنے نفس کو فعل حرام یا مکروہ کے ارتکاب سے روکنے کے لئے فعل حرام یا مکروہ پر معلق ہو مثلاً اگر میں نے عمداً جھوٹ بولا یا پانی میں پیشاب کیا تو خدا کے لئے مجھ پر فلاں کام ضروری ہوگا۔ یا اپنے نفس کو ترکِ واجب یا مستحب کے ترک سے روکنے کے لئے ترک واجب یا مستحب پر معلق کرے۔ یا نذر۔ نذر تبرعی ہے اس سے مراد وہ نذر ہے جو مطلق ہو اور کسی چیز پر معلق نہ ہو۔ مثلاً کہے مجھ پر واجب ہے کہ میں کل خدا کے لئے روزہ رکھوں پہلی اور دوسری قسم کی نذر کے انعقاد میں کوئی اشکال اور اختلاف نہیں ہے۔ جبکہ آخری قسم کے انعقاد میں دو قول ہیں۔ اقویٰ یہ

أصوم غداً» لا إشكال و لا خلاف في انعقاد الأولين، و في انعقاد الأخير قولان، أقواهما الانعقاد.

مسألة ٥ ـ يشترط في متعلق النذر مطلقا أن يكون مقدوراً للناذر، و أن يكون طاعة لله تعالى صلاة أو صوماً أو حجاً و نحوها مما يعتبر في صحتها القربة، أو أمراً ندب إليه الشرع و يصح التقرب به كزيارة المؤمنين و تشييع الجنازة و عيادة المرضى و غيرها، فينعقد في كل واجب أو مندوب ولو كفائياً إذا تعلق بفعله، و في كل حرام أو مكروه إذا تعلق بتركه، و أما المباح كما إذا نذر أكل طعام أو تركه فان قصد به معنى راجحاً كما لو قصد بأكله التقوّي على العبادة أو بتركه منع النفس عن الشهوة فلا إشكال في انعقاده، كما لا إشكال في عدم الانعقاد فيما إذا صار متعلقه فعلا أو تركاً بسبب اقترانه ببعض العوارض مرجوحاً ولو دنيوياً، و أما إذا لم يقصد به معنى راجحاً و لم يطرأ عليه ما يوجب رجحانه أو مرجوحيته فالظاهر عدم انعقاده، لكن لا ينبغي ترك الاحتياط فيه.

مسألة ٦ ـ قد عرفت أن النذر إما معلق على أمر أولا، و الأول على قسمين: نذر شكر و نذر زجر، فليعلم أن المعلق عليه في نذر الشكر إما من فعل الناذر أو من فعل غيره أو من فعل الله تعالى، و لابد في الجميع من أن يكون أمراً صالحاً لأن يشكر عليه حتى يقع المنذور مجازاة له، فان كان من فعل الناذر فلابد أن يكون طاعة لله تعالى من فعل واجب أو مندوب أو ترك حرام أو مكروه، فيلتزم بالمنذور شكراً لله تعالى حيث وفقه عليها، فلو علقه شكراً على ترك واجب أو مندوب أو فعل حرام أو مكروه لم ينعقد، و إن كان من فعل غيره فلابد أن يكون فيه منفعة دينية أو دنيوية للناذر صالحة للشكر عليها شرعاً أو عرفاً، و لا ينعقد في عكسه، مثل أن يقول: «إن شاع بين الناس المنكرات فللّه عليّ كذا» و إن كان من فعل الله تعالى لزم أن يكون أمراً يسوغ تمنيه، و يحسن طلبه منه تعالى كشفاء مريض أو هلاك عدو ديني أو أمن في البلاد و نحوها فلا ينعقد في عكسه، كما إذا قال: إن أهلك الله هذا المؤمن الصالح أو قال: إن وقع القحط في البلاد

ہے کہ منعقد ہو جائے گی۔

مسئلہ ۵: متعلق نذر کے لئے مطلقاً شرط یہ ہے کہ نذر کرنے والا اس پر قدرت رکھتا ہو اور یہ کہ وہ اللہ کی اطاعت ہو، چاہے نماز ہو یا روزہ یا حج وغیرہ جیسے اعمال کہ جن میں قصدِ قربت معتبر ہے۔ یا ایسا امر ہو کہ شریعت نے اسے مستحب کیا ہو۔ اور اس کے ذریعہ قصدِ قربت صحیح ہو۔ مثلاً زیارت مومنین، تشییع جنازہ، مریضوں کی عیادت وغیرہ جیسے اعمال۔ پس ہر واجب اور ہر مستحب میں اگرچہ کفائی ہی کیوں نہ ہوں۔ جبکہ اس کا تعلق انجام دینے سے ہو اور ہر حرام یا مکروہ میں جبکہ اسکا تعلق ترک کرنے سے ہو نذر منعقد ہو جاتی ہے۔ رہ گیا مباح کام۔ جیسے کھانا کھانے یا نہ کھانے کے لئے نذر کرے۔ اگر اس سے پسندیدہ معنیٰ کا قصد رکھتا ہو۔ مثلاً یہ ارادہ ہو کہ کھانے سے عبادت کرنے میں تقویت ملے گی۔ یا اس کے ترک سے اپنے نفس کو شہوتوں سے روکنا ہو تو اس کے انعقاد میں کوئی اشکال نہیں۔

جیسے کہ اگر متعلق نذر چاہے فعل ہو یا ترکِ فعل۔ بعض چیزوں کے اس پر عارض ہو جانے کی بناء پر ناپسندیدہ ہو جائے چاہے دنیاوی اعتبار سے ہی سہی تو اس کے منعقد نہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر فعل یا ترک سے کوئی پسندیدہ چیز مراد نہ ہو اور اس کے ساتھ کوئی ایسی چیز بھی ملحق نہ ہو جو شرعی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا سبب ہوتی ہو تو ظاہر یہ ہے کہ نذر منعقد نہیں ہوگی۔ لیکن اس میں ترکِ احتیاط مناسب نہیں۔

مسئلہ ۶: یہ تو آپ جان ہی چکے کہ نذر یا کسی چیز پر معلق ہوگی۔ یا معلق نہیں ہوگی۔ معلق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نذر شکر اور دوسری نذر زجر۔ پس یہ بھی جان لیجئے کہ نذر شکر یا نذر کرنے والے کے فعل پر معلق ہوگی یا کسی دوسرے کے فعل پر۔ یا اللہ تعالیٰ کے فعل پر۔ ان تمام صورتوں میں ضروری ہے کہ اس فعل میں صلاحیت ہو کہ اس پر شکر کیا جا سکے۔ تاکہ نذر کی گئی چیز اس کا صلہ قرار پائیں گے۔ پس اگر نذر کرنے والے کا فعل ہو تو اللہ کی اطاعت ہونا چاہئے۔ چاہے فعلِ واجب ہو یا مستحب یا ترک حرام ہو یا مکروہ چنانچہ اس نذر سے وہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے یہ کام کرنے کی اُسے توفیق کرامت فرمائی۔

پس اگر نذر کو ترکِ واجب یا مستحب یا فعلِ حرام و مکروہ کے شکر پر معلق کرے تو منعقد نہیں ہوگی۔ اگر اس کے علاوہ کسی دوسرے کا فعل ہو تو ضروری ہے کہ نذر کرنے والے کے لئے اس میں فائدہ دینی و دنیوی ہو کہ شرعاً و عرفاً شکر کے لئے بھی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر اس کے برعکس ہو تو (نذر) منعقد نہیں ہوگی۔ مثلاً یہ نذر کرے کہ اگر برائیاں لوگوں کے درمیان رواج پا گئیں تو خدا کے لئے میں فلاں کام کروں گا۔ اور اگر خداوند متعال کا فعل ہو تو ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جس کی تمنا کرنا جائز ہو اور اس کو خدا سے طلب کرنا مستحسن ہو مثلاً مریض کی شفاء کے لئے۔ یا دشمنِ دین کی ہلاکت کے لئے یا شہری امن و امان کے لئے وغیرہ چنانچہ اگر اس کے برعکس ہو تو منعقد نہیں ہوگی۔ مثلاً اگر یہ کہے کہ اگر خدا اس مومن صالح کو ہلاک کر دے یا کہے اگر شہر میں قحط پڑ جائے تو خدا کے لئے میں فلاں کام کروں گا۔ لیکن نذر زجر میں ضروری ہے کہ شرط اور نذر، ناذر کا اختیاری فعل یا ترک ہو۔ اور وہ نہ کیے جانے کے قابل ہو تاکہ نذر اس کے لئے مانع ہو جائے۔

فكذا، و أما نذر الزجر فلابد و أن يكون الشرط و المعلق عليه فعلاً أو تركاً اختيارياً للناذر، و كان صالحاً لأن يزجر عنه حتى يقع النذر زاجراً عنه، كفعل حرام أو مكروه أو ترك واجب أو مندوب.

مسألة ٧ ـ إن كان الشرط فعلاً اختيارياً للناذر فالنذر المعلق عليه قابل لأن يكون نذر شكر و أن يكون نذر زجر، و المائز هوالقصد، مثلاً لو قال: «إن شربت الخمر فلله عليّ كذا» و كان في مقام زجر النفس و صرفها عن الشرب و انما أوجب على نفسه شيئاً على تقدير شربه ليكون زاجراً عنه، فهو نذر زجر فينعقد، و إن كان في مقام تنشيط النفس و ترغيبها و قد جعل المنذور جزاءً لصدوره منه و تهيؤ أسبابه له كان نذر شكر، فلا ينعقد.

مسألة ٨ ـ لو نذر الصلاة أو الصوم أو الصدقة في زمان معين تعين، فلو أتى بها في غيره لم يجز، و كذا لو نذرها في مكان فيه رجحان، فلا يجزي في غيره و إن كان أفضل، ولو نذرها في مكان ليس فيه رجحان ففي انعقاده و تعينه و جهان بل قولان، أقواهما الانعقاد، نعم لو نذر إيقاع بعض فرائضه أو بعض نوافله الراتبة كصلاة الليل أو صوم شهر رمضان مثلاً في مكان أو بلد لا رجحان فيه بحيث لم يتعلق النذر بأصل الصلاة و الصيام بل بايقاعها في المكان الخاص فالظاهر عدم انعقاده، هذا إذا لم يطرأ عليه عنوان راجح مثل كونه أفرغ للعبادة أو أبعد عن الرياء و نحو ذلك، و إلا فلا إشكال في الانعقاد.

مسألة ٩ ـ لو نذر صوماً و لم يعين العدد كفى صوم يوم، ولو نذر صلاة و لم يعين الكيفية و الكمية فلا يبعد إجزاء ركعة الوتر إلا أن يكون قصده غير الرواتب، فلا يجزي إلا الاتيان بركعتين، ولو نذر صدقة ولم يعين جنسها و مقدارها كفى أقل مايتناوله الاسم، ولو نذر أن يأتي بفعل قربي يكفي كل ما هو كذلك ولو تسبيحة واحدة أو الصلاة على النبي و آله صلوات الله عليهم أو التصدق بشيء إلى غير ذلك.

مسألة ١٠ ـ لو نذر صوم عشرة أيام مثلاً فان قيد بالتتابع أو التفريق تعين، و

جیسے فعلِ حرام یا مکروہ یا ترکِ واجب یا مستحب۔

مسئلہ ۷ : اگر شرطِ نا ذر اختیاری فعل ہو تو نذر کہ جو اس پر معلق ہے۔ نذرِ شکر اور نذرِ زجر ہونیکے قابل ہوجاتی ہے۔ دونوں میں تمیز اس کی نیّت پر منحصر ہے۔ مثلاً کہے کہ اگر میں نے شراب پی تو خدا کے لئے میں فلاں کام کرونگا۔ اور وہ اپنے نفس کو روکنے اور شراب پینے سے اور اس سے باز رکھنے کے لئے ہو۔ اور اس نے صرف شراب پی لینے کی صورت میں اپنے اوپر کسی فعل کو واجب کیا ہو تاکہ اپنے کو شراب سے باز رکھ سکے تو یہ نذرِ زجر ہے۔ اور منعقد ہوجائے گی۔ لیکن اگر نفس کو خوش کرنے اور ترغیب دینے کے موڈ میں ہو اور نذر کو اپنے سے اس فعل کے صادر ہونے اور اس کے اسباب مہیا ہونے کی جزا قرار دے تو یہ۔ نذرِ شکر ہوگی اور منعقد نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۸ : اگر وقتِ معیّن میں نماز روزہ اور صدقہ کی نذر کرے تو اس کے لئے وہی وقت معیّن ہوجائیگا۔ پس اگر کسی اور وقت میں اسکو انجام دے تو کافی نہیں ہے اور اسی طرح اس کو کسی ایسی جگہ انجام دینے کی نذر کرے جو رجحان رکھتی ہو۔ تو دوسری جگہ انجام دینا کافی نہیں چاہے اس سے افضل ہو اور اگر ایسی جگہ کی نذر کرے کہ جس میں رجحان نہ ہو تو اس کے منعقد اور متعیّن ہونے میں دو وجہیں بلکہ دو قول ہیں۔ اقویٰ یہ ہے کہ منعقد ہوجائے گی یا اگر بعض فرائض یا بعض نوافل مثلاً نمازِ شب یا ماہِ رمضان کے روزے وغیرہ کا انجام دینے کے لئے اس جگہ یا اس شہر میں کہ جو رجحان نہیں رکھتا نذر کرے اس طرح سے کہ نذر اصلاً نماز و روزہ سے متعلق نہ ہو بلکہ کسی خاص جگہ ان دونوں کے انجام دینے سے متعلق ہو تو ظاہر یہ ہے کہ وہ منعقد نہیں ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے کہ عنوانِ راجح اس پر عارض نہ ہو۔ مثلاً وہ جگہ عبادت کے لئے بالکل خالی ہو یا ریا سے دور ہو یا اس کے مانند اور اگر ایسا کوئی عنوان ہو تو منعقد ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔

مسئلہ ۹ : اگر روزہ کی نذر کرے لیکن عدد معیّن نہ کرے تو ایک دن کا روزہ کافی ہے۔ اگر نماز کی نذر کرے لیکن مقدار اور کیفیت معیّن نہ کرے تو بعید نہیں ہے کہ ایک رکعت نمازِ وتر ہی کافی ہو۔ مگر یہ کہ اس کا قصد نوافلِ یومیہ کے علاوہ ہو تو کافی نہیں ہے۔

پس اس صورت میں دو رکعتیں ہی کافی ہو سکیں گی۔ اگر صدقہ کی نذر کرے لیکن اس کی جنس اور مقدار معیّن نہ کرے تو سب سے کمترین چیز کہ جس کو صدقہ کہا جا سکتا ہو کافی ہے۔

اگر نذر کرے کہ ایسا فعل انجام دوں گا جو تقربِ الٰہی کے لئے ہو تو ایسا کوئی بھی فعل کافی ہے۔ چاہے ایک تسبیح یا محمد و آلِ محمد پر درود، یا کچھ صدقہ یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو۔

مسئلہ ۱۰ : مثلاً اگر دس دن کے روزہ کی نذر کرے اور اُن کو پے در پے متفرق انجام دینے کی قید لگادے تو معیّن ہوجائے گی۔ لیکن اگر قید نہ لگائے تو پے در پے اور تفریق کے درمیان اختیار ہے۔ اسی طرح سے اگر ایک سال کے روزے کی نذر کرے تو ظاہر یہ ہے مطلق ہونے کی صورت میں بارہ مہینے کا روزہ رکھنا کافی ہے۔ چاہے متفرق ہی کیوں نہ رکھے۔ بلکہ ایسے ہی ہے اگر ایک مہینے

إلا تخير بينهما، و كذا لو نذر صيام سنة فان الظاهر مع الاطلاق كفاية إثني عشر شهراً ولو متفرقاً، بل و كذا لو نذر صيام شهر يكفي ظاهراً صيام ثلاثين يوماً ولو متفرقاً، كما يكفي صوم ما بين الهلالين من شهر ولو ناقصاً، و له أن يأتي بالشهر ملفقاً، فيشرع في أثناء شهر و يكمل من الثاني مقدار ما مضى من الشهر الأول، نعم لو أتى به متفرقاً لا يجوز الاكتفاء بمقدار الشهر الناقص.

مسألة ١١ ـ لو نذر صيام سنة معينة استثني منها العيدان، فيفطر فيهما و لا قضاء عليه، و كذا يفطر في الأيام التي عرض فيها ما لا يجوز معه الصيام من مرض أو حيض أو نفاس أو سفر، لكن يجب القضاء على الأقوى.

مسألة ١٢ ـ لو نذر صوم كل خميس مثلاً فصادف بعضها أحد العيدين أو أحد العوارض المبيحة للافطار من مرض أو حيض أو نفاس أو سفر أفطر، و يجب عليه القضاء على الأقوى في غير العيدين و السفر، و على الأحوط فيهما و إن لا يخلو من قوة بالنسبة إلى العيدين.

مسألة ١٣ ـ لو نذر صوم يوم معين فأفطره عمداً يجب قضاؤه مع الكفارة.

مسألة ١٤ ـ لو نذر صوم يوم معين جاز له السفر و إن كان غير ضروري، و يفطر ثم يقيضه و لا كفارة عليه.

مسألة ١٥ ـ لو نذر زيارة أحد الأئمة عليهم السلام أو بعض الصالحين لزم، و يكفي الحضور و السلام على المزور، والظاهر عدم وجوب غسل الزيارة و صلاتها مع عدم ذكرهما فيه، و إن عين إماماً لم يجز غيره و إن كانت زيارته أفضل، كما أنه لو عجز عن زيارة من عينه لم يجب زيارة غيره بدلاً عنه، و إن عين للزيارة زماناً تعين، فلو تركها في وقتها عامداً حنث و تجب الكفارة، و الأقوى عدم وجوب القضاء.

مسألة ١٦ ـ لو نذر أن يحج أو يزور الحسين عليه السلام ماشياً انعقد مع القدرة و عدم الضرر، فلو حج أو زار راكباً مع القدرة على المشي فان كان النذر مطلقا و لم يعيّن الوقت أعاد ماشياً، و إن عين وقتاً وفات عمداً حنث و عليه

کے روزہ کی نذر کرے تو ظاہراً تیس۳۰ دن کے روزے کافی ہیں اگرچہ متفرق ہی کیوں نہ ہوں جیسے کہ چاندکی دو رویتوں کے درمیان ایک مہینے کے روزے کافی ہیں چاہے وہ مہینہ ناقص ہی کیوں نہ ہو۔ اور ایک مہینے کا روزہ "تلفیقاً" دو مہینوں تقسیم کرکے بھی" رکھ سکتا ہے۔ جیسے کسی مہینے کے درمیان سے شروع کرے اور جس مقدار میں پہلا مہینہ چھوٹ گیا تھا دوسرے مہینے میں مکمل کر دے۔ ہاں اگر متفرق رکھے تو ناقص مہینے کی مقدار پر اکتفاء کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ ۱۱: ایک سال معیّن سال کے روزوں کی نذر کرے تو دونوں عیدیں اس سے مستثنیٰ ہوں گی۔ چنانچہ ان دنوں میں روزہ نہیں رکھے گا۔ اور اس پر اس کی قضا بھی نہیں ہے۔ اسی طرح ان دنوں میں بھی روزہ نہیں رکھے گا کہ جن میں کوئی عارض لاحق ہو جائے کہ جس کی وجہ سے روزہ جائز نہیں ہوتا۔ مثلاً بیماری، حیض، نفاس اور سفر لیکن اقویٰ یہ ہے کہ ان کی قضا واجب ہے۔

مسئلہ ۱۲: اگر ہر جمعرات کے روزہ رکھنے کی نذر کرے اور دونوں عیدوں میں سے کوئی ایک عید کسی جمعرات میں واقع ہو جائے۔ یا ایسے عوارض مثلاً بیماری، حیض، نفاس یا سفر کہ جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا مباح ہو جاتا ہے کہ جن دنوں میں عوارض لاحق ہو جائیں تو روزہ، نہ رکھا جائے۔ اور اقویٰ یہ ہے کہ عیدین اور سفر کے علاوہ کی قضا واجب ہے۔ اور احوط یہ ہے کہ ان دونوں کی قضا بھی واجب ہے۔ اگرچہ عیدین کی نسبت یہ حکم قوت سے خالی نہیں۔

مسئلہ ۱۳: اگر کسی معیّن دن کے روزے کی نذر کرے لیکن جان بوجھ کر اس دن روزہ نہ رکھے تو اس کی قضا و کفارہ دونوں واجب ہیں۔

مسئلہ ۱۴: اگر معیّن دن کے روزے کی نذر کرے تو اس میں سفر کرنا اس کے لئے جائز ہے چاہے سفر ضروری نہ ہو چنانچہ روزہ نہ رکھے اور بعد میں اس کی قضا بجالائے لیکن اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

مسئلہ ۱۵: اگر ائمہ علیہم السلام یا بعض صالحین میں کسی ایک کی زیارت کرنے کی نذر کرے تو اس کی وفا لازم ہے۔ چنانچہ ان کے مزار پر حاضر ہونا اور صاحب زیارت کو سلام کرنا کافی ہے۔ اور ظاہراً غسل زیارت اور نماز کا اگر نذر میں ذکر نہ ہو تو واجب نہیں ہے۔ اگر کسی امامؑ کو معیّن کر دے تو اس کے علاوہ کسی دوسرے امامؑ کی زیارت کافی نہیں ہے۔ چاہے دوسرے کی زیارت افضل ہی ہو اسی طریقے سے اگر مجبوری میں معیّن کردہ امامؑ کی زیارت نہ کر سکے تو دوسرے کی زیارت بعنوان بدل اس پر واجب نہیں۔ اور اگر زیارت کے لئے کوئی وقت معیّن کرے تو اسی وقت میں زیارت کرے۔ اگر عمداً اس کے وقت کو ترک کر دے تو اس نے نذر کی مخالفت کی ہے لہٰذا کفارہ واجب ہو جائے گا لیکن اقویٰ یہ ہے کہ قضا واجب نہیں۔

مسئلہ ۱۶: اگر نذر کرے کہ حج کرنے یا امام حسینؑ کی زیارت کرنے پیدل جاؤں گا۔ تو اگر قدرت رکھتا ہو اور کوئی ضرر نہ ہو تو منعقد ہو جائے گی اور اگر سوار کے ذریعہ حج یا زیارت کرنے جائے۔ جبکہ وہ پیدل جانے کی طاقت بھی رکھتا ہو تو اگر اس کی نذر مطلق ہو اور وقت بھی معیّن نہ کیا ہو تو چاہیے کہ دوبارہ پیدل حج و زیارت کے لئے جائے۔ لیکن اگر وقت معیّن کیا ہو اور عمداً اس وقت میں انجام نہ دے تو

الكفارة، و الأقوى عدم وجوب القضاء، و كذلك الحال لو ركب في بعض الطريق و مشى في بعضه.

مسألة ١٧ ـ ليس لمن نذر الحج أو الزيارة ماشياً أن يركب البحر أو يسلك طريقاً يحتاج إلى ركوب السفينة و نحوها ولو لأجل العبور من الشط و نحوه، ولو انحصر الطريق في البحر فان كان كذلك من أول الأمر لم ينعقد إلا إذا كان مراده فيما يمكن المشي، فيجب في سائر الطريق، و إن طرأ ذلك بعد النذر فان كان مطلقاً و توقع المكنة من طريق البرّ و المشي منه فيما بعد انتظر، و إن كان معيناً و طرأ ذلك في الوقت أو مطلقاً ولم يتمكن مطلقا سقط عنه ولا شيء عليه.

مسألة ١٨ ـ لو طرأ لناذر المشي العجز عنه في بعض الطريق دون بعض فالأحوط لو لم يكن الأقوى أن يمشي مقدار ما يستطيع و يركب في البعض، والأحوط الأولى سياق بدنة في نذر الحج، ولو اضطر إلى ركوب السفينة فالأحوط أن يقوم فيها بقدر الامكان.

مسألة ١٩ ـ لو نذر التصدق بعين شخصية تعينت، و لا يجزي مثلها أو قيمتها مع وجودها، و مع التلف فان كان لا باتلاف منه انحل النذر و لا شيء عليه، و إن كان باتلاف منه ضمنها بالمثل أو القيمة على الأحوط فيتصدق بالبدل، و يكفر أيضاً على الأقوى إن كان الاتلاف اختيارياً عمدياً.

مسألة ٢٠ ـ لو نذر الصدقة على شخص معين لزم، ولا يملك المنذور له الابراء منه، فلا يسقط عن الناذر بابرائه، و لا يلزم على المنذور له القبول، فان امتنع عنه لا يبعد عدم انحلال النذر إلا اذا امتنع في تمام الوقت المضروب له في الموقت و مطلقا في غيره، فلو رجع عن امتناعه في الموقت قبل خروج وقته و في غيره يجب التصدق عليه، نعم لو كان نذره الصدقة بعين معينة فامتنع عن قبولها جاز له إتلافها، و لا ضمان عليه لو رجع و لا كفارة، ولو مات الناذر قبل أن يفي بالنذر يخرج من أصل تركته، و كذا كل نذر تعلق بالمال كسائر الواجبات المالية ولو مات المنذور له قبل أن يتصدق عليه قام وارثه مقامه على احتمال

نذر کی مخالفت کی ہے اور اس پر کفارہ واجب ہے۔ البتہ اقویٰ یہ ہے کہ قضا واجب نہیں ہوگی اور یہی حکم ہے اگر آدھا راستہ پیدل اور آدھا سواری کے ذریعہ طے کرے۔

مسئلہ ۱۷: جس نے پیدل حج یا زیارت کرنے کی نذر کی ہو تو اس کو حق نہیں کہ وہ دریا کے راستے یا کسی ایسے راستے سے جائے کہ جس میں کشتی وغیرہ پر سوار ہونے کی ضرورت پڑتی ہو چاہے دریا پار کرنے ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔ اور اگر راستہ دریا ہی سے گذرتا ہو تو اگر وہ پہلے ہی سے اسی طرح تھا تو نذر منعقد نہیں ہوگی۔ مگر یہ کہ اس کی مراد ہو تو باقی راستہ میں پیدل چلنا واجب ہے لیکن اگر نذر کے بعد دریا حائل ہوا ہو تو اگر نذر مطلق اور بعد میں خشکی کے راستے سے پیدل جانے کے امکانات پیدا ہوجانے کی توقع ہو تو انتظار کرے۔ لیکن اگر نذر کا وقت معین ہو اور اسی وقت میں دریا حائل ہوجائے یا نذر مطلق ہو اور کسی وقت بھی پاپیادہ سفر نہ کرسکتا ہو تو نذر ساقط ہوجائے گی اور دوسری کوئی چیز اس پر واجب نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۸: جس نے پیادہ جانے کی نذر کی ہو اس کے لئے اگر راستے کے کچھ حصہ میں پیدل چلنے میں مجبوری پیش آئے تو اگر اقویٰ نہ ہو تب بھی احتیاط یہ ہے کہ جہاں تک استطاعت رکھتا ہو پیدل چلے۔ اور باقی راستے میں سواری سے جائے اور احتیاط اولیٰ یہ ہے کہ نذر حج میں قربانی کے لئے اونٹ کو بھی اپنے ہمراہ لے جائے۔ اگر کشتی میں سوار ہونے پر مجبور ہوجائے تو احتیاط یہ ہے کہ بقدر امکان اس میں کھڑا رہے۔

مسئلہ ۱۹: اگر نذر کرے کی معین شئی کو صدقہ میں دے گا تو متعین ہوجائے گی۔ اگر وہ معین شئی موجود ہو تو اس کی قیمت یا مثل کفایت نہیں کرے گی۔ اور تلف کی صورت میں اگر اسے خود تلف نہ کی ہو تو نذر منحل ہوجائے گی۔ اور اس پہ کوئی چیز بھی نہیں ہوگی۔ اور اگر اس کو خود تلف کردیا ہو تو احتیاط یہ ہے کہ اس کی قیمت یا مثل کا ضامن ہے۔ اور اس کا عوض صدقہ میں دے۔ اور اگر اختیار سے اور جان کر تلف کی ہو تو اقویٰ یہ ہے کہ اس کا کفارہ بھی دے۔

مسئلہ ۲۰: اگر کسی معین فرد کو صدقہ دینے کی نذر کی ہو تو اسی کو دینا لازمی ہے۔ اور جس کے لئے نذر کی گئی ہے اسے نذر کرنے والے کو بری کردینے کا اختیار نہیں۔ اور نہ اس کے بری کرنے سے ناذر کی گردن سے نذر ساقط ہوگی۔ لیکن جس کے لئے نذر کی گئی ہو اس کا قبول کرنا لازمی نہیں۔ پس اگر قبول کرنے سے خوددار کرے تو بعید نہیں کہ نذر منحل نہ ہو مگر یہ کہ اگر نذر موقت ہو تو اس کے لئے معین شدہ سارے وقت میں قبول نہ کرے۔ اور غیر موقت میں مطلقاً قبول نہ کرے۔ اگر نذر غیر موقت کا وقت ختم ہونے سے پہلے اپنے انکار کو واپس لے لے تو اسی کو دیا جانا واجب ہے۔ لیکن اگر اس کی نذر کسی خاص چیز کو بطورِ صدقہ دینے کی ہو لیکن وہ شخص لینے سے انکار کردے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو تلف کردے۔ اور اگر وہ انکار سے پلٹ جائے تو کفارہ اور ضمانت اس کے ذمہ نہیں ہے۔ اگر ناذر اپنی نذر کو ادا کرنے سے پہلے مرجائے تو نذر کو اس کے اصل ترکہ سے نکال کر ادا کیا جائے گا۔ اسی طرح تمام واجباتِ مالی کی طرح ہر وہ نذر کہ جو مال سے متعلق ہو اور اگر منذور لہ اس کو لینے سے پہلے مرجائے تو اس کا وارث

مطابق للاحتياط سيما إذا كان متعلق النذر إعطاء شيء معين فات قبل قبضه.

مسألة ٢١ ـ لو نذر شيئاً لمشهد من المشاهد المشرفة صرفه في مصالحه كتعميره و ضيائه و طيبه و فرشه، و الأحوط عدم التجاوز عن نحو تلك المصالح، ولو نذر شيئاً للامام عليه السلام أو بعض أولاده فالظاهر جواز صرفه في سبل الخير بقصد رجوع ثوابه إلى المنذور له، من غير فرق بين الصدقة على المساكين وإعانة الزائرين و غيرهما من وجوه الخير كبناء المسجد و القنطرة و نحو ذلك، و إن كان الأحوط الاقتصار على معونة زوارهم وصلة من يلوذ بهم من المجاورين المحتاجين و الصلحاء من الخدام المواظبين بشؤون مشاهدهم و إقامة مجالس تعزيتهم، هذا إذا لم يكن في قصد الناذر جهة خاصة أو انصراف إلى جهة خاصة، و إلا اقتصر عليها.

مسألة ٢٢ ـ لو عين شاة للصدقة أو لأحد الأئمة عليهم السلام أو لمشهد من المشاهد و نحو ذلك يتبعها نماؤها المتصل كالسمن، و أما المنفصل فلا يترك الاحتياط في الحمل و اللبن، بل لا يخلو من وجه، و أما النتاج الموجود قبل النذر و اللبن المحلوب كذلك فلمالكه.

مسألة ٢٣ ـ لو نذر التصدق بجميع ما يملكه لزم، فان شق عليه قوّم الجميع بقيمة عادلة على ذمته و تصرف في أمواله بماشاء و كيف شاء ثم يتصدق عما في ذمته شيئاً فشيئاً و يحسب إلى أن يوفي التمام، فان بقي منه شيء أوصى بأن يؤدى مما تركه بعد موته.

مسألة ٢٤ ـ لو عجز الناذر عن المنذور في وقته إن كان موقتاً و مطلقا إن كان مطلقاً انحل نذره و سقط عنه و لا شيء عليه، نعم لو نذر صوماً فعجز عنه تصدق عن كل يوم بمد من طعام على الأقوى، و الأحوط مدان.

مسألة ٢٥ ـ النذر كاليمين في أنه إذا تعلق بايجاد عمل من صوم أو صلاة أو صدقة أو غيرها فان عين له وقتاً تعين، و يتحقق الحنث، و تجب الكفارة بتركه فيه، فان كان صوماً يجب قضاؤه على الأقوى، و إن كان صلاة يقضيها على

اس کا قائم مقام ہوگا جس کے بارے میں احتمال احتیاط کے مطابق ہے۔ بالخصوص جبکہ متعلق نذر کسی معیّن چیز کا عطا کرنا ہو اور وہ اس کو لینے سے پہلے مر جائے۔

مسئلہ ۲۱: اگر کسی چیز کو مشاہد مشرفہ میں سے کسی ایک کے لئے نذر کرے تو اس کا مصرف اس کے مصالح مثلاً تعمیر، روشنی، پاکیزگی، فرش وغیرہ ہے اور احوط یہ ہے کہ ان جیسے مصالح سے تجاوز نہ کرے اگر کسی چیز کو امام یا ان کی اولاد کے لئے نذر کرے تو ظاہر یہ ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنا اس نیّت کے ساتھ کہ اس کا ثواب منذور لہ کو پہونچے جائز ہے اس میں فرق نہیں کہ چاہے مساکین کو صدقہ دے اور زائرین کی مدد کرے یا ان کے علاوہ اور دوسرے نیک کام مثلاً مسجد کے تعمیر کرنے پل بنانے وغیرہ میں خرچ کردے۔ اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ مستحق زائرین اور نیک خدام کہ جو امور مشاہد اور ان کی مجالسِ عزا کے نگران ہوتے ہیں۔ ان کی مدد کرنے پر اکتفاء کی جائے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب ناذر نے صرف کرنے کے لئے کسی خاص وجہ کا قصد نہ کیا ہو یا اس کا قصد کسی خاص مصرف کی طرف منصرف نہ ہو ورنہ اگر ایسا ہو تو اسی پر اکتفاء کی جائے۔

مسئلہ ۲۲: اگر گوسفند کو صدقہ یا کسی امام علیہ السلام یا کسی ایک زیارت گاہ کے یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کے لئے نذر کرے تو اس کا وہ فائدہ جو اس سے متصل ہو، جیسے موٹاپا وغیرہ اسی کا تابع ہوگا۔ لیکن وہ فائدہ جو متصل نہ ہو تو دودھ اور حمل میں احتیاط ترک نہ کی جائے۔ بلکہ وجہ سے خالی نہیں لیکن وہ بچہ جو نذر سے پہلے موجود ہو اور وہ دودھ جو نذر سے پہلے نکالا جا چکا ہو تو وہ مالک کا ہے۔

مسئلہ ۲۳: اگر نذر کرے کہ اپنے تمام املاک صدقہ دے گا۔ تو اس پر لازم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کے لئے دشوار ہو تو عادلانہ طریقہ سے اس کی قیمت معیّن کرکے اپنے ذمّے لے لے اس کے بعد اپنے املاک میں جس طرح چاہے تصرّف کرے اس کے بعد آہستہ آہستہ جو کچھ اس کے ذمّہ ہے صدقہ دیتا رہے اور حساب کرتا رہے یہاں تک کہ ادا ہو جائے۔ اگر کوئی چیز باقی رہ جائے تو وصیّت کردے کہ اس کے مال سے مرنے کے بعد ادا کیا جائے۔

مسئلہ ۲۴: اگر ناذر نذر کی گئی چیز کو اس کے معیّن وقت میں اگر معیّن ہو تو۔ یا مطلق ہو تو بطور مطلق دینے سے عاجز ہو تو نذر منحل ہو جائے گی اور اس سے ساقط ہو جائے گی اور اس کے علاوہ بھی کوئی چیز اس پر نہیں۔ ہاں اگر روزہ کی نذر کرے لیکن اسے رکھنے سے عاجز ہو جائے تو بنا بر اقویٰ ہر روزہ کے بدلے میں ایک مُد طعام دے۔ لیکن احتیاط دو مُد طعام دینے میں ہے۔

مسئلہ ۲۵: نذر قسم کی طرح ہے کہ اگر کسی عمل جیسے روزہ، نماز یا صدقہ یا اس کے علاوہ کسی عمل کے انجام دینے کے بارے میں ہو تو اس کا وقت معیّن ہونے پر معیّن ہو جاتی ہے اور ترک کر دینے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ اور اس سے کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ پس اگر روزہ ہے تو اقویٰ یہ ہے کہ اسکی قضا رکھنا واجب ہے۔ اور اگر نماز ہے تو احتیاط یہ ہے کہ قضا پڑھے۔ اور اگر ان کے علاوہ ہے تو ظاہراً ان کی قضا واجب نہیں ہے۔ اور اگر مطلق ہے تو اس کا وقت مادام العمر ہے اور اس میں تاخیر جائز ہے۔ تا وقتیکہ اپنی موت کا گمان ہونے لگے۔ چنانچہ

الأحوط، وأما غيرهما فالظاهر عدم وجوبه، وإن كان مطلقاً كان وقته العمر، و جاز له التأخير إلى أن يظن بالوفاة فيتضيق، و يتحقق الحنث بتركه مدة الحياة، هذا إذا كان المنذور فعل شيء، و إن كان ترك شيء ففي الموقت حنثه بايجاده فيه ولو مرة، و في المطلق بايجاده مدة حياته ولو مرة، ولو أتى به تحقق الحنث و انحل النذر كما مر في اليمين.

مسألة ٢٦ - انما يتحقق الحنث الموجب للكفارة بمخالفة النذر اختياراً فلو أتى بشيء تعلق النذر بتركه نسياناً أو جهلاً أو اضطراراً أو إكراهاً لم يترتب عليه شيء، بل الظاهر عدم انحلال النذر به، فيجب الترك بعد ارتفاع العذر لو كان النذر مطلقاً أو موقتاً و قد بقي الوقت.

مسألة ٢٧ - لو نذر إن برأ مريضه أو قدم مسافره صام يوماً مثلاً فبان أن المريض برأ و المسافر قدم قبل النذر لم يلزم.

مسألة ٢٨ - كفارة حنث النذر ككفارة من أفطر يوماً من شهر رمضان على الأقوى.

القول في العهد

لا ينعقد العهد بمجرد النية، بل يحتاج إلى الصيغة على الأقوى، و صورتها عاهدت الله أو علي عهدالله، و يقع مطلقاً و معلقاً على شرط كالنذر، و الظاهر أنه يعتبر في المعلق عليه إن كان مشروطاً ما اعتبر فيه في النذر المشروط، وأما ما عاهد عليه فهو بالنسبة إليه كاليمين يعتبر فيه أن لا يكون مرجوحاً ديناً أو دنياً، و لا يعتبر فيه الرجحان فضلاً عن كونه طاعة، فلو عاهد على فعل مباح لزم، ولو عاهد على فعل كان تركه أرجح أو على ترك أمر كان فعله أولى ولو من جهة الدنيا لم ينعقد، ولو لم يكن كذلك حين العهد ثم طرأ عليه ذلك انحل.

مسألة - مخالفة العهد بعد انعقاده توجب الكفارة، و الأظهر أن كفارتها كفارة من أفطر يوماً من شهر رمضان.

جب ایسا ہو تو اس کا وقت تنگ ہو جاتا ہے اور ساری زندگی ترک کرنے سے مخالفت نذر متحقق ہوتی ہے یہ اس صورت میں ہے کہ جب نذر کی گئی چیز قابل عمل فعل ہو۔ اور اگر منذور ایسی چیز ہو کہ جس کو ترک کیا جاتا ہو تو موقت ہونے کی صورت میں اس کے وقت میں ایک مرتبہ بجالانے پر اور مطلق ہونے کی صورت میں ساری زندگی میں ایک مرتبہ ہی انجام دینے پر مخالفت نذر ہو جائے گی اور اگر اس کو انجام دے تو نذر ٹوٹ جائے گی اور منحل ہو جائے گی جیسا کہ قسم میں گذر چکا ہے۔

مسئلہ ۲۶: نذر کی وہ مخالفت کہ جو موجب کفارہ ہے اس وقت متحقق ہوتی ہے جبکہ اختیاری طور پر اپنی نذر کی مخالفت کرے اگر ایسی چیز کرے جسکے ترکِ نذر کی ہو بھولے سے۔ یا نادانی کی بنا پر یا اضطراری طور پر یا مجبور کئے جانے پر کر ڈالے تو کوئی چیز اس پر مترتب نہیں ہوگی۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے نذر بھی منحل نہیں ہوگی۔ پس عذر کے برطرف ہونے کے بعد اگر نذر مطلق ہے تو مادام العمر اور اگر نذر موقت ہے تو وقت باقی ہونے کی صورت میں اسکو ترک کرنا واجب ہے۔

مسئلہ ۲۷: اگر نذر کرے کہ جب اسکا مریض شفا پا جائیگا۔ یا اسکا مسافر واپس آجائیگا تو ایک دن کا روزہ رکھے گا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ نذر سے پہلے بیمار شفا پا گیا اور مسافر واپس آگیا تو نذر لازم نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۸: اقوئ یہ ہے کہ مخالفت نذر کا کفارہ اس شخص کے کفارہ کی طرح ہے جس نے ماہ رمضان میں ایک دن کا روزہ توڑ دیا ہو۔

عہد

عہد فقط نیت کرنے سے منعقد نہیں ہوتا بلکہ اقوئ یہ ہے کہ صیغہ کا محتاج ہے صیغہ کا طریقہ یہ ہے۔ (عاهدت الله او علی عهد الله) خدا سے عہد کرتا ہوں۔ یا خدا کے لئے مجھ پر عہد ہے۔ اور نذر کی طرح عہد مطلق بھی واقع ہوتا ہے اور کسی شرط پر معلق کر کے بھی۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اگر عہد مشروط ہو تو وہ چیزیں جو نذر مشروط میں معتبر ہیں۔ عہد جس پر معلق ہو اس میں بھی معتبر ہیں اگر عہد مشروط ہو! لیکن جس چیز کے لئے عہد کرتے ہیں وہ اس شخص کے لئے قسم کے مانند ہے کہ دینی یا دنیاوی اعتبار سے مرجوح نہ ہو اس میں معتبر ہے۔ البتہ اس میں رجحان معتبر نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس کا امر اطاعت معتبر ہو۔ پس اگر فعل مباح پر عہد کیا جائے تو اس پر لازم ہو جائیگا۔ لیکن اگر اس فعل کے لئے عہد کرے کہ جس کا ترک کرنا بہتر ہے۔ یا اس چیز کے ترک پر عہد کرے کہ جس کا انجام دینا اولیٰ ہے۔ (خواہ دنیاوی اعتبار سے کیوں نہ ہو) تو منعقد نہیں ہوگا۔ لیکن اگر عہد کے وقت ایسا نہ ہو بلکہ بعد میں ایسا ہو جائے تو عہد منحل ہو جائے گا۔

مسئلہ: انعقاد کے بعد مخالفت عہد موجب کفارہ ہے اور اظہر یہ ہے کہ اس کا کفارہ اس شخص کے برابر ہے کہ جو ماہ رمضان کا ایک روزہ افطار کرے۔

كتاب الكفارات

القول في أقسامها

و هي على أربعة أقسام: مرتبة، و مخيرة، و ما اجتمع فيه الأمران، و كفارة الجمع، أما المرتبة فهي ثلاث: كفارة الظهار، و كفارة قتل الخطأ، يجب فيهما العتق فان عجز فصيام شهرين متتابعين فان عجز فاطعام ستين مسكيناً، و كفارة من أفطر يوما من قضاء شهر رمضان بعد الزوال، و هي إطعام عشرة مساكين فان عجز فصيام ثلاثة أيام، و الأحوط كونها متتابعات.

و أما المخيرة فهي كفارة من أفطر في شهر رمضان بأحد الأسباب الموجبة لها، و كفارة حنث النذر، و كفارة حنث العهد، و كفارة جز المرأة شعرها في المصاب، و هي العتق أو صيام شهرين متتابعين أو إطعام ستين مسكيناً مخيراً بينها على الأظهر.

و ما اجتمع فيه الأمران كفارة حنث اليمين، و كفارة نتف المرأة شعرها و خدش وجهها في المصاب، وشق الرجل ثوبه في موت ولده أوزوجته، فيجب في جميع ذلك عتق رقبة أو إطعام عشرة مساكين أو كسوتهم مخيراً بينها، فان عجز عن الجميع فصيام ثلاثة أيام.

و أما كفارة الجمع فهي كفارة قتل المؤمن عمداً و ظلماً، و كفارة الافطار في شهر رمضان بالمحرم على الأحوط، و هي عتق رقبة مع صيام شهرين

کتابِ کفارات

اقسامِ کفارہ:

اسکی چار قسمیں ہیں: ۱۔ مرتبہ ۲۔ مخیرہ ۳۔ جسمیں ترتیب و تخییر دونوں ہوں ۴۔ اور کفارہ جمع۔

۱: مرتبہ۔ تین طرح کے کفاروں کو کہتے ہیں۔ پہلے، کفارہ ظہار، دوسرے کفارہ قتل خطأً۔ ان دونوں میں واجب ہے کہ غلام آزاد کرے اگر اس سے عاجز ہو تو پھر متواتر دو مہینوں کے روزے رکھے۔ اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اور تیسرے یا اس شخص کا کفارہ کہ جس نے ماہِ رمضان کے قضا روزے کو زوال کے بعد افطار کر لیا ہو اور وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور اگر اسکو بھی انجام نہ دے سکتا ہو تو تین دن کے روزے رکھنا ہے۔ اور احتیاط یہ ہے کہ تینوں روزے پے در پے رکھے۔

۲: مخیرہ۔ کفارۂ مخیرہ اس شخص کے کفارے کو کہ جس نے ماہِ رمضان میں کسی ایسے سبب سے روزہ توڑ دیا ہو کہ جو موجبِ کفارہ ہے۔ اور مخالفتِ نذر کے کفارے کو اور مخالفتِ عہد کے کفارے اور اس عورت کے کفارے کو کہتے ہیں کہ جس نے مصیبت میں اپنے بال نوچ ڈالے ہوں اور وہ ہے غلام آزاد کرنا یا دو مہینے متواتر روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا اور اظہر یہ ہے کہ ان میں مخیر ہے کہ چاہے جونسا کفارہ دے۔

۳: جسمیں ترتیب و تخییر دونوں از جمع ہوں وہ ہے قسم کی مخالفت کا کفارہ اور عورت کا مصیبت میں اپنے بال نوچنے اور اپنے چہرے میں خراش پیدا کرنا کفارہ اور بیٹے یا بیوی کی موت پر مرد کا اپنے لباس کو پھاڑ ڈالنے کا کفارہ بطور تخییر واجب ہے کہ ایک غلام آزاد کرے۔ یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یا ان کو لباس پہنائے۔ اگر ان تمام چیزوں سے عاجز ہو تو تین دن کے روزہ رکھے۔

۴: کفارہ جمع:۔ مومن کو جان کر ظلم سے قتل کرنے اور بناء بر احتیاط ماہِ رمضان میں حرام چیز سے روزہ توڑنے

متتابعين و إطعام ستين مسكيناً.

مسألة ١ ـ لا فرق في جزّ المرأة شعرها بين جزّ تمام شعر رأسها أو جزّ بعضه بما يصدق عرفاً أنها جزّت شعرها، كما لا فرق بين كونه في مصاب زوجها و مصاب غيره، و بين القريب و البعيد، و الأقوى عدم إلحاق الحلق و الاحراق به و إن كان أحوط سيّما في الأول.

مسألة ٢ ـ لا يعتبر في خدش الوجه خدش تمامه، بل يكفي مسماه نعم الظاهر أنه يعتبر فيه الإدماء، و لا عبرة بخدش غير الوجه ولو مع الادماء، و لا بشق ثوبها و إن كان على ولدها أو زوجها، كما لا عبرة بخدش الرجل وجهه و لا بجز شعره و لا بشق ثوبه على غير ولده و زوجته، نعم لا فرق في الولد بين الذكر و الأنثى، و في شموله لولد الولد تأمل، و الأحوط ذلك في ولد الابن، و الظاهر عدم الشمول لولد البنت و إن كان أحوط، و لا يبعد شمول الزوجة لغير الدائمة سيّما إذا كانت مدتها طويلة.

القول في أحكام الكفارات

مسألة ١ ـ لا يجزي عتق الكافر في الكفارة مطلقا، فيشترط فيه الاسلام، و يستوي في الإجزاء الذكر و الأنثى و الكبير و الصغير الذي هو بحكم المسلم بأن كان أحد أبويه مسلماً، لكن لا ينبغي ترك الاحتياط في كفارة القتل بعتق البالغ، و يشترط أيضاً أن يكون سالماً من العيوب التي توجب الانعتاق قهراً كالعمى و الجذام و الاقعاد و التنكيل، ولا بأس بسائر العيوب، فيجزي عتق الأصم و الأخرس و غيرهما، و يجزي عتق الآبق و إن لم يعلم مكانه ما لم يعلم موته.

مسألة ٢ ـ يعتبر في الخصال الثلاث أي العتق و الصيام و الاطعام النية المشتملة على قصد العمل و قصد القربة و قصد كونه عن الكفارة، و تعيين

کے سلسلے میں ہے۔ اور وہ یہ ہے ایک غلام آزاد کرنا اور پے در پے دو ماہ روزے رکھنا اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

مسئلہ ۱: عورت چاہے اپنے تمام سر کے بال یا سر کے بعض حصے کے بال اس طرح اکھاڑے کہ عرفاً اسے کہا جائے کہ اس نے بال اکھاڑے ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح اس سے بھی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اپنے شوہر کی میت میں ایسا کرے یا شوہر کے علاوہ کسی اور کے غم میں اور نزدیک اور دور کے رشتہ داروں میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ اور اقویٰ یہ ہے کہ تراشنا اور جلانا اس سے ملحق نہ ہو اگرچہ بالخصوص پہلی صورت میں ہے۔

مسئلہ ۲: چہرے پر خراش پیدا کرنے میں تمام چہرے پر خراش پیدا کرنا معتبر نہیں بلکہ صرف خراش صادق آنا ہی کافی ہے۔ اگرچہ ظاہراً خون نکلنا معتبر ہے اور چہرے کے علاوہ کسی اور جگہ کا نوچنا خواہ خون ہی کیوں نہ نکل آئے۔ معتبر نہیں ہے۔ اور اپنے لباس کا پھاڑنا خواہ اپنے بیٹے کے لئے ہو یا شوہر کے لئے ہو معتبر نہیں ہے۔ جیسا کہ مرد اگر اپنے بیٹے اور زوجہ کے علاوہ اپنے لباس کو پھاڑے یا اپنے بالوں کو اکھاڑے یا اپنے چہرے پر خراش پیدا کرے تو یہ بھی معتبر نہیں ہے۔

البتہ لڑکے اور لڑکی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن پوتے۔ پوتی۔ نواسے۔ نواسی کو شامل ہونے میں تأمل ہے۔ اور پوتے۔ پوتی میں احتیاط یہ ہے کہ اور ظاہراً نواسے نواسی کو شامل نہیں۔ اگرچہ احتیاط ہے۔ اور بعید نہیں ہے کہ زوجہ موقتہ کو بھی شامل ہو جائے بالخصوص اگر اس کی مدت طولانی ہو۔

احکامِ کفارات

مسئلہ ۱: کفارہ میں کافر مطلق کو آزاد کرنا کافی نہیں۔ پس اس کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ مرد و عورت چھوٹا بڑا کافی ہونے میں مساوی ہیں۔ جبکہ وہ صغیر حکم مسلم میں ہو یا اس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک مسلمان ہو۔ لیکن کفارۂ قتل میں بالغ کے آزاد کرنے کی احتیاط کا ترک کرنا سزاوار نہیں ہے۔ یہ بھی شرط ہے کہ وہ ان عیوب سے سالم ہو کہ جو قہراً آزاد ہو جانے کے موجب ہوتے ہیں۔ مثلاً نابینا ہونا۔ مجذوم ہونا۔ زمین گیر ہونا اور اس کے بدن کا کوئی عضو ضائع کر دینا۔ اگرچہ بقیہ عیوب مانع نہیں ہیں۔ پس گونگے اور بہرے وغیرہ کا آزاد کرنا کافی ہے۔ فراری غلام کا آزاد کرنا کافی ہے۔ اگرچہ اس کی جگہ نہ معلوم ہو جب تک کہ اس کی موت کا علم نہ ہو جائے۔

مسئلہ ۲: ان تینوں چیزوں یعنی غلام آزاد کرنے۔ روزہ رکھنے اور کھانا کھلانے میں معتبر یہ ہے ایسی نیت کرے جو قصدِ عمل، قصدِ قربۃً اور کفارے میں آزاد کرنے کے قصد پر شامل ہو۔ اور اگر کئی طرح کے کفارے

نوعها لو كانت عليه أنواع متعددة، فلو كانت عليه كفارة ظهار و يمين و إفطار فأعتق عبداً و نوى التكفير لم يجز عن واحد منها، و في المتعدد من نوع واحد يكفي قصد النوع، و لا يحتاج إلى تعيين آخر، فلو أفطر أياماً من شهر رمضان من سنة أو سنين فأعتق عبداً لكفارة الافطار كفى و إن لم يعين اليوم الذي أفطر فيه، و كذلك بالنسبة إلى الصيام و الاطعام، ولو كان عليه كفارة و لا يدري نوعها مع علمه باشتراكها في الخصال مثلاً كفى الا تيان باحداها ناو يأ عما في ذمته، بل لو علم أن عليه إعتاق عبد مثلاً و لا يدري أنه منذور أو عن كفارة كفى إعتاق عبد بقصد ما في ذمته.

مسألة ٣ ـ يتحقق العجز عن العتق الموجب للانتقال إلى غيره في المرتبة بعدم الرقبة أو عدم التمكن من شرائه أو غير ذلك مما هو مذكور في الفقه، و يتحقق العجز عن الصيام الموجب لتعين الاطعام بالمرض المانع منه أو خوف زيادته بل حدوثه إن كان لمنشأ عقلائي، و بكونه شاقاً عليه بما لا يتحمل، و هل يكفي وجود المرض أو خوف حدوثه أو زيادته في الحال ولو مع رجاء البرء و تبدل الأحوال أو يعتبر اليأس؟ و جهان بل قولان لايخلو أولهما من رجحان، نعم لو رجا البرء بعد زمان قصير يشكل الانتقال إلى الاطعام، ولو أخر الاطعام إلى أن برأ من المرض و تمكن من الصوم تعين و لم يجز الاطعام.

مسألة ٤ ـ ليس طرو الحيض و النفاس موجباً للعجز عن الصيام و الانتقال إلى الاطعام، و كذا طرو الاضطرار على السفر الموجب للافطار لعدم انقطاع التتابع بطرو ذلك.

مسألة ٥ ـ المعتبر في العجز و القدرة هو حال الأداء لا حال الوجوب فلو كان حال حدوث موجب الكفارة قادراً على العتق عاجزاً عن الصيام فلم يعتق حتى انعكس صار فرضه الصيام، و سقط عنه وجوب العتق.

مسألة ٦ ـ لو عجز عن العتق في المرتبة فشرع في الصوم ولو ساعة من النهار ثم وجد ما يعتق لم يلزمه العتق، فله إتمام الصيام و يجزي، و في جواز رفع اليد عن

ہوں تو نوع کفارہ کو بھی معین کرنے پر مشتمل ہو۔ پس اگر اس پر ظہار و یمین اور افطار کا کفارہ واجب ہو اور وہ ایک غلام آزاد کر دے اور صرف کفارہ کی نیت کرے تو ان میں سے کسی کے لئے بھی کفایت نہیں کرے گا۔ اگر اس پر ایک ہی نوع کے متعدد کفارے ہوں تو قصدِ نوع کافی ہے۔ دوسری تعیین کی ضرورت نہیں۔ پس اگر ماہِ رمضان میں چند روز ایک سال میں یا چند سال میں افطار کیا ہو اس کے بعد تینوں کفارہ افطار ایک غلام کو آزاد کرے تو کافی ہے۔ اگرچہ اس دن کو معین نہ کرے جس دن کا روزہ توڑ لیا تھا۔ یہی حکم روزہ رکھنے اور کھانا کھلانے کا بھی ہے۔ اگر اس پر کفارہ واجب ہے۔ لیکن اس کی قسم نہیں جانتا۔ لیکن یہ جانتا ہے کہ مثلاً ان ہی تین چیزوں میں مشترک ہے تو ما فی الذمہ کی نیت سے کسی ایک کو انجام دے ڈالے تو کافی ہے۔ بلکہ اگر جانتا ہے کہ اس پر ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ نذر ہے یا کفارہ تو ما فی الذمہ کے قصد سے آزاد کرنا کافی ہے۔

مسئلہ ۳: غلام آزاد کرنے سے عاجز ہونا کہ جو کفارہ مرتبہ میں ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ اس وقت متحقق ہوگا کہ جب یا تو غلام نہ ہو۔ یا اس کے خریدنے پر قادر نہ ہو۔ یا ان کے علاوہ کچھ وجوہ جن کو فقہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور روزہ سے عاجز ہونا کہ جس کی وجہ سے کھانا کھلانا متعین ہو جاتا ہے۔ اس وقت متحقق ہوتا ہے کہ جب مثلاً بیماری ہو جو روزے سے مانع ہو۔ یا بیماری بڑھ جانے بلکہ پیدا ہو جانے کا خوف ہو۔ بشرطیکہ اس میں منشاء عقلائی بھی پایا جاتا ہو اور اسی طرح روزہ رکھنا اس کے لئے اتنا دشوار ہو کہ وہ اس کو تحمل نہ کر سکتا ہو۔ اور آیا بیماری یا اس کے عارض ہونے کا ڈر یا زیادہ ہونے کا خوف اگرچہ یہ اُمید ہو کہ وہ اچھا ہو جائے گا۔ اور اس کے حالات متغیر ہو جائیں کافی ہے۔ یا نااُمیدی معتبر ہے؟ اس میں دو صورتیں ہیں بلکہ دو قول ہیں۔ پہلا قول رجحان سے خالی نہیں ہے۔ ہاں اگر کچھ زمانے کے بعد اچھے ہونے کی اُمید ہو تو اطعام کی طرف منتقل ہونا مشکل ہے۔ اور اگر بیماری سے شفاء ہونے تک غذا (طعام) دینے میں تاخیر کرے اور روزہ رکھنے پر قادر ہو جائے تو روزہ اس کے لئے متعین ہے اور اطعام کفایت نہیں کریگا۔

مسئلہ ۴: حیض و نفاس کا آنا روزہ سے عاجز ہو جانے اور اس سے اطعام کی طرف منتقل ہو جانے کا موجب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ایسا سفر کرنے پر مجبور ہو جائے کہ جو موجب افطار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی وجہ سے روزہ کا پے در پے ہونا منقطع نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۵: غلام آزاد کرنے سے عاجز ہونا اور اس پر قادر ہونا ادائیگی کے وقت معتبر ہے وجوب کے وقت نہیں۔ اگر ایسا فعل انجام دیتے وقت جو موجب کفارہ ہو، غلام آزاد کرنے پر قادر ہو۔ اور روزہ رکھنے سے عاجز ہے۔ لیکن غلام آزاد نہ کرے اور معاملہ اُلٹ جائے تو اب اس پر روزہ فرض ہوگا۔ اور غلام آزاد کرنا ساقط ہو جائے گا۔

مسئلہ ۶: اگر کفارہ مرتبہ میں غلام آزاد کرنے سے عاجز ہو جائے اور روزہ شروع کر دے اگرچہ ایک ہی گھنٹہ کیوں نہ گذرا ہو اور اس کے بعد سے کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے غلام آزاد کر دے تو اس پر غلام کا آزاد کرنا لازمی نہیں۔ پس روزہ کو تمام کرے اور وہی مجزی ہے۔ اور روزہ ترک کر کے غلام آزاد کرنے کو اپنانے کا جواز بھی باوجہ ہے۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ایسا کرنا افضل ہے اور اگر کوئی ایسی چیز عارض ہو جائے

الصوم و اختيار العتق وجه، بل الظاهر أنه أفضل، ولو عرض ما يوجب استئنافه بأن عرض في أثنائه ما أبطل التتابع تعين عليه العتق مع بقاء القدرة عليه، و كذا الكلام فيما لو عجز عن الصيام فدخل في الاطعام ثم زال العجز.

مسألة ٧ ـ يجب التتابع في الصيام في جميع الكفارات، و الحكم في بعضها مبني على الاحتياط، فلا يجوز تخلل الافطار و لا صوم آخر بين أيامها و إن كان لكفارة أخرى، من غير فرق بين ما وجب فيه شهران مرتباً على غيره أو مخيراً أو جمعاً، و كذا بين ما وجب فيه شهران أو ثلاثة أيام ككفارة اليمين، و متى أخل بالتتابع وجب الاستئناف، و يتفرع على وجوبه أنه لا يجوز الشروع في الصوم من زمان يعلم بتخلل صوم آخر واجب في زمان معين بين أيامه، فلو شرع في صيام ثلاثة أيام قبل شهر رمضان أو قبل خميس معين مثلاً نذر صومه بيوم أو يومين لم يجز و وجب استئنافه.

مسألة ٨ ـ انما يضرّ بالتتابع ما إذا وقع الافطار في البين باختيار، فلو وقع لعذر كالاكراه أو الاضطرار أو المرض أو الحيض أو النفاس لم يضرّ به، و منه وقوع السفر في الأثناء إن كان ضرورياً دون غيره، و كذا منه ما إذا نسي النية حتى فات وقتها بأن تذكر بعد الزوال، و كذا الحال فيما إذا كان تخلل صوم آخر لا بالاختيار كما إذا نسي فنوى صوماً آخر و لم يتذكر إلا بعد الزوال، و منه ما إذا نذر صوم كل خميس مثلاً ثم وجب عليه صوم شهرين متتابعين، فلا يضر تخلل المنذور، و لا يتعين عليه البدل في المخيرة، و لا ينتقل إلى الاطعام في المرتبة، نعم في صوم ثلاثة أيام يخل تخلله في المفروض، فيلزم الشروع فيها من زمان لم يتخلل المنذور بينها، نعم لو كان المنذور على وجه لا يمكن معه تحصيل التتابع كما إذا نذر الصيام يوماً و يوماً لا، فلا يضر التخلل به.

مسألة ٩ ـ يكفي في تتابع الشهرين في الكفارة مرتبة كانت أو مخيرة صيام شهر و يوم متتابعاً، و يجوز التفريق في البقية ولو اختياراً لا لعذر، فن كان عليه صيام شهرين متتابعين كفارة يجوز له الشروع فيه قبل شعبان بيوم، و لا يجوز له

جواس کام کو پھر سے شروع کرنے کا باعث ہو۔ مثلاً کوئی ایسی چیز کہ جو اس کے پے در پے ہونے کو باطل کردی ہو تو اس پر غلام آزاد کرنا متعین ہو جائے گا۔

جبکہ غلام آزاد کرنے کی قدرت باقی ہو اور یہی حکم ہے کہ اگر روزہ سے مجبور ہو جائے اور اطعام شروع کردے اس کے بعد عجز برطرف ہو جائے۔

مسئلہ ۷: تمام کفارات میں روزہ کا پے در پے ہونا واجب ہے لیکن بعض میں یہ حکم احتیاط پر مبنی ہے۔ پس روزہ کا چھوڑ دینا یا ان روزوں کے درمیان کوئی دوسرا روزہ رکھنا اگرچہ کفارہ ہی کے لئے کیوں نہ ہو جائز نہیں ہے۔ اور اس چیز کے درمیان کہ جس میں دوٗ مہینوں کے روزے واجب ہیں۔ خواہ مرتبہ ہو یا مخیرہ یا کفارہ جمع کے ہو فرق نہیں ہے اور اسی طرح ان موارد میں کوئی فرق نہیں کہ دوٗ مہینہ کے روزے واجب ہوں یا تین دن کے جیسے قسم کا کفارہ۔ اور جب بھی متواتر رکھنے میں خلل واقع ہو جائے تو از سر نو رکھنا واجب ہے اور اسی واجب کی فرع یہ ہے کہ ایسے وقت میں ان روزوں کا شروع کرنا جائز نہیں ہے۔ جب یہ جانتا ہو کہ اسوقت میں دوسرے واجب روزے کہ جن کا وقت معین ہے واقع ہو جائیں گے۔ پس اگر تین دن کے روزے شروع کردے رمضان سے پہلے یا مثلاً ایسی جمعرات سے پہلے کہ جس کے ایک دن کے روزے کی نذر کی ہو یا دوٗ دن کے روزوں کی نذر کی ہو تو کافی نہیں بلکہ پھر سے رکھنا واجب ہے۔

مسئلہ ۸: اگر اختیاری طور پر درمیان میں روزہ افطار کرے تو اس صورت میں اس کے لئے در پے ہونے کو ضرر پہونچے گا۔ پس اگر کسی عذر مثلاً اکراہ یا اضطراری یا بیماری یا حیض و نفاس کی وجہ سے ہو تو اس تواتر کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

یہی حکم سفر کا بھی ہے اگر ضروری ہو نہ کہ غیر ضروری اور درمیان میں پیش آجائے۔ اسیطرح اگر نیت بھول جائے اور اس کا وقت گزر جائے یعنی ظہر کے بعد اسے یاد آئے اور یہی حکم ہے اگر بغیر اختیار کے کوئی دوسرا روزہ درمیان میں واقع ہو جائے جیسے وہ بھول جائے اور دوسرے روزے کی نیت کرلے اور ظہر کے بعد یاد آئے۔ اور یہی حکم ہے اگر ہر جمعرات کا روزہ نذر کرے اس کے بعد دوٗ مہینے کے روزے متواتر اس پر واجب ہو جائیں تو اس روزے کے درمیان میں آجانے سے کوئی نقصان نہیں پہونچتا اور کفارۂ مخیرہ میں اس کا بدل متعین نہیں ہوگا اور کفارہ مرتبہ میں اطعام کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ لیکن تینٗ دن کے روزوں میں مذکورہ روزہ خلل ایجاد کردے گا۔ پس ضروری ہے کہ اسی وقت شروع کرے کہ نذر کے روزے ان کے درمیان میں نہ آئیں۔

البتہ اگر نذر کے روزے اس طرح ہوں کہ متواتر رکھنا ممکن نہ ہوں مثلاً اس طرح نذر کرے کہ ایک دن روزہ رکھے گا اور ایک دن نہیں رکھے گا۔ نذر مذکور کے روزوں سے اس میں خلل نہیں پڑیگا۔

مسئلہ ۹: متواتر دوٗ مہینوں کے روزوں میں خواہ کفارہ مرتبہ سے متعلق ہوں، کفارہ مخیرہ سے متواتر ایک ماہ اور ایک دن کے روزے رکھنا کافی ہیں۔ باقی روزوں کو بلا عذر اپنے اختیار سے متفرق طور پر رکھنا جائز ہے۔ پس اگر کسی شخص پر دوٗ مہینے کے روزے متواتر بعنوان کفارہ ہیں تو اس کے لئے جائز ہے

الاقتصار على شعبان، و كذا يجوز الشروع قبل الأضحى بواحد و ثلاثين يوماً، ولا يجوز قبله بثلاثين.

مسألة ١٠ ـ من وجب عليه صيام شهرين فان شرع فيه من أول الشهر يجزي هلاليان و إن كانا ناقصين، و إن شرع في أثنائه ففيه وجوه بل أقوال، أوجهها تكسير الشهرين و تتميم ما نقص، فلو شرع فيه عاشر شوال يتم بصيام تاسع ذي الحجة من غير فرق بين نقص الشهرين أو تمامهما أو اختلافهما، و الأحوط صيام ستين يوماً، ولو وقع التفريق بين الأيام بتخلل ما لا يضر بالتتابع شرعاً يتعين ذلك ويجب الستين.

مسألة ١١ ـ يتخير في الاطعام الواجب في الكفارات بين إشباع المساكين و التسليم إليهم، و يجوز إشباع بعض و التسليم إلى آخر، و لا يتقدر الاشباع بمقدار، بل المدار أن يأكلوا بمقدار شبعهم قل أو كثر، و أما في التسليم فلابد من مدّ لا أقل، و الأفضل بل الأحوط مدّان، و لابد في كل من النحوين كمال العدد من ستين أو عشرة، فلا يجزي إشباع ثلاثين أو خمسة مرتين أو تسليم كل واحد منهم مدين، و لا يجب الاجتماع لا في التسليم ولا في الاشباع، فلو أطعم ستين مسكيناً في أوقات متفرقة من بلاد مختلفة ولو كان هذا في سنة و ذاك في سنة أخرى لأجزأ و كفى.

مسألة ١٢ ـ الواجب في الاشباع إشباع كل واحد من العدد مرة، و إن كان الأفضل إشباعه في يومه و ليله غداة و عشاءاً.

مسألة ١٣ ـ يجزي في الاشباع كل ما يتعارف التغذي و التقوت به لغالب الناس من المطبوخ و ما يصنع من أنواع الأطعمة، و من الخبز من أي جنس كان مما يتعارف تخبيزه من حنطة أو شعير أو ذرة أو دخن و غيرها و إن كان بلا إدام، نعم الأحوط في كفارة اليمين و ما كانت كفارته كفارتها عدم كون الاطعام بل و التسليم أدون مما يطعمون أهليهم، وإن كان الاجزاء بما ذكر فيها أيضاً لا يخلو من قوة، و الأفضل أن يكون مع الادام، و هو كل ما جرت العادة

کہ شعبان سے ایک دن پہلے روزے رکھنا شروع کر دے اور اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ شعبان ہی پر اکتفاء کرے اور اسی طرح بقرعید سے اکتیس[۲۱] دن پہلے روزے شروع کرنا جائز ہے۔ لیکن تیس[۳۰] دن پہلے شروع کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۰: وہ شخص کہ جس پر دو[۲] مہینے کے روزے واجب ہیں اگر اول ماہ سے شروع کرے تو دو[۲] قمری مہینے کے روزے رکھنا کافی ہیں۔ اگرچہ وہ مہینے ناقص ہی کیوں نہ ہوں۔ اور اگر اثنا ماہ سے شروع کرے تو اس میں متعدد وجہیں بلکہ اقوال ہیں۔ ان میں سب سے بہترین وجہ دو[۲] مہینوں کو کسر کرے اور کمی پورے کرے۔

پس اگر دس[۱۰] شوال سے شروع کرے تو نو ذی الحجہ تک تمام کر دے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ مہینے ناقص ہوں یا کامل ہوں یا مختلف ہوں جب کہ احوط یہ ہے کہ ساٹھ[۶۰] روزے رکھے اور اگر کوئی ایسی چیز درمیان میں واقع ہو جائے کہ شرعاً اس سے تسلسل میں کوئی نقصان نہیں پہونچتا تو دو[۲] متعین ہے اور ساٹھ روزے رکھنا واجب ہے۔

مسئلہ ۱۱: کفارات میں اطعام کے واجب ہونے کے متعلق مساکین کے سیر کرنے یا ان کو دیدینے کے درمیان اختیار ہے۔ اور بعض کو سیر کرانا اور بعض کو دینا بھی جائز ہے۔

سیر کرنے کے لئے کوئی مقدار نہیں ہے۔ بلکہ اس کی مقدار ان کی خوراک ہے خواہ وہ کم کھائیں یا زیادہ۔ لیکن دینے میں کم سے کم ایک مُد ہونا ضروری ہے اور افضل بلکہ احوط دو[۲] مُد ہے۔ اور دونوں صورتوں میں ساٹھ یا دس[۱۰] کا عدد کامل ہونا ضروری ہے۔

پس تیس[۳۰] یا پانچ آدمیوں کو دو[۲] مرتبہ سیر کرنا یا ان میں سے ہر ایک کو دو[۲] مُد دینا کافی نہیں ہے۔ سیر کرانے یا دینے میں یہ واجب نہیں ہے کہ سب کو ایک ہی مرتبہ جمع کرے بلکہ ساٹھ آدمیوں کو مختلف اوقات و مختلف شہروں میں کھانا دے سکتا ہے۔ اگرچہ کچھ کو اس سال اور کچھ کو دوسرے سال کھانا دے تو یہ بھی مجزی و کافی ہے۔

مسئلہ ۱۲: پیٹ بھر کھلانے میں واجب ہے کہ ہر ایک کو ان میں سے ایک مرتبہ شکم سیر کرے اگرچہ افضل یہ ہے کہ دوپہر اور شام کا کھانا کھلائے۔

مسئلہ ۱۳: جو غذا اکثر لوگوں کے درمیان کھائی جاتی اور پکائی جاتی ہو اور جس جنس کی روٹی ان کے درمیان عام طور سے کھائی جاتی ہو۔ مثلاً گندم، جو، مکئی، باجرہ اور ان کے علاوہ اگرچہ یہ بغیر سالن کے ہوں شکم سیر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن کفارہ قسم میں یا وہ چیز جس میں قسم کا کفارہ ہے۔ احتیاط یہ ہے کہ جو اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہیں اس سے خراب کھانا بلکہ کوئی خراب چیز ان کو نہ دے۔ اگرچہ مذکورہ صورت میں اس کا کافی ہونا قوت سے خالی بھی نہیں۔ اور افضل یہ ہے کہ سالن کے ساتھ ہو اور سالن ہر وہ چیز ہے کہ جس سے روٹی عادتاً کھائی جاتی ہو۔ خواہ وہ جامد ہو یا سیال اور خواہ سرکہ ہو، نمک ہو یا پیاز اور جو چیز بہتر ہو اس کا دینا افضل ہے۔ اور دینے میں وہ چیز دی جائے جسے کھانا کہا

على أكله مع الخبز جامداً أو مائعاً و إن كان خلاً أو ملحاً أو بصلاً، و كل ما كان أفضل كان أفضل، وفي التسليم بذل ما يسمى طعاماً من نيّ و مطبوخ من الحنطة و الشعير و دقيقهما و خبزهما و الأرز و غير ذلك، و الأحوط الحنطة أو دقيقها، و يجزي التمر و الزبيب تسليماً و إشباعاً.

مسألة ١٤ - التسليم إلى المسكين تمليك له، فيملك ما قبضه و يفعل به ماشاء، و لا يتعين عليه صرفه في الأكل.

مسألة ١٥ - يتساوى الصغير و الكبير إن كان التكفير بالتسليم، فيعطى الصغير مداً من الطعام كالكبير و إن كان اللازم في الصغير التسليم إلى وليه، و كذلك إن كان بنحو الاشباع إذا اختلط الصغار مع الكبار، فاذا أشبع عائلة أو عائلات مشتملة علـى كبار و صغار أجزأ مع بلوغهم ستيناً و إن كان الصغار منفردين فاللازم احتساب إثنين بواحد، بل الأحوط احتسابهم كذلك مطلقا، و الظاهر أنه لا يعتبر في إشباعهم إذن الولي.

مسألة ١٦ - لا إشكال في جواز إعطاء كل مسكين أزيد من مـدّ من كفارات متعددة ولو مع الاختيار من غير فرق بين الاشباع و التسليم، فلو أفطر تمام شهر رمضان جاز له إشباع ستين شخصاً معينين في ثلاثين يوماً، أو تسليم ثلاثين مداً من طعام لكل واحد منهم وإن وجد غيرهم.

مسألة ١٧ - لو تعذر العدد في البلد وجب النقل إلى غيره، و إن تعذر انتظر، ولو وجد بعض العدد كرّر على الموجود حتى يستوفي المقدار و يقتصر في التكرار على جميع الموجودين، فلو تمكن من عشرة كرّر عليهم ست مرات، و لا يجوز التكرار على خمسة إثنتا عشرة مرة، و الأحوط عند تعذر العدد الاقتصار على الاشباع دون التسليم، و أن يكون في أيام متعددة.

مسألة ١٨ - المراد بالمسكين الذي هو مصرف الكفارة هو الفقير الذي يستحق الزكاة، و هو من لم يملك قوت سنته لا فعلاً و لا قوة، و يشترط فيه الاسلام بل الايمان على الأحوط، و إن كان جواز إعطاء المستضعف من الناس

جائے۔ خواہ وہ پکی ہوئی ہو یا پختہ ہو یا ناپختہ۔ گیہوں یا جَو کی روٹی ہو یا ان کا آٹا ہو، یا چاول وغیرہ ہوں۔ احتیاط گیہوں اور اس کے آٹے میں ہے۔

خرما اور کشمش کو دینا یا اس سے شکم سیر کرنا بھی مجزی ہے۔

مسئلہ ۱۴: مسکین کو دینے کے بعد وہ اس کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ پس جو چیز اس کے قبضہ میں آجائے گی وہ اس کا مالک ہے۔ اور اس کو اس کے خرچ کرنے میں اختیار ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس کو کھانے کے مصرف ہی میں لائے۔

مسئلہ ۱۵: اگر کفارہ دینے کی شکل میں ہو تو صغیر و کبیر دونوں مساوی ہیں۔ پس بڑے کے مانند چھوٹے کو بھی ایک مُد طعام دیا جائے گا۔ اگرچہ کمسن میں لازم ہے کہ اس کے ولی کو دیا جائے۔ اسی طرح سیر کرنے میں اگر کمسن بزرگوں میں شامل ہو جائیں۔

پس اگر ایک خاندان یا بہت سے خاندان کہ جن میں کمسن اور بزرگ شامل ہوں اس صورت میں سیر کرے کہ وہ ساٹھ آدمی ہو جائیں تو کافی ہے۔ اگر کمسن جدا ہوں تو دو عدد ایک میں حساب ہوں گے اور احتیاط یہ ہے کہ اگر جدا بھی نہ ہوں تو دو کو ایک شمار کیا جائے گا۔ ظاہراً ان کے سیر کرنے میں ولی کی اجازت ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۶: متعدد کفارات میں ایک مُد سے زیادہ ہر مسکین کو حالتِ اختیاری میں دینے کے جواز میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اور سیر کرنے اور دینے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پس کوئی شخص پورے رمضان کے روزے نہ رکھے تو اگر ساٹھ مسکین افراد کو ۳۰ دن کھانا کھلائے یا پھر ایک کو تیس۳۰ مُد طعام دے تو بھی جائز ہے اگرچہ ان کے علاوہ بھی موجود ہوں۔

مسئلہ ۱۷: اگر عدد مطلوب شہر میں نہ ہوں تو دوسرے شہروں میں منتقل کرنا جائز ہے۔ اور اگر منتقل کرنے سے معذور ہو تو انتظار کرنا چاہیئے۔ اگر کچھ افراد مل جائیں تو انہی کو دیتا رہے۔ یہاں تک کہ وہ مقدار ادا ہو جائے اور تکرار میں جو موجود ہیں ان تمام پر اکتفاء کرے۔

پس اگر دس افراد مل جائیں تو ان کو چھ۶ بار کھلائے۔ لیکن پانچ افراد کو بارہ۱۲ مرتبہ کھلانا یا دینا جائز نہیں ہے۔

احتیاط یہ ہے کہ جب عدد مطلوب کے حصول سے معذور ہو تو شکم سیر کرنے پر اکتفاء کی جائے۔ ان کو دیا نہ جائے اور یہ بھی کئی دنوں میں ہو۔

مسئلہ ۱۸: مسکین سے مراد کہ جس پر کفارہ کا مصرف کیا جائے وہ فقیر ہو کہ جو مستحق زکوٰۃ ہے اور یہ وہ شخص ہے کہ جو فعلاً و قوۃً سال بھر کا خرچ نہ رکھتا ہو۔ اور اس کے لئے اسلام بلکہ بطورِ احتیاط ایمان شرط ہے اگرچہ ناصبیوں کو چھوڑ کر دوسرے غریبوں کو دینا قوت سے خالی نہیں ہے۔ اور ان افراد میں سے بھی نہ ہو کہ جن کا نفقہ کفارہ دینے والے پر واجب ہے۔ مانند والدین، اولاد اور زوجہ دائمی نہ کہ غیر دائمی اور نہ اس کے خویش و اقارب یہاں تک کہ اس کے بھائی اور بہنیں۔ اور اس میں عدالت

غير الناصب لا يخلو من قوة، و أن لا يكون ممن تجب نفقته على الدافع كالوالدين و الأولاد و الزوجة الدائمة دون المنقطعة و دون سائر الأقارب و الأرحام حتى الاخوة و الأخوات، و لا يشترط فيه العدالة و لا عدم الفسق، نعم لا يعطى المتجاهر بالفسق الذي ألقى جلباب الحياء، و في جواز إعطاء غير الهاشمي إلى الهاشمي قولان، لا يخلو الجواز من رجحان، و إن كان الأحوط الاقتصار على مورد الاضطرار و الاحتياج التام الذي يحلّ معه أخذ الزكاة.

مسألة ١٩ ـ يعتبر في الكسوة في الكفارة أن يكون ما يعد لباساً عرفاً من غير فرق بين الجديد و غيره ما لم يكن منخرقاً أو منسحقاً و بالياً بحيث ينخرق بالاستعمال، فلا يكتفى بالعمامة و القلنسوة و الحزام و الخف والجورب، و الأحوط عدم الاكتفاء بثوب واحد خصوصاً بمثل السراويل أو القميص القصير، فلا يكون أقل من قيص مع سراويل و إن كان الأقوى جواز الاكتفاء به، و الأحوط أن يكون مما يواري عورته، و يعتبر فيها العدد كالاطعام، فلو كرّر على واحد بأن كساه عشر مرات لم تحسب إلا واحدة، و لا فرق في المكسوّ بين الصغير و الكبير و الذكر و الأنثى، نعم في الاكتفاء بكسوة الصغير في أوائل عمره كابن شهر أو شهرين إشكال فلا يترك الاحتياط، و الظاهر اعتبار كونه مخيطاً فيما كان المتعارف فيه المخيطية دون ما لا يحتاج إلى الخياطة، فلو سلم إليه الثوب غير مخيط في الفرض لم يجز، نعم الظاهر أنه لا بأس بأن يدفع أجرة الخياطة معه ليخيطه و يلبسه، و لا يجزي إعطاء لباس الرجال للنساء و بالعكس، و لا إعطاء لباس الصغير للكبير، و لا فرق في جنسه بين كونه من صوف أو قطن أو كتان أو غيرها، و في الاجتزاء بالحرير المحض للرجال إشكال إلا إذا جاز لهم اللبس لضرورة أو غيرها، ولو تعذر تمام العدد كسا الموجود وانتظر الباقي، و الأحوط التكرار على الموجود، فاذا وجد الباقي كساه.

مسألة ٢٠ ـ لا تجزي القيمة في الكفارة لا في الاطعام و لا في الكسوة بل لابد في الاطعام من بذل الطعام إشباعاً أو تمليكاً، و كذا في الكسوة لابد من

اور فاسق نہ ہونا شرط نہیں ہے۔ ہاں متجاہر بالفسق کو کہ جس نے اپنی حیاء کے پردہ کو بالکل فاش کر دیا ہو کفارہ نہیں دیا جائے گا۔

اور غیر ہاشمی کے ہاشمی کو دینے کے جواز میں دو قول ہیں۔ جواز رجحان سے خالی نہیں۔ اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ صرف حالت اضطراری اور احتیاج کامل کے مورد پر اکتفاء کی جائے کہ جہاں ان کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۱۹: کفارہ میں کپڑا پہنانے میں معتبر ہے۔ اسے عرف میں لباس شمار کیا جائے۔ نئے اور پرانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اتنا بوسیدہ نہ ہو کہ استعمال سے پارہ پارہ ہو جائے۔ عمامہ، ٹوپی، کمربند، جوتا، جوراب کافی نہیں ہیں۔ اور احتیاط یہ ہے کہ ایک لباس خصوصاً شلوار یا پائجامہ یا چھوٹی قمیص پر بھی اکتفاء نہ کی جائے۔

پس کفارہ ایک قمیص اور پائجامہ سے کم نہ ہو۔ اگرچہ اقوی یہ ہے کہ ایک لباس پر اکتفاء جائز ہے۔ لیکن احتیاط یہ ہے کہ ایک ایسی چیز ہو کہ جو شرمگاہ کو چھپا سکے۔ اور مثل طعام اس میں عدد معتبر ہے۔ پس اگر ایک پر تکرار کریں۔ مثلاً دس مرتبہ اس کو کپڑا پہنائیں تو ایک مرتبہ حساب ہوگا۔ اور جس شخص کو لباس دیا جائے۔ اس کے کمسن اور بزرگ مرد و عورت ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ اس بچہ کو لباس دینا کہ جس کی عمر ایک یا دو مہینے ہے اشکال ہے۔

پس احتیاط ترک نہ کی جائے اور ظاہر یہ ہے کہ اگر سِلا ہوا ہونا اس کے لئے متعارف ہے۔ تو وہ سلا ہوا ہو نہ وہ چیز کہ جس کے لئے سلائی کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر بغیر سِلا ہوا، لباس دیا جائے تو کافی نہیں ہے۔ البتہ اگر سلائی کی اجرت ادا کر دے تو کوئی اشکال نہیں ہے۔ تاکہ وہ اس کو سلوا کر پہن لے۔ مردوں کو عورتوں کا لباس یا اس کے برعکس اور کمسنوں کا لباس بزرگوں کو دینا کافی نہیں ہے۔ اور جنس کے لحاظ سے خواہ وہ اونی ہو یا سُوتی ہو یا کاٹن کتان سے بنایا گیا ہو اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

لیکن مردوں کے لئے خالص ابریشم والے کپڑے دینے پر اکتفاء کرنے میں اشکال ہے۔ لیکن اگر ان کے لئے ضرورت یا غیر ضرورت کی بناء پر پہننا جائز ہو تو جائز ہے۔ اور اگر عددِ کامل سے معذور ہو تو جو موجود رہے اس کو لباس دیدے اور باقی افراد کے لئے منتظر رہے گا۔ اور احوط یہ ہے کہ موجود افراد پر تکرار کرے۔ اور جب باقی آجائیں تو ان کو پہنا دے۔

مسئلہ ۲۰: کفارہ میں قیمت دے دینا جائز نہیں نہ لباس کی جگہ اور نہ اطعام کے بدلے بلکہ طعام دینے میں ضروری ہے کہ یا تو کسی کو شکم سیر کرے یا اس چیز کا مالک بنا دے ایسے ہی لباس دینے میں بھی چاہیئے کہ اس کو عطا کرے البتہ اگر مستحق مورد اطمینان ہے تو قیمت ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ اس کو وکیل بنالیں تاکہ اس کی غذا خریدے اور کھائے یا اس کا مالک بن جائے۔

إعطائها، نعم لا بأس بأن يدفع القيمة إلى المستحق إذا كان ثقة، و يوكّله في أن يشتري بها طعاماً فيأكله أو يتملكه أو كسوة ليلبسها.

مسألة ٢١ - إذا وجبت عليه كفارة مخيرة لم يجز أن يكفّر بجنسين بأن يصوم شهراً و يطعم ثلاثين في كفارة شهر رمضان مثلاً، أو يطعم خمسة و يكسو خمسة مثلاً في كفارة اليمين، نعم لا بأس باختلاف أفراد الصنف الواحد منها كما لو أطعم بعض العدد طعاماً خاصاً و بعضه غيره، أو كسا بعضهم ثوباً من جنس و بعضهم من آخر، بل يجوز في الاطعام أن يشبع بعضاً و يسلم إلى بعض كما مرّ.

مسألة ٢٢ - لا بدل للعتق في الكفارة مخيرة كانت أو مرتبة أو كفارة الجمع، فيسقط بالتعذر، و أما صيام شهرين متتابعين و الاطعام لو تعذرا ففي كفارة شهر رمضان مع تعذر جميع الخصال يتصدق بما يطيق، و مع عدم التمكن يستغفر الله، و يكفي مرة، و الأحوط في هذه الصورة التكفير، إن تمكن بعد ذلك، و في غيرها مع تعذرها صيام ثمانية عشر يوماً، على الأقوى في الظهار، و على الأحوط في غيره، والأحوط التتابع فيها، و إن عجز عن ذلك أيضاً صام ما استطاع أو تصدق بما وجد على الأحوط في شقي التخيير، و مع العجز عنها بالمرة استغفر الله تعالى ولو مرة.

مسألة ٢٣ - الظاهر أن وجوب الكفارات موسع، فلا تجب المبادرة إليها، و يجوز التأخير ما لم يؤد إلى حدّ التهاون.

مسألة ٢٤ - يجوز التوكيل في إخراج الكفارات المالية و أدائها، و يتولى الوكيل النية إن كان وكيلاً في إخراجها، و إن كان وكيلاً في الإيصال إلى الفقير ينوي الموكل حين دفع الوكيل إلى الفقير، و يكفي أن يكون من نيته أن ما يدفع وكيله إلى الفقير كفارة، و لا يلزم العلم بوقت الأداء تفصيلاً، و أما الكفارات البدنية فلا يجزي فيها التوكيل، و لا تجوز فيها النيابة على الأقوى إلا عن الميت.

مسألة ٢٥ - الكفارات المالية بحكم الديون، فلو مات من وجبت عليه تخرج

یا اپنے لئے وہ لباس خریدے اور پہنے۔

مسئلہ ۲۱: اگر کسی پر کفارہ مخیرہ واجب ہو تو اس کے لئے دوؔ جنس کا کفارہ دینا جائز نہیں ہے۔ مثلاً رمضان کا کفارہ ایک مہینے کے روزے رکھے اور تیس افراد کو کھانا کھلائے یا کفارہ قسم میں پانچ افراد کو کھانا کھلائے اور پانچ کو لباس دے۔ البتہ صنف واحد میں افراد کے درمیان فرق کرے تو کوئی اشکال نہیں ہے۔ مثلاً بعض افراد کو خاص قسم کا کھانا اور بعض کو اس کھانے کے علاوہ یا بعض افراد کو ایک جنس کا لباس اور دوسروں کو دوسری جنس کا لباس دے بلکہ کھلانے میں جائز ہے کہ بعض کو کھانا کھلائے اور بعض کو دے دے۔

مسئلہ ۲۲: کفارہ مخیرہ ہو یا مرتبہ یا جمع کسی میں غلام آزاد کرنے کا عوض نہیں ہے۔ بلکہ عذر کے پیش آنے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن ماہِ رمضان کے کفارہ میں اگر دوؔ مہینے کے متواتر روزے رکھنے اور کھانا کھلانے سے معذور ہو تو جس مقدار میں ممکن ہو صدقہ دے اور اگر اس پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو خداوندِ متعال سے مغفرت طلب کرے۔ اور ایک مرتبہ استغفار کر لینا کافی ہے۔ لیکن اس صورت میں احتیاط یہ ہے کہ اگر بعد میں قدرت پیدا کرے تو کفارہ دے۔

اگر ماہِ رمضان کے علاوہ معذور ہو جائے تو اٹھارہ روز کے روزے ہوں گے۔ یہ ظہار میں اقویٰ ہے۔ اور اس کے علاوہ میں احوط۔ اور احوط یہ ہے کہ متواتر رکھے جائیں۔ اور گر اس سے عاجز ہو تو جتنے روزے رکھ سکتا ہو رکھے۔ یا جتنا ہو سکے صدقہ دے اور تخییر کی دونوں صورتوں میں یہ بطورِ احتیاط ہے۔ اور اگر بطورِ کلی عاجز ہو جائے تو خداوندِ عالم سے طلبِ مغفرت کرے اگرچہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔

مسئلہ ۲۳: کفارات کا وجوب ظاہراً واجب موسّع ہے۔ پس اس میں جلدی کرنا واجب نہیں ہے۔ جب لک سہل انگاری کی منزل نہ آجائے۔ اس وقت تک تاخیر کرنا جائز ہے۔

مسئلہ ۲۴: کسی کو کفاراتِ مالی نکالنے کے لئے یا اس کو ادا کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے اور وکیل یت کرے گا۔ جبکہ اس کو اخراج کے لئے وکیل بنایا ہو۔ اور اگر اس کو فقیر تک پہونچانے کے لئے یل بنایا ہو تو وکیل جب فقیر کو دے گا تو موکل اس وقت نیت کرے گا۔ اور یہ نیت کہ جو کچھ فقیر کو دے ا ہے۔ وہ کفارہ ہے تو کافی ہو گی۔ اور یہ ضروری نہیں ہے ادا کا وقت بطورِ تفصیل جانتا ہو۔

اور کفاراتِ بدنی میں وکیل بنانا مجزی نہیں ہے۔ اور ان کے لئے نائب بنانا اقویٰ یہ ہے کہ ائز نہیں مگر میت کا نائب بنانا جائز ہے۔

مسئلہ ۲۵: کفاراتِ مالی قرض کے حکم میں ہیں۔ اگر کسی پر یہ کفارہ واجب ہو جائے تو اس کے مرنے کے عد اس کے مال سے نکالا جائے۔ لیکن وہ کفارے کہ جس کا تعلق بدن سے ہے۔ ان کا ادا کرنا وارثوں واجب نہیں ہے اور نہ ہی ترکہ سے ادا کئے جائیں گے۔ مگر یہ کہ میت نے اس کی وصیت کی ہو تو ایک ث سے ادا کئے جائیں گے۔ ہاں ان کی ادائگی کے ولی پر کہ جو بڑا لڑکا ہوتا ہے واجب ہونے کا احتمال قوی

من أصل المال، و أما البدنية فلا يجب على الورثة أداؤها و لا إخراجها من التركة ما لم يوص بها الميت، فتخرج من ثلثه، نعم في وجوبها على الولي و هو الولد الاكبر احتمال قوي فيما إذا تعين على الميت الصيام، و أما لو تعين عليه غيره بأن كانت مرتبة و تعين عليه الاطعام فلا يجب على الولي، ولو كانت مخيرة و كان متمكناً من الصيام و الاطعام فلو أمكن الاخراج من التركة تخرج منها، و إلا فالأحوط على الولي الصيام لو تلفت التركة أو أبي الورثة عن الاطعام.

maablib.org

ہے۔ جبکہ میت پر روزے متعین ہوں۔ لیکن اگر اس پر روزوں کے علاوہ کوئی اور چیز متعین ہو۔ مثلاً کفارہ مرتبہ ہو اور اس پر اطعام متعین ہو تو ولی پر اس کی طرف سے اطعام واجب نہیں ہے اور کفارہ مخیرہ ہو اور وہ روزہ رکھنے اور کھانا کھلانے پر قدرت رکھتا ہو۔ پس اگر وہ ترکہ سے نکال سکتا ہے تو ترکہ سے نکالے گا۔ لیکن اگر ترکہ سے نکالنا ممکن نہ ہو تو احوط یہ ہے کہ ولی روزے رکھے گا۔ اگر ترکہ ضایع ہو جائے یا وارث اطعام سے انکار کریں۔

maablib.org

كتاب الصيد والذباحة

القول في الصيد

كما يذكىّ الحيوان و يحل لحم ما حل أكله بالذبح الواقع على النحو المعتبر شرعاً يذكىّ أيضاً بالصيد على النحو المعتبر، و هو إما بالحيوان أو بغيره، و بعبارة أخرى الآلة التي يصاد بها إما حيوانية أو جمادية، و يتم الكلام في القسمين في ضمن مسائل.

مسألة ١ ـ لا يحل من صيد الحيوان و مقتوله إلا ما كان بالكلب المعلم سواء كان سلوقياً أو غيره، و سواء كان أسود أو غيره، فلا يحلّ صيد غيره من جوارح السباع كالفهد و النمر و غيرهما و جوارح الطير كالبازي و العقاب و الباشق و غيرها و إن كانت معلمة، فما يأخذه الكلب المعلم و يقتله بعقره و جرحه مذكى حلال أكله من غير ذبح، فيكون عضه و جرحه على أيّ موضع من الحيوان بمنزلة ذبحه.

مسألة ٢ ـ يعتبر في حلية صيد الكلب أن يكون معلماً للاصطياد، و علامة كونه بتلك الصفة أن يكون من عادته مع عدم المانع أن يسترسل ويهيج إلى الصيد لو أرسله صاحبه وأغراه به، و أن ينزجر و يقف عن الذهاب و الهياج إذا زجره، نعم لا يضر إذا لم ينزجر حين رؤية الصيد و قربة منه، و الأحوط أن يكون من عادته التي لا تتخلّف إلا نادراً أن يمسك الصيد و لا يأكل منه شيئاً حتى يصل

کتابِ شکار

جس طرح حلال گوشت جانور کو ذبیحہ پاک اور اس کا گوشت کھانا حلال کر دیتا ہے اسی طرح وہ شکار جو شرعاً معتبر ہو حلال گوشت جانور کو پاک اور اسکا گوشت کھانا حلال کر دیتا ہے اور شکار کرنیکے دو آلے ہیں ۱۔ جاندار (جیسے کتا) ۲۔ غیر جاندار جیسے ہتھیار وغیرہ اور دونوں ہی کے متعلق گفتگو چند مسائل کے ضمن میں تمام ہو جائے گی۔

مسئلہ ۱: وہ شکار کہ جو حیوان کے ذریعہ کیا گیا ہے وہ صرف اس صورت میں حلال ہوگا کہ وہ تربیت شدہ کتوں کے ذریعہ کیا گیا ہو۔ اب اس میں فرق نہیں کہ وہ کتے چاہے سلوقی (تازی کتے) ہوں یا غیر سلوقی ہوں یا سیاہ ہوں یا دوسرے رنگ کے ہوں۔ اور اگر دیگر درندہ حیوانات جیسے چیتے وغیرہ یا درندہ پرندے جیسے باز و عقاب وغیرہ کے ذریعہ کیا گیا ہو اگرچہ یہ تربیت یافتہ ہی کیوں نہ ہوں شکار حلال نہ ہوگا۔ بنا برایں تربیت یافتہ کتے جس شکار کو پکڑ لیں یا اس کو دانتوں سے کاٹ کر یا زخمی کر کے مار ڈالیں تو بغیر ذبح کئے پاک اور اس کا کھانا حلال ہوگا۔ پس ان شکاری کتوں کا دانت سے کاٹنا یا زخمی کرنا چاہے یہ شکار کے جس جگہ بھی واقع ہو اس کے ذبح ہونے کی منزلت رکھتا ہے۔

مسئلہ ۲: کتے کے ذریعہ شکار کی حلیت اس وقت معتبر ہے جبکہ اسکو شکار کے لئے تربیت دی گئی ہو اور اس تربیت کی علامت یہ ہے کہ اس میں یہ صفت ہو کہ جب کوئی مانع نہ ہو اور اس کا مالک شکار کیلئے چھوڑے تو وہ اپنی عادت کی بناء پر شکار کے پیچھے دوڑ پڑے اور اگر وہ روک دے تو رک جائے۔ ہاں البتہ اگر وہ شکار کو قریب دیکھ کر نہ ٹھہرے یا قابو میں نہ رہے تو یہ موجب ضرر نہ ہوگا۔ اور احتیاط تو یہ ہے کہ اس کی عادت میں یہ ہو کہ وہ نافرمانی نہ کرتا ہی

صاحبه.

مسألة ٣ ـ يشترط في حلية صيد الكلب المعلم أمور:

الأول ـ أن يكون ذلك بارساله للاصطياد، فلو استرسل بنفسه من دون إرسال لم يحل مقتوله و إن أغراه صاحبه بعده حتى فيما أثر إغراؤه فيه بأن زاد في عدوه بسببه على الأحوط، و كذا الحال لو أرسله لا للاصطياد بل لأمر آخر من دفع عدو أو طرد سبع أو غير ذلك فصادف غزالاً فصاده، والمعتبر قصد الجنس لا الشخص، فلو أرسله إلى صيد غزال فصادف غزالاً آخر فأخذه و قتله كفى في حله، و كذا لو أرسله إلى صيد فصاده مع غيره حلا معاً.

الثاني ـ أن يكون المرسل مسلماً أو بحكمه كالصبي الملحق به بشرط كونه مميزاً، فلو أرسله كافر بجميع أنواعه أو من كان بحكمه كالنواصب لعنهم الله لم يحل أكل ما قتله.

الثالث ـ أن يسمي بأن يذكر اسم الله عند إرساله، فلو تركه عمداً لم يحل مقتوله، و لا يضر لو كان نسياناً، و الأحوط أن تكون التسمية عند الارسال، فلا يكتفى بها قبل الاصابة.

الرابع ـ أن يكون موت الحيوان مستنداً إلى جرحه و عقره، فلو كان بسبب آخر كصدمه أو خنقه أو إتعابه أو ذهاب مرارته من الخوف أو إلقائه من شاهق أو غير ذلك لم يحل.

الخامس ـ عدم إدراك صاحب الكلب الصيد حياً مع تمكنه من تذكيته بأن أدركه ميتاً أو أدركه حياً لكن لم يسع الزمان لذبحه، و بالجملة إذا أرسل كلبه إلى الصيد فان لحق به بعد ما أخذه و عقره و صار غير ممتنع فوجده ميتاً كان ذكياً و حل أكله، و كذا إن وجده حياً و لم يتسع الزمان لذبحه فتركه حتى مات، و أما ان اتسع لذبحه لا يحلّ إلا بالذبح، فلو تركه حتى مات كان ميتة، و أدنى ما يدرك ذكاته أن يجده تطرف عينيه أو تركض رجله أو يحرك ذنبه أو يده، فان وجده كذلك واتسع الزمان لذبحه لم يحل أكله إلا بالذبح، و كذلك

کرتا ہو اور شکار کرنے کے بعد اس کو دبائے رکھتا ہو اور اس میں سے مالک کے پہنچنے تک کچھ نہ کھاتا ہو۔

مسئلہ ۲: تربیت یافتہ شکاری کتے کے شکار کے حلال ہونے میں مندرجہ ذیل امور شرط ہیں۔

اول: شکاری کتے کو شکار ہی کی غرض سے بھیجا گیا ہو۔ چنانچہ اگر وہ مالک کے حکم کے بغیر خود سے چلا جائے تو اس کا شکار حلال نہ ہوگا۔ اگرچہ اس کا مالک بعد میں اس کو اکسائے۔ حتیٰ بر بنائے احتیاط اگر مالک کا اکسانا اس پر مؤثر ہی کیوں نہ ہو یعنی کتے کے دوڑنے میں تیزی آ جائے۔ اور اسی طرح وہاں بھی یہی حکم ہے جبکہ مالک شکار کے بجائے کسی دوسری غرض سے اس کو بھیجے مثلاً دشمن کو روکنے اور درندے کو بھگانے کی غرض سے مگر وہ اس راہ میں کسی ہرن کا شکار کرلے اور معتبر قصد جنس ہے نہ شخص۔ ہاں اگر مالک نے ایک معین ہرن کے شکار کے لئے بھیجا ہو لیکن وہ دوسرے ہرن کو دیکھے اور مار ڈالے تو حلیت کے لئے کافی ہے۔ اور اسی طرح اگر اس نے ایک شکار کے لئے بھیجا ہو لیکن اس نے دو شکار کرلیے ہوں تو یہ دونوں شکار حلال ہیں۔

دوم: شکار کے لئے (کتوں) کو بھیجنے والا مسلمان ہو یا حکم اسلام میں ہو مثلاً وہ بچہ جو مسلمان کی سرپرستی میں ہو بشرطیکہ ممیز ہو پس اگر کافر اور اس کے تمام اقسام (جیسے مرتد ذمی وغیرہ) یا جو اس کے حکم میں ہے جیسے ناصبی لعنت اللہ علیہ اگر شکار کے لئے بھیجے تو اس کتے کے شکار کا کھانا حلال نہ ہوگا۔

سوم: کتوں کو بھیجتے وقت خدا کا نام لے۔ بنا بر این اگر وہ اسے عمداً ترک کردے تو اس کا شکار حلال نہ ہوگا۔ ہاں اگر بھول جائے تو موجب ضرر نہ ہوگا۔ اور احتیاط یہ ہے کہ کتے کو بھیجتے وقت خدا کا نام لے چنانچہ اگر کتے کے شکار پر جھپٹ پڑنے سے پہلے نام لے تو کفایت نہ کرے گا۔

چہارم: جانور کی موت شکاری کتوں کے کاٹنے یا زخمی کرنے ہی کی بنا پر ہو۔ پس اگر دیگر اسباب مثلاً چوٹ یا تکلیف یا گلا گھٹ جانے یا خستگی یا خوف کی وجہ سے پتہ پھٹ جانے یا بلندی سے گر پڑنے کی بنا پر موت واقع ہو تو وہ حلال نہ ہوگا۔

پنجم: کتے کا مالک شکار کے تزکیہ (پاک کرنے) کے امکان کے باوجود اس کے زندہ رہنے تک اس کے پاس نہ پہنچ پائے یعنی یہ کہ یا تو مالک شکار کو مردہ پائے یا اگر زندہ ہو تو ذبح کرنے کیلئے وقت نہ ہو۔

مختصر یہ کہ اگر مالک اپنے کتے کو شکار کے لئے بھیجے اور جب کتا اسے پکڑ کر دانت لگادے اور اسے اپنے قابو میں کرلے اور اس کے بعد مالک اس تک پہنچے اور مردہ پائے تو وہ شکار پاک اور اس کا کھانا حلال ہوگا اور اسی طرح اگر اس کو زندہ پائے مگر ذبح کرنے کا وقت نہ ہو اور اس کو ویسے ہی چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ مرجائے۔ لیکن اگر اتنا وقت ہو کہ وہ ذبح کرسکتا ہو تو صرف ذبح کرنے سے ہی حلال ہوگا۔ بنا بر این اگر وہ اس کو ذبح نہ کرے یہاں تک کہ وہ مرجائے تو وہ مردار شمار ہوگا۔ اور اس کے تزکیہ (پاک کرنے) میں کم از کم اس کا اپنی آنکھوں کو حرکت دینا یا ہاتھ پیر جھٹکارنا اور دُم ہلانا دیکھا جاتا ہے۔ پس اگر اس نے یہ کیفیت دیکھی اور اس کے ذبح کرنے کا وقت ہو تو اس کا کھانا صرف ذبح کرنے کے بعد ہی حلال ہوگا۔ اور یہی صورت وہاں بھی ہے جب مالک شکار کو کتے کے دانت لگانے کے بعد پائے لیکن وہ اس کے قابو میں نہ ہو اور اس

الحال لو وجده بعد عقر الكلب عليه ممتنعاً فجعل. يعدو خلفه فوقف، فان بقي من حياته زماناً يتسع لذبحه لم يحل إلا به، و ان لم يتسع حل بدونه، و يلحق بعدم اتساعه ما إذا وسع و لكن كان ترك التذكية لا بتقصير منه، كما اذا اشتغل بأخذ الآلة و سل السكين مع المسارعة العرفية و كون الآلات على النحو المتعارف فلو كان السكين في غمد ضيق غير متعارف فلم يدرك الذكاة لأجل سله منه لم يحل، و كذا لو كان لأجل لصوقه به بدم و نحوه، و من عدم التقصير ما إذا امتنع الصيد من التمكين بما فيه من بقية قوة و نحو ذلك فمات قبل أن يمكنه الذبح، نعم لا يلحق به فقد الآلة على الأحوط لو لم يكن أقوى فلو وجده حياً و اتسع الزمان لذبحه إلا أنه لم يكن عنده السكين فلم يذبحه لذلك حتى مات لم يحل أكله.

مسألة ٤ ـ هل يجب على من أرسل الكلب المسارعة و المبادرة الى الصيد من حين الارسال أو من حين ما رآه قد أصاب الصيد و ان كان بعد امتناعه أو من حين ما أوقفه و صار غير ممتنع أو لا تجب أصلاً؟ الظاهر وجوبها من حين الايقاف، فاذا أشعر به يجب عليه المسارعة العرفية حتى أنه لو أدركه حياً ذبحه، فلو لم يتسارع ثم وجده ميتاً لم يحل أكله، و أما قبل ذلك فالظاهر عدم وجوبها و إن كان الاحتياط لا ينبغي تركه، هذا إذا احتمل ترتب أثر على المسارعة و اللحوق بالصيد بأن احتمل أنه يدركه حياً و يقدر على ذبحه من جهة اتساع الزمان و وجود الآلة، و أما مع عدم احتماله ولو من جهة عدم ما يذبح به فلا إشكال في عدم وجوبها، فلو خلاه حينئذ على حاله إلى أن قتله الكلب و أزهق روحه بعقره حل أكله، نعم لو توقف إحراز كون موته بسبب جرح الكلب لا بسبب آخر على التسارع إليه و تعرف حاله لزم لأجل ذلك.

مسألة ٥ ـ لا يعتبر في حلية الصيد وحدة المرسل و لا وحدة الكلب فلو أرسل جماعة كلباً واحداً أو أرسل واحد أو جماعة كلاباً متعددة فقتلت صيداً حل أكله، نعم يعتبر في المتعدد صائداً و آلة أن يكون الجميع واجداً للأمور المعتبرة

کے پیچھے دوڑ لگے یہاں تک کہ جانور ٹھہر جائے تو اگر اس میں اتنی دیر حیات باقی ہو کہ اس کے ذبح کرنے کے لئے کافی ہو تو بغیر ذبح کئے اس کا کھانا حلال نہ ہوگا اور اگر اتنا وقت نہ ہو تو ذبح کئے بغیر حلال ہے اور وقت کے وسیع نہ ہونے کے ساتھ ملحق ہے۔ اس وقت جبکہ وقت میں وسعت و گنجائش ہو لیکن ترک تزکیہ اس کی کوتاہی و سستی کی بناء پر نہ ہو جیسے آلہ ذبح (چاقو چھری وغیرہ) کو حاصل کرنے میں جلدی کرے اس طرح کہ عرفاً اسے سستی و تساہل سے تعبیر نہ کیا جائے اور آلاتِ ذبح بھی معمولی ہوں (پس اگر چاقو غیر معمولی تنگ غلاف کے اندر ہو اور اسی طرح اگر خون یا اسی کی طرح کسی چیز کی بناء پر چاقو غلاف سے چپک جائے اور اس کو غلاف سے نکالنے میں ہوئی تاخیر کی بناء پر ذبح نہ کر سکے تو شکار حلال نہ ہوگا۔) اسی طرح اس وقت جبکہ شکار کی باقیماندہ قوت اس بات کی اجازت نہ دے کہ وہ شخص ذبح کر سکے اور شکار مر جائے تو یہ کوتاہی و سستی میں شمار نہ ہوگا۔ ہاں اگر اقویٰ نہ ہو تو بنا بر احتیاط اگر آلہ ذبح مثلاً چاقو وغیرہ نہ ہو تو کوتاہی نہ کرنے سے ملحق نہیں ہوگا۔ پس اگر شکار زندہ ملے اور اس کے ذبح کرنے کا وقت ہو لیکن چاقو نہ ہونے کی بناء پر اس کو ذبح نہ کر سکے اور وہ مر جائے تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ ۴: وہ شخص کہ جس نے کتے کو شکار کے لئے روانہ کیا ہے تو کیا اسی وقت جبکہ اس نے روانہ کیا تھا یا اس وقت جبکہ وہ مشاہدہ کرے کہ کتے شکار تک پہنچ گئے اس صورت میں کہ کتوں نے شکار کو روک لیا ہو یا اس کو بے بس کر دیا ہو اور وہ قبضہ میں آگیا ہو اور اس شخص کا فوراً اور تیزی کیساتھ شکار کیطرف جانا واجب ہے؟ یا اصلاً واجب نہیں؟ ظاہراً جس وقت کتا شکار کو قبضہ میں کرے واجب ہے۔ بناء برایں اگر اس شخص کو یہ احساس ہو جائے تو چاہیئے کہ وہ تیزی کیساتھ (جسے عرفاً بھی تیزی شمار کیا جاتا ہو) شکار کیطرف جائے اور اگر وہ زندہ ہو تو اس کو ذبح کرے اور بر خلاف اسکے اگر اس نے شکار کی طرف جانے میں تیزی نہ کی اور شکار مر گیا تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ لیکن کتے کے شکار کو قابو میں کر لینے سے پہلے ظاہراً اس تک پہنچنے میں تیزی کرنا واجب نہیں ہے۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ تیزی کرنے کی احتیاط کو ترک نہ کیا جائے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کو یہ احتمال ہو کہ اس کا شکار کی طرف تیزی کے ساتھ جانا اور اس تک پہنچنا کوئی اثر مرتب کرے گا۔ بلفظ دیگر یہ احتمال ہو کہ اگر وہ جانے میں عجلت و تیزی سے کام لے تو شکار اسے زندہ مل سکتا ہے اور چونکہ اس کے پاس ہتھیار موجود ہے اور وقت بھی وسیع ہے لہٰذا وہ اسے ذبح کر سکتا ہے۔ لیکن اگر مذکورہ احتمال نہ ہو۔ تو اس جہت سے کہ اس کے پاس ذبح کرنے والا ہتھیار نہ ہو تو شکار تک پہونچنے میں تیزی کے واجب نہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ بنا برایں اگر شکار کو اس کے حال پر چھوڑ دے اور کتا اس کو مار ڈالے یا اس کے زخمی کرنے سے اس کا دم نکل جائے تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔ البتہ اگر یہ جانتا کہ شکار کتے سے زخمی ہو کر مرا ہے نہ کہ کسی اور وجہ سے۔ عجلت و تیزی پر موقوف ہو یا اس کی حالت معلوم کرنی ہو تو اس کے لئے تیزی سے جانا لازمی ہے۔

مسئلہ ۵: شکار کے حلال ہونے میں ضروری نہیں ہے کہ بھیجنے والا بھی ایک ہو اور کتا بھی ایک ہو۔ بلکہ اگر چند اشخاص مل کر ایک ہی کتا یا پھر ایک ہی شخص یا چند اشخاص مل کر کچھ کتے شکار کے لئے بھیجیں اور وہ شکار کو مار ڈالیں تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔ البتہ جب افراد متعدد ہوں اور کتے بھی متعدد ہوں تو ان میں

شرعاً، فلو كان المرسل إثنين أحدهما كافر أو لم يسم أحدهما أو أرسل كلبان أحدهما معلم و الآخر غير معلم فقتلاه لم يحل.

مسألة ٦ ـ لا يؤكل من الصيد المقتول بالآلة الجمادية إلا ما قتله السيف أو السكين أو الخنجر و نحوها من الأسلحة التي تقطع بحدّها أو الرمح و السهم و النشاب مما يشاك بحده حتى العصا التي في طرفها حديدة محددة، من غير فرق بين ما كان فيه نصل كالسهم الذي يركب عليه الريش أو صنع قاطعاً أو شائكاً بنفسه، بل لا يبعد عدم اعتبار كونه من الحديد، فيكفي بعد كونه سلاحاً قاطعاً أو شائكاً كونه من أيّ فلزّ كان حتى الصفر و الذهب و الفضة، و الأحوط اعتباره، و يعتبر كونه مستعملاً سلاحاً في العادة على الأحوط، فلا يشمل المخيط و الشوك و السفود و نحوها، و الظاهر أنه لا يعتبر الخرق و الجرح في الآلة المذكورة أعني ذات الحديد المحّددة، فلو رمى الصيد بسهم أو طعنه برمح فقتله بالرمح والطعن من دون أن يكون فيه أثر السهم و الرمح حل أكله، و يلحق بالآلة الحديدية المعراض الذي هو كما قيل خشبة لا نصل فيها إلا أنها محددة الطرفين ثقيلة الوسط أو السهم الحادّ الرأس الذي لا نصل فيه أو سهم بلا ريش غليظ الوسط يصيب بعرضه دون حده، و كيف كان انما يحل مقتول هذه الآلة لو قتلت الصيد بخرقها إياه و شوكها فيه ولو يسيراً، فلو قتله بثقلها من دون خرق لم يحل، و الأحوط عدم التجاوز عن المعراض إلى غيره من المحددة غير الحديد.

مسألة ٧ ـ كل آلة جمادية لم تكن ذات حديدة محدّدة و لا محددة غير الحديدية قتلت بخرقها من المثقلات كالحجارة و المقمعة و العمود و البندقة لا يحل مقتولها كالمقتول بالحبائل و الشبكة والشرك و نحوها، نعم لا بأس بالاصطياد بها، و كذا بالحيوان غير الكلب كالفهد و النمر و البازي و غيرها بمعنى جعل الحيوان الممتنع غير ممتنع بها، ولكنه لا يحل ما يصطاد بها إلا إذا أدركه و ذكاه.

مسألة ٨ ـ لا يبعد حلية ما قتل بالآلة المعروفة المسماة بالبندقية مع اجتماع الشرائط بشرط أن تكون البندقة محددة نافذة بحدته على الأحوط، فيجتنب مما

ان امور کا پایا جانا جو شرعاً معتبر ہیں لازمی ہے۔ پس اگر شکار کے لئے بھیجنے والے دو افراد کہ ان میں سے ایک کافر ہو اور ایک مسلمان یا دونوں مسلمان ہوں لیکن بھیجتے وقت ایک ذکر خدا نہ کرے۔ یا یہ کہ دو کتے ہوں انہیں سے ایک تربیت یافتہ ہو اور دوسرے کو تعلیم نہ دی گئی ہو اور وہ دونوں جانور کو مار ڈالیں تو وہ حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ ۶: وہ شکار کہ جو غیر جاندار اشیاء کے ذریعہ کیا جائے وہ صرف اس صورت میں حلال ہوگا کہ مندرجہ ذیل وسائل کے ذریعہ کیا گیا ہو۔ شمشیر، خنجر، چاقو یا پھر وہ دھاردار اشیاء کہ جو کاٹنے کے کام میں لائی جاتی ہوں یا نیزہ و تیر یا تیر بنانے والا جس سے تیر میں سوراخ کرتا ہے۔ وہ عصا کہ جس کی مٹھ پر تیز لوہا ہو اور اس میں فرق نہیں ہے وہ پیکانی کی طرح نوک دار ہو۔ یا وہ ذاتی طور پر کاٹنے یا سوراخ کرنے کے لئے ہی بنایا گیا ہو۔ بلکہ یہ بھی بعید نہیں کہ اس کا لوہا ہونا ضروری نہ ہو۔ بس یہی کافی ہے کہ سلاح برندہ (کاٹنے والا) ہو یا سوراخ کنندہ ہو چاہے وہ کسی بھی دھات سے ہو حتیٰ پیتل و سونے چاندی کا بھی ہو تو کفایت کرے گا البتہ بر بنائے احتیاط ہتھیار لوہے کا ہونا چاہیئے۔ اور احتیاط یہ ہے کہ عموماً اس کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہو۔ بنا بر این سوئے سیخ اور کانٹے وغیرہ کو ہتھیار نہیں کہتے۔ اور ظاہراً مذکورہ وسیلے مثلاً دھاردار لوہے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ زخمی یا پارہ کردے بلکہ اگر شکار کو تیر ماریں یا نیزے کی انی سے اس پر وار کریں اور ان دونوں وسائل میں سے کسی ایک کے ذریعہ اس کو مار ڈالیں جبکہ تیر اور نیزہ کا اس میں کوئی نشان نہ ہو تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اور معراض لوہے کے ہتھیار سے ملحق ہے۔ "معراض" کے بارے میں جیسا کہ کہا جاتا ہے وہ لکڑی جس پر پیکان نہ ہو بلکہ اس کا وسطی حصہ وزنی اور دونوں سرے نکیلے ہوں۔ یا پھر اس تیر کو کہتے ہیں کہ جس کا سرا تیز ہو اور اس میں پیکان نہ ہو۔ یا وہ تیر کہ جس کی نوک تیز نہ ہو اور اس کا وسطی حصہ ضخیم ہو۔ اور شکار کو اس کی چوڑائی والا حصہ لگے نہ کہ نوک۔ بہر حال معراض کے ذریعہ مرا ہوا شکار اسی وقت حلال ہوگا جبکہ اس کے ذریعہ شکار کا بدن سا پارہ ہو جائے یا پھر سوراخ ہو جائے چاہے مختصر ہی سہی پس اگر شکار معراض کے وزنی ہونے کی بناء پر زخم کھائے بغیر مر جائے تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ اور بر بنائے احتیاط معراض کے علاوہ بغیر لوہے کی کسی اور تیز چیز کا یہ حکم نہیں۔

مسئلہ ۷: ہر وہ وسیلہ شکار جو کہ ٹھوس ہو اور اس میں دھاردار لوہا نہ ہو یا وہ وسیلہ جو تیز نہ ہو لیکن غیر آہنی ہو اور اس کے ذریعہ زخمی کر کے شکار کو مار ڈالیں۔ یا وزنی چیز جیسے پتھر یا گرز یا بندوق کے ذریعہ اس کو مار ڈالیں تو ایسے وسائل کے ذریعہ ماری ہوئی چیز حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح کہ جیسے وہ شکار کہ جو دھوکے سے رسی اور جال کے ذریعہ مارا جائے حلال نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے ذریعہ شکار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اسی طرح کتے کے علاوہ کسی دوسرے جانور مثلاً چیتا و تیندوا اور شکاری باز وغیرہ کے ذریعہ شکار کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس معنیٰ میں کہ ان کے ذریعہ بے قابو جانور بے بس ہو کر قبضہ میں آجائے۔ لیکن ان کے ذریعے سے شکار حلال نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس کے مرنے سے پہلے پہنچ جائے اور اُسے ذبح کرے تو حلال ہوگا۔

مسئلہ ۸: مشہور و معروف ہتھیار بندوق کے ذریعہ سے کئے گئے شکار کا حلال ہونا جبکہ اس میں تمام شرائط موجود ہوں بعید نہیں ہے اور احتیاطاً یہ بھی شرط ہے کہ بندوق کی گولی تیز ہو اور اپنی تیزی کی وجہ سے شکار کے

قتل بالبندق الذي ليس كذلك و إن جرح و خرق بقوته، و البندقة التي قلنا في المسألة السابقة بحرمة مقتولها غير هذه النافذة الخارقة بحدتها.

مسألة ٩ ـ لا يعتبر في حلية الصيد بالآلة الجمادية وحدة الصائد و لا وحدة الآلة، فلو رمى شخص بالسهم و طعن آخر بالرمح و سميّا معاً فقتلا صيداً حل إذا اجتمع الشرائط فيهما، بل إذا أرسل أحد كلبه إلى صيد و رماه آخر بسهم فقتل بهما حل.

مسألة ١٠ ـ يشترط في الصيد بالآلة الجمادية جميع ما اشترط في الصيد بالآلة الحيوانية، فيشترط كون الصائد مسلماً و التسمية عند استعمال الآلة و أن يكون استعمالها للاصطياد، فلو رمى إلى هدف أو إلى عدوّ أو إلى خنزير فأصاب غزالاً فقتله لم يحل و إن سمّى عند الرمي لغرض من الأغراض، و كذا لو أفلت من يده فأصابه فقتله، و أن لا يدركه حياً زماناً اتّسع للذبح، فلو أدركه كذلك لم يحل إلا بالذبح، و الكلام في وجوب المسارعة وعدمه كما مرّ، و أن يستقل الآلة المحللة في قتل الصيد، فلو شاركها فيه غيرها لم يحل ، فلو سقط بعد إصابة السهم من الجبل أو وقع في الماء و استند موته إليهما بل و إن لم يعلم استقلال السهم في إماتته لم يحل، و كذا لو رماه شخصان فقتلاه و فقدت الشرائط في أحدهما.

مسألة ١١ ـ لا يشترط في إباحة الصيد إباحة الآلة، فيحل الصيد بالكلب أو السهم المغصوبين و إن فعل حراماً، وعليه الأجرة، و يملكه الصائد دون صاحب الآلة.

مسألة ١٢ ـ الحيوان الذي يحل مقتوله بالكلب و الآلة مع اجتماع الشرائط كل حيوان ممتنع مستوحش من طير أو غيره، سواء كان كذلك بالأصل كالحمام والظبي و البقر الوحشي أو كان أنسياً فتوحش أو استعصى كالبقر المستعصي و البعير كذلك، و كذلك الصائل من البهائم كالجاموس الصائل و نحوه، و بالجملة كل ما لا يجيء تحت اليد و لا يقدر عليه غالباً إلا بالعلاج، فلا تقع التذكية

جسم میں پیوست ہو۔ پس اگر ایسی بندوق کے علاوہ کسی دوسری بندوق سے مرا ہو تو اس سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ اگر اس نے تیز جھٹکے کی بناء پر شکار کے جسم کو زخمی اور پارہ کردیا ہو۔ اور جو ہم نے گذشتہ مسئلہ میں کہا تھا کہ گولی کا ملا ہوا شکار حرام ہے۔ وہ اس گولی کے علاوہ ہے جو تیزی کی بناء پر جسم میں پیوست ہوتی ہے اور اس کو پارہ کرتی ہے۔

مسئلہ ۹: ٹھوس ہتھیار کے ذریعہ سے شکار کے حلال ہونے میں ہتھیار اور شکاری کا ایک ہی ہونا لازمی نہیں ہے۔ بنابراین اگر ایک شخص تیر مارے اور دوسرا نیزے سے وار کرے اور دونوں نے ہی ذکرِ خدا کیا ہو اور شکار کو مار ڈالیں تو یہ شکار حلال ہوگا۔ بشرطیکہ اس میں بھی تمام شرائط جمع ہوں۔ بلکہ اگر ایک شخص اپنے کتے کو شکار کے لئے بھیجے اور دوسرا تیر سے حملہ کرے اور وہ دونوں کے ذریعہ قتل ہوا ہو تو بھی حلال ہوگا۔

مسئلہ ۱۰: وہ تمام چیزیں کہ جو جاندار چیزوں کے ذریعہ شکار کرنے میں شرط ہیں۔ غیر جاندار چیزوں (تلوار و تیر و چاقو وغیرہ) میں بھی شرط ہیں۔ پس شرط ہے کہ شکاری مسلمان ہو اور ہتھیار کو استعمال کرتے وقت "بسم اللہ" پڑھے اور ہتھیار کا استعمال شکار ہی کی غرض سے ہو۔ پس اگر کسی اور ہدف یا دشمن یا سور کی طرف تیر چلائے اور وہ تیر کسی ہرن کو لگ جائے اور وہ مر جائے تو وہ حلال نہ ہوگا اگرچہ اس نے تیر چلاتے وقت کسی اور جہت سے ذکرِ خدا بھی کیا ہو۔ یا ایسے ہی اس وقت بھی حلال نہ ہوگا جب اس کے ہاتھ سے ہتھیار چھوٹ جائے اور کسی حیوان کے اوپر جا گرے۔ اس کے علاوہ شرط یہ ہے کہ شکار کو اتنی دیر زندہ نہ پائے جس میں اسے ذبح کر سکے۔ چنانچہ اگر اتنی دیر زندہ پائے تو بغیر ذبح کئے حلال نہیں ہوگا۔ شکار کی طرف جانے میں جلدی کرنے یا نہ کرنے کا حکم وہی ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

یہ بھی شرط ہے کہ شکار کو حلال کرنے والا ہتھیار ایک ہو۔ پس اگر شکار کرنے میں اس ہتھیار کے ساتھ کوئی اور چیز استعمال کی ہو تو حلال نہ ہوگا۔ بنابراین اگر شکار تیر کھانے کے بعد پہاڑ سے گر پڑے یا پانی میں گر جائے اور یہ دونوں چیزیں اس کی موت کے سبب قرار پائیں بلکہ اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ وہ صرف تیر لگنے کی وجہ سے مرا ہے تو وہ حلال نہ ہوگا۔ اور اسی طرح اگر دو شکاری ایک ہی شکار کو مار ڈالیں لیکن ان میں سے ایک جامع الشرائط نہ ہو تو شکار حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ ۱۱: شکار کے مباح ہونے کے لئے ہتھیار کا مباح ہونا شرط نہیں ہے۔ پس اگر غصبی کتے یا تیر کے شکار کیا گیا ہو تو حلال ہوگا۔ اگرچہ یہ فعل حرام ہے اور ہتھیار کی اجرت اس کے ذمہ ہے، لیکن شکار شکاری ہی ملکیت ہوگا نہ کہ اس کی جس کا ہتھیار ہے۔

مسئلہ ۱۲: وہ حیوان کہ جو کتے یا ٹھوس وسائل (جیسے شمشیر و خنجر وغیرہ) کے ذریعے تمام شرائط کے ساتھ شکار کرنے سے حلال ہوتا ہے ہر وہ حیوان ہے جو وحشی ہو، پرندہ ہو یا غیر پرندہ ہو چاہے وہ بالاصالہ وحشی ہو جیسے کبوتر، ہرن و نیل گائے یا پالتو ہو لیکن بعد میں وحشی ہو جائے یا سرکشی اختیار کرے۔ جیسے وہ بیل اور اونٹ جو وحشیوں کی طرح نافرمانی کرے اور اسی طرح ہر وہ چوپایہ کہ جو حملہ آور ہو جیسے وحشی بھینس وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ جانور کہ جو قبضہ میں نہ آئے اور غالباً بغیر کسی چارہ جوئی کے قبضے میں نہ آتا ہو۔ پس شکار کے ذریعہ پالتو اور مانوس حیوانات کا تزکیہ نہیں

الصيدية على الحيوان الأهلي المستأنس سواء كان استئناسه أصلياً كالدجاج و الشاة و البعير و البقر أو عارضياً كالظبي و الطير المستأنسين، و كذا ولد الوحش قبل أن يقدر على العدو و فرخ الطير قبل نهوضه للطيران، فلو رمى طائراً و فرخه الذي لم ينهض فقتلهما حل الطائر دون الفرخ.

مسألة ١٣ ـ الظاهر أنه كما تقع التذكية الصيدية على الحيوان المأكول اللحم فيحلّ بها أكله و يطهر جلده تقع على غير مأكول اللحم القابل للتذكية أيضاً. فيطهر بها جلده و يجوز الانتفاع به، هذا إذا كانت بالآلة الجمادية و أما الحيوانية ففيها تأمل و إشكال.

مسألة ١٤ ـ لو قطعت الآلة قطعة من الحيوان فان كانت الآلة غير محللة كالشبكة و الحبالة مثلاً يحرم الجزء الذي ليس فيه الرأس و محال التذكية، و كذلك الجزء الآخر إذا زالت عنه الحياة المستقرة على الأحوط بأن تكون حركته حركة المذبوح، و إن بقيت حياته المستقرة يحل بالتذكية و إن كانت الآلة محللة كالسيف في الصيد مع اجتماع الشرائط فان زالت الحياة المستقرة عن الجزئين بهذا القطع حلا معاً، و إن بقيت الحياة المستقرة حرم الجزء الذي ليس فيه الرأس و محال التذكية و يكون ميتة، سواء اتسع الزمان للتذكية أم لا، و أما الجزء الآخر فحلال مع عدم اتساع الزمان للتذكية ولو اتسع لها لا يحل إلا بالذبح.

مسألة ١٥ ـ يملك الحيوان الوحشي سواء كان من الطيور أو غيره بأحد أمور ثلاثة: أحدها ـ أخذه حقيقة بأن يأخذ رجله أو قرنه أو جناحه أو شده بحبل و نحوه بشرط أن يكون بقصد الاصطياد و التملك ، و أما مع عدم القصد ففيه إشكال، كما أنه مع قصد الخلاف لا يملك ، ثانيها ـ وقوعه في آلة معتادة للاصطياد بها كالحبالة و الشرك و الشبكة و نحوها إذا نصبهالذلك، ثالثها ـ أن يصيره غير ممتنع بآلة كما لو رماه فجرحه جراحة منعته عن العدو أو كسر جناحه فمنعه عن الطيران، سواء كانت الآلة من الآلات المحللة للصيد كالسهم و

ہو سکتا۔ خواہ وہ حیوان اصل میں پالتو اور مانوس ہو جیسے گائے بھیڑ اونٹ و مرغ یا عارضی ہو جیسے مانوس ہرن اور پرندے وغیرہ اور اسی طرح وحشی حیوان کا بچہ جب تک کہ دوڑنے نہ لگے یا پرندہ کا بچہ جب تک کہ وہ اڑنے پر قادر نہ ہو جائے۔ پس اگر پرندہ اور اس کا بچہ جو کہ اڑنے پر قادر نہیں ہے۔ تیر سے شکار کیا جائے اور یہ مر جائیں تو پرندہ حلال ہو گا لیکن اس کا بچہ حلال نہ ہو گا۔

مسئلہ ۱۳: ظاہر یہ ہے کہ جس طرح شکار کے ذریعہ حلال گوشت جانوروں کا تزکیہ اور ان کا کھانا حلال اور ان کی کھال پاک ہو جاتی ہے اسی طرح ان حیوانات (کہ جو قابل تزکیہ ہیں لیکن حلال گوشت نہیں ہیں) کا بھی شکار کے ذریعہ تزکیہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی کھال پاک ہو جاتی ہے اور اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا شکار ٹھوس وسائل (شمشیر و چاقو وغیرہ) کے ذریعہ کیا گیا ہو۔ اور اگر جاندار وسیلہ سے کیا گیا ہو تو اس میں تامل و اشکال ہے۔

مسئلہ ۱۴: اگر ہتھیار سے حیوان کے جسم کا ایک ٹکڑا جدا ہو جائے پس اگر وہ ہتھیار شکار کو حلال کر دینے والے ہتھیاروں میں سے نہ ہو جیسے جال یا رسی وغیرہ تو شکار کا وہ حصہ جس میں سر و گردن نہ ہو حرام ہو گا۔ اور اسی طرح اس کا دوسرا حصہ بھی بر بنائے احتیاط حرام ہو گا کہ جس سے روح نکل گئی ہو اور اس نے ایسے حرکت کی ہو جیسے ذبح کیا گیا جانور کرتا ہے۔ اور اگر اس میں جان باقی ہو تو تزکیہ (ذبح) کرنے سے حلال ہو جائے گا۔ لیکن اگر وسیلۂ شکار حلال کرنے والا ہو جیسے شکار میں شمشیر اپنے تمام شرائط کے ساتھ۔ تو اگر شکار کے بدن کے دونوں حصوں سے اس ہتھیار کے کاٹنے کی وجہ سے جان نکلے تو دونوں حصے حلال ہوں گے۔ لیکن اگر شکار میں جان باقی ہو تو جس حصے میں سر و گردن نہ ہو وہ مردار اور اس کا کھانا حرام ہو گا۔ چاہے ذبح کرنے کے لئے وقت ہو یا نہ ہو۔ لیکن دوسرا حصہ اس صورت میں حلال ہے اگر تزکیہ کیلئے اور اگر وقت نہ ہو تو صرف ذبح کرنے سے ہی حلال ہو گا۔

مسئلہ ۱۵: حیوان وحشی چاہے وہ پرندہ ہو یا اس کے علاوہ تین اسباب کی بنا پر ملکیت میں شمار ہو گا اول:۔ یہ کہ اس کو حقیقتاً پکڑ لیا جائے اس معنی میں کہ یا اس کا پیر یا سینگ یا بازو پکڑے یا اس کو رسی وغیرہ سے باندھ دے۔ بشرطیکہ اس کو شکار کرنے اور ملکیت بنانے کا قصد رکھتا ہو اور اگر قصد نہ رکھتا ہو تو اشکال ہے۔ مثلاً اگر شکار یا ملکیت کا قصد نہ رکھتا ہو تو مالک نہ ہو گا۔ دوم: یہ کہ وہ حیوان شکار کے لئے تیار کئے گئے ہتھیار جیسے رسی، پھندا یا جال وغیرہ میں پھنس جائے اس صورت میں کہ انکو شکار ہی کے لئے نصب کیا جائے۔ سوم: یہ کہ وسیلۂ شکار ہی کے ذریعہ اس کو بے بس کیا ہو۔ جیسے کہ تیر مار کر اس طرح زخمی کر دے کہ وہ فرار نہ ہو سکے یا اس کے پر توڑ ڈالے اور وہ نہ اڑ سکے۔ چاہے یہ وسائل شکار کو حلال کر دینے والے ہوں جیسے تیر و تربیت یافتہ کتا۔ یا اس کے علاوہ ہوں جیسے پتھر، لکڑی، تیندوا، باز و شاہین وغیرہ۔ لیکن اس میں بھی ہتھیار کے استعمال کے ذریعہ شکار اور اس کی ملکیت کا قصد معتبر ہے۔ بنا بر این اگر وہ کسی

الكلب المعلم أو من غيرها كالحجارة و الخشب و الفهد و الباز و الشاهين و غيرها، و يعتبر في هذا أيضاً أن يكون إعمال الآلة بقصد الاصطياد و التملك، فلو رماه عبثاً أو هدفاً أو لغرض آخر لم يملكه، فلو أخذه شخص آخر بقصد التملك ملكه.

مسألة ١٦ ـ الظاهر أنه يلحق بآلة الاصطياد كل ما جعل وسيلة لاثبات الحيوان و زوال امتناعه ولو بحفر حفيرة في طريقه ليقع فيها فوقع، أو باتخاذ أرض و إجراء الماء عليها لتصير موحلة فيتوحل فيها فتوحل، أو فتح باب شيء ضيق و إلقاء الحبوب فيه ليدخل فيه العصافير فأغلق عليها و زوال امتناعها، و أما لو فتح باب البيت لذلك فدخلت فيه مع بقائها على امتناعها في البيت فالظاهر عدم تملكه به مع إغلاق الباب، كما أنه لو عشش الطير في داره لم يملكه بمجرده، و كذا لو توحل حيوان في أرضه الموحلة ما لم يجعلها كذلك لأجل الاصطياد، فلو أخذه شخص بعد ذلك ملكه و إن عصى لو دخل داره أو أرضه بغير إذنه.

مسألة ١٧ ـ لو سعى خلف حيوان حتى أعياه و وقف عن العدو لم يملكه ما لم يأخذه، فلو أخذه غيره قبل أن يأخذه ملكه.

مسألة ١٨ ـ لو وقع حيوان في شبكة منصوبة للاصطياد و لم تمسكه الشبكة لضعفها وقوته فانفلت منها لم يملكه ناصبها، و كذا إن أخذ الشبكة و انفلت بها من دون أن يزول عنه الامتناع، فان صاده غيره ملكه ورد الشبكة إلى صاحبها، نعم لو أمسكته الشبكة و أثبتته ثم انفلت منها بسبب من الأسباب الخارجية لم يخرج بذلك عن ملكه، كما لو أمسكه بيده ثم انفلت منها، و كذا لو مشى بالشبكة على وجه لا يقدر على الامتناع فانه لناصبها، فلو أخذه غيره يجب أن يرده إليه.

مسألة ١٩ ـ لو رماه فجرحه لكن لم يخرج عن الامتناع فدخل داراً فأخذه صاحبها ملكه بأخذه لا بدخول الدار، كما أنه لو رماه و لم يثبته فرماه شخص آخر فأثبته فهو للثاني.

دوسرے ہدف یا مقصد پر یا بلاوجہ تیراندازی کرے تو اس کا شکار کا مالک نہ ہوگا۔ اگر کوئی دوسرا شخص اس کو ملکیت کی حیثیت سے لے لے تو وہ مالک ہوگا۔

مسئلہ ۱۶: ہر وہ چیز کہ جو حیوان کو موقوف کر دے اور اس کو فرار ہونے سے باز رکھے تو آلاتِ شکار سے ملحق ہوگی۔ چاہے وہ گڑھا ہو کہ جسے راستہ میں اس غرض سے کھودا گیا ہو کہ جانور اس میں گر جائے یا نرم زمین پر پانی ڈال کر کیچڑ بنا دی گئی ہو تاکہ اس میں پھنس جائے۔ یا پھر کسی تنگ چیز میں دانہ ڈال کر تھوڑا سا دروازہ کے طور پر کھول دیا گیا ہو تاکہ گوریئے دانہ کھانے کی غرض سے جائیں اور اس میں بند ہو جائیں۔ اور بھاگ نہ سکیں۔ لیکن اگر اس نے گھر یا کمرے کا دروازہ اسی غرض سے کھولا ہو اور پرندے اس میں داخل ہو جائیں جب کہ دروازہ بند ہو مگر ان کے فرار کرنے کا امکان ہو تو ظاہراً وہ ان کا مالک نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اس کے گھر میں پرندے گھونسلا بنائیں تو صرف اس وجہ سے وہ اس کا مالک نہ ہوگا۔ یا اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی زمین کو کیچڑ بنا دے مگر اس نے ایسا شکار کی غرض سے نہ کیا ہو اور اس میں جانور پھنسا ہوا دیکھے تو اس کا مالک نہ ہوگا۔ بنا بریں اگر کوئی دوسرا شخص اس جانور کو پکڑے اگرچہ اس نے بغیر اجازت کے اس کی زمین یا گھر میں داخل ہو کر معصیت کی ہے مگر جانور یا پرندہ کا وہی مالک ہوگا۔

مسئلہ ۱۷: اگر کسی حیوان کا پیچھا کیا جائے یہاں تک اسکو تھکا دے تاکہ فرار ہونے سے باز آ جائے تو جب تک اس کو اپنی گرفت میں نہ لے اس کا مالک نہ ہوگا۔ پس قبل اس کے کہ وہ اسے پکڑے کوئی دوسرا شخص اسے پکڑ لے تو وہی اس کا مالک ہوگا۔

مسئلہ ۱۸: اگر کوئی جانور اس جال میں پھنس جائے جو شکار کی غرض سے نصب کیا گیا ہو۔ لیکن جال کمزور ہو اور حیوان قوی جس کی وجہ سے حیوان اسے توڑ کر فرار ہو جائے تو جال لگانے والا اس کا مالک نہ ہوگا۔ اور اسی طرح اگر جانور جال کے ساتھ فرار ہو جائے۔ مگر اس کا بے قابو ہونا باقی ہو۔ لیکن کوئی دوسرا شخص اس کو پکڑے تو وہی شخص اس کا مالک ہوگا اور اسے چاہیئے کہ وہ جال مالک کو پلٹا دے۔ لیکن اگر وہ جال میں پھنس کر قابو میں آ جائے اور کسی دوسری علت کی بناء پر جال سے فرار ہو جائے تو وہ شکار فرار ہونے کی بناء پر اس کی ملکیت سے خارج نہ ہوگا۔ جیسے کہ شکار اس کے ہاتھ میں ہو اور بعد میں فرار ہو جائے اور اسی طرح اگر شکار جال کے ساتھ فرار ہوا مگر اس طرح کہ اس سے آزادی کی قدرت اس کے پاس نہ ہو تو اس کی ملکیت سے خارج نہ ہوگا، اور اگر اس کو کوئی دوسرا شخص پکڑے تو اُسے چاہیئے کہ شکاری کو پلٹا دے۔

مسئلہ ۱۹: اگر کوئی شخص تیر کے ذریعے کسی جانور کو زخمی کر دے مگر اس طرح کہ اس کے فرار کرنے کا امکان ہو اور وہ کسی گھر میں داخل ہو جائے اور اس گھر کا مالک اس کو پکڑ لے تو اس کے پکڑ لینے کی بناء پر (نہ کہ گھر میں داخل ہونیکی بناء پر) اسکا وہ مالک ہوگا۔ اسی طرح جیسے کوئی شخص اسے تیر مارے مگر اسے بے بس نہ کر سکے اور دوسرا شخص بھی تیر مارے اور اسے بے بس کر دے تو دوسرا شخص اس کا مالک ہوگا۔

مسألة ٢٠ ـ لو أطلق الصائد صيده فان لم يقصد الاعراض عنه لم يخرج عن ملكه و لا يملكه غيره باصطياده، و إن قصد الاعراض و زوال ملكه عنه فالظاهر أنه يصير كالمباح، جاز اصطياده لغيره و يملكه، و ليس للأول الرجوع إليه بعد تملكه على الأقوى.

مسألة ٢١ ـ انما يملك غير الطير بالاصطياد إذا لم يعلم كونه ملكاً للغير ولو من جهة آثار اليد التي هي أمارة على الملك فيه كما إذا كان طوق في عنقه أو قرط في أذنه أو شد حبل في أحد قوائمه، ولو علم ذلك لم يملكه الصائد بل يرد إلى صاحبه إن عرفه، و إن لم يعرفه يكون بحكم اللقطة، و أما الطير فان كان مقصوص الجناحين كان بحكم ما علم أن له مالكاً فيردّ إلى صاحبه إن عرف، و إن لم يعرف كان لقطة، و أما إن ملك جناحيه يتملك بالاصطياد إلا اذا كان له مالك معلوم فيجب ردّه اليه، و الأحوط فيما اذا علم أن له مالكاً ولو من جهة وجود آثار اليد فيه و لم يعرفه أن يعامل معه معاملة اللقطة كغير الطير.

مسألة ٢٢ ـ لو صنع برجاً لتعشيش الحمام فعشش فيه لم يملكه خصوصاً لو كان الغرض حيازة زرقه مثلاً، فيجوز لغيره صيده، و يملك ما صاده، بل لو أخذ حمامة من البرج ملكها و إن أثم من جهة الدخول فيه بغير إذن صاحبه، و كذلك لو عشش في بئر مملوكة و نحوها، فانه لا يملكه مالكها.

مسألة ٢٣ ـ الظاهر أنه يكفي في تملك النحل غير المملوكة أخذ أميرها، فن أخذه من الجبال مثلاً و استولى عليه يملكه و يملك كل ما تتبعه من النحل مما تسير بسيره و تقف بوقوفه و تدخل الكن و تخرج منه بدخوله و خروجه.

مسألة ٢٤ ـ ذكاة السمك إما باخراجه من الماء حياً أو بأخذه بعد خروجه منه قبل موته سواء كان ذلك باليد أو بآلة كالشبكة و نحوها، فلو وثب على الجدّ أو نبذه البحر إلى الساحل أو نضب الماء الذي كان فيه حل لو أخذه شخص قبل أن يموت، و حرم لو مات قبل أخذه و إن أدركه حياً ناظراً اليه على الأقوى.

مسألة ٢٥ ـ لا يشترط في تذكية السمك عند إخراجه من الماء أو أخذه بعد

مسئلہ ٢٠: اگر شکاری اپنے شکار کو آزاد کردے چنانچہ اگر وہ اس سے منحرف نہ ہوا ہو تو وہ اسکی ملکیت سے خارج نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی دوسرا اسکا شکار کرکے اسکا مالک ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس سے منحرف ہوگیا ہو اور اسکو اپنی ملکیت میں شمار نہ کرے تو ظاہراً وہ مثلِ مباح ہوگا اور دوسروں کے لیے اسکو شکار کرلینا جائز ہوگا اور اگر کوئی دوسرا اسکا شکار کرے تو وہ اسکا مالک ہو جائیگا اور بنا بر قولِ قوی مالکِ اوّل اس دوسرے شخص کے مالک ہونیکے بعد حقِ رجوع نہیں رکھتا۔

مسئلہ ٢١: پرندہ کے علاوہ کوئی جانور شکار کے ذریعہ اسی وقت ملکیت میں آئے گا کہ جب اسکا کسی دوسرے کی ملکیت میں ہونا معلوم نہ ہو۔ چاہے قبضے کے ان آثار کے ذریعے ہی سہی کہ جو ملکیت کی علامت ہوتے ہیں جیسے جانور کے گلے میں پٹہ ہو یا کان میں گوشوارہ ہو۔ یا کسی ایک پاؤں میں رسی بندھی ہو لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ کسی کی ملکیت ہے تو اس کا شکار کرنے والا اسکا مالک نہ ہوگا۔ بلکہ اسے چاہیے کہ اگر اسکے مالک کو پہچانتا ہو تو واپس کردے اور اگر نہ پہچانتا ہو تو یہ لقطہ کے حکم میں محسوب ہوگا۔ چنانچہ اگر وہ پرندہ ہو اور اس کے پر نوچ لئے گئے ہوں تو یہ اس چیز کے حکم میں ہے جسکا مالک معلوم ہو چنانچہ اسکے مالک کو پہچانتا ہو تو چاہیے کہ واپس کردے۔ اور اگر نہ پہچانتا ہو تو یہ بھی حکم لقطہ میں محسوب ہوگا۔ لیکن اگر اس کے دونوں پر سالم ہوں تو اس کے شکار کے بعد وہ اس کا مالک ہوگا مگر اس صورت میں کہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ یہ کسی کی ملکیت میں ہے۔ اور اگر جانتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اسکو پلٹادے۔ اور اس جگہ جہاں اسے کسی علامت کی بناء پر یہ معلوم ہو کہ یہ کسی کی ملکیت ہے مگر مالک کو نہ پہچانتا ہو تو احتیاط یہ ہے کہ دیگر حیوانات کی طرح یہاں بھی احکام لقطہ پر عمل کرے۔

مسئلہ ٢٢: اگر کسی شخص نے اس غرض سے برج (گنبد) بنایا ہو کہ اس میں کبوتر اپنے گھونسلے بنائیں۔ تو وہ اس بناء پر اسکا مالک نہ ہوگا خصوصاً اگر اس فضلہ جمع کرنے کی غرض سے یہ اقدام کیا ہو تو دوسروں کے لئے اس کا شکار جائز ہوگا اور وہ اس کا مالک ہوگا۔ بلکہ اگر اس نے کبوتر کو گنبد سے پکڑا ہو تو بھی وہ اس کا مالک قرار قرار پائیگا۔ اگرچہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر داخل ہوکر گناہ کا مرتکب ہوا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے ذاتی کنویں میں پرندے آشیانہ بنائیں تو وہ اس کنویں کے مالک کی ملکیت میں شمار نہ ہوں گے۔

مسئلہ ٢٣: شہد کی مکھیوں (جو کہ کسی کی ملکیت نہ ہوں) کا مالک ہونے کیلئے کافی ہے کہ ان کی سردار (رانی) کو گرفتار کرلے۔ پس اگر کوئی شخص ان کی رانی کو مثلاً کسی پہاڑ وغیرہ پر پائے اور اسے اپنے قبضہ میں کرلے تو ان تمام مکھیوں کا مالک ہوجائیگا۔ جو اس سردار (رانی) کی مطیع تھیں۔ یعنی اسکے اڑنے پر اڑتی تھیں اور ٹھہرنے پر ٹھہر جاتی تھیں اور جب وہ داخل ہوتی تھیں تو یہ بھی داخل ہوتی تھیں اور جب وہ خارج ہوتی تھیں تو یہ بھی خارج ہوتی تھیں۔

مسئلہ ٢٤: مچھلی کا تزکیہ اسطرح ہوگا اسکو پانی سے زندہ نکالیں یا پھر اسکو پانی سے باہر آنیکے بعد اسکے مرنے سے پہلے پکڑلیں۔ اور اسمیں کوئی فرق نہیں کہ یہ شکار ہاتھ سے کیا جائے یا وسیلہ کے ذریعہ مثلاً جال وغیرہ۔ پس اگر وہ اچھل کر لانچ پر آجائے یا دریا سے ساحل پر لا چھوڑے یا وہ پانی جسمیں وہ ہے نیچے بیٹھ جائے اور کوئی شخص اسے مرنے سے پہلے پکڑلے تو حلال ہوگی اور اگر قبل اسکے کہ وہ پکڑے مرجائے تو حرام ہوگی۔ بناء بر قولِ قوی اگرچہ وہ اسکے زندہ ہونیکی حالت میں ہی کیوں نہ پہونچ جائے اور اس کو دیکھ لے۔

مسئلہ ٢٥: مچھلی کے تزکیہ میں اسکو پانی سے باہر لاتے وقت یا اس کے باہر نکلنے کے بعد پکڑتے وقت ذکرِ خدا شرط

خروجه التسمية، كما أنه لا يعتبر في صائده الاسلام، فلو أخرجه كافر أو أخذه فمات بعد أخذه حل، سواء كان كتابياً أو غيره. نعم لو وجده في يده ميتاً لم يحل أكله ما لم يعلم أنه قد مات خارج الماء بعد إخراجه أو أخذه بعد خروجه و قبل موته، و لا يحرز ذلك بكونه في يده، و لا بقوله لو أخبر به بخلاف ما إذا كان في يد المسلم، فانه يحكم بتذكيته حتى يعلم خلافها.

مسألة ٢٦ ـ لو وثب من الماء سمكة إلى السفينة لم يحل ما لم يؤخذ باليد، و لم يملكه السفان و لا صاحب السفينة، بل كل من أخذه بقصد التملك ملكه، نعم لو قصد صاحب السفينة الصيد بها بأن يجعل فيها ضوء بالليل و دق بشيء كالجرس ليثب فيها السموك فو ثبت فيها فالوجه أنه يملكها و يكون وثوبها فيها بسبب ذلك بمنزلة إخراجها حياً، فيكون به تذكيتها.

مسألة ٢٧ ـ لو نصب شبكة أو صنع حظيرة في الماء لاصطياد السمك فكل ما وقع و احتبس فيها ملكه، فان أخرج ما فيها من الماء حياً حل بلا إشكال، و كذا لو نصب الماء و غار ولو بسبب جزره فمات فيها بعد نضوبه، و أما لو مات في الماء فهل هو حلال أم لا؟ قولان أشهرهما و أحوطهما الثاني، بل لا يخلو من قوة، ولو أخرج الشبكة من الماء فوجد بعض ما فيها أو كله ميتاً و لم يدر أنه قد مات في الماء أو بعد خروجه فالأحوط الاجتناب عنه.

مسألة ٢٨ ـ لو أخرج السمك من الماء حياً ثم أعاده إليه مربوطاً أو غير مربوط فمات فيه حرم.

مسألة ٢٩ ـ لو طفا السمك على الماء وزال امتناعه بسبب ـ مثل أن ضرب بمضراب أو بلع ما يسمى بالزهر في لسان بعض الناس أو غير ذلك فان أدركه شخص و أخذه و أخرجه من الماء قبل أن يموت حل، و إن مات على الماء حرم، و إن ألقى الزهر أحد فبلعه السمك و صار على وجه الماء وزال امتناعه فان لم يكن بقصد الاصطياد لم يملكه، فلو أخذه غيره ملكه، من غير فرق بين ما إذا قصد سمكاً معيناً أو لا، و إن كان بقصد الاصطياد و التملك فلا يبعد أن تكون إزالة

نہیں ہے اسی طرح جیسے اس کے شکاری کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ لہٰذا اگر مچھلی کو کافر پانی میں یا اس کے باہر پکڑے اور اس کے بعد مر جائے تو حلال ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہوگا کہ کافر اہل کتاب ہو یا غیر اہل کتاب۔ البتہ اگر کافر کے ہاتھ میں مچھلی مردہ حالت میں پائے تو اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ وہ پانی سے پکڑنے کے بعد مری ہے یا خود نکلنے کی صورت میں مرنے سے پہلے پکڑی گئی ہے۔ اور چونکہ مچھلی اس کے پاس ہے اس لئے اس بات کا احراز اس کے قول پر اطمینان نہیں کیا جا سکتا، اس کے برخلاف اگر مسلمان کے پاس ہو تو وہ پاک شمار کی جائے گی مگر یہ کہ اس کا حرام ہونا معلوم ہو۔

مسئلہ ۲۶: اگر مچھلی پانی سے اچھل کر کشتی پر آجائے تو جب تک اسکو ہاتھ سے پکڑا نہ جائے حلال نہ ہوگی اور کشتی نشین و صاحب کشتی اسکے مالک نہیں ہونگے۔ بلکہ ہر وہ شخص جو اس کو ملکیت کی غرض سے پکڑے وہ اسکا مالک ہوگا۔ لیکن اگر کشتی کا مالک خود شکار کا قصد رکھتا ہو اس طرح کہ شب میں کشتی کو روشن کردے یا گھنٹی کی طرح کوئی چیز لگادے تاکہ مچھلیاں کشتی پر اچھل اچھل کر آئیں اور بعد میں ایسا ہی ہو تو وہ اس کا مالک ہوگا۔ اور مذکورہ علت کہ جس کی بنا پر مچھلیاں کشتی پر اچھل کر آئیں مچھلیوں کے پانی سے زندہ پکڑنے کی منزلت رکھتا ہے لہٰذا اس کا وہی تزکیہ ہے۔

مسئلہ ۲۷: اگر کوئی شخص مچھلی کے شکار کی غرض سے پانی میں ڈالے یا کوئی حصار قائم کردے تو جو کچھ بھی اس میں پھنس جائے یا مقید ہو جائے وہ اسکی ملکیت ہوگی بنا برایں وہ مچھلیاں جو اس میں مقید ہیں اگر ان کو پانی سے زندہ باہر نکالے تو وہ بغیر کسی اشکال کے حلال ہوں گی۔ اور اسی طرح پانی اگر اتار جانے کی بنا پر گھٹ جائے اور اس جال یا حصار میں پھنسی مچھلیاں مر جائیں تو حلال ہوں گی۔ لیکن اگر پانی میں مر جائیں تو آیا وہ حلال ہوں گی یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ اشہر و احوط دوسرا قول ہے بلکہ قوت سے خالی نہیں۔ لیکن جس وقت جال کے باہر نکالے اور یہ دیکھے کہ بعض یا سب کی سب مچھلیاں مری ہوئی ہیں اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ پانی میں مری ہیں یا پانی سے نکلنے کے بعد؟ تو احتیاط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کرے۔

مسئلہ ۲۸: اگر مچھلی کو پانی سے زندہ پکڑے اور پھر اس کو باندھ کر یا ایسے ہی دوبارہ پانی میں ڈال دے اور وہ اس میں مر جائے تو حرام ہے۔

مسئلہ ۲۹: اگر کوئی شخص مچھلی کو پانی کی اوپری سطح پر تیرتا ہوا دیکھے اور اس کو کسی ہتھیار یا ریگ ماہی وغیرہ کے ذریعہ ادھ موا کردے تو اگر کوئی شخص اس کے مرنے سے پہلے پہنچکر اسے پانی سے باہر نکال لے تو حلال ہوگی۔ اور اگر پانی میں مر گئی تو حرام ہوگی اور اسی طرح اگر کوئی شخص پانی میں ریگ ماہی ڈال دے اور مچھلی اس کو کھا کر پانی کے اوپر آجائے اور ادھ موی نظر آئے تو اگر اس نے شکار کی غرض سے ریگ ماہی نہ ڈالا ہو تو وہ اس کا مالک نہ ہوگا لہٰذا اگر کوئی دوسرا شخص اس کو پکڑے تو وہ مالک ہوگا بغیر کسی فرق کے کہ وہ معین مچھلی کا قصد کرے یا نہ کرے۔ لیکن اگر اس نے شکار اور ملکیت کی غرض سے ریگ ماہی ڈالا ہو تو مچھلی کے بے بس و ادھ موی ہونے کے بعد اس کی ملکیت ہو جانا بعید نہیں ہے۔ پس اگر کوئی

امتناعه مملكاً له، فلا يملكه غيره بالأخذ، و كذا الحال إذا كان إزالة امتناعه بشيء آخر كاستعمال آلة كما إذا رماه بالرصاص فطفا على الماء، و بالجملة لا يبعد أن تكون إزالة امتناعه بقصد الاصطياد و التملك مطلقا موجبة للملكية كالحيازة.

مسألة ٣٠ ـ لا يعتبر في حلية السمك بعد ما أخرج من الماء حياً أو أخذ حياً بعد خروجه أن يموت خارج الماء بنفسه، فلو قطعه قبل أن يموت و مات بالتقطيع أو غيره حل أكله، بل لا يعتبر في حله الموت رأساً، فيحل بلعه حياً، بل لو قطع منه قطعة و أعيد الباقي إلى الماء حل ما قطعه سواء مات الباقي في الماء أم لا، نعم لو قطع منه قطعة و هو في الماء حي أو ميت لم يحل ما قطعه.

مسألة ٣١ ـ ذكاة الجراد أخذه حياً سواء كان باليد أو بالآلة، فلو مات قبل أخذه حرم، و لا يعتبر فيه التسمية و لا الاسلام كما مر في السمك، نعم لو وجده ميتاً في يد الكافر لم يحل ما لم يعلم بأخذه حياً، و لا تجدي يده و لا إخباره في إحرازه.

مسألة ٣٢ ـ لو وقعت نار في أجمة و نحوها فأحرقت ما فيها من الجراد لم يحل و ان قصده المحرق، نعم لو مات بعد أخذه بأيّ نحو كان حل، كما أنه لو فرض كون النار آلة صيد الجراد بأنه لو أججها اجتمعت من الأطراف و ألقت أنفسها فيها فأججت لذلك فاجتمعت و احترقت بها لا يبعد حليتها.

مسألة ٣٣ ـ لا يحل من الجراد ما لم يستقل بالطيران، و هو المسمى بالدبى على وزن «عصا» و هو الجراد إذا تحرك و لم تنبت بعدُ أجنحته.

القول في الذباحة

والكلام في الذابح و آلة الذبح و كيفيته و بعض الأحكام المتعلقة به في طي مسائل:

دوسرا شخص اس مچھلی کو پکڑے تو وہ مالک نہ ہوگا۔ اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جبکہ وہ دیگر وسائل مثلاً تیر اندازی کے ذریعہ اس کو بے بس کر دے اور وہ پانی کے اوپر آکٹ جائے۔ خلاصہ یہ کہ شکار و ملکیت کی غرض سے مچھلی کو بے بس وادہ موا کرنے کی بنا پر مچھلی کا شکاری کی مطلقاً ملکیت ہو جانا بعید نہیں ہے۔ جیسے حیازت وغیرہ۔

مسئلہ ۳۰: مچھلی کے حلال ہونے میں یہ لازمی نہیں ہے کہ اسکو پانی سے زندہ نکالنے یا خود اس کے باہر آنیکی صورت میں پکڑنے کے بعد خود بخود مرے لہٰذا اگر قبل اس کے کہ وہ مرے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور وہ اس وجہ سے یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے مرجائے تو بھی اسکا کھانا حلال ہوگا۔ بلکہ اصلاً اس کے حلال ہونے میں اس کا مرنا شرط نہیں ہے پس اس کا زندہ نگل لینا بھی حلال ہے۔ اور اگر اس نے اس کے ٹکڑے کر دیئے اور ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھا اور بقیہ پانی میں ڈال دے تو وہ ٹکڑا جو اس کے پاس ہے حلال ہوگا چاہے بقیہ پانی میں بے جان ہو جائے یا زندہ ہو۔ ہاں اگر وہ پانی میں ہی اس کو ٹکڑے کرے تو چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ وہ ٹکڑا حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ ۳۱: ٹڈی کا تزکیہ صرف اس کو پکڑنے کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔ چاہے اسکو ہاتھ سے پکڑا جائے یا کسی وسیلہ کے ذریعہ اسمیں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور اگر پکڑنے سے پہلے مرجائے تو حرام ہوگی اور یہاں بھی ذکر خدا و اسلام شرط نہیں ہے جیسا کہ مچھلی کے احکام میں گذر چکا ہے۔ لیکن اگر کافر کے پاس مردہ حالت میں پائے تو اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو کہ اس نے زندہ پکڑا تھا، اور اس کے پاس ہونا و اس کا خبر دینا اطمینان کے لئے کوئی فائدہ نہ پہونچائے گا۔

مسئلہ ۳۲: اگر نیزار وغیرہ میں آگ لگ جانے کی وجہ سے وہ ٹڈیاں جو اس میں تھیں جل کر مرجائیں تو اگرچہ آگ اسی مقصد کے لئے لگائی گئی ہو حلال نہ ہوں گی۔ لیکن اگر ان کو پکڑ لیا جائے تو چاہے وہ جیسے بھی مریں حلال ہوں گی جیسا کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آگ بھی ٹڈیوں کے شکار کا ایک وسیلہ ہے۔ اس طرح کہ اگر آگ روشن کی جائے تو ٹڈیاں جمع ہو جاتی ہوں اور اپنے کو آگ میں گرا دیتی ہوں اس صورت میں آگ اسی مقصد کے تحت روشن کی گئی ہو اور وہ اس میں جل جائیں تو ان کا حلال ہونا بعید نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۳: جب تک ٹڈی کے اڑنے میں استقلال نہ آ جائے حلال نہ ہوگی مثلاً وہ ٹڈی کہ جس کو ڈبی کہتے ہیں یہ "عصا" کے وزن پر ہے یعنی اسمیں حرکت تو آگئی ہو لیکن پر نہ نکلے ہوں۔

ذبح کے احکام

ذبح کرنے والے۔ وسیلۂ ذبح اور اس کی کیفیت اور اس سے متعلق بعض احکام کے سلسلہ میں چند مسائل کے ذیل میں بحث ہوگی۔

مسألة ١ ـ يشترط في الذابح أن يكون مسلماً أو بحكمه كالمتولد منه فلا تحل ذبيحة الكافر مشركاً كان أم غيره حتى الكتابي على الأقوى، و لا يشترط فيه الايمان، فتحل ذبيحة جميع فرق الاسلام عدا الناصب و إن أظهر الاسلام.

مسألة ٢ ـ لا يشترط فيه الذكورة و لا البلوغ و لا غير ذلك، فتحل ذبيحة المرأة فضلاً عن الخنثى، و كذا الحائض و الجنب و النفساء و الطفل إذا كان مميزاً و الأعمى و الأغلف و ولدالزنا.

مسألة ٣ ـ لا يجوز الذبح بغير الحديد مع الاختيار، فان ذبح بغيره مع التمكن منه لم يحل و إن كان من المعادن المنطبعة كالصفر و النحاس و الذهب و الفضة و غيرها، نعم لو لم يوجد الحديد وخيف فوت الذبيحة بتأخير ذبحها أو اضطر إليه جاز بكل ما يفري أعضاء الذبح، ولو كان قصباً أو ليطة أو حجارة حادة أو زجاجة أو غيرها، نعم في وقوع الذكاة بالسن و الظفر مع الضرورة إشكال و إن كان عدم الوقوع بهما في حال اتصالها بالمحل لا يخلو من رجحان، و الأحوط الاجتناب مع الانفصال أيضاً و إن كان الوقوع لا يخلو من قرب.

مسألة ٤ ـ الواجب في الذبح قطع تمام الأعضاء الأربعة: الحلقوم، و هو مجرى النفس دخولاً و خروجاً، و المريء، و هو مجرى الطعام و الشراب و محله تحت الحلقوم، و الودجان، و هما العرقان الغليظان المحيطان بالحلقوم أو المريء، و ربما يطلق على هـذه الأربعة الأوداج الأربعة، و اللازم قطعها و فصلها، فلا يكفي شقها من دون القطع والفصل.

مسألة ٥ ـ محل الذبح في الحلق تحت اللحيين على نحو يقطع به الأوداج الأربعة، و اللازم وقوعه تحت العقدة المسماة في لسان أهل هذا الزمان بالجوزة، و جعلها في الرأس دون الجثة و البدن بناءً على ما يدعى من تعلق الحلقوم أو الأعضاء الأربعة بتلك العقدة على وجه لو لم تبق في الرأس بتمامها ولم يقع الذبح من تحتها لم تقطع الأوداج بتمامها، و هذا أمر يعرفه أهل الخبرة، فان كان الأمر كذلك أو لم يحصل العلم بقطعها بتمامها بدون ذلك فاللازم مراعاته، كما أنه

مسئلہ ۱: ذبح کرنے والے کا مسلمان یا مسلمانوں کے حکم میں ہونا شرط ہے۔ جیسے وہ شخص کہ جو مسلمان سے پیدا ہوا ہے۔ پس کافر کا ذبیحہ چاہے مشرک ہو یا غیر مشرک حتیٰ اہل کتاب کا بھی ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ لیکن ذبح کرنے والے کے لئے ایمان شرط نہیں ہے پس اسلام کے ہر فرقہ کا ذبیحہ پاک ہے۔ سوائے ناصبی کے اگرچہ وہ اظہار اسلام کیوں نہ کرے۔

مسئلہ ۲: ذبح میں مرد ہونا اور بالغ ہونا وغیرہ شرط نہیں۔ لہٰذا خنثیٰ ہی کیا! عورت کا بھی ذبیحہ حلال ہے۔ اسی طرح مجنب، حائض، نفسا (وہ عورت کہ جن کو نفاس آرہا ہو) ممیز بچہ، اندھا، نامختون، ولدالزنا (حرامی) کا بھی ذبیحہ حلال ہے۔

مسئلہ ۳: لوہے کے علاوہ کسی اور چیز سے اختیاری صورت میں ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اگر لوہے کے ہتھیار تک دسترسی ہو لیکن اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے ذبح کیا جائے تو حلال نہ ہوگا اگرچہ وہ ان سے ہی کیوں نہ ہو جیسے پیتل، تانبا، سونا، چاندی وغیرہ۔ لیکن اگر لوہے کے ہتھیار نہ ہوں اور تاخیر کی وجہ سے اس کے مرنے کا خوف ہو یا لوہے کے علاوہ کسی چیز سے ذبح کرنے پر مجبور ہو۔ تو اس چیز سے کہ جو اعضائے ذبح کو کاٹ سکے ذبح کرنا جائز ہے۔ ولو یہ کہ وہ زکٹ یا چونے کا ٹکڑا یا تیز پتھر، شیشہ وغیرہ کیوں نہ ہو۔ البتہ دانت و ناخن کے ذریعہ ضرورت کی صورت میں بھی تزکیہ کرنے میں اشکال ہے۔ اگرچہ دانت و ناخن کے ذریعہ جبکہ وہ اپنے مورد سے متصل ہوں تزکیہ کا نہ ہونا رجحان سے خالی نہیں ہے اور احتیاط تو یہ ہے کہ جب یہ اپنے مورد سے منفصل بھی ہوں تو اجتناب کی جائے۔ اگرچہ تزکیہ کا واقع ہونا قرب سے خالی نہیں ہے۔

مسئلہ ۴: ذبح کرنے میں چار رگوں کا کاٹنا واجب ہے۔ حلقوم کہ جو سانس لینے والی نلی ہے اور "مری" کہ جو کھانے پینے والی نلی ہے۔ جو حلقوم کے نیچے ہوتی ہے۔ اور وہ دو موٹی رگیں کہ جو گلے کے نیچے ابھری ہوئی مجرائے طعام کا احاطہ کئے رہتی ہیں۔ اور ان کو اوداج اربعہ (رگہائے چہارگانہ) بھی کہتے ہیں تو ان چاروں کا کٹنا اور جدا ہونا لازم ہے۔ لہٰذا ان کا پارہ ہونا بغیر اس کے کہ قطع و جدا ہوں کافی نہ ہوگا۔

مسئلہ ۵: ذبح کرنے کی جگہ حلق نیچے کے جبڑے کے دونوں طرف ہوتی ہے اور اسطرح کاٹنا لازم ہے کہ رگہائے چہارگانہ (اوداج اربعہ کٹ جائیں اور لازمی ہے کہ ذبح کا عمل اس گانٹھ کے نیچے واقع ہو جسکو اس زمانے والوں کی زبان میں "جوزہ" کہتے ہیں اور خود ٹینٹوا ذبح کرتے وقت سر کی طرف ہونا چاہیئے نہ کہ دھڑ کی طرف ہو۔ اور یہ اس لئے ہے کہ جیسا کہ کہا جاتا ہے حلقوم یا اعضائے چہارگانہ ٹینٹوے سے متصل ہوتے ہیں اس طرح کہ اگر ٹینٹوا سر کی طرف نہ ہو اور ذبح اس کے نیچے سے نہ کیا جائے تو تمام رگیں قطع نہ ہوں گی اور یہ وہ مسئلہ ہے کہ جسے صاحب فن جانتے ہیں۔ لہٰذا اگر ایسا ہو یا ذبح کے وقت جدا ہونے والے تمام حصوں کے قطع ہونے کا علم نہ ہو تو لازم ہے کہ اس کی مراعات کی جائے۔ جس طرح کہ لازم ہے۔ رگہائے چہارگانہ سے کچھ سر کی طرف ہو۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ رگوں کا وہ حصہ جو سر کے بعد واقع ہے کٹنے

يلزم أن يكون شيء من كل من الأوداج الأربعة على الرأس حتى يعلم أنها انقطعت و انفصلت عما يلي الرأس.

مسألة ٦ ـ يشترط ان يكون الذبح من القدام، فلو ذبح من القفا و أسرع إلى أن قطع ما يعتبر قطعه من الأوداج قبل خروج الروح حرمت، نعم لو قطعها من القدام لكن لا من الفوق بأن أدخل السكين تحت الأعضاء و قطعها إلى الفوق لم تحرم الذبيحة و إن فعل مكروها على الأوجه، و الأحوط ترك هذا النحو.

مسألة ٧ ـ يجب التتابع في الذبح بأن يستوفي قطع الأعضاء قبل زهوق الروح، فلو قطع بعضها و أرسل الذبيحة حتى انتهت إلى الموت ثم قطع الباقي حرمت، بل لا يترك الاحتياط بأن لا يفصل بينها بما يخرج عن المتعارف المعتاد ولا يعد معه عملاً واحداً عرفاً بل يعد عملين و إن استوفى التمام قبل خروج الروح منها.

مسألة ٨ ـ لو قطع رقبة الذبيحة من القفا و بقيت أعضاء الذباحة فان بقيت لها الحياة المستكشفة بالحركة ولو يسيرة بعد الذبح و قطع الأوداج حلت، و إن كان لها حركة ولو يسيرة قبل الذبح ذبحت، فان خرج مع ذلك الدم المعتدل حلت، و إلا فان لم تتحرك حتى يسيراً قبل الذبح حرمت و إن تحركت قبله و لم يخرج الدم المعتدل فحل إشكال.

مسألة ٩ ـ لو أخطأ الذابح و ذبح من فوق العقدة و لم يقطع الأعضاء الأربعة فان لم تبق لها الحياة حرمت، وإن بقيت يمكن أن يتدارك بأن يتسارع إلى إيقاع الذبح من تحت و قطع الأعضاء و حلّت، واستكشاف الحياة كما مر.

مسألة ١٠ ـ لو أكل الذئب مثلاً مذبح الحيوان و أدركه حياً فان أكل تمام الأوداج الأربعة بتمامها بحيث لم يبق شيء منها و لا منها شيء فهو غير قابل للتذكية و حرمت، و كذا إن أكلها من فوق أو من تحت و بقي مقدار من الجميع معلقة بالرأس أو متصلة بالبدن على الأحوط، فلا يحل بقطع ما بقي منها، و كذلك لو أكل بعضها تماماً و أبقى بعضها كذلك كما إذا أكل الحلقوم بالتمام وأبقى الباقي

کے ذریعہ جدا ہوگیا۔

مسئلہ ۶: ذبح کرنے میں شرط ہے کہ ذبح گردن کی اگلی طرف سے ہو۔ پس اگر پشتِ گردن سے ذبح کیا جائے تو حرام ہوگا۔ اگرچہ کہ اس کی روح نکلنے سے پہلے اس کی چاروں رگیں جن کا وقتِ ذبح جُدا ہونا شرط ہے تیزی سے کاٹ دے۔ البتہ اگر وہ اگلی طرف سے ہی کاٹے مگر اس طرح کہ چاقو کو رگوں کے نیچے داخل کردے اور اوپر کی جانب کاٹے تو ذبیحہ حرام نہ ہوگا۔ اگرچہ بربنائے قول اوجہ اس نے فعلِ مکروہ انجام دیا۔ اور احتیاط یہ ہے کہ اس طرزِ طریقہ کو ترک کردیا جائے۔

مسئلہ ۷: ذبح کرنے میں استمرار واجب ہے اس معنیٰ میں کہ اس کی روح نکلنے سے پہلے چاروں رگیں کٹ چکی ہوں۔ پس اگر وہ بعض رگوں کو قطع کرنے کے بعد ذبیحہ کو چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ مرجائے اور اس کے بعد بقیہ رگیں قطع کرے تو ذبیحہ حرام ہوگا۔ بلکہ یہ احتیاط ترک نہ ہونی چاہیئے کہ رگوں کو قطع کرنے کے درمیان اتنا فاصلہ نہ رکھے جو عموماً نہ رکھا جاتا ہو اور اسکے عمل ذبح کو فاصلہ کی بناء پر ایک عمل کے بجائے دو عمل شمار کیے جائیں۔ اگرچہ روح کے نکلنے سے پہلے اس کی تمام رگیں کٹ جائیں۔

مسئلہ ۸: اگر ذبیحہ کو پشتِ گردن سے ذبح کرے اس طرح کہ اعضائے ذبح باقی ہوں تو اگر ذبیحہ زندہ ہو اور اس کو پھر شرعی طریقے سے ذبح کردیا جائے یا اس کی چاروں رگیں کاٹ دی جائیں تو وہ حلال ہوگا۔ اور اس کے انکشاف کے لئے کہ آیا اس میں روح باقی تھی یا نہیں ذبح ہونے اور رگوں کے قطع ہونے کے بعد اگر تھوڑی سی بھی حرکت کرے تو کافی ہے۔ اگر ذبیحہ مذکور میں ذبح شرعی سے قبل مختصر سی بھی جنبش ہو تو وہ ذبح کیا جاسکتا ہے۔ پس اگر اس ذبح شرعی کے بعد (بحد متوسط) عموماً جو خون نکلتا ہے، نکلے تو حلال ہوگا۔ اور اگر ذبح سے پہلے اس میں ذراسی بھی جنبش نہ ہو تو حرام ہوگا۔ اور اگر اس میں ذبح سے پہلے جنبش ہو لیکن ذبح کرنے کے بعد بحد متوسط خون نہ نکلے تو موردِ اشکال ہے۔

مسئلہ ۹: اگر ذبح کرنے والا اشتباہاً گرہ کے اوپر سے ذبح کرے اور چاروں رگوں کو جُدا نہ کرے اور اس کی روح نکل چکی ہو تو حرام ہے لیکن اگر اس میں روح باقی ہو اور ذبح شرعی کا امکان ہو کہ جس سے تدارک ہوسکے۔ اس معنیٰ میں کہ گرہ کے نیچے سے اس کو ذبح کیا جاسکے اور ان چاروں رگوں کو قطع کیا جاسکے تو حلال ہوگا۔ اور اس انکشاف کے لئے کہ آیا اس میں روح باقی تھی یا نہیں، طریقہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔

مسئلہ ۱۰: اگر بالفرض بھیڑیا ذبح کرنے کے مقام کو کھاجائے اور کوئی شخص اس جانور کے زندہ رہنے تک پہنچ جائے تو دو صورت ہے ا: اگر بھیڑیے نے مکمل طور پر چاروں رگوں کو کھا ڈالا ہو اور کچھ نہ بچا ہو تو وہ قابلِ تزکیہ نہیں ہے اور حرام ہے۔ ایسے ہی اگر وہ گردن کی اگلی جانب یا پشتِ گردن سے جانور کھاجاتا اور ان رگوں کا کچھ حصہ سر کے ساتھ آویزاں یا احتیاطاً بدن کے ساتھ ملا رہے تو بعید ہیں اگر بچے ہوئے حصہ کو قطع کیا جائے تو حلال نہ ہوگا۔ یا پھر اس نے بعض رگوں کو مکمل طور پر کھا ڈالا ہو اور بعض سالم ہوں جیسے اس نے حلقوم مکمل طور پر کھا ڈالا ہو اور بقیہ تمام رگیں سالم ہوں۔ بناء برایں اگر وہ اُن بقیہ رگوں کو شرائط

كذلك ، فلو قطع الباقي مع الشرائط يشكل وقوع التذكية عليه، فلا يترك الاحتياط.

مسألة ١١ ـ يشترط في التذكية الذبحية مضافاً إلى ما مر أمور:

أحدها ـ الاستقبال بالذبيحة حال الذبح بأن يوجّه مذبحها و مقاديم بدنها إلى القبلة، فان أخل به فان كان عامداً عالماً حرمت، و إن كان ناسياً أو جاهلاً أو مخطئاً في القبلة أو في العمل لم تحرم، ولو لم يعلم جهة القبلة أو لم يتمكن من توجيهها إليها سقط هذا الشرط، و لا يشترط استقبال الذابح على الأقوى و إن كان أحوط و أولى.

ثانيها ـ التسمية من الذابح بأن يذكر اسم الله عليها حينما يتشاغل بالذبح أو متصلاً به عرفاً أو قبيله المتصل به، فلو أخل بها فان كان عمداً حرمت، و إن كان نسياناً لم تحرم، و في إلحاق الجهل بالحكم بالنسيان أو العمد قولان، أظهرهما الثاني، و المعتبر في التسمية وقوعها بهذا القصد أعني بعنوان كونها على الذبيحة، و لا تجزي التسمية الاتفاقية الصادرة لغرض آخر.

ثالثها ـ صدور حركة منها بعد تمامية الذبح كي تدل على وقوعه على الحي ولو كانت يسيرة مثل أن تطرف عينها أو تحرك أذنها أو ذنبها أو تركض برجلها و نحوها، و لا يحتاج مع ذلك إلى خروج الدم المعتدل، فلو تحرك و لم يخرج الدم أو خرج متثاقلاً و متقاطراً لا سائلاً معتدلاً كفى في التذكية، و في الاكتفاء به أيضاً حتى يكون المعتبر أحد الأمرين من الحركة أو خروج الدم المعتدل قول مشهور بين المتأخرين، ولا يخلو من وجه، لكن لا ينبغي ترك الاحتياط، هذا إذا لم يعلم حياته، وأما إذا علم حياته بخروج هذا الدم فيكتفى به بلا اشكال.

مسألة ١٢ ـ لا يعتبر كيفية خاصة في وضع الذبيحة على الأرض حال الذبح، فلا فرق بين أن يضعها على الجانب الأيمن كهيئة الميت حال الدفن و أن يضعها على الأيسر.

مسألة ١٣ ـ لا يعتبر في التسمية كيفية خاصة و أن تكون في ضمن البسملة،

کے ساتھ قطع کرے تو بھی اس جانور کا تزکیہ مشکل ہے لہٰذا احتیاط ترک نہیں ہونی چاہیے۔

مسئلہ ۱۱: ذبح کے ذریعہ جانور کے تزکیہ میں مذکورہ امور کے علاوہ بھی چند چیزیں شرط ہیں:

اوّل: ذبیحہ وقتِ ذبح روبہ قبلہ ہو اس معنیٰ میں کہ جانور کے بدن کا سامنے والا حصہ (چاروں پیر، پیٹ وغیرہ) قبلہ کی طرف ہو۔ لہٰذا اگر ذبح کرنے والے نے اس شرط کو عمداً ترک کیا ہو تو وہ حرام ہوگا۔ لیکن اگر لاعلمی یا بھول جانے کی بناء پر ایسا ہوا ہو۔ یا قبلہ و عمل میں اشتباہ کرے تو حرام نہ ہوگا۔ اور اگر اسے سمتِ قبلہ معلوم ہی نہ ہو۔ یا اسکو قبلہ رو کر ہی نہ سکتا ہو تو یہ شرط ساقط ہے۔ بناء بر قول قوی ذبح کرنے والے کا روبہ قبلہ ہونا شرط نہیں ہے اگرچہ احوط اور اولیٰ ہے۔

دوم: دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والے کو چاہیے اس وقت جب کہ ذبح کرنے میں مشغول ہو۔ یا اس طرح ہو کہ عرف میں اسے متصل بہ ذبح کہا جائے یا پھر تھوڑا سا اس سے قبل اس پر خدا کا نام لے۔ بناء برایں اگر وہ عمداً ذکرِ خدا ترک کر دے تو ذبیحہ حرام ہوگا لیکن فراموشی کی بناء پر ترک ہوا ہو تو حرام نہ ہوگا۔ لیکن آیا لاعلمی، فراموشی کے حکم سے ملحق ہے یا فعل عمدی ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ اور ان میں روشن ترین دوسرا ہے۔ اور ذبح کے وقت ذبیحہ کے ہی عنوان سے خدا کا نام لینا چاہیے۔ لہٰذا خدا کا نام اتفاق سے اس کی زبان پر آجائے یا پھر کسی اور جہت سے لیا ہو تو یہ کفایت نہ کرے گا۔

سوم: تیسری شرط یہ ہے کہ ذبیحہ کے ذبح ہونے کے بعد اس میں حرکت پیدا ہو تاکہ یہ دلالت کرے کہ عمل ذبح زندہ ہونے کی صورت میں واقع ہوا ہے۔ اور یہ جنبش ولو مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ اس معنیٰ میں کہ آنکھوں کو کھول دے یا کان اور دُم کو حرکت دے یا زمین پر پیر مارنے لگے یا اسی طرح کی کوئی حرکت کرے اگر یہ علامتیں ہوں تو معمول کے مطابق خون نکلنے کی شرط کی ضرورت نہیں ہے۔ پس اگر اس میں جنبش و حرکت ہو لیکن خون نہ نکلے یا نکلے مگر قطرہ قطرہ نہ کہ تیزی کے ساتھ۔ و مطابق معمول۔ تو اس کے تزکیہ کے لئے کافی ہے۔ اور معتدل خون کے نکلنے پر اکتفاء کرنے میں بھی دو میں سے ایک چیز جانور کا حرکت کرنا یا خون کا متوسط مقدار میں خارج ہونا لازم ہے اور فقہاء متاخرین کے درمیان یہ قول مشہور ہے۔ اور بہتر ہے لیکن احتیاط کا ترک کرنا بھی سزاوار نہیں ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب جانور کا زندہ ہونا معلوم نہ ہو۔ لیکن اگر بحد متوسط خون کے خارج ہونے کی بناء پر اس کا زندہ ہونا معلوم ہو۔ تو بدون اشکال اس پر اکتفا کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ ۱۲: ذبیحہ کو وقتِ ذبح زمین پر کسی مخصوص انداز میں لٹانا لازم نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس کو زمین پر داہنے پہلو لٹائے جس طرح کہ میّت کو دفن کے وقت قبر میں لٹاتے ہیں یا بائیں پہلو لٹائے۔

مسئلہ ۱۳: خدا کا نام لینے میں کوئی مخصوص کیفیت لازم نہیں ہے اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ضمن میں ہو۔ بلکہ اس میں معیار ذبیحہ پر خدا کا نام صحیح طور پر لیا جانا ہے۔ پس اگر ذبیحہ پر "بسم اللہ" یا "اللہ اکبر" یا "الحمد للہ" یا "لاالٰہ الا اللہ" یا اسی طرح کا ذکر کرے تو یہ کفایت کریگا۔ لیکن صرف لفظ "اللہ" پر اکتفا کرنے میں بغیر اس کے کہ وہ کسی اور لفظ سے مقرون (ملا) ہو کہ جو اسے

بل المدار صدق ذكر اسم الله عليها، فيكفي أن يقول: «بسم الله» أو «الله أكبر» أو «الحمدلله» أو «لا إله إلا الله» و نحوها، وفي الاكتفاء بلفظ «الله» من دون أن يقرن بما يصير به كلاماً تاماً دالاً على صفة كمال أو ثناء أو تمجيد إشكال، نعم التعدي من لفظ «الله» إلى سائر أسمائه الحسنى كالرحمان و الباريء و الخالق وغيرها من أسمائه الخاصة غير بعيد، لكن لا يترك الاحتياط فيه، كما أن التعدي إلى ما يرادف لفظ الجلالة في لغة أخرى كلفظة «يزدان» في الفارسية و غيرها في غيرها لا يخلو من وجه وقوة، لكن لا ينبغي ترك الاحتياط بمراعاة العربية.

مسألة ١٤ ـ الأقوى عدم اعتبار استقرار الحياة في حلية الذبيحة بالمعنى الذي فسروه، و هو أن لا تكون مشرفة على الموت بحيث لا يمكن أن يعيش مثلها اليوم أو نصف اليوم، كالمشقوق بطنه والمخرج حشوته و المذبوح من قفاه الباقية أوداجه و الساقط من شاهق و نحو ها، بل المعتبر أصل الحياة ولو كانت عند إشراف الخروج، فان علم ذلك فهو، و إلا يكون الكاشف عنها الحركة بعد الذبح ولو كانت يسيرة كما تقدم.

مسألة ١٥ ـ لا يشترط في حلية الذبيحة بعد وقوع الذبح عليها حياً أن يكون خروج روحها بذلك الذبح، فلو وقع عليها الذبح الشرعي ثم وقعت في نار أو ماء أو سقطت من جبل و نحو ذلك فماتت بذلك حلت على الأقوى.

مسألة ١٦ ـ يختص الابل من بين البهائم بكون تذكيتها بالنحر، كما أن غيرها يختص بالذبح، فلو ذبحت الابل أو نحر غيرها كان ميتة، نعم لو بقيت له الحياة بعد ذلك أمكن التدارك بأن يذبح ما يجب ذبحه بعد ما نحر أو ينحر ما يجب نحره بعد ما ذبح و وقعت عليه التذكية.

مسألة ١٧ ـ كيفية النحر و محله أن يدخل سكيناً أو رمحاً و نحوهما من الآلات الحادة الحديدية في لبته، و هي المحل المنخفض الواقع بين أصل العنق و الصدر، و يشترط فيه كل ما اشترط في التذكية الذبحية، فيشترط في الناحر ما اشترط في

ایک مکمل کلام بنا دے اور کسی صفتِ کمال یا مدح یا اظہار بزرگی پر دلالت کرے اشکال ہے۔

البتہ لفظ اللہ کے علاوہ اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی نام لینا۔ مثل رحمٰن و باری و خالق وغیرہ یا دیگر مخصوص اسما کا لینا بعید نہیں ہے۔ لیکن اس میں احتیاط ترک نہیں ہونی چاہیئے۔ جس طرح کسی دوسری زبان میں ان اسماء کا لینا جو کہ لفظ جلالہ کی ردیف میں آتے ہیں جیسے فارسی زبان میں لفظ (یزدان) یا اسی طرح دوسری زبانوں میں لینا بھی خالی از کفایت نہیں ہے۔ لیکن احتیاط یہ ہے کہ عربی ہونی چاہیئے۔ اور اس کا ترک کرنا مناسب نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۴: بنا بر قول قوی۔ ذبیحہ میں حیات کے باقی رہنے کی تفسیر جس معنی میں ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے کی گئی ہے درست نہیں ہے اور وہ تفسیر یہ ہے کہ وہ آستانہ مرگ پر نہ ہو یعنی اس کی طرح کا کوئی دوسرا جانور ایک آدھ روز زندہ نہ رہ سکے مثلاً اس کا شکم چاک ہو اور آنتیں باہر نکل آئیں۔ یا اس کو پشتِ گردن سے ذبح کیا گیا ہو اور اس کی رگیں ابھی باقی ہوں۔ یا بلندی سے گر گیا ہو وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ اس میں رمقِ حیات پایا جانا کافی ہے۔

ولو وہ قریب المرگ ہو۔ اگر ایسا ہو تو بھی کفایت کرے گا۔ وگرنہ ذبح ہونے کے بعد کی حرکت اگرچہ مختصر ہی کیوں نہ ہو اس کے زندہ ہونے کی علامت ہوگی جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

مسئلہ ۱۵: ذبیحہ کے زندہ ذبح کرنے کے بعد اس کے حلال ہونے میں یہ شرط نہیں ہے کہ اس کی روح اسی ذبح کی وجہ سے خارج ہوئی ہو۔ پس اگر جانور کو شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے اس کے بعد وہ آگ یا پانی میں یا بلندی سے گر جائے اور یہ اس کی موت کا سبب بنیں، تو بنا بر قول قوی حلال ہوگا۔

مسئلہ ۱۶: چوپایوں کے درمیان نحر کے ذریعہ تزکیہ اونٹ سے مخصوص ہے۔ جس طرح اونٹ کے علاوہ دیگر حیوانوں کا تزکیہ بذریعہ ذبح مخصوص ہے۔ پس اگر اونٹ کو ذبح کر دیا جائے اور اونٹ کے علاوہ کسی حیوان کو نحر کر دیا جائے تو وہ مردار شمار ہوں گے۔ لیکن اگر اس میں روح ہو اور جبران ممکن ہو۔ اس معنیٰ میں کہ جس کو ذبح کرنا چاہیئے تھا نحر کر دیا گیا ہو اور اس کو پھر ذبح کیا جائے یا جس کو نحر کرنا چاہیئے تھا ذبح کر دیا گیا ہو اور پھر نحر و ذبح کر دیا جائے تو ان کا تزکیہ ہو جائے گا۔

مسئلہ ۱۷: نحر کرنے کی کیفیت اور اس کا محل یہ ہے کہ چاقو یا نیزہ یا انہیں کے جیسا لوہے کا کوئی تیز ہتھیار اونٹ کے سینے اور گردن کے درمیان نشیبی حصے میں گھونپ دیا جائے اور وہ تمام چیزیں جو ذبح کے ذریعہ تزکیہ کرنے میں شرط ہیں نحر کے ذریعہ تزکیہ کرنے میں بھی شرط ہیں۔ بنا برایں وہ چیزیں کہ جو وسیلۂ ذبح اور ذبح کرنے والے کے لئے شرط ہیں وسیلہ نحر اور نحر کرنے والے کے لئے بھی شرط ہیں۔ اور جس طرح ذکر نام خدا ذبح کے

الذابح، و في آلة النحر ما اشترط في آلة الذبح، و تجب التسمية عنده كما تجب عند الذبح، و يجب الاستقبال بالمنحور، و في اعتبار الحياة و استقرارها هنا ما مر في الذبيحة.

مسألة ١٨ ـ يجوز نحر الابل قائمة و باركة مقبلة إلى القبلة، بل يجوز نحرها ساقطة على جنبها مع توجيه منحرها و مقاديم بدنها إلى القبلة و إن كان الأفضل كونها قائمة.

مسألة ١٩ ـ كل ما يتعذر ذبحه و نحره إما لاستعصائه أو لوقوعه في موضع لا يتمكن الانسان من الوصول إلى موضع ذكاته ليذبحه أو ينحره كما لو تردى في البئر أو وقع في مكان ضيق و خيف موته جاز أن يعقره بسيف أو سكين أو رمح أو غيرها مما يجرحه و يقتله، و يحل أكله و إن لم يصادف العقر موضع التذكية، و سقطت شرطية الذبح و النحر، و كذلك الاستقبال، نعم سائر الشرائط من التسمية و شرائط الذابح و الناحر تجب مراعاتها، و أما الآلة فيعتبر فيها ما مر في آلة الصيد الجمادية، و في الاجتزاء هنا بعقر الكلب وجهان، أقواهما ذلك في المستعصي، و منه الصائل المستعصي دون غيره كالمتردي.

مسألة ٢٠ ـ للذباحة و النحر آداب و وظائف مستحبة و مكروهة: فمنها ـ على ما حكي الفتوى به عن جماعة أن يربط يدي الغنم مع إحدى رجليه و يطلق الأخرى، و يمسك صوفه و شعره بيده حتى تبرد، و في البقر أن يعقل قوائمه الأربع، و يطلق ذنبه، و في الابل أن تكون قائمة و يربط يديها ما بين الخفين إلى الركبتين أو الابطين و يطلق رجليها، و في الطير أن يرسله بعد الذبح حتى يرفرف، و منها ـ أن يكون الذابح و الناحر مستقبل القبلة، ومنها ـ أن يعرض عليه الماء قبل الذبح و النحر، ومنها ـ أن يعامل مع الحيوان في الذبح و النحر و مقدماتهما ما هو الأسهل و الأروح و أبعد من التعذيب والايذاء له بان يساق إلى الذبح و النحر برفق و يضجعه برفق، و أن يحدد الشفرة، و توارى و تستر عنه حتى لا يراها، و أن يسرع في العمل و يمر السكين في المذبح بقوة.

وقت واجب ہے اسی طرح نحر کے وقت بھی واجب ہے اور یہ بھی واجب ہے کہ اونٹ کو وقتِ ذبح رو بہ قبلہ کر دے۔ جس طرح ذبیحہ میں ذبح سے پہلے حیات کا ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح اونٹ کے ساتھ بھی لازمی ہے۔

مسئلہ ۱۸: اونٹ کو جبکہ وہ کھڑا ہو یا بیٹھا مگر رو بہ قبلہ ہو یا پھر کسی ایک پہلو لیٹا ہو لیکن اس طرح کہ محلِ نحر و بدن کا اگلا حصہ رو بہ قبلہ ہو۔ نحر کرنا جائز ہے۔ اگرچہ افضل یہ ہے کہ اسے قیام کی حالت میں نحر کیا جائے۔

مسئلہ ۱۹: ہر وہ جانور کہ جس کے سرکش ہو جانے کی بناء پر اس کے ذبح یا نحر کرنے سے معذور ہو، یا ایسی جگہ واقع ہو کہ اس تک تزکیہ کے لئے رسائی ممکن نہ ہو۔ جیسے کنویں میں گر جائے یا کسی تنگ جگہ میں پھنس جائے اور اس کے مر جانے کا خوف ہو۔ تو اس کے لئے جائز ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ جو اس کو زخمی و قتل کر سکیں (جیسے تلوار و نیزہ وغیرہ) زخمی کر دے اور اس کا کھانا حلال ہو گا اگرچہ زخم محلِ تزکیہ پر واقع نہ ہوا ہو۔ اور ذبح و نحر و رو بہ قبلہ ہونے کی شرط ساقط ہو جائے گی۔

لیکن بقیہ شرائط مثلاً خدا کے نام لینا یا ذبح کرنے والے و نحر کرنے والے کے لئے مذکورہ شرائط کا لحاظ واجب ہے۔ لیکن وہ چیزیں جو غیر جاندار وسائل کے ذریعہ شکار میں ضروری ہیں اس میں بھی ضروری ہے اور اس مورد پر کتے کے شکار کو زخمی کرنے پر اکتفا کرنے میں دو قول ہیں۔ اور ان میں بہتر یہ ہے کہ جب حیوان حملہ آور و سرکش ہو تو یہ کفایت کریگا لیکن اس کے علاوہ مثلاً وہ کنویں میں گر گیا ہو تو کفایت نہ کرے گا۔

مسئلہ ۲۰: ذبح اور نحر کرنے کے لئے بعض مستحب و مکروہ وظائف ہیں۔ من جملہ ان میں جس کی حکایت فقہا کی ایک جماعت کے فتاوے بھی کرتے ہیں یہ ہے کہ بھیڑ کو ذبح کرتے وقت اس کے دونوں اگلے پیر اور ایک پچھلا پیر باندھ دیا جائے اور ایک پیر آزاد رہے اور اس کے بالوں کو اس کے بے دم (سرد) ہونے تک پکڑے رہے۔ اور گائے کو ذبح کرتے وقت اس کے چاروں پیر باندھ دیئے جائیں اور اسکی صرف دُم آزاد ہو۔ اور اونٹ کو نحر کرتے وقت چاہیئے کہ وہ کھڑا ہو اور اس کے دونوں اگلے پیر ٹاپوں سے لیکر زیرِ بغل یا زانوں تک باندھ دیئے جائیں اور پچھلے دونوں پیر آزاد ہوں۔ اور پرندے کے لئے مستحب ہے کہ اس کو ذبح کرنے کے بعد چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ پھڑ پھڑائے۔ یہ بھی مستحب ہے کہ ذبح کرنے و نحر کرنے والا قبلہ رخ ہو۔ اور ذبح و نحر کرنے سے پہلے جانور کو پانی پلانا اور ان کے مقدمات میں ایسے طریقوں کا استعمال کرنا جو کہ نہایت ہی آسان ہوں اور اس کو اذیت و تکلیف نہ ہو۔ جیسے اس کو ذبح و نحر کے لئے نرمی کے ساتھ ہنکانا اور نرمی کے ساتھ لٹانا و چاقو کو تیز کرنا مگر جانور سے پوشیدہ رکھنا اور عمل ذبح و نحر میں تیزی سے کام لینا اور محلِ ذبح پر چاقو کا قوت کے ساتھ چلانا بھی مستحباب میں سے ہے۔

و أما المكروهة فنها۔ أن يسلخ جلده قبل خروج الروح، و قيل بالحرمة و إن لم تحرم به الذبيحة، و هو أحوط. و منها۔ أن يقلب السكين و يدخلها تحت الحلقوم و يقطع إلى فوق، و منها۔ أن يذبح حيوان و حيوان آخر مجانس له ينظر إليه، و أما غيره ففيها تأمل و إن لا تخلو من وجه، ومنها۔ أن يذبح ليلاً و بالنهار قبل الزوال يوم الجمعة إلا مع الضرورة، ومنها۔ أن يذبح بيده ما ربّاه من النعم، و أما إبانة الرأس قبل خروج الروح منه فالأحوط تركها، بل الحرمة لا تخلو من وجه، نعم لا تحرم الذبيحة بفعلها على الأقوى، هذا مع التعمد، و أما مع الغفلة أو سبق السكين فلا حرمة و لا كراهة لا في الأكل و لا في الابانة بلا إشكال، و الأحوط ترك أن تنخع الذبيحة بمعنى إصابة السكين إلى نخاعها، وهو الخيط الأبيض وسط القفار الممتد من الرقبة إلى عجز الذنب.

مسألة ٢١ ـ لو خرج جنين أو أخرج من بطن أمه فع حياة الام أو موتها بدون التذكية لم يحل أكله إلا إذا كان حياً و وقعت عليه التذكية و كذا إن خرج أو أخرج حياً من بطن أمه المذكاة، فانه لا يحل إلا بالتذكية فلو لم يذك لم يحل و ان كان عدمها من جهة عدم إتساع الزمان لها على الأقوى، و أما لو خرج أو أخرج ميتاً من بطن أمه المذكاة حل أكله و كانت تذكيته بتذكية أمه، لكن بشرط كونه تام الخلقة و قد أشعر أو أوبر و إلا فميتة، و لا فرق في حليته مع الشرط المزبور بين ما لم تلجه الروح و بين ما ولجته و مات في بطن أمه على الأقوى.

مسألة ٢٢ ـ لو كان الجنين حياً حال إيقاع الذبح أو النحر على أمه و مات بعده قبل أن يشق بطنها و يستخرج منها حل على الأقوى لو بادر على شق بطنها و لم يدرك حياته، بل ولو لم يبادر و لم يؤخر زائد على القدر المتعارف في شق بطون الذبائح بعد الذبح، و إن كان الأحوط المبادرة و عدم التأخير حتى بالقدر المتعارف، ولو أخر زائداً عن المتعارف و مات قبل أن يشق البطن فالأحوط الاجتناب عنه.

مکروہات مندرجہ ذیل ہیں:

۱ــــ جانور کا دَم نکلنے سے پہلے ہی اس کی کھال نکالنا اور ایک قول یہ بھی کہ یہ عمل حرام ہے۔ اگرچہ اس عمل سے ذبیحہ حرام نہ ہوگا اور احتیاط اسی قول میں ہے۔

۲ــــ دوم یہ کہ چھری کو اُلٹا کر کے حلق کے نیچے داخل کرنا پھر اُوپر کی طرف کاٹنا۔

۳ــــ اسی کی جنس کے کسی اور جانور کے سامنے ذبح کرنا۔ لیکن۔ دوسرا جانور اگر اس کا ہم جنس نہ ہو تو مورد تامّل ہے اگرچہ اسکا بھی نہ ہونا بہتر ہے۔

۴ــــ شب میں ذبح کرنا اور جمعہ کو قبل از زوال ذبح کرنا مگر یہ کہ کوئی ضرورت ہو۔

۵ــــ اس جانور کا ذبح کرنا جسکو خود پالا ہو۔ اور اس کا دَم نکلنے سے پہلے سر جُدا کرنے کو احتیاطاً ترک کر دینا چاہیئے۔ بلکہ اس کا حرام ہونا مصلحت سے خالی نہیں۔ لیکن ایسا کرنے سے ذبیحہ اقوی یہ ہے کہ حرام نہ ہوگا۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب عمداً جدا کرے۔ لیکن اگر بربنائے غفلت یا چاقو کی تیزی کی وجہ سے جُدا ہو جائے تو بغیر کسی اشکال کے نہ تو اس کا سر جُدا ہونے میں کراہت و حرمت ہے اور نہ ہی کھانے میں۔ اور احتیاط یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت چھری کو حرام مغز (وہ سفید رگ جو ریڑھ کی ہڈی کے وسط میں گردن سے لے کر۔ دُم تک ہوتی ہے) تک نہ پہنچائے۔

مسئلہ ۲۱: اگر مادہ جانور کے پیٹ سے بچہ نکلے یا نکالا جائے تو۔ اس کا کھانا حلال نہ ہوگا مگر اس صورت میں کہ وہ زندہ ہو اور اسکا تزکیہ کیا جائے۔ چاہے اس کی ماں مَر گئی ہو یا زندہ ہو اس سے کوئی فرق نہ پڑے گا۔ اسی طرح اگر اسکو اس مادہ جانور کے پیٹ سے زندہ نکالیں یا وہ خود زندہ نکل آئے کہ جس کا تزکیہ ہو چکا ہو تو چونکہ وہ بچہ صرف تزکیہ کے بعد حلال ہوگا۔ اس لئے اگر اس کا تزکیہ نہ کیا جائے تو وہ حلال نہ ہوگا۔ اگرچہ بربنائے اقویٰ عدم تزکیہ وقت میں وسعت و گنجائش نہ ہونےکی وجہ سے ہو۔ لیکن اگر اس کی ماں کا تزکیہ کیا گیا ہو اور اس کے پیٹ سے مُردہ حالت میں خارج ہو یا خارج کیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہے چونکہ اسکی ماں کا تزکیہ ہی اس کا تزکیہ ہے لیکن شرط کہ وہ بچہ تام الخلقہ ہو اور اس پر بال یا اُون نکل آئے ہوں ورنہ مُردار شمار ہوگا۔ اور اس شرط کی بنا پر قول قوی یہ ہے کہ اسمیں کوئی فرق نہیں کہ اسمیں اصلاً روح داخل ہی نہ ہوئی تھی یا داخل ہوئی تھی مگر ماں کے پیٹ ہی میں مَر گیا۔

مسئلہ ۲۲: اگر بچہ حیوان مادہ کے ذبح یا نحر ہونے کے وقت زندہ ہو اور اس کے بعد قبل اس کے کہ شکم چاک کر کے اس کو نکالا جائے مَر جائے تو اقویٰ یہ ہے کہ اسکا کھانا حلال ہوگا اس صورت میں کہ ذبح کے بعد فوراً شکم چاک کیا گیا ہو اور وہ زندہ نہ ہو۔ بلکہ اگر فوراً چاک نہ بھی کیا جائے لیکن ذبیحوں کا شکم چاک کرنے میں جتنی تاخیر کی جاتی ہے اس سے زیادہ تاخیر بھی نہ کی جائے۔ اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ ذبح کرنے کے بعد ذبیحہ کے شکم کو فوراً چاک کیا جائے اور معمولی تاخیر بھی نہ کی جائے۔ لیکن اگر معمول سے زیادہ تاخیر کرے اور شکم چاک کرنے سے پہلے بچہ مَر جائے تو احتیاط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔

مسألة ٢٣ ـ لا إشكال في وقوع التذكية على كل حيوان حل أكله ذاتاً و ان حرم بالعارض كالجلال و الموطوء بحرياً كان أو برياً، وحشياً كان او أنسياً، طيراً كان أو غيره و ان اختلف في كيفية التذكية على ما مر، و أثر التذكية فيها طهارة لحمها و جلدها و حلية لحمها لو لم يحرم بالعارض، و أما غير المأكول من الحيوان فما ليس له نفس سائلة لا أثر للتذكية فيه لامن حيث الطهارة و لا من حيث الحلية، لأنه طاهر و محرم أكله على كل حال، و ما كان له نفس سائلة فان كان نجس العين كالكلب و الخنزير فليس قابلاً للتذكية، و كذا المسوخ غير السباع كالفيل و الدب و القرد و نحوها، و كذا الحشرات، و هي الدواب الصغار التي تسكن باطن الأرض كالفارة و ابن عرس و الضب و نحوها على الأحوط الذي لا يترك فيها و ان كانت الطهارة لا تخلو من وجه، و أما السباع و هي ما تفترس الحيوان و تأكل اللحم سواء كانت من الوحوش كالأسد و النمر والفهد و الثعلب و ابن آوى و غيرها أو من الطيور كالصقر و البازي و الباشق و غيرها فالأقوى قبولها للتذكية، و بها تطهر لحومها و جلودها، فيحل الانتفاع بها بأن تلبس في غير الصلاة و يفترش بها، بل بأن تجعل وعاءً للمائعات كأن تجعل قربة ماء أو عكة سمن أو دبة دهن و نحوها و إن لم تدبغ على الأقوى، و إن كان الأحوط أن لا تستعمل ما لم تكن مدبوغة.

مسألة ٢٤ ـ الظاهر أن جميع أنواع الحيوان المحرم الأكل مما كانت له نفس سائلة غير ما ذكر آنفاً تقع عليها التذكية، فتطهر بها لحومها و جلودها.

مسألة ٢٥ ـ تذكية جميع ما يقبل التذكية من الحيوان المحرم الأكل انما تكون بالذبح مع الشرائط المعتبرة في ذبح الحيوان المحلل، و كذا بالاصطياد بالآلة الجمادية في خصوص الممتنع منها كالمحلل، وفي تذكيتها بالاصطياد بالكلب المعلم تردد و إشكال.

مسألة ٢٦ ـ ما كان بيد المسلم من اللحوم و الشحوم و الجلود إذا لم يعلم كونها من غير المذكى يؤخذ منه و يعامل معه معاملة المذكى بشرط تصرف ذي

مسئلہ ۲۳: ہر وہ حیوان کہ جو ذاتاً حلال گوشت ہو اور کسی عارضہ (جیسے اس سے بدفعلی کی گئی ہو یا فضلہ کھانے) کی بناء پر حرام ہوگیا ہو تو بدون اشکال اس کا تزکیہ کیا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ خشکی کا ہو یا دریائی ہو۔ وحشی ہو یا پالتو ہو پرندہ ہو یا اس کے علاوہ اگرچہ تزکیہ کے طریقے میں اختلاف ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اور تزکیہ کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کا گوشت و پوست پاک ہو جائے گی۔ اور اگر کسی سبب سے حرام نہ ہوا ہو تو اس کا گوشت حلال ہوگا۔ لیکن وہ حیوانات جو کہ نہ ہی حلال گوشت ہوں اور نہ ہی ذبح کرنے پر خون اچھل کر نکلتا ہو ان کی طہارت و حلال ہونے میں تزکیہ سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ پاک ہیں اور ان کا کھانا ہر حال میں حرام ہے۔

لیکن وہ حیوانات کہ جو حرام گوشت ہونے کے ساتھ خونِ جہندہ بھی رکھتے ہوں چنانچہ اگر وہ نجس العین ہوں تو ان کا تزکیہ نہیں کیا جا سکتا جیسے کتا و سور۔ اسی طرح بر بنائے احتیاط ان پالتو حیوانات کا بھی تزکیہ نہیں کیا جا سکتا جو کہ مسخ شدہ ہیں جیسے ہاتھی ریچھ و بندر وغیرہ۔ یا وہ چھوٹے حیوانات جو کہ بلوں میں رہتے ہیں جیسے چوہا، نیولا و سوسمار (بجو) وغیرہ اور ان دو میں احتیاط ترک نہ کی جائے۔ اگرچہ ان کا تزکیہ خالی از مصلحت نہیں۔

لیکن وہ حیوانات کہ جو درندہ صفت ہیں اور جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں تو چاہے یہ وحشی ہوں جیسے شیر، چیتا، تیندوا، لومڑی، گیدڑ وغیرہ یا پرندوں میں سے ہو جیسے شکرا یا زم باش (ایک شکاری پرندہ) وغیرہ تو اقویٰ یہ ہے کہ یہ قابلِ تزکیہ ہیں۔ اور اس کے بعد ان کے گوشت و کھالیں پاک ہیں اور اس سے نماز کے علاوہ دیگر موارد میں استفادہ مثلاً پہننا و فرش کے طور پر استعمال کرنا حلال ہے۔ بلکہ سیال چیزوں کے ظروف کے طور پر جیسے مشک یا روغن رکھنے کے لئے استعمال کرنا۔

ولو اس کو رنگا نہ گیا ہو۔ بناء بر اقویٰ حلال ہے مگر احتیاط یہ ہے اس کو جب تک رنگ نہ دیا جائے، استعمال نہ کیا جائے۔

مسئلہ ۲۴: ہر وہ حرام گوشت جانور کہ جو خونِ جہندہ رکھتا ہے مگر اس کا اوپر تذکرہ نہیں ہوا ہے ظاہراً اس کا تزکیہ کیا جا سکتا ہے اور اس کے ذریعہ اس کا گوشت و اس کی کھال پاک ہو جائے گی۔

مسئلہ ۲۵: حرام گوشت حیوانات میں سے جو حیوانات قابلِ تزکیہ ہیں ان کا تزکیہ ذبح کرنے سے ہوگا۔ ان شرائط کے ساتھ جو حلال گوشت حیوان کے ذبح کرنے میں معتبر ہیں۔ اسی طرح ٹھوس ہتھیار سے جیسے حلال گوشت جانور کو شکار کیا جاتا ہے۔ خاص طور سے بے قابو جانور کو، اسی طرح حرام گوشت کا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن تربیت یافتہ شکاری کتے کے ساتھ شکار کی بناء پر تزکیہ میں تردد اور اشکال ہے۔

مسئلہ ۲۶: وہ گوشت، کھال اور چربی کہ جو مسلمان کے پاس ہو تو جب تک عدم تزکیہ کا علم نہ ہو اس سے لیا جائیگا اور اسکے ساتھ ذبح شدہ کے جیسا معاملہ کیا جائیگا۔ لیکن بر بنائے احتیاط شرط یہ ہے کہ اس کا مالک اس

اليد فيه تصرفاً مشروطاً بالتذكية على الأحوط، فحينئذ يجوز بيعه و شراؤه و أكله و استصحابه في الصلاة و سائر الاستعمالات المتوقفة على التذكية و لا يجب عليه الفحص و السؤال، بل و لا يستحب بل نهي عنه، و كذلك ما يباع منها في سوق المسلمين سواء كان بيد المسلم أو مجهول الحال، بل و كذا ما كان مطروحاً في أرضهم إذا كان فيه أثر الاستعمال كما إذا كان اللحم مطبوخاً و الجلد مخيطاً أو مدبوغاً، و كذا إذا أخذ من الكافر و علم كونه مسبوقاً بيد المسلم على الأقوى بشرط مراعاة الاحتياط المتقدم، و أما ما يؤخذ من يد الكافر ولو في بلاد المسلمين و لم يعلم كونه مسبوقاً بيد المسلم و ما كان بيد مجهول الحال في بلاد الكفار أو كان مطروحاً في أرضهم و لم يعلم أنه مسبوق بيد المسلم و استعماله يعامل معه معاملة غير المذكى، و هو بحكم الميتة، و المدار في كون البلد أو الأرض منسوباً إلى المسلمين غلبة السكان و القاطنين بحيث ينسب عرفاً إليهم ولو كانوا تحت سلطة الكفار، كما أن هذا هو المدار في بلد الكفار، ولو تساوت النسبة من جهة عدم الغلبة فحكمه حكم بلد الكفار.

مسألة ٢٧ ـ لا فرق في إباحة ما يؤخذ من يد المسلم بين كونه مؤمناً أو مخالفاً يعتقد طهارة جلد الميتة بالدبغ و يستحل ذبائح أهل الكتاب و لا يراعي الشروط التي اعتبرنا ها في التذكية، و كذا لا فرق بين كون الآخذ موافقاً مع المأخوذ منه في شرائط التذكية اجتهاداً أو تقليداً أو مخالفاً معه فيها إذا احتمل الآخذ تذكيته على وفق مذهبه كما إذا اعتقد الآخذ لزوم التسمية بالعربية دون المأخوذ منه إذا احتمل أن ما بيده قد روعي فيه ذلك وإن لم يلزم رعايته عنده.

والله العالم.

میں ایسا تصرف کرنا کہ جو مشروط بہ تزکیہ ہو۔ پس اگر مالک نے ایسا کیا ہو تو اس کی خرید و فروش، کھانا و نماز میں استعمال کرنا خلاصہ یہ کہ ان تمام استعمالات میں جائز ہے۔ جو مشروط بہ تزکیہ ہوں اور نہ ہی اس کے متعلق پرسش و جستجو واجب ہے۔ حتیٰ مستحب بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہی حکم وہاں بھی ہے جب کہ یہ چیزیں مسلمانوں کے بازار میں فروخت ہو رہی ہوں اور چاہے یہ چند چیزیں مسلمانوں کے پاس ہوں یا مجہول المالک ہوں اور اسی طرح اگر مسلم سرزمین میں گری ہوئیں پائے مگر شرط یہ ہے کہ اس پر کوئی علامتِ استعمال دیکھے مثلاً گوشت پکا ہوا ہو یا کھال سلی ہوئی یا رنگی ہوئی ہو۔ اسی طرح بربنائے قولِ قوی اگر وہ ان چیزوں کو کافر کے پاس سے حاصل کرے لیکن یہ معلوم ہو کہ یہ پہلے مسلمان کے پاس تھیں حلال ہے۔ مگر گزشتہ شرائط کی رعایت شرط ہے۔ اور اگر جانور کی وہ چیزیں جو کافر کے پاس ہوں لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ یہ پہلے مسلمان کے پاس تھیں اگرچہ وہ بلادِ مسلمین ہی میں کیوں نہ ہو۔ یا مجہول الحال کے پاس ہوں مگر وہ بلادِ کفار میں ہو۔ یا سرزمینِ کفار میں گری ہوئی پائی جائیں اور یہ نہ معلوم ہو کہ یہ پہلے مسلمان کے پاس اور اس کے استعمال میں تھیں تو اس کا معاملہ غیر تزکیہ شدہ حیوان کا معاملہ ہے اور وہ مردار کے حکم میں ہے۔ وہ شہر یا زمین جو مسلمانوں سے منسوب ہو اس کا معیار یہ ہے کہ وہاں کے رہنے والوں میں اکثریت مسلمانوں کی ہو اس طرح کہ عرفاً اسے مسلمانوں سے منسوب کر دیا گیا ہو۔ اگرچہ کفار اس پر حاکم ہوں اور سرزمینِ کفار کا معیار بھی یہی ہے۔ اور اگر از جہت کفر و اسلام کسی کو کسی پر غلبہ نہ ہو بلکہ مساوی ہوں تو بلادِ کفار کا حکم ہوگا۔

مسئلہ ۲۷: ان اشیاء کا لینا جو کہ مسلمان کے پاس ہوں تو اس کے مومن یا مخالف ہونے یا مردار کی کھال کا رنگنے کے ذریعہ پاک ہونے کا معتقد ہونے و اہلِ کتاب کے ذبیحہ کو حلال شمار کرنے اور وہ شرائط کہ جن کا ہم نے تزکیہ میں ذکر کیا ہے۔ ان کی مراعات نہ کرنے سے اشیاء کے مباح ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اسی طرح لینے و دینے والے کے درمیان تزکیہ کے شرائط میں از جہت اجتہاد و تقلید توافق کے نہ ہونے سے بھی ان کے مباح ہونے میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔ لیکن اس صورت میں کہ جب لینے والے کو یہ احتمال ہو کہ اس کے طریقہ کے مطابق تزکیہ کیا گیا ہے۔ جیسے وہ اس بات کا معتقد ہو کہ خدا کا نام عربی میں لیا جانا لازم ہے لیکن جس شخص سے لیا ہے وہ اس بات کا معتقد نہ ہو تو اس صورت میں کہ وہ یہ احتمال دے کہ جو دینے والے کے ہاتھ میں ہے اس پر عربی ہی میں ذکر ہوا ہے۔ اگرچہ دینے والے کے نزدیک اس کی رعایت لازم نہ ہو واللہ عالم۔

كتاب الأطعمة والأشربة

والمقصود من هذا الكتاب بيان المحلل والمحرم من الحيوان و غير الحيوان.

القول في الحيوان

مسألة ١ ـ لا يؤكل من حيوان البحر إلا السمك و الطير في الجملة، فيحرم غيره من أنواع حيوانه حتى ما يؤكل مثله في البر كبقره على الأقوى.

مسألة ٢ ـ لا يؤكل من السمك إلا ما كان له فلس و قشور بالأصل و إن لم تبق وزالت بالعارض كالكنعت، فانه على ما ورد فيه حوت سيئة الخلق تحتك بكل شيء فيذهب فلسها، و لذا لو نظرت إلى أصل أذنها وجدته فيه، و لا فرق بين أقسام السمك ذي القشور، فيحل جميعها صغيرها و كبيرها من البز و البني و الشبوط و القطان و الطيرامي و الابلامي وغيرها، و لا يؤكل منه ما ليس له فلس في الأصل كالجري و الزمار و الزهو و المارماهي و غيرها.

مسألة ٣ ـ الأربيان المسمى في لسان أهل هذا الزمان بالروبيان من جنس السمك الذي له فلس، فيجوز أكله.

مسألة ٤ ـ بيض السمك يتبعه، فبيض المحلل حلال و إن كان أملس و بيض

کتابِ اشیاءِ خورد و نوش

یہاں پر وہ احکام مقصود ہیں جو کہ حیوان وغیر حیوان کے حلال و حرام ہونے سے متعلق ہیں۔

حیوان

مسئلہ ۱: دریائی حیوانوں میں صرف مچھلی اور بعض پرندے کھائے جاتے ہیں ان کے علاوہ انکی دیگر اقسام حرام ہیں حتیٰ بناء قول قوی وہ بھی حرام ہیں جن کی طرح کا خشکی والا جانور کھایا جاتا ہے جیسے دریائی گائے۔

مسئلہ ۲: مچھلیوں میں وہ مچھلی کھائی جاتی ہے جو ذاتاً جلد و چھلکے دار کھتی ہو اگرچہ یہ کسی عارضہ کی بناء پر باقی نہ ہوں جیسے کنعث (ایک قسم کی مچھلی) اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ بدخلق ہوتی ہے اور تیزی کے ساتھ چلتی ہے اور اگر کسی چیز سے ٹکرائے تو اس کے چھلکے زائل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر اسکے کان کی جڑ میں دیکھا جائے تو چھلکا موجود ہوگا اور چھلکے دار مچھلیوں میں کوئی فرق نہیں چاہے وہ چھوٹی ہوں یا بڑی جیسے بز، بنی، شبوط، قطان، طیراہی، ابلامی وغیرہ، وہ مچھلی نہیں کھائی جاتی جو ذاتاً چھلکے والی نہ ہو جیسے نہر کی طویل مچھلی، خاردار مچھلی اور مارماہی وغیرہ۔

مسئلہ ۳: جھینگا کہ جو چھلکے والی مچھلیوں کی ہی جنس سے ہے جسکو آج کل کی زبان میں "روبیان" کہتے ہیں اس کا کھانا جائز ہے۔

مسئلہ ۴: مچھلی کا انڈا مچھلی ہی کے حکم میں ہے پس حلال مچھلی کا انڈا حلال ہے۔ اگرچہ نرم ہو اور حرام مچھلی کا انڈا

المحرم حرام و إن كان خشناً، و الأحوط في حال الاشتباه عدم أكل ما كان أملس، نعم لو كان مشتبهاً في أنه من المحلل و المحرم و كان خشناً أو اشتبه ذلك أيضاً حل أكله.

مسألة ٥ ـ البهائم البرية من الحيوان صنفان أنسية و وحشية، أما الأنسية فيحل منها جميع أصناف الغنم و البقر و الابل، و يكره الخيل و البغال و الحمير، و أخفها كراهة الأول، و تحرم منها غير ذلك كالكلب و السنور و غير هما، و أما الوحشية فتحل منها الظبي و الغزلان و البقر و الكباش الجبلية و اليحمور والحمير الوحشية، و تحرم منها السباع، و هي ما كان مفترساً و له ظفر و ناب قوياً كان كالأسد و النمر والفهد و الذئب أو ضعيفاً كالثعلب و الضبع و ابن آوى، و كذا يحرم الارنب و إن لم يكن من السباع، و كذا تحرم الحشرات كلها كالحية و الفأرة و الضب و اليربوع و القنفذ و الصراصر و الجعل والبراغيث والقمل وغيرها مما لا تحصى، و كذا تحرم المسوخ كالفيل و القردة و الدب و غيرها.

مسألة ٦ ـ يحل من الطير الحمام بجميع أصنافه كالقماري و هو الأزرق و الدباسي و هو الأحمر، و الورشان و هو الأبيض، و الدراج و القبج و القطا والطيهوج والبط و الكروان والحبارى و الكركي والدجاج بجميع أقسامه، و العصفور بجميع أنواعه، و منه البلبل و الزرزور و القبرة و هي التي على رأسها القزعة، و يكره منه الهدهد و الخطاف و هو الذي يأوى البيوت و آنس الطيور بالناس و الصرد، و هو طائر ضخم الرأس و النقار يصيد العصافير أبقع نصفه أسود و نصفه أبيض، و الصوام و هو طائر أغبر اللون طويل الرقبة أكثر ما يبيت في النخل، و الشقراق و هو طائر أخضر مليح بقدر الحمام، خضرته حسنة مشبعة، في أجنحته سواد، و يكون مخططاً بحمرة و خضرة و سواد، و لا يحرم شيء منها حتى الخطاف على الأقوى، و يحرم منه الخفاش و الطاووس و كل ذي مخلب، سواء كان قوياً يقوى به على افتراس الطير كالبازي و الصقر و العقاب و الشاهين و الباشق أو ضعيفاً لا يقوى به على ذلك كالنسر و البغاث.

حرام ہے اگرچہ سخت ہو۔ مشتبہ ہونے کی حالت میں جبکہ انڈا نرم ہو احتیاط یہ ہے کہ اس کو نہ کھالے۔

لیکن اگر حرام و حلال ہونے کے درمیان شبہ ہو اور وہ سخت ہو یا یہ بھی مشتبہ ہو تو اس کا کھانا حلال ہے۔

مسئلہ ۵: حیوانوں میں وہ چوپائے جو خشکی پر رہتے ہیں اور دریائی نہیں ہیں ان کی دو قسم ہے۔ ۱: پالتو ۲: وحشی : پالتو: پالتو چوپایوں میں سے بھیڑ، گائے، اونٹ وغیرہ کی تمام اقسام حلال ہیں۔ لیکن گھوڑے، خچر، گدھے کا کھانا مکروہ ہے۔ بلکہ پہلے کی کراہت بہت ہی کم ہے۔ انکے علاوہ دیگر خشکی پر رہنے والے چوپایوں کا کھانا حرام ہے جیسے کتا، بلی وغیرہ۔ وحشی: اور وحشی چوپایوں میں ہرن، ہرن کا بچہ، پہاڑی گائے و بنیڈھا، جنگلی گدھا حلال ہے۔ لیکن درندہ چوپائے جو کہ دانت اور ناخن رکھنے کے ساتھ قوی بھی ہوں جیسے شیر، چیتا، تیندوا۔ بھیڑیا، یا ضعیف ہوں جیسے لومڑی، تیندوا، گیدڑ اور اسی طرح خرگوش بھی حرام ہے۔ اگرچہ درندہ نہیں ہے۔ اور چھوٹے جانور جیسے سانپ و چوہا، بجو۔ یربوع (چوہے کی طرح کا ایک جانور جس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی اور پچھلی ٹانگیں بڑی اور دُم لمبی ہوتی ہے) سیہی (جیر جیرک والو بعران و لگ و شپش وغیرہ کہ جو قابل شمار نہیں ہیں۔ انھیں کی طرح وہ حیوانات بھی حرام ہیں جو کہ مسخ شدہ ہیں، جیسے ہاتھی، ریچھ، و بندر وغیرہ۔

مسئلہ ۶: پرندوں میں کبوتر کی تمام اقسام حلال ہیں جیسے قمری فاختہ کی قسم کا ایک پرندہ جو کہ نیلا ہوتا ہے۔ (دباسی) یہ ایک سرخ رنگ کا کبوتر ہوتا ہے (ورشان) یہ سفید رنگ کا کبوتر ہوتا ہے اور تیتر (قبیح) تیتر ہی کی قسم کا ایک خوشنما پرندہ (القطا) پرندہ سنگ خوار تیھو، مرغابی (الکروان) خوش آواز پرندہ، سرخاب، سارس۔ گھر میں پالے جانے والے مرغ کی تمام اقسام۔ چھوٹی چڑیوں کی تمام اقسام جیسے بلبل (زرزور) ایک قسم کا پرندہ بعض کالے ہوتے ہیں بعض میں سفید چتی ہوتی ہے۔ چنڈول جس کو فارسی میں چکاوک کہتے ہیں اور ان تینوں کے سر پر کلغی ہوتی ہے۔

اور ہدہد و خطاف (ابابیل کے مانند ایک پرندہ جو کہ گھروں میں گھونسلے بناتا ہے اور آدمیوں سے بہت ہی مانوس ہے) لٹورا (ایک پرندہ) اس کی گردن و چونچ موٹی ہوتی ہے اور یہ چھوٹی چڑیوں کا شکار کرتا ہے۔ اس کا رنگ نصف سفید و نصف کالا ہوتا ہے۔ (کبوتر العلوم) اس پرندہ کا رنگ خاکی اور گردن لمبی ہوتی ہے اور زیادہ تر خرمے کے درخت پر بسیرا کرتا ہے۔ (شقراق) یہ کبوتر کے برابر سبز رنگ کا جاذب نظر پرندہ ہے اور اس کے پر سیاہ ہوتے ہیں اور اس پر سیاہ و سرخ و سبز دھاریاں ہوتی ہیں۔ یہ تمام مذکورہ بالا پرندے مکروہ ہیں۔ ان میں کوئی حتیٰ خطاف بھی بناء بر قول قوی حرام نہیں ہے۔ چمگادڑ، ہر وہ پرندہ جو پنجہ رکھتا ہو چاہے وہ قوی ہو کر اس کے ذریعہ وہ پرندوں کو پارہ و شکار کرتا ہو جیسے باز، شکرہ، عقاب، شاہین، باشہ یا ضعیف ہو اور اس کے ذریعہ وہ شکار پر قادر نہ ہو جیسے گدھ (بغاث) سبزی مائل سفید رنگ کا ایک پرندہ جو گدھ سے چھوٹا اور اڑنے میں سست ہوتا ہے، یہ تمام مذکورہ بالا پرندے حرام ہیں۔

مسألة ٧ ـ الأحوط التنزه و الاجتناب عن الغراب بجميع أقسامه حتى الزاغ، و هو غراب الزرع، و الغداف الذي هو أصغر منه أغبر اللون كالرماد، و يتأكد الاحتياط في الأبقع الذي فيه سواد و بياض، و يقال له: العقعق، والأسود الكبير الذي يسكن الجبال، و هما يأكلان الجيف و يحتمل قوياً كونهما من سباع الطير، فتقوى فيهما الحرمة، بل الحرمة في مطلق الغراب لا تخلو من قرب.

مسألة ٨ ـ يميّز محلل الطير عن محرمه بأمرين، جعل كل منهما في الشرع علامة للحل و الحرمة فيما لم ينص على حليّته ولا على حرمته، دون ما نص فيه على حكمه من حيث الحل و الحرمة كالأنواع المتقدمة أحدهما الصفيف و الدفيف، فكل ما كان صفيفه ـ و هو بسط جناحيه عند الطيران ـ أكثر من دفيفه ـ و هو تحريكهما عنده ـ فهو حرام، و ما كان بالعكس بأن كان دفيفه أكثر فهو حلال، ثانيهما الحوصلة و القانصة و الصيصية، فما كان فيه أحد هذه الثلاثة فهو حلال، و ما لم يكن فيه شيء منها فهو حرام، و الحوصلة ما يجتمع فيه الحب و غيره من المأكول عند الحلق، و القانصة قطعة صلبة تجتمع فيها الحصاة الدقاق التي يأكلها الطير، و الصيصية هي الشوكة التي في رجل الطير موضع العقب، و يتساوى طير الماء مع غيره في العلامتين المزبورتين، فما كان دفيفه أكثر من صفيفه أو كان فيه أحد الثلاثة فهو حلال و إن كان يأكل السمك، و ما كان صفيفه أكثر من دفيفه أو لم يوجد فيه شيء من الثلاثة فهو حرام.

مسألة ٩ ـ لو تعارضت العلامتان كما إذا كان ما صفيفه أكثر من دفيفه ذا حوصلة أو قانصة أو صيصية أو كان ما دفيفه أكثر من صفيفه فاقداً للثلاثة فالظاهر أن الاعتبار بالصفيف و الدفيف، فيحرم الأول و يحل الثاني على إشكال في الثاني، فلا يترك الاحتياط و إن كان الحلّ أقرب، لكن ربما قيل بالتلازم بين العلامتين و عدم وقوع التعارض بينهما، فلا إشكال.

مسألة ١٠ ـ لو رأى طيراً يطير و له صفيف و دفيف و لم يتبين أيهما أكثر تعين له الرجوع الى العلامة الثانية، و هي وجود أحد الثلاثة وعدمها و كذا إذا وجد

مسئلہ ۷: احتیاط یہ ہے کہ کوے کی تمام اقسام سے پرہیز کیا جائے۔ حتیٰ (زاغ) سے بھی یہ ایک چھوٹا کوا ہوتا ہے جسکے پشت و شکم پر کچھ سفید بال ہوتے ہیں یہ گندگی خور نہیں ہوتا۔ اور پہاڑی کوا یہ زاغ سے چھوٹا اور اس کا رنگ خاکی ہوتا ہے۔ عقعق ایک کوا کہ جس کا رنگ سیاہ و سفید ہوتا ہے اس کو عوام قعق کہتے ہیں اور دوسرا کوا جو کہ کالا ہونے کے ساتھ بڑا بھی ہوتا ہے۔ اور پہاڑ پر بسیرا کرتا ہے۔ آخر کے یہ دونوں مردار بھی کھاتے ہیں، ان کے متعلق احتیاط کی تاکید کی گئی ہے اور احتمال قوی ہے کہ یہ دونوں درندہ پرندوں میں سے ہیں پس ان کی حرمت کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ کوے کی تمام اقسام حرمت کے احتمال سے خالی نہیں۔

مسئلہ ۸: حلال و حرام پرندوں کی تشخیص دو چیزوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں صرف ایسے موارد میں مفید ہیں جہاں ان کے حکم پر حلال و حرام ہونے کی حیثیت سے نص نہ ہو۔ اور وہ دونوں چیزیں یہ ہیں۔

۱: صفیف (پر پھیلانا) دفیف (پر پھڑ پھڑانا) پس ہر وہ پرندہ کہ جو اڑتے وقت پر پھڑ پھڑانے سے زیادہ پر پھیلاتا ہو حرام ہے۔ لیکن وہ پرندہ کہ جو اس کے برعکس ہو یعنی پر پھیلانے سے زیادہ پر پھڑ پھڑاتا ہو حلال ہے۔ ۲: دوسری علامت حوصلہ۔ قانصہ۔ و صیصیہ ہے۔ ہر وہ پرندہ کہ جس میں ان تینوں صفتوں میں سے کوئی ایک بھی پائی جائے تو وہ حلال ہے۔ ورنہ حرام ہوگا۔

الف :- حوصلہ: پرندہ کا پوٹا (یہ اس تھیلی کو کہتے ہیں جو پرندہ کی گردن و سینہ کے درمیان واقع ہوتی ہے۔ اور اس میں اسکی کھائی ہوئی غذا جمع ہوتی ہے۔

ب :- قانصہ: سنگ دانہ (اس میں وہ کنکریاں جمع ہوتی ہیں جس کو پرندہ نے کھالیا ہو)

ج :- صیصیہ: یہ اس کانٹے کو کہتے ہیں جو پرندے کے پیر کی پشت پر ہوتا ہے، اور دریائی و خشکی پر رہنے والے پرندے مذکورہ بالا دونوں شرائط میں مساوی ہیں۔ پس ہر وہ پرندہ کہ جو پروں کو پھیلانے سے زیادہ پھڑ پھڑاتا ہو۔ یا ان تینوں مذکورہ علامتوں میں سے کوئی ایک علامت اس میں پائی جائے تو وہ حلال ہوگا اگرچہ وہ مچھلی کھاتا ہو اور ہر وہ پرندہ کہ جو پروں کو پھڑ پھڑانے سے زیادہ پھیلاتا ہو یا اس میں ان تینوں علامتوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو وہ حرام ہوگا۔

مسئلہ ۹: اگر دونوں علامتوں میں تعارض ہو جائے مثلاً یہ کہ وہ پرندہ کہ جو پروں کو پھڑ پھڑانے سے زیادہ پر پھیلاتا ہو لیکن پوٹا، سنگ دانہ یا پیر کی پشت پر کانٹا بھی رکھتا ہو۔ یا اس کے برعکس ہو یعنی وہ پروں کو پھیلانے سے زیادہ پھڑ پھڑاتا ہو اور اسمیں مذکورہ بالا علامتوں میں سے ایک بھی نہ پائی جائے تو ظاہراً یہ ہے کہ اس کے پر پھیلانے اور پھڑ پھڑانے کا ہی اعتبار کیا جائے۔ پس پہلی صورت میں پرندہ حرام ہوگا۔ اور دوسری صورت میں اشکال ہے تو احتیاط کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ اسکا حلال ہونا اقرب ہے اور زیادہ تر یہی کہا گیا ہے کہ دونوں علامتوں میں تلازم ہے اور تعارض واقع نہیں ہوگا۔ (یعنی وہ پرندہ جو پر کو پھیلانے سے زیادہ پھڑ پھڑاتا ہو تو اسمیں تینوں علامات (پوٹا، سنگ دانہ، پیر کی پشت پر کانٹا) میں سے کوئی نہ کوئی ضرور پائی جائے گی لہٰذا کوئی اشکال نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۰: اگر کسی پرندے کو پرواز کی حالت میں دیکھے مگر اس میں پہلی دونوں علامات (پروں کو پھیلانے و

طيراً مذبوحاً لم يعرف حاله، و لو لم يعرف حاله مطلقا فالأقرب الحل.

مسألة ١١ ـ لو فرض تساوي الصفيف و الدفيف فالأحوط أن يرجع الى العلامة الثانية، و مع عدم معرفة الثانية فالأقرب الحل.

مسألة ١٢ ـ بيض الطيور تابع لها في الحل و الحرمة، فبيض المحلل حلال و المحرم حرام، و ما اشتبه أنه من أيهما يؤكل ما اختلف طرفاه و تميّز رأسه من تحته مثل بيض الدجاج دون ما اتفق و تساوى طرفاه.

مسألة ١٣ ـ النعامة من الطيور، و هي حلال لحماً و بيضاً على الأقوى.

مسألة ١٤ ـ اللقلق لم ينصّ على حرمته و لا على حليته، فليرجع الى العلامات، و الظاهر أن صفيفه أكثر، فهو حرام، و من لم يحرز له ذلك يرجع الى العلامة الثانية.

مسألة ١٥ ـ تعرض الحرمة على الحيوان المحلل بالأصل من أمور: منها ـ الجلل، و هو أن يتغذى الحيوان عذرة الانسان بحيث يصدق عرفاً أنها غذاؤه، و لا يلحق بها عذرة غيره و لا سائر النجاسات، و يتحقق صدق المزبور بانحصار غذائه بها، فلو كان يتغذى بها مع غيرها لم يتحقق الصدق، فلم يحرم إلا أن يكون تغذيه بغيرها نادراً جداً بحيث يكون بأنظار العرف بحكم العدم، و بأن يكون تغذيه بها مدة معتداً بها، و الظاهر عدم كفاية يوم و ليلة، بل يشك صدقه بأقل من يومين بل ثلاثة.

مسألة ١٦ ـ يعم حكم الجلل كل حيوان محلل حتى الطير والسمك

مسألة ١٧ ـ كما يحرم لحم الحيوان بالجلل يحرم لبنه و بيضه و يحلان بما يحل به لحمه، و بالجملة هذا الحيوان المحرم بالعارض كالحيوان المحرّم بالأصل في جميع الأحكام قبل أن يستبرأ و يزول حكمه، نعم الحكم في بعض أفراد الكلية مبني على الاحتياط.

مسألة ١٨ ـ الظاهر أن الجلل ليس مانعاً عن التذكية، فيذكى الجلال بما يذكى به غيره، و يترتب عليها طهارة لحمه وجلده كسائر الحيوانات المحرمة

پھڑپھڑانے) کی کمی وزیادتی معلوم نہ ہو تو چاہیئے کہ وہ ان علامات سہ گانہ کی طرف رجوع کرے جنکو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ یعنی کہ وہ یہ دیکھے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی پائی جاتی ہے یا نہیں۔ اسی طرح وہ ذبح شدہ پرندہ کے جس کے پروں کو پھیلانے و پھڑپھڑانے کی کمی وزیادتی کو نہ جانتا ہو۔ لیکن اگر اسے پرندے کے بارے میں مطلق علم نہ ہو تو اسکا حلال ہونا اقرب ہے۔

مسئلہ ۱۱: اگر بالفرض پروں کا پھیلانا و پھڑپھڑانا مساوی ہو تو احتیاط یہ ہے کہ وہ علامات سہ گانہ کی طرف رجوع کرے۔ اور علامات سہ گانہ کا علم نہ ہونے کی صورت میں اس کا حلال ہونا اقرب ہے۔

مسئلہ ۱۲: پرندوں کے انڈے حرام وحلال ہونے میں پرندوں کے ہی تابع ہیں۔ پس حلال پرندوں کے انڈے حلال اور حرام پرندوں کے انڈے حرام ہیں۔ اور وہ انڈا کہ جو مشتبہ ہو کہ آیا حلال پرندہ کا ہے یا حرام کا؟ تو وہ انڈا کہ جس کے دونوں سرے مختلف ہوں اور اگلے سرے و پچھلے سرے کے درمیان تشخیص دی جا سکے جیسے مرغی کا انڈا تو حلال ہوگا لیکن اگر اس کے دونوں سرے ایک ہی جیسے ہوں تو حرام ہوگا۔

مسئلہ ۱۳: شتر مرغ پرندوں میں سے ہے لہٰذا بنا بر اقوی اس کا گوشت اور انڈا دونوں ہی حلال ہیں۔

مسئلہ ۱۴: سارس کے حرام ہونے یا حلال ہونے کی تصریح نہیں ہوتی ہے، پس گذشتہ علامات کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اور ظاہراً وہ پروں کو پھڑپھڑانے سے زیادہ پھیلاتا ہے۔ لہٰذا حرام ہے اور جس کے لئے اس کا پروں کو پھڑپھڑانے سے زیادہ پھیلانا واضح نہ ہو اسکو چاہیئے کہ علامات سہ گانہ کی طرف رجوع کرے۔

مسئلہ ۱۵: جو جانور اصالتاً حلال ہو وہ چند چیزوں کی بناء پر حرام ہو جاتا ہے، ان میں سے ایک وہ انسان کا فضلہ کھانے لگے اس طرح کہ فضلہ کو عرفاً اس کی غذا کہنا صحیح ہو۔ لیکن غیر انسان کا فضلہ اور دوسری نجاستیں کھانے کا یہ حکم نہیں۔ اور مذکورہ چیز اسی وقت متحقق ہوگی جب کہ حیوان کی غذا صرف پاخانے میں منحصر ہو، چنانچہ اگر اس کے علاوہ کچھ اور بھی کھاتا ہو تو اس کو فضلہ خور نہیں کہا جائے گا۔ اور وہ حرام نہ ہوگا۔ مگر یہ کہ اس کا فضلہ کے علاوہ کوئی چیز کھانا بطور ندرت ہو اور اس کو عرفاً نہ کھانے کے حکم میں شمار کیا جائے۔ اور یہ کہ ایک طویل عرصے تک فضلہ کھائے اور ظاہراً ایک شب و روز کا کھانا اس کے فضلہ خور ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ دو یا تین روز سے کم کی مدت بھی مشکوک ہے۔

مسئلہ ۱۶: فضلہ کھانے کا حکم ہر فضلہ خور حیوان کے لئے ہے حتیٰ پرندے اور مچھلی کو بھی شامل ہے۔

مسئلہ ۱۷: فضلہ خوری کی بناء پر جس طرح حیوان کا گوشت حرام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا دودھ اور انڈا بھی حرام ہو جاتا ہے۔ اور جس چیز سے گوشت حلال ہوتا ہے یہ بھی حلال ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ حیوان کہ جو کسی وجہ سے حرام ہو گیا ہے تو وہ استبرء (کہ جس کے ذریعہ عارض شدہ حرمت برطرف ہوتی ہے) سے پہلے وہی تمام احکام رکھتا ہے جو اصالتہً حرام حیوان کے ہیں۔ البتہ انہیں بعض حیوانات کے لئے حکم احتیاط پر مبنی ہے۔

مسئلہ ۱۸: ظاہراً حیوان کا فضلہ خور ہونا اس کے تزکیہ کیلئے مانع نہیں ہے۔ پس فضلہ خور حیوان کا تزکیہ اس چیز سے کیا جا سکتا ہے کہ جسکے ذریعہ غیر فضلہ خور حیوان کا تزکیہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کا گوشت و اسکی کھال ایسے ہی پاک ہو سکتی ہے جیسے بقیہ اصالتہً حرام و قابلِ تزکیہ حیوانات کے گوشت و اس کی کھالیں پاک ہوتی ہیں۔

بالأصل القابلة للتذكية.

مسألة ١٩ ـ تزول حرمة الجلال بالاستبراء بترك التغذي بالعذرة و التغذي بغيرها حتى يزول عنه اسم الجلل، و لا يترك الاحتياط مع زوال الاسم بمضي المدة المنصوصة في كل حيوان، و هي في الابل أربعون يوماً، و في البقر عشرون يوما، و الأحوط ثلاثون، و في الغنم عشرة أيام، و في البطة خمسة أيام، وفي الدجاجة ثلاثة أيام، و في السمك يوم و ليلة، و في غير ما ذكر المدار هو زوال اسم الجلل بحيث لم يصدق أنه يتغذى بالعذرة، بل صدق أن غذاءه غيرها.

مسألة ٢٠ ـ كيفية الاستبراء أن يمنع الحيوان بربط أو حبس عن التغذي بالعذرة في المدة المقررة، و يعلف في تلك المدة علفاً طاهراً على الأحوط و إن كان الاكتفاء بغير ما أوجب الجلل مطلقاً و إن كان متنجساً أو نجساً لا يخلو من قوة، خصوصاً في المتنجس.

مسألة ٢١ ـ يستحب ربط الدجاجة التي يراد أكلها أياماً ثم ذبحها ان لم يعلم جللها.

مسألة ٢٢ ـ ممّا يوجب حرمة الحيوان المحلل بالأصل أن يطأه الانسان قبلاً أو دبراً و إن لم ينزل، صغيراً كان الواطىء أو كبيراً، عالماً كان أو جاهلاً، مختاراً كان أو مكرهاً، فحلاً كان الموطوء أو أنثى، فيحرم بذلك لحمه ولحم نسله المتجدد بعد الوطء على الأقوى في نسل الأنثى و على الأحوط في نسل الذكر، و كذا لبنها و صوفها و شعرهما، والظاهر أن الحكم مختص بالبهيمة و لا يجري في وطء سائر الحيوانات لا فيها و لا في نسلها.

مسألة ٢٣ ـ الحيوان الموطوء إن كان ممّا يراد أكله كالشاة و البقرة و الناقة يجب أن يذبح ثم يحرق و يغرم الواطىء قيمته لمالكه إن كان غير المالك، و إن كان مما يراد ظهره حملاً أو ركوباً و ليس يعتاد أكله كالحمار و البغل و الفرس أخرج من المحل الذي فعل به الى بلد آخر فيباع فيه، فيعطى ثمنه للواطىء، و يغرم قيمته إن كان غير المالك.

مسئلہ ۱۹: فضلہ خور حیوان کی حرمت استبرے کے ذریعہ زائل ہو جاتی ہے۔ استبرا یعنی حیوان فضلہ کھانا ترک کردے اور اس کے علاوہ کوئی چیز کھانے لگے یہاں تک کہ اس کو فضلہ خور نہ کہا جائے لیکن فضلہ خور نہ کہے جانے کے ساتھ۔ ایک معین مدت (جس کی تصریح کی گئی ہے) کے گذر جانے کی احتیاط ترک نہیں کی جانی چاہیے۔ مثلاً اونٹ کے لئے چالیس روز، گائے کے لئے بیس روز اور احتیاطاً تیس روز میں ہے۔ بھیڑ کے لئے دس روز مرغابی کے لئے پانچ روز، مرغ کے لئے تین روز اور مچھلی کے لئے ایک روز و شب گذر جائیں، اور مذکورہ حیوانات کے علاوہ دیگر حیوانوں میں معیار اس کا فضلہ خور نہ کہا جانا ہے۔ اس طرح کہ اس کو فضلہ خور کہنا صحیح نہ ہو بلکہ اسے یہ کہا جائے کہ اس کی غذا غیر فضلہ ہے۔

مسئلہ ۲۰: کیفیتِ استبراء: یہ کہ حیوان کو باندھ کر یا مقید کر کے ایک معین مدت تک اس کو فضلہ کھانے سے باز رکھا جائے اور احتیاطاً اس مدت میں اس کو پاک غذا کھلائی جائے اگرچہ وہ تمام چیزیں کہ جو مطلقاً، فضلہ خور کہلانے کا موجب نہ ہو۔ چاہے وہ متنجس ہوں یا نجس، قوت سے خالی نہیں، خاص طور سے متنجس چیزیں۔

مسئلہ ۲۱: جب کسی مرغ کو کھانے کا ارادہ ہو تو مستحب ہے کہ اسے کچھ دنوں بند رکھا جائے پھر ذبح کیا جائے اس صورت میں کہ جب اسے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ فضلہ خور ہے۔

مسئلہ ۲۲: وہ چیزیں جو بالاصالہ حلال حیوان کی حرمت کی موجب ہیں ان میں سے ایک انسان کا اس حیوان کے پاخانہ یا پیشاب کے مقام میں بدفعلی کرنا ہے۔ اگرچہ انزال منی نہ کرے۔ اور چاہے بدفعلی کرنے والا چھوٹا ہو یا بڑا، عالم ہو یا جاہل۔ یہ عمل اختیاری ہو یا بصورتِ اکراہ۔ حیوان نر ہو یا مادہ اس فعل قبیح کے بعد اس حیوان کا گوشت اور اس کی اس نسل کا گوشت جو وطی کے بعد وجود میں آئی ہے بناء بر قول قوی نسل مادہ ہونے صورت میں اور بناء بر احتیاط نسل نر ہونے کی صورت میں حرام ہے اور اسی طرح ان کا دودھ، اون اور بال بھی حرام ہے۔ اور ظاہراً یہ حکم چوپایوں سے مختص ہے اور اگر دیگر حیوانات کے ساتھ بدفعلی کی جائے تو مذکورہ حکم نہ تو خود اس حیوان میں جاری ہوگا اور نہ ہی انکی نسل میں۔

مسئلہ ۲۳: بدفعلی شدہ حیوان اگر کھائے جانے والے حیوانوں سے ہو جیسے بھیڑ، گائے، اونٹ وغیرہ تو واجب ہے کہ اس کو ذبح کرنے کے بعد جلا دیا جائے اور بدفعلی کرنے والا شخص اس حیوان کا مالک نہ ہونے کی صورت میں اس کی قیمت اس کے مالک کو ادا کرے۔

اور اگر وہ ان حیوانات سے ہو کہ جس کی پشت اشیاء کے حمل و نقل اور سواری میں استعمال کی جاتی ہو اور عموماً لوگ اسے نہ کھاتے ہوں جیسے خچر، گدھا، گھوڑا تو ان کو جس جگہ یہ بدفعلی کی گئی وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے اور وہاں ان کو فروخت کیا جائے۔ اور اس کی قیمت بدفعلی کرنے والے کو دی جائے اور اگر وہ اس کا ملک نہ ہو تو وہ اس کی قیمت اس کے مالک کو ادا کرے۔

مسألة ٢٤ ـ مما يوجب عروض الحرمة على الحيوان المحلّل بالأصل أن يرضع حمل أو جدي أو عجل من لبن خنزيرة حتى قوي و نبت لحمه و اشتد عظمه، فيحرم لحمه و لحم نسله و لبنها، و لا تلحق بالخنزيرة الكلبة و لا الكافرة، و في تعميم الحكم للشرب من دون رضاع و للرّضاع بعد ما كبر وفطم إشكال و إن كان أحوط، و إن لم يشتد كره لحمه، و تزول الكراهة بالاستبراء سبعة أيام بأن يمنع عن التغذي بلبن الخنزيرة و يعلف إن استغنى عن اللبن، و إن لم يستغن عنه يلقى على ضرع شاة مثلاً في تلك المدة.

مسألة ٢٥ ـ لو شرب الحيوان المحلل الخمر حتى سكر و ذبح في تلك الحالة يؤكل لحمه لكن بعد غسله على الأحوط، و لا يؤكل ما في جوفه من الأمعاء و الكرش و القلب و الكبد و غيرها و إن غسل، ولو شرب بولاً ثم ذبح عقيب الشرب حل لحمه بلا غسل، و يؤكل ما في جوفه بعد ما يغسل.

مسألة ٢٦ ـ لو رضع جدي أو عناق أو عجل من لبن امرأة حتى فطم و كبر لم يحرم لحمه لكنه مكروه.

مسألة ٢٧ ـ يحرم من الحيوان المحلل أربعة عشر شيئاً: الدم و الروث و الطحال و القضيب و الفرج ظاهره و باطنه، و الأنثيان و المثانة و المرارة و النخاع و هو خيط أبيض كالمخ في وسط فقار الظهر، و الغدد، و هي كل عقدة في الجسد مدورة يشبه البندق في الأغلب، و المشيمة، وهي موضع الولد، و يجب الاحتياط عن قرينه الذي يخرج معه، و العلباوان، و هما عصبتان عريضتان صفراوان ممتدتان على الظهر من الرقبة الى الذنب، و خرزة الدماغ، و هي حبّة في وسط الدماغ بقدر الحمصة تميل الى الغبرة في الجملة يخالف لونها لون المخ الذي في الجمجمة، و الحدقة، و هي الحبة الناظرة من العين لا جسم العين كلّه.

مسألة ٢٨ ـ تختص حرمة الأشياء المذكورة بالذبيحة و المنحورة، فلا يحرم من السمك والجراد شيء منها ما عدا الرجيع و الدم على إشكال فيهما.

مسئلہ ۲۴: وہ چیزیں جو بالاصالہ حلال حیوان کی حرمت کا سبب بنتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر گائے یا بھیڑ و بکری کے بچے سور کا اتنا دودھ پئیں کہ قوی ہو جائیں اور ان کے گوشت میں اضافہ ہو جائے اور ہڈیاں محکم ہو جائیں تو ان کا اور ان کی آئندہ نسل کا گوشت و شیر دونوں ہی حرام ہو جائے گا۔ کافر اور کتیا سور کے حکم سے ملحق نہیں ہیں۔ اور اس حکم کی عمومیت میں اس صورت میں اشکال ہے کہ جب اس کو سور کا دودھ کسی اور چیز کے ذریعہ پلایا جائے یا تھن سے پئے مگر دودھ پینے کی عمر نہ ہو اور بڑا ہو چکا ہو۔ اگرچہ اس سے اجتناب بہتر ہے۔ اور اگر اس نے دودھ پینے کی عمر میں سور کا دودھ پیا ہے مگر اتنا نہیں کہ اس کی ہڈیاں اس سے مضبوط ہو گئی ہوں تو اس کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ اور یہ کراہت استبراء کے ذریعہ سات روز میں زائل ہو سکتی ہے۔ یعنی یہ کہ اس کو سور کا دودھ پینے سے باز رکھا جائے اور گھاس کھلائی جائے اس صورت میں کہ جب وہ دودھ سے بے نیاز ہو۔ لیکن اگر دودھ کی ضرورت ہو اسے بھیڑ وغیرہ کے تھن سے دودھ پلایا جائے۔

مسئلہ ۲۵: اگر حلال حیوان شراب پی لے اور مست ہو جائے اور اسی حالت میں اس کو ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے البتہ احتیاطاً اس کو دھونے کے بعد کھانا چاہیے۔ اور وہ حصے جو کہ اندرونی شمار ہوتے ہیں وہ دھونے کے بعد بھی نہیں کھائے جا سکتے جیسے آنتیں، اوجھڑی، کلیجی، دل وغیرہ۔ لیکن اگر وہ پیشاب پی لے تو اس کا گوشت بغیر دھلے حلال ہوگا۔ اور اس کے اندرونی حصے دھونے کے بعد کھائے جا سکتے ہیں۔

مسئلہ ۲۶: اگر گائے یا بھیڑ کا بچہ کسی عورت کا دودھ پیئے اور دودھ پی کر بڑا ہو جائے تو اس کا گوشت حرام نہ ہوگا مگر مکروہ ہے۔

مسئلہ ۲۷: حلال حیوان کی چودہ چیزیں حرام ہوتی ہیں۔

۱ــــ خون ۲ــــ فضلہ ۳ــــ تلی ۴ــــ آلہ تناسل

۵ــــ مادہ کا ظاہری و باطنی پیشاب کا مقام ۶ــــ خصتین ۷ــــ مثانہ ۸ــــ پتہ

۹ــــ حرام مغز (وہ سفید رگ جو ریڑھ کی ہڈی کے درمیان میں واقع ہوتی ہے) ۱۰ــــ غدود (جسم میں پائی جانے والی ہر وہ گرہ کہ جو گولی کے قسم کی ہوتی ہے) ۱۱ــــ بچہ دانی اور وہ چیز جو بچہ دانی کے ساتھ ہوتی اور اس کے ساتھ خارج ہوتی ہے اس سے احتیاط واجب ہے

۱۲ــــ وہ دونوں جوڑے پیلے پٹھے جو گردن سے لیکر دُم تک ریڑھ کی ہڈی کے دونوں طرف ہوتے ہیں ۱۳ــــ دماغ کا منکا (اس کا رنگ مائل بہ خاکی ہوتا ہے اور مغز کے رنگ سے تضاد رکھتا ہے ۱۴ــــ حدقہ چشم (یہ عبارت ہے اس دانہ سے جس سے دیکھا جاتا ہے نہ کہ آنکھ کا تمام حصہ۔

مسئلہ ۲۸: مذکورہ بالا اشیاء کی حرمت اس جانور سے متعلق و مختص ہے جس کو ذبح یا نحر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ اشیاء مچھلی اور ٹڈی میں سوائے فضلہ اور خون کے کچھ حرام نہ ہوگا جب کہ یہ دونوں مورد اشکال ہیں۔

مسألة ٢٩ ـ لا يترك الاحتياط بالاجتناب عن كل ما وجد من المذكورات في الطيور، كما لا إشكال في حرمة الرجيع والدم منها.

مسألة ٣٠ ـ يؤكل من الذبيحة غير ما مرّ، فيؤكل القلب و الكبد والكرش و الأمعاء و الغضروف و العضلات و غيرها، نعم يكره الكليتان و أذنا القلب و العروق خصوصاً الأوداج، و هل يؤكل منها الجلد والعظم مع عدم الضرر أم لا؟ أظهرهما الأول و أحوطهما الثاني، نعم لا إشكال في جلد الرأس و جلد الدجاج و غيره من الطيور، و كذا في عظم صغار الطيور كالعصفور.

مسألة ٣١ ـ يجوز أكل لحم ما حل أكله نيّاً و مطبوخا، بل و محروقاً إذا لم يكن مضراً، نعم يكره أكله غريضاً أي كونه طرياً لم يتغير بالشمس و لا النار ولابذر الملح عليه و تجفيفه في الظل و جعله قديداً.

مسألة ٣٢ ـ اختلفوا في حلية بول ما يؤكل لحمه كالغنم و البقر عند عدم الضرورة و عدمها، و الأول هوالأقوى، كما لا إشكال في حلية بول الابل للاستشفاء.

مسألة ٣٣ ـ يحرم رجيع كل حيوان ولو كان ممّا حل أكله، نعم الظاهر عدم حرمة فضلات الديدان الملتصقة بأجواف الفواكه و البطائخ و نحوها وكذا ما في جوف السمك والجراد إذا أكل معهما.

مسألة ٣٤ ـ يحرم الدم من الحيوان ذي النفس حتى العلقة عدا ما يتخلف في الذبيحة على إشكال فيما يجتمع منه في القلب والكبد، وأما الدم من غير ذي النفس فما كان ممّا حرم أكله كالوزغ و الضفدع فلا إشكال في حرمته، و ما كان مما حل أكله كالسمك الحلال ففيه خلاف، و الظاهر حليته إذا أكل مع السمك بأن أكل السمك بدمه، و أما إذا أكل منفرداً ففيه إشكال، و الأحوط الاجتناب من الدم في البيضة و إن كان طاهراً.

مسألة ٣٥ ـ قد مرّ في كتاب الطهارة طهارة ما لا تحله الحياة من الميتة حتى اللبن و البيضة اذا اكتست جلدها الأعلى الصلب و الانفحة، و هي كما أنها

مسئلہ ۲۹: احتیاط یہ ہے کہ پرندوں میں بھی مذکورہ چودہ اشیاء سے اجتناب کیا جائے اور اس احتیاط کو ترک نہ کیا جائے اور ان کے خون و فضلہ کی حرمت میں کوئی اشکال نہیں۔

مسئلہ ۳۰: ذبیحہ کی گذشتہ چودہ چیزوں کے علاوہ بقیہ چیزیں کھائی جاتی ہیں لہٰذا دل، کلیجی اوجھڑی، آنتیں، نرم ہڈی، عضلات وغیرہ کھائے جاسکتے ہیں البتہ گردے، گوشت قلب، رگیں، خصوصاً شاہ رگیں، ان سب کا کھانا مکروہ ہے۔

لیکن آیا جلد اور ہڈی۔ جب کہ موجب ضرر نہ ہو کھائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ دو قول ہیں قول اول اظہر اور قول دوم احوط ہے۔ البتہ سر کی جلد اور مرغ و دیگر پرندوں کی جلد کے کھانے میں کوئی اشکال نہیں ہے اور اسی طرح گوریے و دیگر چھوٹے پرندوں کی ہڈیوں کے کھانے میں بھی اشکال نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۱: وہ گوشت کہ جس کا کھانا حلال ہو اس کو ہر طرح سے کھانا جائز ہے چاہے پکا ہوا ہو یا کچا بلکہ جلے ہونے کے باوجود بھی کھانا جائز ہے۔ اگر موجب ضرر نہ ہو۔ البتہ تازہ گوشت کھانا بغیر اس کے کہ وہ سورج یا آگ یا نمک پاشی کے ذریعہ متغیر ہوا ہو یا اس کو سایہ میں خشک کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ ۳۲: وہ جانور کہ جن کا گوشت کھایا جاتا ہے جیسے بھیڑ، گائے وغیرہ ضرورت نہ ہوتے ہوئے اور اس کے حلال نہ ہوتے ہوئے ان کے پیشاب کے استعمال کے حلال ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ لیکن قولِ قوی یہ ہے کہ اس کا استعمال حلال ہے۔ جس طرح کہ اونٹ کے پیشاب کا استعمال بطورِ دوا حلال ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں۔

مسئلہ ۳۳: تمام حیوانات کا فضلہ حرام ہے چاہے وہ حلال گوشت ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ ان کیڑوں کا فضلہ جو پھلوں اور خربوزے وغیرہ کے درمیان ہوتے ہیں ظاہراً حرام نہیں ہے۔ اسی طرح وہ جو کہ مچھلی اور مڈی کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ اس صورت کہ وہ ان کے ساتھ کھایا جائے۔

مسئلہ ۳۴: خونِ جہندہ رکھنے والے حیوانات کا خون حتیٰ خونِ علقہ (لوتھڑا) بھی حرام ہے البتہ وہ خون جو اس میں ذبح ہونے کے بعد رہ گیا ہے پاک ہے۔ لیکن وہ خون جو ذبیحہ کی کلیجی اور دل میں جمع ہو موردِ اشکال ہے۔ اور وہ حیوانات جو خونِ جہندہ نہیں رکھتے لہٰذا اگر ان کا کھانا حرام ہو جیسے سوسمار و مینڈک وغیرہ تو بدونِ اشکال ان کا خون حرام ہے۔ لیکن اگر ان کا کھانا حلال ہو جیسے مچھلی تو اس کا خون موردِ اختلاف ہے اور ظاہراً اگر اس خون کو مچھلی کے ساتھ ہی کھایا جا رہا ہو حلال ہے۔ لیکن اگر اس کو بطورِ جداگانہ کھایا جائے تو اشکال رکھتا ہے اور احتیاط یہ ہے کہ وہ خون جو اس کے انڈے کے اندر ہو اس سے اجتناب کیا جائے اگرچہ وہ پاک ہے۔

مسئلہ ۳۵: کتاب طہارت میں گذر چکا ہے کہ مردار کی وہ چیزیں جس میں روح نہ ہو۔ حتیٰ دودھ اور انڈا (کہ جس کے اوپر سخت چھلکا ہو۔) تفصیلی پاک ہے اور یہ جس طرح پاک ہیں اسی طرح حلال بھی ہیں۔

طاهرة حلال أيضاً.

مسألة ٣٦ ـ لا إشكال في حرمة القيح و الوسخ و البلغم والنخامة من كل حيوان، و أما البصاق و العرق من غير نجس العين فالظاهر حليتهما خصوصاً الأول، و خصوصاً إذا كان من الانسان أو ممّا يؤكل لحمه من الحيوان.

القول في غير الحيوان

مسألة ١ ـ يحرم تناول الأعيان النجسة، و كذا المتنجسة ما دامت باقية على النجاسة، مائعة كانت أو جامدة.

مسألة ٢ ـ يحرم تناول كل ما يضر بالبدن، سواء كان موجباً للهلاك كشرب السموم القاتلة و شرب الحامل ما يوجب سقوط الجنين،أو سبباً لانحراف المزاج، أو لتعطيل بعض الحواس الظاهرة أو الباطنة، أو لفقد بعض القوى، كالرجل يشرب ما يقطع به قوة الباه و التناسل، أو المرأة تشرب ما به تصير عقيماً لا تلد.

مسألة ٣ ـ لا فرق في حرمة تناول المضر على الأقوى فيما يوجب التهلكة و على الأحوط في غيره بين معلوم الضرر و مظنونه، بل و محتمله أيضاً إذا كان احتماله معتداً به عند العقلاء بحيث أوجب الخوف عندهم. و كذا لا فرق بين أن يكون الضرر المترتب عليه عاجلاً أو بعد مدة.

مسألة ٤ ـ يجوز التداوي و المعالجة بما يحتمل فيه الخطر و يؤدي اليه أحياناً إذا كان النفع المترتب عليه حسب ما ساعدت عليه التجربة و حكم به الحذاق و أهل الخبره غالبياً، بل يجوز المعالجة بالمضر العاجل الفعلي المقطوع به إذا يدفع به ما هو أعظم ضرراً و أشدّ خطرا، و من هذا القبيل قطع بعض الأعضاء دفعاً للسراية المؤدية إلى الهلاك و بط الجرح،والكي بالنار، و بعض العمليات المعمولة في هذه الأعصار بشرط أن يكون الاقدام على ذلك جارياً مجرى العقلاء، بأن يكون المباشر للعمل حاذقاً محتاطاً مبالياً غير مسامح و لا متهور.

مسئلہ ۳۶: پیپ، میل کچیل، بلغم، کھنکار، یہ سب چیزیں چاہے جس حیوان کی ہوں ان کا کھانا بغیر کسی اشکال کے حرام ہے اور ظاہراً غیر نجس العین حیوانات کی رال و پسینہ خصوصاً رال، حلال ہے اور خاص کر۔ اگر یہ چیزیں انسان یا حلال گوشت جانور کی ہوں تو حلال ہیں۔

غیر حیوان

مسئلہ ۱: نجس چیزوں کا کھانا پینا حرام ہے۔ اور اسی طرح وہ اشیاء جو متنجس ہوں جب تک کہ ان میں نجاست باقی ہو اور وہ چاہے جامد ہوں یا سیال!

مسئلہ ۲: ہر وہ چیز جس کا کھانا بدن کے لئے موجب ضرر ہو حرام ہے۔ چاہے وہ موجب ہلاکت ہو جیسے مہلک زہر کا پینا یا موجب ہلاکت نہ ہو جیسے حاملہ عورت کا اس چیز کا پینا جو بچے کے ساقط ہونے کا موجب بنے۔ یا مزاج کے انحراف کا باعث ہو یا بعض ظاہری و باطنی حواس کے مختل ہونے کا سبب ہو۔ یا بعض قوتوں کے فقدان کا موجب ہو، جیسے مرد کا اس چیز کا پینا جو اس سے جنسی قوت سلب کر کے اسے نامرد بنا دے یا عورت کا اس چیز کا پینا جو اسے عقیم بنا دے تاکہ پھر وہ بچہ نہ جن سکے۔

مسئلہ ۳: بناء بر قول قوی مضر اشیاء جو موجب ہلاکت ہوں اور بناء بر احوط جو موجب ہلاکت نہ ہوں ان کے تناول کی حرمت میں ان کے ضرر کا علم ہونے یا گمان ہونے حتیٰ احتمال (کہ جس کو عقلاً تسلیم کرتے ہوں اور ان کے نزدیک موجب ترس و خوف ہو) کے درمیان کوئی فرق نہیں اور اسی طرح اس میں بھی کوئی فرق نہیں کہ اس کا ضرر فوراً مرتب ہو یا تاخیر کے ساتھ۔

مسئلہ ۴: اس چیز کے ذریعہ علاج کرنا جائز ہے جس سے خطرے کا احتمال ہو اور کبھی کبھی خطرہ پیدا کر دے۔ لیکن اس صورت میں کہ اہل فن و مہارت کے حکم کی بناء پر اس کا فائدہ زیادہ ہو بلکہ اس چیز کے ذریعہ بھی معالجہ کرنا جائز ہے۔ جس کا وقتی ضرر فوری اور قطعی ہو مگر اس صورت میں کہ اس کے ذریعہ اس سے عظیم ضرر اور شدید خطرہ دفع ہو جائے۔ چنانچہ بعض اعضائے جسم کا قطع کرنا یا زخم کو پھاڑنا و جلانا بھی اسی قبیل سے ہے تاکہ ہلاکت سے محفوظ رہا جا سکے اور اسی طرح زمانہ حاضر کے بعض آپریشن جو کئے جاتے ہیں بشرطیکہ یہ اقدام عقلا کی روش کے مطابق ہو۔ اس معنیٰ میں کہ آپریشن کرنے والا مہارت و احتیاط و توجہ کے ساتھ آپریشن کرے اور سستی سہل انگاری سے کام نہ لے۔

مسألة ٥ ـ ما كان يضر كثيره دون قليله يحرم كثيره المضر دون قليله غير المضر، ولو فرض العكس كان بالعكس، و كذا مايضر منفرداً لا منضماً مع غيره يحرم منفرداً، و ما كان بالعكس كان بالعكس.

مسألة ٦ ـ ما لا يضر تناوله مرة أو مرتين مثلاً لكن يضر إدمانه و زيادة تكريره و التعود به يحرم تكريره المضر خاصة.

مسألة ٧ ـ يحرم أكل الطين، و هو التراب المختلط بالماء حال بلته، و كذا المدر، و هو الطين اليابس، و يلحق بهما التراب على الاحوط و إن كان عدم الالحاق لا يخلو من قوة إلا مع إضراره، ولا بأس بما يختلط به الحنطة أو الشعير مثلاً من التراب والمدر و صارا دقيقاً و استهلك فيه، و كذا ما يكون على وجه الفواكه و نحوها من التراب و الغبار، وكذا الطين الممتزج بالماء ـ المتوحل ـ الباقي على إطلاقه، نعم لو أحس ذائقته الأجزاء الطينية حين الشرب فالأحوط الاجتناب إلى أن يصفو وإن كان الأقرب جواز شربه مع الاستهلاك .

مسألة ٨ ـ الظاهر أنه لا يلحق بالطين الرمل و الأحجار و أنواع المعادن فهي حلال كلها مع عدم الضرر.

مسألة ٩ ـ يستثنى من الطين طين قبر سيدنا أبي عبدالله الحسين عليه السلام للاستشفاء، و لا يجوز أكله لغيره، و لا أكل ما زاد عن قدر الحمصة المتوسطة، و لا يلحق به طين غير قبره حتى قبر النبي صلى الله عليه و آله و الأئمة عليهم السلام على الأقوى، نعم لا بأس بأن يمزج بماء أو شربة و يستهلك فيه و التبرك و الاستشفاء بذلك الماء و تلك الشربة.

مسألة ١٠ ـ ذكر لأخذ التربة المقدسة و تناولها عند الحاجة آداب و أدعية، لكن الظاهر أنها شروط كمال لسرعة الاجابة، لا شرط لجواز تناولها.

مسألة ١١ ـ القدر المتيقن من محل أخذ التربة هو القبر الشريف و ما يلحق به عرفاً، و الأحوط الاقتصار عليه، و أحوط منه استعمال الترب التي في هذه الأعصار ممزوجا بالماء أو غيره على نحو الاستهلاك ، بل لا يترك هذا الاحتياط إذا

مسئلہ ۵: وہ چیز جس کی کثرت موجب ضرر ہو وہ کثرت حرام ہو گی لیکن اس کی وہ قلت کہ جو مضر نہ ہو حرام نہ ہو گی اور اسی طرح اگر اس کے برعکس فرض کر لیا جائے تو حکم بھی برعکس ہو جائے گا۔ اور اسی طرح جب کوئی چیز انفرادی صورت میں مضر ہو نہ کہ کسی دوسری چیز سے مل کر تو وہ انفرادی صورت میں ہی حرام ہو گی اور اگر اس کے برعکس ہو تو حکم بھی برعکس ہو جائے گا۔

مسئلہ ۶: وہ چیز جس کا ایک یا دو مرتبہ استعمال موجب ضرر نہ ہو لیکن اس کے استعمال کی تکرار و عادت باعثِ ضرر ہو تو فقط تکرار حرام ہو گی۔

مسئلہ ۷: 'طین' کا کھانا حرام ہے۔ اس سے مراد گیلی مٹی ہے جب کہ وہ تر ہو۔ یہی حکم 'مدر' کا بھی ہے۔ جس سے مراد خشک مٹی ہے۔ اور "تراب" بھی ان دونوں کے ساتھ ملحق ہے۔ بربنائے احتیاط اگرچہ عدم الحاق قوت سے خالی نہیں۔ مگر اس وقت جبکہ وہ مضر ہو اور وہ مٹی یا مٹی کے چھوٹے ڈھیلے جو گندم و جو کے ساتھ مخلوط ہوں اور ان کے ساتھ پس دیئے جائیں اور ان میں مستہلک ہو جائیں ان میں کوئی اشکال نہیں۔ اور اسی طرح وہ مٹی بھی اشکال نہیں رکھتی جو پھل وغیرہ کے اوپر غبار بنکر جم جاتی ہے۔ یا جو پانی میں مخلوط ہوتی ہے اور اسکو اسطرح مٹیالا کر دیتی ہے کہ اسکو آب مطلق کہا جائے۔ لیکن اگر اسکو پیتے وقت مٹی کا ذائقہ محسوس ہو تو احتیاط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کرے یہاں تک کہ وہ تہہ میں بیٹھ جائے۔ اگرچہ اقرب یہ ہے کہ مستہلک ہو جانیکی صورت میں اسکا پینا جائز ہے۔

مسئلہ ۸: ظاہراً ریت، پتھر اور انواع معادن مٹی سے ملحق نہیں ہیں پس یہ سب کے سب مضر نہ ہونے کی صورت میں حلال ہیں۔

مسئلہ ۹: مٹی کے حکم سے ہمارے سرور و سردار ابو عبد اللہ امام حسین علیہ السلام کے قبر کی مٹی کا شفاء کے لئے استعمال مستثنیٰ ہے البتہ شفاء کے علاوہ یا شفا ہی کے لئے ایک متوسط چنے کی مقدار سے زیادہ کا استعمال جائز نہیں ہے اور امام حسین علیہ السلام کی قبر کے علاوہ دیگر ائمہ علیہم السلام حتیٰ نبی اکرم صلی اللہ وآلہ وسلم کی قبر کی مٹی بھی اقویٰ یہ ہے کہ اس حکم سے ملحق نہیں ہے۔ البتہ اگر ان حضرات کی قبر کی مٹی پانی میں مخلوط ہو کر اس میں مستہلک ہو جائے تو اس پانی کو شفاء یا تبرک کے طور پر پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۰: سید الشہداء علیہ السلام کی قبر سے خاکِ شفاء حاصل کرتے اور اس کو وقت ضرورت کھانے کے آداب میں دعائیں مذکور ہیں۔ لیکن ظاہراً یہ درگاہِ الٰہی میں فوری اجابت کیلئے شرط کمال ہے نہ یہ کہ خاکِ شفاء کے کھانے کیلئے شرط جواز ہے۔

مسئلہ ۱۱: خاکِ شفاء کے حاصل کرنے کی قدر متیقن جگہ وہی قبر شریف اور عرفاً اس سے ملحق اشیاء ہیں اور احتیاط یہ ہے کہ اسی پر اکتفا کیا جائے۔ اور مزید احتیاط یہ ہے کہ وہ خاکِ شفاء جو آج کل استعمال کی جاتی ہے اس کو پانی وغیرہ میں مخلوط کر دیا جائے اس طرح کہ وہ اس میں گھل مل جائے بلکہ یہ احتیاط اس وقت ترک نہیں ہونی چاہیئے جب کہ وہ گارے یا ڈھیلے کی شکل میں ہو۔ لہٰذا جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا کہ مٹی کی حرمت مطلق نہیں ہے اور حائر شریف اور اس کے ایک میل تک بلکہ اس سے

كان المأخوذ طيناً أو مدراً. نعم بناء على ما قدمناه من عدم حرمة التراب مطلقا لا بأس بأخذه للاستشفاء من الحائر وغيره إلى رأس ميل، بل أزيد مما اشتملت عليه الأخبار بقصد الرجاء، و لا يحرم تناوله، لكن لا ينبغي ترك الاحتياط.

مسألة ١٢ - تناول التربة المقدسة للاستشفاء إما بازدرادها و ابتلاعها و إما بحلها في الماء و شربه أو بأن يمزجها بشربة و يشربها بقصد الشفاء.

مسألة ١٣ - لو أخذ التربة بنفسه أو علم من الخارج بأن هذا الطين من تلك التربة المقدسة فلا إشكال، و كذا إذا قامت على ذلك البينة، بل الظاهر كفاية قول عدل واحد بل شخص ثقة، و في كفاية قول ذي اليد إشكال، و الأحوط في غير صورة العلم و قيام البينة تناولها بالامتزاج بماء أو شربة بعد استهلاكها.

مسألة ١٤ - لا يبعد جواز تناول طين الأرمني للتداوي، و لكن الأحوط عدم تناوله إلا عند انحصار العلاج أو ممزوجاً بماء و نحوه بحيث لا يصدق معه أكل الطين.

مسألة ١٥ - يحرم الخمر بالضرورة من الدين بحيث يكون مستحلها في زمرة الكافرين مع الالتفات إلى لازمه أي تكذيب النبي صلى الله عليه و آله و العياذ بالله، و قد ورد في الأخبار التشديد العظيم في تركها، و التوعيد الشديد في ارتكابها، و عن الصادق عليه السلام «أن الخمر أم الخبائث و رأس كل شر، يأتي على شاربها ساعة يسلب لبه فلا يعرف ربه، و لا يترك معصية إلاركبها، و لا يترك حرمة إلا انتهكها، و لا رحماً ماسة إلا قطعها، و لا فاحشة إلا أتاها» و قد ورد «أن رسول الله صلى الله عليه و آله لعن فيها عشرة: غارسها و حارسها و عاصرها و شاربها و ساقيها و حاملها و المحمول إليه و بائعها و مشتريها و آكل ثمنها» بل نص في بعض الأخبار أنه أكبر الكبائر و في أخبار كثيرة أن «مدمن الخمر كعابدوثن» و قد فسر المدمن في بعض الأخبار بأنه ليس الذي يشربها كل يوم و لكنه الموطن نفسه أنه إذا وجدها شربها، هذا مع كثرة المضار في شربها التي إكتشفها حذاق الأطباء في هذه الأزمنة و أذعن بها المنصفون من غير ملتنا.

بھی زیادہ کہ جن کو احادیث بیان کرتی ہیں شفاء کے لئے رجاء کی نیت سے حاصل کیا جائے اور اس کا کھانا حرام نہیں ہے۔ لیکن احتیاط کا ترک کرنا بھی سزاوار نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۲: خاکِ شفاء کو بطورِ شفاء تناول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یا تو اسے منہ میں رکھ کر نگل جائے یا پھر پانی یا شربت میں مخلوط کر کے شفاء کے قصد کے ساتھ پی جائے۔

مسئلہ ۱۳: اگر کوئی شخص خود خاکِ مقدس حاصل کرے یا اُسے علم ہو کہ یہ مٹی تربتِ مقدس سے ہے۔ تو اس کے استعمال میں کوئی اشکال نہیں اور اسی طرح اگر کوئی شہادت اس کے خاکِ شفاء ہونے پر موجود ہو تو استعمال کے لئے کافی ہے بلکہ ظاہراً ایک عادل یا مورد اطمینان شخص کی گواہی بھی کفایت کرے گی۔ لیکن اس کے مالک کے قول پر اعتماد کرنے میں اشکال ہے اور جب نہ علم ہو اور نہ ہی شہادت موجود ہو تو احتیاط یہ ہے کہ جب وہ پانی میں مخلوط ہو کر گھُل مل جائے تب اس کا استعمال کیا جائے۔

مسئلہ ۱۴: شفاء کے لئے "ارمنی" مٹی کے استعمال کا جائز ہونا بعید نہیں ہے لیکن اگر شفاء اس پر منحصر نہ ہو یا وہ پانی کے ساتھ اس طرح نہ ملی ہو کہ اس پر مٹی کھانے کا اطلاق ہوتا ہو تو احتیاط یہ ہے کہ اس کے تناول سے پرہیز کرے۔

مسئلہ ۱۵: حرمت شراب ضروریاتِ دین میں سے ہے اور اگر کوئی شراب کو حلال سمجھے جبکہ وہ اس بات کیطرف ملتفت ہو کہ اسکا لازم تکذیب پیغمبرؐ ہے تو وہ کافر کے زمرے میں شمار ہوگا (العیاذ باللہ) اور روایات میں اسکو ترک کرنے کیلئے شدت سے تاکید کی گئی ہے اور اس کے ارتکاب پر سخت عذاب بیان کیا گیا ہے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں (ان الخمر اُم الخبائث ورأس کل شر) شراب برائیوں کی بنیاد اور ہر فتنے کی جڑ ہے۔ اور اس کے پینے والے پر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ اس کی عقل زائل ہو جاتی ہے اور نتیجتہً وہ اپنے پروردگار سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اور کسی بھی معصیت کو ترک نہیں کرتا مگر یہ کہ اس کا مرتکب نہ ہو۔ کسی بھی حرمت کو باقی نہیں رکھتا مگر یہ کہ ہتک نہ کرے کوئی رحم روا نہیں رکھتا مگر یہ کہ اسے قطع نہ کرے۔ کوئی عمل زشت نہیں جسے وہ بجا نہ لاتا ہو۔ اور جیسا کہ روایت میں وارد ہوا ہے کہ رسولِ خداؐ نے اس کے بارے میں دسؔ آدمیوں پر لعنت کی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔ شراب کے لئے پودا لگانے والا۔ ۲: پودے کی حفاظت کرنے والا ۳: اس سے شراب کشید کرنے والا ۴: اسکو پینے والا ۵: اس کو پلانے والا ۶: اس کو لے جانے والا ۷: جسکے لئے لے جائی گئی ہو۔ ۸: اس کو بیچنے والا ۹: خریدنے والا ۱۰: اس کا پیسہ استعمال کرنے والا۔ بلکہ بعض احادیث میں تصریح کی گئی ہے کہ یہ عظیم گناہِ کبیرہ ہے۔ اور زیادہ تر روایات میں آیا ہے کہ (مدمن الخمر کعابد وثن) ہمیشہ شراب پینے والا مثلِ بُت پرست ہے اور بعض اخبار میں مدمن کی تفسیر اس طرح کی ہے "مدمن وہ شخص نہیں ہے جو روزانہ شراب پیئے بلکہ وہ ہے جس کی طبیعت میں آمادگی ہو اور اسے جب بھی شراب دستیاب ہو پی لے"۔

اس کے شراب خوری کے اور بھی بہت سے نقصانات ہیں جن کا انکشاف موجودہ زمانے کے اطباء نے کیا ہے اور مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام عالم کے انصاف پسند افراد نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے۔

مسألة ١٦ ـ يلحق بالخمر موضوعاً أو حكماً كل مسكر جامداً كان أو مائعاً، و ما أسكر كثيره دون قليله حرم قليله و كثيره، ولو فرض عدم إسكارها في بعض الطباع أو بعض الأصقاع أو مع العادة لا يوجب ذلك عدم حرمتها.

مسألة ١٧ ـ لو انقلبت الخمر خلاً حلت سواء كان بنفسها أو بعلاج، بدون مزج شيء بها أو معه، سواء استهلك الخليط فيها قبل أن تنقلب خلاً كما إذا مزجت بقليل من الملح أو الخل فاستهلكا فيها ثم انقلبت خلاً أو لم يستهلك بل بقي فيها الى ما بعد الانقلاب لكن بشرط أن يكون الخلط للعلاج و بمقدار متعارف، و أما مع الزيادة عنه فحل إشكال، بل مع الغلبة فالأقوى حرمتها و نجاستها، و يطهر الممتزج المتعارف الباقي بالتبعية كما يطهر بها الاناء.

مسألة ١٨ ـ و من المحرمات المائعة الفقاع إذا صار فيه نشيش و غليان و إن لم يسكر، و هو شراب معروف كان في الصدر الأول يتخذ من الشعير في الأغلب، و ليس منه ماء الشعير المعمول بين الأطباء.

مسألة ١٩ ـ يحرم عصير العنب إذا نش و غلى بنفسه أو غلى بالنار، و أما العصير الزبيبي و التمري فيحلان إن غليا بالنار، و كذا إن غليا بنفسهما إلا إذا ثبت إسكارهما، والظاهر أن الغليان بالشمس كالغليان بالنار، فله حكمه.

مسألة ٢٠ ـ الظاهر أن الماء الذي في جوف حبة العنب بحكم عصيره، فيحرم إذا غلى بنفسه أو بالنار، نعم لا يحكم بحرمته ما لم يحرز غليانه، فلو وقعت حبة من العنب في قدر يغلي وهي تعلو و تسفل في الماء المغلي فلا تحرم ما لم يعلم بغليانه، و بمجرد ما ذكر لا يوجب غليان جوفها.

مسألة ٢١ ـ من المعلوم أن الزبيب ليس له عصير في نفسه، فالمراد بعصيره ما اكتسب منه الحلاوة، إما بأن يدق و يخلط بالماء و إما بأن ينقع في الماء و يمكث إلى أن يكتسب حلاوته بحيث صار في الحلاوة بمثابة عصير العنب، و إما بأن يمرس و يعصر بعد النقع فيستخرج عصارته، و أما اذا كان الزبيب على حاله و حصل في جوفه ماء فالظاهر أن ما فيه ليس من عصيره، فلا يحرم بالغليان ولو

مسئلہ ۱۶: ہر نشہ آور چیز چاہے وہ منجمد ہو یا سیال موضوع و حکم دونوں ہی لحاظ سے وہ شراب سے ملحق ہیں۔ اور وہ چیز کہ جس کا کافی مقدار میں استعمال نشہ آور ہو نہ کہ تھوڑا سا استعمال اس کی قلت و کثرت دونوں حرام ہیں۔ اور اگر بعض مزاجوں یا بعض مناطق کے لوگوں پر یا کثیر استعمال کے باعث نشہ آور اشیاء کے استعمال سے مستی نہ طاری ہو تو یہ چیزیں اس کے حرام نہ ہونے کا موجب نہ ہوں گی۔

مسئلہ ۱۷: اگر شراب سرکہ میں تبدیل ہو جائے تو حلال ہو گی اور یہ تبدیلی چاہے خود بخود ہو یا کسی چیز کے ذریعہ کی گئی ہو۔ چاہے کسی چیز کی آمیزش کے ذریعہ کی گئی ہو یا بدون آمیزش۔ چاہے شراب کے سرکہ ہونے سے پہلے کوئی چیز اس میں گھول دی گئی ہو۔ جیسے یہ کہ اس میں تھوڑا سا نمک یا سرکہ ملا دیا گیا ہو اور وہ شراب میں گھل مل جائے اور پھر وہ سرکہ ہو جائے یا اس میں ملائی ہوئی چیز نہ گھلے بلکہ شراب کے سرکہ ہونے کے بعد بھی ویسے ہی باقی رہے لیکن شرط یہ ہے کہ آمیزش علاج کے لئے کی گئی ہو اور وہ اندازۂ عرفی سے خارج نہ ہو اور اگر معمول سے زیادہ ہو تو مورد اشکال ہے بلکہ اگر آمیزش شدہ چیز کا غلبہ ہو تو بنا بر قول قوی نجس و حرام ہو گی۔ اور آمیزش شدہ وہ چیز جو مقدار عرفی کے مطابق تھی باقی ہونے کی صورت میں وہ بھی شراب کی تبعیت میں پاک ہو جائے گی۔ جس طرح اس کا برتن پاک ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۱۸: اگر "فقاع" (جَو کی شراب) کو اُبال دیا جائے تو وہ حرام ہو جائے گی اگرچہ نشہ آور نہ ہو۔ فقاع بہت ہی معروف شراب ہے جو پہلے زمانے میں غالباً جَو سے کشید کی جاتی تھی۔ اور وہ جَو کا پانی جو اطباء استعمال کرتے ہیں وہ فقاع نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۹: اگر عرقِ انگور میں اُبال آ جائے چاہے وہ خود بخود آیا ہو یا آگ کے ذریعہ وہ حرام ہو جائیگا لیکن اگر عرق کشمش یا خرما میں آگ کے ذریعہ اُبال آ جائے تو وہ حلال ہے۔ اور اسی طرح اس وقت بھی حلال ہے جبکہ اس میں خود بخود اُبال آیا ہو۔ مگر یہ کہ اس کا نشہ آور ہونا ثابت ہو۔ اور ظاہراً سورج کے ذریعہ اُبال آنا آگ کے ذریعہ اُبال آنے کی طرح ہے۔ پس یہ بھی اسی کا حکم رکھتا ہے۔

مسئلہ ۲۰: وہ پانی جو انگور کے دانہ کے خالی حصہ میں ہوتا ہے ظاہراً وہ بھی اس کے عرق کے حکم میں ہے لہٰذا اگر اسمیں خود بخود یا آگ کے ذریعہ اُبال آ جائے تو وہ حرام ہو جائے گا۔ البتہ اس وقت تک اس پر حرمت کا حکم صادق نہ آئے گا جب تک کہ اس میں اُبال آنا یقینی نہ ہو۔ بنا بر ایں اگر ایک دانہ انگور ابلتی ہوئی پتیلی میں پڑ جائے اور پانی کے ساتھ اُوپر نیچے ہونے لگے تو جب اس کا اُبل جانا معلوم نہ ہو حرام نہ ہوگا۔ صرف اس کا گر جانا اس کے حرام ہونے کا سبب نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۱: اور یہ تو واضح سی بات ہے کہ تن تنہا کشمش میں کوئی عرق نہیں ہوتا بلکہ عرق کشمش سے وہ پانی مقصود ہے جس میں کشمش کی مٹھاس آگئی ہو۔ اور یہ یا تو اس کو کوٹ کر پانی ملانے کے ذریعہ آئی ہو یا اس کو ایک مدت تک پانی میں بھیگا کر چھوڑ دیئے جانے کے ذریعہ آئی ہے۔ اور وہ ایسے ہی میٹھا ہو جاتا ہے جیسے عرق انگور ہوتا ہے۔ یا پھر اس کو پانی میں گھونٹنے کے بعد نچوڑنے کے ذریعہ آتی ہے۔ لیکن اگر کشمش اپنی حالت پر باقی رہے اور اس کے اندر اس کے اندر خالی حصہ میں پانی موجود ہو تو ظاہراً وہ عرق شمار نہ ہو گا۔ لہٰذا وہ اُبلنے سے حرام نہ ہوگا۔

قلنا بحرمة عصيره المغلي، فلا إشكال فيما وضع في طبيخ أو كبة أو محشي و نحوها و إن ورد فيه ماء و غلى فضلاً عما إذا شك فيه.

مسألة ٢٢ ـ الظاهر أن ما غلى بنفسه من أقسام العصير الذي قلنا بحرمته لا تزول حرمته إلا بالتخليل كالخمر، حيث انها لا تحل إلا بانقلابها خلاً، و لا أثر فيه لذهاب الثلثين، وأما ما غلى بالنار و نحوها فتزول حرمته بذهاب ثلثيه، و الأحوط أن يكون ذلك بالنار أو بما يغليه، لا بالهواء و طول المكث، نعم لا يلزم أن يكون ذهاب الثلثين في حال غليانه، بل يكفي ذلك إذا كان مستنداً إلى النار ولو بضميمة ما ينقص منه بعد غليانه قبل أن يبرد، فلو كان العصير في القدر على النار وقد غلى حتى ذهب نصفه ثلاثة أسداسه ثم وضع القدر على الأرض فنقص منه قبل أن يبرد بسبب صعود البخار سدس آخر كفى في الحلية.

مسألة ٢٣ ـ إذا صار العصير المغلي دبساً قبل أن يذهب ثلثاه لا يكفي في حليته على الأحوط.

مسألة ٢٤ ـ إذا اختلط العصير بالماء ثم غلى فذهب ثلثا المجموع ففي الحلية إشكال إلا إذا علم بذهاب ثلثي العصير.

مسألة ٢٥ ـ لو صب على العصير المغلي قبل أن يذهب ثلثاه مقدار من العصير غير المغلي وجب ذهاب ثلثي مجموع ما بقي من الأول مع ما صب ثانياً، و لا يحسب ما ذهب من الأول أولاً، فاذا كان في القدر تسعة أرطال من العصير فغلى حتى ذهب منه ثلاثة و بقي ستة ثم صب عليه تسعة أرطال أخر فصار خمسة عشر يجب أن يغلي حتى يذهب عشرة و يبقى خمسة، و لا يكفي ذهاب تسعة و بقاء ستة، لكن أصل هذا العمل خلاف الاحتياط، فالأحوط أن يطبخ كل على حدة و إن كان لما ذكرنا وجه.

مسألة ٢٦ ـ لا بأس بأن يطرح في العصير قبل ذهاب الثلثين مثل اليقطين و السفرجل و التفاح و غيرها و يطبخ فيه حتى يذهب ثلثاه فاذا حلّ حلّ ما طبخ فيه، لكن إذا كان المطروح مما يجذب العصير الى جوفه فلابد في حليته من

اگرچہ ہم نے کہا ہے کہ اُبلا ہوا عرقِ کشمش حرام ہے۔ بنا بر این وہ کشمش جو چاول و کباب دلمہ وغیرہ میں ڈالی جاتی ہے کہیں کوئی اشکال نہیں۔ اگرچہ اسمیں پانی پہنچ جائے اور اُبال آجائے اور اس کے مشکوک ہونیکی صورتمیں بطریق اولیٰ اشکال نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۲: جیسا کہ ہم نے کہا ہے وہ عروق کہ جسمیں خود بخود اُبال آگیا ہو حرام ہیں۔ اور انکی حرمت اس وقت تک برطرف نہیں ہوتی جبتک کہ وہ شراب کیطرح سرکہ میں تبدیل نہ ہو جائیں اس لیئے کہ شراب فقط اس وقت حلال ہوتی ہے جب سرکہ میں تبدیل ہو جائے اور اس خود بخود اُبال آنے میں دو تہائی حصّہ کے ختم ہو جانے سے کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن وہ عرق کہ جس میں آگ وغیرہ کے ذریعہ اُبال آیا ہو تو اس دو تہائی حصّہ ختم ہو جانے سے حرمت برطرف ہو جائے گی۔ اور احتیاط یہ ہے کہ اس دو تہائی حصّہ کو آگ یا اسی کی طرح کسی اُبالنے والی چیز سے ختم کرے نہ کہ ہوا یا اس کو زیادہ دنوں تک رکھ کر۔ البتہ دو تہائی حصّہ ختم ہونے کیلئے یہ لازم نہیں ہے کہ اُبلنے کی صورت حالت میں ہی ختم ہو بلکہ اگر اسکی نسبت آگ کی طرف ہو ولو اس میں اُبالنے کے بعد اور سرد ہونے سے پہلے کی کمی کا بھی ضمیمہ ہو۔ بنا بر این اگر عرقِ انگور کسی پتیلی میں ہو اور اس میں آگ پر ہونے کی وجہ سے اُبال آئے یہاں تک کہ اس میں سے $\frac{1}{2}$ حصّہ جل جائے اور پھر اس کو آگ پر سے اُتارے اور اس کے ٹھنڈا ہونے تک اس کا دوسرا $\frac{1}{6}$ حصّہ بھی بخارات کے ساتھ ختم ہو جائے تو اس کے حلال ہونے کے لئے کفایت کرے گا۔

مسئلہ ۲۳: اگر اُبلتے ہوئے انگور کے عرق کا دو تہائی حصّہ ختم ہونے سے پہلے ہی عرق شیرہ ہو جائے تو یہ بنا بر احتیاط اس کے حلال ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۴: اگر انگور کا عرق پانی کے ساتھ مخلوط ہو جائے اور پھر اُبالنے کے ذریعہ اس کا دو تہائی حصّہ ختم کر دیا جائے تو اس کے حلال ہونے میں اشکال ہے مگر یہ کہ معلوم ہو کہ وہ دو تہائی حصّہ جو ختم ہوا ہے وہ انگور ہی کا تھا۔

مسئلہ ۲۵: اگر بغیر اُبلا عرقِ انگور اُبلتے ہوئے عرقِ انگور اس کے دو تہائی حصّے کے جلنے سے پہلے ملا دیا جائے تو دونوں کے مجموعے سے دو تہائی حصّہ کا جلنا ضروری ہے اور وہ حصّہ جو دوسرے کے مخلوط ہونے سے پہلے جلا ہے وہ محسوب نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر کسی پتیلی میں ۹ رطل کی مقدار میں عرقِ انگور اُبل رہا ہو اور اس میں سے ۳ رطل جل چکا ہو اور صرف ۶ رطل بچا ہو اور پھر ۹ رطل کی مقدار میں دوسرا عرقِ انگور اسمیں مل جائے تو مجموعاً اسکی مقدار ۱۵ رطل ہو جائیگی تو واجب ہے کہ اُبالنے کے ذریعہ اس میں سے دس رطل کی مقدار کے برابر جل جائے اور پانچ رطل باقی بچے اور اگر ۹ رطل جل جائے اور چھ رطل باقی بچے تو اس ۹ رطل کا جلنا اس کے حلال ہونے کے لئے کفایت نہ کرے گا۔ اور البتہ دراصل یہ عمل خلافِ احتیاط ہے۔ لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ دونوں کو الگ الگ اُبالا جائے اگرچہ وہ جس کا ہم نے ذکر کیا وجہ سے خالی نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۶: عرقِ انگور میں اسکے دو تہائی حصّے کے جلنے سے پہلے کدو یا سیب و گلابی وغیرہ جیسی کوئی چیز ڈال کر اس کے دو تہائی حصّے کے جلنے تک پکانے میں کوئی اشکال نہیں ہے لہٰذا جب عرقِ انگور حلال ہوگا تو اس میں جو چیز پکی ہے وہ بھی حلال ہوگی۔ البتہ وہ چیز جو عرقِ انگور میں ڈالی گئی ہے اگر وہ ان اشیاء میں سے ہو جو عرق کو جذب کرتی ہوں تو ان کے حلال میں اس جذب شدہ حصّہ سے بھی دو تہائی کا جلنا لازمی ہے۔

ذهاب ثلثي ما في جوفه أيضاً.

مسألة ٢٧ ـ يثبت ذهاب الثلثين من العصير المغلي بالعلم و بالبيّنة و باخبار ذي اليد المسلم، بل و بالأخذ منه إذا كان ممن يعتقد حرمة ما لم يذهب ثلثاه، بل و إذا لم يعلم اعتقاده أيضاً، نعم إذا علم أنه ممن يستحل العصير المغلي قبل أن يذهب ثلثاه مثل أن يعتقد أنه يكفي في حليته صيرورته دبساً أو اعتقد أن ذهاب الثلثين لا يلزم أن يكون بالنار بل يكفي بالهواء و طول المكث أيضاً ففي جواز الاستئمان بقوله إذا أخبر عن حصول التثليث خلاف و إشكال، و أولى بالاشكال جواز الأخذ منه و البناء على أنه طبخ على الثلث إذا احتمل ذلك من دون تفحص عن حاله، فالأحوط الاجتناب عنه و عدم الاعتماد بقوله و عدم البناء على تثليث ما أخذ منه، بل لا يخلو من قوة.

مسألة ٢٨ ـ يحرم تناول مال الغير و إن كان كافراً محترم المال بدون إذنه و رضاه، و لابد من إحراز ذلك بعلم و نحوه، و قد ورد «من أكل من طعام لم يدع اليه فانّما أكل قطعة من النار».

مسألة ٢٩ ـ يجوز أن يأكل الانسان ولو مع عدم الضرورة من بيوت الآباء و الأمهات و الأولاد و الاخوان و الأخوات والأعمام والعمات والأخوال و الخالات و الأصدقاء، وكذا الزوجة من بيت زوجها، و كذا يجوز لمن كان وكيلاً على بيت أحد مفوضاً اليه أموره و حفظه بما فيه أن يأكل من بيت موكله، و انما يجوز الأكل من تلك البيوت إذا لم يعلم كراهة صاحب البيت، فيكون امتيازها، عن غيرها بعدم توقف جواز الأكل منها على إحراز الرضا و الاذن من صاحبها،فيجوز مع الشك بل مع الظن بالعدم أيضاً على الأقوى، لكن لا ينبغي ترك الاحتياط خصوصاً مع غلبته، و الأحوط اختصاص الحكم بما يعتاد أكله من الخبز و التمر و الادام و الفواكه و نحوها دون نفائس الأطعمة التي تدخر غالباً لمواقع الحاجة و للأضياف ذوي الشرف و العزة، و الظاهر التعدية الى غير المأكول من المشروبات العادية كاللبن المخيض و اللبن الحليب و غيرها، و لا

مسئلہ ۲۷: عرقِ انگور کے دو تہائی حصّہ کا جلنا علم و شہادت و مسلمان صاحب مال کی خبر سے ثابت ہوتا ہے بلکہ اگر وہ مسلمان ان افراد سے ہو کہ جو عرقِ انگور کے دو تہائی حصّے کے جلنے سے پہلے اس کو حرام جانتے ہوں تو صرف اس سے لینے کی بنا پر حلال ہوگا بلکہ اگر اس کا اعتقاد معلوم نہ بھی ہو۔ لیکن اگر وہ ان افراد سے ہو کہ جو اس کے دو تہائی حصّہ کے جلنے سے پہلے اس کو حلال جانتے ہوں جیسے اس بات کے معتقد ہوں کہ عرقِ انگور کا شیرہ ہو جانا۔ اس کے حلال ہونے کے لئے کفایت کرتا ہے۔ یا دو تہائی حصّہ کا آگ ہی کے ذریعہ جلنا لازمی نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہوا یا دراز مدّت تک رکھنے کے ذریعہ بھی اسکا دو تہائی حصّہ جل جائے تو بھی کافی ہے۔ تو اس کے قول پر اعتماد کرنے میں (اس صورت میں کہ جب وہ تہائی حصّہ کے جل جانے کا اقرار کرے) اشکال و اختلاف ہے۔ اور ایسے شخص سے لینا اور یہ فرض کرنا کہ اس نے دو تہائی کی بنیاد پر جلایا ہے اس صورت میں کہ جب احتمال ہو اور بغیر جستجو و تلاش کے اس سے لینا کہیں زیادہ اشکال رکھتا ہے۔ لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے اور اس کے قول پر اعتماد نہ کیا جائے اور جو کچھ اس سے حاصل کیا گیا ہے اس کے دو تہائی حصّہ کا جلنا فرض نہ کیا جائے بلکہ یہ قوت سے خالی نہیں۔

مسئلہ ۲۸: دوسرے کا مال کھانا حرام ہے اگرچہ وہ کافر ہی۔ کیوں نہ ہو کہ جس کا مال محترم ہے۔ اور صرف اس صورت میں جائز ہے کہ اس کی اجازت ہو اور رضایت کا یقین علم وغیرہ کے ذریعہ ہو۔ حدیث میں وارد ہوا کہ اگر کوئی شخص وہ کھانا کھائے کہ جس کی اسے دعوت نہ دی گئی ہو تو درحقیقت اس نے آگ کا ایک ٹکڑا کھایا۔

مسئلہ ۲۹: چاہے انسان کو ضرورت نہ ہو مگر پھر بھی اس کے لئے ماں باپ، بیٹے، بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ و احباب کے گھر سے بغیر اجازت کھانا جائز ہے۔ اسی طرح زوجہ کا اپنے شوہر کے گھر سے اور وہ شخص کہ جو کسی کے گھر کا وکیل ہے اور اس کے امور کی نگہداشت و نگرانی کرتا ہے اور جو کچھ اس گھر میں ہے اس کے ذمّہ ہے۔ اپنے موکل کے گھر سے ان کی اجازت کے بغیر کھانا جائز ہے البتہ یہ جواز اس صورت میں ہے کہ جب اس امر میں صاحبِ خانہ کی طرف سے کراہت معلوم نہ ہو۔ لہٰذا ان دونوں اور دوسرے گھروں میں امتیاز یہ ہے کہ ان دونوں سے کھانے کا جواز صاحبِ خانہ کی اجازت و رضایت کے علم پر متوقف نہیں ہے۔ پس بنا بر قولِ قوی جبکہ رضایت میں شک ہو یا عدم رضایت کا گمان ہو تو بھی جائز ہے۔ لیکن ترکِ احتیاط سزاوار نہیں ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ ظن، ظن غالب ہو اور احتیاطاً جواز کا حکم صرف ان چیزوں سے مخصوص ہو جائے گا جو عموماً کھائی جاتی ہیں۔ جیسے خرما، روٹی، روغن، پھل وغیرہ اور وہ نفیس غذائیں جو وقتِ ضرورت اور صاحبِ جاہ و عزت مہمانوں کے لئے ہوتی ہیں وہ اس حکم جواز سے خارج ہیں۔ اور ظاہراً خوردنی اشیاء کے علاوہ پینے کی چیزیں مثلاً دودھ، لسی وغیرہ کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان مذکورہ دونوں گھروں کے علاوہ یا ان گھروں کے علاوہ ان کی دوسری چیزیں مثلاً باغ و دکان وغیرہ کا استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ اور جس طرح وہ ان اشیاء خوردنی پر اکتفاء کرتا ہے جو کہ گھر میں ہے۔ تو ان

يتعدى الى بيوت غير هم و لا إلى غير بيوتهم كدكاكينهم و بساتينهم، كما أنه يقتصر على ما في البيت من المأكول، فلا يتعدى الى ما يشترى من الخارج بثمن يؤخذ من البيت.

مسألة ٣٠ ـ تباح جميع المحرمات المزبورة حال الضرورة إما لتوقف حفظ نفسه و سد رمقه على تناوله، أو لعروض المرض الشديد الذي لا يتحمل عادة بتركه، أو لأداء تركه إلى لحوق الضعف المفرط المؤدي الى المرض الذي لا يتحمل عادة أو إلى التلف أو المؤدي الى التخلف عن الرفقة مع ظهور أمارة العطب. و منها ـ ما إذا أدى تركه إلى الجوع والعطش اللذين لا يتحملان عادة، ومنها ـ ما إذا خيف بتركه على نفس أخرى محترمة، كالحامل تخاف على جنينها والمرضعة على طفلها، بل و منها خوف طول المرض الذي لا يتحمل عادة أو عسر علاجه بترك التناول، و المدار في الكل هو الخوف الحاصل من العلم أو الظن بالترتب، بل الاحتمال الذي يكون له منشأ عقلائي لا مجرد الوهم و الاحتمال.

مسألة ٣١ ـ و من الضرورات المبيحة للمحرمات الاكراه و التقية عمن يخاف منه على نفسه أو نفس محترمة أو على عرضه أو عرض محترم أو مال محترم منه معتد به مما يكون تحمله حرجياً أو من غيره كذلك.

مسألة ٣٢ ـ في كل مورد يتوقف حفظ النفس على ارتكاب محرم يجب الارتكاب، فلا يجوز التنزه و الحال هذه، و لا فرق بين الخمر و الطين و بين سائر المحرمات، فاذا أصابه عطش حتى خاف على نفسه جاز شرب الخمر بل وجب، و كذا إذا اضطر الى غيرها من المحرمات.

مسألة ٣٣ ـ لو اضطر الى محرم فليقتصر على مقدار الضرورة، و لا يجوز له الزيادة فاذا اقتضت الضرورة أن يشرب الخمر أو يأكل الميتة لدفع الخوف على نفسه فليقتصر على ذلك، و لا يجوز له الزيادة.

مسألة ٣٤ ـ يجوز التداوي لمعالجة الأمراض بكل محرم اذا انحصر به العلاج ولو بحكم الحذاق من الأطباء الثقات، و المدار هو انحصاره بحسب تشخيصهم مما

کے علاوہ وہ چیزیں استعمال نہیں کی جاسکیں جس کی قیمت اس گھر سے لے کر ادا کی جاسکتی۔

مسئلہ ۳۰: اضطراری کیفیت میں مذکورہ تمام محرمات مباح ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ اضطرار چاہے اس کی جان و رمق حیات کی بقاء اس کے نوش کرنے پر متوقف ہونے کی صورت میں ہو یا اس صورت میں ہو کہ اس کے ترک کرنے کی وجہ سے ایسا شدید مرض عارض ہو کہ جس کو عموماً تحمل نہ کیا جاسکتا ہو۔ یا اس کے ترک کے باعث ایسا شدید ضعف پیدا ہو کہ جس کی وجہ ایسی بیماری کے لاحق ہونے کا خطرہ ہو کہ جسے عموماً تحمل نہ کیا جاسکتا ہو۔ یا پھر اس صورت میں ہو کہ اس کے ترک کرنے کی وجہ ہلاکت کا خطرہ ہو۔ یا اس کے باعث رفقاء سے جُدا ہو جائے۔ جبکہ اس صورت میں اسکی ہلاکت کی علامت واضح ہو مثلاً ایسی بھوک اور پیاس کا باعث ہو جو قابلِ تحمل نہ ہو۔ یا اس کے ترک کرنے کی صورت میں دوسری محترم جان کے تلف ہونے کا خطرہ ہو جیسے حاملہ و دودھ پلانے والی عورت کا ترک کرنا بچے کے لئے یا پھر اس صورت میں جبکہ اس کے ترک کرنے کی وجہ سے وہ مرض طولانی ہو جائے جو عموماً قابلِ تحمل نہ ہو۔ یا اس کا معالجہ مشکل ہو جائے اور مذکورہ بالا تمام مراحل میں معیار خوف ہے جو کہ علم یا گمان کے ذریعہ ان کے مرتب ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے بلکہ اگر احتمال عقلی ہو (نہ کہ وہم و احتمال محض) تو یہ بھی کافی ہے۔

مسئلہ ۳۱: وہ اضطراری موارد کہ جن میں حرام چیزیں مباح ہو جاتی ہیں ان میں۔ اکراہ و تقیہ بھی ہے۔ اس شخص سے کہ جس سے اس کو اپنی جان و آبرو یا کسی دوسرے کی جان و آبروی محترم کا خوف ہو یا پھر اسے اپنے علاوہ کسی دوسرے کے ایسے مال محترم کا خوف ہو کہ جو قابلِ ملاحظہ ہو اور اس کا نقصان باعثِ پریشانی و حرج وغیرہ ہو۔

مسئلہ ۳۲: ہر وہ مورد کہ جب جان کی حفاظت فعلِ حرام کے ارتکاب پر موقوف و منحصر ہو تو اس میں حرام فعل کا ارتکاب واجب ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس سے پرہیز کرنا جائز نہیں ہے اور اس میں شراب، بھنگ اور دیگر تمام محرمات کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ پس اگر وہ پیاسا ہو اور اسے اپنی جان کا خطرہ ہو تو اس کے لئے شراب جائز ہے صرف یہی نہیں بلکہ واجب ہے۔ اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جبکہ وہ دیگر محرمات کے استعمال کے لئے ناچار ہو۔

مسئلہ ۳۳: اگر کسی حرام چیز کے استعمال پر مجبور ہو تو چاہیئے کہ بمقدار ضرورت استعمال کرے اس سے زیادہ جائز نہیں ہے لہٰذا اگر ضرورت اس بات کی مقتضی ہو کہ وہ شراب پیئے یا مُردار کھائے تا کہ جان کا خطرہ دفع ہو جائے تو چاہیئے کہ ضرورت کی مقدار پر ہی اکتفاء کرے اور اس سے زیادہ جائز نہ ہوگا۔

مسئلہ ۳۴: اگر بعض امراض کا علاج حرام چیزوں پر منحصر ہو تو اس کے ذریعہ معالجہ جائز ہے۔ اگر ماہر و موردِ اطمینان اطباء کے حکم کی بناء پر ہو۔ اور اس میں معیار یہ ہے کہ ان کی تشخیص کے مطابق علاج کا انحصار لوگوں کے درمیان ہو۔ جس کے ذریعہ عموماً معالجہ کیا جاتا ہو۔ نہ کہ وہ حقیقت کہ جس کا ادراک بشری احاطہ نہیں کرسکتے۔

بين أيدي الناس مما يعالج به لا الواقع الذي لا يحيط به إدراك البشر.

مسألة ٣٥ ـ المشهور على ما حكي عدم جواز التداوي بالخمر بل بكل مسكر حتى مع الانحصار، لكن الجواز لا يخلو من قوة بشرط العلم بكون المرض قابلاً للعلاج، و العلم بأن تركه يؤدي الى الهلاك أو إلى ما يدانيه، والعلم بانحصار العلاج به بالمعنى الذي ذكرناه، و لا يخفى شدة أمر الخمر، فلا يبادر الى تناولها والمعالجة بها إلا إذا رأى من نفسه الهلاك أو نحوه لو ترك التداوي بها ولو بسبب توافق جماعة من الحذاق و أولي الديانة والدراية من الأطباء، و إلا فليصطبر على المشقة، فلعل الباريء تعالى شأنه يعافيه، لما رأى منه التحفظ على دينه أو يعطيه الثواب الجزيل على صبره.

مسألة ٣٦ ـ لو اضطر إلى أكل طعام الغير لسد رمقه و كان المالك حاضراً فان كان هو أيضاً مضطراً لم يجب عليه بذله، و هل لا يجوز له ذلك؟ فيه تأمل، ولا يجوز للمضطر قهره، و إن لم يكن مضطراً يجب عليه بذله للمضطر، و إن امتنع عن البذل جاز له قهره بل مقاتلته والأخذ منه قهراً، و لا يتعين على المالك بذله مجاناً، فله أن لا يبذله إلا بالعوض، و ليس للمضطر قهره بدونه، فان اختار البذل بالعوض فان لم يقدره بمقدار كان له عليه ثمن مثل ما أكله إن كان قيمياً أومثله إن كان مثلياً، و إن قدّره لم يتعين عليه تقديره بثمن المثل أو أقل، بل له أن يقدّره بازيد منه ما لم ينته إلى الحرج، و إلا فليس له، فبعد التقدير إن كان المضطر قادراً على دفعه يجب عليه الدفع إن طالبه به، و إن كان عاجزاً يكون في ذمته، هذا إذا كان المالك حاضراً، ولو كان غائباً فله الأكل منه بقدر سد رمقه و تقدير الثمن و جعله في ذمته، ولا يكون أقل من ثمن المثل، والأحوط المراجعة الى الحاكم لووجد، و مع عدمه فالى عدول المؤمنين.

مسألة ٣٧ ـ يحرم الأكل على مائدة يشرب عليها شيء من الخمر بل و غيرها من المسكرات، و كذا الفقاع، ثم إن للأكل و الشرب آداباً مندوبة و مكروهة مذكورة في المفصلات فليراجع اليها.

مسئلہ ۳۵: جیسا کہ بیان کیا گیا ہے مشہور یہ ہے کہ شراب بلکہ کسی بھی نشہ آور سے علاج جائز نہیں چاہے علاج اسی پر منحصر ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر بیماری کے قابل علاج ہونے کا یقین ہو تو اس کے ذریعے علاج کرنے کا جواز قوت سے خالی نہیں اور یہ یقین ہو کہ اس کے ذریعہ علاج کا ترک کرنا موجب ہلاکت ہوگا یا ہلاکت کے قریب کر دیگا۔ اور یہ یقین ہو کہ علاج جس معنیٰ میں ہم نے ذکر کیا ہے اسی میں منحصر ہے اور مخفی نہ رہے کہ شراب کا معاملہ بہت سخت ہے۔ لہٰذا شراب کے استعمال اور اس کے ذریعے علاج میں اس وقت تک جلدی نہیں کرنی چاہیئے جب تک اس کے ترک سے جان جانے وغیرہ کا اندیشہ نہ ہو۔ چاہے ماہرین دیندار وں اور صاحبانِ درایت ہی اس کی تشخیص دیں۔ وگرنہ مشقت پر صبر کرے۔ ہو سکتا ہے کہ خداوند متعال اس کو شفاء عنایت کر دے جب وہ دیکھے کہ بندہ دین پر قائم ہے یا صبر کرنے پر اس کو بے شمار ثواب عطا کرے۔

مسئلہ ۳۶: اگر جان بچانے کی خاطر دوسرے کا کھانا کھانے پر مجبور ہو، اور اس کھانے کا مالک موجود ہو تو اگر مالک بھی مجبور ہو تو اس پر بخشش واجب نہیں۔ لیکن آیا ایسا کرنا مالک کے لئے جائز نہیں ہے؟ اس میں تأمل ہے! لیکن مجبور کے لیئے مالک کو مجبور کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر مالک مجبور نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ کھانا مجبور کو دے۔ چنانچہ اگر مالک بخشش سے انکار کرے تو اس سے زبردستی لینا بلکہ لڑ جھگڑ کر لینا جائز ہے، لیکن مالک کے لیئے جائز نہیں کہ مفت ہی دے۔ بلکہ اس کو حق ہے کہ اس کا عوض لئے بغیر نہ دے چنانچہ عوض کے بغیر شخص مضطر مالک کو مجبور نہیں کر سکتا۔ پس اگر مالک عوض لے کر دینا چاہے لیکن اس کی مقدار معین نہ کرے تو جو اس شخص نے کھایا ہے اس کے مثل کی قیمت اگر وہ چیز قیمیات میں سے ہو ادا کرے۔ لیکن اگر مثلیات میں سے ہو تو اس کے مثل دے۔ لیکن اگر قیمت معین کرے تو ضروری نہیں کہ اس کے مثل کی قیمت کے برابر یا اس سے کم معین کرے۔ بلکہ اگر حرج نہ ہو تو اس سے زیادہ بھی لے سکتا ہے لیکن اگر حرج ہو تو نہیں لے سکتا۔ پس قیمت معین کرنے کے بعد اگر شخص مضطر اس کی ادائیگی پر قادر ہو تو مالک کے مطالبے پر ادا کرنا اس پر واجب ہے اور اگر عاجز ہو تو ادائیگی اس کے ذمے ہوگی۔ یہ صورت میں ہے کہ جب مالک موجود ہو۔ لیکن اگر مالک غائب ہو تو آسے اتنا کھانے کا حق ہے جس سے جان بچ جائے۔ اور قیمت معین کر کے اسے اپنے ذمے رکھے۔ اور قیمت اس کے مثل کی قیمت سے کم نہ ہو۔ اور احتیاط یہ ہے کہ اگر حاکم شرع موجود ہو تو اس کی طرف رجوع کرے۔ اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں عادل مومنین سے معلوم کرے۔

مسئلہ ۳۷: جس دستر خوان پر شراب اور اس کے علاوہ نشہ آور چیزوں کا استعمال ہوتا ہو اس پر کھانا حرام ہے یہی حکم فقاع کا بھی ہے۔ علاوہ براین کھانے پینے کے کچھ مستحب اور مکروہ آداب ہیں جو تفصیلی کتابوں میں مذکور ہیں۔ وہاں دیکھ لیا جائے!

maablib.org

كتاب الغصب

و هو الاستيلاء على ما للغير من مال أو حق عدواناً، و قد تطابق العقل و النقل كتاباً و سنةً و إجماعاً على حرمته، و هو من أفحش الظلم الذي قد استقل العقل بقبحه، و في النبوي «من غصب شبراً من الأرض طوقه الله من سبع أرضين يوم القيامة» و في نبوي آخر «من خان جاره شبراً من الأرض جعله الله طوقاً في عنقه من تخوم الأرض السابعة حتى يلقى الله يوم القيامة مطوقاً إلا أن يتوب و يرجع» و في آخر «من أخذ أرضاً بغير حق كلف أن يحمل ترابها الى المحشر» و من كلام أميرالمؤمنين عليه السلام «الحجر الغصب في الدار رهن على خرابها».

مسألة ١ ـ المغصوب إما عين مع المنفعة من مالك واحد أو مالكين و إما عين بلا منفعة، و إما منفعة مجردة، و إمّا حق مالي متعلق بعين، فالأول كغصب الدار من مالكها و كغصب العين المستأجرة من المؤجر و المستأجر، و الثاني كما إذا غصب المستأجر العين المستأجرة من مالكها في مدة الاجارة، و الثالث كما إذا أخذ المؤجر العين المستأجرة و انتزعها من يد المستأجر و استولى على منفعتها مدة الاجارة، و الرابع كما إذا استولى على أرض محجرة أو عين مرهونة بالنسبة الى المرتهن الذي له فيها حق الرهانة، و من ذلك غصب المساجد و المدارس و

کتابِ غصب

دوسرے شخص کے مال یا حق پر زبردستی قبضہ کرنے کو "غصب" کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم، روایات واحادیث اور اجماع وعقل، چاروں اسکے حرام ہونے پر متفق ہیں۔ یہ وہ بدترین ظلم ہے کہ جو شریعت سے قطع نظر خود عقل کے نزدیک قبیح ہے اور حدیثِ نبویؐ میں ہے "اگر کوئی ایک بالشت زمین غصب کرے، خداوند قیامت کے دن ساتوں زمینوں کو اسکی گردن کا طوق بنائے گا"۔ دوسری حدیث میں ہے "جو شخص ایک بالشت زمین کے برابر اپنے پڑوسی کے ساتھ خیانت کرے، خداوندِ عالم ساتویں زمین کی حدود سے اسکی گردن میں طوق پہنائے گا، یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں خدا کے روبرو ہو، مگر یہ کہ توبہ کرے اور باز آجائے"۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے "جو شخص ناحق کسی کی زمین ہتھیائے خداوندِ عالم اس کو مجبور کرے گا کہ وہ اس کی تمام مٹی اٹھاکر عرصۂ محشر میں پہونچے" اور امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے "گھر میں ایک غصبی پتھر اس گھر کی بربادی کے لئے کافی ہے"

مسئلہ ۱: غصبی چیز یا تو کسی ایک مالک کی نفع بخش چیز ہوگی یا دو مالکوں کی ہوگی۔ یا ایسی چیز ہوگی جس کا کوئی فائدہ نہ ہو اور یا کوئی چیز نہیں ہوگی بلکہ صرف نفع غصبی ہوگا۔ یا کسی چیز سے متعلق حق مالی، غصبی ہوگا۔ پہلی صورت کی مثال جیسے کسی مالک کا گھر غصب کرلینا اور موجر اور مستاجر سے اجارہ پر دی گئی چیز غصب کرلینا۔ دوسری صورت کی مثال جیسے کرائے پر لینے والا، کرائے پر لی گئی چیز کو کرائے کی مدت میں مالک سے غصب کرے۔ تیسری صورت کی مثال، جیسے کرائے پر دینے والا کرائے پر دی گئی چیز کو اجارہ کی مدت کے دوران، مستاجر سے چھین کر اس کے استفادے پر مسلط ہوجائے۔ اور چوتھی صورت کی مثال جیسے تحجیر کی گئی زمین یا رہنی چیز کو اس شخص سے چھین لینا جسکا حق رہن اس چیز سے متعلق ہے اور مسجدوں، مدرسوں، مسافرخانوں، پلوں، راستوں اور عمومی،

الرباطات و القناطر و الطرق و الشوارع العامة، و كذا غصب المكان الذي سبق اليه أحد من المساجد و المشاهد على احتمال موافق للاحتياط.

مسالة ٢ ـ المغصوب منه قد يكون شخصاً كما في غصب الأعيان و المنافع المملوكة للأشخاص و الحقوق لهم، وقد يكون النوع أو الجهة كغصب الرباط المعدّ لنزول القوافل و المدرسة المعدة لسكنى الطلبة إذا غصب أصل المدرسة و منع عن سكنى الطلبة، و كغصب الخمس والزكاة قبل دفعهما إلى المستحق، و كغصب ما يتعلق بالمشاهد و المساجد و نحوهما.

مسألة ٣ ـ للغصب حكمان تكليفيان: و هما الحرمة و وجوب الرد الى المغصوب منه أو وليه، و حكم وضعي، و هو الضمان بمعنى كون المغصوب على عهدة الغاصب، و كون تلفه و خسارته عليه، و أنه إذا تلف يجب عليه دفع بدله، و يقال لهذا الضمان: ضمان اليد.

مسألة ٤ ـ يجري الحكمان التكليفيان في جميع أقسام الغصب، فالغاصب آثم فيها و يجب عليه الرد، و أما الحكم الوضعي و هو الضمان فيختص بما إذا كان المغصوب من الأموال عيناً كان أو منفعة، فليس في غصب الحقوق ضمان اليد.

مسألة ٥ ـ لو استولى على حرّ فحبسه لم يتحقق الغصب لا بالنسبة الى عينه و لا بالنسبة إلى منفعته، و إن أثم بذلك و ظلمه سواء كان كبيراً أو صغيراً، فليس عليه ضمان اليد الذي هو من أحكام الغصب، فلو أصابه حرق أو غرق أو مات تحت استيلائه من غير تسبيب منه لم يضمن، و كذا لا يضمن منافعه، كما إذا كان صانعاً و لم يشتغل بصنعته في تلك المدة فلا يضمن أجرته، نعم لو استوفى منه منفعة كما إذا استخدمه لزمه أجرته و كذا لو تلف بتسبيب منه مثل ما إذا حبسه في دار فيها حيّة فلدغته أو في محل السباع فافترسته ضمنه من جهة سببيته للتلف لا لأجل الغصب واليد.

مسألة ٦ ـ لو منع غيره عن إمساك دابته المرسلة أو من القعود على فراشه أو عن الدخول في داره أو عن بيع متاعه لم يكن غاصباً و إن كان عاصياً و ظالماً له

شاہراہوں کو غصب کرنا اسی قبیل سے ہے۔ اور اسی طرح احتیاط کے مطابق احتمال کی بناء پر مسجدوں اور زیارت گاہوں سے متعلق اس مکان کو غصب کرنا کہ جو غاصب سے پہلے کسی اور کے تصرف میں آچکا ہو۔

مسئلہ ۲: غصب کی گئی چیز کا مالک کبھی شخص ہوتا ہے۔ جیسے دوسروں کی مملوکہ چیزیں۔ منافع اور ان کے حقوق غصب کرنا۔ اور کبھی وہ چیز نوع اشخاص یا عام فائدے کی چیزوں کی ملکیت ہوتی ہے۔ جیسے قافلوں کے ٹھہرنے کے لئے بنائے گئے مسافر خانوں اور طلاب علم کی سکونت کے مدرسوں کو غصب کرنا بشرطیکہ مدرسہ کو غصب کرے اور طلاب کو اس میں سکونت اختیار کرنے سے روکے اور خمس و زکوٰۃ کو مستحق تک پہنچانے سے پہلے غصب کرنا اور مسجدوں و زیارت گاہوں وغیرہ سے متعلق املاک کو غصب کرنا۔

مسئلہ ۳: غصب کے دو حکم تکلیفی ہیں۔ ایک یہ کہ غصب کرنا حرام ہے اور دوسرا یہ کہ غصبی چیز کو اس کے مالک یا اس کے ولی کو واپس دینا واجب ہے۔ اور ایک حکم وضعی ہے اور وہ یہ کہ غاصب غصبی چیز کا ضامن ہے۔ چنانچہ۔ اگر وہ چیز ضائع ہو جائے یا ناقص ہو جائے تو اس کا جبران غاصب کے ذمہ ہے۔ اور جب وہ ضائع ہو جائے تو اس کا بدلے مالک کو اس جیسی چیز دینا واجب ہے۔ اور اس ضمانت کو "ضمان الید" کہتے ہیں (یعنی جسکے قبضہ میں کسی کی چیز ہے وہ اس کا ضامن ہے)

مسئلہ ۴: مذکورہ دونوں حکم تکلیفی غصب کی تمام قسموں کو شامل ہیں۔ پس غاصب ہر صورت میں گنہگار ہے۔ اور اس پر غصب کی گئی چیز کو واپس کرنا واجب ہے۔ لیکن حکم وضعی "یعنی ضامن ہونا" اس مورد کو شامل ہوگا کہ جس میں غصبی چیز اموال میں سے ہو، چاہے اصل چیز ہو یا اس کی منفعت ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غصب حقوق میں ضمان ید نہیں ہے۔

مسئلہ ۵: اگر کوئی شخص کسی آزاد انسان پر غلبہ پاکر اسے مقید کرے تو اس کو غصب نہیں کہا جائے گا۔ نہ خود اس شخص کے اعتبار سے اور نہ اس کی منفعت کے لحاظ سے اگرچہ غاصب گنہگار ہے اور اس نے اس انسان پر ظلم کیا ہے۔ چاہے وہ انسان چھوٹا ہو یا بڑا پس اس پر ضمان ید نہیں ہے۔ کہ جو احکام غصب میں سے ہے۔ لہٰذا اگر وہ شخص جل جائے، یا ڈوب جائے یا اس کے قبضہ میں مر جائے اور غاصب ان چیزوں کا باعث نہ ہو تو وہ ضامن نہیں ہے۔ اور اسی طرح غاصب اس کے منافع کا بھی ضامن نہیں ہے۔ مثلاً وہ شخص کاریگر ہو لیکن دوران غصب کوئی کام نہ کر سکا ہو تو غاصب اس کی اجرت کا ضامن نہیں ہے۔ البتہ اگر غاصب اس انسان سے فائدہ اٹھائے مثال کے طور پر اس سے خدمت لے تو اس کی اجرت دینا لازمی ہے اور یہی حکم تب بھی ہے کہ جب غاصب اس کے نابود ہو جانے کا باعث بنے۔ مثلاً اسے سانپ والے گھر میں بند کر دے اور سانپ اس کو ڈس لے یا درندوں کے درمیان مقید کر دے اور درندے اسے پھاڑ کھائیں تو غاصب اسکا ضامن ہے۔ لیکن غصب اور اقتدار کی بناء پر نہیں بلکہ اس کی نابودی کا سبب بننے کی بناء پر ضامن ہے۔

مسئلہ ۶: اگر دوسرے شخص کو اس کے رہا شدہ جانور کی حفاظت یا فرش پر بیٹھنے، گھر میں داخل ہونے یا اس کا اپنا مال فروخت کرنے سے روکے تو۔ روکنے والا غاصب نہیں کہلائے گا۔ اگرچہ اس نے گناہ کیا ہے اور اس شخص پر ظلم کا مرتکب ہوا ہے۔ لہٰذا اگر جانور مر جائے فرش ضائع ہو جائے۔ گھر مسمار ہو جائے یا روکنے کے بعد

من جهة منعه، فلو هلكت الدابة و تلف الفراش أو انهدمت الدار أو نقصت قيمة المتاع بعد المنع لم يكن على المانع ضمان اليد، و هل عليه ضمان من جهة أخرى أم لا؟ أقواهما العدم في الأخير، و هوما إذا نقصت القيمة، و أما في غيره فان كان الهلاك و التلف و الانهدام غير مستند إلى منعه بأن كانت بآفة سماوية و سبب قهري لا يتفاوت في ترتبها بين ممنوعية المالك و عدمها لم يكن عليه ضمان، و أما إذا كان مستنداً إليه كما إذا كانت الدابة ضعيفة أو في موضع السباع و كان المالك يحفظها فلما منعه المانع و لم يقدر على حفظها وقع عليها الهلاك ففي الضمان تأمل، لكنه أحوط.

مسألة ٧ ـ استيلاء الغاصب على المغصوب وصيرورته تحت يده عرفا يختلف باختلاف المغصوبات، و الميزان صيرورة الشيء كذلك عدوانا، ففي المنقول غير الحيوان يتحقق بأخذه بيده أو بنقله إليه أو إلى بيته أو دكانه أو أنباره و غيرها مما يكون محرزاً لأمواله ولو كان ذلك لا بمباشرته بل بأمره فلو نقل حمال بأمره كان الآمر غاصبا و كفى في الضمان، بل ولو كان المنقول في بيته أو دكانه مثلاً و طالب المالك و لم يؤده اليه و كان مستولياً على البيت و الدكان يكفي في الضمان، بل لواستولى على الفراش مثلاً ولو بقعوده عليه كفى، و لا يكفي مجرد القعود و قصد الاستيلاء ما لم يتحقق ذلك عرفاً، و هو مختلف في الموارد، كما أن في الحيوان أيضاً هو الميزان، و يكفي الركوب عليه لو أخذ مقوده و زمامه أو سوقه بعد طرد المالك و دفعه أو عدم حضوره إذا كان يمشي بسياقه و يكون منقاداً له، فلو كانت قطيع غنم في الصحراء و معها راعيها فطرده و استولى عليها بعنوان القهر و الانتزاع من مالكها و جعل يسوقها و صار بمنزلة راعيها يحافظها و يمنعها عن التفرق فالظاهر كفايته في تحقق الغصب لصدق الاستيلاء عرفاً، و أما غير المنقول، فيكفي في غصب الدار و نحوها كالدكان و الخان أن يسكنها أو يسكن غيره ممن يأتمر بأمره فيها بعد إزعاج المالك عنها أو عدم حضورها، و كذا لو أخذ مفاتيحها من صاحبها قهراً و كان يغلق الباب و يفتحه و يتردد فيها، و أمّا

مال کی قیمت کم ہو جائے تو ضمان ید روکنے والے کے ذمہ نہیں ہے۔ لیکن کیا دوسری جہت سے وہ ضامن ہوگا یا نہیں؟ آخری صورت میں اقویٰ یہ ہے کہ ضامن نہیں۔ اور آخری صورت وہ ہے کہ جب مال کی قیمت گھٹ جائے۔ اور دوسری صورتوں میں اگر جانور کی ہلاکت۔ گھر کا مسمار ہونا اور فرش کا ضائع ہو جانا اس کے روکنے کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی آسمانی بلا اور غیر اختیاری سبب سے ہو کہ مالک کے روکنے یا نہ روکنے سے اس میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ تو روکنے والا ضامن نہیں ہوگا۔ لیکن اگر روکنے کی وجہ سے یہ صورت پیش آئے۔ مثلاً جانور کمزور رہا ہو۔ یا درندوں کی دسترس میں ہو اور مالک اس کی حفاظت کرنا چاہتا ہو۔ مگر روکنے والے کی وجہ سے وہ اس کی نگہداشت نہ کر سکے اور جانور ہلاک ہو جائے تو ضامن ہونے میں تامل ہے۔ لیکن احتیاط یہی ہے کہ وہ ضامن ہے۔

مسئلہ ۷: غاصب کا غصبی چیز پر غلبہ اور اس چیز کا غاصب کے تسلط میں آجانا عرفِ عام میں غصب کی گئی چیزوں کے اختلاف سے مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے۔ اس کا معیار یہ ہے کہ عرفِ عام میں زبردستی کوئی چیز غاصب کے قبضہ میں آجائے۔ پس اگر وہ چیز نقل و حمل کے قابل ہو اور حیوان نہ ہو تو اس چیز کے ہاتھ میں آجانے یا اس تک منتقل ہو جانے۔ یا اس کے گھر یا دکان میں پہونچ جانے یا اس کے گودام یا ایسی جگہ میں پہونچ جانے سے کہ جس کو اس نے اپنے اموال رکھنے کے لئے بنایا ہو، غصب متحقق ہو جائے گا۔ چاہے یہ کام اس نے خود نہ کیا ہو بلکہ اس کے حکم سے انجام پایا ہو۔ پس اگر قلی اس کے حکم سے یہ کام کرے تو حکم دینے والا غاصب ہوگا۔ اور اس کے ضامن ہونے میں یہی کافی ہے۔ بلکہ اگر وہ چیز اس کے گھر یا دکان میں مثلاً موجود ہو۔ مگر مالک کے طلب کرنے پر وہ اس چیز کو مالک کے حوالے نہ کرے جب کہ گھر یا دکان اس کے تسلط میں ہو تو اس کے ضامن قرار پانے کیلئے اتنا کافی ہے بلکہ اگر فرش اس کے قبضہ میں ہو چکا ہے صرف اس حد تک کہ وہ اس پر بیٹھا ہو۔ تو بھی کافی ہے۔ لیکن صرف فرش پر بیٹھنا اور اس پر قبضہ جمانے کا ارادہ کرنا ہی کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ عرفِ عام میں اس پر قبضہ ہو جانا صدق نہ کرے۔ اور عرفِ عام میں قبضہ (غصب) صادق آنے کی صورتیں مواردِ غصب کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ جیسا کہ حیوان کے بارے میں بھی معیار یہی ہے۔ جو بیان ہو چکا ہے۔ لہٰذا مالک کو الگ کرنے کے بعد، یا مالک کے نہ ہوتے ہوئے۔ اگر جانور کی لگام پکڑلے تو اس کا جانور پر سوار ہو جانا ہی کافی ہے جب کہ جانور اس کے ہانکنے سے چل پڑے اور اس کے آگے رام ہو جائے۔ پس اگر بھیڑ بکریوں کا گلہ جنگل میں چر رہا ہو اور چرواہا ان کے ساتھ موجود ہو۔ لیکن کوئی شخص چرواہے کو بھگا کر زبردستی اس گلہ پر قبضہ کرنے اور مالک سے چھین لے۔ ان کو ادھر ادھر ہانکنے لگے۔ چرواہے کی مانند ان کی حفاظت کرے۔ انھیں منتشر ہونے سے روکے۔ تو ظاہراً غصب متحقق ہو جائے گا۔ اس لئے کہ عرفِ عام میں اس کو غلبہ پالینا کہتے ہیں۔ لیکن غیر منقول چیزوں کے غصب کا حکم: تو گھر، دکان اور مسافر خانے وغیرہ پر غصب کے صادق آنے میں کافی ہے۔ کہ مالک کی عدم موجودگی میں یا اس کو بھگا کر اس میں خود سکونت اختیار کرے۔ یا ایسے شخص کو ٹھہرائے جو غاصب کا حکم مانتا ہو۔

البستان فكذلك لو كان له باب و حيطان، و إلاّ فيكفي دخوله و التردد فيه بعد طرد المالك بعنوان الاستيلاء و بعض التصرفات فيه، و كذا الحال في غصب القرية و المزرعة، هذا كله في غصب الأعيان، و أما غصب المنافع فانمّا هو بانتزاع العين ذات المنفعة عن مالك المنفعة و جعلها تحت يده بنحو ما تقدم، كما في العين المستأجرة إذا أخذها المؤجر أو غيره من المستأجر، و استولى عليها في مدة الاجارة، سواء استوفى تلك المنفعة التي ملكها المستأجر أم لا.

مسألة ٨ ـ لو دخل الدار و سكنها مع مالكها فان كان المالك ضعيفاً غير قادر على مدافعته وإخراجه فان اختص استيلاؤه و تصرفه بطرف معين منها اختص الغصب و الضمان بذلك الطرف دون غيره، و إن كان استيلاؤه و تصرفاته و تقلباته في أطراف الدار و أجزائها بنسبة واحدة و تساوى يد الساكن مع يد المالك عليها فالظاهر كونه غاصباً للنصف، فيكون ضامناً له خاصة بمعنى أنه لو انهدمت الدار ضمن الساكن نصفها، ولو انهدم بعضها ضمن نصف ذلك البعض، و كذا يضمن نصف منافعها، ولو فرض أن المالك الساكن أزيد من واحد ضمن الساكن الغاصب بالنسبة في الفرض، فان كانا إثنين ضمن الثلث، وإن كانوا ثلاثة ضمن الربع و هكذا، ولو كان الساكن ضعيفا بمعنى أنه لا يقدر على مقاومة المالك و أنه كلما أراد أن يخرجه من داره أخرجه فالظاهر عدم تحقق الغصب و لا اليد و لا الاستيلاء، فليس عليه ضمان اليد، نعم عليه بدل ما استوفاه من منفعة الدار مادام كونه فيها.

مسألة ٩ ـ لو أخذ بمقود الدابة فقادها و كان المالك راكباً عليها فان كان في الضعف وعدم الاستقلال بمثابة المحمول عليها كان القائد غاصبا لها بتمامها، و يتبعه الضمان، ولو كان بالعكس بأن كان المالك الراكب قوياً قادراً على مقاومته ومدافعته فالظاهر عدم تحقق الغصب أصلاً، فلا ضمان عليه لو تلفت الدابة في تلك الحال، نعم لا إشكال في ضمانه لها لو اتفق تلفها بسبب قوده لها، كما يضمن السائق لها لو كان لها جماح فشردت بسوقه فوقعت في بئر أو سقطت

اور اسی طرح جب مکان وغیرہ کی چابی مالک سے چھین لے اور دروازہ کھولے۔ بند کرے اور گھر میں رفت و آمد رکھے۔ لیکن باغ میں اگر دیواریں اور گیٹ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن اگر گیٹ وغیرہ نہ ہو تو مالک کو بھگانے کے بعد قبضہ کی نیت سے باغ میں گھس جائے اور رفت و آمد رکھنے کے ساتھ بعض چیزوں میں تصرف کرے تو غصب کہلائے گا۔ کھیت اور گاؤں پر غصب صادق آنے کا یہی حکم ہے۔ یہ تھا اشیاء کے غصب کا حکم۔ غصب منافع اس وقت صادق آئیگا جب نفع بخش چیز کو اس کے نفع کے مالک سے چھین کر اپنے قبضہ میں کرے، جس طرح کہ بیان ہو چکا ہے۔ مثلاً کرائے پر اٹھائی گئی چیز کو مالک یا کوئی دوسرا شخص مستاجر سے چھین لے۔ اور اجارہ کی مدت بھر اس پر قابض رہے۔ چاہے اس سے وہ فائدہ اٹھائے کہ جسکا مالک مستاجر ہے یا نہ اٹھائے۔

مسئلہ ۸: اگر کسی کے گھر میں زبردستی داخل ہو کر اس کے مالک کے ساتھ رہنے لگے تو اگر مالک کمزور ہو اور اس کو اپنے گھر سے نکالنے پر قادر نہ ہو تو اگر گھر کے ایک خاص حصہ پر اس کا قبضہ ہو تو اسی پر غصبی ہونا صادق آئے گا۔ اور اسی حصّہ کا ضامن ہوگا۔ دوسرے حصّہ کا ضامن نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس کا قبضہ اور تصرف اور نقل و حرکت پورے گھر میں ہو تو مالک اور غاصب کا قبضہ مساوی ہوگا۔ ایسی صورت میں ظاہراً وہ آدھے گھر کا غاصب کہلائے گا۔ اور اسی کا ضامن ہوگا۔ یعنی اگر گھر منہدم ہو جائے۔ ساکن (غاصب) آدھے گھر کا ضامن ہے۔ اور اگر گھر کا کچھ حصّہ گر جائے تو اس کے آدھے حصّہ کا ضامن ہے۔ اور اسی طرح اس کے آدھے منافع کا ضامن ہے۔ لیکن فرض کیجئے اگر مالک ساکن ایک نفر سے زیادہ ہوں تو ساکن غاصب افراد کی نسبت سے ضامن ہوگا۔ پس اگر مالک ساکن دو نفر ہوں تو غاصب تیسرے حصّہ کا ضامن اور اگر وہ تین نفر ہوں تو وہ چوتھے حصّے کا ضامن ہوگا۔ اسی طرح مالکوں کی تعداد جیسے بڑھتی جائے گی ضمانت میں اس کا حصّہ کم ہوتا جائے گا۔

اور اگر ساکن کمزور ہو یعنی وہ مالک کے ساتھ مقابلہ کرنے پر قادر نہ ہو اور جب اسے گھر سے نکالنا چاہے، نکال سکتا ہو۔ تو ظاہراً غصب، قبضہ اور غلبہ صادق نہیں آئے گا۔ لہٰذا وہ قبضہ کی بناء پر ضامن بھی نہیں ہوگا۔ البتہ جب تک وہ گھر میں رہے اس وقت تک جو استفادہ کرے۔ اس کا بدل ادا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ ۹: اگر جانور کی لگام پکڑ کر اس کو ہانکنے لگے اور مالک اس کی پیٹھ پر سوار ہو۔ پس اگر مالک اس قدر کمزور اور مجبور ہو کہ وہ جانور کی پیٹھ پر بوجھ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا ہو تو ہانکنے والا پورے جانور کا غاصب کہلائے گا۔ جس کے نتیجہ میں ضامن ہوگا۔

لیکن اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہو، یعنی مالکِ سوار قوی ہو اور مقابلے اور دفاع کی قدرت رکھتا ہو تو ظاہراً سرے سے غصب ہی صادق نہیں آئے گا۔ پس ایسی حالت میں اگر جانور تلف ہو جائے تو ہانکنے والا ضامن نہیں۔ البتہ اگر ہانکنے کی وجہ سے جانور تلف ہو جائے تو اس کے ضامن ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ جیسا کہ اگر جانور اناڑی ہو اور ہانکنے کی وجہ سے بھاگ نکلے۔ کسی کنویں میں گر پڑے یا بلندی

عن مرتفع مثلاً فتلفت أو عيبت.

مسألة ١٠ ـ لو اشترك إثنان في الغصب ضمن كل منهما للبعض بنسبة الاستيلاء، إن نصفاً فنصف و هكذا، سواء كان كل واحد منهما قو ياً قادراً على الاستيلاء على العين و دفع المالك و القهر عليه أم لا، بل كان كل ضعيفاً بانفراده و انما استيلاؤهما عليها و دفع المالك كان بالتعاضد و التعاون، و سواء كان المالك حاضراً أو غائباً.

مسألة ١١ ـ غصب الأوقاف العامة كالمساجد و المقابر و المدارس و القناطر و الرباطات المعدة لنزول المسافرين و الطرق و الشوارع العامة و نحوها و الاستيلاء عليها و إن كان حراماً و يجب ردها لكن الظاهر أنه لا يوجب ضمان اليد لا عيناً و لا منفعة، فلو غصب مسجداً أو مدرسة أو رباطاً فانهدمت تحت يده من دون تسبيب منه لم يضمن عينها و لا منفعتها، نعم الأوقاف العامة على الفقراء أو غيرهم بنحو وقف المنفعة يوجب غصبها الضمان عيناً و منفعة، فاذا غصب خاناً أو دكاناً أو بستاناً كانت وقفاً على الفقراء مثلاً على أن تكون منفعتها و نماؤها لهم ترتب عليه الضمان كغصب المملوك.

مسألة ١٢ ـ لو حبس حراً لم يضمن لا نفسه و لا منافعه ضمان اليد حتى فيما إذا كان صانعاً، فليس على الحابس أجرة صنعته مدة حبسه، نعم لو كان أجيراً لغيره في زمان فحبسه حتى مضى ضمن منفعته الفائتة للمستأجر، و كذا لو استخدمه و استوفى منفعته كان عليه أجرة عمله، ولو غصب دابة مثلا ضمن منافعها سواء استوفاها أم لا.

مسألة ١٣ ـ لو منع حراً عن عمل له أجرة من غير تصرف و استيفاء لم يضمن عمله، ولم يكن عليه أجرته.

مسألة ١٤ ـ يلحق بالغصب في الضمان المقبوض بالعقد المعاوضي الفاسد أو كالمعاوضي مثل المهر، و يلحق به المقبوض بمثل الجعالة الفاسدة مما لا يكون عقداً، فالمبيع الذي يأخذه المشتري و الثمن الذي يأخذه البائع في البيع الفاسد

سے لڑھک جائے جس کے نتیجہ میں مر جائے یا معیوب ہو جائے تو ہانکنے والا ضامن ہے۔

مسئلہ ۱۰: اگر کسی چیز کو غصب کرنے میں دو نفر شریک ہوں تو ان میں سے ہر ایک اس چیز پر تسلط کی نسبت سے ضامن ہوگا۔ اگر دونوں کے قبضہ میں آدھی آدھی چیز ہو تو ہر ایک نصف کا ضامن ہے۔ اور اسی طرح قبضہ کے مختلف ہونے سے ضمانت بھی مختلف ہو جائے گی، چاہے ان میں ہر ایک قدر تمند اور اس چیز پر مسلط ہونے، مالک کا دفاع کرنے اور اس پر غالب آنے میں قادر ہو۔ یا نہ ہو۔ بلکہ ان میں ایک ایک تو ضعیف و کمزور ہو۔ لیکن دونوں مل کر اس چیز پر قبضہ جمانے اور مالک کو بھگانے میں کامیاب ہوئے ہوں، خواہ مالک حاضر ہو یا غائب۔

مسئلہ ۱۱: عمومی اوقاف، جیسے مسجدوں، مقبروں، مدارس، پلوں، مسافروں کے لئے بنائے گئے مسافر خانوں راستوں اور سڑکوں وغیرہ کو غصب کرنا اور قبضہ میں لینا اگرچہ حرام ہے اور ان کو واپس کرنا واجب ہے۔ لیکن ظاہراً یہ قبضہ نہ اصل چیز، اور نہ اسکی منفعت، کسی اعتبار سے بھی ضمان ید کا موجب نہیں۔ پس اگر مسجد، مدرسے یا مسافر خانے کو غصب کرے اور اس کے قبضہ کے دوران مسمار ہو جائے۔ لیکن اس کے مسمار ہونے کا سبب غاصب نہ ہو۔ تو نہ اس چیز کا ضامن ہے اور نہ اس کے منافع کا۔ البتہ ایسے عمومی اوقاف جو فقیروں کے لئے وقفِ منفعتی کے عنوان وقف ہوں۔ ان کو غصب کرنا، اصل شے اور منفعت دونوں اعتبار سے ضمانت کا موجب ہے۔ پس جب کسی سرائے، دُکان یا باغ کو غصب کرے اور وہ فقیروں کیلئے وقف ہو اس طرح کہ اس کی منفعت اور ما حصل سے وہ لوگ استفادہ کریں۔ تو جیسے مملوکہ چیز کو غصب کرنا ضمانت کا موجب بنتا ہے۔ ایسے ہی اس کو غصب کرنا بھی ضامن ہونے کا موجب ہے۔

مسئلہ ۱۲: اگر کسی آزاد انسان کو مقید کرے تو (مقید کرنے والا) نہ اس شخص کا ضامن ہے اور نہ اس کے منافع کا چاہے وہ شخص کاریگر ہی کیوں نہ ہو۔ پس مقید کرنے والے پر قید کی مدت میں اسکی صنعت کی اُجرت دینا واجب نہیں۔ البتہ اگر وہ کسی کا اجیر ہو اور وہ مدت قید میں گزر جائے تو (قید کرنے والے) مُستاجر کی منفعت کا ضامن ہے۔

اسی طرح اگر قید کرنے والا اسے خدمت پر مامور کرکے اس سے فائدہ حاصل کرے تو اس پر واجب ہے کہ اس کام کی مزدوری ادا کرے۔ اور اگر جانور کو غصب کرے تو اس کے منافع کا ضامن ہے چاہے اس سے فائدہ اُٹھائے یا نہ۔

مسئلہ ۱۳: اگر کسی آزاد انسان کو کسی ایسے کام سے روک دے جس کی اُجرت مقرر ہو۔ لیکن خود اس سے کوئی کام نہ لے۔ تو نہ اس کے کام کا ضامن ہے اور نہ اس پر اُجرت کی ادائیگی واجب ہے۔

مسئلہ ۱۴: معاوضہ والے فاسد عقد یا مہر کی مانند والے عقد کے ذریعہ قبضہ میں لی گئی چیز کا ضمانت کے اعتبار سے وہی حکم ہے جو غصب کی گئی چیز کا حکم ہے اور اسی طرح فاسد "جعالہ" کی مانند کے ذریعہ قبضہ میں لی گئی چیز کا بھی وہی حکم ہے کہ جسے عقد نہیں کہتے۔ بناء براین فاسد معاملہ میں، مبیع، کہ جسے مشتری لیتا ہے اور ثمن، کہ جسے بیچنے والا اخذ کرتا ہے۔ دونوں کی ضمانت غصب کی گئی چیز کی مانند ہے۔ چاہے خریدار اور بیچنے والے کو عقد کے

يكون ضمانها كالمغصوب، سواء كانا عالمين بالفساد أولا، و كذلك الأجرة التي يأخذها المؤجر في الاجارة الفاسدة، و كذا المهر الذي تأخذه المرأة في النكاح الفاسد، و الجعل الذي يأخذه العامل في الجعالة الفاسدة، و أما المقبوض بالعقد الفاسد غير المعاوضي و أشباهه فليس فيه ضمان، فلو قبض المتهب ما وهب له بالهبة الفاسدة ليس عليه ضمان، و يلحق بالغصب أيضاً المقبوض بالسوم، و المراد به ما يأخذه الشخص لينظر فيه أو يضع عنده ليطلع على خصوصياته لكي يشتريه إذا وافق نظره، فهو في ضمان آخذه، فلو تلف عنده ضمنه.

مسألة ١٥ ـ يجب رد المغصوب الى مالكه مادام باقياً و إن كان في رده مؤونة، بل و إن استلزم رده الضرر عليه، حتى أنه لو أدخل الخشبة المغصوبة في بناء لزم عليه إخراجها و ردها لو أرادها المالك وإن أدى إلى خراب البناء، و كذا إذا أدخل اللوح المغصوب في سفينة يجب عليه نزعه ورده إلا إذا خيف من قلعه الغرق الموجب لهلاك نفس محترمة أو مال محترم لغير الغاصب الجاهل بالغصب، و إلا ففيه تفصيل، و هكذا الحال فيما إذا خاط ثوبه بخيوط مغصوبة، فان للمالك إلزامه بردها، و يجب عليه ذلك و إن أدى إلى فساد ثوبه، و إن ورد نقص على الخشب أو اللوح أو الخيط بسبب إخراجها و نزعها يجب على الغاصب تداركه، هذا إذا يبقى للمخرج و المنزوع قيمة بعد ذلك، و إلا فالظاهر أنه بحكم التالف فيلزم الغاصب بدفع البدل، و ليس للمالك مطالبة العين.

مسألة ١٦ ـ لو مزج المغصوب بما يمكن تميزه و لكن مع المشقة كما إذا مزج الشعير المغصوب بالحنطة أو الدخن بالذرة يجب عليه أن يميزه و يردّه.

مسألة ١٧ ـ يجب على الغاصب مع رد العين بدل ما كانت لها من المنفعة في تلك المدة إن كانت لها منفعة، سواء استوفاها كالدار سكنها و الدابة ركبها أم لا وجعلها معطلة.

مسألة ١٨ ـ لو كانت للعين منافع متعددة و كانت معطلة فالمدار المنفعة

فاسد ہونے کا علم ہو یا نہ ہو۔ اور اسی طرح اگر عقد اجارہ فاسد ہو تو وہ اجرت۔ جو اجارے پر دینے والا لیتا ہے یا وہ مہر کہ فاسد نکاح کے نتیجہ میں جسے عورت حاصل کرتی ہے۔ یا وہ مزدوری کہ جو عقد جعالہ فاسد ہونے کی صورت میں عامل (مزدور) لیتا ہے۔ ان سب کا وہی حکم ہے۔ لیکن ایسا عقد فاسد کہ جس میں معاوضہ وغیرہ نہ ہو اس میں ضمانت نہیں ہے۔ پس اگر عقد ہبہ فاسد ہو اور جس کو کوئی چیز ہبہ کی گئی ہو وہ اسے قبضہ میں کرے تو وہ اس چیز کا ضامن نہیں ہے۔ اور "سوم" کے طور پر لی گئی چیز بھی ضمانت کے اعتبار سے غصبی چیز کے ساتھ ملحق ہے۔ سوم کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کوئی چیز امتحان کی غرض سے لے۔ یا کسی کے پاس کوئی چیز رکھے تاکہ وہ اس کی خصوصیات سے آگاہ ہو جائے اور اگر پسند آئے تو اُسے خرید لے۔ تو جس نے وہ چیز لی ہے وہ اس کا ضامن ہے۔ لہٰذا اگر وہ چیز اس کے پاس سے ضائع ہو جائے تو اس کا ضامن ہے۔

مسئلہ ۱۵: جب تک غصبی چیز موجود ہو اس کو مالک کو واپس دے دینا واجب ہے۔ چاہے اُسے پہونچانے پر خرچ کیوں نہ کرنا پڑے۔ بلکہ چاہے وہ غاصب کے لئے باعث ضرر ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ اگر غصب کی گئی لکڑی کو عمارت میں لگا دے اور مالک یہی چاہتا ہو کہ اسے نکالا جائے تو نکال کر مالک کو دینا واجب ہے چاہے اس سے عمارت ہی گرانی پڑے۔ اسی طرح اگر غصب کی گئی تختی کو کشتی میں لگا دے۔ تو اس کو نکال کر مالک تک پہونچانا واجب ہے۔ مگر یہ کہ نکالنے والے کو خطرہ ہو کہ اگر نکالے گا تو ایسی بے گناہ جان کہ جس کو غصب کا علم نہیں چلی جائے گی۔ یا کسی کا مال تلف ہو جائے گا۔ اور اگر یہ خوف نہ ہو تو اس میں تفصیل ہے۔ اور اسی طرح اگر غصبی دھاگے سے لباس سیئے۔ تو مالک اس کو واپس کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور اس شخص پر واجب ہے کہ وہ ایسا کرے۔ چاہے لباس خراب ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اور اگر لکڑی، تختی یا دھاگہ نکالنے یا کھینچنے سے خراب ہو جائے تو غاصب پر اس کا تاوان ادا کرنا واجب ہے۔ یہ اس وقت جب کھینچی گئی یا نکال گئی چیز نکالنے کے بعد ارزش رکھتی ہو۔ لیکن اگر وہ اپنی قیمت کھو بیٹھے تو ظاہراً وہ ضائع ہو جانے والی چیز کے حکم میں ہے۔ پس غاصب پر واجب ہے کہ وہ اس کا بدل ادا کرے۔ اور مالک بھی اسی چیز کا مطالبہ کا حق نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۱۶: اگر غصب کی گئی چیز کو ایسی چیز کے ساتھ مخلوط کر دے کہ ان میں تمیز ممکن تو ہو مگر کافی محنت کے بعد۔ مثلاً جَو کو گیہوں میں اور باجرے کو مکئی میں ملا دے تو غاصب پر واجب ہے کہ اسے الگ کرکے اس کے مالک تک پہونچائے۔

مسئلہ ۱۷: غصب کی گئی چیز واپس کرنے کے ساتھ غاصب پر واجب ہے کہ اگر وہ چیز منافع رکھتی ہو تو غصب کی مدت کے منافع کا بدل بھی ادا کرے۔ چاہے غاصب نے نفع اُٹھایا ہو۔ جیسے گھر میں رہا ہو یا جانور پر سواری کی ہو یا نہ اٹھایا ہو بلکہ اس چیز کو بے کار چھوڑ رکھا ہو۔

مسئلہ ۱۸: اگر اس چیز کے متعدد منافع ہوں اور وہ بیکار پڑی رہے تو معیار اس کے مشہور و معروف فائدہ کو قرار دیا جائے گا۔ اس کا دوسرے فوائد ہو نچانے کے قابل ہونا نہیں دیکھا جائے گا۔ پس گھر کی

المتعارفة بالنسبة الى تلك العين، و لا ينظر إلى مجرد قابليتها لبعض منافع أخر، فنفعة الدار بحسب المتعارف هي السكنى و إن كانت قابلة في نفسها بأن تجعل محرزاً أو مسكناً لبعض الدواب وغير ذلك ، و منفعة بعض الدواب كالفرس بحسب المتعارف الركوب و منفعة بعضها الحمل و إن كانت قابلة في نفسها لأن تستعمل في إدارة الرحى و الدولاب أيضاً، فالمضمون في غصب كل عين هو المنفعة المتعارفة بالنسبة اليها، ولو فرض تعدد المتعارف منها على نحو التبادل كبعض الدواب التي تعارف استعمالها في الحمل و الركوب معاً فان لم يتفاوت أجرة تلك المنافع ضمن تلك الأجرة و إن كانت أجرة بعضها أعلى ضمن الأعلى، فلو فرض أن أجرة الحمل في كل يوم درهمان وأجرة الركوب درهم كان عليه درهمان، و الظاهر أن الحكم كذلك مع الاستيفاء أيضاً، فمع تساوي المنافع في الأجرة كان عليه أجرة ما استوفاه ، و مع التفاوت كان عليه أجرة الأعلى، سواء استوفى الأعلى أو الأدنى.

مسألة ١٩ ـ إن كان المغصوب منه شخصاً يجب الرد إليه أو إلى وكيله إن كان كاملاً، و إلى وليه إن كان قاصراً كما إذا كان صبياً أو مجنوناً، فلو رد في الثاني الى نفس المالك لم يرتفع منه الضمان، و إن كان المغصوب منه هو النوع كما إذا كان المغصوب وقفاً على الفقراء وقف منفعة فان كان له متول خاص يرده اليه، و إلا فيرده الى الولي العام، و هو الحاكم، و ليس له أن يرده إلى بعض أفراد النوع، بأن يسلمه في المثال المذكور الى أحد الفقراء، نعم في مثل المساجد و الشوارع و القناطر بل الرباطات إذا غصبها يكفي في ردها رفع اليد عنها وإبقاؤها على حالها، بل يحتمل أن يكون الأمر كذلك في المدارس، فاذا غصب مدرسة يكفي في ردها رفع اليد عنها والتخلية بينها و بين الطلبة، و الأحوط الرد الى الناظر الخاص لو كان، وإلا فالى الحاكم، هذا إذا غصبها ولم يكن فيها ساكن، و إلا فلا يبعد وجوب الرد الى الطلبة الساكنين فيها حال الغصب إن لم يعرضوا عن حقهم.

معروف و مشہور منفعت سکونت ہے۔ اگرچہ مکان کو اسٹور روم اور طویلہ وغیرہ بھی بنایا جا سکتا ہے اور عرفِ عام میں بعض جانوروں مثلاً گھوڑوں کی منفعت سواری اور بعض کی بوجھ اٹھانا ہے۔ اگرچہ ان سے چکی چلانے اور کنویں سے پانی کھینچنے کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ پس غاصب اس چیز کی مشہور و معروف منفعت کا ضامن ہوگا۔

اور اگر عرفِ عام میں کسی چیز کے یکے بعد دیگرے، متعدد فائدے فرض کئے جائیں۔ جیسے بعض جانوروں سے عرفِ عام میں سواری اور بوجھ اٹھانا، دونوں کام لئے جاتے ہوں۔ تو اگر ان منافع کی اُجرت میں فرق نہ ہو۔ تو اسی اُجرت کا ضامن ہے اور اگر بعض منافع کی اُجرت زیادہ ہو تو زیادہ کا ضامن ہے۔ پس اگر بوجھ اٹھانے کی ایک دن کی اُجرت دو درہم ہو اور سواری کی اُجرت ایک درہم۔ تو وہ دو درہم کا ضامن ہے اور ظاہراً اگر غاصب جانور سے کام بھی نہ لے تب بھی حکم یہی ہے۔

اور تمام منافع کی اُجرت مساوی ہونے کی صورت میں غاصب پر واجب ہے کہ اس نے جانور سے جتنا کام لیا ہے اس کی اُجرت ادا کرے۔

لیکن اگر اُجرتوں میں فرق ہو تو وہ زیادہ اُجرت کا ضامن ہے۔ چاہے اس نے زیادہ اُجرت والا کام لیا ہو یا کم اُجرت والا۔

مسئلہ ۱۹: جس کا مال غصب کیا جائے اگر وہ کوئی شخص ہو تو غاصب پر واجب ہے کہ اس کا مال یا تو خود اس کو واپس کرے یا اس کے وکیل کو دے اگر وہ کامل العقل ہو۔ لیکن اگر "قاصر" ہو مثلاً بچہ یا دیوانہ ہو تو اس کے ولی کو دے۔ پس دوسری صورت میں اگر خود مالک کو مال واپس دے دے تو ضمانت ساقط نہیں ہوگی۔ لیکن جس کا مال غصب کیا گیا ہو اگر وہ شخص نہ ہو بلکہ "نوع" ہو۔ جیسا کہ غصب کی گئی چیز کا نفع فقراء کے لئے ہو۔ تو اس صورت میں اگر اس کا کوئی متولی ہو تو غصبی چیز متولی کو واپس کرے۔ اور متولی نہ ہونے کی صورت میں ولی عام کے حوالے کرے۔ جو حاکمِ شرع ہوتا ہے۔ غاصب کو حق نہیں کہ وہ غصبی چیز کو اس نوع کے بعض افراد کے حوالے کر دے۔ مثلاً گذشتہ مثال میں کسی ایک فقیر کو دینے کا حق نہیں رکھتا۔

البتہ اگر مسجدوں، سڑکوں، پلوں، مسافر خانوں وغیرہ میں سے کسی چیز کو غصب کر رکھا ہو تو اسکو واپس کرنے کے لئے صرف اس سے دست بردار ہو جانا اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دینا ہی کافی ہے۔ بلکہ احتمال یہ ہے کہ مدارس کا بھی یہی حکم ہے۔ پس اگر مدرسہ کو غصب کر رکھا ہو تو اس کو لوٹانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو طلبہ کے لئے خالی کر دے۔ اور اگر اس کا متولی خاص ہو تو احتیاط یہ ہے کہ اس کے حوالے کرے اور متولی نہ ہونے کی صورت میں حاکم شرع کے سپرد کرے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب اس نے مدرسہ کو غصب کیا تھا۔ اس وقت کوئی اس میں ساکن نہ رہا ہو۔ لیکن اگر ساکن رہا ہو تو بعید نہیں ہے کہ غصب کے موقعہ پر جو طلبہ اس میں ساکن تھے ان کو واپس کرنا واجب ہو۔ اگر انھوں نے اپنے حق (سکونت) سے اعراض نہ کیا ہو۔

مسألة ٢٠ ـ إذا كان المغصوب و المالك كلا هما في بلد الغصب فلا إشكال، و كذا إن نقل المال الى بلد آخر و كان المالك في بلد الغصب، فانه يجب عليه عود المال إلى ذلك البلد و تسليمه الى المالك، و أما إذا كان المالك في غير بلد الغصب فان كان في بلد المال فله إلزامه بأحد أمرين: إما بتسليمه له في ذلك البلد، و إما بنقله الى بلد الغصب، و أما إن كان في بلد آخر فلا إشكال في أن له إلزامه بنقل المال إلى بلد الغصب، و هل له إلزامه بنقل المال إلى البلد الذي يكون فيه المالك؟ الظاهر أنه ليس له ذلك.

مسألة ٢١ ـ لو حدث في المغصوب نقص و عيب وجب على الغاصب أرش النقصان، و هو التفاوت بين قيمته صحيحاً و قيمته معيبا ورد المعيوب الى مالكه، و ليس للمالك إلزامه بأخذ المعيوب و دفع تمام القيمة، ولا فرق على الظاهر بين ما كان العيب مستقراً و بين ما كان مما يسري و يتزايد شيئاً فشيئاً حتى يتلف المال بالمرة.

مسألة ٢٢ ـ لو كان المغصوب باقياً لكن نزلت قيمته السوقية رده، و لم يضمن نقصان القيمة ما لم يكن ذلك بسبب نقصان في العين.

مسألة ٢٣ ـ لو تلف المغصوب أو ما بحكمه كالمقبوض بالعقد الفاسد و المقبوض بالسوم قبل رده إلى المالك ضمنه بمثله إن كان مثلياً و بقيمته إن كان قيمياً، و تعيين المثلي و القيمي موكول الى العرف، و الظاهر أن المصنوعات بالمكائن في هذا العصر مثليات أو بحكمها، كما أن الحبوبات و الأدهان و عقاقير الأدوية و نحوها مثليات، و أنواع الحيوان و كذا الجواهر و نحوها قيميات.

مسألة ٢٤ ـ إنما يكون مثل الحنطة مثلياً إذا لوحظ أشخاص كل صنف منها على حدة و لم يلاحظ أشخاص صنف مع أشخاص صنف آخر منها مبائن له في كثير من الصفات والخصوصيات، فاذا تلف عنده مقدار من صنف خاص من الحنطة يجب عليه دفع ذلك المقدار من ذلك الصنف لا صنف آخر، نعم التفاوت الذي بين أشخاص ذلك الصنف لا ينظر اليه و كذلك الأرز، فان فيه أصنافا

مسئلہ ۲۰: اگر غصب کی گئی چیز اور مالک دونوں اسی شہر میں رہتے ہوں کہ جس میں فعل غصب واقع ہوا ہے تو کوئی مشکل نہیں۔ اور اسی طرح جب مال کو دوسرے شہر میں لے جائے اور مالک اسی شہر میں ہو جس سے غصب کیا ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں غاصب پر واجب ہے کہ وہ مال کو اسی شہر میں لے جا کر مالک کے حوالے کر دے۔ لیکن جب مالک "غصب" والے شہر میں نہ ہو تو اس صورت میں اگر وہ اس شہر میں ہو کہ جس میں غصب کیا گیا مال ہے۔ تو مالک حق رکھتا ہے کہ وہ غاصب کو دو میں سے ایک کام کرنے پر مجبور کرے۔ یا اسی شہر میں مال کو لوٹانے کے لئے کہے یا اس پر لازم کرے کہ جس شہر سے مال غصب کیا ہے اس میں پہونچائے لیکن اگر مالک دوسرے شہر میں ہو تو مالک کو بلا اشکال حق ہے کہ وہ غاصب پر مال کو جس شہر سے غصب کیا ہے اس میں پہونچانا لازمی قرار دے۔ اور جس شہر میں وہ رہتا ہے آیا اس میں مال کے پہونچانے کو لازمی قرار دینے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟ ظاہراً مالک کو یہ حق نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۱: اگر غصبی چیز میں کوئی عیب یا نقص پیدا ہو جائے تو غاصب پر واجب ہے اسکا تاوان ادا کرے تاوان کی مقدار قیمت کا وہ تفاوت ہے جو اس چیز کے صحیح اور معیوب ہونے کے درمیان حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ تاوان کے ہمراہ وہ معیوب چیز بھی مالک کے حوالے کرے اور مالک کو حق نہیں کہ وہ غاصب کو معیوب چیز اپنے پاس رکھ کر اس کی پوری قیمت ادا کرنے پر مجبور کرے۔ اور ظاہراً اس میں کوئی فرق نہیں کہ عیب ثابت ہو یا اس میں تھوڑا تھوڑا اضافہ ہوتا ہو جس کی وجہ سے آخرکار وہ چیز مکمل طور پر ضائع ہو جائے۔

مسئلہ ۲۲: اگر غصب کی گئی چیز باقی ہو لیکن بازار میں اس کی قیمت کم ہو گئی ہو تو وہی چیز واپس کی جائے گی۔ اور شخص غاصب اس وقت تک قیمت کی کمی کا ضامن نہیں جب تک اس کا سبب اصل چیز میں نقصان واقع ہو جانا نہ ہو۔

مسئلہ ۲۳: اگر غصب کی گئی چیز، یا جو چیز غصب کی گئی چیز کے حکم میں ہے جیسے عقد فاسد کے ذریعہ یا اختیار کے طور پر قبضہ میں لی گئی چیز، اس کے مالک کو دیئے جانے سے پہلے تلف ہو جائے تو غاصب اس جیسی چیز ادا کرنے کا ضامن ہے اگر اسکا تعلق مثلیات سے ہو، اور اگر اسکا تعلق قیمیات سے ہو تو اس صورت میں اس کی قیمت ادا کرنے کا ضامن ہے اور اس چیز کے "مثلی یا قیمی" ہونے کا تعین کرنا عرفِ عام پر موقوف ہے اور ظاہراً اس زمانہ میں مشینوں سے بننے والی چیزیں یا "مثلی" ہیں یا ان کے حکم میں ہیں۔ جیسا کہ دانے، دوا، دارو، اور روغن اور ان کے امثال بھی مثلی ہیں۔ جبکہ مختلف قسم کے حیوانات اور جواہرات وغیرہ سب "قیمی" ہیں۔

مسئلہ ۲۴: گیہوں وغیرہ جیسی چیزیں اسی وقت "مثلی" کہلائیں گی کہ جب ہر صنف کی گیہوں کے اقسام کو علیحدہ لحاظ کیا جائے۔ ایک صنف کی گیہوں کی اقسام کو دوسری صنف کی گیہوں کی اقسام کے ساتھ لحاظ نہ کیا گیا ہو کہ جو اکثر صفات و خصوصیات کے اعتبار سے پہلی قسم سے بالکل مختلف ہو۔ پس گیہوں کی ایک خاص صنف میں سے کچھ مقدار اگر غاصب سے تلف ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ اسی صنف کی گیہوں میں سے تلف شدہ مقدار کے برابر ادا کرے نہ کہ دوسری صنف میں سے! البتہ اس صنف کی اقسام میں جو معمولی فرق ہوتا ہے اس کو خاطر میں نہیں لایا جائے گا۔ اور یہی حکم چاول کا بھی ہے۔ اس لئے کہ چاول کی بھی متعدد اور مختلف صنفیں ہیں۔ پس

متفاوتة جداً، فأين العنبر من الحويزاوي أو غيره؟! فاذا تلف عنده مقدار من العنبر يجب عليه دفع ذلك المقدار منه لا من غيره، و كذلك الحال في التمر و أصنافه والأدهان وغير ذلك مما لا يحصى.

مسألة ٢٥ ـ لو تعذر المثل في المثلي ضمن قيمته، و إن تفاوتت القيمة وزادت و نقصت بحسب الأزمنة بأن كان له حين الغصب قيمة و في وقت تلف العين قيمة و يوم التعذر قيمة و اليوم الذي يدفع القيمة الى المغصوب منه قيمة فالمدار هو الأخير، فيجب عليه دفع تلك القيمة، فلو غصب مناً من الحنطة كان قيمتها درهمين فأتلفها في زمان كانت الحنطة موجودة و كانت قيمتها ثلاثة دراهم ثم تعذرت و كانت قيمتها أربعة دراهم ثم مضى زمان وأراد أن يدفع القيمة من جهة تفريغ ذمته و كانت قيمة الحنطة في ذلك الزمان خمسة دراهم يجب دفع هذه القيمة.

مسألة ٢٦ ـ يكفي في التعذر الذي يجب معه دفع القيمة فقدانه في البلد و ما حوله مما ينقل منه إليه عادة.

مسألة ٢٧ ـ لو وجد المثل بأكثر من ثمن المثل وجب عليه الشراء و دفعه الى المالك ما لم يؤد الى الحرج.

مسألة ٢٨ ـ لو وجد المثل و لكن تنزلت قيمته لم يكن على الغاصب إلا إعطاؤه، و ليس للمالك مطالبته بالقيمة و لا بالتفاوت، فلو غصب مناً من الحنطة في زمان كانت قيمتها عشرة دراهم و أتلفها و لم يدفع مثلها قصوراً أو تقصيراً إلى زمان قد تنزلت قيمتها و صارت خمسة دراهم لم يكن عليه إلا إعطاء منّ من الحنطة، و لم يكن للمالك مطالبة القيمة و لا مطالبة خمسة دراهم مع منّ من الحنطة، بل ليس له الامتناع عن الأخذ فعلاً و إبقاؤها في ذمة الغاصب إلى أن تترق القيمة إذا كان الغاصب يريد الأداء و تفريغ ذمته فعلاً.

مسألة ٢٩ ـ لو سقط المثل عن المالية بالمرة من جهة الزمان أو المكان فالظاهر أنه ليس للغاصب إلزام المالك بأخذ المثل، و لا يكفي دفعه في ذلك الزمان أو

جو ہیرے اور عنبر یا اس کے علاوہ کے چاول میں کوئی مقابلہ نہیں۔ لہٰذا اگر عنبر کی کچھ مقدار تلف ہوئی ہو تو اس پر واجب ہے کہ اتنی مقدار میں عنبر ہی سے ادا کرے۔ یہی حکم خرما اور اس کی قسموں اور روغنیات وغیرہ کا ہے جن کی تعداد بے حساب ہے۔

مسئلہ ۲۵: اگر "مثلی" چیزوں میں اس کا مثل فراہم کرنے سے معذور ہو تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ لیکن اگر قیمت متفاوت ہو اور زمانہ کے اعتبار سے کم و بیش ہوجاتی ہو۔ مثلاً جب اس چیز کو غصب کیا تھا اس وقت ایک قیمت تھی جب تلف ہوئی، دوسری قیمت اور اس کی ادائیگی سے معذور ہونے کے دن کچھ اور قیمت اور جس روز اس شئے کے مالک کو اس کی قیمت دینا چاہے تو اس روز ایک الگ قیمت ہو تو آخری قیمت معیار ہے۔ پس وہی قیمت ادا کرنا اس پر واجب ہے۔ چنانچہ اگر کوئی ایک دھڑی گیہوں غصب کرے اور اس کی قیمت دو درہم ہو۔ اس کے بعد ایسے زمانہ میں کہ جب گیہوں موجود ہو اور اس کی قیمت تین درہم ہو جائے اس کو ضائع کردے بعد میں ادا کرنے سے قاصر ہو جائے اور اس کی قیمت چار درہم ہو چکی ہو۔ کچھ عرصہ گذر جانے کے بعد اس کے اندر بری الذمہ ہو جانے کا خیال پیدا ہو اور وہ قیمت ادا کرنا چاہتا ہو لیکن اس وقت گیہوں کی قیمت پانچ درہم ہو چکی ہو تو اس پر واجب ہے کہ پانچ درہم (جو آخری قیمت ہے) ادا کرے۔

مسئلہ ۲۶: مثل کی ادائیگی سے معذور ہونے کے لئے کہ جس کی بناء پر قیمت ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس کا اس شہر یا اس کے اطراف میں نہ ہونا کافی ہے کہ عادتاً جس شہر سے وہ چیز نقل ہوتی ہے۔

مسئلہ ۲۷: اگر اس چیز کا مثل، اس کی قیمت سے زیادہ قیمت میں میسر ہو۔ تو غاصب پر واجب ہے کہ اسے خرید کر اس کے مالک کے حوالے کرے بشرطیکہ کوئی حرج لازم نہ آتا ہو۔

مسئلہ ۲۸: اگر مثل موجود ہو لیکن اسکی قیمت گر چکی ہو تو غاصب پر صرف اتنا واجب ہے کہ وہ مثل مالک کے حوالے کرے۔ چنانچہ مالک اس سے قیمت اور اس کی کمی پوری کرنے کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ پس اگر ایک ڈھڑی گیہوں اس زمانہ میں غصب کرے جب اس کی قیمت دس درہم ہو۔ اور اس کے بعد اس گیہوں کو ضائع کردے لیکن افراط یا تفریط کی بناء پر اس کے مثل ادا نہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کی قیمت گر کر پانچ درہم ہو جائے۔ تو اس پر صرف ایک دھڑی گیہوں ادا کرنا واجب ہے۔ مالک کو حق نہیں کہ وہ قیمت کا مطالبہ کرے یا ایک دھڑی گیہوں کے ساتھ پانچ درہم (خسارے کے جبران کے طور پر) طلب کرے۔ بلکہ مالک کو یہ حق بھی نہیں پہونچتا کہ وہ فوری وصول کرنے سے انکار کردے اور اسے قیمت چڑھ جانے تک غاصب کے پاس رہنے دے۔ جب کہ غاصب ادا کر کے فوری طور پر بری الذمہ ہونا چاہتا ہو۔

مسئلہ ۲۹: کسی زمانے میں یا کسی مقام پر اگر "مثل" کی قیمت ایک بارگی گر جائے تو غاصب کو حق نہیں کہ وہ مالک کو مثل لے لینے پر مجبور کرے۔ اور اگر مالک راضی نہ ہو تو اس زمانہ یا اس مقام پر ادا کرنا غاصب کی گردن سے ضمانت برطرف ہوجانے کے لئے کافی نہیں۔ پس اگر گرمیوں میں کسی کی برف غصب کرے اور اس کے مثل سردیوں میں مالک کو دینا چاہے۔ یا صحرا میں کسی سے پانی کی مشک چھین لے اور دریا کے

المكان في ارتفاع الضمان لو لم يرض به المالك ، فلو غصب ثلجاً في الصيف و أتلفه و أراد أن يدفع الى المالك مثله في الشتاء أو قربة ماء في مفازة فأراد أن يدفع إليه قربة ماء عند الشط ليس له ذلك و للمالك الامتناع، فله أن يصبر و ينتظر زماناً أو مكاناً آخر فيطالبها بالمثل الذي له القيمة، و له أن يطالب الغاصب بالقيمة فعلاً كما في صورة تعذر المثل، و حينئذ فهل يراعى قيمته في زمان الغصب و مكانه؟ المسألة مشكلة، فالأحوط التخلص بالتصالح.

مسألة ٣٠ ـ لو تلف المغصوب و كان قيمياً كالدواب و الثياب ضمن قيمته، فان لم يتفاوت قيمته في الزمان الذي غصبه مع قيمته في زمان تلفه فلا إشكال، و إن تفاوتت بأن كانت قيمته يوم الغصب أزيد من قيمته يوم التلف أو العكس فهل يراعى الأول أو الثاني؟ فيه قولان مشهوران، و هنا وجه آخر، و هو مراعاة قيمة يوم الدفع، والأحوط التراضي فيما به التفاوت بين يوم الغصب إلى يوم الدفع، هذا إذا كان تفاوت القيمة من جهه السوق و تفاوت رغبة الناس، و أما إن كان من جهة زيادة و نقصان في العين كالسمن و الهزال فلا إشكال في أنه يراعى أعلى القيم و أحسن الأحوال، بل لو فرض أنه لم يتفاوت قيمة زماني الغصب و التلف من هذه الجهة لكن حصل فيه ارتفاع بين الزمانين ثم زال ضمن ارتفاع قيمته الحاصل في تلك الحال، مثل ما لو كان الحيوان هازلاً حين الغصب ثم سمن ثم عاد إلى الهزال و تلف، فانه يضمن قيمته حال سمنه.

مسألة ٣١ ـ لو اختلف القيمة باختلاف المكان كما إذا كان المغصوب في بلد الغصب بعشرة و في بلد التلف بعشرين و في بلد الأداء بثلاثين فلا يترك الاحتياط المتقدم في المسألة السابقة.

مسألة ٣٢ ـ كما أنه عند تلف المغصوب يجب على الغاصب دفع بدله الى المالك مثلاً أو قيمةً كذلك فيما إذا تعذر على الغاصب عادة تسليمه، كما اذا سرق أو دفن في مكان لا يقدر على إخراجـه،أو أبق العبد أو شردت الدابة و نحو ذلك، فانه يجب عليه إعطاء مثله أو قيمته مادام كذلك ، و يسمى ذلك البدل بدل

کنارے واپس کرنا چاہے۔ تو غاصب ایسا کرنے کا حق نہیں رکھتا اور مالک واپس لینے سے انکار کر سکتا ہے۔ لہذا مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس جیسے وقت یا جگہ کا انتظار کرے اور اپنی بااررزش غصبی چیز کے مثل کا مطالبہ کرے اور مالک کو یہ حق بھی پہونچتا ہے کہ وہ غاصب سے اسی وقت غصب کی گئی چیز کی قیمت کا مطالبہ کرے جیساکہ اس کے مثل میسر نہ ہونے کی صورت میں کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایسے موقع پر آیا اس چیز کی اس قیمت کی رعایت کی جائے گی کہ جو غصب کے زمانہ یا مقام پر تھی؟ مسئلہ مشکل ہے۔ لہذا احتیاط یہ ہے کہ مصالحت کے ذریعہ اسے حل کیا جائے۔

مسئلہ ۳۰: اگر غصب کی گئی چیز ضائع ہو جائے اور اس کا تعلق قیمیات سے ہو جیسے جانور اور لباس تو غاصب اس کی قیمت ادا کرنے کا ضامن ہے۔ پس اگر غصب اور ضائع ہونے کے وقت میں قیمت میں کوئی فرق نہ ہو تو کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر قیمت میں فرق آ جائے مثلاً اس چیز کے ضائع ہونے کے روز کی قیمت سے یوم غصب کی قیمت زیادہ ہو یا اس کے برعکس ہو، تو آیا پہلی قیمت ادا کی جائے گی یا دوسری؟ اس میں دو مشہور قول ہیں۔ اور ان کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ جس دن غاصب قیمت ادا کر رہا ہے اس قیمت کو پیش نظر رکھا جائے۔ لیکن احتیاط یہ ہے کہ غصب اور ادائیگی کے دن کی قیمت میں جتنا فرق ہے۔ اس میں ایک دوسرے پر راضی ہو جائیں یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب تفاوت قیمت بازار کے آثار چڑھاؤ اور لوگوں کی رغبت اور عدم رغبت کی بناء پر ہو۔ لیکن اگر تفاوت قیمت اس چیز میں اضافہ یا کمی کی بناء پر ہو مثلاً وہ چیز موٹی یا دبلی ہو جائے تو بلا اشکال سب سے زیادہ قیمت اور بہترین حالت کی رعایت کی جائے گی۔ بلکہ اگر فرض کر لیں کہ غصب اور تلف کے زمانہ کی قیمت میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہ ہو۔ لیکن ان دو زمانوں کے درمیان قیمت چڑھ کر پھر گر گئی ہو تو اس صورت میں چڑھی ہوئی قیمت ادا کرنے کا ضامن ہے۔ جیساکہ جب غصب کیا تھا تو جانور دبلا تھا۔ بعد میں فربہ ہو گیا اور پھر دبلا ہو کر ضائع ہو گیا۔ تو اس قیمت کا ضامن ہے جو فربہ ہونے کی حالت میں تھی۔

مسئلہ ۳۱: اگر جگہ بدلنے سے قیمت میں اختلاف ہو جائے۔ مثلاً جس شہر میں غصب کیا ہو وہاں اس چیز کی قیمت دس روپے اور جس شہر میں ضائع ہوئی ہو اس میں بیس روپے اور جس شہر میں ادا کرنا چاہے اس میں تیس روپے ہو۔ تو گذشتہ مسئلہ میں بیان شدہ احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۳۲: جس طرح اگر کوئی چیز ضائع ہو جائے تو غاصب پر واجب ہے کہ اس جیسی چیز یا اس کی قیمت مالک کو دے اسی طرح اس صورت میں بھی واجب ہے کہ جب غاصب عادتاً اس کو مالک کے حوالے کرنے سے معذور ہو، مثلاً وہ چیز چوری ہو جائے یا ایسی جگہ دفن کر دے جہاں سے نکالنے پر قادر نہ ہو۔ یا غلام فرار ہو جائے۔ یا جانور بھاگ جائے یا اسی طرح کا کوئی اور عذر در پیش ہو۔ تو جبتک یہ صورت حال باقی رہے غاصب پر اس جیسی چیز یا اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہے اور اس بدل کو "بدل

الحيلولة، و يملك المالك البدل مع بقاء المغصوب في ملكه، و إذا أمكن تسليم المغصوب ورده يسترجع البدل.

مسألة ٣٣ ـ لو كان للبدل نماء و منافع في تلك المدة كان للمغصوب منه، نعم نماؤه المتصل كالسمن يتبع العين، فاذا استرجعها الغاصب استرجعها بنمائها، و أما المبدل فلما كان باقياً على ملك مالكه فنماؤه و منافعه له، لكن الغاصب لا يضمن منافعه الغير المستوفاة في تلك المدة على الأقوى.

مسألة ٣٤ ـ القيمة التي يضمنها الغاصب في القيميات و في المثليات عند تعذر المثل هو نقد البلد من الذهب و الفضة المضروبين بسكة المعاملة و غيرهما مما هو نقد البلد كالأوراق النقدية، و هذا هو الذي يستحقه المغصوب منه، كما هو كذلك في جميع الغرامات و الضمانات، فليس للضامن دفع غيره إلا بالتراضي بعد مراعاة قيمة ما يدفعه مقيساً الى نقد البلد.

مسألة ٣٥ ـ الظاهر أن الفلزات و المعادن المنطبعة كالحديد و الرصاص و النحاس كلها مثلية حتى الذهب و الفضة مضروبين أو غير مضروبين، و حينئذ تضمن جميعها بالمثل، و عند التعذر تضمن بالقيمة كسائر المثليات المتعذر المثل، نعم في خصوص الذهب و الفضة تفصيل، و هو أنه إذا قوّم بغير الجنس كما إذا قوّم الذهب بالدرهم أو قوّم الفضة بالدينار فلا إشكال، وأما إذا قوّم بالجنس بأن قوّم الفضة بالدرهم أو قوّم الذهب بالدينار فان تساوى القيمة و المقوّم وزناً كما اذا كانت الفضة المضمونة المقوّمة عشرة مثاقيل فقوّمت بثمانية دراهم و كان وزنها أيضاً عشرة مثاقيل فلا إشكال أيضاً، و إن كان بينهما التفاوت بأن كانت الفضة المقوّمة عشرة مثاقيل مثلاً و قد قوّمت بثمانية دراهم وزنها ثمانية مثاقيل فيشكل دفعها غرامة عن الفضة، لاحتمال كونه داخلاً في الربا فيحرم، كما أفتى به جماعة، فالأحوط أن يقوّم بغيرالجنس بأن يقوّم الفضة بالدينار والذهب بالدرهم حتى يسلم من شبهة الربا.

مسألة ٣٦ ـ لو تعاقبت الأيادي الغاصبة على عين ثم تلفت بأن غصبها

حیلولہ کہتے ہیں۔ مالک اس بدل کا مالک ہو جاتا ہے حالانکہ غصب کی گئی چیز بھی اس کی ملکیت میں باقی رہتی ہے۔ پس جب غاصب غصب کی گئی چیز مالک کے حوالے کرنے پر قادر ہو تو اس کے حوالے کر کے اس کا بدل واپس لے گا۔

مسئلہ ۳۳: غصب کی مدت میں بدل کے منافع اور اضافات مالک کی ملکیت ہونگے۔ البتہ غصب کی گئی چیز سے متصل اضافات جیسے موٹاپا وغیرہ۔ اسی چیز کے تابع ہوں گے۔ لہٰذا جب غاصب اس چیز کو واپس لیگا تو اسکے متصل اضافوں سمیت واپس لے گا۔ لیکن "مبدل" یعنی غصب کی گئی چیز چونکہ مالک کی ملکیت میں باقی ہے۔ لہٰذا اسکے اضافات اور منافع کا مالک بھی وہی ہوگا۔ البتہ اقویٰ یہ ہے کہ مدتِ غصب میں غاصب نے جو منافع اس چیز سے حاصل نہیں کئے ہیں ان کا ضامن نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۳۴: قیمت کہ غاصب جس کا "قیمیات" اور "مثلیات" میں مثل نہ ملنے کی وجہ سے ضامن ہے وہ سونے اور چاندی کے وغیرہ کے رائج الوقت سکے یا کاغذ کے نقدی نوٹ ہیں۔ یہی وہ قیمت ہے کہ مالک جس کا حقدار ہے۔ جیسا کہ تمام ضمانتوں اور خسارتوں میں ہوتا ہے۔

پس ضامن اس کے علاوہ ادا کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ مگر یہ کہ جو چیز غاصب ادا کرنا چاہتا ہو۔ اس پر مالک راضی ہو جائے اور سکۂ رائج الوقت کے اعتبار سے اس کی اتنی مالیت ہو۔

مسئلہ ۳۵: ظاہراً، دھاتوں اور سانچہ میں ڈھلے ہوئے تمام معدنیات جیسے لوہا، تانبا، سیسہ، حتیٰ سونا چاندی چاہے۔ مسکوک ہو غیر مسکوک کا شمار "مثلیات" میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ان چیزوں میں "مثل" کا ضامن ہے۔ لیکن مثل کی ادائیگی سے معذور ہونے کی صورت میں تمام مثلیات کی طرح اس صورت میں بھی اس کی قیمت کا ضامن ہے۔ البتہ خاص طور سے سونے اور چاندی کا حکم تفصیل پر مبنی ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سونے اور چاندی کی قیمت اس کی جنس کے علاوہ لگائی جائے اس طرح کہ سونے کی قیمت درہم اور چاندی کی قیمت، دینار سے معیّن کی جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں لیکن اگر اسی جنس سے قیمت لگائی جائے مثلاً چاندی کی درہم اور سونے کی دینار سے تو ایسی صورت میں اگر اس چیز اور قیمت کا وزن برابر ہو۔ مثال کے طور، وہ چاندی کہ جس کا ضامن ہے اور اس کی قیمت لگائی جا چکی ہے۔ دس مثقال ہو۔ اور آٹھ درہم اس کی قیمت معیّن کی جائے لیکن ان کا وزن دس مثقال ہو تو اس میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر قیمت اور غصب کئے گئے سونے یا چاندی کے وزن میں فرق ہو۔ مثلاً جس چاندی کی قیمت لگائی گئی ہے وہ دس مثقال ہو۔ لیکن وہ آٹھ درہم جو اس کی قیمت ہے ان کا وزن آٹھ مثقال ہو۔ تو وہ آٹھ درہم اس چاندی کی غرامت کے طور پر دینے میں اشکال ہے۔ اس لئے کہ احتمال یہ ہے کہ سود میں داخل ہو جائے اور سود حرام ہے۔ جیسا کہ ایک جماعت نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ پس احتیاط یہ ہے کہ اس چیز کی قیمت دوسری جنس سے معیّن کرے مثلاً چاندی کی قیمت دینار اور سونے کی قیمت درہم سے لگائے تاکہ سود کے شبہ سے محفوظ رہ سکے۔

مسئلہ ۳۶: اگر ایک چیز کے یکے بعد دیگرے کئی افراد غاصب ہو جائیں اور اس کے بعد وہ چیز ضائع ہو جائے۔

شخص من مالكها ثم غصبها من الغاصب شخص آخر ثم غصبها من الثاني شخص ثالث و هكذا ثم تلفت ضمن الجميع، فللمالك أن يرجع ببدل ما له من المثل أو القيمة على كلّ واحد منهم، وعلى أكثر من واحد بالتوزيع متساو ياً أو متفاوتاً، حتى أنه لو كانوا عشرة مثلاً له أن يرجع على الجميع و يأخذ من كل منهم عشر ما يستحقه من البدل، و له أن يأخذ من واحد منهم النصف و الباقي من الباقين بالتوزيع متساو ياً أو بالتفاوت، هذا حكم المالك معهم، وأما حكم بعضهم مع بعض فعلى الغاصب الأخير الذي تلف المال عنده قرار الضمان، بمعنى أنه لو رجع عليه المالك و غرمه لم يرجع هو على غيره بما غرمه، بخلاف غيره من الأيادي السابقة، فان المالك لو رجع على واحد منهم فله أن يرجع على الأخير الذي تلف المال عنده، كما أن لكل منهم الرجوع على تاليه و هو على تاليه و هكذا إلى أن ينتهي إلى الأخير.

مسألة ٣٧ ـ لو غصب شيئاً مثلياً فيه صنعة محللة كالحلي من الذهب و الفضة و كالآنية من النحاس وشبهه فتلف عنده أو أتلفه ضمن مادته بالمثل وصنعته بالقيمة، فلو غصب قرطاً من ذهب كان وزنه مثقالين و قيمة صنعته و صياغته عشرة دراهم ضمن مثقالين من ذهب بدل مادته و عشرة دراهم قيمة صنعته، و يحتمل قريباً صيرورته بعد الصياغة و بعد ما عرض عليه الصنعة قيمياً، فيقوّم القرط مثلاً بمادته و صنعته، و يعطى قيمته السوقية و الأحوط التصالح، و أما احتمال كون المصنوع مثلياً مع صنعته فبعيد جداً نعم لا يبعد ذلك بل قريب جداً في المصنوعات التي لها أمثال متقاربة، كالمصنوعات بالمكائن و المعامل المعمولة في هذه الأعصار من أنواع الظروف و الأدوات و الأثواب و غيرها، فتضمن كلها بالمثل مع مراعاة صنفها.

مسألة ٣٨ ـ لو غصب المصنوع و تلفت عنه الهيئة و الصنعة فقط دون المادة رد العين و عليه قيمة الصنعة، و ليس للمالك إلزامه باعادة الصنعة، كما أنه ليس عليه القبول لو بذله الغاصب و قال: إني أصنعه كما كان سابقاً.

مثال کے طور پر ایک شخص مالک سے کوئی چیز چھینے، دوسرا شخص اسی چیز کو غاصب سے چھین لے۔ پھر ایک تیسرا شخص اس چیز کو ہتھیالے اور ہوتے ہوتے وہ چیز ضائع ہو جائے تو سارے غاصب ضامن ہیں۔ پس مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مال کے بدل کا۔ اس کے مثل، یا قیمت کی صورت ان میں سے ہر ایک سے مطالبہ کرے۔ یا ایک سے زیادہ، یا بطور مساوی یا کسی سے زیادہ اور کسی سے کم مطالبہ کرے۔ حتیٰ اگر مثال کے طور پر غاصبوں کی تعداد دس ہو۔ تو مالک کو حق پہونچتا ہے کہ وہ ہر ایک سے اپنے حق کے دسویں حصہ کا مطالبہ کرے۔ اور وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ کسی ایک سے اپنے حق کے آدھے حصہ کے بدل کا، اور دوسروں سے بطور مساوی یا فرق کے ساتھ تقسیم کر کے مطالبہ کرے۔ یہ تھا غاصبوں کی نسبت مالک کا حکم۔ لیکن غاصبوں کا ایک دوسرے کی نسبت حکم یہ ہے کہ آخری غاصب کہ جس کے ہاتھ سے مال ضائع ہوا ہے وہی ضامن ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مالک اس سے مطالبہ کرے اور وہ غرامت پوری کر دے تو وہ دوسرے غاصب سے اس غرامت کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ برخلاف اس کے اگر مالک اس سے پہلے والے غاصبوں سے مطالبہ کرے تو وہ اس آخری غاصب سے مطالبہ کر سکتا ہے کہ جسکے ہاتھ سے مال ضائع ہوا ہے۔ جیساکہ پہلا غاصب، دوسرے غاصب اور دوسرا اپنے بعد والے سے مطالبہ کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ سلسلہ آخری غاصب تک پہونچ جائے۔

مسئلہ ۳۷: اگر مثلیات میں سے ایسی چیز غصب کرے جس میں حلال صنعت کام میں لائی گئی ہو، جیسے سونے چاندی کے زیورات اور تانبے کے برتن وغیرہ یا اس کے مانند اور اس کے ہاتھ سے ضائع ہو جائے یا وہ اس کو ضائع کر دے تو اس کے مادہ کے مثل اور کارگری کی قیمت کا ضامن ہے۔ پس اگر سونے کا گوشوارہ غصب کرے جس کا وزن دو مثقال اور اس کی بناوٹ اور ڈھالنے کی قیمت دس درہم ہو، تو مادے کے بدلہ میں دو مثقال سونے اور اس کی بناوٹ کے بدلے میں دس درہم کا ضامن ہو گا۔ اور احتمال قریب یہ ہے کہ وہ چیز ڈھالنے اور اس پر کام کرنے کے بعد "قیمیات" میں داخل ہو جائے۔ پس ایسی صورت میں گوشوارے کے مادے اور کارگری دونوں کی قیمت لگا کر بازار میں موجود نرخ کے حساب سے قیمت ادا کی جائے۔ اور احتیاط یہ بھی ہے کہ آپس میں مصالحت کریں۔ لیکن کارگری کے بعد اس چیز کے "مثلیات" میں سے ہونے کا احتمال بہت بعید ہے۔ البتہ ایسی مصنوعات میں یہ احتمال بعید نہیں بلکہ قریب ہے کہ جن میں نہایت ہی معمولی فرق ہوتا ہے۔ جیسے دورِ حاضر میں مشینوں کے ذریعہ اور کارخانوں میں بنائے جانے والے ظروف، اوزار اور کپڑے وغیرہ۔

پس صنف کی رعایت کرتے ہوئے ہر چیز کی مثل کا ضامن ہے۔

مسئلہ ۳۸: اگر کسی ایسی چیز کو غصب کرے جس پر کام کیا گیا ہو، اور صرف اس چیز کی شکل و صورت بگڑ جائے۔ مادہ اپنی جگہ پر باقی رہے تو مادہ واپس کرے گا اور کارگری کی قیمت ادا کرے گا۔ اور مالک کو حق حاصل نہیں کہ وہ غاصب پر کارگری کے ذریعہ اس کی شکل و صورت بحال کرنا لازمی قرار دے۔ اسی طرح اگر غاصب ایسا کرنا چاہے اور یہ کہے کہ میں اس چیز کو جیسی تھی ویسی ہی بنا دوں گا۔ تو مالک کے لئے قبول کرنا ضروری نہیں۔

مسألة ٣٩ ـ لو كانت في المغصوب المثلي صنعة محرمة غير محترمة كما في آلات القمار و الملاهي ونحوهالم يضمن الصنعة سواء أتلفها خاصة أو مع ذيها، فيرد المادة لو بقيت و عوضها لو تلفت، وليس عليه شيء لأجل الهيئة و الصنعة.

مسألة ٤٠ ـ إن تعيب المغصوب في يد الغاصب كان عليه أرش النقصان، و لا فرق في ذلك بين الحيوان و غير الحيوان، نعم اختص العبيد و الاماء ببعض الأحكام و تفاصيل لا يسعها المقام.

مسألة ٤١ ـ لو غصب شيئين تنقص قيمة كل واحد منها منفرداً عنها فيما إذا كانا مجتمعين كمصراعي الباب و الخفين فتلف أحدهما أو أتلفه ضمن قيمة التالف مجتمعاً، ورد الباقي مع ما نقص من قيمته بسبب انفراده فلو غصب خفين كان قيمتها مجتمعين عشرة و كان قيمة كل منها منفرداً ثلاثة فتلف أحدهما عنده ضمن التالف بقيمته مجتمعاً وهي خمسة، وردّ الآخر مع ما ورد عليه من النقص بسبب انفراده و هو إثنان، فيعطي للمالك سبعة مع أحد الخفين، ولو غصب أحدهما و تلف عنده ضمن التالف بقيمته مجتمعاً و هي خمسة في الفرض المذكور، و هل يضمن النقص الوارد على الثاني و هو إثنان حتى تكون عليه سبعة أم لا؟ فيه وجهان بل قولان، لا يخلو أولهما من رجحان.

مسألة ٤٢ ـ لو زادت بفعل الغاصب زيادة في العين المغصوبة فهي على أقسام ثلاثة: أحدها ـ أن تكون أثراً محضاً كخياطة الثوب بخيوط المالك و غزل القطن و نسج الغزل و طحن الطعام و صياغة الفضة و نحو ذلك، ثانيها ـ أن تكون عينية محضة كغرس الأشجار والبناء في الأرض البسيطة و نحو ذلك، ثالثها ـ أن تكون أثراً مشوباً بالعينية كصبغ الثوب و نحوه.

مسألة ٤٣ ـ لو زادت في العين المغصوبة ما يكون أثراً محضاً ردها كما هي، و لا شيء له لأجل تلك الزيادة و لا من جهة أجرة العمل، و ليس له إزالة الأثر وإعادة العين إلى ما كانت بدون إذن المالك حيث أنه تصرف في مال الغير بدون إذنه، بل لو أزاله بدون إذنه ضمن قيمته للمالك و إن لم يرد نقص على العين، و

مسئلہ ۳۹: اگر غصب کی گئی مثلی چیز پر حرام کاری گری کی گئی ہو جیسے جوئے اور لہو ولعب وغیرہ کے آلات میں ہوتا ہے تو کارگیری کا ضامن نہیں ہے۔ چاہے صرف اسی کو بگاڑے یا مادّے کے ساتھ اس کو ضائع کردے۔ پس اگر مادہ باقی ہو تو اسے واپس کرے اور ضائع ہوگیا ہو تو اس کا عوض کا عوض ادا کرے۔ اور شکل وکارگیری کے بدلے میں کچھ اس کے ذمہ نہیں۔

مسئلہ ۴۰: اگر غصب کی گئی چیز غاصب کے پاس معیوب ہو جائے تو اسے نقصان کا تاوان دینا پڑے گا۔ اس میں حیوان اور غیر حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ غلاموں اور کنیزوں کے بعض مخصوص احکام ہیں۔ جن کی یہاں گنجائش نہیں۔

مسئلہ ۴۱: اگر ایسی دو چیزیں غصب کرے۔ جن کی انفرادی قیمت ان دونوں کی مجموعی قیمت سے کم ہو۔ مثلاً دروازے کے دو پٹ یا جوتے اور ان میں سے ایک ضائع ہو جائے۔ یا غاصب ضائع کردے تو دونوں کی مجموعی قیمت کے اعتبار سے تلف شدہ چیز کا ضامن ہوگا اور باقی ماندہ چیز کو انفراد کے سبب اس کی قیمت کے خسارے کے ساتھ واپس کرے گا۔ پس اگر جوتے غصب کرے کہ جن کی مجموعی قیمت دس ہو اور ان میں سے ایک ایک کی قیمت منفرد طور پر "تین" ہو۔ چنانچہ ان میں سے ایک تلف ہو جائے تو تلف شدہ چیز کی مجموعی طور پر جو قیمت تھی اس کا ضامن ہے اور وہ قیمت پانچ ہے۔ اور دوسری چیز کو منفرد رہ جانے کی وجہ سے جو قیمت کم ہوئی ہے اس کے ساتھ دوسری چیز واپس کرے وہ کمی دو ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک جوتا اور سات روپے (مثلاً) مالک کو واپس دے گا۔ اور اگر ایک ہی کو غصب کرے تو اس کے ہاتھ سے تلف ہو جائے تو تلف شدہ چیز کی مجموعی طور پر جو قیمت تھی اس کا ضامن ہے۔ چنانچہ مذکورہ فرض میں وہ قیمت "پانچ" تھی اور دوسرے جز پر جو خسارہ وارد ہوا ہے جس کی مقدار دو ہے، آیا وہ ملاکر "سات" کا ضامن ہے یا نہیں؟ اس میں دو وجہیں بلکہ دو قول ہیں۔ دونوں میں سے پہلا قول رجحان سے خالی نہیں ہے۔

مسئلہ ۴۲: اگر غاصب کی کارکردگی سے غصب کی گئی چیز میں اضافہ ہو جائے۔ تو اس کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ اس میں صرف اثر اور نشان ایجاد کرے۔ جیسے مالک کے دھاگے سے کپڑا سینا، روئی کاتنا، اس سے بننا، گیہوں اور جَو کو آٹے میں تبدیل کرنا، اور چاندی کو ڈھالنا وغیرہ۔

دوسری قسم: غصبی چیز میں فقط کسی چیز کا اضافہ کرے، جیسے ہموار زمین میں درخت لگانا اور عمارت کھڑی کرنا وغیرہ۔

تیسری قسم: ایسا اثر ایجاد کرنا جس میں کسی شئے کی عینیت کا شائبہ ہو۔ جیسے کپڑوں پر رنگ کرنا وغیرہ۔

مسئلہ ۴۳: اگر غصب کی گئی چیز میں ایسی چیز کا اضافہ کرے جو صرف اثر ہو تو اسے جوں کی توں لوٹا دے اور نہ اس اضافہ کے عوض غاصب کو کچھ ملے گا۔ اور نہ اسکے کام کی مزدوری! اور اس کو یہ حق بھی نہیں پہنچتا کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر اس شئے میں اضافہ شدہ اثر کو زائل کرکے اس کو پہلی حالت میں تبدیل کردے اس کے لئے ایسا کرنا دوسرے کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کے مترادف ہے۔ بلکہ اگر مالک کی اجازت کے بغیر اس کو زائل کردے تو مالک کے لئے اس کی قیمت کا ضامن ہے۔ چاہے اس شئے میں کوئی خرابی اس

للمالك إلزامه بازالة الأثر و إعادة الحالة الأولى للعين إذا كان فيه غرض عقلائي، و لا يضمن الغاصب حينئذ قيمة الصنعة، نعم لو ورد نقص على العين ضمن أرش النقصان.

مسألة ٤٤ ـ لو غصب أرضاً فزرعها أو غرسها فالزرع أو الغرس و نماؤهما للغاصب، و عليه أجرة الأرض مادامت مزروعة أو مغروسة. و يلزم عليه إزالة غرسه وزرعه و إن تضرر بذلك، و عليه أيضاً طمّ الحفر و أرش النقصان إن نقصت الأرض بالزرع و القلع إلا أن يرضى المالك بالبقاء مجاناً أو بالأجرة، ولو بذل صاحب الأرض قيمة الغرس أو الزرع لم يجب على الغاصب إجابته، و كذا لو بذل الغاصب أجرة الأرض أو قيمتها لم يجب على صاحب الأرض قبوله، ولو حفر الغاصب في الأرض بئراً كان عليه طمها مع طلب المالك، و ليس له طمها مع عدم الطلب فضلاً عما لو منعه، ولو بنى في الأرض المغصوبة بناءً فهو كما لو غرس فيها، فيكون البناء للغاصب إن كان أجزاؤه له، و للمالك إلزامه بالقلع، فحكمه حكم الغرس في جميع ما ذكر.

مسألة ٤٥ ـ لو غرس أو بنى في أرض غصبها و كان الغراس و أجزاء البناء لصاحب الأرض كان الكل له، و ليس للغاصب قلعها أو مطالبة الأجرة، و للمالك إلزامه بالقلع و الهدم إن كان له غرض عقلائي في ذلك، و على الغاصب أرش نقص الأرض وطمّ حفرها.

مسألة ٤٦ ـ لو غصب ثوباً و صبغه بصبغه فان أمكن إزالته مع بقاء مالية له كان له ذلك، و ليس لمالك الثوب منعه، كما أن للمالك إلزامه به، ولو ورد نقص على الثوب بسبب إزالة صبغه ضمنه الغاصب، ولو طلب مالك الثوب من الغاصب أن يملكه الصبغ بقيمته لم يجب عليه إجابته كالعكس بأن يطلب الغاصب منه أن يملكه الثوب، هذا إذا أمكن إزالة الصبغ، و أما إذا لم يمكن الازالة أو تراضيا على بقائه و كان للصبغ عين متمولة اشتركا في قيمة الثوب المصبوغ بالنسبة، فلو كانت قيمة الثوب قبل الصبغ تساوي قيمة الصبغ كانت

نے پیدا نہ کی ہو جبکہ مالک کو حق ہے کہ اسکو اثر زائل کرکے اس شئے کو پہلی حالت پر لانے کے لئے مجبور کرے بشرطیکہ اس کام میں غرض عقلائی موجود ہو۔ اس صورت میں غاصب اس چیز میں صنعت کی قیمت کا ضامن نہیں البتہ اگر اس شئے میں خرابی پیدا ہوجائے تو نقصان کے تاوان کا ضامن ہے۔

مسئلہ ۴۴: کوئی شخص زمین غصب کرکے اگر اس میں کھیتی کرے یا پودے لگائے تو کھیتی، پودے اور ان سے حاصل ہونے والے منافع غاصب کے ہوں گے۔ لیکن جب تک زمین مزرعہ رہے یا اس میں پودے رہیں غاصب کو اسکا کرایہ دینا پڑیگا۔ اور غاصب پر لازم ہے کہ وہ پودوں اور کھیتی کو اُجاڑ دے چاہے اس طرح اسکو نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر کھیتی کرنے کی وجہ سے زمین کو نقصان پہونچے یا پودے اکھاڑنے کی بناء پر اس میں گڑھے پڑجائیں تو نقصان کا تاوان ادا کرنا اور گڑھے بھرنا بھی غاصب کی ذمہ داری ہے۔ مگر یہ کہ مالک اُجرت لے کر یا مفت میں پودے اور کھیتی باقی رکھنے پر راضی ہوجائے اور اگر زمین کا مالک درختوں اور کھیتی کی قیمت دینا چاہے تو غاصب پر قبول کرنا واجب نہیں۔ اسی طرح غاصب زمین کی اُجرت یا اسکی قیمت ادا کرنا چاہے تو مالک پر بھی منظور کرنا واجب نہیں۔ اور اگر غاصب اس زمین میں کنواں کھودے تو مالک کے مطالبہ پر اس کو پاٹنا غاصب کی ذمہ داری ہے۔ لیکن مالک کے تقاضا نہ کرنیکی صورت میں پاٹنا اس کی ذمہ داری نہیں چہ جائیکہ مالک کے منع کردینے کی صورت میں یہ ذمہ داری ہو۔ اور اگر غصبی زمین میں عمارت تعمیر کرے تو اس کا حکم وہی ہے جو پودے اُگانے کا ہے۔ پس اگر عمارت کے اجزاء غاصب کے ہیں تو عمارت بھی اسی کی ہوگی۔ البتہ مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ غاصب کو اس عمارت کو منہدم کرنے پر مجبور کرے۔ لہٰذا مذکورہ تمام چیزوں میں اس کا حکم وہی ہے جو پودے اُگانے کا ہے۔

مسئلہ ۴۵: اگر غصبی زمین میں پودے لگائے یا اس میں عمارت تعمیر کرے جبکہ پودے اور عمارت کا سامان یعنی اینٹ پتھر مسالے وغیرہ مالک کا ہو تو پوری عمارت اسی کی ہوگی۔ غاصب اس کو اُکھاڑنے اور اس کی اجرت مانگنے کا حق نہیں رکھتا۔ جبکہ مالک کو حق ہے کہ وہ غاصب کو عمارت اُکھاڑنے یا منہدم کرنے پر مجبور کرے اگر اس میں غرض عقلائی موجود ہو اور زمین کا نقصان پورا کرنے اور اس کا گڑھا بھرنے کا خرچ غاصب کے ذمہ ہوگا۔

مسئلہ ۴۶: کسی کا کپڑا غصب کرکے اگر اپنے پاس سے اس کو رنگ کردے تو اگر اس طرح اس رنگ کو زائل کرنا ممکن ہو کہ جس سے کپڑے کی قیمت میں کوئی فرق نہ آئے تو وہ ایسا کرنے کا مجاز ہے۔ کپڑے کا مالک اسے روک دینے کا حق نہیں رکھتا۔ جیسا کہ مالک کو حق ہے کہ وہ رنگ زائل کرنے کو لازمی قرار دے۔ اور اگر رنگ زائل کرنے کی وجہ سے کپڑے کو نقصان پہونچے تو غاصب اس کا ضامن ہے اور اگر کپڑے کا مالک غاصب سے مطالبہ کرے کہ وہ قیمت لے کر رنگ کو اس کی ملکیت میں دے تو غاصب پر قبول کرنا واجب نہیں۔ جیسا کہ اسکے برعکس ہے۔ یعنی اگر غاصب مالک سے قیمت کے بدلے میں کپڑے کو اس کی ملکیت میں دینے کا مطالبہ کرے تو مالک پر بھی قبول کرنا واجب نہیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب رنگ زائل کرنا ممکن ہو۔ لیکن اگر ممکن نہ ہو یا دونوں اس کے باقی رہنے پر راضی ہو جائیں اور رنگ مالیت دار چیز ہو تو وہ دونوں رنگ کئے گئے کپڑے کی قیمت میں اپنے مال کی نسبت سے شریک ہوں گے۔ پس اگر رنگنے سے پہلے کپڑے کی قیمت رنگ کی

بينهما نصفين، وإن تفاوتت كان التفاوت لصاحب الثوب أو الصبغ، هذا إذا بقيت قيمتها على ما هما عليها الى ما بعد الصبغ، و إلا فان زادت قيمة الثوب و نقصت قيمة الصبغ لأجله فالزيادة لصاحب الثوب، ولو انعكس ضمن الغاصب أرش نقص الثوب، ولو زادت قيمة الثوب بالصبغ و بقيت قيمة الصبغ على ما هو عليه كانت الزيادة لصاحب الثوب ولو انعكس فالزيادة للغاصب.

مسألة ٤٧ ـ لو صبغ الثوب المغصوب بصبغ مغصوب و كانت للصبغ بعده عين متمولة بقيت كل منهما في ملك صاحبه، و حصلت الشركة لو بيعا بين صاحبيهما بنسبة قيمتهما، و لا غرامة على الغاصب إن لم يرد نقص عليهما، و إن ورد ضمنه لمن ورد عليه.

مسألة ٤٨ ـ لو مزج الغاصب المغصوب بغيره أو امتزج في يده بغير اختياره مزجاً رافعاً للتميز بينهما فان كان بجنسه و كانا متماثلين ليس أحدهما أجود من الآخر أو أردى تشاركا في المجموع بنسبة ماليهما، و ليس على الغاصب غرامة بالمثل أو القيمة، بل الذي عليه تسليم المال و الاقدام على الافراز و التقسيم بنسبة المالين أو البيع و أخذ كل واحد منهما حصته من الثمن كسائر الأموال المشتركة، و إن خلط المغصوب بما هو أجود أو أردى منه تشاركا أيضاً بنسبة المالين إلا أن التقسيم و توزيع الثمن بينهما بنسبة القيمة، فلو خلط مناً من زيت قيمته خمسة بمن منه قيمته عشرة كان لكل منهما نصف المجموع، لكن إذا بنيا على القسمة يجعل ثلاثة أسهم، و يعطى لصاحب الأول سهم و لصاحب الثاني سهمان، و إذا باعاه يقسّم الثمن بينهما أثلاثاً، و الأحوط في مثل ذلك أعني اختلاط مختلفي القيمة من جنس واحد البيع و توزيع الثمن بنسبة القيمة لا التقسيم بالتفاضل بنسبتها من جهة شبهة لزوم الربا في الثاني كما قال به جماعة، هذا إذا مزج المغصوب بجنسه، وأما إذا اختلط بغيرجنسه فان كان فيمايعدّمعه تالفاً كما إذا اختلط ماء الورد المغصوب بالزيت ضمن المثل، و إن لم يكن كذلك كما لو خلط دقيق الحنطة بدقيق الشعير أو خلط الخل بالعسل فالظاهر أنه بحكم الخلط بالأجود أو

قیمت کے برابر ہو تو دونوں کے درمیان نصف نصف کا معاملہ ہوگا۔ لیکن قیمت کے فرق ہونے کی صورت میں تفاوتِ قیمت، یا کپڑے کے مالک کا ہوگا یا رنگ کے مالک کا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب رنگ اور کپڑے کی قیمت رنگنے کے بعد تک وہی رہے جو پہلے تھی۔ لیکن اگر کپڑے کی قیمت زیادہ ہو جائے اور رنگ کی قیمت رنگنے کی وجہ سے کم ہو جائے تو وہ اضافہ کپڑے کے مالک کی ملکیت ہوگا۔ لیکن اگر معاملہ اُلٹا ہو جائے یعنی رنگنے کی وجہ سے کپڑے کی قیمت گھٹ جائے تو غاصب اس کمی کا ضامن ہوگا۔ چنانچہ اگر رنگنے سے کپڑے کی قیمت بڑھ جائے اور رنگ کی قیمت اتنی ہی رہے تو بڑھی ہوئی قیمت کپڑے کے مالک کے کھاتے میں جائے گی اور اس کے برعکس یعنی رنگ کی قیمت بڑھ جانے اور کپڑے کی قیمت اپنی حالت پر باقی رہنے کی صورت میں اضافہ شدہ قیمت غاصب کی ملکیت ہوگی۔

مسئلہ ۷۴: اگر غصبی کپڑے کو غصب کئے گئے رنگ سے، رنگ کر دے اور رنگنے کے بعد بھی رنگ مالیت رکھنے والی چیز ہو تو رنگ اور کپڑا دونوں اپنے اپنے مالک کی ملکیت میں باقی رہیں گے اور دونوں کو بیچ دینے کی صورت میں قیمت کی نسبت دونوں کے مالک شریک ہو جائیں گے۔ چنانچہ اگر رنگ اور کپڑے کا کچھ نقصان نہ ہوا ہو تو غاصب کو غرامت بھی نہیں دینا پڑے گی۔ البتہ نقصان ہونے کی صورت میں جسکا نقصان ہوا ہے غاصب اس کا ضامن ہے۔

مسئلہ ۷۸: اگر غاصب غصب کی گئی چیز کو کسی چیز کے ساتھ اس طرح مخلوط کر دے یا تو دخود اسکے پاس مخلوط ہو جائے کہ دونوں میں کوئی امتیاز نہ ہو سکے تو جس چیز میں مخلوط کیا ہے اگر وہ اسی جنس کی چیز ہو اور دونوں ایک جیسی ہوں اس طرح کہ ان میں سے ایک چیز دوسری چیز سے زیادہ اچھی یا زیادہ خراب نہ ہو تو اس مخلوط چیز میں وہ دونوں اپنے اپنے مال کے اعتبار سے شریک ہوں گے۔ اور غاصب کو اسکے "مثل یا قیمت" کسی صورت میں بھی غرامت نہیں دینا پڑے گی۔ بلکہ غاصب کا کام صرف یہ ہے کہ مال انکے حوالے کرے اور مال کے اعتبار سے دونوں کے حصے الگ کر دے یا بیچ دے اور ان میں سے ہر ایک تمام مشترکہ اموال کی مانند اسکی قیمت میں سے اپنا حصہ لے لے۔ لیکن اگر غصب کی گئی چیز کو اس سے اچھی یا بدتر چیز کیساتھ مخلوط کر دے تب بھی اپنے مال کے تناسب سے دونوں اس میں شریک ہونگے۔ البتہ اس صورت میں انکے "ثمن" کی تقسیم ان دونوں کے درمیان میں قیمت کی مناسبت سے ہوگی۔ پس اگر ایسے ایک دھڑی تیل کو کہ جسکی قیمت (مثلاً) پانچ روپے ہو۔ دس روپے کے ایک دھڑی تیل میں ملا دے تو ان میں سے ہر ایک کو تیل کی مجموعی مقدار کا آدھا حصہ ملیگا۔ لیکن اگر تقسیم کرنا چاہیں۔ تو اسکے تین حصے کئے جائینگے پہلے کے مالک کو ایک حصہ اور دوسرے کے مالک کو دو حصے دیئے جائینگے اور اگر اسکو بیچ دیں تو قیمت کو تین حصے کر کے انہیں تقسیم کیا جائیگا۔ اسی طرح کی چیزوں میں کہ جہاں ایک ہی جنس کی مختلف قیمت رکھنے والی چیزوں کو آپس میں ملا دیا جائے احتیاط یہ ہے کہ انکو بیچ کر "ثمن" کو قیمت کے اعتبار سے ان میں تقسیم کر دیا جائے نہ یہ کہ قیمت کے اعتبار سے بڑھا گھٹا کر ان چیزوں کو تقسیم کیا جائے اسلئے کہ دوسرے حصہ میں سود کا شبہ ہے جیسا کہ ایک جماعت کا قول ہے۔ یہ تو اس صورت کا حکم تھا کہ جب غصب کی گئی چیز کو اسکی ہم جنس چیز کیساتھ مخلوط کرے۔ لیکن اگر دوسری جنس کی چیز کے ساتھ مخلوط کر دے تو اگر ایسی چیز میں مخلوط کر دے کہ جس میں مخلوط کرنا اس چیز کے تلف ہو جانیکے مترادف ہو۔ جیسا کہ گلاب کے عرق کو اگر روغن میں ملا دے تو اسکے "مثل" کا ضامن ہے۔ چنانچہ اگر مخلوط کر دینا اس چیز کا تلف ہو جانا محسوب نہ ہو۔ جیسا کہ اگر گیہوں کے آٹے کو جو کے آٹے میں ملا دے یا سرکہ کو شہد میں مخلوط کر دے تو ظاہراً اسکا حکم اسی جنس کی اس سے اچھی یا خراب چیز کے ساتھ مخلوط کرنیکا ہے۔ پس وہ دونوں اپنے مال کے اعتبار سے

الأردى من جنس واحد، فيشتركان في العين بنسبة المالين، و يقسمان العين و يوزعان الثمن بينهما بنسبة القيمتين كما مرّ.

مسألة ٤٩ ـ لو خلط المغصوب بالأجود أو الأردى و صار قيمة المجموع المخلوط أنقص من قيمة الخليطين منفردين فورد بذلك النقص المالي على المغصوب ضمنه الغاصب، كما لو غصب منّاً من زيت جيّد قيمته عشرة و خلطه بمنّ منه ردي قيمته خمسة و بسبب الاختلاط يكون قيمة المنين إثني عشر، فصار حصة المغصوب منه من الثمن بعد التوزيع ثمانية، و الحال أن زيته غير مخلوط كان يسوى عشرة، فورد النقص عليه باثنين، و هذا النقص يغرمه الغاصب، و إن شئت قلت: يستوفي المالك قيمة ما له غير مخلوط من الثمن، و ما بقي يكون للغاصب.

مسألة ٥٠ ـ فوائد المغصوب مملوكة للمغصوب منه و إن تجددت بعد الغصب، وهي كلها مضمونة على الغاصب، أعياناً كانت كاللبن والولد و الشعر و الثمر، أو منافع كسكنى الدار و ركوب الدابة، بل كل صفة زادت بها قيمة المغصوب لو وجدت في زمان الغصب ثم زالت و تنقصت بزوالها قيمته ضمنها الغاصب و إن ردّالعين كما كانت قبل الغصب، فلو غصب دابة هازلة ثم سمنت فزادت قيمتها بسبب ذلك ثم هزلت ضمن الغاصب تلك الزيادة التي حصلت ثم زالت، نعم لو زادت القيمة لزيادة صفة ثم زالت تلك الصفة ثم عادت الصفة بعينها لم يضمن قيمة الزيادة التالفة، لانجبارها بالزيادة العائدة، كما إذا سمنت الدابة في يده فزادت قيمتها ثم هزلت ثم سمنت، فانه لا يضمن الزيادة الحاصلة بالسمن الأول إلا إذا نقصت الزيادة الثانية عن الأولى بأن كانت الزيادة الحاصلة بالسمن الأول درهمين و الحاصلة بالثاني درهماً مثلاً، فيضمن التفاوت.

مسألة ٥١ ـ لو حصلت فيه صفة فزادت قيمته ثم زالت فنقصت ثم حصلت فيه صفة أخرى زادت بها قيمته لم يزل ضمان زيادة الأولى و لم ينجبر نقصانها بالزيادة الثانية، كما إذا سمنت الدابة المغصوبة ثم هزلت. فنقصت قيمتها ثم

اس چیز میں شریک ہوں گے۔ وہ اس چیز کو تقسیم کرلیں گے اور ثمن کو قیمت کے تناسب سے دونوں آپس میں بانٹ لیں گے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ ۴۹: غصبی چیز کو اگر اس سے بہتر یا بدتر چیز میں مخلوط کردے۔ اور دونوں کی مجموعی قیمت ان چیزوں کی منفرد قیمت سے کم ہو جائے جس کی وجہ سے غصب کی گئی چیز کی مالیت کم ہو جائے تو غاصب اس کا ضامن ہے۔ مثال کے طور پر ایک گیلن اچھے روغن کی قیمت دس روپے ہو اس کو خراب روغن میں ملادے جس کی قیمت پانچ روپے ہو۔ اور اختلاط کی وجہ سے دو گیلنوں کی قیمت بارہ روپے رہ جائے۔ تو قیمت میں سے مالک کا حصہ تقسیم کے بعد آٹھ روپے رہ جائے گا۔

جبکہ اس کے روغن کی قیمت منفرد طور پر دس روپے تھی۔ لہٰذا اس کو دو روپے کا نقصان ہوا جس کو پورا کرنا غاصب کی ذمہ داری ہے۔ یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مالک اپنے مال کی وہ قیمت لے لے جو غیر مخلوط ہونے کی صورت میں تھی۔ اور جو باقی بچے گا وہ غاصب کا ہوگا۔

مسئلہ ۵۰: غصب کی گئی چیز کے تمام فوائد مالک کی ملکیت ہوں گے چاہے وہ فوائد غصب کرنے کے بعد حاصل ہوئے ہوں۔ اور غاصب ان تمام فوائد کا ضامن ہے، چاہے وہ چیزوں کی شکل میں ہوں جیسے دودھ، بچہ، اون، پھل وغیرہ یا منافع کی صورت میں ہوں جیسے گھر کی رہائش اور جانور پر سواری وغیرہ۔ بلکہ ہر وہ صفت جس سے غصبی چیز کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہو اگر غصب کے زمانے میں پیدا ہو۔ اور اس کے بعد ختم ہو جائے جس کی وجہ سے اس چیز کی قیمت گھٹ جائے تو غاصب اس نقصان کا ضامن ہے۔ چاہے وہ اس چیز کو اس حالت میں واپس کردے جو غصب کرنے سے پہلے تھی۔ پس اگر کسی دبلے جانور کو غصب کرے بعد میں جانور فربہ ہو جائے جس کی بنا پر اس کی قیمت بڑھ جائے اس کے بعد پھر سے دبلا ہو جائے تو زیادتی حاصل ہو کر زائل ہو گئی ہے۔ غاصب اس کا ضامن ہے۔ البتہ اگر قیمت میں جس صفت کی وجہ سے اضافہ ہو۔ وہ صفت زائل ہو کر پھر حاصل ہو جائے تو تلف ہو جانے والے اضافہ کا ضامن نہیں ہے۔ اس لئے کہ جو اضافہ حاصل ہوا ہے اس سے تلف ہونے والے اضافہ کا جبران ہو گیا ہے۔ مثلاً غاصب کے پاس جانور فربہ ہو جائے اور اس کی قیمت میں اضافہ بھی ہو جائے لیکن پھر دبلا ہو جائے اور آخر میں پھر فربہ ہو جائے۔ تو پہلی مرتبہ فربہ ہونے پر جو قیمت میں اضافہ ہوا تھا غاصب اس کا ضامن نہیں مگر اس صورت میں کہ جب دوسری مرتبہ فربہ ہونے پر ہونے والا اضافہ پہلے والے اضافہ قیمت سے کم ہو۔

بعنوانِ مثال پہلی مرتبہ دو درہم کا اضافہ ہوا تھا۔ لیکن دوسری مرتبہ صرف ایک درہم کا اضافہ ہوا ہے۔ تو جتنا فرق ہوا ہے اس کا ضامن ہے۔

مسئلہ ۵۱: اگر ایک صفت حاصل ہونے پر قیمت زیادہ ہو پھر اس کے زائل ہو کر قیمت گھٹ جانے کے بعد اگر دوسری صفت پیدا ہو اور قیمت بڑھ جائے تو پہلی مرتبہ ہونے والے اضافہ کی ضمانت ختم نہیں ہوگی۔ اور نہ اس کا جبران دوسری صفت سے ہونے والے اضافہ قیمت سے کیا جائے گا۔ مثلاً غصبی جانور فربہ ہونے کے بعد دبلا ہو جائے اور اس کی قیمت گھٹ جائے، اس کے بعد وہ جانور اصیل ہو جائے جس کی بنا پر

ارتاضت فزادت قيمتها بقدر زيادة الأولى أو أزيد لم يزل ضمان الغاصب للزيادة الأولى.

مسألة ٥٢ ـ اذا غصب حباً فزرعه أو بيضاً فاستفرخه تحت دجاجته مثلاً كان الزرع و الفرخ للمغصوب منه، و كذا لو غصب خمراً فصارت خلاً أو غصب عصيراً فصار خمراً عنده ثم صارت خلاً فانه ملك للمغصوب منه لا الغاصب، و أما لو غصب فحلاً فأنزاه على الأنثى و أولدها كان الولد لصاحب الأنثى و إن كان هو الغاصب، و عليه أجرة الضراب.

مسألة ٥٣ ـ جميع ما مرّ من الضمان و كيفيته وأحكامه و تفاصيله جارية في كل يد جارية على مال الغير بغير حق و إن لم تكن عادية و غاصبة و ظالمة إلا في موارد الأمانات، مالكية كانت أو شرعية كما عرفت التفصيل في كتاب الوديعة، فتجري في جميع مايقبض بالمعاملات الفاسدة و ما وضع اليد عليه بسبب الجهل و الاشتباه، كما إذا لبس مداس غيره أو ثوبه اشتباهاً أو أخذ شيئاً من سارق عارية باعتقاد أنه ما له، و غير ذلك مما لا يحصى.

مسألة ٥٤ ـ كما أن اليد الغاصبة و ما يلحق بها موجبة للضمان ـ و هو المسمى بضمان اليد، و قد عرفت تفصيله في المسائل السابقة ـ كذلك للضمان سببان آخران: الاتلاف و التسبيب، و بعبارة أخرى له سبب آخر و هو الاتلاف، سواء كان بالمباشرة أو التسبيب.

مسألة ٥٥ ـ الاتلاف بالمباشرة واضح لا يخفى مصاديقه، كما إذا ذبح حيوانا أو رماه بسهم فقتله، أو ضرب على إناء فكسره، أورمى شيئاً في النار فأحرقته وغير ذلك مما لا يحصى، و أما الاتلاف بالتسبيب فهو إيجاد شيء يترتب عليه الاتلاف بسبب وقوع شيء، كما لو حفر بئراً في المعابر فوقع فيها إنسان أو حيوان، أو طرح المعاثر و المزالق كقشر البطيخ و الرقي في المسالك أو أوتد و تداً في الطريق فأصاب به عطب أو جناية على حيوان أو إنسان، أو وضع شيئاً على الطريق فتمر به الدابة فتنفر بصاحبها فتعقره، أو أخرج ميزاباً على الطريق فأضر

پہلی مرتبہ کے برابر یا اس سے زیادہ مقدار میں اس کی قیمت بڑھ جائے۔ تو اس سے پہلے اضافہ قیمت کی ضمانت ختم نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۵۲: اگر بیج غصب کرکے بودے یا انڈے غصب کرکے بچے نکالنے کے لئے اپنی مرغی کے نیچے رکھ دے تو کھیتی اور مرغی کے چوزے۔ جس سے غصب کیا ہے اس کی ملکیت ہوں گے۔ اسی طرح اگر شراب غصب کرے اور وہ سرکہ بن جائے یا انگور کا رس غصب کرے اور وہ شراب میں تبدیل ہوجائے اور پھر سرکہ بن جائے تو وہ غاصب کی ملکیت نہیں بلکہ جس سے غصب کیا ہے اس کی ملکیت ہے۔ لیکن اگر نر حیوان غصب کرکے اس کو مادہ حیوان پر چھوڑ دے، چنانچہ مادہ حیوان بچہ جنے تو وہ بچہ مادہ حیوان کے مالک کی ملکیت ہوگا۔ اگرچہ وہ غاصب ہے لیکن اسے چاہیے کہ وہ نر حیوان کی اُجرت ادا کرے۔

مسئلہ ۵۳: ضمانت اسکی کیفیت، احکام اور اسکی تفصیل میں جو کچھ ذکر ہوا ہے وہ سب اس شخص کو شامل ہے کہ جو دوسرے کے مال پر ناحق قبضہ کرے۔ چاہے عداوت، ظلم اور غصب کی بناء پر نہ ہو۔ مگر امانتوں کے موارد میں چاہے امانتیں ملکیتی ہوں یا شرعی ہوں۔ جس کی تفصیل کتاب "ودیعہ" میں بیان ہو چکی ہے۔ پس جتنی چیزوں کو بھی فاسد معاملات کے ذریعہ قبضہ میں کرے یا جہالت اور اشتباہ کی بناء پر ان کو اپنے ہاتھ میں رکھے۔ ان تمام میں غصب کے مذکورہ احکام و قواعد جاری ہوں گے۔ مثلاً اشتباھاً دوسرے کا جوتا یا لباس پہن لے۔ یا چور کی ملکیت سمجھتے ہوئے کوئی چیز اس سے عاریتاً لے۔ یا اس کے علاوہ ایسے بے شمار موارد ہیں۔

مسئلہ ۵۴: جس طرح غصبی طور پر قبضہ کرنا موجب ضمانت ہوتا ہے۔ جس کو "ضمان ید" کہتے ہیں، اور گذشتہ مسائل میں اس کی تفصیل آپ جان چکے ہیں۔ اسی طرح اتلاف اور تسبیب بھی ضامن ہونے کے دو اسباب ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ضمانت کا ایک اور سبب بھی ہے جسے "اتلاف" کہتے ہیں۔ چاہے خود تلف کرے یا تلف ہونے کا سبب بن جائے۔

مسئلہ ۵۵: کسی چیز کو خود تلف کرنے کے مصادیق واضح اور بے شمار ہیں۔ جیسے کہ حیوان کو ذبح کردے یا گولی سے ماردے۔ کسی برتن پر ضرب لگا کر اسے توڑ ڈالے۔ کسی چیز کو آگ میں ڈال کر جلا ڈالے وغیرہ وغیرہ کہ جو بیشمار ہیں۔ لیکن ایک ہوتا ہے اتلاف بالتسبیب، جس کا مطلب ہے، ایسی چیز ایجاد کرنا جس کے سبب سے کوئی چیز تلف ہوجائے۔ مثلاً آمد و رفت کے راستے میں کنواں کھودے اور کوئی انسان یا حیوان اس میں گر پڑے یا چکنی اور پھسلنے والی چیزیں جیسے خربوزے اور کیلے وغیرہ کے چھلکے راستے میں پھینک دے۔ یا راستے میں کوئی بڑی کیل ٹھونک دے جس سے کسی انسان یا حیوان کو نقصان پہنچے یا کوئی ایسی چیز راستے میں ڈال دے جسکی وجہ سے سواری کا حیوان بدک کر اپنے سوار کو گرا دے اور وہ زخمی ہوجائے یا پرنالے کا رُخ راستے کی طرف موڑ کر گذرنے والوں کو نقصان پہونچائے۔

یا کسی ایسے بچے یا حیوان کو جو بھاگ نہ سکتا ہو درندہ جانوروں کے آگے ڈال دے اور وہ جانور اس بچے یا حیوان کو مار ڈالیں اور اسی قبیل سے ہے کہ اگر جانور کی لگام چھوڑ دے جس کے نتیجہ میں وہ بھاگ جائے یا پرندہ کا پنجرہ کھول دے اور وہ فوراً بھاگ جائے یا کچھ ٹھہر کر بھاگے۔ ان تمام امور اور اسی طرح کے

بالمارة، أو ألقى صبياً أو حيواناً يضعف عن الفرار في مسبعة فقتله السبع، و من ذلك ما لو فك القيد عن الدابة فشردت، أو فتح قفصاً عن طائر فطار مبادراً أو بعد مكث و غير ذلك، ففي جميع ذلك يكون فاعل السبب ضامنا، و يكون عليه غرامة التالف و بدله، إن كان مثلياً فبالمثل، و إن كان قيمياً فبالقيمة، و إن صار سبباً لتعيب المال كان عليه الأرش كما مر في ضمان اليد.

مسألة ٥٦ ـ لو غصب شاة ذات ولد فمات ولدها جوعاً أو حبس مالك الماشية أو راعيها عن حراستها فاتفق تلفها لم يضمن بسبب التسبيب إلا إذا انحصر غذاء الولد بارتضاع من أمه و كانت الماشية في محال السباع و مظان الخطر و انحصر حفظها بحراسة راعيها، فعليه الضمان حينئذ على الأحوط.

مسألة ٥٧ ـ و من التسبيب الموجب للضمان ما لو فك و كاء ظرف فيه مائع فسال ما فيه، و أما لو فتح رأس الظرف ثم اتفق أنه قلبته الريح الحادثة أو انقلب بوقوع طائر عليه مثلاً فسال ما فيه ففي الضمان تردد و إشكال، نعم يقوى الضمان فيما كان ذلك في حال هبوب الرياح العاصفة أو في مجتمع الطيور ومظان وقوعها عليه.

مسألة ٥٨ ـ ليس من التسبيب الموجب للضمان ما لو فتح باباً على مال فسرق أو دلّ سارقاً عليه فسرقه، فلا ضمان عليه.

مسألة ٥٩ ـ لو وقع الحائط على الطريق مثلاً فتلف بوقوعه مال أو نفس لم يضمن صاحبه إلا إذا بناه مائلاً الى الطريق أو مال إليه بعد ما كان مستوياً و قد تمكن صاحبه من الازالة و لم يزله، فعليه الضمان في الصورتين على الأقوى.

مسألة ٦٠ ـ لو وضع شربةً أو كوزاً مثلاً على حائطه فسقط و تلف به مال أو نفس لم يضمن إلا إذا وضعه مائلاً إلى الطريق أو وضعه على وجه يسقط مثله.

مسألة ٦١ ـ و من التسبيب الموجب للضمان أن يشعل ناراً في ملكه وداره فتعدت و أحرقت دار جاره مثلاً فيما إذا تجاوز قدر حاجته و يعلم أو يظن تعديها لعصف الهواء مثلاً، بل الظاهر كفاية الثاني فيضمن مع العلم أو الظن بالتعدي

دوسرے امور میں جو شخص فاعل سبب ہو وہ ضامن ہے۔ اور تلف شدہ چیز کی غرامت اور اس کا عوض اس کے ذمّہ ہے۔

پس اگر وہ چیز مثلیات میں سے ہو تو اس کے مثل دے اور اگر قیمیات میں سے ہو تو اس کی قیمت ادا کرے۔ اور اگر صرف مال کے معیوب ہونے کا سبب بنا ہے تو جتنا نقصان ہوا ہے اس کا تاوان دے گا۔ جیساکہ "ضمان ید" کے باب میں بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ ۵۶: اگر بچہ دار گوسفند کو غصب کرے اور اس کا بچہ بھوک کی بناء پر مر جائے۔ یا گلّے کے مالک یا چوپان کو اسکی حفاظت کرنے دے اور وہ جانور تلف ہو جائے تو "تسبیب" کی بناء پر ضامن نہیں مگر یہ کہ بچے کی غذا صرف مال کا دودھ ہو۔ اور گلّہ ایسے مقام پر ہو جہاں درندہ جانور بھی پائے جاتے ہوں اور ان کی حفاظت کا دار و مدار صرف چوپان پر ہو۔ تو اس وقت احتیاط یہ ہے کہ وہ شخص ضامن ہے۔

مسئلہ ۵۷: اگر کسی برتن کا ڈھکن کھول دے اور اس کے اندر جو سیال چیز ہو وہ بہہ جائے تو یہ فعل بھی ضمانت کا سبب ہے۔ لیکن اگر کسی برتن کو کھولے اور وہ اتفاقاً تیز ہوا سے یا کسی پرندے کے اس پر گر پڑنے سے اُلٹ جائے اور اس میں موجود سیال چیز بہہ جائے تو ضامن ہونے میں تردد اور اشکال ہے۔ البتہ اگر ایسی جگہ ڈھکن کھولے جہاں تیز ہوائیں چل رہی ہوں یا ایسی جگہ ہو جس میں پرندے اکٹھے ہوتے ہوں اور پرندوں کے گر پڑنے کا اندیشہ ہو تو ضامن احتمال قوی ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۵۸: اگر ایسے مکان کا دروازہ کھول دے جس میں مال رکھا ہو اور دروازہ کھولنے سے اُسے چُرا لیا جائے یا کسی چور کی رہنمائی کرے اور وہ مال چُرا لے تو یہ ضمانت واجب ہونے کا سبب نہیں ہے اور وہ شخص ضامن نہیں۔

مسئلہ ۵۹: اگر دیوار کسی راستے کی طرف گر پڑے اور اس کی وجہ سے مال یا جان ضائع ہو جائے تو اس دیوار کا مالک ضامن نہیں۔ مگر یہ کہ اس دیوار کو راستے کی طرف جھکا کر بنایا جائے یا بعد میں وہ راستے کی طرف جھک جائے اور اس کا مالک اسے صحیح کر سکتا ہو مگر نہ کرے تو دونوں صورتوں میں اقویٰ یہ ہے کہ وہ ضامن ہے۔

مسئلہ ۶۰: اگر پانی کا برتن یا کوزہ و نیزہ دیوار پر رکھ دے اور اس کے گرنے سے کسی کا مالی یا جانی نقصان ہو تو ضامن نہیں ہے۔ مگر یہ کہ اس نے راستے کی جانب جھکا کر رکھا ہو یا ایسی جگہ رکھا ہو کہ جہاں سے معمولاً گر پڑتا ہو (تو ضامن ہے)

مسئلہ ۶۱: اگر اپنی ملکیت یا اپنے گھر میں آگ جلائے اور وہ آگ مشتعل ہو کر دوسرے کے گھر کو جلا دے تو ایسا کرنا ضامن ہونے کا سبب ہے بشرطیکہ ضرورت سے زیادہ آگ جلائی ہو اور اس کو یقین یا گمان ہو کہ تیز ہوا چلنے سے آگ مشتعل ہو سکتی ہے۔ بلکہ ظاہراً ضامن ہونے کے لئے صرف دوسری صورت ہی کافی ہے۔ پس گر

ولو كان بمقدار الحاجة، بل لا يبعد الضمان إذا اعتقد عدم كونها متعدية فتبين خلافه، كما إذا كانت ريح حين اشتعال النار و هو قد اعتقد أن بمثل هذه الريح لا تسري النار إلى الجار فتبين خلافه، نعم لو كان الهواء ساكناً بحيث يؤمن معه من التعدي فاتفق عصف الهواء بغتة فطارت شرارتها يقوى عدم الضمان.

مسألة ٦٢ ـ إذا أرسل الماء في ملكه فتعدى الى ملك غيره فأضرّ به ضمن ولو مع اعتقاده عدم التعدي، نعم ضمانه فيما إذا خرجت من اختياره في صورة اعتقاده عدم التعدي محل إشكال، و الأحوط الضمان، ولو كان طريقه الى ملك الغير مسدوداً حين إرسال الماء فدفع بغير فعله فلا ضمان عليه.

مسألة ٦٣ ـ لو تعب حمّال الخشبة فأسندها إلى جدار الغير ليستريح بدون إذن صاحب الجدار فوقع باسناده إليه ضمنه و ضمن ما تلف بوقوعه عليه، ولو وقعت الخشبة فأتلفت شيئاً ضمنه سواء وقعت في الحال أو بعد إذا كان مستنداً اليه.

مسألة ٦٤ ـ لو فتح قفصاً عن طائر فخرج و كسر بخروجه قارورة شخص مثلاً ضمنها على الأحوط، و كذا لو كان القفص ضيقاً مثلاً فاضطرب بخروجه فسقط و انكسر.

مسألة ٦٥ ـ إذا أكلت دابة شخص زرع غيره أو أفسدته فان كان معها صاحبها راكباً أو سائقاً أو قائداً أو مصاحباً ضمن ما أتلفته، و إن لم يكن معها بأن انفلتت من مراحها مثلاً فدخلت زرع غيره ضمن ما أتلفته إن كان ذلك ليلاً، نعم ضمانه فيما إذا خرجت من اختياره محل إشكال، و الأحوط الضمان، و ليس عليه ضمان إن كان نهاراً.

مسألة ٦٦ ـ لو كانت الشاة أو غيرها في يد الراعي أو الدابة في يد المستعير أو المستأجر فأتلفتا زرعاً أو غيره كان الضمان على الراعي و المستأجر و المستعير لا على المالك و المعير.

مسألة ٦٧ ـ لو اجتمع سببان للاتلاف بفعل شخصين فان لم يكن أحدهما

تیز ہوا کی وجہ سے آگ کے منتقل ہو کر پھیل جانے کا علم یا گمان ہو تو ضامن ہے چاہے بقدرِ ضرورت ہی آگ کیوں نہ جلائی ہو۔ بلکہ ایسی صورت میں بھی ضامن ہونا بعید نہیں کہ جب اس کے خیال میں آگ سرایت کرنے والی نہ ہو لیکن وہ سرایت کر جائے۔ مثلاً آگ روشن کرتے وقت ہوائیں چل رہی ہوں مگر اس کا خیال یہ ہو کہ ایسی ہواؤں سے آگ سرایت نہیں کرتی۔ لیکن اس کے برخلاف ظاہر ہو جائے (یعنی آگ سرایت کر جائے) البتہ اگر ہوا نہ چل رہی ہو کہ جس کی وجہ سے آگ پھیلنے کا خوف ہو۔ لیکن اتفاقاً زور کی آندھی چل پڑے اور آگ کی چنگاریاں اڑنے لگیں تو ضامن نہ ہونے کا نظریہ قوی ہے۔

مسئلہ ۶۲: اگر اپنی ملکیت میں پانی چھوڑے لیکن وہ دوسرے کی ملکیت تک پہونچ کر اس کو نقصان پہونچادے تو ضامن ہے۔ چاہے اس کا اعتقاد یہ رہا ہو کہ پانی وہاں تک نہیں جائے گا۔ البتہ اگر پانی اس کے کنٹرول سے باہر ہو جائے اور وہ پانی کے وہاں تک نہ پہونچنے کا اعتقاد بھی رکھتا ہو تو ضامن ہونا محلِ اشکال ہے۔ لیکن احتیاط یہ ہے کہ وہ ضامن ہے۔ لیکن اگر پانی چھوڑتے وقت دوسرے کی ملکیت تک پہونچنے کا پانی کا راستہ مسدود ہو اور اس کی مداخلت کے بغیر راستہ کھل جائے تو ضامن نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۳: اگر لکڑیاں اٹھانے والا تھک جائے اور تھکاوٹ دور کرنے کی خاطر وہ دوسرے کی اجازت کے بغیر اس بوجھ کو اس کی دیوار پر رکھے۔ جس کی وجہ سے دیوار گر پڑے تو دیوار اور جو چیز اس کی وجہ سے تلف ہوئی ہو، اس کا ضامن ہے۔ پس اگر لکڑیاں گر کر کچھ ضائع ہو جائے تو وہ ضامن ہے۔ چاہے اسی وقت گر پڑے یا دیوار پر تکیہ لگانے کے بعد گرے۔

مسئلہ ۶۴: اگر پنجرے کا دروازہ کھولنے سے پرندہ اڑ کر کسی کا شیشہ توڑ دے تو احتیاط یہ ہے کہ دروازہ کھولنے والا ضامن ہے۔ اسی طرح اگر پنجرہ مثلاً تنگ ہو اور پرندہ نکلتے وقت اضطراب دکھائے جس کی وجہ سے وہ گر کر ٹوٹ جائے۔

مسئلہ ۶۵: اگر کسی کا جانور دوسرے کی کھیتی کھا جائے یا برباد کر دے تو اگر اس کا مالک اس جانور کے ساتھ ہو۔ یا اس پر سوار ہو یا اس کو کھینچ رہا ہو یا ہنکا رہا ہو یا اس کے ساتھ چل رہا ہو تو جانور نے جو نقصان کیا ہے مالک اس کا ضامن ہے۔ لیکن اگر مالک اس کے ساتھ نہ ہو۔ مثلاً جانور مالک کے گھر سے بھاگ نکلے اور دوسرے کے کھیت میں داخل ہو جائے تو اگر رات میں یہ واقعہ پیش آئے تو مالک ضامن ہے۔ البتہ اگر جانور مالک کے کنٹرول سے باہر ہو جائے تو ضامن ہونا محلِ اشکال ہے۔ جبکہ احتیاط یہ ہے کہ ضامن ہے۔ چنانچہ اگر دن میں یہ حادثہ پیش آئے تو ضامن نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۶: اگر بکری وغیرہ چرواہے کے ہاتھ میں ہو یا جانور، عاریتاً لے جانے والے کے یا کرائے دار کے قبضہ میں ہو اور وہ کھیتی یا اس کے علاوہ کچھ ضائع کر دیں تو چرواہا، مستعیر اور مستاجر ضامن ہوگا۔ مالک اور کرائے پر دینے والا ضامن نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۶۷: اگر دو اشخاص کی وجہ سے کسی چیز کے ضائع ہونے کے دو اسباب اکٹھا ہو جائیں تو اگر ان

أسبق في التأثير اشتركا في الضمان، وإلا كان الضمان على المتقدم في التأثير، فلو حفر شخص بئراً في الطريق و وضع شخص آخر حجراً بقربها فعثر به إنسان أو حيوان فوقع في البئر كان الضمان على واضع الحجر دون حافر البئر، و يحتمل قوياً اشتراكهما في الضمان مطلقاً.

مسألة ٦٨ ـ لو اجتمع السبب مع المباشر كان الضمان على المباشر دون فاعل السبب، فلو حفر شخص بئراً في الطريق فدفع غيره فيها إنساناً أو حيواناً كان الضمان على الدافع دون الحافر، نعم لو كان السبب أقوى من المباشر كان الضمان عليه لا على المباشر، فلو وضع قارورة تحت رجل شخص نائم فمد رجله فكسرها كان الضمان على الواضع دون النائم.

مسألة ٦٩ ـ لو أكره على إتلاف مال غيره كان الضمان على من أكرهه، و ليس عليه ضمان، لكون السبب أقوى من المباشر، هذا إذا لم يكن المال مضموناً في يده بأن اكرهه على إتلاف ما ليس تحت يده أو على إتلاف الوديعة التي عنده مثلاً، و أما إذا كان المال مضموناً في يده كما إذا غصب مالاً فأكرهه شخص على إتلافه فالظاهر ضمان كليهما، فللمالك الرجوع على أيهما شاء، فان رجع على المكره بالكسر لم يرجع على المكره بالفتح، بخلاف العكس، هذا إذا أكره على إتلاف المال، و أما لو أكره على قتل أحد معصوم الدم فقتله فالضمان على القاتل من دون رجوع على المكره و إن كان عليه عقوبة، فانه لا إكراه في الدماء.

مسألة ٧٠ ـ لو غصب مأكولاً مثلاً فأطعمه المالك مع جهله بأنه ما له بأن قال له: «هذا ملكي و طعامي» أو قدمه إليه ضيافة مثلاً أو غصب شاة و استدعى من المالك ذبحها فذبحها مع جهله بأنه شاته ضمن الغاصب و إن كان المالك هو المباشر للاتلاف، نعم لو دخل المالك دار الغاصب مثلاً و رأى طعاماً فأكله على اعتقاد أنه طعام الغاصب فكان طعام الآكل فالظاهر عدم ضمان الغاصب و قد برأ من ضمان الطعام.

میں سے ایک کی تاثیر پہلے نہ ہو تو ضامن ہونے میں دونوں شریک ہوں گے۔ لیکن اگر ان میں سے ایک کا فعل پہلے اثر انداز ہو تو وہی ضامن ہے۔ پس اگر کوئی شخص راستے میں کنواں کھود دے اور دوسرا شخص اس کے نزدیک ایک پتھر رکھ دے جس سے ٹھوکر کھا کر کوئی انسان یا حیوان اس میں گر پڑے تو جس نے پتھر رکھا ہے وہ ضامن ہے کنواں کھودنے والا ضامن نہیں اور قوی احتمال یہ ہے کہ مطلق طور پر دونوں ضمانت میں شریک ہوں۔

مسئلہ ۶۸: اگر ایک شخص اور ایک سبب مل کر کوئی چیز ضائع کریں۔ تو وہ شخص ضامن ہوگا۔ اس سبب کا "فاعل" ضامن نہیں ہوگا۔ پس اگر کوئی شخص راستے میں کنواں کھود دے جبکہ دوسرا شخص کسی انسان یا حیوان کو اس میں گرا دے تو گرانے والا ضامن ہوگا کنواں کھودنے والا ضامن نہیں ہوگا۔ البتہ اگر سبب اس شخص مباشر سے زیادہ قوی ہو تو فاعل سبب ضامن ہوگا۔ شخص مباشر ضامن نہیں ہوگا۔ پس اگر سوئے ہوئے انسان کے پاؤں کے نیچے شیشہ رکھ دے۔ چنانچہ اس کے پاؤں پھیلانے سے شیشہ ٹوٹ جائے تو جس نے شیشہ رکھا ہے وہ ضامن ہوگا۔

مسئلہ ۶۹: اگر کسی کا مال ضائع کرنے پر مجبور کیا جائے تو مجبور کرنے والا ضامن ہوگا۔ جس نے تلف کیا ہے وہ ضامن نہیں۔ اس لئے کہ فعل کا سبب، فاعلِ فعل سے زیادہ قوی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب "فاعلِ فعل" پہلے سے اس مال کا ضامن نہ ہو۔ اس طرح کہ مجبور کرنے والے نے اسے، اس مال کے اتلاف پر مجبور کیا ہو جو اس کی ملکیت نہیں۔ یا مثلاً کسی کی امانت کے ضائع کرنے پر مجبور کیا ہو۔ لیکن اگر مال پہلے سے ہی ضمانت والا ہو۔ جیسا کہ کسی کا مال غصب کر رکھا ہو اور کوئی شخص اس کو ضائع کر دینے پر مجبور کرے تو ظاہراً دونوں ضامن ہیں۔ پس مالک ہر ایک سے مطالبہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ اگر مجبور کرنے والے سے طلب کرے تو جس کو مجبور کیا گیا ہے اس سے طلب نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس کے برخلاف (یعنی اگر مجبور سے مطالبہ کرے تو مجبور کرنے والے سے بھی مطالبہ کر سکتا ہے) یہ اس میں ہے کہ جس میں مال ضائع کرنے پر مجبور کیا جائے۔ لیکن اگر کسی بے گناہ انسان کو قتل کرنے پر مجبور کیا جائے اور وہ اسے قتل کر دے تو قاتل ضامن ہوگا۔ مجبور کرنے والے سے کوئی مطالبہ نہیں اگرچہ وہ عقوبت کا مستحق ہے۔ اس لئے کہ قتل کے معاملہ میں اکراہ صادق نہیں آتا۔

مسئلہ ۷۰: اگر کھانے کے قابل کوئی مال غصب کرے اور مالک کی لاعلمی میں اس کو کھلا دے، مثلاً مالک سے کہے "یہ میری ملکیت اور میرا کھانا ہے" یا مہمانی کے طور پر اس کی خدمت میں پیش کرے۔ یا گوسفند غصب کرے اور مالک سے اس کو ذبح کروائے چنانچہ مالک لاعلمی میں اس کو ذبح کر دے تو غصب کرنے والا ضامن ہوگا۔ چاہے مالک نے اپنے ہاتھوں سے اس کو ضائع کیا ہو۔ البتہ اگر مالک غاصب کے گھر میں داخل ہو اور وہاں موجود کھانے کو غاصب کا کھانا خیال کرتے ہوئے تناول کرے۔ حالانکہ وہ کھانا اسی کا رہا ہو جس نے کھایا ہے تو ظاہراً غاصب ضامن نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ کھانے کا ضامن ہونے سے بری ہو گیا ہے۔

مسألة ٧١ - لو غصب طعاماً من شخص و أطعمه غير المالك على أنه ماله مع جهل الآكل بأنه مال غيره كما إذا قدّمه اليه بعنوان الضيافة مثلاً ضمن كلاهما، فللمالك أن يغرم أيهما شاء، فان أغرم الغاصب لم يرجع على الآكل، و إن أغرم الآكل رجع على الغاصب لأنه قد غره.

مسألة ٧٢ - إذا سعى الى الظالم على أحد أو اشتكى عليه عنده بحق أو بغير حق فأخذ الظالم منه مالاً بغير حق لم يضمن الساعي و المشتكي ما خسره و إن أثم بسبب سعايته أو شكايته إذا كانت بغير حق، و انما الضمان على من أخذ المال.

مسألة ٧٣ - إذا تلف المغصوب و تنازع المالك و الغاصب في القيمة و لم تكن بيّنة ففي أن القول قول الغاصب أو المالك تردد ناش من التردد في معنى «على اليد ما أخذت...» الخ، و احتمال أن يكون نفس المأخوذ على عهدته حتى بعد التلف و يكون أداء المثل أو القيمة نحو أداء له، فيكون القول قول المالك بيمينه، و احتمال أن ينتقل بالتلف إلى القيمة، فيكون القول قول الغاصب بيمينه، ولا يخلو هذا من قوة، ولو تنازعا في صفة تزيدبها الثمن بأن ادعى المالك وجود تلك الصفة فيه يوم غصبه أو حدوثها بعده و إن زالت فيا بعد و أنكره الغاصب و لم يكن بيّنة فالقول قول الغاصب بيمينه بلا إشكال.

مسألة ٧٤ - إن كان على الدابة المغصوبة رحل أو علق بها حبل و اختلفا فيا عليها فقال المغصوب منه: «هولي» و قال الغاصب: «هولي» و لم يكن بيّنة فالقول قول الغاصب مع يمينه لكونه ذا يد فعلية عليه.

مسئلہ ۷۱: اگر ایک شخص کا کھانا غصب کر کے اسکے مالک کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو کھانے کا مالک خیال کرتے ہوئے کھلادے جب کہ کھانے والے کو معلوم نہ ہو کہ وہ دوسرے کا مال ہے مثلاً ضیافت کے طور پر اسکے سامنے پیش کرے تو دونوں ضامن ہوں گے اور مالک کو اختیار ہے کہ وہ دونوں میں سے جس سے چاہے اس کی غرامت وصول کرے۔ پس اگر غاصب سے غرامت وصول کرے تو کھانے والے سے کوئی مطلب نہیں۔ اور اگر کھانے والے سے غرامت مانگے تو کھانے والا غاصب سے مطالبہ کریگا چونکہ غاصب نے ہی اسے دھوکہ دیا ہے۔

مسئلہ ۷۲: اگر ظالم شخص کے سامنے کسی کی چغلی کھائے۔ یا ظالم کے پاس کسی کی حق یا ناحق شکایت کرے اور ظالم اس سے ناحق مال وصول کرے تو چغلی کھانے والا اور شاکی اس کے نقصان کے ضامن نہیں ہوں گے اگرچہ چغلی اور شکایت کی وجہ سے وہ گنہگار ہوں گے بشرطیکہ وہ چغلی اور شکایت ناحق ہو۔ اور ضامن صرف وہ شخص ہے جس نے مال لیا ہے۔

مسئلہ ۷۳: اگر غصب کی گئی چیز تلف ہو جائے اور مالک اور غاصب کے درمیان قیمت کے سلسلہ میں تنازعہ اٹھ کھڑا ہو اور گواہ بھی موجود نہ ہوں۔ تو اس میں تردد ہے کہ آیا غاصب کی بات مانی جائے یا مالک کی اس تردد کا منشاء وہ تردد ہے جو حدیث " علی الید ما اخذت " لیعنی ہاتھ یا ہاتھ کو بیچا تا ہے" کے معنی میں پایا جاتا ہے۔ ایک احتمال یہ ہے کہ "نفس ماخوذ" حتیٰ ضائع ہو جانے کے بعد بھی غاصب کے ذمہ ہو اور اس جیسی چیز یا اس کی قیمت کی ادائیگی گویا "نفس ماخوذ" کی ادائیگی ہے تو ایسی صورت میں قسم کے ساتھ مالک کی بات مانی جائے دوسرا احتمال یہ ہے کہ ضائع ہو جانے سے غاصب قیمت کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔ لہٰذا قسم کے ساتھ غاصب کی بات مانی جائے۔ اور یہ احتمال قوت سے خالی نہیں۔ اگر ایسی صفت کے بارے میں تنازعہ کریں۔ جس کے ہوتے ہوئے قیمت بڑھ جاتی ہو۔ مثلاً مالک، مدعی ہو کہ غصب کے دن وہ صفت اس چیز میں موجود تھی یا اس کے بعد پیدا ہوئی تھی چاہے پیدا ہونے کے بعد زائل ہو گئی ہو اور غاصب ایسی صفت کا انکار کرے۔ چنانچہ گواہ بھی موجود نہ ہوں تو بلاشبہ قسم کے ساتھ غاصب کی بات مانی جائے گی۔

مسئلہ ۷۴: اگر غصبی جانور پر "زین" (کاٹھی) ہو یا اس کے ساتھ رسی بندھی ہو۔ چنانچہ غاصب اور مالک میں اختلاف ہو جائے مالک کہے "یہ چیز میری ہے" اور غاصب کہے "میری ہے" اور کسی کے پاس گواہ بھی نہ ہوں۔ تو قسم کے ساتھ غاصب کی بات مانی جائے گی۔ اس لئے کہ حال حاضر میں وہ جانور اس کے قبضہ میں ہے۔

maablib.org

كتاب احياء الموات والمشتركات

القول في إحياء الموات

الموات هي الأرض العطلة التي لا ينتفع بها إما لانقطاع الماء عنها أو لاستيلاء المياه أو الرمال أو السبخ أو الأحجار عليها. أو لاستئجامها و التفاف القصب والأشجار بها أو لغير ذلك، و هو على قسمين:

الأول ـ الموات بالأصل، و هو ما لا يكون مسبوقاً بالملك و الاحياء و إن كان إحراز ذلك غالباً بل مطلقاً مشكلاً بل ممنوعاً، و يلحق به ما لم يعلم مسبوقيته بهما.

الثاني ـ الموات بالعارض، و هو ما عرض عليه الخراب و الموتان بعد الحياة و العمران، كالأرض الدارسة التي بها آثار الأنهار و نحو ها والقرى الخربة التي بقيت منها رسوم العمارة.

مسألة ١ ـ الموات بالأصل و إن كان للامام عليه السلام حيث أنه من الأنفال كما مر في كتاب الخمس، لكن يجوز في زمان الغيبة لكل أحد إحياؤه مع الشروط الآتية و القيام بعمارته، و يملكه المحيي على الأقوى سواء كان في دارالاسلام أو في دارالكفر، و سواء كان في أرض الخراج كأرض العراق أو في غيرها، و سواء كان المحيي مسلماً أو كافراً.

مسألة ٢ ـ الموات بالعارض الذي كان مسبوقاً بالملك و الاحياء إذا لم يكن له

اراضی موات

"موات" اس زمین کو کہتے ہیں کہ کچھ وجوہات کی بناء پر اس سے استفادہ نہیں کیا جاتا ہو۔ ۱:۔ پانی قطع ہو چکا ہو ۲:۔ تمام زمین زیرِ آب ہو ۳:۔ ریتلی زمین ہو ۴:۔ شورہ زار ہو ۵:۔ پتھروں سے پٹی پڑی ہو ۶:۔ گھنی جھاڑیاں اس میں اگی ہوں ۷:۔ بانس کے درخت اور دوسرے اشجار وغیرہ سے ڈھکی ہو۔ ایسی زمینیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔

۱۔۔۔ موات اصلی: یعنی وہ زمین جو شروع سے بے کار پڑی ہو، نہ کوئی اسکا مالک ہو اور نہ کسی نے اس میں جان ڈال ہو۔ اگرچہ غالباً بلکہ مطلقاً یہ معلوم ہونا مشکل بلکہ محال ہے۔ اور جن زمینوں کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ کس کی ملکیت ہیں یا کسی نے انکو کھیتی کے قابل بنایا ہے ان کو بھی "اصلی موات" کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔

۲۔۔۔ عارضی موات: وہ زمینیں جو آباد ہو کر ان میں کھیتی باڑی ہونے کے بعد مُردہ اور بنجر ہو جائیں، جیسے وہ قدیمی زمینیں کہ جن پر نہروں اور اُجڑے ہوئے دیہاتوں کے آثار باقی ہیں۔

مسئلہ ۱: اصلی بنجر زمینیں اگرچہ امام علیہ السلام کی ملکیت ہیں اس لئے کہ وہ انفال کا حصہ ہیں جیسا کہ کتابِ خمس میں بیان ہو چکا ہے۔ لیکن عصرِ غیبت میں آئندہ بیان ہونے والی شرطوں کے ساتھ ہر شخص ان کو زندہ کر کے ان میں کھیتی باڑی کر سکتا ہے۔ اور اقوی یہ ہے کہ جو شخص ان کو کھیتی کے قابل بنائے وہی مالک بھی ہو گا۔ چاہے زمینیں دارالاسلام میں ہو یا دارالکفر میں اور چاہے خراجی زمینیں ہوں جیسے عراق کی زمینیں ہیں۔ یا غیر خراجی ہوں اور کھیتی کے قابل بنانے والا چاہے مسلمان ہو یا کافر۔

مسئلہ ۲: عارضی بنجر زمینیں کہ جن کا کوئی مالک رہا ہو یا کسی نے ان میں کھیتی کی ہو۔ اگر ان کا کوئی جانا پہچانا

مالك معروف على قسمين: الأول- ما باد أهلها و صارت بسبب مرور الزمان و تقادم الأيام بلا مالك، و ذلك كالأراضي الدارسة و القرى و البلاد الخربة و القنوات الطامسة التي كانت للأمم الماضين الذين لم يبق منهم اسم ولا رسم، أو نسبت الى أقوام أو أشخاص لم يعرف منهم إلا الاسم، الثاني- ما لم تكن كذلك و لم تكن بحيث عدت بلا مالك، بل كانت لمالك موجود و لم يعرف شخصه، و يقال لها: مجهولة المالك، فأما القسم الأول فهو بحكم الموات بالأصل في كونه من الأنفال و أنه يجوز إحياؤه و يملكه المحيي، فيجوز إحياء الأراضي الدارسة التي بقيت فيها آثار الأنهار والسواقي و المروز، و تنقية القنوات و الآبار المطمومة و تعمير الخربة من القرى والبلاد القديمة التي بقيت بلا مالك، ولا يعامل معها معاملة مجهول المالك، و لا يحتاج الى الاذن من حاكم الشرع أو الشراء منه، بل يملكها المحيي و المعمّر بنفس الاحياء و التعمير، وأما القسم الثاني فالاحوط الاستئذان فيه من الحاكم في الاحياء والقيام بتعميره و التصرف فيه، كما أن الأحوط معاملة مجهول المالك معه بأن يتفحص عن صاحبه و بعد اليأس يشتري عينها من حاكم الشرع و يصرف ثمنها على الفقراء، و إما أن يستأجر ها منه بأجرة معينة أو يقدرّ ما هو أجرة مثلها لو انتفع بها و يتصدق بها على الفقراء، و الأحوط الاستئذان منه، نعم لو علم أن مالكها قد أعرض عنها أو انجلى عنها أهلها وتركوها لقوم آخرين جاز إحياؤها وتملكها بلا إشكال.

مسألة ٣- إن كان ما طرأ عليه الخراب لمالك معلوم فان أعرض عنه مالكه كان لكل أحد إحياؤه و تملكه، و إن لم يعرض عنه فان أبقاه مواتاً للانتفاع به في تلك الحال من جهة تعليف دوابه أو بيع حشيشه أو قصبه و نحو ذلك- فربما ينتفع منه مواتاً أكثر مما ينتفع منه محياة- فلا إشكال في أنه لا يجوز لأحد إحياؤه و التصرف فيه بدون إذن مالكه، و كذا فيما إذا كان مهتماً باحيائه عازماً عليه و إنما أخر الاشتغال به لجمع الآلات و تهيئة الأسباب المتوقعة الحصول أو لانتظار وقت صالح له، و أما لو ترك تعمير الأرض و إصلاحها و أبقاها الى الخراب من

مالک نہ ہو تو ان کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: وہ زمینیں جس کے مالک ہجرت کر گئے ہوں اور ایک عرصہ بیت جانے کے بعد وہ زمینیں بلا مالک رہ جائیں۔ جیسا کہ قدیم زمانے کی زمینیں، دیہات، اُجڑے ہوئے شہر اور پٹے ہوئے کنویں کہ جو گذشتہ قوموں کی ملکیت تھے کہ جن کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں۔ یا ان زمینوں کو ایسی اقوام یا اشخاص کی طرف نسبت دی جاتی ہو کہ جن کا صرف نام رہ گیا ہو۔

دوسری قسم: جو پہلی قسم کی زمینوں کی مانند بلا مالک نہ ہوں۔ بلکہ ان کا مالک موجود ہو لیکن معلوم نہ ہو کہ کون ہے۔ ایسی زمینوں کو مجہولۃ المالک کہتے ہیں۔

پہلی قسم کا وہی حکم ہے جو اصلی موات زمینوں کا ہے۔ اس اعتبار سے کہ وہ انفال میں شمار ہیں انکو احیاء کرنا جائز ہے اور جو احیاء کرے گا وہی مالک ہو گا۔ پس ان قدیمی زمینوں کو احیاء کرنا کہ جن میں نہروں اور بازاروں کے آثار باقی ہیں۔ اور ان کے کنوؤں کو صاف کرنا اور پٹے ہوئے کنوؤں کو دوبارہ کھودنا اُجڑے ہوئے دیہاتوں اور پرانے ان شہروں کی تعمیر کرنا جو بلا مالک پڑے ہوں جائز ہے۔ اور ان کے ساتھ مجہول المالک والا برتاؤ نہیں کیا جائیگا اور حاکم شرع کی اجازت یا اس سے خریداری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ احیاء گر اور آباد کاری کرنے والا، احیاء گری اور آباد کاری سے ان کا مالک ہو جائے گا۔ دوسری قسم کی زمینوں کی آباد کاری اور تعمیر و احیاء اور ان میں تصرف کرنے کی خاطر حاکم شرع کی اجازت احتیاطاً ضروری ہے۔ جیسا کہ یہ بھی احتیاط یہ ہے کہ ان کے ساتھ مجہول المالک والا معاملہ کیا جائے اس طرح کہ اس کے مالک کو تلاش کیا جائے اور نا اُمید ہونے کے بعد زمین کو حاکم شرع سے خریداری کرے اور اس کی قیمت کو فقراء پر خرچ کرے۔ یا حاکم شرع سے ان زمینوں کو کرائے پر لے اور ان کی اُجرت معین کر دے یا اس سے فائدہ اٹھانے کی صورت میں جو اُجرت اس کی ہو سکتی ہو وہ معین کرے اور فقیروں پر تصدق کر دے اور احتیاط یہ ہے کہ حاکم شرع سے اجازت لے۔ البتہ اگر اس کو معلوم ہو کہ مالک ان سے دستبردار ہو گیا ہے یا وہاں کے رہنے والے کوچ کر گئے ہیں، اور زمینوں کو دوسروں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ تو بلا اشکال ان کو احیاء کرنا اور اپنی ملکیت قرار دینا جائز ہے۔

مسئلہ ۳: اگر غیر آباد ہو جانے والی زمین کا مالک معلوم ہو تو اگر وہ اپنی زمین سے دست بردار ہو گیا ہو تو ہر ایک کے لئے اسکو آباد کرنا اور اپنی ملکیت بنانا جائز ہے۔ لیکن اگر اس نے زمین کو نہ چھوڑا ہو بلکہ اس نے اس زمین کو غیر آباد کر دیا ہو تاکہ اپنے جانوروں کو گھاس کھلائے یا اس کی گھاس یا اس میں اُگنے والے بانس وغیرہ فروخت کر کے اس سے فائدہ اٹھائے، اس لئے کہ کبھی کبھی آباد زمین کی نسبت غیر آباد زمین سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، تو بلا اشکال کسی کے لئے بھی اسکو آباد کرنا اور مالک کی اجازت کے بغیر اسمیں تصرف کرنا جائز نہیں۔ حکم اس وقت بھی ہے کہ جب وہ زمین کو آباد کرنے کا ارادہ اور عزم رکھتا ہو۔ لیکن اس کے لئے ہتھیار اور اوزار وغیرہ مہیا کرنے کے لئے کام روک رکھا ہو یا مناسب وقت کا منتظر ہو۔ لیکن اگر وہ زمین کی آباد کاری اور اصلاح کو ترک کر دے اور اس کو بنجر ہونے کے لئے چھوڑ دے۔ اس کی وجہ یہ ہو کہ یا تو وہ اس زمین کی ضرورت

جهة عدم الاعتناء بشأنها و عدم الاهتمام و الالتفات إلى مرمتها و عدم عزمه على إحيائها إما لعدم حاجته اليها أو لاشتغاله بتعمير غيرها فبقيت مهجورة مدة معتداً بها حتى آلت إلى الخراب فان كان سبب ملك المالك غير الاحياء مثل أنه ملكها بالارث أو الشراء فليس لأحد وضع اليد عليها وإحياؤها و التصرف فيها إلا باذن مالكها، ولو أحياها أحد و تصرف فيها و انتفع بها بزرع أو غيره فعليه أجرتها لمالكها، و إن كان سبب ملكه الاحياء بأن كانت أرضاً مواتاً بالأصل فأحياها و ملكهاثم بعد ذلك عطلها وترك تعميرها حتى آلت إلى الخراب فجوّز إحياء ها لغيره بعضهم، و هو في غاية الاشكال، بل عدمه لا يخلو من قوة.

مسألة ٤ ـ كما يجوز إحياء القرى الدارسة و البلاد القديمة التي باد أهلها و صارت بلا مالك بجعلها مزرعاً أو مسكناً أو غير هما كذا يجوز حيازة أجزائها الباقية من أحجارها وأخشابها و آجرها و غيرها، و يملكها الحائز إذا أخذها بقصد التملك.

مسألة ٥ ـ لو كانت الأرض موقوفة و طرأ عليها الموتان و الخراب فان كانت من الموقوفات القديمة الدارسة التي لم يعلم كيفية وقفها و أنها خاص أو عام أو وقف على الجهات ولم يعلم من الاستفاضة و الشهرة غير كونها وقفاً على أقوام ماضين لم يبق منهم اسم ولا رسم أو قبيلة لم يعرف منهم إلا الاسم فالظاهر أنها من الأنفال، فيجوز إحياؤها، كما إذا كان الموات المسبوق بالملك على هذا الحال،و إن علم أنها وقف على الجهات ولم تتعين بأن علم أنها وقف إما على مسجد أو مشهد أو مقبرة أو مدرسة أو غيرها و لم يعلمها بعينها أو علم أنها وقف على أشخاص لم يعرفهم بأشخاصهم و أعيانهم كما إذا علم أن مالكها قد وقفها على ذريته ولم يعلم من الواقف و من الذرية فالظاهر أن ذلك بحكم الموات المجهول المالك الذي نسب إلى المشهور القول بأنه من الأنفال، و قد مرما فيه من الاشكال بل القول به هنا أشكل، والأحوط الاستئذان من الحاكم لمن أراد إحياءها و تعميرها و الانتفاع بها بزرع أو غيره، و أن يصرف أجرة مثلها في

نہ محسوس کرتے ہوئے اسے آباد کاری اور اصلاح کے قابل نہ سمجھے اور اس کے احیاء کا اہتمام نہ کرے۔ یا کسی دوسری زمین کی آباد کاری میں مشغول ہو جس کے نتیجہ میں وہ زمین بے کار پڑی رہے اور بنجر ہو جائے تو ایسی صورت میں اگر وہ شخص اس زمین کو احیاء (آباد) کر کے مالک نہ بنا ہو بلکہ وہ اسے ورثہ میں ملی ہو یا اس نے خریدی ہو تو مالک کی اجازت کے بغیر کسی کو اس پر قبضہ کرنے اسے آباد کرنے اور اس میں تصرف کرنے کا حق نہیں۔ اور اگر کوئی اسے آباد کرے اور اس میں تصرف کر کے اس کی کھیتی وغیرہ سے فائدہ اٹھائے تو اس کی اُجرت مالک کو دینا پڑے گی۔

لیکن اگر وہ زمین کو آباد کر کے اس کا مالک بنا ہو، اس طرح کہ پہلے زمین مُردہ رہی ہو اور اس نے اس کو آباد کر کے اپنی ملکیت بنایا ہو لیکن اس کے بعد اس نے زمین کو بے کار چھوڑ دیا ہو۔ یہاں تک کہ وہ بنجر ہو گئی ہو تو ایسی صورت میں بعض فقہاء نے دوسرے کے لئے اسکو آباد کر لینے کو جائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس میں زبردست اشکال ہے۔ بلکہ دوسرے کے لئے جائز نہ ہونا قوت سے خالی نہیں۔

مسئلہ ۴: جس طرح اُن پرانی آبادیوں اور قدیمی شہروں کو کہ جن کے مالک کوچ کر گئے ہوں اور وہ بلا مالک ہوں، کھیتی کر کے یا ان میں رہائشی مکان بنا کر آباد کرنا جائز ہے۔ اسی طرح ان کے اجزاء جیسے اینٹ پتھر، لکڑی وغیرہ کو بھی جمع کرنا جائز ہے۔ چنانچہ جو شخص ملکیت کے قصد سے ان کو جمع کرے وہ ان کا مالک ہے۔

مسئلہ ۵: اگر زمین موقوفہ ہو اور بنجر ہو جائے تو اگر وہ ان قدیمی موقوفات میں سے ہو جن کے وقف کی نوعیت معلوم نہ ہو کہ وقفِ خاص ہے، عام ہے یا دینی امور کے لئے وقف ہے۔ اور کم یا زیادہ شہرت سے صرف اتنا معلوم ہو سکے کہ وہ ان گذشتہ اقوام کے لئے وقف تھی جن کا اب کوئی نام و نشان نہیں۔ یا ایسے قبیلہ کا وقف تھا جس کا اب صرف نام باقی رہ گیا ہو۔ تو ظاہراً اس کو "انفال" میں شمار کیا جائے گا۔ پس اس کو آباد کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ان بنجر زمینوں کا بھی یہی حکم ہے جو پہلے کسی کی ملکیت رہی ہوں۔ لیکن اگر اتنا معلوم ہو کہ وہ دینی امور کے لئے وقف ہے۔ مگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ مسجد، زیارت گاہ، مقبرہ یا مدرسہ وغیرہ میں سے کس کے لئے وقف ہے۔ یا یہ معلوم ہو کہ وہ اشخاص کے لئے وقف ہے لیکن وہ اشخاص معلوم نہ ہوں۔ مثال کے طور پر اتنا معلوم ہو کہ اس کے مالک نے اپنی ذریت (اولاد) کے لئے وقف کیا ہے لیکن نہ واقف کا پتہ ہو اور نہ ذریت معلوم ہو تو ظاہراً وہ ان بنجر زمینوں کے حکم میں ہے جن کا مالک مجہول ہو۔ جس کے بارے میں مشہور علماء کی طرف منسوب ہے کہ وہ اس کو "انفال" میں شمار کرتے ہیں اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس میں اشکال ہے بلکہ اس صورت میں اس کا انفال ہونا زیادہ مشکل ہے۔ لہٰذا جو اس کو آباد کرنا چاہے اور اس کی کھیتی وغیرہ سے فائدہ اُٹھانا چاہے۔ احتیاطاً پہلے حاکم شرع سے اجازت حاصل کرے اور پہلی صورت میں اس کی اُجرت نیک کاموں میں اور دوسری صورت میں فقراء پر خرچ کرے۔ بلکہ احتیاطاً خاص طور سے پہلی صورت میں حاکم شرع کی طرف رجوع کرے۔

لیکن اگر وقف "خرابہ" ہو جائے جس کا مصرف معلوم ہو یا جن لوگوں کے لئے وقف کیا گیا ہے

الأول في وجوه البر، و في الثاني على الفقراء، بل الأحوط خصوصاً في الأول مراجعة حاكم الشرع، و أما لو طرأ الموتان على الوقف الذي علم مصرفه أو الموقوف عليهم فلا ينبغي الاشكال في أنه لو أحياه أحد و عمرّه وجب عليه صرف منفعته في مصرفه المعلوم في الأول، و دفعها وايصالها الى الموقوف عليهم المعلومين في الثاني و إن كان المتولي أو الموقوف عليهم تاركين إصلاحه و تعميره و مرمته إلى أن آل إلى الخراب، لكن ليس لأحد الاحياء و التصرف فيه مع وجود المتولي المعلوم إلا باذنه أو الاستئذان من الحاكم مع عدمه في الأول، و من المتولي أو الموقوف عليهم إن كان خاصاً أو الحاكم إن كان عاماً في الثاني.

مسألة ٦ ـ إذا كان الموات بالأصل حريماً لعامر مملوك لا يجوز لغير مالكه إحياؤه، و إن أحياه لم يملكه، و توضيح ذلك أن من أحيا مواتاً لاحداث شيء من دار أو بستان أو مزرع أو غيرها تبع ذلك الشيء الذي أحدثه مقدار من الأرض الموات القريبة من ذلك الشيء الحادث مما يحتاج اليه لتمام الانتفاع به و يتعلق بمصالحه عادة، و يسمى ذلك المقدار التابع حريماً لذلك المتبوع، و يختلف مقدار الحريم زيادة و نقيصة باختلاف ذي الحريم، و ذلك من جهة تفاوت الأشياء في المصالح والمرافق المحتاج اليها، فما يحتاج اليه الدار من المرافق بحسب العادة غير ما يحتاج اليه البئر و النهر مثلاً، و هكذا باقي الأشياء، بل يختلف ذلك باختلاف البلاد و العادات أيضاً، فاذا أراد شخص إحياء حوالي ما له الحريم لا يجوز له إحياء مقدار الحريم بدون إذن المالك و رضاه، و إن أحياه لم يملكه و كان غاصبا.

مسألة ٧ ـ حريم الدار مطرح ترابها و كناستها ورمادها و مصب مائها و مطرح ثلوجها و مسلك الدخول و الخروج منها في الصوب الذي يفتح إليه الباب، فلو بنى داراً في أرض موات تبعه هذا المقدار من الموات من حواليها، فليس لأحد أن يحيي هذا المقدار بدون رضا صاحب الدار، و ليس المراد من استحقاق الممر في قبالة الباب استحقاقه على الاستقامة و على امتداد الموات، بل المراد أن يبقى مسلك له يدخل و يخرج الى الخارج بنفسه و عياله و أضيافه و ما تعلق به من

وہ معلوم ہوں۔ تو ایسی صورت میں اگر کوئی شخص اسے آباد کرے اور اس کی تعمیر کرے تو اس پر واجب ہے کہ پہلی صورت میں اس کے مصرف میں خرچ کرے اور دوسری صورت میں جن لوگوں کے لئے وقف ہے ان تک پہونچائے، تو اس میں اشکال سزاوار نہیں۔ اگرچہ متولی اور جن لوگوں کے لئے وقف ہوا انھوں نے اس کی تعمیر و اصلاح کو ترک کر دیا ہو جس کے نتیجہ میں وہ غیر آباد ہو گیا ہو۔ لیکن جب متولی معلوم ہو تو اس کی یا حاکم شرع کی اجازت کے بغیر اگر متولی نہ ہو تو اسے آباد کرنا اور اس میں تصرف کرنا کسی کے لئے جائز نہیں، یہ تھا پہلی صورت کا حکم۔

دوسری صورت میں اگر وقفِ خاص ہو تو متولی یا جن لوگوں کے لئے وقف ہو ان کی اجازت کے بغیر، اور اگر وقفِ عام ہو تو حاکم شرع کی اجازت کے بغیر آبادکاری اور تصرف کا حق نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۶: اگر "زمین موات" کسی کی ملکیت والی آباد زمین کا "حریم" ہو تو مالک کے بغیر کسی کے لئے اس کو آباد کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی اس کو آباد کرے تو اس کا مالک نہیں ہوگا۔

توضیح: اگر کوئی شخص بنجر زمین کو کھیتی مکان یا باغ وغیرہ کے لئے آباد کرے تو اپنی ضرورت کے لئے جتنی مقدار میں اس نے زمین آباد کی ہے اس سے مکمل فائدہ اٹھانے کے لئے اسی زمین کے نزدیک اس کے مناسب مقدار میں اس شخص کو بنجر زمین کی ضرورت ہوتی ہے جو اسی زمین کے تابع ہے۔ جسکو اس زمین کا "حریم" کہتے ہیں۔ "حریم" کی مقدار زمین کی مقدار کے اعتبار سے حسبِ ضرورت، کم یا زیادہ ہوگی۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ چیزوں کے مطلوبہ مصالح و فوائد مختلف ہوا کرتے ہیں۔ عموماً گھر کے لئے جس مقدار میں حریم ضروری ہوتا ہے مثلاً کنویں کے لئے اتنی مقدار میں "حریم" کی ضرورت نہیں ہوتی، اسی طرح دوسری چیزیں ہیں بلکہ شہروں اور آبادی کی رسوم کے اعتبار سے بھی حریم کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ پس جس چیز کے لئے حریم کی ضرورت ہوا کرتی ہے اگر کوئی شخص اس چیز کے اطراف کی زمین آباد کرنا چاہے تو حریم کی مقدار بھر مالک کی اجازت اور اس کی مرضی کے بغیر آباد کرنا جائز نہیں۔ اور اگر آباد کرے تو اس کا مالک نہیں ہوگا بلکہ غاصب کہلائے گا۔

مسئلہ ۷: مکان کے اطراف میں مٹی ڈالنے، کوڑا کرکٹ پھینکنے، خاکستر جمع کرنے، پرنالے کا پانی گرنے برف گرانے اور جس سمت میں مکان کا دروازہ ہو اس طرف آمد و رفت کا راستہ ہونے کے مقدار بھر زمین مکان کا حریم کہلاتی ہے۔ پس اگر کوئی شخص بنجر زمین میں مکان بنوائے تو اس کے اطراف میں، اس مقدار میں زمین اس کا حریم کہلائے گی۔

لہٰذا گھر کے مالک کی اجازت کے بغیر کسی کو حق نہیں کہ وہ اس مقدار زمین کو آباد کرے۔ اور گذرگاہ کا حقدار ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ مکان کے سامنے دور دور تک بنجر زمین کا حقدار ہوگا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اتنی مقدار میں راستہ رکھا جائے کہ وہ خود، اس کے اہل و عیال اور مہمان وغیرہ آ جا سکیں، اور اس سے متعلق چیزوں، جیسے حیوانات، وسائل آمد و رفت اور بوجھ وغیرہ

دوابه و أحماله و أثقاله بدون مشقة بأي نحو كان، فيجوز لغيره إحياء ما في قبالة الباب من الموات إذا بقي له الممر ولو بانعطاف و انحراف، و حريم الحائط لو لم يكن جزء من الدار بأن كان مثلاً جدار حصار أو بستان أو غير ذلك مقدار ما يحتاج اليه لطرح التراب و الآلات و بل الطين لو انتقض و احتاج الى البناء و الترميم، و حريم النهر مقدار مطرح طينه وترابه إذا احتاج الى التنقية و المجاز على حافتيه للمواظبة عليه و لإصلاحه على قدر ما يحتاج اليه، و حريم البئر ما تحتاج اليه لأجل السقي منها و الانتفاع بها من الموضع الذي يقف فيه النازح إن كان الاستقاء منها باليد، و موضع الدولاب و متردد البهيمة إن كان الاستقاء بها، و مصب الماء و الموضع الذي يجتمع فيه لسقي الماشية أو الزرع من حوض و نحوه، و الموضوع الذي يطرح فيه ما يخرج منها من الطين و غيره لو اتفق الاحتياج اليه، وحريم العين ما تحتاج إليه لأجل الانتفاع بها أو إصلاحها و حفظها على قياس غيرها.

مسألة ٨ ـ لكل من البئر و العين و القناة أعني بئرها الأخيرة التي هي منبع الماء و يقال لها: بئر العين و أمّ الآبار و كذا غيرها إذا كان منشأ للماء حريم آخر بمعنى آخر، و هو المقدار الذي ليس لأحد أن يحدث بئراً أو قناة أخرى فيمادون ذلك المقدار بدون إذن صاحبها، بل الأحوط لحاظ الحريم كذلك بين القناتين مطلقا و إن كان الجواز في غير ما ذكر أشبه، و هو في البئر أربعون ذراعاً إذا كان حفرها لأجل استقاء الماشية من الابل و نحوها منها، وستون ذراعاً إذا كان لأجل الزرع و غيره، فلو أحدث شخص بئراً في موات من الأرض لم يكن لشخص آخر إحداث بئر أخرى في جنبها بدون إذنه، بل ما لم يكن الفصل بينهما أربعين ذراعاً أو ستين فما زاد على ما فصل، و في العين و القناة خمسمأةذراع في الأرض الصلبة و ألف ذراع في الأرض الرخوة، فاذا استنبط إنسان عيناً أو قناة في أرض موات صلبة و أراد غيره حفر أخرى تباعد عنه بخمسمأة ذراع، و إن كانت رخوة تباعد بألف ذراع، ولو فرض أن الثانية يضر

کو آسانی سے لایا اور لے جایا جا سکے۔ چاہے جس طرح بھی ہو۔ پس اگر کوئی شخص اس کے گھر کے سامنے بیکار پڑی ہوئی زمین کو آباد کرنا چاہئے تو اس کا راستہ چھوڑ کر چاہے ٹیڑھا ہی کیوں نہ ہو۔ آباد کرنا جائز ہے۔ اور دیوار کا "حریم" اگر وہ دیوار مکان کا حصہ نہ ہو، بلکہ مثال کے طور پر گھر کی باؤنڈری ہو یا باغ کی دیوار ہو یا اس کے علاوہ ہو تو اس کی مقدار اتنی ہوگی کہ جتنی مقدار میں مٹی ڈالی جا سکے یا ہتھیار وغیرہ رکھے جا سکیں بلکہ اگر دیوار گر پڑے اور اس کی تعمیر کی ضرورت ہو تو گارا بنانے کے لئے جتنی مقدار کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب اس کا "حریم" ہے۔ نہر کی صفائی کرنے کی ضرورت کے موقع پر اس کی مٹی گرانے کے لئے اور اس کے دونوں طرف چلنے کے لئے حفاظت اور اس کی اصلاح کا بندوبست کرنے کے لئے جس مقدار زمین کی ضرورت ہوتی ہے اتنی مقدار اس کا "حریم" کہلائے گی اور کنویں کا حریم زمین کی اتنی مقدار ہے کہ جس کی اس سے سیراب ہونے اور پانی سے استفادہ کرنے والے کے کھڑے ہونے کے لئے ضرورت ہوتی ہے اگر اس سے ہاتھ سے پانی پیا جاتا ہو اگر چرخ سے پانی نکالا جاتا ہو اور جانور پیتے ہوں تو چرخ نصب کرنے اور جانوروں کے آنے جانے کی جگہ اور جانوروں کو پلانے یا کھیتی سینچائی کرنے کے لئے پانی اکٹھا کرنے کی جگہ جیسے حوض وغیرہ اور اگر مٹی وغیرہ نکالنے کی ضرورت پڑے تو اس کو رکھنے کی جگہ کنویں کا حریم ہے۔

اور چشمہ کا حریم اس مقدار میں ہے کہ جس کی اس سے استفادہ کرنے اور اس کی صفائی اور حفاظت کے لئے دوسری چیزوں کی مانند ضرورت ہوتی ہے۔

مسئلہ ۸: کنویں، چشمے اور قنات" کہ جس سے میری مراد وہ کنواں ہے جو پانی کا منبع ہے اور جسے "چشمے کا کنواں" اور ام الآبار (اصل کنواں) کہتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کے علاوہ کوئی کنواں اگر پانی کا منبع ہو تو ان میں سے ہر ایک کا حریم جدا جدا ہوتا ہے۔ "حریم" سے مراد زمین کی وہ مقدار ہے کہ جس میں کنویں یا چشمے کے مالکوں کی اجازت کے بغیر کوئی شخص دوسرا کنواں یا قنات ایجاد نہیں کر سکتا۔ بلکہ احتیاط یہ ہے کہ دو قناتوں کے درمیان حریم کا لحاظ بہرحال رکھا جائے۔ اگرچہ مذکورہ چیزوں کے علاوہ میں جواز اشبہ ہے۔ کنویں کا "حریم" چالیس ہاتھ ہے۔ اگر کنواں اونٹوں کے گلے اور دوسرے جانوروں کی سیرابی کے لئے کھودا جائے۔ لیکن اگر زمین کی سینچائی وغیرہ کے لئے کھودا جائے تو حریم کی مقدار ساٹھ ہاتھ ہے۔ پس اگر کوئی شخص "ارض موات" میں کنواں کھودے تو اس کے پہلو میں اس شخص کی اجازت کے بغیر دوسرے کو کنواں کھودنے کا حق حاصل نہیں۔ بلکہ بیان شدہ تفصیل کے مطابق جب تک فاصلہ چالیس یا ساٹھ ہاتھ کا نہ ہو (کنواں نہیں کھود سکتا) چشمے اور قنات کا حریم سخت زمین میں پانچ سو ہاتھ اور نرم زمین میں ایک ہزار ہاتھ ہے۔ پس اگر کوئی اراضی موات کی سخت زمین میں چشمہ یا قنات ایجاد کرے اور دوسرا شخص بھی ایسا کرنا چاہے تو اس سے پانچ سو ہاتھ کی دوری پر ایجاد کرے، اور اگر زمین نرم ہو تو ایک ہزار ہاتھ کا فاصلہ رکھے۔ اور اگر فرضاً دوسرے چشمے یا قنات سے پہلے کو نقصان پہونچتا ہو اور مذکورہ دوری کے باوجود اس کا پانی کم ہو جاتا ہو تو اگر اتوی نہ ہو تب بھی احتیاط یہ ہے کہ

بالأولى و تنقص ماءها مع البعد المزبور فالأحوط لو لم يكن الأقوى زيادة البعد بما يندفع به الضرر أو التراضي مع صاحب الأولى.

مسألة ٩ ـ اعتبار البعد المزبور في القناة إنما هو في إحداث قناة أخرى كما أشرنا إليه آنفاً، و أما إحياء الموات الذي في حواليها لزرع أو بناء أو غيرهما فلا مانع منه إذا بقي من جوانبها مقدار تحتاج للنزح أو الاستقاء أو الاصلاح و التنقية و غيرها مما ذكر في مطلق البئر، بل لا مانع من إحياء الموات الذي فوق الآبار و ما بينها إذا أبقي من أطراف حلقها مقدار ما تحتاج اليه لمصالحها، فليس لصاحب القناة المنع عن الاحياء للزرع و غيره فوقها اذا لم يضر بها.

مسألة ١٠ ـ قد مر أن التباعد المزبور في القناة انما يلاحظ بالنسبة إلى البئر التي تكون منبع الماء أو منشأه، و أما الآبار الأخر التي هي مجرى الماء فلا يراعى الفصل المذكور بينها، فلو أحدث الثاني قناة في أرض صلبة و كان منبعها بعيداً عن منبع الأولى بخمسمأة ذراع ثم تقارب في الآبار الأخر التي هي مجرى الماء إلى الآبار الاخر للأخرى إلى أن صار بينها و بينها عشرة أذرع مثلاً لم يكن لصاحب الأولى منعه، نعم لو فرض أن قرب تلك الآبار أضرّ بتلك الآبار من جهة جذبها للماء الجاري فيها أو من جهة أخرى تباعد بما يندفع به الضرر.

مسألة ١١ ـ القرية المبنيّة في الموات لها حريم ليس لأحد إحياؤه، ولو أحياه لم يملكه، و هو ما يتعلق بمصالحها و مصالح أهليها من طرقها المسلوكة منها و إليها و مسيل مائها و مجمع ترابها و كناستها و مطرح سمادها و رمادها و مشرعها و مجمع أهاليها لمصالحهم على حسب مجرى عادتهم و مدفن موتاهم و مرعى ماشيتهم و محتطبهم و غير ذلك ، والمراد بالقرية البيوت و المساكن المجتمعة المسكونة، فلم يثبت هذا الحريم للضيعة و المزرعة ذات المزارع و البساتين المتصلة الخالية من البيوت و المساكن و السكنة، فلو أحدث شخص قناة في فلاة و أحيا أرضاً بسيطة بمقدار ما يكفيه ماء القناة و زرع فيها و غرس فيها النخيل و الأشجار لم يكن الموات المجاور لتلك المحياة حريماً لها، فضلاً عن التلال و الجبال القريبة

فاصلہ اتنا زیادہ کرے کہ نقصان کا اندیشہ نہ رہے۔ یا پہلے کنویں کے مالک کو راضی کرے۔

مسئلہ ۹: "قنات" میں مذکورہ فاصلہ اس وقت ضروری ہے جب اس کے ساتھ ایک اور "قنات" ایجاد کرنا چاہے جیسا کہ ابھی ہم نے اشارہ کیا ہے۔ لیکن اس کے اطراف میں کھیتی یا عمارت وغیرہ کے لئے زمین آباد کرنے میں کوئی مانع نہیں بشرطیکہ اس کے اطراف میں اتنی زمین باقی رکھے۔ جس کی پانی کھینچنے، پانی پینے اور کنویں کی تعمیر اور صفائی وغیرہ کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ جن کا ذکر مطلق بئر (قنات ہو یا غیر قنات) کے بیان ہو چکا ہے۔ بلکہ اگر کنوؤں کے اوپر یا درمیان والی زمین آباد کرنا چاہے اور انکے اطراف میں کنوؤں کی تعمیر وغیرہ کے لئے ضرورت بھر زمین چھوڑ دے تو کوئی مانع نہیں۔ پس قنات کے مالک کو حق نہیں کہ وہ کھیتی وغیرہ کی خاطر اوپر والی زمین آباد کرنے سے منع کرے۔ بشرطیکہ قنات کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو۔

مسئلہ ۱۰: اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قنات میں اس کنویں کی نسبت مذکورہ دوری کا لحاظ ضروری ہے کہ جو پانی کا منبع اور سر چشمہ ہو۔ لیکن دوسرے کنویں کہ جو صرف پانی کا مجریٰ ہیں ان میں مذکورہ فاصلے کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ پس اگر دوسرا شخص سخت زمین میں قنات ایجاد کرے اور اس کا منبع پہلے کے منبع سے پانچ سو ہاتھ دور ہو۔ اس کے بعد وہ کنویں کہ جو صرف پانی کا مجریٰ ہیں دوسری قنات کے کنوؤں سے اس قدر نزدیک ہو جائیں کہ ان کے درمیان صرف دس ہاتھ کا فاصلہ رہ جائے تو پہلے کنویں والے کو منع کرنے کا حق نہیں۔ البتہ اگر فرضاً ان کنوؤں کا قریب ہونا دوسرے کنوؤں کے لئے نقصان دہ ہو، مثلاً وہ ان میں جاری ہونے والے پانی کو جذب کر لیتے ہوں یا کسی اور اعتبار سے نقصان کا باعث ہوں تو اتنا فاصلہ رکھا جائے جس سے نقصان کا خطرہ ٹل جائے۔

مسئلہ ۱۱: "اراضی موات" میں جو گاؤں آباد کئے جاتے ہیں ان کا بھی حریم ہوتا ہے جس کو آباد کرنے کا کسی کو حق نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی اسے آباد کرے تو اس کا مالک نہیں بن سکتا۔ اور گاؤں کا "حریم" وہ ہے کہ جس سے اس گاؤں اور گاؤں والوں کے مفادات وابستہ ہوتے ہوں۔

مثلاً ان کے گاؤں آنے جانے اور پانی کے خارج ہونے کا راستہ نیز، کوڑا کرکٹ اور بے کار ردی چیزیں جمع کرنے کی جگہ، اور ان کے رسم و رواج کے مطابق اپنے مصالح کے لئے کچہری اور پنچایت برپا کرنے کا میدان اور قبرستان اور چراگاہ اور ایندھن اکٹھا کرنے کی جگہ وغیرہ۔ گاؤں سے مراد ایک جگہ بنائے گئے رہائشی مکانات ہیں، چنانچہ ایک دوسرے سے متصل ایسے کھیتوں اور باغات اور دیہاتوں کے لئے یہ حریم ثابت نہیں جو گھروں، رہائش گاہوں اور ساکنین سے خالی ہوں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص جنگل میں قنات بنائے اور اتنی مقدار میں وسیع زمین آباد کرے کہ جس کے لئے اس "قنات" کا پانی کافی ہو اور اس میں کھیتی کرے اور پیڑ پودے لگائے تو اس کے برابر والی "ارض موات" اس آباد زمین کا "حریم" نہیں ہوگی۔ چہ جائیکہ اس زمین کے قریبی ٹیلے اور پہاڑ اس کا حریم ہوں۔ بلکہ اگر اس کے بعد اس آباد شدہ زمین میں گھر اور رہائش گاہیں تعمیر کرے یہاں تک کہ وہ ایک بڑا گاؤں بن جائے تب بھی اس کے لئے

منها، بل لو أحدث بعد ذلك في تلك المحياة دوراً و مساكن حتى صارت قرية كبيرة يشكل ثبوت الحريم لها، نعم لو أحدثها في جنب المزرعة و البساتين في أراضي الموات فالظاهر ثبوته لها، بل لا يبعد ثبوت بعض الحريم من قبيل مرعى الماشية لها مطلقاً، كما أن للمزرعة بنفسها أيضاً حريماً، و هو ما تحتاج اليه في مصالحهاو يكون من مرافقها من مسالك الدخول و الخروج و محل بيادرها و حظائرها و مجمع سمادها و ترابها و غيرها.

مسألة ١٢ ـ حدّ المرعى الذي هو حريم للقرية و محتطبها مقدار حاجة أهاليها بحسب العادة بحيث لو منعهم مانع أو زاحمهم مزاحم لوقعوا في الضيق والحرج، و يختلف ذلك بكثرة الأهالى و قلتهم و كثرة المواشي و الدوابّ و قلتها، و بذلك يتفاوت المقدار سعة و ضيقاً طولاً و عرضاً.

مسألة ١٣ ـ إن كان موات بقرب العامر و لم يكن من حريمه و مرافقه جاز لكل أحد إحياؤه، و لم يختص بمالك ذلك العامر و لا أولوية له، فاذا طلع شاطىء من الشط بقرب أرض محياة أو بستان مثلاً كان كسائر الموات، فن سبق إلى إحيائه و حيازته كان له، و ليس لصاحب الأرض أو البستان منعه.

مسألة ١٤ ـ لا إشكال في أن حريم القناة المقدر بخمسمأة ذراع أو ألف ذراع ليس ملكاً لصاحب القناة و لا متعلقاً لحقه المانع عن سائر تصرفات غيره بدون إذنه، بل ليس له إلاّ حق المنع عن إحداث قناة أخرى كما مرّ، و الظاهر أن حريم القرية أيضاً ليس ملكاً لسكانها و أهلها بل انما لهم حق الأولوية، و أما حريم النهر و الدار فهو ملك لصاحب ذي الحريم على تردّد و إن لا يخلو من وجه، فيجوز له بيعه منفرداً كسائر الأملاك.

مسألة ١٥ ـ ما مرّ من الحريم لبعض الأملاك إنما هو فيما إذا ابتكرت في أرض موات، و أما في الأملاك المجاورة فلا حريم لها، فلو أحدث المالكان المجاوران حائطاً في البين لم يكن له حريم من الجانبين، ولو أحدث أحدهما في آخر حدود ملكه حائطاً أو نهراً لم يكن لهما حريم في ملك الآخر و كذا لو حفر أحدهما قناة في

"حریم" ثابت ہونا مشکل ہے۔ البتہ اگر باغات اور کھیتی کے نزدیک "اراضیٔ موات" میں مکانات تعمیر کرے تو ظاہراً اس کے لئے "حریم" ہونا ثابت ہے۔ بلکہ بعض قسم کے حریم اس کے لئے بہر حال ثابت ہونا بعید نہیں۔ جیسے چراگاہ وغیرہ۔ جیساکہ خود کھیت کے لئے حریم ہوتا ہے۔ کہ کھیت کی دیکھ بھال کے لئے جس کی ضرورت ہوتی ہے۔

جیسے آنے جانے کا راستہ۔ غلہ کا خرمن لگانے کی جگہ۔ گلہ کے آرام کرنے کا مقام، اور کوڑا کرکٹ اور مٹی وغیرہ جمع کرنے کی جگہ وغیرہ۔

مسئلہ ۱۲: چراگاہ اور ایندھن اکٹھا کرنے کی جگہ "کہ جو گاؤں کا حریم ہے" کی مقدار اتنی ہے کہ عادتاً گاؤں والوں کو جس کی ضرورت ہوتی ہے اس طرح کہ اگر کوئی مانع ہو یا مزاحمت ایجاد کرے تو وہ تنگی اور پریشانی میں مبتلا ہو جائیں۔ اس کی مقدار اہلِ قریہ کی قلت وکثرت اور ان کے جانوروں کی بہتات اور کمی کے اعتبار سے مختلف ہوگی۔ اسی لئے وسعت، تنگی اور لمبائی، چوڑائی کے اعتبار سے حریم کی مقدار مختلف ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۱۳: کسی آباد شدہ زمین کے قریب اگر "ارض موات" ہو اور وہ اس آباد شدہ زمین کا حریم اور اس کے مصالح کے لئے نہ ہو تو ہر شخص کے لئے اس کو آباد کرنا جائز ہے۔ اس آباد شدہ زمین کے مالک سے مخصوص نہیں اور نہ وہ اولویت رکھتا ہے۔ پس کسی آباد کردہ زمین یا باغ کے نزدیک اگر ارضِ موات کا ایک ٹکڑا پڑا ہو۔ تو تمام اراضیٔ موات" کی طرح جو اس کو پہلے آباد کرے گا اور گھیرے گا وہ اسی کی ملکیت ہوگی۔ چنانچہ باغ یا زمین کے مالک کو اُسے منع کرنے کا حق نہیں۔

مسئلہ ۱۴: "قنات" کا حریم جس کی مقدار پانچ سو ہاتھ یا ایک ہزار ہاتھ ہوتی ہے بلا اشکال نہ قنات کے مالک کی ملکیت ہوگا اور نہ اس کا ایسا حق کہ جس میں اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کسی طرح کا تصرف نہ کر سکیں۔ بلکہ قنات کے مالک کو صرف اتنا اختیار ہے کہ مذکورہ بیان کے مطابق وہ اس کے حریم میں ایک اور "قنات" نہ کھودنے دے۔ جیساکہ گذر چکا ہے۔ اور ظاہراً گاؤں کا حریم بھی گاؤں کے رہنے والوں کی ملکیت نہیں کہلائے گا۔ بلکہ وہ صرف حق اولویت رکھتے ہیں۔

لیکن نہر اور گھر کا حریم ان کے مالک کی ملکیت ہے۔ لیکن اس میں تردّد ہے۔ اگرچہ وجہ سے خالی نہیں۔ پس دوسری املاک کی طرح اس کے لئے جُداگانہ طور پر حریم کو فروخت کرنا جائز ہے۔

مسئلہ ۱۵: گذشتہ بیان کے مطابق بعض املاک کا جو حریم ہوتا ہے وہ صرف ایسی صورت میں کہ جب "اراضیٔ موات" میں ایجاد کرے۔ لیکن اگر ان چیزوں کو ایک دوسرے کے پڑوس والی ملکیتوں میں ایجاد کرے تو ان کا حریم نہیں ہوتا۔ پس ایک دوسرے کے پڑوسی دو مالک اگر درمیان میں دیوار کھڑی کریں تو دونوں طرف سے اس کے لئے حریم نہیں ہوگا۔ اور اگر ان میں سے کوئی شخص اپنی ملکیت کی آخری حدود میں دیوار یا نہر بنائے تو دوسرے کی ملکیت میں ان کا حریم نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک اپنی ملکیت میں قنات کھودے تو دوسرے کو بھی اپنی

ملكه كان للآخر إحداث قناة أخرى في ملكه و إن لم يكن بينهما الحدّ.

مسألة ١٦ ـ ذكر جماعة أنه يجوز لكل من المالكين المتجاورين التصرف في ملكه بماشاء وحيث شاء و إن استلزم ضرراً على الجار، لكنه مشكل على إطلاقه، و الأحوط عدم جواز ما يكون سبباً لعروض الفساد في ملك الجار، بل لا يخلو من قرب إلا إذا كان في تركه حرج أو ضرر عليه، فحينئذ يجوز له التصرف، كما إذا دق دقاً عنيفاً انزعج منه حيطان داره بما أوجب خللاً فيها، أو حبس الماء في ملكه بحيث تنشر منه النداوة في حائطه، أو أحدث بالوعة أو كنيفاً بقرب بئر الجار أوجب فساد مائها بل و كذا لو حفر بئراً بقرب بئره إذا أوجب نقص مائها و كان ذلك من جهة جذب الثانية ماء الأولى، و أما إذا كان من جهة أن الثانية لكونها أعمق و وقوعها في سمت مجرى المياه ينحدر فيها الماء من عروق الأرض قبل أن يصل إلى الأول فالظاهر أنه لا مانع منه، و المائز بين الصورتين يدركه أو لوا الحدس الصائب من أهل الخبرة، و كذا لا مانع من إطالة البناء و إن كان مانعاً من الشمس و القمر و الهواء، أو جعل داره مدبغة أو مخبزة مثلاً و إن تأذى الجار من الريح و الدخان إذا لم يكن بقصد الايذاء، و كذا إحداث ثقبة في جداره الى دار جاره موجبة للاشراف أو لانجذاب الهواء فان المحرم هو التطلع على دار الجار لا مجرد ثقب الجدار.

مسألة ١٧ ـ لايخفى أن أمر الجار شديد، وحث الشرع الأقدس على رعايته أكيد، و الأخبار في وجوب كف الأذى عن الجار و في الحث على حسن الجوار كثيرة لا تحصى، فعن النبي صلى الله عليه و آله أنه قال: «ما زال جبرئيل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه» و في حديث آخر «أنه صلى الله عليه و آله أمر علياً عليه السلام و سلمان و أباذر ـ قال الراوي: و نسيت آخر و أظنه المقداد ـ أن ينادوا في المسجد بأعلى اصواتهم بأنه لا إيمان لمن لم يأمن جاره بوائقه، فنادوا بها ثلاثاً» و في الكافي عن الصادق عن أبيه عليهما السلام قال: «قرأت في كتاب علي عليه السلام أن رسول الله صلى الله عليه و آله كتب بين

ملکیت میں قنات کھود نے کا حق حاصل ہے۔ چاہے ان کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو۔
مسئلہ ۱۶: فقہاء کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ ایک دوسرے کے پڑوسی دو مالکوں کیلئے جائز ہے کہ وہ اپنی اپنی ملکیت میں جو چاہیں کریں۔ چاہے اس سے پڑوسی کو نقصان ہی کیوں نہ پہونچے۔ (لیکن میرے نزدیک) مطلق طور پر یہ کہنا مشکل ہے۔ بلکہ احتیاط یہ ہے کہ ایسا کام کرنا جائز نہیں جو پڑوسی کی ملکیت میں خرابی پیدا کرنے کا باعث بنے۔ بلکہ یہ بات قرب سے خالی نہیں۔ مگر یہ کہ اس کام کو ترک کرنا خود اسکے لئے باعث حرج اور نقصان ہو۔ تو ایسی صورت میں وہ ہر طرح کا تصرف کر سکتا ہے۔ مثلاً پوری شدت کے ساتھ کوئی چیز ٹھونکے جس کی وجہ سے پڑوسی کی دیوار کو جھٹکا پہونچے اور اس میں رخنہ پڑجائے۔ یا اپنی ملکیت میں پانی جمع کرے جس کی نمی دوسرے کی دیوار تک پہونچ جائے۔ یا پڑوسی کے کنویں کے نزدیک گندے پانی کا گڑھا یا بیت الخلاء کا کنواں کھودے جو دوسرے کے کنویں کا پانی خراب ہوجانے کا موجب بنے۔ بلکہ اسی طرح اگر دوسرے کے کنویں کے نزدیک کنواں کھودے اور وہ پہلے کنویں کا پانی کم ہوجانے کا موجب بنے۔ جس کی وجہ یہ ہو کہ دوسرا کنواں پہلے کنویں کا پانی جذب کر رہا ہو۔ لیکن اگر اس کی وجہ یہ ہو کہ دوسرا کنواں زیادہ گہرا ہو اور پانی کے بہاؤ کے رخ پر واقع ہو۔ چنانچہ زمین کے سوتوں سے پانی اُبل کر پہلے کنویں میں جانے سے پہلے دوسرے کنویں میں جارہا ہو تو ظاہراً اس میں کوئی مانع نہیں ہے۔ ان دو صورتوں میں وہی لوگ فرق کر سکتے ہیں جو رائے دینے میں ماہر اور کارشناس ہوں۔ اور اسی طرح عمارت اونچی تعمیر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ وہ دوسرے کے گھر تک سورج، چاند کی روشنی اور ہوا پہونچنے سے مانع ہو۔ اسی طرح اپنے گھر میں مدبغہ (جہاں چمڑے کی دباغت ہوتی ہے) یا مثلاً روٹی پکانے کا تنور بنانے میں بھی کوئی مانع نہیں۔ چاہے پڑوسی کو بو اور دھویں سے اذیت ہی کیوں نہ ہو۔ بشرطیکہ یہ چیزیں ایجاد کرنے سے اس کا قصد پڑوسی کو تکلیف دینا نہ ہو۔ اسی طرح اپنی دیوار میں دوسرے کے گھر کی طرف سوراخ کرنا کہ جو اس کے گھر میں جھانکنے یا ہوا کھینچنے کا موجب ہو۔ بلا مانع ہے۔ اس لئے کہ دوسرے کے گھر میں جھانکنا حرام ہے۔ دیوار میں سوراخ کرنا حرام نہیں۔

مسئلہ ۱۷: مخفی نہ رہے کہ ہمسایہ کا معاملہ بہت سخت ہے۔ اور شریعت مقدس نے اس کے حقوق کی رعایت کی سخت تاکید کی ہے۔ چنانچہ پڑوسی کو اذیت نہ پہونچانے اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھنے کے سلسلہ میں روایات بے شمار ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہے۔ "حضرتؐ نے فرمایا جبرئیلؑ ہمیشہ مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ مجھ سے وارثوں میں قرار دیں گے۔" دوسری حدیث میں ہے کہ "آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ، سلمان، ابوذر اور کسی چوتھے شخص کو حکم دیا کہ: جس کے بارے میں راوی کہتا ہے کہ میں بھول گیا کہ وہ کون ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ مقداد تھے، حکم یہ تھا کہ مسجد میں جاکر ہر ایک بلند آواز سے کہے "کہ جس کا پڑوسی اس کی اذیت رسانی سے محفوظ نہ ہو وہ مومن نہیں" چنانچہ انھوں نے مسجد میں جاکر تین مرتبہ یہی کہا" اور کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں "حضرتؑ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ کی کتاب میں پڑھا

المهاجرين و الأنصار و من لحق بهم من أهل يثرب أن الجار كالنفس غير مضار ولا آثم، وحرمة الجار على الجار كحرمة أمه» و روى الصدوق باسناده عن الصادق عن علي عليهما السلام عن رسول الله صلى الله عليه و آله قال: «من آذى جاره حرّم الله عليه ريح الجنة و مأواه جهنم و بئس المصير، و من ضيع حق جاره فليس منّا» و عن الرضا عليه السلام «ليس منّا من لم يأمن جاره بوائقه» و عن الصادق عليه السلام أنه قال والبيت غاص بأهله: «إعلموا أنه ليس منّا من لم يحسن مجاورة من جاوره» وعنه عليه السلام قال: قال رسول الله صلى الله عليه و آله: «حسن الجوا ريعمّر الديار و ينسىء في الأعمار» فاللازم على كل من يؤمن بالله و رسوله(ص) و اليوم الآخر الاجتناب عن كل ما يؤذي الجار و إن لم يكن مما يوجب فساداً أو ضرراً في ملكه إلا أن يكون في تركه ضرر فاحش على نفسه، و لا ريب أن مثل ثقب الجدار الموجب للاشراف على دار الجار إيذاء عليه، و أيّ إيذاء، و كذا إحداث ما يتأذى من ريحه أو دخانه أو صوته أو ما يمنع عن وصول الهواء اليه أو عن إشراق الشمس عليه و غير ذلك.

مسألة ١٨ ـ يشترط في التملك بالاحياء أن لا يسبق اليه سابق بالتحجير، فان التحجير يفيد أولوية للمحجر، فهو أولى بالاحياء و التملك من غيره، فله منعه، ولو أحياه قهراً على المحجر لم يملكه، و المراد بالتحجير أن يحدث ما يدل على إرادة الاحياء كوضع أحجار أو جمع تراب أو حفر أساس أو غرز خشب أو قصب أو نحو ذلك في أطرافه وجوانبه، أو يشرع في إحياء ما يريد إحيـاءه، كما إذا حفر بئراً من آبار القناة الدارسة التي يريد إحياءها، فانه تحجير بالنسبة الى سائر آبار القناة، بل و بالنسبة الى أراضي الموات التي تسق بمائها بعد جريانه، فليس لأحد إحياء تلك القناة و لا إحياء تلك الأراضي، و كذا إذا أراد إحياء أجمة فيها الماء و القصب فعمد على قطع مائها فقط فهو تحجير لها، فليس لأحد إحياؤها بقطع قصبها.

مسألة ١٩ ـ لابد من أن يكون التحجير مضافاً إلى دلالته على أصل الاحياء

ہے کہ نبی اکرمؐ نے مہاجرین "انصار اور یثرب والوں سے جو لوگ ان کے ساتھ ملحق ہیں" کے درمیان لکھا کہ ہمسایہ اپنی جان کی مانند ہے۔ بشرطیکہ وہ نقصان پہونچانے والا اور گنہگار نہ ہو۔ اور ہمسائے پر ہمسائے کا احترام اسی طرح واجب ہے جیسے ماں کا احترام واجب ہوتا ہے۔" اور جناب صدوقؒ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت علی علیہ السلام اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "ہمسائے کو اذیت پہونچانے والے پر اللہ جنت کی بو بھی حرام کر دیتا ہے۔ اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے" اور اپنے پڑوسی کا حق ضائع کرنے والا ہم میں سے نہیں۔" اور امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے: "وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس کا پڑوسی اسکی ایذا سے محفوظ نہ ہو۔" امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہے کہ حضرت نے فرمایا جب کہ گھر اہل بیتؑ سے چھلک رہا تھا" یاد رکھو! کہ جو شخص اپنے ہمسائے کے ساتھ اچھی ہمسائگی کا ثبوت نہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔" اس کے علاوہ حضرت نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے" اچھی ہمسائگی سے گھر آباد رہتے ہیں اور عمروں میں اضافہ ہوتا ہے۔" پس ہر وہ شخص جو اللہ اسکے رسولؐ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ ہر اس چیز سے اجتناب کرے جس سے ہمسائے کو اذیت ہوتی ہو چاہے اس کی ملکیت میں فساد اور نقصان کا موجب نہ ہو۔ مگر یہ کہ اسکو ترک کرنے سے خود اس کو زبردست نقصان ہوتا ہو۔ اور بے شک دیوار میں سوراخ کرنا کہ جس سے پڑوسی کے گھر کے اندر کا سامنا ہوتا ہے اس کے لئے باعث اذیت ہے اور اس سے بڑی اذیت کیا ہو سکتی ہے؟ اور اسی طرح ایسی چیز اپنے گھر میں بنانا۔ جس کی بو، دھویں یا آواز سے اس کو اذیت ہوتی ہو۔ یا اس کے گھر تک ہوا یا سورج کی روشنی وغیرہ پہونچنے سے مانع ہو۔

مسئلہ ۱۸: کسی زمین کو آباد کر کے مالک ہونیکی شرط یہ ہے کہ پہلے سے کسی نے اس زمین کا گھیراؤ نہ کیا ہو اس لئے کہ تحجیر (گھیرنا) متحجر (گھیرنے والے) کو اولیٰ بنا دیتا ہے۔ پس تحجیر کرنیوالا، دوسرے کی نسبت اس زمین کو آباد کر کے اسکا مالک بننے کا زیادہ حقدار ہے۔ اور وہ دوسرے کو آباد کرنے سے منع کر سکتا ہے اور اگر کوئی شخص محجر پر غالب آکر زمین کو آباد کرے تو اسکا مالک نہیں ہوگا۔ "تحجیر" سے مراد یہ ہے کہ ایسا کام کرے جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ محجر زمین کو آباد کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً پتھروں سے گھیرے، مٹی جمع کرے، بنیاد کھودے، تختے یا بانس نصب کرے۔ یا اس جیسی کوئی اور علامت اس زمین کے اطراف وجوانب میں قائم کرے یا جس زمین کو آباد کرنا چاہتا ہے اُسے آباد کرنا شروع کر دے مثلاً قدیمی قنات کہ جس کو آباد کرنا چاہتا ہے اس کے کنوؤں میں سے کوئی کنواں کھودے اس لئے کہ ایسا کرنا اس قنات کے دوسرے کنوؤں کی نسبت تحجیر کہلائیگا۔ بلکہ اس اراضی موات کی نسبت بھی تحجیر ہے جسکو اسکے پانی سے سینچنا چاہتا ہے۔ پس کسی دوسرے کو حق حاصل نہیں کہ وہ قنات اور اس زمین کو آباد کرے۔ اسیطرح اگر نیزار کو آباد کرنا چاہے کہ جس میں پانی اور "نے" موجود ہو۔ تو اس سے پانی کے اخراج کا کام شروع کرنا، اسکی تحجیر ہے۔ لہٰذا کسی اور کو حق نہیں کہ وہ اس کے بانس کاٹ کر اُسے آباد کرے۔

مسئلہ ۱۹: تحجیر ایسی ہو کہ جو اصل احیاء پر دلالت کرنے کے ساتھ، اس مقدار پر بھی دلالت کرے کہ جس کو آباد کرنا

دالاً على مقدار ما يريد إحياءه، فلو كان ذلك بوضع الأحجار أو جمع التراب أو غرز الخشب أو القصب مثلاً لابد أن يكون ذلك في جميع الجوانب حتى يدل على أن جميع ما أحاطت به العلامة يريد إحياءه، نعم في مثل إحياء القناة البائرة يكفي الشروع في حفر إحدى آبارها كما أشرنا إليه آنفاً، فانه دليل بحسب العرف على كونه بصدد إحياء جميع القناة، بل الأراضي المتعلقة بها أيضاً، بل إذا حفر بئراً في أرض موات بالأصل لأجل إحداث قناة يمكن أن يقال: إنه يكون تحجيراً بالنسبة إلى أصل القناة و إلى الأراضي الموات التى تسق بمائها بعد تمامها و جريان مائها، فليس لأحد إحياء تلك الجوانب حتى يتم القناة و يعين ما تحتاج إليه من الأراضي نعم الأرض الموات التي ليست من حريم القناة و ممّا علم أنه لايصل إليهاماؤها بعد جريانه لا بأس باحيائها.

مسألة ٢٠ ـ التحجير كما أشرنا اليه يفيد حق الأولوية ولا يفيد الملكية، فلا يصح بيعه على الأحوط و إن لا يبعد الجواز، نعم يصح الصلح عنه، و يورث و يقع ثمناً في البيع، لأنه حق قابل للنقل و الانتقال.

مسألة ٢١ ـ يشترط في مانعية التحجير أن يكون المحجر متمكناً من القيام بتعميره ولو بعد زمان طويل بشرط أن لا يوجب تعطيل الموات، فلو حجر من لم يقدر على إحياء ما حجره إما لفقره أو لعجزه عن تهيئة أسبابه فلا أثر لتحجيره، وجاز لغيره إحياؤه، وكذا لو حجر زائداً على مقدار تمكنه من الاحياء لا أثر لتحجيره إلا في مقدارما تمكن من تعميره و أما في الزائد فليس له منع الغير عن إحيائه، فعلى هذا ليس لمن عجز عن إحياء الموات تحجيره ثم نقل ما حجره الى غيره بصلح أو غيره مجاناً أو بالعوض، لأنه لم يحصل له حق حتى ينقله إلى غيره.

مسألة ٢٢ ـ لا يعتبر في التحجير أن يكون بالمباشرة، بل يجوز أن يكون بتوكيل الغير أو استئجاره، فيكون الحق الحاصل بسببه ثابتاً للموكل و المستأجر لا للوكيل و الأجير، و أما كفاية وقوعه عن شخص نيابة عن غيره ثم أجاز ذلك الغير في ثبوته للمنوب عنه فبعيد.

چاہتا ہے۔ پس مثال کے طور پر اگر پتھر رکھ کر یا مٹی جمع کر کے یا تختے اور ڈنڈے نصب کر کے تحجیر کرے تو اسے چاہیئے کہ تمام اطراف میں ایسا کرے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جس مقدار کو اس نے گھیرا ہے یہ علامت ہے کہ وہ اتنی مقدار کو آباد کرنا چاہتا ہے۔ البتہ کسی مخروبہ قنات جیسی چیز کو آباد کرنے کے لئے اس کے کسی ایک کنویں کی کھدائی شروع کر دینا ہی کافی ہے جیسا کہ ہم ابھی ابھی ذکر کر چکے ہیں۔ اس لئے عرفِ عام میں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شخص پورے قنات بلکہ اس سے متعلق زمین کو بھی آباد کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ اگر اصلی ٫ ارض موات٫ میں قنات بنانے کے لئے اس کا کوئی ایک کنواں کھود دے تو ممکن ہے کہ اس کو اصل قنات اور اس کی تکمیل کے بعد پانی جاری ہو کر اس سے سیراب ہونے والی اراضیٔ موات کی تحجیر کہا جائے۔ لہٰذا جب تک قنات مکمل نہ ہو جائے اور وہ شخص اپنی ضرورت کی زمین معین نہ کر دے اس وقت تک کسی کو حق نہیں کہ اس کے اطراف کی زمین آباد کرے۔ البتہ وہ ارض موات جو اس قنات کا حریم نہ ہو۔ اور معلوم ہو کہ وہ ایسی ہے۔ کہ قنات کا پانی جاری ہونے کے بعد اس تک نہیں پہونچ سکتا تو اس کو احیاء کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ ۲۰: تحجیر سے۔ جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ صرف حقِ اولویت حاصل ہوتا ہے ملکیت حاصل نہیں ہوتی پس احتیاطاً اس کو بیچنا صحیح نہیں۔ اگرچہ جائز ہونا بھی بعید نہیں ہے۔ البتہ اس پر مصالحت کرنا صحیح ہے۔ وہ میراث قرار پائے گی۔ اور معاملہ میں "ثمن" واقع ہوگی۔ اس لئے کہ وہ ایسا حق ہے جو قابلِ نقل و انتقال ہے۔

مسئلہ ۲۱: تحجیر کے (دوسروں کے سامنے) مانع بننے کے لئے شرط ہے کہ "محجر" اس زمین کو آباد کرنے پر قادر ہو چاہے ایک عرصہ گذر جانے کے بعد ہی سہی بشرطیکہ "ارض موات" کے بے کار پڑی رہنے کا موجب نہ بنے پس اگر ایسا شخص تحجیر کرے جو اس اپنی تحجیر کردہ زمین کو آباد کرنے پر قادر نہ ہو' اس کی وجہ یا اس کا فقر ہو۔ یا وہ اس کے اسباب فراہم کرنے سے عاجز ہو تو اس تحجیر کا کوئی فائدہ نہیں، کسی اور کے لئے اس زمین کو آباد کر لینا جائز ہے۔ اسی طرح اگر اپنی آباد کرنے کی قدرت سے زیادہ مقدار زمین کی تحجیر کرے تو تحجیر صرف اسی مقدار میں مفید ہے جس کو آباد کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اس سے زیادہ میں (بے فائدہ ہے۔ لہٰذا) کسی دوسرے کو اس کے آباد کرنے سے منع نہیں کر سکتا۔ لہٰذا جو شخص "ارض موات" کو آباد کرنے سے عاجز ہو اس کو حق نہیں پہونچتا کہ وہ اسکی تحجیر کرے اور اس کے بعد کسی سے مصالحت کرے۔ یا مفت میں یا عوض دے کر اس لئے کہ اس کو حق ہی حاصل نہیں ہوا کہ وہ اسے دوسرے تک منتقل کرے۔

مسئلہ ۲۲: تحجیر کے لئے ضروری نہیں کہ انسان اپنے ہاتھ سے انجام دے بلکہ کسی کو وکیل یا اجیر بنا کر تحجیر کرنا بھی جائز ہے۔ پس اس کے سبب سے جو حق حاصل ہوگا وہ موکل اور مستاجر کا ہوگا۔ نہ کہ وکیل اور اجیر کا۔ لیکن کسی کی نیابت میں کسی شخص کی تحجیر اور پھر اس شخص کے اجازت دے دینے کا تحجیر کے "منوب عنہ" کے لئے ثابت ہونے کے لئے کافی ہونا تو یہ بعید ہے۔

مسألة ٢٣ ـ لو انمحت آثار التحجير بنفسها قبل أن يقوم المحجر بالتعمير بطل حقه و عاد الموات إلى ما كان قبل التحجير، و أما لو كان بفعل شخص غيرالمحجر فلا يبعد بقاؤه مع قرب زمان المحو، و مع طول المدة فالظاهر بطلانه مطلقاً، بل لا يبعد بقاء الحق مع المحو بنفسها إذا لم يكن ذلك لطول مدة التعطيل، كما لو حصل بالسيل أو الريح مثلاً.

مسألة ٢٤ ـ ليس للمحجر تعطيل الموات المحجر عليه و الاهمال في التعمير، بل اللازم أن يشتغل بالعمارة عقيب التحجير، فان أهمل وطالت المدة و أراد شخص آخر إحياءه فالأحوط أن يرفع الأمر الى الحاكم مع وجوده و بسط يده، فيلزم المحجر بأحد أمرين: إما العمارة أو رفع يده عنه ليعمره غيره، إلاّ أن يبدىء عذراً موجهاً مثل انتظار وقت صالح له أو إصلاح آلا ته أو حضور العملة، فيمهل بمقدار ما يزول معه العذر، و ليس من العذر عدم التمكن من تهيئة الأسباب لفقره منتظراً للغنى و التمكن إلا إذا كان متوقعاً حصوله بحصول أسبابه، فاذا مضت المدة في الفرض المتقدم و لم يشتغل بالعمارة بطل حقه و جاز لغيره القيام بالعمارة، و اذا لم يكن حاكم يقوم بهذه الشؤون فالظاهر أنه يسقط حقه أيضاً لو أهمل في التعمير و طال الاهمال مدة طويلة يعدّ مثله في العرف تعطيلاً، فجاز لغيره احياؤه و ليس له منعه، والأحوط مراعاة حقه ما لم تمض مدة تعطيله واهماله ثلاث سنين.

مسألة ٢٥ ـ الظاهر أنه يشترط في التملك بالاحياء قصد التملك كالتملك بالحيازة مثل الاصطياد و الاحتطاب و الاحتشاش و نحوها، فلو حفر بئراً في مفازة بقصد أن يقضي منها حاجته مادام باقياً لم يملكه، بل لم يكن له الا حق الأولو ية مادام مقيماً، فاذا ارتحل زالت تلك الأولو ية و صارت مباحاً للجميع.

مسألة ٢٦ ـ الاحياء المفيد للملك عبارة عن جعل الأرض حية بعد الموتان و إخراجها عن صفة الخراب إلى العمران، ومن المعلوم أن عمارة الأرض إما بكونها مزرعاً أو بستاناً، و إما بكونها مسكناً و داراً، و إما حظيرة للأغنام والمواشي، أو

مسئلہ ۲۳: قبل اس کے تحجیر کرنے والا اس زمین کو آباد کرنے کا اقدام کرے۔ آثار تحجیر خود بخود مٹ جائیں۔ تو اس کا حق باطل ہو جاتا ہے اور وہ زمین تحجیر سے پہلے والی حالت کی طرف لوٹ کر جاتی ہے۔ لیکن اگر محجر کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے آثار تحجیر محو کئے ہوں تو تحجیر کا باقی رہنا بعید نہیں ہے۔ جبکہ ماضی قریب میں آثار مٹائے گئے ہوں۔ لیکن اگر زیادہ مدت گذر جائے تو ظاہراً تحجیر بطور مطلق باطل ہو جائے گی۔ بلکہ بعید نہیں کہ خود بخود آثار تحجیر محو ہونے کی صورت میں حق باقی رہے بشرطیکہ زمین کے بے کار پڑی رہنے کی مدت زیادہ ہونے کے باعث ایسا نہ ہوا ہو۔ جیسا کہ مثلاً اگر سیلاب یا تیز ہواؤں کی وجہ سے آثار مٹ جائیں۔

مسئلہ ۲۴: محجر کو حق نہیں کہ اس نے جو زمین گھیری ہوا سے بیکار پڑی رہنے دے اور اسکی آبادکاری میں تاخیر کرے۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ تحجیر کے فوراً بعد اسکو آباد کرنے میں مشغول ہو جائے۔ پس اگر وہ سستی برتے اور مدت طویل ہو جائے چنانچہ کوئی دوسرا شخص اس زمین کو آباد کرنا چاہے تو احتیاط یہ ہے کہ۔ اگر حاکم شرع موجود ہو اور حکم صادر کرنے پر مقتدر ہو۔ تو قضیہ اس کے پاس لے جایا جائے۔ حاکم شرع تحجیر کرنے والے کو دو میں سے ایک کام کرنے کو کہے گا: کہ یا وہ زمین کو آباد کرے، یا اس سے دستبردار ہو جائے تاکہ کوئی دوسرا شخص اسے آباد کرے۔ مگر یہ کہ اس شخص کے پاس معقول عذر ہو، مثلاً آبادکاری کے لئے وہ مناسب وقت کے انتظار میں ہو یا اوزار و ہتھیار آمادہ کروا رہا ہو یا مزدوروں کے انتظار میں ہو۔ اس صورت میں اس کو اتنی مہلت دی جائے کہ جس میں عذر زائل ہو جاتا ہو۔ البتہ اگر کسی شخص کا فقیر ہونے کی بناء پر اسباب اکٹھا کرنے پر قادر نہ ہونا اور فقر زائل ہو جانے کا منتظر ہونا عذر شمار نہیں ہوگا۔ مگر یہ کہ اس کا آباد کرنے پر قادر ہو جانا قدرت کے اسباب فراہم ہو جانے کی بناء پر متوقع ہو۔ پس گذشتہ فرض میں جب مدت تمام ہو جائے مگر وہ زمین کی آبادکاری میں مشغول نہ ہوا ہو تو اسکا حق باطل ہو جائے گا۔ لہٰذا دوسرے کے لئے اس زمین کو آباد کرنے کا اقدام کرنا جائز ہے۔ اور اگر اس طرح کے امور انجام دینے کے لئے حاکم شرع موجود نہ ہو اور وہ شخص زمین آباد کرنے میں سستی کرے اور اس کی مدت اس قدر طویل ہو جائے کہ عرفِ عام میں اسے سستی کرنا کہا جائے تو ظاہراً اس صورت میں بھی اس کا حق ساقط ہو جائیگا۔ لہٰذا کسی دوسرے کے لئے اس زمین کو آباد کرنا جائز ہے اور وہ روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور احتیاط یہ ہے کہ جب تک اس کی سستی اور زمین کے بیکار پڑی رہنے کی مدت تین سال نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اس کے حق کی رعایت کی جائے۔

مسئلہ ۲۵: ظاہراً زمین کو آباد کر کے مالک ہونیکی شرط یہ ہے کہ مالک ہونیکا قصد کرے جیسا کہ حیازت مثلاً شکار کر کے یا ایندھن اور گھاس پھوس وغیرہ اکٹھی کر کے مالک بننے کیلئے قصدِ ملکیت ضروری ہے۔ پس اگر کوئی شخص کسی بیابان میں کنواں کھودے تاکہ جبتک وہاں رہے اس سے اپنی ضرورت پوری کرے تو اسکا مالک نہیں ہوگا۔ بلکہ جبتک وہ وہاں رہے اس وقت تک اسے حق اولویت حاصل ہوگا۔ اور جب وہ وہاں سے کوچ کر جائے گا تو اولویت بھی ختم ہو جائیگی اور وہ سب کیلئے مباح ہو جائے گا۔

مسئلہ ۲۶: زمین کی آبادکاری کہ جس سے انسان زمین کا مالک بن جاتا ہے اسے مراد یہ ہے کہ مردہ زمین کو زندہ کرے اور خرابہ

لحوائج أخر كتجفيف الثمار أو جمع الحطب أو غير ذلك، فلابد في صدق إحياء الموات من العمل فيه و إنهائه الى حدّ صدق عليه أحد العناوين العامرة بأن صدق عليه المزرع أو الدار مثلاً أو غيرهما عند العرف، و يكفي تحقق أول مراتب وجودها، و لا يعتبر انهاؤها الى حد كمالها، و قبل أن يبلغ الى ذلك الحد و ان صنع فيه ما صنع لم يكن احياء بل يكون تحجيراً، و قد مر أنه لا يفيد الملك بل لا يفيد الا الأولويّة.

تكملة:

يختلف ما اعتبر في الاحياء باختلاف العمارة التي يقصدها المحيي، فما اعتبر في احياء الموات مزرعاً أو بستاناً غير ما اعتبر في احيائه مسكناً و داراً، و ما اعتبر في احيائه قناة أو بئراً غير ما اعتبر في احيائه نهراً و هكذا و يشترط في الكل ازالة الأمور المانعة عن التعمير كالمياه الغالبة أو الرمال و الأحجار أو القصب والأشجار لو كانت متأجمة و غير ذلك، و يختص كل منها ببعض الأمور، و نحن نبينها في ضمن مسائل.

مسألة ١ ـ يعتبر في إحياء الموات داراً أو مسكناً بعد إزالة الموانع لو كانت أن يدار عليه حائط بما يعتاد في تلك البلاد ولو كان بخشب أو قصب أو حديد أو غيرها، و يسقف ولو بعضه مما يمكن أن يسكن فيه، ولا يعتبر فيه مع ذلك نصب الباب، و لا يكفي إدارة الحائط بدون التسقيف، نعم يكفي ذلك في إحيائه حظيرة للغنم و غيره، أو لأن يجفف فيه الثمار أو يجمع فيه الحشيش و الحطب، ولو بنى حائطاً في الموات بقصد بناء الدار وقبل أن يسقف عليه بدا له و قصد كونه حظيرة ملكه كما لو قصد ذلك من أول الأمر، و كذلك ملكه في العكس بأن حوطه بقصد كونه حظيرة فبدأ له أن يسقفه و يجعله داراً.

مسألة ٢ ـ يعتبر في إحياء الموات مزرعاً بعد إزالة الموانع تسوية الأرض لو

کو آبادی میں تبدیل کر دے۔ اور بعض جانتے ہیں کہ ایسا اسی وقت ہوتا ہے کہ جب وہ زمین کھیتی یا باغ بن جائے یا رہائشی مکان میں تبدیل ہو جائے یا بھیڑ بکریوں اور جانوروں کے گلہ کا ٹھکانہ بنے۔ یا دوسری ضرورتیں پوری کرنے جیسے پھل خشک کرنے یا ایندھن وغیرہ جمع کرنے کا کام آئے۔ پس ارض موات کے آباد زمین کہلانے کے لئے اس میں کام کرنا اور اسکو ایسی حالت میں لے آنا ضروری ہے کہ اس پر عرف کے نزدیک آباد زمین کا کوئی ایک عنوان صادق آئے۔ جیسے کھیت مکان وغیرہ اور اگر یہ عنوان ابتدائی مراحل میں ہو تو وہ بھی کافی ہے۔ اس کا اس کے حد کمال تک پہونچنا ضروری نہیں ہے اور جب تک ابتدائی مراحل میں داخل نہ ہو اس وقت تک چاہے اس میں جو کچھ بھی کیا ہو اس کو آبادکاری نہیں بلکہ تحجیر کہا جائیگا اور سابق میں بیان ہو چکا ہے کہ تحجیر سے انسان مالک نہیں کہلاتا بلکہ صرف اولیٰ بالتصرف ہوتا ہے۔

تکملہ

کسی زمین کو آباد کرنے میں جو کچھ معتبر ہے۔ اس کا انحصار آباد کرنے والے کے قصد و ارادے پر ہے۔ پس کسی ارض موات کو آباد کر کے اگر کھیت یا باغ میں تبدیل کرنا چاہے تو اس کی آبادکاری میں جو کام کرنا ضروری ہے وہ اسکے علاوہ ہے جو اسے مسکن یا گھر بنانے کے لئے کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر قنات یا کنویں کے لئے آباد کرنا چاہے تو اس کے لئے جو کچھ کرنا ضروری ہے وہ اس کے نہر وغیرہ کے لئے آباد کرنے کے علاوہ ہے۔ مختصر یہ کہ جس چیز کے لئے بھی آباد کرنا چاہے پہلے آبادی کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو دور کرے۔ جیسے پانی نکالے، ریت اور پتھر ہٹائے۔ اور اگر نیزار اور جنگل ہو تو درخت اور تنے وغیرہ کاٹے۔ اور ہر صورت کے بعض مخصوص امور ہیں جن کو ہم چند مسائل کے ضمن میں بیان کر رہے ہیں۔

مسئلہ ۱: اگر کسی "ارض موات" میں رہائشی مکان تعمیر کرنے کے لئے اسے احیاء کرنا چاہے تو پہلے اسمیں پانی جانے والی رکاوٹیں دور کرے اس کے بعد ان علاقوں میں جیسی دیواریں کھڑی کی جاتی ہوں ویسی دیوار کھڑی کرے چاہے وہ لکڑی، بانس کے ڈنڈوں یا لوہے وغیرہ کی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد چھت ڈالے چاہے صرف اتنی مقدار میں ہو کہ جس میں رہائش اختیار کر سکے۔ اس کے ساتھ گیٹ لگانا ضروری نہیں۔ لیکن چھت کے بغیر خالی دیوار کافی نہیں ہوگی۔ البتہ اگر جانوروں وغیرہ کے ٹھکانے کے لئے آباد کرنا چاہے تو صرف دیوار بندی کافی ہے۔ یا اس میں پھل سکھانا چاہے یا گھاس اور ایندھن وغیرہ جمع کرنا چاہے۔ اور اگر ارض موات میں گھر بنانے کے لئے دیوار کھڑی کرے لیکن چھت ڈالنے سے پہلے اس کا ارادہ بدل جائے اور اسے جانوروں کے طویلے کے طور پر بنانا چاہے تو وہ اس زمین کا مالک ہوگا۔ جیسا کہ اگر شروع سے اس کا یہی ارادہ ہوتا تو وہ مالک ہوتا۔ یہی حکم اس کے برعکس کا بھی ہے۔ یعنی اس کا ارادہ جانوروں کا طویلہ بنانے کا ہو لیکن بعد میں اس پر چھت ڈال کر مکان بنا دے۔

مسئلہ ۲: کھیتی کے لئے زمین کو آباد کرنے کی خاطر رکاوٹیں زائل کر کے اگر زمین میں گڑھے یا ٹیلے وغیرہ ہوں

كانت فيها حفر و تلال مانعة عن قابليتها للزرع وترتيب مائها اما بشق ساقية من نهر أو حفر قناة لها أو بئر، و بذلك يتم احياؤها و يملكها المحيي، و لا يعتبر في احيائها حرثها فضلاً عن زرعها، و ان كانت الأرض مما لا تحتاج في زراعتها الى ترتيب ماء لأنه يكفيها ماء السماء كفى في احيائها اعمال الأمور الأخر عدا ترتيب الماء، و ان كانت مهيأة للزرع بنفسها بأن لم يكن فيها مانع عنه مما ذكر ولم تحتج الا الى سوق الماء كفى في احيائها ادارة التراب حولها مع سوق الماء اليها، و ان لم تحتج الى سوق الماء أيضاً من جهة أنه يكفيها ماء السماء كبعض الأراضي السهلة و التلال التي لا تحتاج في زرعها الى علاج وقابلة لأن تزرع ديمياً فالظاهر أن احياء ها المفيد لتملكها انما هو بادارة المرز حولها مع حرثها و زرعها، بل لا يبعد الاكتفاء بالحرث في تملكها، و أما الاكتفاء بالمرز من دون حراثة و زراعة ففيه اشكال، نعم لا إشكال في كونه تحجيراً مفيداً للأولوية.

مسألة ٣ ـ يعتبر في إحياء البستان كل ما اعتبر في إحياء الزرع بزيادة غرس النخيل أو الأشجار القابلة للنمو، و لا يعتبر التحويط حتى في البلاد التي جرت عادتهم عليه على الأقوى، بل الظاهر عدم اعتبار السقي أيضاً، فمجرد غرس الأشجار القابلة للنمو كاف فيه.

مسألة ٤ ـ يحصل إحياء البئر في الموات بأن يحفر ها الى أن يصل الى الماء، فيملكها بذلك ، و قبل ذلك يكون تحجيراً لا إحياء، و احياء القناة بأن يحفر الآبار الى أن يجري ماؤها على الأرض، و احياء النهر بحفره و انهائه الى الماء المباح كالشط و نحوه بحيث كان الفاصل بينهما يسيراً كالمرز و المسناة الصغيرة. و بذلك يتم إحياءالنهر، فيملكه الحافر، و لا يعتبر فيه جريان الماء فيه فعلاً و ان اعتبر ذلك في تملك المياه.

القول في المشتركات

وهي الطرق و الشوارع و المساجد و المدارس و الرباطات و المياه و المعادن.

اور زمین کے کھیتی کے قابل بننے سے مانع ہوں تو زمین کو برابر کرے۔ اور اس کے لئے سینچائی کا انتظام کرے۔ اس کے لئے یا کسی بڑی نہر سے پانی کا راستہ بنائے۔ یا اس میں قنات یا کنواں وغیرہ کھودے۔ اتنا کرنے میں زمین آباد ہو جائیگی اور احیاء کرنے والا اس کا مالک بن جائیگا۔ چنانچہ اس کو آباد کرنے کے لئے اس میں ہل چلانا ضروری نہیں چہ جائیکہ اس میں کھیتی کرنا ضروری ہو، اور اگر زمین ایسی ہو کہ جس میں کھیتی کرنے کے لئے پانی کا بندوبست لازمی نہیں اس لئے کہ بارش کا پانی سینچائی کے لئے کافی ہوتا ہے۔ تو اس کو آباد کرنے کے لئے پانی کا بندوبست ضروری نہیں بلکہ دوسرے امور انجام دینا کافی ہوں گے۔ اور اگر زمین خود بخود کھیتی کے قابل ہو اس طرح کہ مذکورہ رکاوٹوں میں سے کوئی رکاوٹ اس میں نہ ہو بلکہ صرف اس تک پانی پہونچانے کی ضرورت ہو تو اس کو آباد کرنے کے لئے پانی کا بندوبست کرنا اور اس تک پانی پہونچانا کافی ہے اور اگر پانی پہونچانے کی بھی ضرورت نہ ہو بلکہ چونکہ بارش کا پانی اس کے لئے کافی ہو جیسے بعض ہموار زمینیں اور ٹیلے وغیرہ کہ جن میں زراعت کے لئے کسی زیادہ کام کی ضرورت نہیں اور وہ روئی کی کاشت کے لئے آمادہ ہوتے ہیں تو ظاہراً اس کی اس طرح آبادکاری کہ جس سے ملکیت حاصل ہو جائے۔ اس کی حد بندی کرنے اس میں ہل چلانے اور کھیتی کرنے سے ہوگی۔ بلکہ اس کا مالک ہو جانے کے لئے صرف ہل چلائے جانے کا کافی ہونا بعید نہیں ہے۔ لیکن ہل چلائے اور کھیتی کئے بغیر صرف حد بندی کے ملکیت کے سلسلہ میں کافی ہونے میں اشکال ہے۔ البتہ حد بندی کے تحجیر کہلانے میں کوئی اشکال نہیں کہ جس سے اولویت حاصل ہوتی ہے۔

مسئلہ ۳: باغ کے لئے احیاء کرنے میں وہ سارے کام ضروری ہیں جو کھیتی کے لئے احیاء کرنے میں ہوتے ہیں۔ اور اس پر مزید یہ ضروری ہے کہ اس میں پودے اور نشو و نما پانے والے درخت لگائے اور چار دیواری قائم کرنا معتبر نہیں ہے۔ حتیٰ اقوی یہ ہے کہ ایسے مقامات پر بھی کہ جہاں کا رواج چار دیواری قائم کرنا ہی ہو۔ بلکہ ظاہراً سینچائی کرنا بھی کافی نہیں۔ لہٰذا نشو و نما رکھنے والے درختوں کی کاشت کرنا کافی ہے۔

مسئلہ ۴: مُردہ زمین میں کنویں کا احیاء کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس قدر کھودے کہ پانی نکل آئے۔ چنانچہ اس کے بعد اس کنویں کا مالک ہو جائے گا۔ لیکن پانی نکلنے سے پہلے صرف تحجیر ہوگی، اسے احیاء نہیں کہیں گے۔ اور قنات کے احیاء کا مطلب یہ ہے کہ اتنے کنویں کھودے کہ ان کا پانی زمین پر بہنے لگے۔ نہر کا احیاء اس کو کھودنے اور مباح پانی جیسے دریا کے گھاٹ سے متصل کرنے سے ہوگا۔ اس طرح کہ دونوں کے مابین فاصلہ کم ہو جیسے دریا کی حد اور چھوٹے سیل بند ہوتے ہیں۔ اتنا کام کرنے سے نہر آباد ہو جائے گی اور کھودنے والا اس کا مالک ہوگا۔ چنانچہ اس میں فی الحال پانی کا جاری ہونا ضروری نہیں۔ اگرچہ پانیوں کا مالک ہونے کی خاطر ضروری ہے۔

احکامِ مشترکات

مشترک سے مُراد راستے، سڑکیں، مسجدیں، مدرسے، مسافر خانے، پانی، کانیں وغیرہ ہیں۔

مسألة ١ ـ الطريق نوعان نافذ وغير نافذ، فالأول ـ و هو المسمى بالشارع العام ـ محبوس على كافة الأنام، و الناس فيه شرع سواء، و ليس لأحد إحياؤه و الاختصاص به، ولا التصرف في أرضه ببناء دكة أو حائط أو حفر بئر أو غرس شجر أو غير ذلك، نعم لا يبعد جواز غرس الأشجار و احداث النهر لمصلحة المارة لو كان الطريق واسعاً جداً كالشوارع الوسيعة المستحدثة في هذه الأعصار، كما أن الظاهر أنه يجوز أن يحفر فيه بالوعة ليجتمع فيها ماء المطر و غيره لكونها من مصالحه و مرافقه، لكن مع سدها في غير أوقات الحاجة حفظاً للمستطرقين و المارة، بل الظاهر جواز حفر سرداب تحته إذا أحكم الأساس و السقف بحيث يؤمن معه من النقض و الخسف، و أما التصرف في فضائه باخراج روشن أو جناح أو بناء ساباط أو فتح باب أو نصب ميزاب و نحو ذلك فلا إشكال في جوازه إذا لم يضر بالمارة، و ليس لأحد منعه حتى من يقابل داره داره، كما مر في كتاب الصلح.

و أما الثاني ـ أعني الطريق غير النافذ المسمى بالسكة المرفوعة، وقد يطلق، عليه الدريبة و هو الذي لا يسلك منه إلى طريق آخر أو مباح بل أحيط بثلاث جوانبه الدور والحيطان و الجدران ـ فهو ملك لأرباب الدور التي أبوابها مفتوحة إليه دون من كان حائط داره إليه من غير أن يكون بابها إليه، فيكون هو كسائر الأملاك المشتركة يجوز لأربابه سده و تقسيمه بينهم و إدخال كل منهم حصته في داره، ولا يجوز لأحد من غيرهم بل و لا منهم أن يتصرف فيه و لا في فضائه إلا باذن من يعتبر إذنه كما يأتي في المسألة الآتية.

مسألة ٢ ـ لا يبعد في الدريبة أن يشارك الداخل للأدخل إلى قبالة بابه مما هو ممره مع ما يتعارف من المرافق المحتاج اليها نوعاً، و لا يبعد أن يشارك الداخل الى منتهى جدار داره و ينفرد الأدخل بما بعده، ومع تعدد الشركاء يشارك الأدخل من الجميع معهم، و ينفرد بما يكون طريقه الخاص، فيشترك الجميع من أول الدريبة الى الباب الأول أو منتهى الجدار ثم يشترك فيما عداه ما عدا صاحب

مسئلہ ۱: راستے دو طرح کے ہوتے ہیں، کھلے اور بند، کھلے راستوں سے مراد عام شاہراہ ہے۔ جو تمام انسانوں کے لئے ہے۔ اور سب اس میں برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ کوئی اسے آباد کرنے یا اپنے سے مخصوص کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور نہ اس کی زمین میں چبوترہ بنا کر، دیوار کھڑی کر کے، کنواں کھود کر یا درخت لگا کر یا کسی دوسرے طریقہ سے تصرف کر سکتا ہے۔ البتہ اگر راستہ کافی چوڑا ہو جیسا کہ موجودہ زمانہ میں بڑی بڑی سڑکیں ہوتی ہیں تو رفت و آمد رکھنے والوں کے فائدے کے لئے اس میں درخت لگانے یا نہر کھودنے کا جائز ہونا بعید نہیں ہے۔ جیسا کہ ظاہراً بارش وغیرہ کا پانی جمع کرنے کے لئے بھی بالوعہ کھودنے کا جائز ہونا بعید نہیں۔ اس لئے کہ یہ چیزیں سڑک کے مفادات میں ہیں۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اوقات ضرورت کے علاوہ اس کو بند کر دیا جائے تاکہ راستے کے اطراف میں رہنے والوں اور گذرنے والوں کی حفاظت ہو سکے۔ بلکہ ظاہراً راستے کے نیچے سرداب بنانا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کی چھت اس قدر مضبوط بنائیں کہ اس کے گرنے یا دھنس جانے کا خطرہ نہ ہو۔ لیکن اس کی فضا میں تصرف کرنا۔ جیسے روشن دان یا کھڑکی اسکی طرف کھولنا، سائبان لگانا، دروازہ کھولنا یا پرنالہ لگانا وغیرہ بلا اشکال جائز ہے۔ جبکہ گذرنے والوں کے لئے نقصان دہ نہ ہو۔ چنانچہ کوئی اس کو منع کرنیکا حق نہیں رکھتا، حتیٰ وہ شخص کہ جسکا گھر اس کے گھر کے روبرو ہو، جیسا کہ کتاب صلح میں بیان ہو چکا ہے۔

دوسری قسم بند راستوں کی ہے، جن سے مراد وہ گلیاں ہیں، جن کے ایک سرے پر مکان بنے ہوئے ہوں اور ان سے گذر کر نہ انسان دوسری طرف کے راستے پر جا سکے اور نہ ہی کسی مباح جگہ میں پہونچ سکے۔ بلکہ اس کے تین اطراف میں گھر، اس کی دیواریں یا احاطوں کی دیواریں ہوں۔ ایسے راستے ان گھروں کے مالکوں کی ملکیت ہوتے ہیں جن کے گھروں کے دروازے ان میں کھلتے ہوں۔ چنانچہ جن کے گھروں کی طرف دیواریں اس طرف ہوں۔ ان کی ملکیت نہیں ہوتے۔ چنانچہ ان راستوں کا حکم بھی وہی ہے۔ جو تمام مشترکہ املاک کا ہوتا ہے۔ یعنی مالکین کے لئے جائز ہے کہ وہ انھیں بند کر دیں اور آپس میں تقسیم کر کے ہر ایک اپنا حصّہ اپنے مکان میں شامل کر لے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں۔ بلکہ خود ان کے لئے بھی ان راستوں اور ان کی فضا میں اس وقت تک تصرف کرنا جائز نہیں جب تک کسی ایسے شخص کی اجازت نہ ہو جو اجازت دینے کا اہل ہو۔ جس کی تفصیل آئندہ مسئلہ میں ہے۔

مسئلہ ۲: بند گلیوں کے بارے میں بعید نہیں ہے کہ جس کا مکان اس کے اندر ہو، وہ شخص، اپنے بعد والے مکان کے مالک کے ساتھ، اس مقدار راستے میں شریک ہو جو اس کے گھر کے مقابل اور اس کی گذرگاہ، اور بقدر ضرورت اس کے مکان کا حریم ہو۔ اور بعید نہیں ہے کہ بند گلی کے اندر رہنے والا اپنے مکان کی دیوار کے آخری حصے تک، بعد والے مکان کے مالک کے ساتھ شریک ہو۔ اور اس کے بعد جو راستہ بچتا ہے وہ صرف بعد والے کی ملکیت ہو۔ اور اگر شرکاء متعدد ہوں تو جو سب سے آخر میں گلی کے اندر رہتا ہو سب کے ساتھ شریک ہوگا۔ اور اپنے خاص راستے کا تنہا مالک ہوگا۔ چنانچہ گلی کی ابتداء سے لے کر پہلے دروازے یا دیوار کے آخری حصے تک سبھی شریک ہوں گے۔ اس کے بعد پہلے مکان کے مالک کے علاوہ سبھی شریک ہوں گے۔ اور اسی طرح گلی کے آخر تک شرکاء کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔ اور بعید

الباب الأول، و هكذا تقلّ الشركاء إلى آخر الزقاق و لا يبعد اختصاص الآخر بالفضلة التي في آخر الزقاق، فيجوز لمن هو أدخل من الجميع أيّ تصرف شاء فيما ينفرد به، بل و في الفضلة المذكورة و لا يجوز لغيره التصرف كاخراج جناح أو روشن أو بناء ساباط أو حفر بالوعة أو سرداب أو نصب ميزاب و غيرذلك إلا باذن شركائه، نعم لكل منهم حق الاستطراق إلى داره من أيّ موضع من جداره، فلكل منهم فتح باب آخر أدخل من بابه الأول أو أسبق مع سد الباب الأول و عدمه.

مسألة ٣ ـ ليس لمن كان حائط داره الى الدريبة فتح باب اليها إلا باذن أربابها، نعم له فتح ثقبة و شباك اليها، و ليس لهم منعه، لكونه تصرفاً في جداره لا في ملكهم، و هل له فتح باب اليها لا للاستطراق بل لمجرد الاستضاءة و دخول الهواء؟ الأقرب جوازه، و لصاحب الدريبة تحكيم سند المالكية لدفع الشبهة.

مسألة ٤ ـ يجوز لكل من أرباب الدريبة الجلوس فيها و الاستطراق و التردد منها الى داره بنفسه و ما يتعلق به من عياله ودوابه و أضيافه و عائديه و زائريه، و كذا وضع الحطب و نحوه فيها لإدخاله في الدار، و وضع الأحمال و الأثقال عند إدخالها و اخراجها من دون إذن الشركاء، بل و ان كان فيهم القصّر و المولى عليهم من دون رعاية المساواة مع الباقين.

مسألة ٥ ـ الشوارع و الطرق العامة و ان كانت معدة لاستطراق عامة الناس و منفعتها الأصلية التردد فيها بالذهاب و الاياب إلا أنه يجوز لكل أحد الانتفاع بها بغير ذلك من جلوس أو نوم أو صلاة و غيرها بشرط أن لا يتضرر بها أحد على الأحوط، و لم يزاحم المستطرقين و لم يتضيق على المارة.

مسألة ٦ ـ لا فرق في الجلوس غير المضر بين ما كان للاستراحة أو النزهة و بين ما كان للحرفة و المعاملة اذا جلس في الرحاب و المواضع المتسعة لئلا يتضيق على المارة، فلو جلس فيها بأيّ غرض من الأغراض لم يكن لأحد

نہیں ہے کہ آخر میں گلی کا جو حصہ بچ جائے وہ آخری مکان کے مالک سے مخصوص ہو۔ چنانچہ جو شخص سب سے آخر میں رہتا ہو اس کے لئے اپنے خاص حصے میں ہر طرح کا تصرف کرنا جائز ہے۔ بلکہ مذکورہ باقی ماندہ حصے میں بھی۔ لیکن کسی دوسرے کے لئے تصرف کرنا جائز نہیں، جیسے کھڑکی یا روشندان بنانا، سائبان باندھنا، گندے پانی کے لئے چاہ کھودنا، سرداب بنانا یا پرنالہ نصب کرنا یا اس قسم کا کوئی اور تصرف کرنا، مگر یہ کہ شرکاء اجازت دیدیں۔ البتہ ان میں سے ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مکان کی دیوار کے جس حصہ میں چاہے دروازہ لگا سکتا ہے، یا دوسرا دروازہ لگا سکتا ہے۔ جب کہ پہلا دروازہ بند کرے یا نہ کرے۔

مسئلہ ۳: جس شخص کے گھر کی دیوار بند گلی کی طرف ہو، وہ اس کے مالکوں کی اجازت کے بغیر اس میں دروازہ نصب نہیں کر سکتا۔ البتہ کھڑکی یا روشن دان لگا سکتا ہے، اور مالکوں کو اسے اس سے منع کرنے کا حق نہیں اس لئے کہ وہ اس کی اپنی دیوار میں تصرف ہے۔ ان کی ملکیت میں نہیں۔ لیکن رفت و آمد رکھنے کے علاوہ صرف روشنی اور ہوا داخل ہونے کے لئے آیا وہ اس طرف دروازہ نصب کر سکتا ہے یا نہیں؟ اقرب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ جب کہ گلی کے مالک کو حق ہے کہ وہ رفع شبہ کے لئے اپنی ملکیت کی سند مستحکم کرے۔

مسئلہ ۴: بند گلی کے تمام مالکین، ان کے متعلقین، مہمان، مویشی اور ان کے پاس آنے جانے والوں کے لئے اس گلی میں بیٹھنا، رفت و آمد رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح گھر میں لے جانے کے لئے ایندھن کا ڈھیر لگانا، اور گھر میں لے جاتے وقت یا گھر سے خارج کرتے وقت بھاری چیزوں کو دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر، بلکہ چاہے ان کے درمیان نابالغ افراد اور کسی کی سرپرستی میں رہنے والے افراد موجود ہوں، اور دوسرے شرکاء کے ساتھ مساوات کی رعایت بھی ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ ۵: سڑکیں اور عمومی راستے اگرچہ تمام لوگوں کی آمد و رفت اور ان کے اصلی منافع جیسے ان کے ذریعہ آنے اور جانے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ مگر ان کے علاوہ دوسرے کاموں میں بھی ان سے استفادہ کرنا ہر ایک کے لئے جائز ہے۔ جیسے ان میں بیٹھنا، سونا اور نماز پڑھنا وغیرہ، بشرطیکہ بناء بر احتیاط کسی کو بھی اس سے نقصان نہ پہونچے، اور راستہ سے گذرنے والوں کے رکاوٹ اور راستہ کی تنگی کا باعث نہ بنے۔

مسئلہ ۶: عمومی راستوں اور سڑکوں پر اس طرح بیٹھنے میں کہ جس سے دوسروں کو نقصان نہ پہونچے اس میں کوئی فرق نہیں کہ چاہے آرام اور تفریح کی خاطر بیٹھے یا کوئی کاروبار کرنے کے لئے بیٹھے، بشرطیکہ کشادہ اور وسیع جگہوں پر بیٹھے کہ گذرنے والوں کے لئے راستہ تنگ نہ ہو۔ پس اگر کوئی شخص ایسی جگہوں پر چاہے کسی بھی غرض سے بیٹھا ہو کسی کو بھی اسے روکنے کا حق نہیں ہے۔

إزعاجه.

مسألة ٧ ـ لو جلس في موضع من الطريق ثم قام عنه فان كان جلوس استراحة و نحوها بطل حقه، فجاز لغيره الجلوس فيه، وكذا ان كان لحرفة ومعاملة و قام بعد إستيفاء غرضه و عدم نية العود، فلو عاد اليه بعد أن جلس في مجلسه غيره لم يكن له دفعه، ولو قام قبل استيفاء غرضه ناو ياً للعود ففي ثبوت حق له فيه إشكال، نعم لا يجوز التصرف في بساطه فلو قام، ولو بنيّة العو دو رفع بساطه فالظاهر جواز جلوس غيره مكانه، والاحتياط حسن.

مسألة ٨ ـ ثبوت الحق للجالس للمعاملات و نحو ها مشكل، بل الظاهر عدمه، لكن لا يجوز إزعاجه مادام فيه و لا التصرف في بساطه، و لا مانع من إشغال ما حوله ولو احتاج اليه لوضع متاعه و وقوف المعاملين معه، و كذا يجوز له القعود بحيث يمنع من رؤ ية متاعه أو وصول المعاملين اليه، وليس له منعه، لكن الاحتياط حسن، و مراعاة المؤمن مطلوب.

مسألة ٩ ـ يجوز للجالس للمعاملة أن يظلل على موضع جلوسه بما لا يضر بالمارة بثوب أو بارية و نحو هما، وليس له بناء دكة و نحو ها فيه.

مسألة ١٠ ـ إذا جلس في موضع من الطريق للمعاملة في يوم فسبقه في يوم آخر شخص آخر و أخذ مكانه فليس للأول إزعاجه و مزاحمته.

مسألة ١١ ـ انما يصير الموضع شارعاً عاماً بأمور: الأول ـ بكثرة التردد و الاستطراق و مرور القوافل و نحوها في الأرض الموات كالجواد الحاصلة في البراري و القفار التي يسلك فيها من بلاد إلى بلاد، الثاني ـ أن يجعل إنسان ملكه شارعاً وسبّله تسبيلاً دائمياً لسلوك عامة الناس و سلك فيه بعض الناس، فانه يصير بذلك طريقاً عاماً، و لم يكن للمسبل الرجوع بعد ذلك، الثالث ـ أن يحيي جماعة أرضاً مواتاً قرية أو بلدة و يتركوا مسلكاً نافذاً بين الدور و المساكن و يفتحوا إليه الأبواب، و المراد بكونه نافذاً أن يكون له مدخل و مخرج يدخل فيه الناس من جانب ويخرجون من جانب آخر إلى جادة عامة أو إلى أرض

مسئلہ ۷: اگر سڑک پر کسی جگہ بیٹھے اور اس کے بعد وہاں سے اٹھ جائے تو اگر آرام کرنے کی غرض سے بیٹھا ہو تو اٹھ کر جانے سے اس کا حق باطل ہو جائے گا۔ لہٰذا دوسرے کے لئے اس کی جگہ بیٹھنا جائز ہو گا۔

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ جب کوئی کاروبار کرنے کے لئے بیٹھے لیکن اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد وہاں سے اٹھ جائے اور واپس آنے کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو، پس اگر پلٹ کر آئے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا بیٹھ چکا ہو تو اسے اٹھا دینے کا حق نہیں رکھتا۔ لیکن اگر غرض پوری ہونے سے پہلے اٹھ جائے اور واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسکا حق ثابت ہونے میں اشکال ہے البتہ اسکی چٹائی وغیرہ پر تصرف کرنا جائز نہیں۔ پس اگر اٹھ جائے اور واپس آنے کی نیت بھی رکھتا ہو لیکن اپنی چٹائی لپیٹ دے تو ظاہراً دوسرے کے لئے اسکی جگہ بیٹھنا جائز ہے۔ لیکن احتیاط اچھی چیز ہے۔

مسئلہ ۸: معاملات وغیرہ کی خاطر بیٹھنے والے کے حق کا ثابت ہونا مشکل ہے۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ حق ثابت نہیں۔ لیکن جب تک وہ وہاں موجود ہے اس کو منع کرنا اور اس کی بچھائی ہوئی بساط پر تصرف کرنا جائز نہیں۔ البتہ اسکے اطراف کی جگہ گھیرنے میں کوئی مانع نہیں چاہے اس کو اپنا سامان رکھنے اور معاملہ کرنے والوں کے کھڑا ہونے کے لئے اس جگہ کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح ایسی پوزیشن میں بیٹھنا کہ جس سے اس کا مال و متاع نظر نہ آئے اور معاملہ کرنے والے اس تک نہ پہونچ سکیں، بھی جائز ہے، اور وہ شخص اس سے روکنے کا حق نہیں رکھتا، لیکن احتیاط پھر بھی اچھی چیز ہے اور مومن کے حق کی رعایت (عنداللہ) مطلوب ہے۔

مسئلہ ۹: جو شخص کاروبار کے لئے بیٹھا ہو اس کا اپنے بیٹھنے کی جگہ پر کپڑے اور بوری وغیرہ سے سایہ کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ گذرنے والوں کو اس سے نقصان نہ پہونچے۔ لیکن اس میں چبوترہ وغیرہ بنانے کا حق نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۱۰: اگر راستہ میں کسی جگہ ایک دن کاروبار کرنیکے لئے بیٹھے لیکن دوسرے دن کوئی اور شخص اس سے پہلے آکر اس کی جگہ بیٹھ جائے تو پہلے والے کو اسے منع کرنے اور اس سے مزاحم ہونیکا حق نہیں پہونچتا۔

مسئلہ ۱۱: کسی راستے کے شاہراہ عام ہونے کیلئے چند چیزیں ضروری ہیں: اول:۔ "ارض موات" میں رفت و آمد زیادہ ہو اور قافلہ وغیرہ وہاں سے گذرتے ہوں۔ جیسے جنگلوں اور بیابانوں میں پائے جانے والے وہ راستے کہ جن سے ایک شہر سے دوسرے شہر تک آمد و رفت ہوتی ہے۔

دوم:۔ انسان اپنی ملکیت (کی زمین) کو شاہراہ عام قرار دے اور دائمی طور پر عوام الناس کی آمد و رفت کے لئے راستہ بنا دے اور بعض لوگ اس میں آمد و رفت شروع کر دیں۔ (اس لئے کہ) ایسا کرنے سے وہ عمومی راستہ ہو جائے گا، جس کے بعد مالک بھی اسے واپس نہیں لے سکتا۔ سوم:۔ کچھ لوگ مل کر کسی "ارض موات" میں گاؤں یا شہر آباد کریں اور اپنے گھروں اور مساکن کے درمیان کھلا راستہ چھوڑ دیں اور ان کے گھروں کے دروازے اسی راستے کی سمت میں ہوں۔ راستہ کے نافذ (کھلا) ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کا مل

موات.

مسألة ١٢ ـ لا حريم للشارع العام لو وقع بين الأملاك ، فلو كانت بين الأملاك قطعة أرض موات عرضها ثلاثة أو أربعة أذرع ـ مثلاً ـ واستطرقها الناس حتى صارت جادة لم يجب على الملاك توسيعها و إن تضيقت على المارة و كذا لو سبّل شخص في وسط ملكه أو من طرف ملكه المجاور لملك غيره ثلاثة أو أربعة أذرع مثلاً للشارع، و أما لو كان الشارع محدوداً بالموات بطرفيه أو أحد طرفيه فكان له الحريم، وهو المقدار الذي يوجب إحياؤه نقص الشارع من سبعة أذرع على الأحوط، فلو حدث بسبب الاستطراق شارع في وسط الموات جاز إحياء طرفيه إلى حد يبقى له سبعة أذرع و لا يتجاوز عن هذا الحد، و كذا لو كان لأحد في وسط المباح ملك عرضه أربعة أذرع مثلاً فسبله شارعاً لا يجوز إحياء طرفيه بما لم يبق للطريق سبعة أذرع، ولو كان في أحد طرفي الشارع أرض مملوكة و في الطرف الآخر أرض موات كان الحريم من طرف الموات، بل لو كان طريق بين الموات وسبق شخص و أحيا أحد طرفيه الى حد الطريق اختص الحريم بالطرف الآخر، فلا يجوز للآخر الاحياء إلى حد لا يبقى للطريق سبعة أذرع، فلو بنى بناء مُجاوزاً لذلك الحد ألزم هو بهدمه و تبعيده دون المحيي الأول.

مسألة ١٣ ـ إذا استؤجم الطريق أو انقطعت عنه المارة زال حكمه بل ارتفع موضوعه و عنوانه، فجاز لكل أحد إحياؤه كالموات، من غير فرق في صورة انقطاع المارة بين أن يكون ذلك لعدم وجودهم أو بمنع قاهر إياهم أو لهجرهم إياه واستطراقهم غيره أو بسبب آخر، نعم في المسبل لا يخلو جواز الاحياء من إشكال.

مسألة ١٤ ـ لو زاد عرض الطريق المسلوك عن سبعة أذرع في المسبل لا يجوز لأحد أخذ ما زاد عليها واحياؤه و تملكه قطعاً، و أما غيره ففي جواز إحياء الزائد وعدمه وجهان، أوجهها العدم إلا إذا كان الزائد معرضاً عنه.

مسألة ١٥ ـ و من المشتركات المسجد، و هو من مرافق المسلمين يشترك فيه

اور مخرج ہو کہ جسمیں لوگ ایک طرف سے داخل ہوں اور دوسری جانب کسی عام راستے یا "ارضِ موات" تک پہونچ جائیں۔

مسئلہ ۱۲: شاہراہِ عام اگر املاک کے درمیان واقع ہو تو اس کا "حریم" نہیں ہے۔ پس اگر ارضِ موات کا ایک حصہ کہ جس کی چوڑائی مثال کے طور پر تین یا چار ہاتھ ہو۔ املاک کے درمیان ہو اور لوگ اس پر آمد و رفت شروع کر دیں یہاں تک کہ وہ راستہ بن جائے تو مالکین پر اُسے وسعت دینا واجب نہیں چاہے وہ گذرنے والوں کے لئے تنگ ہی کیوں نہ ہو۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی ملکیت کے درمیان سے یا اس کے ایک کنارے پر کہ جس کے دوسری طرف دوسرے شخص کی ملکیت ہو۔ مثال کے طور پر تین یا چار ہاتھ راستے کے طور پر چھوڑ دے۔ لیکن اگر راستے کے دونوں طرف ارضِ موات ہو یا اسکے ایک طرف ہو تو اس کے لئے "حریم" کا ہونا ثابت ہے۔ اور احتیاطاً اس کے حریم کی مقدار اتنی ہے کہ جس کو آباد کرنے سے راستہ سات ہاتھ سے کم ہو جاتا ہو۔ پس اگر ارضِ موات کے درمیان آمد و رفت ہونے سے عام راستہ بن جائے تو سات ہاتھ چھوڑ کر اس کے دونوں طرف کی زمین کو آباد کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اس حد سے تجاوز نہ کرے۔ اسی طرح اگر کسی مباح زمین کے درمیان کسی شخص کی ملکیت ہو جس کی چوڑائی مثلاً چار ہاتھ ہو اور وہ اس کو راستہ قرار دے دے تو راستے کے لئے سات ہاتھ کے برابر چھوڑے بغیر کسی کے لئے اس کو آباد کرنا جائز نہیں۔ اور اگر راستے کے ایک جانب کسی کی ملکیتی زمین ہو جبکہ دوسری طرف ارضِ موات ہو تو اس کا "حریم" "ارضِ موات" کی طرف والے حصے میں ہوگا، بلکہ اگر راستہ ارضِ موات کے بیچ میں سے ہو، اور کوئی شخص ایک طرف کی زمین کو راستے تک آباد کرے تو "حریم" دوسری طرف سے مخصوص ہو جائے گا۔ پس سات ہاتھ کے بقدر چھوڑے بغیر دوسرے کے لئے اس کو آباد کرنا جائز نہیں۔ پس اگر کوئی شخص اس حد کے اندر عمارت تعمیر کرے تو اسے عمارت گرانے پر مجبور کیا جائے گا اور وہاں سے اسے دور کیا جائے گا جبکہ پہلے احیاء کرنے والے کا یہ حکم نہیں۔

مسئلہ ۱۳: اگر راستہ سبزہ زار میں تبدیل ہو جائے یا اس پر آمد و رفت ختم ہو جائے تو اس کا حکم زائل ہو جائے گا بلکہ اس کا موضوع اور عنوان ہی منتفی ہو جائے گا۔ لہٰذا "ارضِ موات" کی مانند ہر شخص کے لئے اس کو آباد کرنا جائز ہے۔ اور گذرنے والوں کی آمد و رفت ختم ہو جانے میں کوئی فرق نہیں کہ چاہے کوئی چلنے والا ہی نہ رہا ہو یا کوئی جابر شخص ان کو چلنے سے روک دے یا وہ لوگ خود بخود اس راستے کو ترک کر دیں اور دوسرا راستہ اختیار کر لیں۔ یا کسی اور وجہ سے وہ راستہ متروک ہو جائے۔ البتہ جس راستہ کو کسی شخص نے (اپنی ملکیت میں سے) راستہ قرار دیا ہو اسکو آباد کرنے کا جواز اشکال سے خالی نہیں۔

مسئلہ ۱۴: جس راستہ پر آمد و رفت جاری ہو اگر اسکی چوڑائی سات ہاتھ سے زیادہ ہو جائے۔ تو اگر اسے کسی نے اپنی زمین میں سے راستے کے طور پر معیّن کیا ہو تو اس صورت میں قطعاً کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس اضافہ شدہ حصّہ کو آباد کر کے اپنی ملکیت قرار دے۔ لیکن اگر کسی کی زمین میں سے نہ معیّن کیا گیا ہو تو اس صورت میں اضافہ شدہ حصّہ کو آباد کرنے کے جواز اور عدمِ جواز میں دو وجہیں ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو آباد نہ کرے۔ مگر یہ کہ اس حصّہ کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔

مسئلہ ۱۵: مشترکات میں سے ایک "مسجد" ہے اور مسجد مسلمانوں کے ان مصالح میں سے ہے جن میں تمام

عامتهم، و هم شرع سواء في الانتفاع به إلا بما لا يناسبه و نهى الشارع عنه كمكث الجنب فيه و نحوه، فمن سبق الى مكان منه لصلاة أو عبادة أو قراءة قرآن أو دعاء بل و تدريس أو وعظ أو إفتاء و غيرها ليس لأحد إزعاجه، سواء توافق السابق مع المسبوق في الغرض أو تخالفا فيه، فليس لأحد بأيّ غرض كان مزاحمة من سبق إلى مكان منه باي غرض كان، نعم لا يبعد تقدم الصلاة جماعة أو فرادى على غيرها من الأغراض، فلو كان جلوس السابق لغرض القراءة أو الدعاء أو التدريس و أراد أحد أن يصلي في ذلك المكان جماعة أو فرادى يجب عليه تخلية المكان له، نعم ينبغي تقييد ذلك بما إذا لم يكن اختيار مريد الصلاة في ذلك المكان لمجرد الاقتراح، بل كان إما لانحصار محل الصلاة فيه أو لغرض راجح ديني كالالتحاق بصفوف الجماعة و نحوه، هذا و لكن أصل المسألة لا تخلو من إشكال فيما إذا كان جلوس السابق لغرض العبادة كالدعاء و القراءة لا لمجرد النزهة و الاستراحة، فلا ينبغي فيه ترك الاحتياط للمسبوق بعدم المزاحمة، و للسابق بتخلية المكان له، والظاهر تسوية الصلاة فرادى مع الصلاة جماعة فلا أولوية للثانية على الأولى، فمن سبق إلى مكان للصلاة منفرداً فليس لمريد الصلاة جماعة إزعاجه لها و إن كان الأولى له تخلية المكان له إذا وجد مكان آخر له، ولا يكون مناعاً للخير عن أخيه.

مسألة ١٦ ـ لو قام الجالس السابق و فارق المكان رافعاً يده منه معرضاً عنه بطل حقه على فرض ثبوت حق له و إن بقي رحله، فلو عاد إليه وقد أخذه غيره ليس له إزعاجه، نعم لا يجوز التصرف في بساطه و رحله، وإن كان ناو ياً للعود، فان كان رحله باقياً بقي حقه لو قلنا بثبوت حق له، و لكن لا يجوز التصرف في رحله على أي حال، وإلا فالظاهر سقوط حقه على فرض ثبوته، لكن ثبوت حق في أمثال ذلك مطلقا لا يخلو من تأمل و إن يظهر منهم التسالم عليه في خصوص المسجد، و الأحوط عدم إشغاله خصوصاً إذا كان خروجه لضرورة كتجديد طهارة أو إزالة نجاسة أو قضاء حاجة و نحوها.

مسلمان شریک ہیں۔ اور اس سے استفادہ کرنے میں مساوی ہیں۔ مگر وہ استفادہ کہ جو مسجد کے شایان نہیں اور شارع مقدس نے اس سے منع کیا ہے، جیسے مجنب شخص کا اس میں ٹھہرنا وغیرہ۔ پس اگر کوئی شخص مسجد میں سے کسی جگہ کو نماز، عبادت، قرآن کی تلاوت، دعا، بلکہ تدریس، وعظ ونصیحت اور فتویٰ دینے کی خاطر پہلے گھیرے تو دوسرے کو اُسے روکنے کا حق نہیں۔ چاہے پہلے اور دوسرے کی غرض ایک ہی ہو یا اغراض جدا ہوں۔ پس کسی شخص کو کسی بھی غرض کے تحت پہلے سے مسجد میں کسی جگہ پر قابض شخص کے لئے مزاحمت ایجاد کرنے کا حق نہیں پہونچتا چاہے اس کی جو بھی غرض ہو۔ البتہ بعید نہیں ہے کہ نماز پڑھنا خواہ جماعت سے یا فرادی، دوسری اغراض پر مقدم ہو، پس اگر پہلے والا تلاوتِ قرآن، دعا یا تدریس کے لئے بیٹھا ہو اور دوسرا شخص اس جگہ جماعت کے ساتھ یا فرادی نماز پڑھنا چاہے تو پہلے والے پر دوسرے کے لئے جگہ چھوڑنا واجب ہے۔ البتہ اس صورت میں اس قید کا اضافہ کرنا چاہئے کہ نماز پڑھنے کا ارادہ رکھنے والے کا اس جگہ کو منتخب کرنا صرف خواہشِ نفس کی بناء پر نہ ہو۔ بلکہ یا نماز کے لئے صرف وہی جگہ ہو، یا کوئی دینی غرض موجود ہو، جیسے جماعت کی صفوں کے ساتھ ملحق ہونا وغیرہ۔ یہ سب اپنی جگہ پر، لیکن اصلِ مسئلہ اشکال سے خالی نہیں جب کہ پہلے والا شخص اس جگہ عبادت کی غرض، مثلاً دعا، یا تلاوتِ قرآن کے لئے بیٹھا ہو، صرف تفریح اور آرام کی غرض سے نہ بیٹھا ہو۔ لہٰذا اس صورت میں احتیاط ترک نہ کی جائے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ بعد میں آنے والا مزاحمت ایجاد نہ کرے۔ جب کہ پہلے والا، بعد والے کے لئے جگہ چھوڑ دے۔ اور ظاہراً نمازِ جماعت اور فرادی دونوں برابر ہیں۔ جماعت، فرادی پر (اس سلسلہ میں) اولویت نہیں رکھتی۔ پس اگر کوئی شخص فرادی نماز پڑھنے کے لئے پہلے کسی جگہ بیٹھ جائے تو جو شخص جماعت سے پڑھنا چاہتا ہے وہ فرادی پڑھنے والے کو روکنے کا حق نہیں رکھتا اگرچہ خود اس کے لئے بہتر ہے کہ اگر دوسری جگہ موجود ہو تو وہ جماعت سے پڑھنے والے کے لئے جگہ چھوڑ دے۔ تاکہ عملِ خیر سے اپنے مومن بھائی کو روکنے والا نہ کہلائے۔

مسئلہ ۱۶: جو شخص پہلے بیٹھا ہو اگر وہ اپنی جگہ چھوڑ دے، اس سے دستبردار ہو جائے، اسے نظر انداز کر دے تو اس کا حق باطل ہو جائیگا اگر یہ فرض کیا جائے کہ اس کا حق ثابت تھا۔ چاہے اس کی چٹائی اپنی جگہ پر باقی ہو۔ پس جب وہ پلٹ کر آئے اور کوئی دوسرا شخص اس کی جگہ بیٹھ چکا ہو تو وہ اسے اُٹھانے کا حق نہیں رکھتا۔ البتہ جو شخص بعد میں بیٹھا ہے اس کا پہلے والے کی چٹائی اور جائے نماز میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر وہ واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کی جائے نماز اپنی جگہ پر باقی ہو تو اگر ہم حق ثابت ہونے کے قائل ہو جائیں تو اس کا حق باقی رہے گا۔ لیکن کسی بھی حالت میں اس کی جائے نماز میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ اور اگر اس کی جائے نماز باقی نہ ہو تو فرض کیجئے کہ حق ثابت بھی ہو جاتا ہو جب بھی ظاہراً اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔ البتہ ایسی صورتوں میں بغیر قید وشرط کے حق کا ثابت ہو جانا تامل سے خالی نہیں۔ اگرچہ مسجد کے سلسلہ میں فقہاء ظاہراً اسے تسلیم کرتے ہیں، اور احتیاط یہ ہے کہ اگر وہ شخص خاص طور سے کسی ضرورت کے تحت مثلاً تجدید وضو، طہارت کرنے، نجاست زائل کرنے یا رفع حاجت وغیرہ کے لئے خارج ہوا ہو تو اس کی جگہ کو کوئی اشغال نہ کرے۔

مسألة ١٧ ـ الظاهر أن وضع الرحل مقدمة للجلوس كالجلوس في إفادة الأولوية، لكن إن كان ذلك بمثل فرش سجادة و نحوها مما يشغل مقدار مكان الصلاة أو معظمه لا بمثل وضع تربة أو سبحة أو مسواك و شبهها.

مسألة ١٨ ـ يعتبر أن لا يكون بين وضع الرحل و مجيئه طول زمان بحيث استلزم تعطيل المكان، وإلا لم يفد حقاً، فجازلغيره أخذ المكان قبل مجيئه و رفع رحله و الصلاة مكانه. إذا شغل المحل بحيث لا يمكن الصلاة فيه إلا برفعه، والظاهر أنه يضمنه الرافع إلى أن يوصله إلى صاحبه، و كذا الحال فيما لو فارق المكان معرضاً عنه مع بقاء رحله فيه.

مسألة ١٩ ـ المشاهد كالمساجد في جميع ما ذكر من الأحكام، فان المسلمين فيها شرع سواء، سواء العاكف فيها والباد والمجاور لها و المتحمل اليها من بُعد البلاد، و من سبق إلى مكان منها لزيارة أو صلاة أو دعاء أو قراءة ليس لأحد إزعاجه، وهل للزيارة أولوية على غيرها كالصلاة في المسجد بالنسبة إلى غيرها لو قلنا بأولويتها؟ لا يخلو من وجه، لكنه غير وجيه كأولوية من جاء إليها من البلاد البعيدة بالنسبة الى المجاورين و إن كان ينبغي لهم مراعاتهم، و حكم مفارقة المكان و وضع الرحل و بقائه كما سبق في المساجد.

مسألة ٢٠ ـ و من المشتركات المدارس بالنسبة إلى طالبي العلم أو الطائفة الخاصة منهم إذا خصها الواقف بصنف خاص، كما إذا خصها بصنف العرب أو العجم أو طالب العلوم الشرعية أو خصوص الفقه مثلاً فن سبق إلى سكنى حجرة منها فهو أحق بها ما لم يفارقها معرضاً عنها و إن طالت مدة السكنى، إلا إذا اشترط الواقف له مدة معينة كثلاث سنين مثلاً، فيلزمه الخروج بعد انقضائها بلا مهلة و إن لم يؤمر به، أو شرط اتصافه بصفة فزالت عنه تلك الصفة، كما إذا شرط كونه مشغولاً بالتحصيل أو التدريس فطرأ عليه العجز لمرض أو هرم و نحو ذلك.

مسألة ٢١ ـ لا يبطل حق الساكن بالخروج لحاجة معتادة كشراء مأكول أو

مسئلہ ۱۷: ظاہراً بیٹھنے کے لئے جائے نماز بچھانا اس شخص کو اس جگہ کی نسبت اولیٰ بنانے میں بیٹھنے کے حکم میں ہے۔ لیکن اگر وہ جائے نماز وغیرہ کے فرش کی صورت میں ہو کہ جو نماز کی جگہ گھیر سکے یا اگر پوری جگہ نہ گھیر سکے تو نماز کے لئے جتنی جگہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کا زیادہ حصہ گھیرے۔ صرف سجدہ گاہ تسبیح یا مسواک وغیرہ کی مانند نہ ہو۔

مسئلہ ۱۸: ضروری ہے کہ جائے نماز بچھانے اور اس کے آنے کے درمیان مدت طولانی نہ ہو جائے کہ جس سے وہ جگہ بے کار پڑی رہنا لازم آئے۔ چنانچہ اگر مدت طولانی ہو جائے تو اس سے حق ثابت نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس کے آنے سے پہلے دوسرے کے لئے جائز ہے کہ اس کی جائے نماز اٹھا کر وہاں بیٹھ جائے اور نماز پڑھے۔ بشرطیکہ جائے نماز نے جگہ اس طرح گھیر رکھی ہو کہ اس کے اٹھائے بغیر نماز نہ پڑھی جاسکے۔ اور ظاہراً اٹھانے والا ضامن ہے کہ وہ جائے نماز کو اس کے مالک تک پہونچائے اور یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ جب کوئی شخص جگہ صرف نظر کرکے آپ چھوڑ دے جبکہ اسکی جائے نماز اسی جگہ رہے۔

مسئلہ ۱۹: گذشتہ تمام احکام میں آئمہؑ کے روضوں اور زیارتگاہوں کا بھی وہی حکم ہے جو مسجدوں کا ہے تمام مسلمان ان میں مساوی ہیں۔ چاہے وہاں کا ملازم ہو یا دور سے آیا ہو۔ وہاں کا مجاور ہو یا دور کے شہروں سے سفر کی زحمت برداشت کرکے پہونچا ہو۔ پس جو شخص کسی زیارت گاہ میں پہلے کسی جگہ 'زیارت' نماز' دعا اور تلاوتِ قرآن وغیرہ کے لئے بیٹھا ہو تو کسی کو اسے اٹھا دینے کا حق نہیں۔ لیکن جیسے مسجد میں نماز، دوسرے امور پر فوقیت رکھتی ہے۔ اسی طرح زیارت گاہوں میں آیا زیارت بھی دوسرے امور پر فوقیت رکھتی ہے یا نہیں اگر ہم نماز کی اولویت کے قائل ہو جائیں تو؟ یہ بات وجہ سے خالی نہیں۔ لیکن یہ وجہ غیر وجیہہ ہے بالکل اس 'اولویت کی مانند کہ جو دور سے آنے والوں کو مجاورین پر حاصل ہے۔ (یعنی جس طرح دور سے آنیوالے مجاورین پر اولویت نہیں رکھتے اسی طرح زیارت بھی اولویت نہیں رکھتی) اگرچہ بہتر ہے کہ مجاورین دور سے آنیوالوں کا لحاظ رکھیں۔ اور جگہ چھوڑ دینے' جائے نماز بچھانے' یا اسکے باقی رہنے دینکا حکم وہی ہے جو مساجد کے سلسلہ میں بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ ۲۰: مشترکات میں سے ایک چیز مدارس ہیں جن میں تمام طالب علم شریک ہوتے ہیں۔ یا اگر واقف نے کسی خاص طائفہ سے مخصوص کیا ہو تو اس طائفہ والے شریک ہوتے ہیں، جیسا کہ واقف ان کو عربوں یا عجمیوں کے لئے مخصوص کردے۔ یا دینی طالب علموں کے لئے مخصوص کرے یا مثلاً فقط فقہ کے طالب علموں کے لئے مخصوص کرے۔ پس جو طالبِ علم مدرسے کے کسی کمرے میں پہلے مقیم ہو جائے وہ جب تک اسے چھوڑ نہ دے دوسروں کی نسبت اسکا زیادہ حقدار ہے چاہے طویل عرصہ تک کیوں نہ ٹھہرا ہو۔ مگر یہ کہ واقف نے مدت معین کر رکھی ہو۔ مثلاً تین سال۔ تو یہ مدت گذرتے ہی بلا فاصلہ اس پر کمرہ چھوڑ دینا لازمی ہے چاہے اسے چھوڑنے کے لئے نہ کہا جائے۔ یا واقف نے طالبِ علم کے اندر کسی صفت کے ہونے کی شرط رکھی ہو اور وہ صفت اس سے زائل ہو جائے۔ مثلاً واقف کی شرط ہو کہ طالبِ علم تحصیلِ علم یا تدریس میں مشغول رہے اور وہ شخص بیماری یا بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے اس سے عاجز ہو جائے۔

مسئلہ ۲۱: کسی عادی ضرورت جیسے کھانے پینے کی چیزیں یا لباس وغیرہ خریدنے کی خاطر (مدرسے) سے خارج

مشروب أو كسوة و نحوها قطعاً و ان لم يترك رحله، و لا يلزم تخليف أحد مكانه، بل و لا بالأسفار المتعارفة المعتادة، كالرواح للزيارة أو لتحصيل المعاش أو للمعالجة مع نية العود و بقاء متاعه و رحله ما لم تطل المدة إلى حد لم يصدق معه السكنى و الاقامة عرفاً، و لم يوجب تعطيل المحل زائداً على المتعارف، و لم يشترط الواقف لذلك مدة معينة، كما إذا شرط أن لا يكون خروجه أزيد من شهر أو شهرين مثلاً، فيبطل حقه لو تعدى زمن خروجه عن تلك المدة.

مسألة ٢٢ ـ من أقام في حجرة منها ممن يستحق السكنى بها له أن يمنع من أن يشاركه غيره اذا كان المسكن معداً لواحد إما بحسب قابلية المحل أو بسبب شرط الواقف، ولو أعد لمافوقه لم يكن له منع غيره إلا اذا بلغ العدد الذي أعد له، فللسكنة منع الزائد.

مسألة ٢٣ ـ يلحق بالمدارس الرباطات، و هي المواضع المبنية لسكنى الفقراء، و الملحوظ فيها غالباً للغرباء، فمن سبق منهم الى اقامة بيت منها كان أحق به، وليس لأحد إزعاجه، و الكلام في مقدار حقه و ما به يبطل حقه و جواز منع الشريك و عدمه فيها كما سبق في المدارس.

مسألة ٢٤ ـ و من المشتركات المياه، و المراد بها مياه الشطوط و الأنهار الكبار كدجلة، و الفرات و النيل أو الصغار التي لم يجرها أحد، بل جرت بنفسها من العيون أو السيول أو ذوبان الثلوج، و كذلك العيون المنفجرة من الجبال أو في أراضي الموات، والمياه المجتمعة في الوهاد من نزول الأمطار، فان الناس في جميع ذلك شرع سواء، و من حاز منها شيئاً بآنية أو مصنع أو حوض و نحوها ملكه، و جرى عليه أحكام الملك من غير فرق بين المسلم و الكافر، و أما مياه العيون و الآبار و القنوات التي حفرها أحد في ملكه أو في الموات بقصد تملك مائها فهي ملك للحافر كسائر الأملاك ، لا يجوز لأحد أخذها والتصرف فيها إلا باذن المالك عدا بعض التصرفات التي مر بيانها في كتاب الطهارة، و ينتقل الى غيره بالنواقل المشرعية قهرية كانت كالارث أو اختيارية كالبيع والصلح و الهبة و غيرها.

ہونے سے اس شخص کا حق قطعاً باطل نہیں ہوگا۔ چاہے وہ اپنا فرش چھوڑ کر نہ جائے۔ اور کسی کو اپنی جگہ چھوڑ کر جانا لازمی نہیں ہے۔ بلکہ معمول کے مطابق سفر کرنے سے بھی اس کا حق باطل نہیں ہوگا۔ جیسے زیارت، کسبِ معاش یا علاج کی خاطر جانا، جبکہ واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اپنا سامان وغیرہ چھوڑ کر جائے بشرطیکہ سفر کی مدت اس قدر طولانی نہ ہو جائے کہ اس کو عرفِ عام میں مقیم اور ساکن نہ کہا جا سکے۔ اور عادت سے زیادہ اس جگہ کے بے کار پڑی رہنے کا موجب نہ ہو۔ اور واقف نے اس جگہ کے بے کار پڑی رہنے کی مدت معین نہ کی ہو۔ مثلاً اگر واقف کی شرط یہ ہو کہ ایک یا دو مہینے سے زیادہ مثلاً وہ باہر نہ رہے تو ایسی صورت میں اگر سفر کی مدت اس سے زیادہ ہو جائے تو اس کا حق باطل ہو جائے گا۔

مسئلہ ۲۲: جو شخص مدرسے کے کسی کمرے میں ٹھہرے اور اس میں ٹھہرنے کا حق رکھتا ہو۔ تو اگر کمرہ ایک نفری ہو یا جگہ کی تنگی کی وجہ سے یا واقف کی شرط کی بناء پر۔ تو دوسرے کو اس میں سکونت اختیار کرنے سے منع کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ایک سے زیادہ کے لئے بنایا گیا ہو تو وہ کسی کو منع نہیں کر سکتا۔ مگر یہ کہ اس میں گنجائش ختم ہو جائے تو اس صورت میں جتنے افراد اس میں ٹھہرے ہیں وہ مزید افراد کو اس میں ساکن ہونے سے روک سکتے ہیں۔

مسئلہ ۲۳: رباطات مدارس کے ساتھ ملحق ہیں۔ رباطات سے مراد وہ مقامات ہیں جو فقیروں کی رہائش کے لئے ہوں۔ غالباً ان میں پردیسیوں کا لحاظ کیا جائے گا۔ پس جو شخص ان کے کسی کمرے میں پہلے ٹھہر جائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے کوئی دوسرا اس کو روک نہیں سکتا۔ البتہ اس کا حق کس مقدار میں ہے اور کس چیز سے حق باطل ہو جاتا ہے اور کسی شریک کو اس کے لئے منع کرنا جائز ہے یا نہیں۔ تو اس میں حکم وہی ہے جو مدارس کا ہے۔

مسئلہ ۲۴: پانی بھی مشترکات میں سے ہے۔ اس سے مراد، دریاؤں، بڑی بڑی نہروں، جیسے دجلہ، فرات، نیل، یا ان چھوٹی ندیوں کا پانی ہے جنہیں کسی نے جاری نہ کیا ہو بلکہ خود بخود چشموں، سیلابوں اور برف پگھلنے سے جاری ہوتی ہوں۔ یہی حکم ان چشموں کا بھی ہے جو پہاڑوں اور "ارضِ موات" میں جاری ہوں۔ یا بارش کا وہ پانی جو نشیب میں جمع ہو گیا ہو۔ لہٰذا تمام لوگ ان پانیوں میں برابر کے شریک ہیں۔ پس اگر کوئی شخص ان میں سے کسی برتن، کارخانے یا حوض وغیرہ میں پانی جمع کرے تو وہ اس کا مالک ہے، اور مسلمان اور کافر کے فرق کے بغیر اس پر ملکیت کے احکام جاری ہوں گے۔ لیکن چشموں اور ان کنوؤں یا قناتوں کا پانی کہ جنہیں کسی شخص نے اپنی زمین میں، یا "ارضِ موات" میں مالک بننے کی نیت سے کھودا ہو۔ تو دوسری املاک کی مانند وہ کھودنے والے کی ملکیت ہے۔ چنانچہ مالک کی اجازت کے بغیر کسی کے لئے وہ پانی لینا اور اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ مگر ان بعض تصرفات کے علاوہ کہ جن کا بیان کتابِ طہارت میں گذر چکا ہے۔ اور یہ پانی نقل و انتقال کے شرعی اسباب کے ذریعے ایک سے دوسرے کی طرف منتقل بھی ہوتا ہے۔ چاہے وہ شرعی اسباب قہری ہوں جیسے میراث یا اختیاری ہوں جیسے خرید و فروخت، مصالحت اور ہبہ کرنا وغیرہ۔

مسألة ٢٥ - إذا شق نهراً من ماء مباح كالشط و نحوه ملك ما يدخل فيه من الماء و يجري عليه أحكام الملك كالماء المحوز في آنية و نحوها، وتتبع ملكية الماء ملكية النهر، فان كان النهر لواحد ملك الماء بالتمام، و إن كان لجماعة ملك كل منهم من الماء بمقدار حصته من ذلك النهر، فان كان لواحد نصفه و لآخر ثلثه و لثالث سدسه ملكوا الماء بتلك النسبة و هكذا، و لا يتبع مقدار استحقاق الماء مقدار الأراضي التي تسق منه، فلو كان النهر مشتركاً بين ثلاثة أشخاص بالتساوي كان لكل منهم ثلث الماء، و إن كانت الأراضي التي تسق منه لأحدهم ألف جريب و لآخر جريباً و لآخر نصف جريب فيصرفان مازاد على احتياج أرضهما فيما شاءا، بل لو كان لأحدهما رحى يدور به ولم يكن له أرض أصلاً يساوي مع كل من شريكيه في استحقاق الماء.

مسألة ٢٦ - انما يملك النهر المتصل بالمباح بحفره في الموات بقصد إحيائه نهراً مع نية تملكه إلى أن يوصله بالمباح كما مر في إحياء الموات، فان كان الحافر واحداً ملكه بالتمام، و إن كان جماعة كان بينهم على قدر ما عملوا، فمع التساوي بالتساوي، و مع التفاوت بالتفاوت.

مسألة ٢٧ - لمّا كان الماء الذي يفيضه النهر المشترك بين جماعة مشتركاً بينهم كان حكمه حكم سائر الأموال المشتركة، فلا يجوز لكل واحد منهم التصرف فيه، و أخذه والسقاية به إلا باذن باقي الشركاء، فان لم يكن بينهم تعاسر ويبيح كل منهم سائر شركائه أن يقضي منه حاجته في كل وقت و زمان فلا بحث، وإن وقع بينهم تعاسر فان تراضوا بالتناوب و المهاياة بحسب الساعات أو الأيام أو الأسابيع مثلاً فهو، و إلا فلا محيص من تقسيمه بينهم بالأجزاء بأن توضع على فم النهر خشبة أو صخرة أو حديدة ذات ثقب متساوية السعة حتى يتساوى الماء الجاري فيها، و يجعل لكل منهم من الثقب بمقدار حصته، و يجري كل منهم ما يجري في الثقبة المختصة به في ساقية تختص به، فاذا كان بين ثلاثة و سهامهم متساوية فان كانت الثقب ثلاثاً متساوية جعلت لكل منهم ثقبة، و إن كانت ستاً جعلت

مسئلہ ۲۵: اگر مباح پانی "جیسے بڑے دریاؤں کا پانی" سے نہر کھودے تو جو پانی اس نہر میں آئے گا کھودنے والا اس کا مالک ہوگا۔ اور برتن یا حوض وغیرہ میں جمع کئے گئے پانی کی طرح' اس پر بھی ملکیت کے احکام جاری ہوں گے۔ اور پانی کا مالک ہونا نہر کا مالک ہونے کے تابع ہے۔ پس اگر نہر ایک شخص کی ملکیت ہو تو سارا پانی اسی ایک کی ملکیت ہوگا۔ اور اگر نہر کے مالک چند افراد ہوں تو نہر میں سے جتنا کسی کا حصّہ ہے اسی قدر پانی بھی اس کی ملکیت ہوگا۔ چنانچہ اگر ایک شخص کے حصّہ میں آدھی نہر، دوسرے کے حصّہ میں ایک تہائی اور تیسرے کے حصّہ میں اس کا چھٹا حصّہ ہو تو اسی تناسب سے وہ پانی کے بھی مالک ہوں گے۔ نہر میں سے پانی کا حقدار ہونے کے لئے یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اس شخص کے پاس سینچائی کے لئے کتنی زمین ہے۔ پس اگر نہر میں تین افراد برابر کے شریک ہوں تو ہر ایک پانی کے ایک تہائی حصّہ کا مالک ہوگا۔ چاہے ان میں سے ایک کی زمین ہزار جریب، دوسرے کی ایک جریب اور تیسرے کی آدھی جریب ہو۔ لہٰذا اپنی ضرورت سے زیادہ پانی کو وہ جہاں چاہیں صرف کریں۔ بلکہ اگر ان میں سے ایک چکّی کا مالک ہو کہ جو پانی سے چلتی ہو اور زمین اس کے پاس بالکل نہ ہو۔ تو دوسرے شرکاء کے برابر پانی کا حقدار ہوگا۔

مسئلہ ۲۶: کسی مباح پانی سے متصل نہر کا کوئی شخص اسی وقت مالک ہوگا۔ جب وہ "ارضِ موات" کو نہر کھودنے کی نیت سے گھیرے اور ملکیت بنانے کا ارادہ رکھتا ہو' اور اس میں نہر کھودے اور اسے مباح پانی سے متصل کرے۔ جیسا کہ احیاء موات کے احکام میں بیان ہو چکا ہے۔ پس اگر کھودنے والا ایک شخص ہو تو تمام نہر کا مالک ہوگا۔ لیکن اگر ایک گروہ مل کر نہر کھودے تو جس نے جتنا کام کیا ہے اسی مقدار میں مالک ہوگا۔ اور اگر سب نے برابر کام کیا ہو تو سب برابر کے شریک ہوں گے۔ لیکن اگر کام میں فرق ہو تو ملکیت میں بھی فرق ہوگا۔

مسئلہ ۲۷: چونکہ چند افراد کی مشترک نہر میں جاری ہونے والا پانی ان افراد کے درمیان مشترک ہوتا ہے۔ تو اس کا حکم وہی ہے جو دوسرے مشترکہ اموال کا ہے۔ چنانچہ باقی شرکاء کی اجازت کے بغیر کسی ایک شریک کے لئے اس میں تصرف کرنا' اس سے پانی لینا اور زمین سیراب کرنا جائز نہیں۔ پس اگر وہ ایک دوسرے پر سختی نہ کرتے ہوں اور ان میں ہر ایک اپنے شرکاء کے لئے کسی وقت بھی استفادے کو مباح قرار دیتا ہو تو اس میں کوئی بحث نہیں۔ لیکن اگر ان کے درمیان کشمکش پیدا ہو جائے تو اگر مثلاً گھنٹوں، دنوں اور ہفتوں کے حساب سے نوبت رکھنے پر راضی ہو جائیں تو کیا کہنے! لیکن اگر راضی نہ ہوں تو اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ پانی کو ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ تقسیم کا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ نہر کے دہانے پر لکڑی، پتھر یا لوہے کا ایسا تختہ رکھا جائے جس میں برابر برابر سوراخ ہوں تاکہ ان میں سے مساوی مقدار میں پانی جاری ہو۔ اور جس کا جتنا حصّہ ہو اس کے حصّہ میں اتنے ہی سوراخ آئیں گے۔ اور ہر شخص اپنے حصّہ میں آنے والے سوراخ سے اپنی زمین میں پانی جاری کرے گا۔ پس اگر نہر تین آدمیوں کی ملکیت ہو اور تینوں برابر کے حصّہ دار ہوں تو اگر تین سوراخ ہوں تو ہر ایک کے حصّہ میں ایک سوراخ آئے گا۔

لكل منهم ثقبتان، و إن كانت سهامهم متفاوتة تجعل الثقب على أقلهم سهماً، فاذا كان لأحدهم نصفه و لآخر ثلثه و لثالث سدسه جعلت الثقب ستاً، ثلاث منها لذي النصف، واثنتان لذي الثلث و واحدة لذي السدس و هكذا، و بعد ما أفرزت حصة كل منهم من الماء يصنع بمائه ما شاء.

مسألة ٢٨ ـ الظاهر أن القسمة بحسب الأجزاء قسمة إجبار، فاذا طلبها أحد الشركاء يجبر الممتنع منهم عليها، و هي لازمة ليس لأحدهم الرجوع عنها بعد وقوعها، و أما المهاياة فهي موقوفة على التراضي و ليست بلازمة، فلبعضهم الرجوع عنها حتى فيما إذا استوفى تمام نوبته ولم يستوف الآخر نوبته و إن ضمن حينئذ مقدار ما استوفاه بالمثل مع إمكانه، و إلا فبالقيمة.

مسألة ٢٩ ـ إذا اجتمعت أملاك على ماء مباح من عين أو واد أو نهر و نحوها بأن أحياها أشخاص عليه ليسقوها منه بواسطة السواقي أو الدوالي أو النواعير أو المكائن المتداولة في هذه الأعصار كان للجميع حق السقي منه، فليس لأحد أن يشق نهراً فوقها يقبض الماء كله أو ينقصه عن مقدار احتياج تلك الأملاك ، و حينئذ فإن و فى الماء لسقي الجميع من دون مزاحمة في البين فهو، و إن لم يف ووقع بين أربابها في التقدم و التأخر التشاح و التعاسر يقدم الأسبق فالأسبق في الاحياء إن علم السابق، و إلا يقدم الأعلى فالأعلى و الأقرب فالأقرب إلى فوهة الماء و أصله، فيقضي الأعلى حاجته ثم يرسله إلى ما يليه و هكذا. لكن لا يزيد للنخل عن الكعب أي قبة القدم على الأحوط و إن كان الجواز إلى أول الساق لا يخلو من قوة، و للشجر عن القدم، و للزرع عن الشراك .

مسألة ٣٠ ـ الأنهار المملوكة المنشقة من الشطوط و نحوها إذا وقع التعاسر بين أربابها بأن كان الشط لا يفي في زمان واحد باملاء جميع تلك الأنهار كان حالها كحال اجتماع الأملاك على الماء المباح المتقدم في المسألة السابقة، فالأحق ما كان شقه أسبق ثم الأسبق، و إن لم يعلم الأسبق فالمدار هو الأعلى فالأعلى، فيقبض الأعلى ما يسعه ثم مايليه و هكذا.

لیکن اگر چھ سوراخ ہوں تو ہر ایک دو سوراخوں کا مالک ہوگا۔ لیکن اگر ان کے حصے مختلف ہوں تو جو سب سے کم حصہ ہو اتنی مقدار میں سوراخ کئے جائیں گے۔ پس اگر ایک آدھے، دوسرا تیسرے اور تیسرا چھٹے حصے کا مالک ہو تو چھ سوراخ بنائے جائیں گے۔ جو آدھے حصے کا مالک ہے اس کے تین جو تیسرے حصے کا مالک ہے اس کے دو، اور جو چھٹے حصے کا مالک ہے اس کا ایک ہوگا۔ اس کے علاوہ بھی تقسیم اسی انداز میں ہوگی۔ اور جب ہر ایک کا حصہ الگ ہو جائے تو وہ اپنے حصے کے پانی کو جیسے چاہے صرف کرے۔

مسئلہ ۲۸: ظاہراً پانی کی اجزاء کے اعتبار سے تقسیم، اجباری ہے۔ پس اگر شرکاء میں سے کوئی ایک اس تقسیم کا تقاضا کرے تو جو اس سے انکار کرے اسے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور تقسیم واقع ہو جانے کے بعد اس کی پابندی لازمی ہوگی۔

لیکن نوبت والی تقسیم کی پابندی لازمی نہیں ہے۔ چنانچہ شرکاء میں سے کوئی بھی اس تقسیم سے پھر سکتا ہے۔ حتیٰ چاہے وہ اپنی نوبت پوری کر چکا ہو اور دوسروں نے نہ کی ہو۔ اگرچہ جس مقدار میں اس نے استفادہ کیا ہے اس کے مثل کا، اگر ممکن ہو تو، اور اگر مثل ممکن نہ ہو تو اس مقدار کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

مسئلہ ۲۹: اگر کسی چشمہ، ندی یا نہر وغیرہ کے اطراف میں مملوکہ زمینیں ہوں کہ جنھیں کچھ افراد نے آباد کیا ہو تاکہ نالیوں، ڈولوں، بیلوں سے چلنے والے چرخ یا موجودہ زمانہ میں رائج موٹر پمپ وغیرہ کے ذریعہ ان زمینوں کو پانی دیں تو سب کو اپنی اپنی زمین کو پانی دینے کا حق حاصل ہوگا۔ چنانچہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کی بالائی سمت میں نہر کھودے جس کی وجہ سے وہ پانی نہر میں جذب ہو جائے یا اس کی مقدار زمینوں کی ضرورت پوری کرنے سے ناقص ہو جائے۔ پس اگر بغیر کسی مزاحمت کے وہ پانی تمام زمینوں کی سینچائی کے لئے کافی ہو تو کوئی مشکل نہیں۔ لیکن اگر پانی کافی نہ ہو اور اس کے مالکوں کے درمیان، مقدم و مؤخر ہونے کی بنیاد پر جھگڑا اور کشمکش شروع ہو جائے تو اگر پہلے آباد کرنے والا معلوم ہو تو سینچائی میں اسے مقدم کیا جائے گا۔ لیکن معلوم نہ ہونے کی صورت میں پانی کے سوتے سے بلندی کے اعتبار سے جو زیادہ قریب ہے اسے مقدم کیا جائے گا۔ پس پہلے وہ سینچائی کرے گا اس کے بعد اپنے بعد والے کے لئے پانی چھوڑے گا۔ یہاں تک کہ پانی آخر تک پہونچ جائے۔ لیکن پودوں کی آبیاری کے لئے احتیاط یہ ہے کہ صرف اتنا پانی دے جس میں پاؤں کا ٹخنہ ڈوب جائے اس سے زیادہ نہ دے۔ اگرچہ پنڈلی کا ابتدائی حصہ ڈوبنے تک پانی دینے کا جائز ہونا قوت سے خالی نہیں، اور درختوں کی آبیاری کیلئے ایک پاؤں اور کھیتی کی سینچائی کے لئے بند تسمہ سے زیادہ نہ ہو۔

مسئلہ ۳۰: مملوکہ نہریں جو دریاؤں وغیرہ سے جاری ہوتی ہوں۔ اگر ان کے مالکوں کے درمیان یہ کشمکش شروع ہو جائے کہ ایک ہی وقت میں تمام نہروں کیلئے اس دریا کا پانی کافی نہ ہو تو اسکا حکم وہی ہے جو گذشتہ مسئلہ میں، کسی مباح پانی کے اطراف میں واقع املاک کے سلسلہ میں بیان ہوا ہے۔ پس سب سے پہلے وہ شخص حق رکھتا ہے جس نے سب سے پہلے نہر کھودی ہو۔ لیکن اگر معلوم نہ ہو کہ پہلے کس نے نہر کھودی ہے تو اس صورت میں نہر کا سب سے بلندی پر واقع ہونا معیار ہے پس جو نہر سب سے بلندی پر ہے پہلے وہ بھری جائے گی۔ پھر اس کے بعد والی اور یہی ترتیب آخر تک چلے گی۔

مسألة ٣١ ـ لو احتاج النهر المملوك المشترك بين جماعة إلى تنقية أو حفر أو إصلاح أو سد خرق و نحو ذلك فان أقدم الجميع على ذلك كانت المؤونة على الجميع بنسبة ملكهم للنهر، سواء كان إقدامهم بالاختيار أو بالاجبار من حاكم قاهر جائر أو بالزام من الشرع، كما اذا كان مشتركاً بين المولى عليهم و رأى الولي المصلحة الملزمة في تعميره مثلاً، و ان لم يقدم إلا البعض لم يجبر الممتنع، و ليس للمقدمين مطالبته بحصته من المؤونة ما لم يكن إقدامهم بالتماس منه و تعهده ببذل حصته، نعم لو كان النهر مشتركاً بين القاصر وغيره وكان إقدام غير القاصر متوقفاً على مشاركة القاصر إما لعدم اقتداره بدونه أو لغير ذلك وجب على ولي القاصر مراعاة لمصلحته تشريكه في التعمير و بذل المؤونة من ماله بمقدار حصته.

مسألة ٣٢ ـ و من المشتركات المعادن، و هي إما ظاهرة، وهي ما لا تحتاج في استخراجها و الوصول اليها إلى عمل و مؤونة كالملح و القير و الكبريت، و المومیا والكحل و النفط إذا لم يحتج كل منها إلى الحفر و العمل المعتد به، و اما باطنة، و هي ما لا تظهر إلا بالعمل و العلاج كالذهب و الفضة، و النحاس و الرصاص و كذا النفط اذا احتاج في استخراجه الى حفر آبار كما هو المعمول غالباً في هذه الأعصار، فأما الظاهرة فهي تملك بالحيازة لا بالاحياء، فن أخذ منها شيئاً ملك ما أخذه قليلاً كان أو كثيراً و ان كان زائداً على ما يعتاد لمثله و على مقدار حاجته، و يبقى الباقي مما لم يأخذه على الاشتراك و لا يختص بالسابق في الأخذ، و ليس له على الأحوط أن يحوز مقداراً يوجب الضيق والمضارة على الناس، و أما الباطنة فهي تملك بالاحياء بأن ينهي العمل و النقب و الحفر إلى أن يبلغ نيلها، فيكون حالها حال الآبار المحفورة في الموات لأجل استنباط الماء، و قد مرّ أنها تملك بحفرها حتى يبلغ الماء و يملك بتبعها الماء، ولو عمل فيها عملا لم يبلغ به نيلها كان تحجيراً أفاد الأحقية و الأولوية دون الملكية.

مسألة ٣٣ ـ إذا شرع في إحياء معدن ثم أهمله وعطله أجبر على إتمام العمل

مسئلہ ۳۱: جو نہر چند افراد کی مشترکہ ملکیت ہو اگر اس کی صفائی، ستھرائی، مرمت اور اس کے سوراخ وغیرہ بند کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔ تو اگر سارے مالک مل کر اس سلسلہ میں اقدام کریں تو اپنی ملکیت کی نسبت سے اس کے اخراجات بھی سبھی دیں گے۔ خواہ ان کا یہ اقدام اپنی مرضی سے ہو۔ یا کسی ظالم و جابر حاکم کے مجبور کرنے سے ہو یا شریعت کے حکم سے۔ مثلاً اگر نہر ایسے (نابالغ) افراد کی مشترکہ ملکیت ہو جو کسی کی سرپرستی میں ہوں، اور ان کا ولی (سرپرست) کے نزدیک اس کی تعمیر لازمی ہو۔ لیکن اگر صرف بعض لوگ اقدام کریں تو اس سے انکار کرنے والے کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور جن لوگوں نے اقدام کیا ہے وہ اس کے حصے کے اخراجات کا بھی اس سے مطالبہ نہیں کر سکتے، جب تک کہ اس نے ایسا اقدام کرنے کی خواہش نہ کی ہو اور اپنے حصے کا خرچہ دینے کا وعدہ نہ کیا ہو۔ البتہ اگر نہر، قاصر اور غیر قاصر افراد کی مشترکہ ملکیت ہو، اور غیر قاصر کا اقدام قاصر کی شرکت پر موقوف ہو۔ یا اس بناء پر کہ غیر قاصر اقدام پر قادر نہ ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور وجہ ہو تو قاصر کے ولی پر واجب ہے کہ وہ قاصر کی مصلحت کی رعایت کرتے ہوئے اس کو تعمیر میں شریک کرے اور اس کے مال میں سے اس کے حصے کا خرچ ادا کرے۔

مسئلہ ۳۲: مشترکات میں سے ایک چیز "کانیں" ہیں۔ کانیں یا ظاہری ہوں گی یا باطنی۔ ظاہری کانوں تک رسائی اور ان سے استخراج کے لئے کسی کام اور خرچ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے نمک، تارکول، گندھک، مومیا، سرمہ اور مٹی کے تیل کی کانیں (ان کو ظاہری اسی صورت میں کہا جائے گا) کہ جب ان کو نکالنے کے لئے کھودنے اور کام کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ باطنی کانیں وہ ہوتی ہیں جنکو نکالنے کے لئے زمین کھودنا پڑتی ہے۔ جیسے سونے، چاندی، تانبے اور جستل وغیرہ کی کانیں۔ اسی طرح مٹی کا تیل اگر اس کو نکالنے کے لئے کنویں کھودنے کی ضرورت پیش آئے جیسا کہ آجکل اکثر یہی ہوتا ہے۔ ظاہری کانوں کا مالک ہونے کے لئے صرف حیازت (گھیرنا) کافی ہے، آباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا ان میں سے جس نے جو لے لیا وہ اس کا مالک ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ چاہے اس قسم کے افراد کی شان و ضرورت سے زیادہ ہو۔ لیکن جو کچھ کان میں) باقی رہ گیا ہو سب میں مشترک رہے گا، جس نے پہلے استخراج کیا ہے اس سے مخصوص نہیں ہوگا۔ اور احتیاطاً اس کو اتنا گھیرنے کا حق نہیں کہ جس سے دوسرے لوگوں کو تنگی اور نقصان ہو۔ باطنی کانوں کا مالک ہونے کے لئے ان کو آباد کرنا پڑے گا۔ یعنی اتنی زیادہ کھدائی کرے کہ جس کے نتیجہ میں مطلوبہ چیز تک پہونچ جائے۔ پس اس کا حال وہی ہے جو اراضی موات میں پانی نکالنے کے لئے کھودے جانے والے کنوؤں کا ہے۔ چنانچہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کنواں کھودتے کھودتے جب پانی تک پہونچ جائے تو اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور اس کی تبعیت میں پانی کا بھی مالک ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اس میں اتنا کام کرے کہ مطلوبہ چیز تک نہ پہونچ پائے۔ تو یہ کام تحجیر کہلائے گا، جس سے ملکیت نہیں بلکہ حقیت اور اولویت حاصل ہوگی۔

مسئلہ ۳۳: کسی کان کی کھدائی شروع کرنے کے بعد اگر اسے یوں ہی چھوڑ دے تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ یا کام پورا کرے یا اس سے ہاتھ کھینچ لے۔ اور اگر کوئی عذر پیش کرے تو عذر زائل ہونے تک کی مہلت

أو رفع يده عنه، ولو أبدى عذراً أنظر بمقدار زوال عذره ثم ألزم على أحد الأمرين كماسبق ذلك كله في إحياء الموات.

مسألة ٣٤ ـ لو أحيا أرضاً مزرعاً أو مسكناً مثلا فظهر فيها معدن ملكه تبعاً لها، سواء كان عالماً به حين إحيائها أم لا.

مسألة ٣٥ ـ لو قال رب المعدن لآخر: «اعمل فيه و لك نصف الخارج» مثلا بطل ان كان بعنوان الاجارة، و صح لو كان بعنوان الجعالة.

دی جائے گی اس کے بعد (مذکورہ) دو میں سے ایک کام پر مجبور کیا جائے گا۔ چنانچہ احیاء موات میں یہ سب احکام بیان ہو چکے ہیں۔

مسئلہ ۳۴: اگر کھیتی یا مکان کے لئے زمین آباد کرے لیکن اس میں معدن بھی نکل آئے تو زمین کے ساتھ معدن کا بھی مالک ہوگا چاہے آباد کرتے وقت اسے معدن کے موجود ہونے کا علم رہا ہو یا نہ رہا ہو۔

مسئلہ ۳۵: اگر معدن کا مالک دوسرے شخص سے کہے "تم اس میں کھدائی کرو اور جو کچھ نکلے گا اس میں نصف تمہارا ہوگا" تو اگر اجارے کے طور پر ہو تو باطل ہے۔ لیکن "جعالہ" کے عنوان سے صحیح ہے۔

كتاب اللقطة

وهي بمعناها الاعم كل مال ضائع عن مالكه و لم يكن يد عليه، وهي إما حيوان أو غير حيوان.

القول في لقطة الحيوان

وهي المسماة بالضالة:

مسألة ١ ـ اذا وجد الحيوان في العمران لا يجوز أخذه و وضع اليد عليه أيّ حيوان كان، فن أخذه ضمنه ويجب عليه حفظه من التلف و الانفاق عليه بما يلزم، و ليس له الرجوع على صاحبه بما أنفق، نعم ان كان شاة حبسها ثلاثة أيام فان لم يأت صاحبها باعها و تصدق بثمنها، و الظاهر ضمانها لو جاء صاحبها ولم يرض بالتصدق، و لا يبعد جواز حفظها لصاحبها أو دفعها الى الحاكم أيضاً، ولو كان الحيوان في معرض الخطر لمرض أو غيره جاز له أخذه من دون ضمان، ويجب عليه الانفاق عليه، وجاز له الرجوع بما أنفقه على مالكه لو كان إنفاقه عليه بقصد الرجوع عليه، و ان كان له منفعة من ركوب أو حمل عليه أو لبن و

کتابِ لقطہ

"لقطہ" اپنے "اعم" معنیٰ میں ہر اُس مال کو کہتے ہیں جو اپنے مالک سے کھو گیا ہو اور اس پر کوئی قابض نہ ہو۔ اور وہ یا حیوان ہے یا غیر حیوان۔

گم شدہ حیوان کے احکام

اس کو ضالّہ بھی کہتے ہیں:

مسئلہ ۱: اگر آبادی میں کوئی کھویا ہوا حیوان کسی کے ہاتھ لگے تو اُسے پکڑنا اور اس پر قبضہ کرنا جائز نہیں چاہے جونسا حیوان بھی ہو۔ چنانچہ جو اُسے پکڑے گا وہ اس کا ضامن ہوگا۔ اس پر واجب ہے کہ تلف ہونے سے بچائے۔ بقدرِ لازم اس پر خرچ کرے۔ لیکن جتنا اس نے خرچ کیا ہو، اس کے مالک سے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر (وہ حیوان) گوسفند ہو تو تین دن تک اُسے روکے رکھے پس اگر اس دوران اس کا مالک نہ آئے تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت اس کی طرف سے صدقہ دیدے۔ لیکن اگر اس کا مالک بعد میں آجائے اور وہ صدقہ پر راضی نہ ہو تو ظاہراً اس کا ضامن ہے۔ اور بعید نہیں ہے کہ مالک کے لئے اس حیوان کی حفاظت کرنا یا اس کو حاکمِ شرع کے حوالے کرنا بھی جائز ہو۔ لیکن اگر حیوان بیماری یا کسی اور وجہ سے خطرے میں ہو تو اس کا حیوان کو پکڑنا جائز ہے اور وہ ضامن بھی نہیں۔ لیکن اس کو کھلانا پلانا واجب ہے اور جتنا اس نے خرچ کیا ہے مالک سے اس کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے۔ اگر اس نے واپس لینے کے قصد سے خرچ کیا ہو۔ اور اگر حیوان منفعت رکھتا ہو جیسے سواری

نحوه جاز له استيفاؤها و احتسابها بازاء ما أنفق، و يرجع الى صاحبه ان كانت النفقة أكثر، و يؤدي اليه الزيادة ان زادت المنفعة عنها.

مسألة ٢ ـ بعد ما أخذ الحيوان في العمران و صار تحت يده يجب عليه الفحص عن صاحبه في صورتي جواز الأخذ و عدمه، فاذا يئس من صاحبه تصدق به أو بثمنه كغيره من مجهول المالك.

مسألة ٣ ـ ما يدخل في دار الانسان من الحيوان كالدجاج و الحمام مما لم يعرف صاحبه الظاهر خروجه عن عنوان اللقطة، بل هو داخل في عنوان مجهول المالك، فيتفحص عن صاحبه و عند اليأس منه يتصدق به، والفحص اللازم هو المتعارف في أمثال ذلك بأن يسأل من الجيران والقريبة من الدور و العمران، و يجوز تملك مثل الحمام اذا ملك جناحيه و لم يعلم أن له صاحباً و لا يجب الفحص، و الأحوط فيما اذا علم أن له مالكاً ولو من جهة آثار اليد أن يعامل معه معاملة مجهول المالك.

مسألة ٤ ـ ما يوجد من الحيوان في غير العمران من الطرق و الشوارع و المفاوز و الصحاري و البراري و الجبال و الآجام و نحوها ان كان مما يحفظ نفسه بحسب العادة من صغار السباع مثل الثعالب و ابن آوى و الذئب و الضبع و نحوها ـ إما لكبر جثته كالبعير أو لسرعة عدوه كالفرس و الغزال أو لقوته و بطشه كالجاموس و الثور ـ لا يجوز أخذه و وضع اليد عليه اذا كان في كلأ و ماء، أو كان صحيحاً يقدر على تحصيل الماء و الكلأ، و ان كان مما تغلب عليه صغار السباع كالشاة و أطفال البعير والدواب جاز أخذه، فاذا أخذه عرّفه على الأحوط في المكان الذي أصابه و حواليه ان كان فيه أحد، فان عرف صاحبه رده اليه، و الا كان له تملكه وبيعه و أكله مع الضمان لمالكه لو وجد، كما أن له إبقاءه و حفظه لمالكه، و لا ضمان عليه.

مسألة ٥ ـ لو أخذ البعير و نحوه في صورة لا يجوز له أخذه ضمنه، ويجب عليه الانفاق عليه، و ليس له الرجوع بما أنفقه على صاحبه و ان كان من قصده

اور بوجھ اُٹھانے کے قابل ہو یا دودھ دیتا ہو تو اس سے استفادہ کرنا اور خرچہ میں حساب کر لینا جائز ہے۔ پس اگر اس نے منفعت سے زیادہ خرچ کیا ہو تو مالک سے لے گا اور اگر منفعت خرچہ سے زیادہ رہی ہو تو مالک کو دے گا۔

مسئلہ ۲: حیوان کو کسی آبادی سے پکڑ لینے اور اسے اپنے قبضہ میں کر لینے کے بعد اس کے مالک کو بہر صورت تلاش کرنا واجب ہے۔ چاہے حیوان کو پکڑنا جائز ہو یا نہ ہو۔ اور جب اس کے مالک کا سُراغ ملنے سے مایوس ہو جائے تو دوسرے مجہول المالک اموال کی طرح یا حیوان کو صدقہ دے یا اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کو!

مسئلہ ۳: انسان کے گھر میں آجانے والا حیوان، جیسے مرغی یا کبوتر وغیرہ کہ جس کے مالک کا پتہ نہ ہو۔ ظاہراً لقطہ کے عنوان سے خارج ہے۔ بلکہ مجہول المالک کے عنوان میں داخل ہے۔ چنانچہ اس کے مالک کو تلاش کرے، اور نااُمید ہو جانے پر اس کی طرف سے صدقہ دے دے۔ تلاش کی لازمی مقدار کا دارومدار عرفِ عام پر ہے۔ کہ ایسی چیزوں میں کس قدر تلاش کی جاتی ہے۔ مثلاً ہمسایوں اور نزدیک کے گھروں اور آبادی سے معلوم کرے۔ البتہ کبوتر اگر پرواز کے قابل ہو اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ کسی کی ملکیت ہے تو اس صورت میں تلاش واجب نہیں۔ بلکہ اس کا مالک بن جانا جائز ہے۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ اس کا کوئی مالک ہے۔ چاہے معلوم ہونے کی وجہ ملکیت کے آثار ہوں۔ تو احتیاط یہ ہے اس کے ساتھ مجہول المالک کا معاملہ کرے۔

مسئلہ ۴: آبادی کے علاوہ، سڑکوں، راستوں، جنگلوں، بیابانوں، صحراؤں اور نیزاروں وغیرہ میں اگر کوئی حیوان پایا جائے اگر وہ چھوٹے درندوں مثلاً لومڑی، گیدڑ، بھیڑیے اور کبوتر وغیرہ سے اپنی حفاظت کر سکے یا تو جسیم ہونے کی وجہ سے جیسے اونٹ وغیرہ یا دوڑنے میں تیز ہونے کی بناء پر جیسے گھوڑا، ہرن یا حملہ کرنے میں قوی ہونے کے سبب جیسے گائے، بھینس وغیرہ تو اس کو پکڑنا اور قبضہ میں کرنا جائز نہیں۔ بشرطیکہ وہ چراگاہ میں ہو اور وہاں پانی موجود ہو یا وہ صحیح ہو اور چارہ پانی حاصل کرنے پر قادر ہو۔ لیکن اگر وہ ان حیوانات میں سے ہو کہ جنھیں چھوٹے درندے زیر کر لیتے ہوں جیسے بھیڑ، بکری، اونٹ کا بچہ اور دوسرے چھوٹے چوپائے۔ تو ان کو پکڑ لینا جائز ہے۔

پس جب اس کو پکڑے تو احتیاط یہ ہے کہ جہاں پکڑا ہے وہاں اور اس کے اطراف میں اگر کوئی ہو تو اس کا اعلان کرے۔ چنانچہ اگر مالک مل جائے تو اس کے حوالے کرے۔ لیکن اگر مالک نہ مل سکے تو اس کا مالک بننا، بیچنا اور گوشت کھانا جائز ہے۔ لیکن مالک مل جانے پر اس کا ضامن ہے۔ جیسا کہ وہ اس کو مالک کو واپس دینے کی غرض سے حفاظت سے بھی رکھ سکتا ہے اور اس صورت میں ضامن نہیں۔

مسئلہ ۵: اگر اونٹ وغیرہ کو پکڑے درحالیکہ اس کا پکڑنا جائز نہ ہو تو اس کا ضامن ہے اور اس پر خرچ کرنا واجب ہے۔ اور اس کے مالک سے اخراجات کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتا۔ چاہے

الرجوع عليه كما مر فيما يؤخذ من العمران.

مسألة ٦ - اذا ترك الحيوان صاحبه و سرّحه في الطرق أو الصحاري و البراري فان كان بقصد الاعراض عنه جاز لكل أحد أخذه و تملكه، كما هو الحال في كل مال أعرض عنه صاحبه، و ان لم يكن بقصد الاعراض بل كان من جهة العجز عن إنفاقه أو من جهة جهد الحيوان و كلاله كما يتفق كثيراً أن الانسان اذا كلت دابته في الطرق و المفاوز و لم يتمكن من الوقوف عندها يأخذ رحلها أو سرجها و يسرحها و يذهب، فان تركه في كلأ و ماء و أمن ليس لأحد أن يأخذه، فلو أخذه كان غاصباً ضامناً له، و إن أرسله بعد ما أخذه لم يخرج من الضمان، وفي وجوب حفظه و الانفاق عليه و عدم الرجوع على صاحبه ما مرّ فيما يؤخذ في العمران، و إن تركه في خوف و على غير ماء وكلأ جاز أخذه، و هو للآخذ اذا تملكه.

مسألة ٧ - إذا أصاب دابة و علم بالقرائن أن صاحبها قد تركها ولم يدر أنه قد تركها بقصد الاعراض أو بسبب آخر كانت بحكم الثاني، فليس له أخذها و تملكها إلا اذا كانت في مكان خوف بلا ماء ولا كلأ.

مسألة ٨ - اذا أصاب حيواناً في غير العمران و لم يدر أن صاحبه قد تركه بأحد النحوين أو لم يتركه بل ضاعه أوشرد عنه كان بحكم الثاني من التفصيل المتقدم، فان كان مثل البعير لم يجز أخذه و تملكه إلا اذا كان غير صحيح و لم يكن في ماء و كلأ، و ان كان مثل الشاة جاز أخذه مطلقا.

القول في لقطة غير الحيوان

وهي التي يطلق عليها اللقطة عند الاطلاق و اللقطة بالمعنى الأخص، و يعتبر فيها عدم معرفة المالك، فهي قسم من مجهول المالك، لها أحكام خاصة.

مسألة ١ - يعتبر فيها الضياع عن المالك، فما يؤخذ من يد الغاصب و السارق

واپس لینے ہی کے ارادے سے خرچ کیا ہو جیساکہ آبادی میں سے پکڑے گئے جانور کے سلسلہ میں بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ ۶: اگر حیوان کا مالک، اسے جنگلوں اور بیابانوں میں آزاد چھوڑ دے اور اس کا ارادہ حیوان کو ملکیت سے خارج کرنا ہو تو ہر ایک کے لئے اس کو پکڑ کر ملکیت میں لے لینا جائز ہے۔ جیساکہ ہر اس چیز کا حکم یہی ہے جس سے اس کا مالک دست بردار ہو گیا ہو۔ لیکن اگر اس سے دست بردار ہونے کے قصد سے نہ چھوڑے۔ بلکہ وہ اس کے چارے پانی سے عاجز ہو یا حیوان بوڑھا اور بیکار ہو گیا ہو جیساکہ اکثر اتفاق ہوتا ہے کہ جب کسی کا کوئی جانور راستے اور بیابان میں زمین گیر ہو جائے اور وہ شخص حیوان کے پاس نہ ٹھہر سکتا ہو۔ تو وہ اس کا بوجھ اور زین اُتار کر آزاد چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ پس اگر اس کو چراگاہ میں اور محفوظ مقام پر چھوڑے تو کوئی اس کو پکڑنے کا حق نہیں رکھتا۔ لہٰذا اگر کوئی اسے پکڑے تو غاصب اور ضامن ہوگا۔ اور اگر پکڑنے کے بعد اسے آزاد کر دے تب بھی ضمانت سے عہدہ برآ نہیں ہوگا اور اس کی حفاظت اور اس پر اخراجات کے واجب ہونے اور اس کے مالک سے مطالبہ کا حق نہ رکھنے کا حکم وہی ہے جو آبادی سے پکڑے گئے حیوان کے بارے میں بیان ہو چکا ہے۔ لیکن اگر مالک نے اسے بے آب وگیاہ اور پر خطر مقام پر چھوڑ دیا ہو تو اس کو پکڑنا جائز ہے اور آخذ کے تملک کرنے کی صورت میں وہ اسی کا ہوگا۔

مسئلہ ۷: اگر کسی شخص کو کوئی جانور ملے اور قرائن سے معلوم ہو کہ مالک نے اسے چھوڑ دیا ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ آیا اسے ملکیت سے خارج کر دینے کے قصد سے چھوڑا ہے یا کسی اور وجہ سے۔ تو اس پر کسی اور وجہ سے چھوڑے جانے کا حکم لگایا جائے گا۔ لہٰذا اس کے لئے حیوان کو پکڑ کر اپنی ملکیت میں داخل کرنا جائز نہیں۔ مگر یہ کہ حیوان بے آب وگیاہ اور پر خطر مقام پر ہو۔

مسئلہ ۸: جب آبادی کے علاوہ کسی دوسری جگہ کوئی حیوان ملے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ مالک نے اُسے مذکورہ دو وجہوں میں سے کسی وجہ کی بناء پر چھوڑا ہے یا اس نے چھوڑا نہیں بلکہ کھو گیا ہے یا لگام چھڑا کر بھاگ نکلا ہے۔ تو گذشتہ مسئلہ میں بیان شدہ دو وجہوں میں سے اس پر دوسری وجہ کا حکم لگایا جائے گا۔ پس اگر وہ حیوان، اونٹ وغیرہ ہو تو اس کو پکڑ کر مالک بننا جائز نہیں۔ مگر یہ کہ حیوان ناسالم اور بے آب وگیاہ مقام پر ہو۔ لیکن اگر بھیڑ، بکری وغیرہ ہو تو مطلقاً اس کو پکڑ لینا جائز ہے۔

حیوان کے علاوہ گم شدہ چیز کے احکام

اسی کو مطلق ہونے کی صورت میں لقطہ اور لقطہ بالمعنیٰ الأخص کہتے ہیں۔ اس میں مالک نامعلوم ہونا معتبر ہے۔ یہ مجہول المالک کی ایک قسم ہے جس کے احکام مخصوص ہیں۔

مسئلہ ۱: لقطہ میں معتبر یہ ہے کہ وہ مالک کے ہاتھوں گم ہو گیا ہو۔ چنانچہ جو چیز غاصب اور چور کے ہاتھوں سے لی جاتی ہے۔ اسے لقطہ نہیں کہتے۔ اس لئے کہ وہ مالک کے ہاتھوں گم نہیں ہوئی۔ بلکہ لقطہ کے احکام

ليس من اللقطة لعدم الضياع عن مالكه، بل لابدّ في ترتيب أحكامها من إحراز الضياع ولو بشاهد الحال، فالمداس المتبدل بمداسه في المساجد و نحوها يشكل ترتيب أحكام اللقطة عليه، و كذا الثوب المتبدل بثوبه في الحمام ونحوه، لاحتمال تعمد المالك في التبديل؛ و معه يكون من مجهول المالك لا من اللقطة.

مسألة ٢ ـ يعتبر في صدق اللقطة و ثبوت أحكامها الأخذ و الالتقاط فلو رأى غيره شيئاً و أخبر به فأخذه كان حكمها على الآخذ دون الرائي و إن تسبب منه. بل لو قال ناولنيه فنوى المأمور الأخذ لنفسه كان هو الملتقط دون الآمر، ولو أخذه لا لنفسه و ناوله إياه ففي كون الآمر ملتقطاً إشكال فضلاً عن أخذه بأمره و نيابته من دون أن يناوله إياه.

مسألة ٣ ـ لو رأى شيئاً مطروحاً على الأرض فأخذه بظن أنه ماله فتبين أنه ضائع عن غيره صار بذلك لقطة و عليه حكمها، و كذا لو رأى مالاً ضائعاً فنحاه بعد أخذه من جانب إلى آخر، نعم لو دفعه برجله أو بيده من غير أخذ ليتعرفه فالظاهر عدم صيرورته بذلك ملتقطاً، بل و لا ضامناً لعدم صدق اليد والأخذ.

مسألة ٤ ـ المال المجهول المالك غير الضائع لا يجوز أخذه ووضع اليد عليه، فان أخذه كان غاصباً ضامناً إلا إذا كان في معرض التلف فيجوز بقصد الحفظ، و يكون حينئذ في يده أمانة شرعية، ولا يضمن إلا بالتعدي أو التفريط، و على كل من تقديري جواز الأخذ و عدمه لو أخذه يجب عليه الفحص عن مالكه إلى أن يئس من الظفر به، وعند ذلك يجب عليه أن يتصدق به أو بثمنه، ولو كان مما يعرض عليه الفساد و لا يبق بنفسه يبيعه أو يقوّمه و يصرفه، و الأحوط أن يكون البيع باذن الحاكم مع الامكان، ثم بعد اليأس عن الظفر بصاحبه يتصدق بالثمن.

مسألة ٥ ـ كل مال غير الحيوان أحرز ضياعه عن مالكه المجهول ولو بشاهد الحال ـ و هو الذي يطلق عليه اللقطة كما مرّ ـ يجوز أخذه و التقاطه على كراهة، و

مترتب ہونے کے لئے اس چیز کے گم شدہ ہونے کا محرز ہونا ضروری ہے چاہے قرینہ حالیہ ہی کے ذریعے سہی۔ لہٰذا مسجد میں کسی کے جوتے سے بدل جانے والے جوتے یا اس قسم کی چیز پر لقطہ کا حکم جاری ہونا مشکل ہے۔ یہی حکم حمام میں کسی کے لباس سے بدل جانے والے لباس وغیرہ کا ہے۔ اس لئے کہ ممکن ہے مالک نے جان بوجھ کر تبدیل کیا ہو۔ لہٰذا اس احتمال کی وجہ سے مجہول المالک کے حکم میں ہے لقطہ کے حکم میں نہیں۔

مسئلہ ۲: کسی چیز پر لقطہ صادق آنے اور اس کے احکام ثابت ہونے میں اس چیز کو لینا اور اٹھانا ضروری ہے۔ پس اگر کوئی دوسرا شخص کوئی چیز دیکھنے کے بعد اسے بتائے اور وہ اٹھالے، تو لقطہ کا حکم اٹھانے والے پر جاری ہوگا۔ دیکھنے والے پر نہیں، اگرچہ دیکھنے والا سبب بنا ہے۔ بلکہ اگر کسی شخص سے کہے کہ فلاں چیز مجھے اٹھادو لیکن (شخص) مامور اس چیز کو خود لینے کی نیت سے اٹھائے تو وہی "ملتقط" کہلائیگا حکم دینوالا نہیں اور اگر شخص مامور اس چیز کو اپنے لئے نہ اٹھائے بلکہ حکم دینے والے کو دیدے تو خود حکم دینے والے کے ملتقط ہونے میں اشکال ہے۔ چہ جائیکہ اسکے حکم سے اٹھاکر اور اسکی نیابت میں۔ وہ چیز اسے دیئے بغیر۔ ملتقط ہوجائے۔

مسئلہ ۳: اگر کوئی چیز زمین پر پڑی ہوئی دیکھے اور یہ گمان کرتے ہوئے اپنا مال ہے اسے اٹھالے۔ بعد میں معلوم ہو کہ وہ دوسرے کی گم شدہ چیز ہے تو اٹھانے سے وہ لقطہ ہوجائیگی اور اسکا حکم اس پر جاری ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی کا کھویا ہوا مال دیکھے اور اٹھانے کے بعد اسکو ایک طرف سے دوسری طرف ہٹادے۔ البتہ اگر اس کو اٹھائے بغیر ہاتھ یا پاؤں سے ادھر ادھر کردے تاکہ اس چیز کو پہچان لے تو ظاہراً ایسا کرنے سے وہ ملتقط نہیں ہوجائے گا۔ بلکہ ضامن بھی نہیں ہوگا اس لئے کہ اس پر لینا اور قبضہ کرنا صادق نہیں آتا۔

مسئلہ ۴: ایسا مال جو مجہول المالک ہو۔ لیکن گم شدہ نہ ہو اس کو لینا اور اپنے قبضہ میں کرنا جائز نہیں۔ پس اگر اس کو لے لے تو غاصب اور ضامن ہوگا۔ لیکن اگر معرض تلف میں ہو تو حفاظت کی نیت سے جائز ہے۔ چنانچہ وہ اس کے پاس شرعی امانت ہوگی اور افراط و تفریط نہ کرنے کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا۔ اور اس کو لینا جائز ہو یا نہ ہو۔ بہر دو صورت اگر اس کو اٹھالے تو اس کے مالک کو اس وقت تک تلاش کرنا واجب ہے کہ جب تک اس کا سراغ ملنے سے ناامید نہ ہوجائے۔ چنانچہ مایوس ہوجانے کے بعد مال یا اس کی قیمت کو مالک کی طرف سے صدقہ کردینا واجب ہے۔ لیکن اگر مال فاسد ہوجانے والا ہو اور بذاتِ خود باقی نہ رہتا ہو تو اس کو بیچ دے یا اس کی قیمت لگا کر اسے کام میں لے آئے۔ اور احتیاط یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو حاکم شرع کی اجازت سے فروخت کرے۔ پھر جب مالک کا سراغ ملنے سے مایوس ہوجائے تو اس کی قیمت کو صدقہ کے طور پر دیدے۔

مسئلہ ۵: حیوان کے علاوہ ہر وہ مال کہ جس کا مالک نامعلوم ہو اور اس کا گم شدہ ہونا محرز ہوجائے چاہے قرائن حالیہ سے ہی سہی۔ کہ گذشتہ بیان کے مطابق جس کو لقطہ کہا جاتا ہے۔ اس کو اخذ کرنا اور لقطہ بنانا کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ اور اگر وہ گم شدہ مال حرم مکہ

إن كان المال الضائع في الحرم أي حرم مكة زادها الله شرفاً و تعظيماً اشتدت كراهة التقاطه، بل لا ينبغي ترك الاحتياط بتركه.

مسألة ٦ ـ اللقطة إن كانت قيمتها دون الدرهم جاز تملكها في الحال من دون تعريف و فحص عن مالكها، ولا يملكها قهراً بدون قصد التملك على الأقوى، فان جاء مالكها بعدما التقطها دفعها إليه مع بقائها و ان تملكها على الأحوط لو لم يكن الأقوى، و إن كانت تالفة لم يضمنها الملتقط، و ليس عليه عوضها ان كان بعدالتملك، و كذا قبله ان تلفت من غير تفريط منه، و ان كانت قيمتها درهماً أو أزيد وجب عليه تعريفها والفحص عن صاحبها، فان لم يظفر به فان كانت لقطة الحرم تخير بين أمرين: التصدق بها مع الضمان كاللقطة في غير الحرم أو ابقاؤها و حفظها لمالكها فلا ضمان عليه، و ليس له تملكها، و ان كانت لقطة غيرالحرم تخير بين أمور ثلاثة: تملكها والتصدق بها مع الضمان فيهما و ابقاؤها أمانة بيده من غير ضمان.

مسألة ٧ ـ الدرهم هو الفضة المسكوكة الرائجة في المعاملة، و هو و ان اختلف عياره بحسب الأزمنة والأمكنة الا أن المراد هنا ما كان على وزن إثنتي عشرة حمصة و نصف حمصة و عشرها، و بعبارة أخرى نصف مثقال و ربع عشر المثقال بالمثقال الصيرفي الذي يساوي أربع و عشرين حمصة معتدلة، فالدرهم يقارب نصف ريال عجمي، و كذا ربع روپية انكليزية.

مسألة ٨ ـ المدار في القيمة مكان الالتقاط و زمانه في اللقطة و في الدرهم، فان وجد شيئاً في بلاد العجم مثلاً و كان قيمته في بلد الالتقاط و زمانه أقل من نصف ريال أو وجد في بلاد تكون الرائج فيها الروپية وكان قيمته أقل من ربعها جاز تملكه في الحال و لا يجب تعريفه.

مسألة ٩ ـ يجب التعريف فيما لم يكن أقل من الدرهم فوراً على الأحوط، نعم لا يجوز التسامح و الاهمال والتساهل فيه، فلو أخره كذلك عصى إلا مع العذر، و على أي حال لم يسقط التعريف.

میں ہو" خداوندِ عالم اس کے شرف و عظمت میں اضافہ کرے" تو اس کو لقطہ کے طور پر اٹھانا شدیداً مکروہ ہے بلکہ اس کو نہ اٹھانے کی احتیاط ترک کرنا سزاوار نہیں ہے۔

مسئلہ ٦: لقطہ کی قیمت اگر ایک درہم سے کم ہو تو مالک کی تلاش اور اعلان کئے بغیر اس کو اسی وقت اپنی ملکیت بنالینا جائز ہے۔ لیکن اقویٰ یہ ہے کہ اگر ملکیت کا قصد نہ کرے تو خود بخود اس کا مالک نہیں ہو جائے گا۔ پس اگر اٹھانے کے بعد اس کا مالک آ جائے اور وہ مال باقی ہو تو اگرا قویٰ نہ ہو تب بھی احتیاط یہ ہے کہ چاہے اس نے اس مال کو اپنی ملکیت بنالیا ہو تب بھی اسے مالک کے حوالے کر دے۔ لیکن اگر مال تلف ہو گیا ہو تو اٹھانے والا ضامن نہیں۔ اور اگر ملکیت بنانے کے بعد تلف ہوا ہو تو اس کا عوض دینا بھی ضروری نہیں۔ اور اسی طرح ملکیت بنانے سے پہلے اگر اس کی کوتاہی کے بغیر تلف ہو جائے۔ لیکن اگر اس مال کی قیمت ایک درہم یا اس سے زیادہ ہو تو اس کا اعلان اور اس کے مالک کی جستجو اس پر واجب ہے۔ پس اگر مالک نہ مل سکے اور وہ مال حرم میں پایا گیا ہو تو دو میں ایک کام کا اختیار ہے۔ یا اس کو صدقہ کے طور پر دے دے کہ اس صورت میں ضامن ہوگا۔ جیسا کہ غیر حرم کے لقطہ کا حکم ہے۔ یا اس کو مالک کے حوالے کرنے کی نیّت سے اپنے پاس حفاظت سے رکھے کہ اس صورت میں ضامن نہیں ہوگا۔ لیکن اس کو اپنی ملکیت بنانے کا حق نہیں رکھتا۔

لیکن اگر وہ مال حرم کے علاوہ کہیں پایا جائے تو تین چیزوں کے درمیان مخیر ہے۔ اوّل: اس کو ملکیت بنالے۔ دوم: "اس کو صدقہ کے طور پر دے دے" کہ ان دونوں صورتوں میں ضامن ہوگا، اور تیسری صورت یہ ہے کہ امانت کے طور پر اپنے پاس رکھے کہ اس میں ضامن نہیں ہوگا۔

مسئلہ ٧: درہم سے مراد چاندی کا وہ سکّہ ہے جو لین دین میں رائج ہو۔ اس کا معیار اگرچہ زمانے اور مکان کے اعتبار سے مختلف ہے۔ لیکن یہاں اس سے مراد وہ درہم ہے جو ساڑھے بارہ نخود اور ایک نخود کے دسویں حصّہ کا ہم وزن ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ درہم مراد ہے جو صیرفی مثقال کے اعتبار سے۔ نصف مثقال اور ایک مثقال کے دسویں حصّہ کے ایک چوتھائی کے برابر ہو۔ کہ جو چوبیس معمولی نخودوں کے برابر ہے۔ پس ایک درہم تقریباً عجمی ریال کے آدھے حصّے اور اسی طرح انگریزی روپے کے ایک چوتھائی کے برابر ہوگا۔

مسئلہ ٨: قیمت کا محور وہ جگہ اور زمانہ ہے کہ جس میں لقطہ اور درہم ہو۔ مثلاً اگر بلادِ عجم میں کوئی چیز پائی جائے اور لقطہ کے شہر اور زمانے میں اس کی قیمت آدھے ریال سے کم ہو۔ یا ان ملکوں میں پائی جائے جن میں روپیہ رائج ہے اور اس کی قیمت اس کے ایک چوتھائی حصّے سے کم ہو تو اس کو اسی وقت ملکیت بنانا جائز ہے اور اس کا اعلان واجب نہیں۔

مسئلہ ٩: جو چیز ایک درہم سے کم نہ ہو احتیاطاً اس کا فوراً اعلان کرنا واجب ہے۔ البتہ اس میں سستی، غفلت اور کاہلی کرنا جائز نہیں۔ پس اگر اس بناء پر اعلان میں تاخیر کرے اور کوئی عذر نہ ہو تو گنہگار ہے۔ بہر صورت اعلان کرنا ساقط نہیں ہوگا۔

مسألة ١٠ ـ قيل: لا يجب التعريف إلا إذا كان ناوياً للتملك بعده، و الأقوى وجوبه مطلقا و إن كان من نيته ذلك أو التصدق أو الحفظ لمالكها أو غير ناو لشيء أصلاً.

مسألة ١١ ـ مدة التعريف الواجب سنة كاملة، و لا يشترط فيها التوالي، فان عرّفها في ثلاثة شهور في سنة على نحو يقال في العرف إنه عرّفها في تلك المدة ثم ترك التعريف بالمرة ثم عرفها في سنة أخرى ثلاثة شهور، و هكذا إلى أن كمل مقدار سنة في ضمن أربع سنوات مثلاً كفى في تحقق التعريف الذي هو شرط لجواز التملك و التصدق، و سقط عنه ما وجب عليه و إن كان عاصياً في تأخيره بهذا المقدار إن كان بدون عذر.

مسألة ١٢ ـ لا يعتبر في التعريف مباشرة الملتقط، بل يجوز استنابة الغير مجاناً أو بالأجرة مع الاطمئنان بايقاعه، والظاهر أن أجرة التعريف على الملتقط إلا إذا كان من قصده أن يبقى بيده و يحفظها لمالكه، فان في كون الأجرة على المالك أو عليه تردداً، و الأحوط التصالح.

مسألة ١٣ ـ لو علم بأن التعريف لا فائدة فيه أو حصل له اليأس من وجدان مالكها قبل تمام السنة سقط و تخير بين الأمرين في لقطة الحرم و الأحوط ذلك في لقطة غيره أيضاً.

مسألة ١٤ ـ لو تعذر التعريف في أثناء السنة انتظر رفع العذر، و ليس عليه بعد ارتفاع العذر استئناف السنة، بل يكفي تتميمها.

مسألة ١٥ ـ لو علم بعد تعريف سنة أنه لو زاد عليها عثر على صاحبه فهل يجب الزيادة إلى أن يعثر عليه أم لا؟ وجهان، أحوطهما الأول خصوصاً إذا علم بعثوره مع زيادة يسيرة.

مسألة ١٦ ـ لو ضاعت اللقطة من الملتقط و وجدها شخص آخر لم يجب عليه التعريف، بل يجب عليه إيصالها الى الملتقط الأول، نعم لو لم يعرفه وجب عليه التعريف سنة طالباً به المالك أو الملتقط الأول، فأياً منهما عثر عليه يجب دفعها

مسئلہ ۱۰: ایک قول یہ ہے کہ اعلان صرف اسی صورت میں واجب ہے کہ جب اعلان کے بعد اس چیز کو ملکیت بنانے کی نیت ہو۔ لیکن اقویٰ یہ ہے کہ اعلان ہر صورت میں واجب ہے۔ چاہے اس کی نیت ملکیت بنانا ہو یا صدقہ دینا یا مالک کے لئے حفاظت سے رکھنا ہو یا اصلاً کوئی نیت نہ ہو۔

مسئلہ ۱۱: اعلان کی واجبی مدت ایک سال ہے۔ اور اس مدت میں پے در پے اعلان شرط نہیں۔ پس اگر سال میں تین مہینے اعلان کرے اور عرفِ عام میں یہ کہا جا سکے کہ اس نے اس مدت میں اعلان کیا ہے۔ اس کے بعد اعلان موقوف کر دے۔ پھر دوسرے سال میں تین مہینے اعلان کرے اور اسی طرح اعلان کرتا رہے۔ یہاں تک کہ چار سال میں ایک سال اعلان کی مدت پوری ہو جائے تو اس مقدار اعلان کے متحقق ہونے کے لئے کافی ہے جو ملکیت بنانے اور صدقہ کر دینے کے جائز ہونے میں شرط ہے۔ چنانچہ اس کی گردن سے واجب ساقط ہو جائے گا۔ اگرچہ بغیر کسی عذر کے بغیر اس قدر تاخیر کرنے کی بنا پر گنہگار ہو گا۔

مسئلہ ۱۲: جس شخص کو گم شدہ چیز ملی ہو ضروری نہیں کہ وہ خود اعلان کرے۔ بلکہ اعلان کے لئے مفت میں یا اجرت دے کر دوسرے کو نائب بنانا جائز ہے۔ بشرطیکہ یہ اطمینان ہو جائے کہ وہ اعلان کر دے گا۔ ظاہراً اعلان کی اجرت ملتقط ادا کرے گا۔ مگر یہ کہ اس کا ارادہ اس چیز کو مالک تک پہونچانے کی خاطر حفاظت سے اپنے پاس رکھنے کا ہو۔ ایسی صورت میں اجرت کے اس کے یا مالک کے ذمّہ ہونے میں تردد ہے۔ احتیاط یہ ہے کہ آپس میں مصالحت کرلیں۔

مسئلہ ۱۳: اگر سال تمام ہونے سے پہلے اعلان کے بے فائدہ ہونے یا مالک کا پتہ چلنے سے ناامید ہو جائے۔ اور لقطہ حرم ہونے کی صورت میں دو چیزوں کے درمیان مخیّر ہو تو احتیاطاً غیر حرم کے لقطے میں بھی مخیّر ہے۔

مسئلہ ۱۴: اگر دوران سال اعلان کرنے سے معذور ہو جائے تو رفع عذر کا انتظار کرے لیکن رفع عذر کے بعد نئے سرے سے ایک سال کا آغاز نہیں کرے گا بلکہ جتنا رہ گیا تھا اسی کی تکمیل کافی ہے۔

مسئلہ ۱۵: اگر ایک سال اعلان کرنے کے بعد معلوم ہو کہ اگر اس سے زیادہ اعلان کرے تو مالک مل جائے گا۔ تو مالک کو پا لینے تک ایک سال سے زیادہ اعلان کرنا واجب ہے یا نہیں؟ دو وجہیں ہیں۔ احتیاط پہلی وجہ میں ہے خصوصاً جب سال سے تھوڑا ہی زیادہ اعلان کرنے پر مالک مل جانے کا یقین ہو۔

مسئلہ ۱۶: اگر لقطہ ملتقط کے ہاتھوں کھو جائے اور دوسرا اسے پا لے تو اس پر اعلان واجب نہیں بلکہ صرف پہلے ملتقط تک پہونچانا واجب ہے۔ البتہ اگر پہلے ملتقط کو نہ جانتا ہو تو مالک و ملتقط اول کی تلاش میں ایک سال اعلان کرنا واجب ہے۔ پس ان میں سے جو بھی مل جائے۔ وہ چیز اس کے حوالے کرنا اس پر واجب ہے۔ اور اس میں فرق نہیں کہ چاہے ایک سال اعلان کرنے کے بعد ملتقط سے وہ چیز گم ہوئی ہو یا پہلے!

إليه من غير فرق بين ما كان ضياعها من الملتقط قبل تعريفه سنة أو بعده.

مسألة ١٧ ـ إذا كانت اللقطة مما لا تبقى لسنة كالطبيخ و البطيخ و اللحم و الفواكه و الخضروات جاز أن يقوّمها على نفسه و يأكلها و يتصرف فيها أو يبيعها من غيره و يحفظ ثمنها لمالكها، والأحوط أن يكون بيعها باذن الحاكم مع الامكان و ان كان الأقوى عدم اعتباره، و الأحوط حفظها الى آخر زمان الخوف من الفساد، بل وجوبه لا يخلو من قوة، و كيف كان لا يسقط التعريف، فيحفظ خصوصياتها و صفاتها قبل أن يأكلها أو يبيعها ثم يعرّفها سنة، فان جاء صاحبها و قد باعها دفع ثمنها اليه، وإن أكلها غرمها بقيمتها، وإن لم يجيء فلا شيء عليه.

مسألة ١٨ ـ يتحقق تعريف سنة بأن يكون في مدة سنة متوالية أو غير متوالية مشغولاً بالتعريف بحيث لم يعدّ في العرف متسامحاً متساهلاً في الفحص عن مالكه، بل عدّوه فاحصاً عنه في هذه المدة، و لا يتقدر ذلك بمقدار معين، بل هو أمر عرفي، و قد نسب الى المشهور تحديده بأن يعرّف في الأسبوع الأول في كل يوم مرة، ثم في بقية الشهر في كل أسبوع مرة، و بعد ذلك في كل شهر مرة، و الظاهر أن المراد بيان أقل مايصدق عليه تعريف سنة عرفاً، و مرجعه إلى كفاية بضع و عشرين مرة بهذه الكيفية، و فيه إشكال من جهة الاشكال في كفاية كل شهر مرة في غير الشهر الأول، و الظاهر كفاية كل أسبوع مرة إلى تمام الحول و الأحوط أن يكون في الأسبوع الأول كل يوم مرة.

مسألة ١٩ ـ محل التعريف مجامع الناس كالأسواق و المشاهد ومحل إقامة الجماعات ومجالس التعازي و كذا المساجد حين اجتماع الناس فيها و إن كره ذلك فيها، فينبغي أن يكون على أبوابها حين دخول الناس فيها أو خروجهم عنها.

مسألة ٢٠ ـ يجب أن يعرّف اللقطة في موضع الالتقاط مع احتمال وجود صاحبها فيه إن وجدها في محل متأهل من بلد أو قرية و نحوهما، ولو لم يقدر على البقاء لم يسافر بها بل استناب شخصاً أميناً ثقة ليعرّفها، و إن وجدها في المفاوز

مسئلہ ۱۷: اگر لقطہ ایک سال تک باقی رہنے والی چیزوں میں سے نہ ہو، جیسے پختنی، خربوزہ، گوشت، میوے، سبزیاں وغیرہ تو جائز ہے کہ اس کی قیمت لگا کر اسے اپنے استعمال میں لائے اس میں تصرف کرے یا فروخت کر دے۔ اور اس کی قیمت مالک کے لئے محفوظ رکھے۔ اور احتیاط یہ ہے کہ امکان کی صورت میں حاکمِ شرع کی اجازت سے فروخت کرے۔ اگرچہ اقویٰ یہ ہے کہ حاکمِ شرع کی اجازت معتبر نہیں ہے۔ اور احتیاط یہ ہے کہ خوف و فساد کے آخری وقت تک محفوظ رکھے بلکہ اس کا واجب ہونا قوت سے خالی نہیں۔ بہر صورت اعلان ساقط نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس کو مصرف میں لانے یا فروخت کرنے سے پہلے اس کی صفات اور خصوصیات کو اچھی طرح ذہن نشین کرے پھر ایک سال تک اعلان کرے۔ چنانچہ اگر اس کا مالک آجائے اور وہ اس چیز کو فروخت کر چکا ہو تو قیمت اس کے حوالے کرے اور اگر خود مصرف میں لے آیا ہو تو قیمت کے ذریعہ اس کی غرامت ادا کرے۔ لیکن اگر مالک نہ آئے تو اس کے ذمہ کچھ نہیں۔

مسئلہ ۱۸: ایک سال تک اعلان کرنا اسی وقت متحقق ہوگا کہ سال کے دوران پے در پے یا متفرق طور پر اس طرح اعلان میں مشغول رہے کہ عرفِ عام اسے مالک کی تلاش و اعلان سے غفلت اور سستی سے کام لینے والا قرار نہ دیا جائے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ دوران سال اس نے واقعاً مالک کو تلاش کیا ہے۔ البتہ اس کی مقدار معیّن نہیں ہے۔ بلکہ یہ امر عرفی ہے۔ لیکن مشہور علماء کی طرف مقدار معیّن کرنے کی نسبت دی گئی ہے۔ اس طرح کہ پہلے ہفتہ میں ہر روز ایک بار، پھر مہینہ کے باقی ہفتوں میں ہر ہفتہ میں ایک بار۔ اور پہلے مہینے کے بعد ہر مہینے میں ایک بار اعلان کرے۔ ظاہراً اس سے مراد ایک سال میں مصداق اعلان کی کم سے کم مدت بیان کرنا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بیش سے کچھ ہی زیادہ مرتبہ اعلان کرنا کافی ہے۔ حالانکہ اس میں اشکال ہے۔ اس لئے کہ ہر مہینے میں، پہلے مہینے کے علاوہ ایک بار اعلان کافی ہونے میں اشکال ہے۔ ہمارے نزدیک ظاہراً سال بھر ہر ہفتے میں ایک بار اعلان کرنا کافی ہے اور احتیاط یہ ہے کہ پہلے ہفتہ میں ہر روز ایک بار اعلان کرے۔

مسئلہ ۱۹: اعلان کے لئے مناسب وہ مقامات ہیں جہاں لوگ جمع ہوتے ہوں۔ جیسے بازار، زیارت گاہیں، جماعتیں قائم ہونے کی جگہیں، مجالس وغیرہ، اسی طرح مسجدیں کہ جب لوگ ان میں جمع ہوں اگرچہ مسجد میں ایسا کرنا مکروہ ہے۔ پس بہتر ہے کہ لوگوں کے داخل یا خارج ہوتے وقت مسجدوں کے دروازوں پر اعلان کرے۔

مسئلہ ۲۰: گم شدہ چیز جہاں ملے، اگر وہاں مالک کے پائے جانے کا احتمال ہو تو وہیں اعلان کرنا واجب ہے۔ بشرطیکہ اس کو کسی آبادی والے علاقہ جیسے شہر یا دیہات وغیرہ میں پائے، اور اگر وہاں ٹھہرنے پر قادر نہ ہو تو اس کو ساتھ نہ لے جائے بلکہ کسی قابلِ بھروسہ اور امین شخص کو اعلان کرنے میں

و البراري و الشوارع و أمثال ذلك عرّفها لمن يجده فيها، حتى أنه لو اجتازت قافلة تبعهم و عرّفها فيهم، فان لم يجد المالك فيها أتم التعريف في غيرها من البلاد أيّ بلد شاء مما احتمل وجود صاحبها فيه، و ينبغي أن يكون في أقرب البلدان إليها فالأقرب مع الامكان.

مسألة ٢١ ـ كيفية التعريف أن يقول المنادي: من ضاع له ذهب أو فضة أو ثوب؟ و ما شاكل ذلك من الألفاظ بلغة يفهمها الأغلب، و يجوز أن يقول: من ضاع له شيء أو مال؟ بل ربما قيل: إن ذلك أحوط و أولى، فاذا ادعى أحد ضياعه سأله عن خصوصياته و صفاته و علاماته من وعائه و خيطه و صنعته و أمور يبعد اطلاع غير المالك عليه من عدده و زمان ضياعه و مكانه و غير ذلك، فاذا توافقت الصفات و الخصوصيات التي ذكرها مع الخصوصيات الموجودة في ذلك المال فقد تم التعريف، و لا يضر جهله ببعض الخصوصيات التي لا يطلع عليها المالك غالباً و لا يلتفت إليها إلا نادراً ألا ترى أن الكتاب الذي يملكه الانسان و يقرأه و يطالعه مدة طويلة من الزمان لا يطلع غالباً على عدد أوراقه وصفحاته؟ فلو لم يعرف مثل ذلك لكن وصفه بصفات و علامات أخر لا تخفى على المالك كفى في تعريفه و توصيفه.

مسألة ٢٢ ـ إذا لم تكن اللقطة قابلة للتعريف بأن لم تكن لها علامة و خصوصيات ممتازة عن غيرها حتى يصف بها من يدعيها و يسأل عنها الملتقط كدينار واحد من الدنانير المتعارفة غير مصرور و لا مكسور سقط التعريف، و حينئذ هل يتخير بين الأمور الثلاثة المتقدمة من دون تعريف أو يعامل معه معاملة مجهول المالك، فيتعين التصدق به؟ وجهان، أحوطهما الثاني.

مسألة ٢٣ ـ إذا التقط إثنان لقطة واحدة فان كانت دون درهم جاز لهما تملكها في الحال من دون تعريف و كان بينهما بالتساوي، و إن كانت بمقدار درهم فما زاد وجب عليهما تعريفها و إن كانت حصة كل منهما أقل من درهم، و يجزئ أن يتصدى للتعريف كلاهما أو أحدهما أو يوزّع الحول عليهما بالتساوي أو

نائب مقرر کر کے جائے۔

لیکن اگر اس چیز کو جنگلوں، بیابانوں اور راستوں وغیرہ میں پائے۔ تو وہاں جس شخص کو دیکھے۔ اس سے اس کا تذکرہ کرے حتیٰ اگر کوئی قافلہ وہاں سے گذر گیا ہو تو اس کا پیچھا کرے اور قافلہ میں جاکر اس کا اعلان کرے چنانچہ اگر قافلہ میں اس چیز کا مالک نہ ہو تو دوسرے شہروں میں جہاں اس کی مرضی ہو اور مالک کے پائے جانے کا احتمال ہو اعلان مکمل کرے۔ اور اس کو چاہیئے کہ جہاں وہ شئے پائی جائے اگر ممکن ہو تو اس کے نزدیک سے نزدیک شہروں میں اعلان کرے۔

مسئلہ ۲۱: اعلان کی ترکیب یہ ہے کہ پکارنے والا بلند آواز سے کہے "کس کا سونا، چاندی یا کپڑا کھو گیا ہے؟ اور اس سے ملتے جلتے اسی زبان کے الفاظ کہ جس کو اکثریت کو سمجھا سکے۔ اور یہ کہنا بھی جائز ہے" کہ کسی شخص کی کوئی چیز یا مال کھو گیا ہے؟ بلکہ کہا گیا ہے کہ یہ احوط اور اولیٰ ہے۔ پس اگر کوئی اس کا دعوے دار ہو تو اس سے اس کی خصوصیات، علامتوں، صفات، ظرفیت، دھاگے اور ساخت کے بارے میں پوچھے اور عدد، زمانہ اور مکان وغیرہ سے متعلق ان امور کے بارے میں پوچھے کہ جن کی اطلاع مالک کے علاوہ کسی اور کو ہونا بعید ہو۔ پس جب اس کی بیان کردہ خصوصیات اور صفات اس مال کی خصوصیات اور صفات سے مطابقت کریں تو سمجھے کہ اعلان مکمل ہو گیا۔ البتہ اگر اس کو بعض ایسی خصوصیات کا علم نہ ہو کہ جس کے بارے میں غالباً مالکوں کو اطلاع نہیں ہوتی اور ان کی طرف شاذ و نادر ہی توجہ کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں چنانچہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ایک کتاب جو انسان کی ملکیت ہو اور ایک عرصے سے اس کے مطالعہ میں ہو غالباً وہ شخص اس کے اوراق و صفحات کی تعداد نہیں جانتا۔ لہٰذا اگر اس طرح کی چیز جس سے معلوم نہ ہوں لیکن ایسی صفات اور خصوصیات بیان کرے جو مالک پر مخفی نہیں ہوتیں تو اس کی خصوصیات کے بیان میں یہی کافی ہے۔

مسئلہ ۲۲: اگر لقطہ قابلِ تعریف (اعلان) نہ ہو۔ یعنی دوسری چیزوں سے ہٹ کر اس میں ایسی کوئی خصوصیت نہ ہو کہ "لقطے" کا دعوے دار جس کو بیان کرے اور ملتقط اس سے اس خصوصیت کا مطالبہ کرے۔

مثلاً معمولی دیناروں میں سے ایک دینار ہو جو تھیلی میں نہ ہو اور پھٹا پرانا بھی نہ ہو، تو اس کا اعلان ساقط ہے۔ ایسی صورت میں آیا اعلان کئے بغیر گذشتہ تین صورتوں میں مخیر ہو گا۔ یا اس کے ساتھ مجہول المالک والا برتاؤ کرے گا۔ اور صدقہ دینا متعین ہو جائے گا؟ اس میں دو وجہیں ہیں۔ ان میں سے "احوط" دوسری وجہ ہے۔

مسئلہ ۲۳: اگر کوئی چیز دو اشخاص کے ہاتھ لگے اور وہ ایک درہم سے کم ہو تو بغیر اعلان کئے ان کے لئے اسی وقت اس کا مالک بن جانا جائز ہے اور دونوں اس میں برابر کے شریک ہوں گے۔ لیکن اگر ایک درہم یا اس سے زیادہ ہو تو دونوں پر اعلان کرنا واجب ہے۔ چاہے ہر ایک کا حصہ ایک درہم سے کم ہو۔ اور جائز ہے کہ دونوں اعلان کی ذمہ داری لیں یا ان میں کوئی ایک، یا سال کو اعلان کے لئے برابر یا کم و زیادہ

التفاضل، فان توافقا على أحد الأنحاء فقد تأدى ماهو الواجب عليهما وسقط عنهما، و إن تعاسرا يوزّع الحول عليهما بالتساوي، و هكذا بالنسبة إلى أجرة التعريف -لو كانت- عليهما، و بعدما تم حول التعريف يجوز اتفاقهما على التملك أو التصدق أو الابقاء أمانة، و يجوز أن يختار أحدهما غير ما يختار الآخر بأن يختار أحدهما التملك و الآخر التصدق مثلاً بنصفه، ثم إن تصدى أحدهما لأداء تكليفه من التعريف وترك الآخر عصياناً أو لعذر فالظاهر عدم جواز تملك التارك حصته، و أما المتصدي فيجوز له تملك حصته ان عرّفها سنة، والأحوط لهما في صورة التوافق على التوزيع أن ينوي كل منهما التعريف عنه و عن صاحبه، و الا فيشكل تملكهما، و كذا في صورة التوافق على تصدي أحدهما أن ينوي عن نفسه وعن صاحبه.

مسألة ٢٤ ـ اذا التقط الصبي أو المجنون فما كان دون درهم ملكاه ان قصد وليهما تملكهما، و أما تأثير قصد هما في ذلك فحل اشكال بل منع، و ما كان مقدار درهم فما زاد يعرّف، و كان التعريف على وليهما، و بعد تمام الحول يختار ما هو الأصلح لهما من التملك لهما و التصدق و الابقاء أمانة.

مسألة ٢٥ ـ اللقطة في مدة التعريف أمانة لا يضمنها الملتقط الامع التعدي أو التفريط، و كذا بعد تمام الحول ان اختار بقاءها عنده أمانة لمالكها، و أما ان اختار التملك أو التصدق فانها تصير في ضمانه كما تعرفه.

مسألة ٢٦ ـ ان وجد المالك و قد تملكها الملتقط بعد التعريف فإن كانت العين باقية أخذها و ليس له الزام الملتقط بدفع البدل من المثل أو القيمة، و كذا ليس له الزام المالك بأخذ البدل. و ان كانت تالفة أو منتقلة الى الغير ببيع و نحوه أخذ بدلها من الملتقط من المثل أو القيمة، و ان وجد بعد ما تصدق بها فليس له أن يرجع العين و ان كانت موجودة عند المتصدق له، و انما له أن يرجع على الملتقط، و يأخذ منه بدل ماله إن لم يرض بالتصدق و ان رضي به لم يكن له الرجوع عليه، و كان أجر الصدقة له. هذا إذا وجد المالك، و أما اذا لم يوجد فلا

تقسیم کرلیں۔ پس اگر کسی ایک صورت پر متفق ہو جائیں تو دونوں کا واجب ادا ہو جائے گا اور دونوں کی گردن سے ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اگر دونوں میں کشمکش ہو جائے تو سال کو دونوں پر برابر تقسیم کیا جائے گا۔ یہی حکم اعلان کی اجرت کا بھی ہے اگر وہ دونوں کے ذمّہ ہو۔ اور اعلان کا سال مکمل ہو جانے کے بعد جائز ہے کہ دونوں، ملکیت بنانے، یا صدقہ دینے یا اس چیز کو بطور امانت اپنے پاس رکھنے پر متفق ہو جائیں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے ایک جس چیز کو اختیار کرے دوسرا اسے نہ اپنائے۔ مثلاً ایک ملکیت بنانے کو جبکہ دوسرا اپنے آدھے حصّہ کو صدقہ دینے کو اختیار کرے۔ پھر اگر ان میں سے ایک اپنی ذمّہ داری نبھائے اور اعلان کرے جبکہ دوسرا نافرمانی یا کسی عذر کی بناء پر ایسا نہ کرے تو ظاہراً جس نے اعلان نہیں کیا ہے اس کا اپنے حصّہ کا مالک بننا جائز نہیں۔ لیکن جس نے اعلان کیا ہے اس کے لئے جائز ہے۔ بشرطیکہ اس نے ایک سال تک اعلان کیا ہو۔ اعلان کی تقسیم پر موافق ہونے کی صورت میں احتیاط یہ ہے کہ ان میں ہر ایک اپنی اور اپنے رفیق کی طرف سے اعلان کرے۔ اگر ایسا نہ کرے تو دونوں کا مالک بننا مشکل ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک کے اعلان کی ذمّہ داری قبول کرنے پر دونوں متفق ہو جائیں تو اعلان کرنے والا دونوں کی طرف سے اعلان کرنے کی نیت کرے۔

مسئلہ ۲۴: اگر کوئی چیز بچّے یا دیوانے کے ہاتھ لگے تو ایک درہم سے کم ہونے کی صورت میں مالک ہو جائیں گے اگر ان کا ولی ان کی ملکیت کا قصد کرے۔ لیکن ان کے قصد کا اس میں موثر ہونا محلِ اشکال بلکہ ممنوع ہے۔ لیکن ایک درہم یا اس سے زیادہ ہونے کی صورت میں اعلان کیا جائے گا اور اعلان کی ذمّہ داری ان کے ولی پر ہوگی۔ چنانچہ سال مکمل ہو جانے کے بعد، ملکیت بنانے یا صدقہ دینے یا امانت کے طور پر باقی رکھنے میں سے جس صورت میں ان کی مصلحت ہو ان کا ولی اسے اختیار کرے گا۔

مسئلہ ۲۵: اعلان کی مدّت کے دوران لقطہ ایسی امانت ہے کہ افراط و تفریط نہ کرنے کی صورت میں ملتقط اس کا ضامن نہیں۔ اور اسی طرح سال تمام ہو جانے کے بعد اگر اس کو مالک کی امانت کے طور پر اپنے پاس رکھنا اختیار کرے۔ لیکن اگر ملکیت بنانا یا صدقہ دینا اختیار کرے تو اس صورت میں وہ چیز اس کی ضمانت میں آجاتی ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔

مسئلہ ۲۶: اگر مالک اس وقت ملے کہ جب ملتقط اعلان کرنے کے بعد اس چیز کو اپنی ملکیت بنا چکا ہو تو اگر وہ چیز باقی ہو تو مالک اسے اخذ کرے اور ایسی صورت میں اس کو حق نہیں کہ وہ ملتقط کو اس کے مثل یا قیمت کی صورت میں اس کا بدل ادا کرنے پر مجبور کرے۔ اسی طرح ملتقط کو بھی حق نہیں کہ وہ مالک کو اس کا بدل لینے پر مجبور کرے لیکن اگر تلف یا فروخت وغیرہ کے ذریعہ دوسرے کے پاس پہونچ گئی ہو تو ملتقط سے اس کے مثل یا قیمت کی شکل میں اس کا بدل لے گا۔ لیکن اگر صدقہ دیئے جانے کے بعد مالک ملے۔ تو جس کو صدقہ دیا ہے چاہے وہ چیز اس کے پاس موجود ہو تب بھی اس کو واپس لینے کا حق نہیں رکھتا۔ مالک صرف ملتقط سے مطالبہ کا حق رکھتا ہے۔ چنانچہ اگر صدقہ پر راضی نہ ہو تو اپنے

شيء عليه في الصورتين.

مسألة ٢٧ ـ لا يسقط التعريف عن الملتقط بدفع اللقطة الى الحاكم و ان جاز له دفعها اليه قبل التعريف و بعده، بل إن اختار التصدق بها بعد التعريف كان الأولى أن يدفعها اليه ليتصدق بها.

مسألة ٢٨ ـ لو وجد المالك و قد حصل للقطة نماء متصل يتبع العين فيأخذها بنمائها سواء حصل قبل تمام التعريف أو بعده، و سواء حصل قبل التملك أو بعده، و أما النماء المنفصل فان حصل بعد التملك كان للملتقط، فاذا كانت العين موجودة يدفعها الى المالك دون نمائها، و ان حصل في زمن التعريف أو بعده قبل التملك كان للمالك.

مسألة ٢٩ ـ لو حصل لها نماء منفصل بعد الالتقاط فعرّف العين حولاً و لم يجد المالك فهل له تملك النماء بتبع العين أم لا؟ و جهان، أحوطهما الثاني بأن يعمل معه معاملة مجهول المالك، فيتصدق به بعد اليأس عن المالك.

مسألة ٣٠ ـ ما يوجد مدفوناً في الخربة الدارسة التي باد أهلها و في المفاوز وكل أرض لارب لها فهو لواجده من دون تعريف، و عليه الخمس مع صدق الكنز عليه كما مر في كتابه، و كذا لواجده ما كان مطروحاً و علم أو ظن بشهادة بعض العلائم و الخصوصيات أنه ليس لأهل زمن الواجد و أما ما علم أنه لأهل زمانه فهو لقطة، فيجب تعريفه إن كان بمقدار الدرهم فمازاد، و قد مرّ أنه يعرّف في أيّ بلد شاء.

مسألة ٣١ ـ لو علم مالك اللقطة قبل التعريف أو بعده لكن لم يمكن الايصال اليه ولا الى وارثه فني إجراء حكم اللقطة عليه من التخيير بين الأمور الثلاثة أو اجراء حكم مجهول المالك عليه و تعين التصدق به وجهان، و الأحوط إرجاع الأمر الى الحاكم.

مسألة ٣٢ ـ لو مات الملتقط فان كان بعد التعريف و التملك ينتقل الى وارثه، و ان كان بعد التعريف و قبل التملك يتخير وارثه بين الأمور الثلاثة، و إن كان

مال کا بدل اس سے لے گا اور اگر صدقہ پر راضی ہو جائے تو اس سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ البتہ صدقہ کا ثواب اسی کو ملے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب مالک مل جائے۔ لیکن اگر مالک نہ ملے تو دونوں صورتوں میں اس کے ذمہ کچھ نہیں۔

مسئلہ ۲۷: لقطے کو حاکمِ شرع کے حوالے کر دینے سے ملتقط کی گردن سے اعلان ساقط نہیں ہوتا۔ اگرچہ اعلان سے پہلے یا بعد اس چیز کو حاکمِ شرع کے سپرد کر دینا جائز ہے۔ بلکہ اگر اعلان کے بعد صدقہ دینے کو اختیار کرے تو بہتر یہ ہے کہ اسے حاکمِ شرع کے سپرد کر دے تاکہ وہ صدقہ دے۔

مسئلہ ۲۸: مالک مل جانے کے بعد اس چیز کے جو متصل فوائد ہوں وہ اس چیز کے تابع ہوں گے اور مالک انہیں بھی لے سکتا ہے چاہے وہ اعلان کے بعد یا اس سے پہلے اور مالک بننے کے بعد یا اس سے قبل حاصل ہوئے ہوں۔ لیکن وہ فوائد جو اس چیز سے جدا ہوں اگر مالک بننے کے بعد حاصل ہوئے ہوں تو وہ ملتقط کا حق ہیں۔ پس اگر وہ چیز موجود ہو تو اسے مالک کے حوالے کرے اور فائدہ خود رکھ لے، لیکن اگر وہ فوائد مدتِ اعلان کے دوران یا اس کے بعد، مالک بننے سے پہلے حاصل ہوئے ہوں تو وہ اس چیز کے مالک کا حق ہیں۔

مسئلہ ۲۹: اگر لقطہ پانے کے بعد اس سے ایسا فائدہ حاصل ہو جو اس سے الگ ہو اور ایک سال تک اس چیز کا اعلان کرے لیکن مالک کا پتہ نہ چل سکے تو آیا اس چیز کی پیروی میں اس فائدے کا بھی مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں دو وجہیں ہیں۔ زیادہ احتیاط دوسری وجہ میں ہے۔ اور وہ یہ کہ اس کو مالِ مجہول المالک قرار دے چنانچہ مالک کے پائے جانے سے ناامید ہو کر اس کو مالک کی طرف سے صدقہ دے۔

مسئلہ ۳۰: جو چیز ایسے کھنڈرات میں کہ جن کے مالک ہجرت کر چکے ہوں یا جنگلوں اور ہر اس زمین میں مدفون ملے کہ جس کا کوئی مالک نہ ہو تو جس کو ملے بغیر اعلان کئے اسی کی ہوگی اور اس پر "خزانہ" صادق آنے کی صورت میں خمس واجب ہے جیسا کہ کتابِ خمس میں بیان ہو چکا ہے۔ اسی طرح جو چیز کہیں پڑی ہوئی ملے وہ بھی پانے والے کی ہے۔ جب کہ علامتوں اور خصوصیات کی بناء پر اس کو یقین یا گمان ہو کہ وہ اس کے زمانہ والوں کی نہیں۔ لیکن جس چیز کے بارے میں یقین ہو کہ وہ اس کے زمانہ والوں کی ہے تو وہ لقطہ کہلائے گی۔ پس اگر ایک درہم یا اس سے زیادہ ہو تو اس کا اعلان واجب ہے اور اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ جس شہر میں چاہے اس کا اعلان کرے۔

مسئلہ ۳۱: اعلان سے پہلے یا اس کے بعد اگر لقطہ کے مالک کا پتہ چل جائے لیکن اس تک یا اس کے وارث تک پہونچانا ممکن نہ ہو تو اس پر لقطہ کا حکم جاری کر کے تین چیزوں کے درمیان مخیّر ہونے یا مجہول المالک کا حکم جاری کر کے صرف صدقہ دینے کے معیّن ہونے میں دو وجہیں ہیں۔ احتیاط یہ ہے کہ معاملہ حاکمِ شرع کے سپرد کر دے۔

مسئلہ ۳۲: اگر ملتقط مر جائے اور اعلان کرنے اور اس شے کو ملکیت میں لے آنے کے بعد فوت ہوا ہو تو وہ چیز اس کے وارث کو ملے گی۔ لیکن اگر اعلان کرنے کے بعد اور ملکیت میں لے آنے سے پہلے فوت

قبل التعريف أو في أثنائه فلا يبعد جريان حكم مجهول المالك عليه.

مسألة ٣٣ ـ لو وجد مالاً في دار معمورة يسكنها الغير سواء كانت ملكاً له أو مستأجرة أو مستعارة بل أو مغصوبة عرّفه الساكن، فإن ادعى ملكيته فهو له، فليدفع اليه بلا بيّنة، ولو قال: «لا أدري» ففي جريان هذا الحكم إشكال، ولو سلبه عن نفسه فالأحوط إجراء حكم اللقطة عليه، و أحوط منه إجراء حكم مجهول المالك، فيتصدق به بعد اليأس عن المالك.

مسألة ٣٤ ـ لو وجد شيئاً في جوف حيوان قد انتقل اليه من غيره فان كان غير السمك كالغنم و البقر عرّفه صاحبه السابق، فإن ادعاه دفعه اليه، و كذا ان قال: «لاأدري» على الأحوط و ان كان الأقوى أنه لواجده و ان أنكره كان للواجد، و ان وجد شيئاً لؤلؤة أو غيرها في جوف سمكة اشتراها فهو له، و الظاهر أن الحيوان الذي لم يكن له مالك سابق غير السمك بحكم السمك، كما إذا اصطاد غزالاً فوجد في جوفه شيئاً و ان كان الأحوط اجراء حكم اللقطة أو مجهول المالك عليه.

مسألة ٣٥ ـ لو وجد في داره التي يسكنها شيئاً و لم يعلم أنه ما له أو مال غيره فإن لم يدخلها غيره أو يدخلها آحاد من الناس من باب الاتفاق كالدخلانية المعدة لأهله و عياله فهو له، و ان كانت مما يتردد فيها الناس كالبرانية المعدة للأضياف و الواردين و العائدين و المضائف و نحوها فهو لقطة يجري عليه حكمها، و ان وجد في صندوقه شيئاً و لم يعلم أنه ما له أو مال غيره فهو له الا اذا كان غيره يدخل يده فيه أو يضع فيه شيئاً فيعرفه ذلك الغير، فإن أنكره كان له لا لذلك الغير، و ان ادعاه دفعه اليه، و ان قال: «لا أدري» فالأحوط التصالح.

مسألة ٣٦ ـ لو أخذ من شخص مالاً ثم علم أنه لغيره قد أخذ منه بغير وجه شرعي و عدوانا و لم يعرف المالك يجري عليه حكم مجهول المالك لا اللقطة، لما مر من أنه يعتبر في صدقها الضياع عن المالك، و لا ضياع في هذا الفرض، نعم في خصوص ما اذا أودع عنده سارق مالاً ثم تبين أنه مال غيره و لم يعرفه يجب عليه

ہوگیا ہو تو اس کا وارث تین چیزوں کے درمیان مخیّر ہے۔ اور اگر اعلان سے پہلے یا مدّتِ اعلان کے دوران فوت ہوا ہو تو اس پر مجہول المالک کا حکم جاری ہونا بعید نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۳: اگر آبادی کے ایسے مکان میں کوئی مال پائے جس میں کوئی دوسرا ساکن ہو چا ہے وہ (مکان) اس کی ملکیت ہو یا کرائے کا ہو یا مستعار ہو یا غصب کیا گیا ہو تو پہلے اس کے ساکن کو بتائے۔ پس اگر وہ اس چیز کے اپنی ملکیت ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ اسی کی ہے لہٰذا بغیر گواہ طلب کئے اس کے حوالہ کردے۔ لیکن اگر وہ کہے "میں نہیں جانتا" تو یہ حکم جاری ہونے میں اشکال ہے۔ البتہ اگر وہ کہے کہ یہ چیز میری نہیں تو احتیاطاً اس پر لقطہ کا حکم جاری ہوگا۔ اور اس سے زیادہ احتیاط مجہول المالک کا حکم جاری کرنے میں ہے۔ لہٰذا مالک سے ناامید ہوجانے کے بعد اس کو صدقہ دے دے۔

مسئلہ ۳۴: حیوان کے بطن سے اگر کوئی چیز ملے اور وہ حیوان دوسرے سے اس تک منتقل ہوا ہو۔ تو اگر وہ مچھلی نہ ہو بلکہ بکری، گائے وغیرہ ہو تو سابقہ مالک سے اس چیز کا ذکر کرے۔ چنانچہ اگر وہ اس چیز کا مدعی ہو تو اس کو دے دے اور احتیاطاً یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ جب وہ کہے "میں نہیں جانتا" اگرچہ اقویٰ یہ ہے کہ وہ چیز اسی کی ہے جس کو ملے۔

لیکن اگر مالک سابق انکار کردے تو وہ پانے والے کی ہوگی۔ اور اگر اسکی خریدی ہوئی مچھلی کے بطن میں موتی یا کوئی اور چیز ملے تو وہ اسی کی ہوگی۔ اور ظاہراً مچھلی کے علاوہ وہ حیوان جس کا سابقہ مالک نہ ہو وہ مچھلی کے حکم میں ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص ہرن کا شکار کرے اور اس کے بطن میں کچھ ملے۔ اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ اس پر لقطے یا مجہول المالک کا حکم جاری کیا جائے۔

مسئلہ ۳۵: اگر اپنے رہائشی گھر میں کوئی چیز ملے اور معلوم نہ ہو کہ وہ اس کا اپنا مال ہے یا کسی دوسرے کا تو اگر اس میں کوئی داخل نہ ہوتا ہو یا کبھی کبھی کوئی داخل ہوجاتا ہو جیسا کہ گھر کا اندرونی حصّہ جو اہل وعیال کی رہائش کے لئے ہوتا ہے تو وہ چیز اسی کی ہوگی۔ لیکن اگر اس حصّہ میں لوگوں کی آمدورفت ہو جیسے مہمانخانہ کہ جو مہمانوں، گھر میں داخل ہونے والوں، عیادت کرنے والوں اور ملنے جلنے والوں کے لئے ہوتا ہے۔ تو وہ لقطہ ہے اور لقطے کا حکم اس پر جاری ہوگا۔ اور اگر اس کے صندوق میں کچھ پایا جائے اور معلوم نہ ہو کہ اس کا اپنا مال ہے یا دوسرے کا! تو وہ اسی کا ہے مگر یہ کہ کوئی دوسرا بھی اس صندوق کو کھولتا ہو یا اس میں اپنی کوئی چیز رکھتا ہو تو اس صورت میں اس شخص کو بتائے۔ چنانچہ اگر وہ انکار کردے تو وہ چیز پانے والے کی ہوگی دوسرے کی نہیں۔ لیکن اگر اس کا ادعا کرے تو اس کے حوالے کرے۔ اور اگر وہ کہے "میں نہیں جانتا" تو احتیاطاً آپس میں مصالحت کرلیں۔

مسئلہ ۳۶: اگر کسی شخص سے کوئی مال لے۔ پھر معلوم ہو کہ کسی دوسرے کا ہے اور اس شخص نے اس سے غیر شرعی طریقہ سے زبردستی لیا ہے۔ اور مالک کو بھی نہ پہچانتا ہو تو اس پر مجہول المالک کا حکم جاری ہوگا لقطہ کا نہیں۔ اسلئے کہ پہلے عرض ہوچکا ہے کہ لقطہ صادق آنے کے لئے شرط ہے کہ کسی مالک کا مال کھو یا ہو۔

أن يمسكه ولا يردّه الى السارق مع الامكان ثم هو بحكم اللقطة فيعرّفه حولاً، فإن أصاب صاحبه ردّه عليه، و الا تصدق به، فإن جاء صاحبه بعد ذلك خيّره بين الأجر و الغرم، فإن اختار الأجر فله، و ان اختار الغرم غرم له و كان الأجر له، و ليس له على الأحوط أن يتملكه بعد التعريف، فليس هو بحكم اللقطة من هذه الجهة.

مسألة ٣٧ ـ لو التقط شيئاً فبعد ما صار في يده ادعاه شخص حاضر و قال: «إنه مالي» يشكل دفعه إليه بمجرد دعواه، بل يحتاج إلى البيّنة إلا إذا كان بحيث يصدق عرفاً أنه في يده، أو ادعاه قبل أن يلتقطه، فيحكم بكونه ملكاً للمدعي، و لا يجوز له أن يلتقطه.

مسألة ٣٨ ـ لا يجب دفع اللقطة إلى من يدعيها إلا مع العلم أو البينة و إن وصفها بصفات و علامات لا يطلع عليها غير المالك غالباً إذا لم يفد القطع بكونه المالك، نعم نسب إلى الأكثر أنه إن أفاد الظن جاز دفعها اليه، فإن تبرع بالدفع لم يمنع، و إن امتنع لم يجبر، و هو الأقوى و إن كان الأحوط الاقتصار في الدفع على صورة العلم أو البينة.

مسألة ٣٩ ـ لو تبدل مداسه بمداس آخر في مسجد أو غيره أو تبدل ثيابه في حمام أو غيره بثياب آخر فإن علم أن الموجود لمن أخذ ما له جاز أن يتصرف فيه بل يتملكه بعنوان التقاص عن ماله إذا علم أن صاحبه قد بدّله متعمداً، و جريان الحكم في غير ذلك محل إشكال و ان لا يخلو من قرب لكن بعد الفحص عن صاحبه و اليأس منه، و كذا يجب الفحص في صورة تعمده، نعم لو كان الموجود أجود مما أخذ يلاحظ التفاوت فيقوّمان معاً و يتصدق مقدار التفاوت بعد اليأس عن صاحب المتروك ، و ان لم يعلم بأن المتروك لمن أخذ ماله أو لغيره يعامل معه معاملة مجهول المالك ، فيتفحص عن صاحبه و مع اليأس عنه يتصدق به، بل الأحوط ذلك أيضاً فيما لو علم أن الموجود للآخذ لكن لم يعلم أنه قد بدل متعمداً.

اور اس فرض میں کھویا جانا صادق نہیں آتا۔ البتہ اگر خاص طور سے کوئی چور کوئی مال اس کے سپرد کرے پھر ظاہر ہو کہ وہ دوسرے کا مال ہے لیکن اسکو نہ جانتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس مال کو اپنے پاس روکے رکھے اور ممکن ہونے کی صورت میں چور کو واپس نہ دے۔ اسکے بعد وہ لقطے کے حکم میں ہوگا چنانچہ ایک سال تک اس کا اعلان کرے۔ پس اگر مالک مل جائے تو اس کو دیدے۔ اور اگر نہ ملے تو صدقہ دے دے۔ اس کے بعد اگر مالک آجائے تو اس کو اجر اور غرامت کے درمیان مخیر کرے۔ چنانچہ اگر مالک اجر کو اختیار کرے تو مال اسکا ہے۔ لیکن اگر غرامت لینا چاہے تو اسکو غرامت دے اور خود اجر کا حقدار ہوگا۔ اور احتیاطاً اسکو حق نہیں کہ اعلان کرنے کے بعد اس مال کو اپنی ملکیت بنائے۔ لہٰذا اس اعتبار سے وہ مال لقطے کے حکم میں نہیں۔

مسئلہ ۲۷: اگر کوئی چیز پائے اور جب اسکو قبضہ میں لے چکے تو وہاں موجود شخص دعویٰ کرے کہ "وہ میرا مال ہے" تو صرف اسکے دعوے کی بناء پر وہ چیز اسکو دے دینا مشکل ہے۔ بلکہ اسکے لئے گواہی کی ضرورت ہے۔ مگر یہ کہ عرفاً یہ صادق آئے کہ وہ چیز اسکے ہاتھ میں ہے۔ یا ملتقط کے اٹھانے سے پہلے دعویٰ کرے کہ وہ اس کا مال ہے تو ایسی صورت میں اس پر مدعی کا مال ہونے کا حکم جاری ہوگا۔ لہٰذا اس شخص کے لئے اس کو اٹھانا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۸: صرف کسی کے دعویٰ کی بناء پر لقطے کو اسکے حوالے کر دینا واجب نہیں مگر یہ کہ یقین ہو یا گواہ موجود ہوں چاہے وہ شخص ایسی علامتیں اور خصوصیات بھی بتا دے کہ جن کی اطلاع غالباً مالک ہی کو ہوتی ہے۔ جب تک کہ اسکے مالک ہونے کا یقین نہ ہو جائے البتہ اکثر علماء کی طرف منسوب ہے کہ اگر صرف گمان ہو جائے تو لقطے کو اسے دے دینا جائز ہے۔ اور اگر تبرعاً دینا چاہے تو اسے نہیں روکا جائے گا۔ اور اگر دینے سے انکار کر دے تو مجبور نہیں کیا جائے گا یہی اقویٰ ہے۔ اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ مال دینے میں صرف یقین اور گواہوں پر اعتماد کیا جائے۔

مسئلہ ۲۹: اگر مسجد میں یا کہیں اور اپنا جوتا کسی اور کے جوتے سے بدل لے یا حمام میں یا کسی اور جگہ اپنا لباس دوسرے کے لباس سے بدل لے۔ پس اگر اسکو یقین ہو کہ جو مال موجود ہے یہ اسی کا ہے جس کے پاس اس کا مال ہے۔ تو اس میں تصرف کرنا بلکہ بدلے (تقاص) کے عنوان سے مالک بننا جائز ہے۔ جب کہ یہ علم رکھتا ہو کہ دوسرے شخص نے عمداً (وہ مال) تبدیل کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ کسی اور صورت میں یہ حکم جاری ہونا محل اشکال ہے۔ اگرچہ مالک کو تلاش کرے اور اس کے ملنے سے مایوس ہونے کے بعد قرب سے خالی نہیں۔ اسی طرح اگر دوسرے نے عمداً مال کا تبادلہ کیا ہو تو اس کو ڈھونڈنا واجب ہے۔ البتہ جو مال موجود ہو وہ اس کے (بدلے گئے) مال سے اچھا ہو تو فرق کی رعایت کے ساتھ دونوں کی قیمت لگائی جائے گی۔ اور اس مال کے مالک کا پتہ چلنے سے ناامید ہونے کی صورت میں جو زیادہ ہے وہ اس کی طرف سے تصدق کر دیا جائیگا۔ لیکن اگر یہ معلوم نہ ہو کہ متروکہ مال اسی کا ہے (جس نے اس کا مال لیا ہے) یا کسی اور کا تو اس کے ساتھ مجہول المالک کا برتاؤ کیا جائے گا۔ پس مالک کو تلاش کریگا اور ملنے سے مایوس ہونے کے بعد اسکی طرف سے صدقہ دے گا۔ بلکہ اگر معلوم ہو کہ مالِ موجود اسی کا ہے جس نے اس کا مال لیا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے جان بوجھ کر تبدیل کیا ہے تو احتیاطاً اس صورت میں بھی وہی حکم ہے۔

خاتمة:

اذا وجد صبياً ضائعاً لا كافل له و لا يستقل بنفسه على السعي فيما يصلحه و الدفع عما يضرّه و يهلكه ـ و يقال له: اللقيط ـ يجوز بل يستحب التقاطه و أخذه بل يجب مقدمة ان توقف حفظه عليه لو كان في معرض التلف، سواء كان منبوذاً قد طرحه أهله في شارع أو مسجد و نحوهما عجزاً عن النفقة أو خوفاً من التهمة أو غيره، بل و ان كان مميزاً بعد صدق كونه ضائعا تائهاً لا كافل له، و بعد ما أخذ اللقيط و التقطه يجب عليه حضانته وحفظه و القيام بضرورة تربيته بنفسه أو بغيره، و هو أحق به من غيره الى أن يبلغ فليس لأحد أن ينتزعه من يده و يتصدى حضانته غير من له حق الحضانة شرعاً بحق النسب كالأبوين و الأجداد و سائر الأقارب، أو بحق الوصاية كوصيّ الأب أو الجد اذا وجد أحد هؤلاء، فيخرج بذلك عن عنوان اللقيط، لوجود الكافل له حينئذ، و اللقيط من لا كافل له، و كما لهؤلاء حق الحضانة فلهم انتزاعه من يد آخذه كذلك عليهم ذلك، فلو امتنعوا أجبروا عليه.

مسألة ١ ـ اذا كان للقيط مال من فراش أو غطاء زائدين على مقدار حاجته أو غير ذلك جاز للملتقط صرفه في إنفاقه باذن الحاكم أو وكيله، و مع تعذرهما و تعذر عدول المؤمنين على الأحوط جاز له ذلك بنفسه، و لا ضمان عليه، و ان لم يكن له مال فإن وجد من ينفق عليه من حاكم بيده بيت المال أو من كان عنده حقوق تنطبق عليه من زكاة أو غيرها أو متبرع كان له الاستعانة بهم في إنفاقه أو الانفاق عليه من ماله، و ليس له حينئذ الرجوع على اللقيط بما أنفقه بعد بلوغه و يساره و ان نوى الرجوع عليه، و ان لم يكن من ينفق عليه من أمثال ما ذكر تعيّن عليه و كان له الرجوع عليه مع قصد الرجوع لا بدونه.

خاتمہ:

جب ایسا بچہ ملے کہ جو گم ہو گیا ہو اور بے کفیل ہو اور خود بھی اپنے مصالح کے سلسلہ میں سعی اور مفاسد و مہلکات سے اپنی حفاظت نہ کر سکتا ہو۔ اور اسے لقیط کہا جاتا ہو۔ تو اس کو اٹھا کر اپنی حفاظت میں لے لینا جائز بلکہ مستحب ہے۔ بلکہ اگر بچہ تلف ہونے والا ہو اور اس کی جان بچانا اس کے اٹھا لینے پر موقوف ہو تو اس کو اٹھا لینا بطورِ مقدمہ واجب ہے۔ چاہے وہ ایسا متروک بچہ ہو کہ جس کو اس کے رشتہ داروں نے خرچ سے عاجز آ کر یا تہمت لگنے کے خوف سے سڑک یا مسجد وغیرہ میں ڈال دیا ہو۔ بلکہ اگر بچہ ممیز بھی ہو مگر اس پر گم شدہ، سرگرداں ہونا اور بے سرپرست ہونا صادق آتا ہو۔ چنانچہ ایسے بچے کو لقطہ بنا لینے کے بعد اس کی حفاظت، تعلیم و تربیت، بذاتِ خود یا کسی اور کے ذریعہ اس پر واجب ہے۔ اور دوسرے کی نسبت وہ زیادہ حقدار ہے۔ یہاں تک کہ بچہ بالغ ہو جائے اور کسی کو حق نہیں کہ بچے کو اس سے لے کر اس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے۔ مگر یہ کہ وہ شخص نسب کے حق کی وجہ سے شرعی طور پر اسکی حفاظت کا حق رکھتا ہو جیسے والدین، اجداد اور تمام رشتہ دار یا وصیت کے حق کی بناء پر حفاظت کا حق رکھتا ہو، باپ یا دادا کا وصی۔ بشرطیکہ ان میں سے کوئی ایک مل جائے۔ چنانچہ ایسی صورت میں وہ لقیط کے عنوان سے نکل جائیگا۔ اسلئے کہ اب اسکا کفیل موجود ہے۔ جبکہ لقیط وہ ہوتا ہے جو بے کفیل ہو۔ جس طریقہ سے ان لوگوں کو حفاظت کا حق پہونچتا ہے اور بچہ کو وہ اٹھانے والے سے لے سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ کام ان پر لازمی ہے۔ لہٰذا اگر اس سے انکار کریں تو انھیں اس پر مجبور کیا جائے گا۔

مسئلہ ۱: اگر "لقیط" کے پاس اپنا مال جیسے فرش اور پردہ وغیرہ ہو جو اس کی ضرورت سے زائد ہوں یا اس کے علاوہ کچھ اور ہو۔ تو حاکم شرع یا اس کے وکیل کی اجازت سے ملتقط کے لئے جائز ہے کہ اس چیز کو بچے کے نفقہ میں صرف کرے۔ اور دونوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو اور عادل مومنین بھی نہ ہوں تو احتیاطاً ملتقط کے لئے بنفسِ نفیس یہ کام جائز ہے اور وہ ضامن بھی نہیں۔ لیکن اگر بچے کا کچھ مال نہ ہو۔ پس اگر ایسا شخص موجود ہو جو اس پر خرچ کرے، جیسے حاکم شرع کہ جس کے پاس بیت المال ہو۔ یا کوئی اور شخص کہ جس کے پاس ایسے حقوق ہوں جو بچہ پر خرچ کئے جا سکتے ہوں جیسے زکوٰۃ وغیرہ یا فی سبیل اللہ خرچ کرنے والا کوئی موجود ہو تو ملتقط بچہ کے اخراجات کے لئے ان سے مدد لے۔ یا اپنے مال سے خرچ کرے۔ ایسی صورت میں بچے کے بالغ اور خود کفیل ہو جانے کے بعد وہ اس سے اخراجات کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ چاہے اس کا یہی قصد رہا ہو، اور اگر خرچ کرنے والے مذکورہ اشخاص کے مانند کوئی موجود نہ ہو تو اسی شخص کو خرچ کرنا پڑے گا۔ اور چنانچہ اگر اس کی یہ نیت ہو کہ بعد میں واپس لے گا تو یہ حق رکھتا ہے۔ لیکن اگر یہ نیت نہ ہو تو نہیں رکھتا۔

مسألة ٢ ـ يشترط في الملتقط البلوغ و العقل و الحرية، و كذا الاسلام ان كان اللقيط محكوماً بالاسلام.

مسألة ٣ ـ لقيط دارالاسلام محكوم بالاسلام، و كذا لقيط دار الكفر اذا وجد فيها مسلم احتمل تولد اللقيط منه، و ان كان في دارالكفر و لم يكن فيها مسلم أو كان و لم يحتمل كونه منه يحكم بكفره، و فيما كان محكوماً بالاسلام لو أعرب عن نفسه الكفر بعد البلوغ يحكم بكفره، لكن لا يجري عليه حكم المرتد الفطرى على الأقوى.

maablib.org

مسئلہ ۲: ملتقط کا بالغ، عاقل اور آزاد ہونا شرط ہے۔ اور اسی طرح اگر لقیط اسلام کے حکم میں ہو تو اس کا مسلمان ہونا بھی لازمی ہے۔

مسئلہ ۳: اسلامی مملکت میں پایا جانے والا "لقیط" اسلام کے حکم میں ہے۔ اسی طرح غیر اسلامی مملکت میں بھی اگر مسلمان رہتے ہوں اور یہ احتمال ہو کہ لقیط ان سے متولد ہوا ہے اور اگر مملکت کفار کی ہو اور اس میں کوئی مسلمان نہ رہتا ہو۔ یا رہتا ہو مگر اس سے متولد ہونے کا احتمال نہ ہو تو (لقیط) کفر کے حکم میں ہوگا۔ اور اس صورت میں کہ جب بچہ اسلام کے حکم میں ہو اگر بالغ ہونے کے بعد اپنے کافر ہونے کا اظہار کرے تو اس پر کفر کا حکم لاگو ہوگا۔ لیکن اقویٰ یہ ہے کہ اس پر مرتد فطری ہونے کا حکم جاری نہیں ہوگا۔

maablib.org

كتاب النكاح

و هو من المستحبات الأكيدة، و ما ورد في الحث عليه و الذم على تركه مما لا يحصى كثرة، فعن مولانا الباقر عليه السلام قال: «قال رسول الله صلى الله عليه و آله: ما بني بناء في الاسلام أحب الى الله عزّوجل من التزويج» و عن مولانا الصادق عليه السلام «ركعتان يصليهما المتزوج أفضل من سبعين ركعة يصليها عزب» و عنه عليه السلام قال: «قال رسول الله صلى الله عليه و آله: رذال موتاكم العزاب» و في خبر آخر عنه صلى الله عليه و آله «أكثر أهل النار العزاب» و لا ينبغي أن يمنعه الفقر و العيلة بعد ما وعد الله عزوجل بالاغناء و السعة بقولهعزّ من قائل «إن يكونوا فقراء يغنهم الله من فضله» فعن النبي صلى الله عليه و آله «من ترك التزويج مخافة العيلة فقد أساء الظن بالله عزوجل» هذا.

و مما يناسب تقديمه على مقاصد هذا الكتاب أمور: بعضها متعلق بمن ينبغي اختياره للزواج و من لا ينبغي، و بعضها في آداب العقد، و بعضها في آداب الخلوة مع الزوجة، و بعضها من اللواحق التي لها مناسبة بالمقام، و هي تذكر في ضمن مسائل.

مسألة ١ ـ مما ينبغي أن يهتم به الانسان النظر في صفات من يريد تزويجها،

کتابِ نکاح

نکاح مستحب مؤکد ہے۔ چنانچہ نکاح کرنے کی ترغیب دلانا اور اس کے ترک کر دینے کی مذمت کے طور پر اتنی زیادہ حدیثیں وارد ہوئی ہیں جنکو شمار کرنا ناممکن ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے "پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا" دینِ اسلام میں کوئی کام نکاح سے بڑھ کر پروردگارِ عالم کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے"۔ اور ہمارے آقا و مولا امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "شادی شدہ آدمی کی دو رکعت نماز غیر شادی شدہ کی ستر رکعتوں سے بہتر ہے"۔ اور دوسرے مقام پر چھٹے امامؑ نبی اکرمؐ سے نقل کرتے ہیں "تمھارے مُردوں میں سے بدترین لوگ غیر شادی شدہ ہیں"۔ ایک اور حدیث میں آنحضرتؐ سے مروی ہے "جہنم میں جانے والے اکثر غیر شادی شدہ ہوں گے"۔ خبردار! فقر و تنگدستی کے بہانے کوئی شخص شادی سے محروم نہ رہ جائے جبکہ پروردگارِ عالم شادی کے بدلے ہر طرح سے فارغ البال کر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ نور میں ارشاد ہے "اگر وہ فقیر و محتاج ہونگے تو اللہ انھیں اپنے فضل کے طفیل بے نیاز کر دے گا"۔ اسی لئے حضورِ سرورِ کائنات محمد مصطفٰیؐ نے فرمایا ہے "جو شخص محتاجی اور تنگدستی کے خوف سے شادی نہ کرے وہ اللہ کے بارے میں بدگمانی رکھتا ہے"۔

اس کتاب کے اصل موضوع اور مقاصد سے پہلے چند امور کا ذکر کر دینا نہایت ہی مناسب ہے۔
۱: یہ کہ کس کے ساتھ شادی کی جائے اور کس کو شادی کے لحاظ سے نامناسب قرار دیا جائے ۲: عقد کے آداب کیا ہیں ۳: زوجہ کے ساتھ تنہائی کے لمحات میں کن امور کی رعایت کی جائے؟ اس کے علاوہ کچھ امور ملحقات سے متعلق ہیں جن کا ذکر مسائل کے ضمن میں آئے گا۔

مسئلہ ۱: کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے انتخاب میں انسان کو گہری اور ماہرانہ نظر سے کام لینا چاہیئے۔ ان چیزوں میں سے ایک چیز شریکِ حیات کا انتخاب ہے اس انتخاب سے پہلے انسان کو اسکی صفات اور خوبیوں کا بنظرِ غائر جائزہ لینا چاہیئے۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے۔ اپنے نطفوں کے لئے انتخاب کرکے اور چھانٹ کر عورتیں اختیار

فعن النبي صلى الله عليه و آله «اختاروا لنطفكم فان الخال أحد الضجيعين» و في خبر آخر «تخيروا لنطفكم فان الأبناء تشبه الأخوال» و عن مولانا الصادق عليه السلام لبعض أصحابه ـ حين قال: قدهممت أن أتزوج: «أنظر أين تضع نفسك و من تشركه في مالك و تطلعه على دينك و سرك، فان كنت لابد فاعلاً فبكراً تنسب إلى الخير و حسن الخلق» الخبر، و عنه عليه السلام «انما المرأة قلادة، فانظر ما تتقلد، و ليس للمرأة خطر لا لصالحتهن و لا لطالحتهن، فأمّا صالحتهن فليس خطر ها الذهب و الفضة، هي خير من الذهب و الفضة، و أما طالحتهن فليس خطرها التراب، التراب خير منها» و كما ينبغي للرجل أن ينظر فيمن يختارها للتزويج كذلك ينبغي ذلك للمرأة و أوليائها بالنسبة إلى الرجل، فعن مولانا الرضا عن آبائه عليهم السلام عن رسول الله صلى الله عليه و آله أنه قال: «النكاح رق، فاذا أنكح أحدكم و ليدته فقد أرقها، فلينظر أحدكم لمن يرق كريمته».

مسألة ٢ ـ ينبغي أن لا يكون النظر في اختيار المرأة مقصوراً على الجمال و المال، فعن النبي صلى الله عليه و آله «من تزوج امرأة لا يتزوجها إلا لجمالها لم يرفيها ما يحب، و من تزوجها لمالها لا يتزوجها إلا له و كله الله إليه، فعليكم بذات الدين» بل يختار من كانت واجدة لصفات شريفة صالحة قد وردت في مدحها الأخبار فاقدة لصفات ذميمة قد نطقت بذمها الآثار، و أجمع خبر في هذا الباب ما عن النبي صلى الله عليه و آله أنه قال: «انّ خير نسائكم الولود الودود العفيفة، العزيزة في أهلها، الذليلة مع بعلها المتبرجة مع زوجها، الحصان على غيره، التي تسمع قوله و تطيع أمره ـ إلى أن قال ـ ألا أخبركم بشرار نسائكم؟ الذليلة في أهلها، العزيزة مع بعلها، العقيم الحقود التي لا تتورع من قبيح، المتبرجة إذا غاب عنها بعلها الحصان معه إذا حضر، لا تسمع قوله، و لا تطيع أمره، و إذا خلا بها بعلها تمنعت منه كما تمنع الصعبة عن ركوبها، لا تقبل منه عذراً و لا تقيل له ذنباً» و في خبر آخر عنه صلى الله عليه و آله «إياكم و خضراء

کرو۔ بیشک دائی دردِ بخواہوں میں سے ایک ہے" دوسری حدیث میں ارشاد ہے "اپنے نطفوں کے لئے (عفیفہ عورت) اختیار کرو بیشک بچے دائیوں کے نقشِ قدم پر جاتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور جب کسی صحابی نے عرض کی "مولا میں شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں" تو حضرتؑ نے فرمایا "خیال رکھنا کہ اپنے نفس کو کس کے حوالے کر رہے ہو۔ اور کس کو اپنے اموال میں شریک بنا رہے ہو اور اپنے "دین" اور "راز" پر کسے آگاہ کر رہے ہو؟ لہٰذا اگر تمھیں شادی کرنا ہی ہے تو ایسی کنواری شریکِ حیات کا انتخاب کرو جو نیک نام اور اچھے اخلاق والی ہو الخ" ایک اور مقام پر حضرتؑ کا ارشاد ہے "عورت انسان کے گلے میں پٹے کی مانند ہے۔ لہٰذا تم دیکھو کہ کیا چیز اپنے گلے میں ڈال رہے ہو۔ یاد رکھو کہ عورت چاہے اچھی ہو یا بُری اس کی کوئی قیمت نہیں مقرر کی جا سکتی۔ جہاں تک نیک عورت کا سوال ہے تو سونا چاندی اس کی قیمت نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ وہ سونے چاندی سے بہتر ہوا کرتی ہے۔ اور بُری عورت تو خاک کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتی بلکہ خاک اس سے بہتر ہوتی ہے" جس طرح مرد کو عورت کے انتخاب سے پہلے اس کی اچھائی بُرائی جانچنے کا اختیار اور حق حاصل ہے اسی طرح عورت اور اس کے سرپرستوں کی بھی ذمّہ داری ہے کہ وہ اس کے لئے شوہر کے انتخاب سے پہلے اسے اچھی طرح جانچ پرکھ لیں۔ امام رضا علیہ السلام آئمہ معصومینؑ کے حوالے سے حضور سرورِ کائناتؐ سے ناقل ہیں "نکاح ایک طرح کی غلامی ہے۔ بیٹی کو کسی کے نکاح میں دینے والا گویا اسے شوہر کی غلامی میں دے دیتا ہے۔ لہٰذا اچھی طرح دیکھ لو کہ اپنی نورِ چشم کو کس کی ملکیت میں دے رہے ہو؟

مسئلہ ۲: عورت کے انتخاب کے سلسلہ میں مرد کی نظرِ انتخاب کا محور عورت کا ظاہری حُسن و جمال، اور اس کا مال ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "جو شخص کسی عورت سے شادی کرے اور اس کا مطمعِ نظر اس عورت کا ظاہری حُسن ہو تو وہ اس عورت میں اپنی مُراد نہیں پائے گا اور جو شخص صرف مال کی خاطر کسی عورت سے ازدواج کرے تو پروردگارِ عالم اسے مال کے حوالے کر دیتا ہے۔ لہٰذا یاد رکھو! تمھارا مقصودِ نظر عورت کا دین ہونا چاہیئے" بلکہ ایسی عورت سے شادی کرے کہ جس کے اندر وہ اچھی صفات موجود ہوں جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے اور ان بُری عادتوں سے مبرّا و منزّہ ہو جنکی نشاندہی روایات میں کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں نبی اکرمؐ نے ایک حدیث میں عورت کی تمام خوبیوں کو جمع کر دیا ہے ارشاد ہو رہا ہے "عورت کی بہترین خوبیاں یہ ہیں کہ اس کے اندر اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت، جذبۂ محبت و اُلفت موجود ہونے کے ساتھ وہ پاک دامن اور اپنے خاندان کی نگاہوں میں عزیز ہو، اپنے شوہر کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آئے، اپنا حُسن و جمال اس پر ظاہر کرے اور دوسروں سے پوشیدہ رکھے، اپنے شوہر کی بات مانے اور اس کے حکم کی پیروی کرے" اس کے بعد حضرتؐ نے فرمایا "بدترین عورت کو اگر پہچاننا چاہتے ہو تو بدترین عورت وہ ہوا کرتی ہے جو اپنے خاندان کی نظر میں پست، اپنے شوہر کے سامنے غیر متواضع، بانجھ، کینہ ور، بدی سے اجتناب نہ کرنے والی، اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں اپنے حُسن و جمال کو آشکار کرنے والی اور شوہر کی موجودگی میں اسے پوشیدہ رکھنے والی، شوہر کا حکم نہ ماننے والی، اور اُسے ہمبستری سے منع کرنے والی، بالکل اسی طرح جس طرح اناڑی جانور سواری نہیں کرنے دیتا۔ نہ تو شوہر کا عذر

الدمن، قيل يا رسول الله: و ما خضراء الدمن؟ قال: المرأة الحسناء في منبت السوء».

مسألة ٣ ـ يكره تزويج الزانية و المتولدة من الزنا و أن يتزوج الشخص قابلته أو ابنتها.

مسألة ٤ ـ لا ينبغي للمرأة أن تختار زوجاً سيّىء الخلق و المخنّث و الفاسق و شارب الخمر.

مسألة ٥ ـ يستحب الاشهاد في العقد و الاعلان به والخطبة أمامه، أكملها ما اشتملت على التحميد و الصلاة على النبي صلى الله عليه و آله و الأئمة المعصومين(ع) و الشهادتين و الوصية بالتقوى و الدعاء للزوجين و يجزي الحمد لله و الصلاة على محمد و آله، بل يجزي التحميد فقط و إيقاعه ليلاً، و يكره إيقاعه و القمر في برج العقرب و إيقاعه في محاق الشهر و في أحد الأيام المنحوسة في كل شهر المشتهرة في الألسن بكوامل الشهر، و هي سبعة: الثالث و الخامس و الثالث عشر و السادس عشر والحادي و العشرون و الرابع والعشرون و الخامس و العشرون.

مسألة ٦ ـ يستحب أن يكون الزفاف ليلاً و الوليمة في ليله أو نهاره فانها من سنن المرسلين و عن النبي صلى الله عليه و آله «لا وليمة إلا في خمس في عرس او خرس أو عذار أو وكار أو ركاز» يعني للتزويج أو ولادة الولد او الختان او شراء الدار أو القدوم من مكة، و انما تستحب يوماً أو يومين لا أزيد للنبوي «الوليمة في الأول حق، و يومان مكرمة، و ثلاثة أيام رياء و سمعة» و ينبغي أن يدعى لها المؤمنون، و يستحب لهم الاجابة و الأكل و ان كان المدعو صائماً نفلاً، و ينبغي أن يعم صاحب الدعوة الأغنياء و الفقراء، و أن لا يخصمها بالاغنياء، فعن النبي صلى الله عليه و آله «شر الولائم أن يدعى لها الأغنياء و يترك الفقراء».

مسألة ٧ ـ يستحب لمن أراد الدخول بالمرأة ليلة الزفاف أو يومه أن يصلي ركعتين ثم يدعو بعدهما بالمأثور، و أن يكونا على طهر، و أن يضع يده على ناصيتها

قبول کرتی ہو اور نہ اس کی غلطی کو درگزر کرتی ہو۔" اس کے علاوہ ایک دوسری حدیث میں نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے۔ غلاظت کے ڈھیر پر اُگنے والی ہری سبزی سے پرہیز کرو۔" عرض کی گئی "حضورؐ اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا "اس سے مراد وہ عورت ہے جو ظاہری حُسن و جمال سے آراستہ ہو مگر بُری صفات کی حامل ہو۔"

مسئلہ ۳: زانیہ عورت، یا زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی عورت سے شادی کرنا اور اسی طرح اپنی "دائی" یا اس کی لڑکی سے شادی کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ ۴: عورت کے لئے بداخلاق، شراب خور، نامرد اور فاسق انسان کو اپنے لئے شوہر کے طور پر منتخب کرنا سزاوار نہیں۔

مسئلہ ۵: عقدِ نکاح پر گواہ بنانا، علی الاعلان عقد پڑھنا اور عقد سے پہلے خطبہ پڑھنا مستحب ہے۔ کامل ترین خطبہ وہ ہے جس میں اللہ کی حمد و ثنا، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام پر صلوات و درود، تقویٰ اور پرہیزگاری کے بارے میں نصیحت، میاں بیوی کے لئے دُعا اور توحید، رسالت اور امامت کی گواہی شامل ہو۔ البتہ صرف اللہ کی حمد و ثنا اور نبی اکرمؐ اور ان کی آلِ پاک پر درود بھیجنا ہی کافی ہے، بلکہ صرف حمد و ثنائے پروردگار ہی کافی ہے۔ اس کے علاوہ رات میں نکاح پڑھنا مستحب ہے۔ اور "قمر در عقرب" کے زمانہ، قمری مہینے کے آخری ایام (کہ جب چاند بالکل غائب ہو جاتا ہے) اور ہر مہینے کے نحس ایام میں کہ جنھیں "کوامل ماہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے عقد پڑھنا مکروہ ہے۔ "کوامل ماہ" ہر مہینے کے تیسرے، پانچویں، تیرھویں، سولھویں، اکیسویں، چوبیسویں اور پچیسویں دن کو کہتے ہیں۔

مسئلہ ۶: مستحب ہے کہ "زفاف" رات میں ہو اور ولیمہ "شبِ زفاف"، یا اس کے دن میں دیا جائے۔ اور "ولیمہ" کے "سنتِ مرسلین" ہونے میں کوئی شک نہیں۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے۔ "ولیمہ صرف پانچ چیزوں میں ہے۔ شادی، بچے کی پیدائش، اس کے ختنے۔ گھر کی خریداری اور حج سے واپسی کے موقع پر۔ اور صرف ایک یا دو دن ولیمہ مستحب ہے اس سے زیادہ نہیں، اس لئے کہ حدیث نبویؐ میں منقول ہے "پہلے روز ولیمہ "حق" ہے۔ دوسرے روز بزرگی اور کرامت، جب کہ تیسرے روز ریاکاری اور شہرت طلبی کی دلیل ہے۔ بہتر ہے کہ ولیمہ میں مومنینِ کرام کو دعوت دی جائے۔ اور مومنین پر دعوت قبول کرنا اور کھانا تناول کرنا مستحب ہے چاہے جسے دعوت دی جائے وہ مستحبی روزے سے ہی کیوں نہ ہو۔ دعوت دینے والے کو چاہئے کہ وہ مالدار اور فقیر کی تفریق کے بغیر سب کو دعوت دے۔ تنہا مالداروں کو ہی ولیمہ میں نہ بلائے۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے "بدترین ولیمے وہ ہیں جن میں مالداروں کو دعوت دی جائے اور فقیروں کو نظر انداز کر دیا جائے۔

مسئلہ ۷: شبِ زفاف، یا یوم زفاف میں عورت کے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے مستحب ہے کہ دو رکعت نماز پڑھے اور اس کے بعد وہ دُعا پڑھے جو اس سلسلے میں ائمہ معصومین علیہم السلام سے نقل ہے۔ میاں بیوی دونوں باطہارت ہوں اور شوہر کے لئے مستحب ہے کہ وہ قبلہ کی جانب رُخ کر کے اپنا ہاتھ دلہن کی پیشانی پر رکھے اور کہے۔ اے اللہ! تیرے حکم کے مطابق میں نے اس سے شادی کی ہے۔ اور

مستقبل القبلة، و يقول: «أللهم على كتابك تزوجتها، و في أمانتك أخذتها، و بكلماتك استحللت فرجها، فان قضيت في رحمها شيئاً فاجعله مسلماً سوياً، ولا تجعله شرك شيطان».

مسألة ٨ ـ للخلوة بالمرأة مطلقاً ولو في غير الزفاف آداب، وهي بين مستحب و مكروه.

أما المستحبة فمنها ـ أن يسمّي عند الجماع، فانه وقاية عن شرك الشيطان، فعن الصادق عليه السلام «انه إذا أتى أحدكم أهله فليذكر الله، فان لم يفعل و كان منه ولد كان شرك شيطان» و في معناه أخبار كثيرة.

ومنها ـ أن يسأل الله تعالى أن يرزقه ولداً تقياً مباركاً زكياً ذكراً سوياً.

ومنها ـ أن يكون على وضوء سيما إذا كانت المرأة حاملاً.

و أما المكروهة فيكره الجماع في ليلة خسوف القمر، و يوم كسوف الشمس، و يوم هبوب الريح السوداء و الصفراء و الزلزلة، و عند غروب الشمس حتى يذهب الشفق، و بعد طلوع الفجر إلى طلوع الشمس، و في المحاق، و في أول ليلة من كل شهر ما عدا شهر رمضان، و في ليلة النصف من كل شهر و ليلة الأربعاء، و في ليلتي الأضحى و الفطر، و يستحب ليلة الاثنين و الثلاثاء و الخميس و الجمعة و يوم الخميس عند الزوال، و يوم الجمعة بعد العصر، و يكره الجماع في السفر إذا لم يكن معه ماء يغتسل به، و الجماع و هو عريان و عقيب الاحتلام قبل الغسل، نعم لا بأس بأن يجامع مرات من غير تخلل الغسل بينها و يكون غسله أخيراً، لكن يستحب غسل الفرج و الوضوء عند كل مرة و أن يجامع و عنده من ينظر إليه حتى الصبي و الصبية، و الجماع مستقبل القبلة و مستدبرها، و في السفينة، والكلام عند الجماع بغير ذكر الله، و الجماع و هو مختضب أو هي مختضبة، و على الامتلاء من الطعام، فعن الصادق عليه السلام «ثلاث يهدمن البدن و ربما قتلن، دخول الحمام على البطنة، و الغشيان على الامتلاء، و نكاح العجائز» و يكره الجماع قائماً، و تحت السماء، و تحت

تیری امانت کے طور پر اس کو اپنی شریک حیات بنایا ہے ۔ تیرے کلمات کے ذریعہ اس کی شرمگاہ کو اپنے لئے حلال قرار دیا ہے ۔ پس اگر تو نے اس کے رحم میں نطفہ مستقر کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو اسے صحیح و سالم اور مسلمان قرار دے اور اس میں شیطان کو شریک نہ بنا ۔"

مسئلہ ۸ : بیوی کے ساتھ تنہائی کے لمحات کے لئے چاہے زفاف ہو یا نہ ہو ہر حال میں کچھ آداب معین کئے گئے ہیں جن میں سے بعض چیزیں مستحب ہیں اور بعض مکروہ ۔

مستحب چیزیں : ۱ ـــــ مباشرت کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے ۔ اس لئے کہ اللہ کا نام لینے سے شیطان کی مداخلت کا خطرہ ٹل جاتا ہے ۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے ۔ "جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے مباشرت کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ کا ذکر کرے ، اگر کسی نے ایسا نہ کیا اور فرزند متولد ہو گیا تو اس میں شیطان کی شرکت ہو گی " اس مضمون کی روایتیں کثیر تعداد میں ہیں ۔

۲ ـــــ مستحب ہے کہ انسان اللہ سے دعا کرے کہ وہ اسے متقی ، بابرکت ، ذہین و ہوشیار صحیح و سالم بیٹا عطا فرمائے ۔

۳ ـــــ مباشرت کے وقت باوضو ہونا مستحب ہے خاص طور سے جب عورت حاملہ ہو ۔

مکروہات : چاند گہن کی شب ، سورج گہن والے دن ، جس روز سیاہ اور زرد آندھیاں چل رہی ہوں یا زلزلہ آیا ہو اور سورج ڈوب جانے کے بعد سرخی زائل ہو جانے تک ، صبح صادق سے طلوع آفتاب کے درمیان ، قمری مہینے کے آخری ایام میں ، ماہ رمضان کے علاوہ ہر ماہ کی پہلی رات کو ، ہر مہینے کی درمیانی شب میں ، بدھ کی رات میں اور عید فطر اور عید قربان کی راتوں میں مباشرت کرنا مکروہ ہے ، پیر ، منگل ، جمعرات اور جمعہ کی راتوں اور جمعرات کے دن میں زوال کے وقت اور جمعہ کے دن عصر کے بعد جماع کرنا مستحب ہے ۔ اور سفر کے دوران اگر غسل کے لئے پانی ساتھ ہو تو جماع کرنا مکروہ ہے ۔ اسی طرح بالکل برہنہ ہو کر ، اور احتلام کے بعد غسل کر لینے سے پہلے جماع کرنا مکروہ ہے ۔ البتہ درمیان میں غسل کئے بغیر پے در پے کئی بار جماع کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔ پس سب کے لئے ایک ہی غسل جنابت انجام دے ۔ لیکن کئی بار جماع کرنے کی صورت میں ہر بار جماع سے پہلے شرمگاہ کو دھونا اور وضو کرنا مستحب ہے ۔ کسی کی موجودگی میں چاہے بچہ یا بچی ہو جماع کرنا ، قبلہ کی جانب رخ یا پیٹھ کر کے جماع کرنا اور کشتی میں جماع کرنا مکروہ ہے ۔ اور جماع کے موقع پر ذکر خدا کے علاوہ گفتگو کرنا اور ایسی حالت میں جماع کرنا کہ جب میاں بیوی نے یا کسی ایک نے مہندی لگا رکھی ہو اور پیٹ بھرے ہونے کی حالت میں جمع کرنا مکروہ ہے ۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے ۔ تین چیزیں انسانی بدن کے نظام کو درہم برہم کر دیتی ہیں اور اکثر انسان کی ہلاکت کا باعث بنتی ہیں :

۱ ـــــ شکم پر ہونے کی حالت میں نہانا ۲ ـــــ ایسی ہی حالت میں عورت سے مباشرت کرنا ۳ ـــــ بوڑھی عورت سے شادی کرنا ۔

حالت قیام میں ، زیر آسمان ، پھل دار درخت کے نیچے جماع کرنا مکروہ ہے ۔ اور عورت اور مرد

الشجرة المثمرة، و يكره أن تكون خرقة الرجل و المرأة واحدة، بل يكون له خرقة و لها خرقة، و لا يمسحا بخرقة واحدة فتقع الشهوة على الشهوة، في الخبر «إن ذلك يعقب بينهما العداوة».

مسألة ٩ ـ يستحب التعجيل في تزويج البنت و تحصينها بالزوج عند بلوغها، فعن الصادق عليه السلام «من سعادة المرء أن لا تطمث ابنته في بيته» و في الخبر «ان الأبكار بمنزلة الثمر على الشجر إذا أدرك ثمارها فلم تجتن أفسدته الشمس و نثرته الرياح، وكذلك الأبكار إذا أدركن ما تدرك النساء فليس لهن دواء إلا البعولة» و أن لا يرد الخاطب إذا كان من يرضى خلقه ودينه و أمانته، و كان عفيفاً صاحب يسار، و لا ينظر إلى شرافة الحسب و علو النسب، فعن علي عليه السلام عن النبي صلى الله عليه و آله «إذا جاء كم من ترضون خلقه و دينه فزوّجوه، قلت: يا رسول الله و إن كان دنياً في نسبه، قال: إذا جاء كم من ترضون خلقه و دينه فزوّجوه، إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض و فساد كبير».

مسألة ١٠ ـ يستحب السعي في التزويج و الشفاعة فيه و إرضاء الطرفين فعن الصادق عليه السلام قال: «قال أميرالمؤمنين عليه السلام: أفضل الشفاعات أن تشفع بين إثنين في نكاح حتى يجمع الله بينهما» و عن الكاظم عليه السلام قال: «ثلاثة يستظلون بظل عرش الله يوم القيامة يوم لا ظل إلا ظله: رجل زوج أخاه المسلم أو أخدمه أو كتم له سراً» و عن النبي صلى الله عليه و آله «من عمل في تزويج بين مؤمنين حتى يجمع بينهما زوجه الله ألف امرأة من الحورالعين كل امرأة في قصر من درّ و ياقوت، و كان له بكل خطوة خطاها أو بكل كلمة تكلم بها في ذلك عمل سنة قام ليلها و صام نهارها، و من عمل في فرقة بين امرأة و زوجها كان عليه غضب الله و لعنته في الدنيا و الآخرة، و كان حقاً على الله أن يرضخه بألف صخرة من نار، و من مشى في فساد ما بينهما و لم يفرق كان في سخط الله عزوجل و لعنته في الدنيا و الآخرة، و حرّم عليه النظر إلى وجهه».

کا ایک ہی کپڑے سے منی صاف کرنا مکروہ ہے بلکہ دونوں کا کپڑا الگ الگ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ایک ہی کپڑے سے دونوں منی صاف نہ کریں اس لئے کہ اس سے شہوت پر شہوت واقع ہوتی ہے اور حدیث میں ہے کہ "اس سے دونوں کے درمیان دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔"

مسئلہ ۹: بالغ ہونے کے بعد بیٹی کی شادی کرنے اور اس کو شوہر کی حفاظت میں دے دینے میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے "انسان کی خوش نصیبی ہے کہ اسکی بیٹی اس کے گھر میں خونِ حیض نہ دیکھے۔" چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ "باکرہ لڑکیاں درختوں کے پھلوں کی مانند ہیں۔ اگر تیار ہونے کے بعد پھل نہ توڑے جائیں تو سورج کی گرمی انھیں خراب کر دیتی اور تیز ہوائیں انھیں زمین پر گرا دیتی ہیں۔ یہی حالت باکرہ لڑکیوں کی ہے۔ جب وہ ایسی منزل پر پہنچ جائیں جہاں عورتیں پہونچا کرتی ہیں تو پھر شادی کے علاوہ ان کا کوئی علاج نہیں۔" اور ایسا خواستگار جو دینی اور اخلاقی اعتبار سے پسندیدہ ہو نیک سیرت اور قدرے مالدار ہو، اسے نہیں ٹھکرانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ شرافت حسب اور بلندئ نسب کو معیار نہیں بنانا چاہیئے۔ اس لئے کہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے کہ نبیؐ نے فرمایا "جب کوئی ایسا شخص تم سے رشتہ مانگے جس کا دین اور اخلاق تمھیں پسند ہو تو اس کے ساتھ شادی کر دو، میں نے عرض کی "اے رسولؐ خدا! چاہے اسکا نسب پست ہی ہو"؟ آنحضرتؐ نے فرمایا "جب ایسا شخص تمھارے پاس رشتہ کی خواہش لے کر آئے جو دینی اور اخلاقی اعتبار سے تمھارے نزدیک پسندیدہ ہو تو اس سے شادی کر دو، اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں زبردست فتنہ و فساد برپا ہوگا۔"

مسئلہ ۱۰: شادی کے سلسلہ میں بھاگ دوڑ، سفارش اور طرفین کو راضی کرنا مستحب ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے "کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا "بہترین سفارش یہ ہے کہ تم نکاح کے سلسلہ میں طرفین سے سفارش کرو تاکہ اللہ ان دونوں کو اکٹھا کر دے" اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں "قیامت کے دن جب تمام سائے نابود ہو جائیں گے صرف اللہ کا سایہ باقی ہوگا۔ اس روز تین قسم کے آدمی عرش الہی کے سائے میں ہوں گے ۱: جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی شادی کرائے ۲: اس کی خدمت کرے ۳: اور اس کے راز کو چھپائے رکھے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "جو شخص دو مومنوں کی شادی کے سلسلہ میں ایسا کام کرے کہ اللہ انھیں رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دے خداوند عالم ہزار کشادہ چشم حوریں کو اس کی زوجیت میں دے گا اور ہر ایک موتی اور یاقوت کے قصر میں ہوگی۔ اور اس راہ میں اس کے ہر قدم اور ہر کلمہ کا ثواب ایک سال کے عمل کے برابر ہے۔ کہ جسکی راتوں میں قیام اور دنوں میں صیام کی حالت میں رہا ہو۔ اور جو شخص میاں بیوی کے درمیان جدائی کا بیج بوئے دنیا و آخرت میں وہ خدا کے غضب اور لعنت کا حقدار ہے۔ اور خدا کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اسے آگ کے ہزار بڑے بڑے پتھروں کے ذریعہ سنگسار کرے اور جو شخص ان کے درمیان اختلاف برپا کرنے کی کوشش کرے لیکن ان کو ایک دوسرے سے جدا نہ کرے۔ وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی ناخوشنودی اور لعنت میں گرفتار ہوگا اور اس کے لئے وجہ اللہ کی طرف نظر کرنا حرام ہوگا۔"

مسألة ١١ ـ المشهور الأقوى جواز وطء الزوجة دبراً على كراهية شديدة، و الأحوط تركه خصوصاً مع عدم رضاها.

مسألة ١٢ ـ لا يجوز وطء الزوجة قبل إكمال تسع سنين، دواماً كان النكاح أو منقطعاً، و أما سائر الاستمتاعات كاللمس بشهوة و الضم و التفخيذ فلا بأس بها حتى في الرضيعة، ولو وطأها قبل التسع و لم يفضها لم يترتب عليه شيء غير الاثم على الأقوى، و إن أفضاها بأن جعل مسلكي البول و الحيض واحداً أو مسلكي الحيض و الغائط واحداً حرم عليه وطؤها أبداً لكن على الأحوط في الصورة الثانية، و على أيّ حال لم تخرج عن زوجيته على الأقوى، فيجري عليها أحكامها من التوارث و حرمة الخامسة و حرمة أختها معها و غيرها، و يجب عليه نفقتها ما دامت حية و إن طلقها بل و إن تزوجت بعد الطلاق على الأحوط، بل لا يخلو من قوة، و يجب عليه دية الافضاء، وهي دية النفس، فاذا كانت حرة فلها نصف دية الرجل مضافاً إلى المهر الذي استحقته بالعقد و الدخول، ولو دخل بزوجته بعد إكمال التسع فأفضاها لم تحرم عليه و لم تثبت الدية، و لكن الاحوط الانفاق عليها ما دامت حية و إن كان الأقوى عدم الوجوب.

مسألة ١٣ ـ لا يجوز ترك وطء الزوجة أكثر من أربعة أشهر إلا باذنها حتى المنقطعة على الأقوى، و يختص الحكم بصورة عدم العذر، و أما معه فيجوز الترك مطلقا مادام وجود العذر، كما إذا خيف الضرر عليه أو عليها و من العذر عدم الميل المانع عن انتشار العضو، و هل يختص الحكم بالحاضر فلا بأس على المسافر و إن طال سفره أو يعمهما فلا يجوز للمسافر إطالة سفره أزيد من أربعة أشهر بل يجب عليه مع عدم العذر الحضور لإيفاء حق زوجته؟ قولان، أظهر هما الأول، لكن بشرط كون السفر ضرورياً ولو عرفاً كسفر تجارة أو زيارة أو تحصيل علم و نحو ذلك دون ما كان لمجرد الميل و الأنس و التفرج و نحو ذلك على الأحوط.

مسألة ١٤ ـ لا إشكال في جواز العزل، و هو إخراج الآلة عند الانزال و إفراغ المني إلى الخارج في غير الزوجة الدائمة الحرة، و كذا فيها مع إذنها، و أما فيها بدون

مسئلہ ۱۱: مشہور اقوی یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ پیچھے کی جانب وطی کرنا جائز ہے اگرچہ شدید مکروہ ہے۔ لیکن احتیاط یہ ہے ایسا نہ کرے خاص طور سے جب بیوی راضی نہ ہو۔

مسئلہ ۱۲: جب تک نو سال پورے نہ ہو جائیں اس وقت تک زوجہ کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں۔ چاہے نکاح دائمی ہو یا منقطع۔ وطی کے علاوہ دوسری لذتیں حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے لذت کے قصد سے چھونا، بغل گیر ہونا یا تفخذ وغیرہ چاہے بیوی شیر خوار ہی کیوں نہ ہو اور اگر نو سال سے پہلے وطی کر بیٹھے لیکن اس کا افضاء نہ کرے تو اقوی یہ ہے کہ گناہ کے علاوہ کسی سزا کا مستحق نہیں لیکن اگر اس کا افضا کردے یعنی پیشاب اور حیض کا مقام ایک کردے یا حیض اور پاخانے کی جگہ ایک کردے تو پھر ہمیشہ کے لئے اس کے ساتھ مباشرت حرام ہوگی۔ لیکن دوسری صورت میں احتیاط کی بناء پر وطی حرام ہوگی۔ البتہ دونوں صورتوں میں اقوی یہ ہے کہ وہ اس کی زوجیت سے خارج نہیں ہوگی۔ اور تمام احکام اس پر مترتب ہوں گے۔ جیسے احکام میراث، پانچویں بیوی کا حرام ہونا اور اس کی موجودگی میں اس کی بہن سے نکاح کرنے کا حرام ہونا وغیرہ۔ اور جب تک وہ زندہ رہے اس کا نفقہ اس پر واجب ہوگا۔ چاہے اس کو طلاق دے دے۔ بلکہ احتیاط یہ ہے کہ چاہے وہ مطلقہ ہونے کے بعد دوسری شادی کرلے جب بھی نفقہ واجب ہوگا بلکہ یہ احتیاط قوت سے خالی نہیں۔ اور شوہر پر افضا کی "دیت" ادا کرنا واجب ہے۔ اس کی مقدار ایک نفس (جان) کی دیت کے برابر ہے۔ پس اگر وہ بیوی ہو (کنیز نہ ہو) تو مرد کی دیت کے نصف کی حقدار ہوگی۔ اس مہر کے علاوہ جس کی عقد اور مباشرت کے نتیجہ میں حقدار ہو چکی ہے۔ اور اگر نو سال پورے ہونے کے بعد بیوی کے ساتھ وطی کرے اور اس کا افضا کردے تو نہ وہ اس پر حرام ہوگی اور نہ ہی "دیت" دینا واجب ہوگا۔ لیکن جب تک وہ زندہ رہے احتیاطاً اس کا نفقہ دیتا رہے اگرچہ اقوی یہ ہے کہ نفقہ واجب نہیں۔

مسئلہ ۱۳: چار مہینے سے زیادہ بیوی کی اجازت کے بغیر اسکے ساتھ ترک وطی جائز نہیں اور اقوی یہ ہے کہ چاہے وہ غیر دائمی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حکم کسی عذر کے بغیر چار مہینے سے زیادہ وطی ترک کرنے کا ہے۔ اور اگر عذر رکھتا ہو تو جب تک عذر باقی ہے مطلق طور پر ترکِ وطی جائز ہے۔ مثلاً وطی سے خود کو یا بیوی کو نقصان پہونچنے کا خوف ہو اور وطی کرنے کی خواہش نہ ہونا کہ جس کی بناء پر عضو تناسل میں سستی پیدا ہوتی ہے۔ یہ بھی عذر کہلاتا ہے۔ آیا یہ حکم صرف حاضر کے لئے ہے۔ یس مسافر کیلئے ترکِ وطی میں کوئی حرج نہیں چاہے اسکا سفر طویل ہی کیوں نہ ہو یا حاضر اور مسافر دونوں کو شامل ہے۔ پس مسافر کے لئے سفر کو چار مہینے سے زیادہ طول دینا جائز نہیں بلکہ عذر نہ ہونے کی صورت میں اپنی زوجہ کا حق پورا کرنے کے لئے اس پر سفر سے مراجعت کرنا واجب ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ زیادہ واضح پہلا قول ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ سفر لازمی ہو چاہے عرفِ عام میں ہی سہی۔ جیسے تجارت، زیارت یا علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا۔ اور احتیاط کی بناء پر وہ سفر صرف ذاتی رغبت اور تفریح کی خاطر نہ ہو۔

مسئلہ ۱۴: عزل کے جائز ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ عزل کا مطلب یہ ہے کہ اقان انزال کے موقع پر عضو تناسل باہر نکال کر منی کو خارج کردے جب کہ بیوی آزاد یا دائمی نہ ہو۔ اسی طرح اگر بیوی دائمی ہو تو اس کی اجازت سے عزل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر بیوی دائمی ہو تو اس کی اجازت کے بغیر عزل کر سکتا ہے یا نہیں؟

إذنها ففيه قولان، أشهرهما الجواز مع الكراهة و هو الأقوى، بل لا يبعد عدم الكراهة في التي علم أنها لا تلد، و في المسنة و السليطة و البذية و التي لا ترضع ولدها، كما أن الأقوى عدم وجوب دية النطفة عليه و إن قلنا بالحرمة، و قيل بوجوبها عليه للزوجة، وهي عشرة دنانير، و هو ضعيف في الغاية.

مسألة ١٥ ـ يجوز لكل من الزوج و الزوجة النظر الى جسد الآخر ظاهره و باطنه حتى العورة، و كذا مس كل منهما بكل عضو منه كل عضو من الآخر مع التلذذ و بدونه.

مسألة ١٦ ـ لا إشكال في جواز نظر الرجل إلى ما عدا العورة من مماثله شيخاً كان المنظور إليه أو شاباً حسن الصورة أو قبيحها ما لم يكن بتلذذ و ريبة، والعورة هي القبل و الدبر و البيضتان، و كذا لا إشكال في جواز نظر المرأة إلى ما عدا العورة من مماثلها، و أما عورتها فيحرم أن تنظر إليها كالرجل.

مسألة ١٧ ـ يجوز للرجل أن ينظر إلى جسد محارمه ما عدا العورة إذا لم يكن مع تلذذ و ريبة، و المراد بالمحارم من يحرم عليه نكاحهن من جهة النسب أو الرضاع أو المصاهرة، و كذا يجوز لهن النظر إلى ما عدا العورة من جسده بدون تلذذ و ريبة.

مسألة ١٨ ـ لا إشكال في عدم جواز نظر الرجل إلى ما عدا الوجه و الكفين من المرأة الأجنبية من شعرها و سائر جسدها، سواء كان فيه تلذذ و ريبة أم لا، و كذا الوجه و الكفان إذا كان بتلذذ و ريبة، و أما بدونها ففيه قولان بل أقوال: الجواز مطلقا، و عدمه مطلقا، و التفصيل بين نظرة واحدة فالأول، و تكرار النظر فالثاني، و أحوط الأقوال أوسطها.

مسألة ١٩ ـ لا يجوز للمرأة النظر الى الأجنبي كالعكس، و الأقرب استثناء الوجه و الكفين.

مسألة ٢٠ ـ كل من يحرم النظر اليه يحرم مسّه، فلا يجوز مس الأجنبي الأجنبية و بالعكس، بل لو قلنا بجواز النظر إلى الوجه والكفين من الأجنبية لم

اس میں دو قول ہیں۔ مشہور ترین قول یہ ہے کہ جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ اور یہی قول اقوی بھی ہے۔ بلکہ جس عورت کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ بچہ پیدا نہیں کر سکتی، سن رسیدہ ہے، بے حیا، اور بدزبان ہے اور اپنے بچے کو دودھ نہیں پلاتی تو اس سے عزل کا مکروہ نہ ہونا بھی بعید نہیں ہے۔ اسی طرح اقوی یہ ہے کہ مرد پر نطفہ کی "دیت" بھی واجب نہیں چاہے ہم عزل کی حرمت کے بھی قائل ہو جائیں۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ مرد پر نطفہ کی دیت زوجہ کے لئے واجب ہے۔ جس کی مقدار "دس دینار" ہے لیکن یہ قول نہایت ہی ضعیف ہے۔

مسئلہ ۱۵: میاں بیوی کے لئے ایک دوسرے کے بدن کے ظاہری اور باطنی ہر حصہ حتیٰ شرم گاہ تک کو دیکھنا جائز ہے۔ اسی طرح دونوں ایک دوسرے کے تمام اعضاء کو چھو سکتے ہیں چاہے لذت حاصل کرنے کے لئے یا بغیر حصول لذت کے۔

مسئلہ ۱۶: مرد کے لئے اپنے ہم جنس کی شرمگاہ کے علاوہ بدن کے تمام حصوں کو دیکھنا بلا اشکال جائز ہے۔ دیکھا جانے والا چاہے بوڑھا ہو یا خوبصورت جوان ہو یا بدصورت بشرطیکہ لذت آمیز اور مکارانہ نظر سے نہ دیکھتا ہو۔ "شرمگاہ" آگا، پیچھا اور بعضوں کو کہتے ہیں۔ اسی طرح عورت بھی اپنی ہم جنس کی شرمگاہ کے علاوہ پورے بدن کو دیکھ سکتی ہے۔ لیکن "شرمگاہ" کو دیکھنا حرام ہے۔ جس طرح مرد کا مرد کی شرمگاہ پر نظر ڈالنا حرام ہے۔

مسئلہ ۱۷: مرد کے لئے اپنی محرم عورتوں کی شرمگاہوں کے علاوہ پورے بدن کو دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ لذت کا قصد نہ رکھتا ہو۔ ایسی تمام عورتیں محرم ہوتی ہیں جن کے ساتھ نسب، رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے نکاح حرام ہوتا ہے۔

اسی طرح عورتوں کے لئے بھی اپنے محرم مرد کی شرمگاہ کے علاوہ سارے بدن کو دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ لذت حاصل کرنے کا قصد نہ ہو۔

مسئلہ ۱۸: مرد کا نامحرم عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ بدن کے کسی بھی حصہ کو دیکھنا چاہے سر کے بال ہوں یا بدن کا کوئی دوسرا حصہ ہو بلا اشکال جائز نہیں ہے۔ چاہے اس میں لذت و مکاری ہو یا نہ چنانچہ لذت و مکاری کی نظر سے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنے کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن لذت و مکاری کے بغیر چہرے اور ہاتھوں پر نگاہ ڈالنے میں دو قول ہیں بلکہ چند قول ہیں۔ ۱:۔ مطلقاً جائز ہے ۲:۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً جائز نہیں ہے۔ ۳:۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ایک بار دیکھنا جائز ہے جبکہ بار بار دیکھنا جائز نہیں، احوط درمیانی قول ہے۔

مسئلہ ۱۹: عورت کے لئے نامحرم کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ مرد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ نامحرم عورت کو دیکھے، اور اقرب یہ ہے کہ عورت نامحرم مرد کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھ سکتی ہے۔

مسئلہ ۲۰: ہر وہ شخص جس کو دیکھنا حرام ہے اس کو چھونا بھی حرام ہے۔ پس نامحرم مرد کے لئے نامحرم عورت، اور نامحرم عورت کے لئے نامحرم مرد کو مس کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ چاہے ہم نامحرم عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنے کو جائز بھی قرار دیں۔ تب بھی ان دونوں کو مس کرنے کو جائز قرار نہیں دے سکتے۔ لہٰذا مرد کے لئے نامحرم عورت سے مصافحہ کرنا جائز نہیں۔ البتہ ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر مصافحہ کرنے میں

نقل بجواز مسها منها، فلا يجوز للرجل مصافحتها، نعم لا بأس بها من وراء الثوب لكن لا يغمز كفها احتياطاً.

مسألة ٢١ ـ لا يجوز النظر إلى العضو المبان من الأجنبي والأجنبية ، و الأحوط ترك النظر إلى الشعر المنفصل، نعم الظاهر أنه لا بأس بالنظر الى السن و الظفر المنفصلين.

مسألة ٢٢ ـ يستثنى من حرمة النظر و اللمس في الأجنبي و الأجنية مقام المعالجة إذا لم يمكن بالمماثل كمعرفة النبض إذا لم تمكن بآلة نحو الدرجة و غيرها، و الفصد و الحجامة و جبر الكسر و نحو ذلك و مقام الضرورة، كما إذا توقف استنقاذه من الغرق أو الحرق على النظر و اللمس، و إذا اقتضت الضرورة أو توقف العلاج على النظر دون اللمس أو العكس اقتصر على ما اضطر إليه، و فيمايضطر اليه اقتصر على مقدار الضرورة، فلا يجوز الآخر و لا التعدي.

مسألة ٢٣ ـ كما يحرم على الرجل النظر إلى الأجنبية يجب عليها التستر من الأجانب، و لا يجب على الرجال التستر و إن كان يحرم على النساء النظر اليهم عدا ما استثني، و اذا علموا بأن النساء يتعمدن النظر اليهم فالأحوط التستر منهن و إن كان الأقوى عدم وجوبه.

مسألة ٢٤ ـ لا إشكال في أن غير المميز من الصبي و الصبية خارج عن أحكام النظر و اللمس بغير شهوة، لا معها لو فرض ثورانها.

مسألة ٢٥ ـ يجوز للرجل أن ينظر إلى الصبية ما لم تبلغ إذا لم يكن فيه تلذذ وشهوة،نعم الأحوط الأولى الاقتصار على مواضع لم تجر العادة على سترها بالألبسة المتعارفة مثل الوجه و الكفين و شعر الرأس و الذراعين و القدمين لا مثل الفخذين و الاليين و الظهر و الصدر والثديين، ولا ينبغي ترك الاحتياط فيها، و الأحوط عدم تقبيلها و عدم وضعها في حجره إذا بلغت ست سنين.

مسألة ٢٦ ـ يجوز للمرأة النظر الى الصبي المميز ما لم يبلغ، و لا يجب عليها التستر عنه ما لم يبلغ مبلغاً يترتب على النظر منه أو إليه ثوران الشهوة على الأقوى

کوئی حرج نہیں۔ لیکن احتیاطاً اس کے ہاتھ کو دبانے سے اجتناب کرے۔

مسئلہ ۲۱: نامحرم مرد یا عورت کے بدن سے الگ کئے گئے حصّہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے اور احتیاطاً جُدا کئے گئے بالوں کو بھی نہ دیکھا جائے۔ البتہ ظاہراً بدن سے جُدا دانتوں اور ناخنوں کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ ۲۲: نامحرم مرد یا عورت کے بدن کے کسی حصّہ کو علاج کی خاطر دیکھنا اور چھونا حرام نہیں ہے۔ اگر علاج کے لئے ہم جنس موجود نہ ہو، جیسے نبض دیکھنا بشرطیکہ تھرمامیٹر وغیرہ موجود نہ ہو۔ اسی طرح فصد کھلوانا، حجامت، ٹوٹے ہوئے حصّہ کو جوڑنا، وغیرہ یا ضرورت کے موقع پر جیسا کہ جلنے اور ڈوبنے سے بچانا دیکھنے اور چھونے پر منحصر ہو۔

اور چنانچہ دیکھنا یا چھونا لازمی ہو، یا علاج صرف دیکھنے پر موقوف ہو اور چھونے کی ضرورت نہ پڑے یا اس کے برعکس، تو ایسے مواقع پر جو چیز ضروری ہے اسی پر اکتفاء کی جائے۔ اور جس مقدار میں ضرورت ہو اسی پر اکتفاء کی جائے۔ اس کے علاوہ دیکھنا چھونا یا اس مقدار سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۳: جس طرح مرد پر نامحرم عورت کو دیکھنا حرام ہے اسی طرح عورت پر بھی اپنے آپ کو نامحرموں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا واجب ہے۔ مردوں پر اپنے آپ کو چھپانا واجب نہیں ہے۔ اگرچہ سوار دِ استثنیٰ کے علاوہ عورتوں پر ان کو دیکھنا حرام ہے۔ اور جب مردوں کو معلوم ہو جائے کہ عورتیں ان کو عمداً دیکھیں گی تو احتیاطاً اپنے آپ کو ان سے چھپائیں اگرچہ اقویٰ واجب نہ ہونا ہے۔

مسئلہ ۲۴: غیر ممیز بچہ اور بچی پر دیکھنے اور چھونے کے احکام بلاشبہ لاگو نہیں ہوں گے۔ بشرطیکہ شہوت کا قصد نہ ہو۔ لیکن اگر شہوت برانگیختہ ہونے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں وہ بھی ان احکام میں شامل ہوں گے۔

مسئلہ ۲۵: مرد کے لئے لذت اور شہوت کے قصد کے بغیر نابالغ بچی کو دیکھنا جائز ہے۔ البتہ احتیاط اور بہتری اسی میں ہے کہ صرف وہی مقامات دیکھے جن کو عام طور سے لباس کے ذریعہ چھپایا نہیں جاتا۔

مثال کے طور پر چہرہ، دونوں ہاتھ، سر کے بال، دونوں بازو اور دونوں پاؤں۔ نہ مثل ران، کھولے، کمر، سینہ اور دونوں پستانوں کے، کہ ان کے سلسلہ میں احتیاط ترک نہ کی جائے اور احتیاط یہ ہے کہ بچی جب چھ سال کی ہو جائے تو اسے نہ پیار کیا جائے اور نہ ہی اس کو گود میں لیا جائے۔

مسئلہ ۲۶: عورت کے لئے نابالغ ممیز بچے کو دیکھنا جائز ہے اور جب تک وہ ایسی منزل میں نہ پہونچ جائے کہ اسے دیکھنے کے بعد خواہش اُبھرنے کا اندیشہ ہو۔ تو اس پر پردہ کرنا واجب نہیں۔ یہ حکم

في الترتب الفعلي و على الاحوط في غيره.

مسألة ٢٧ ـ يجوز النظر إلى نساء أهل الذمة بل مطلق الكفار مع عدم التلذذ و الريبة أعني خوف الوقوع في الحرام، و الأحوط الاقتصار على المواضع التي جرت عادتهن على عدم التستر عنها، و قد تلحق بهن نساء أهل البوادي و القرى من الأعراب و غيرهم اللاتي جرت عادتهن على عدم التستر و إذا نهين لا ينتهين، و هو مشكل، نعم الظاهر أنه يجوز التردد في القرى و الأسواق و مواقع تردد تلك النسوة و مجامعهن و محالّ معاملتهن مع العلم عادة بوقوع النظر عليهن، و لا يجب غض البصر في تلك المحالّ إذا لم يكن خوف افتتان.

مسألة ٢٨ ـ يجوز لمن يريد تزويج امرأة أن ينظر إليها بشرط أن لا يكون بقصد التلذذ و إن علم أنه يحصل بسبب النظر قهراً، و بشرط أن يحتمل حصول زيادة بصيرة بها، و بشرط أن يجوز تزويجها فعلاً لا مثل ذات البعل و العدة، و بشرط أن يحتمل حصول التوافق على التزويج دون من علم أنها ترد خطبتها، و الأحوط الاقتصار على وجهها و كفيها و شعرها و محاسنها و إن كان الأقوى جواز التعدي إلى المعاصم بل و سائر الجسد ما عدا العورة، و الأحوط أن يكون من وراء الثوب الرقيق، كما أن الأحوط لو لم يكن الأقوى الاقتصار على ما إذا كان قاصداً لتزويج المنظورة بالخصوص فلا يعم الحكم ما إذا كان قاصداً لمطلق التزويج و كان بصدد تعيين الزوجة بهذا الاختبار، و يجوز تكرار النظر إذا لم يحصل الاطلاع عليها بالنظرة الأولى.

مسألة ٢٩ ـ الأقوى جواز سماع صوت الأجنبية ما لم يكن تلذذ و ريبة، و كذا يجوز لها إسماع صوتها للأجانب إذا لم يكن خوف فتنة و إن كان الأحوط الترك في غير مقام الضرورة خصوصاً في الشابة، و ذهب جماعة إلى حرمة السماع و الاسماع، و هو ضعيف، نعم يحرم عليها المكالمة مع الرجال بكيفية مهيجة بترقيق القول و تليين الكلام و تحسين الصوت فيطمع الذي في قلبه مرض.

• • •

فوراً شہوت کے برانگیختہ ہونے میں اقویٰ ہے اور اس کے علاوہ میں احوط ہے۔

مسئلہ ۲۷: ذمّی کافروں بلکہ تمام کافروں کی عورتوں کو دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ حرام میں ملوّث ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور احتیاطاً انہی مقامات کو دیکھا جائے جن کو معمولاً وہ نہیں چھپاتیں۔ صحرا نشین اور دیہاتوں میں رہنے والی ان بدّو عورتوں کو بھی ذمّی عورتوں کے ساتھ ملحق کیا جاتا ہے۔ جو عادتاً پردہ نہیں کرتیں اور اگر عریانیت سے روکا جائے تو وہ نہیں مانتیں۔ حالانکہ یہ مشکل ہے۔ البتہ دیہاتوں، بازاروں اور جن جگہوں پر ایسی عورتیں رفت وآمد رکھتی ہوں یا اپنے معاملات انجام دیتی ہوں وہاں سے گذرنا جائز ہے۔ اگرچہ عادتاً ان پر نگاہ پڑنے کا علم ہو، اور اگر کسی فتنہ اور خرابی کا خوف نہ ہو تو ایسے مواقع پر نگاہیں نیچی کرکے رکھنا واجب نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۸: جس عورت سے شادی کرنے کا ارادہ ہو اس کو دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ حصولِ لذّت کا قصد نہ ہو۔ اگرچہ اسے اس بات کا علم ہو کہ دیکھنے سے قہری طور پر لذّت حاصل ہو جائے گی۔ اور یہ احتمال ہو کہ دیکھنے سے زیادہ واقفیت حاصل ہو گی بشرطیکہ اس سے شادی کرنا اسی زمانہ میں جائز ہو۔ شوہر دار یا عدہ میں بسر کرنے والی عورت نہ ہو۔ اور ایک شرط یہ ہے کہ توافق کا احتمال موجود ہو۔ لہٰذا جو شخص جانتا ہو کہ عورت اس کی بات رد کردے گی وہ نہیں دیکھ سکتا۔ اور احتیاط یہ ہے کہ دیکھنے میں چہرہ، ہاتھوں، سر کے بال اور محاسن پر اکتفاء کرے۔ اگرچہ اقویٰ یہ ہے کہ کلائیوں بلکہ شرمگاہ کے علاوہ پورے بدن پر نگاہ ڈال سکتا ہے۔ اور احتیاط یہ ہے کہ باریک کپڑے کے پیچھے سے دیکھے، جیساکہ اگر اقویٰ نہ ہو تب بھی احتیاط یہ ہے کہ اسی عورت کو دیکھے جس سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ چنانچہ یہ حکم وہاں جاری نہ ہوگا کہ جب انسان شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اپنی پسندیدہ عورت منتخب کرنے کے لئے عورتوں کو دیکھنا چاہے۔ اور اگر پہلی بار دیکھنے سے واقفیت حاصل نہ ہو سکے تو دوبارہ دیکھنا جائز ہے۔

مسئلہ ۲۹: اقویٰ یہ ہے کہ نامحرم عورت کی آواز سننا جائز ہے۔ بشرطیکہ لذّت اور دھوکے میں نہ پڑ جائے۔ اسی طرح اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو عورت کے لئے نامحرموں کو اپنی آواز سنانا جائز ہے۔ اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ ضرورت نہ ہو تو ایسا کرنے سے پرہیز کرے۔ خاص طور سے جب عورت جوان ہو۔ اور بعض علماء کا نظریہ ہے کہ آواز سننا اور سنانا حرام ہے۔ یہ نظریہ ضعیف ہے۔ البتہ ہیجان برپا کردینے والی کیفیت میں نامحرموں کے ساتھ باریک اور عمدہ آواز بناکر نرم گفتگو کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ جس کے دل میں مرض ہے اس کے اندر لالچ پیدا ہو سکتی ہے۔

maablib.org

فصل في عقد النكاح وأحكامه

النكاح على قسمين: دائم ومنقطع، و كل منهما يحتاج إلى عقد مشتمل على إيجاب و قبول لفظيين دالين على إنشاء المعنى المقصود و الرضا به دلالة معتبرة عند أهل المحاورة، فلا يكفي مجرد الرضا القلبي من الطرفين و لا المعاطاة الجارية في غالب المعاملات و لا الكتابة، وكذا الاشارة المفهمة في غير الأخرس، والأحوط لزوماً كونه فيهما باللفظ العربي، فلا يجزي غيره من سائر اللغات إلا مع العجز عنه ولو بتوكيل الغير، و إن كان الأقوى عدم وجوب التوكيل، و يجوز بغير العربي مع العجز عنه، و عند ذلك لابأس بايقاعه بغيره لكن بعبارة يكون مفادها مفاد اللفظ العربي بحيث تعد ترجمته.

مسألة ١ ـ الأحوط لو لم يكن الأقوى أن يكون الايجاب من طرف الزوجة و القبول من طرف الزوج، فلا يجزي أن يقول الزوج: «زوجتك نفسى» فتقول الزوجة: «قبلت» على الأحوط، و كذا الأحوط تقديم الأول على الثاني و إن كان الأظهر جواز العكس إذا لم يكن القبول بلفظ «قبلت» و أشباهه.

مسألة ٢ ـ الأحوط أن يكون الايجاب في النكاح الدائم بلفظي «أنكحت» أو «زوجت» فلا يوقع بلفظ «متعت» على الأحوط و إن كان الأقوى وقوعه به مع الاتيان بما يجعله ظاهراً في الدوام، و لا يوقع بمثل «بعت» أو «وهبت» أو «ملكت» أو «آجرت» و أن يكون القبول بلفظ «قبلت» أو «رضيت» و يجوز الاقتصار في القبول بذكر «قبلت» فقط بعد الايجاب من دون ذكر المتعلقات التي ذكرت فيه، فلو قال الموجب الوكيل عن الزوجة للزوج: «أنكحتك موكلتي فلانة على المهر الفلاني» فقال الزوج: «قبلت» من دون أن يقول: «قبلت النكاح لنفسي على المهر الفلاني» صح.

مسألة ٣ ـ يتعدى كل من الانكاح و التزويج إلى مفعولين، و الأولى أن

عقدِ نکاح اور اسکے احکام

نکاح کی دو قسمیں ہیں۔
۱: نکاح دائم
۲: نکاح منقطع (جسے دوسرے لفظوں میں متعہ کہتے ہیں)

دونوں کے لئے ایسا عقد ضروری ہے جو ایجاب و قبول پر مشتمل ہے۔ ایجاب و قبول ایسے لفظوں میں ہونا چاہیئے جو انشاءِ نکاح اور اس سے راضی ہونے پر اہل زبان کے نزدیک دلالت رکھتے ہوں۔ پس میاں بیوی کا دل سے راضی ہونا کافی نہیں ہے۔ معاطات یعنی لین دین کہ جو اکثر معاملات میں جاری ہے اس میں کافی نہیں ہے اور نہ ہی کتابت کافی ہے۔ اسی طرح جو شخص گونگا نہ ہو وہ اشارے پر بھی اکتفاء نہیں کر سکتا۔ اور احتیاط لازم یہ ہے کہ ایجاب و قبول عربی زبان میں ہو۔ پس عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں ایجاب و قبول کافی نہیں ہے۔ مگر یہ کہ کوئی شخص عربی نہ جانتا ہو اور کسی کو وکیل بھی نہ بنا سکے۔ اگرچہ اقوی یہ ہے کہ وکیل مقرر کرنا واجب نہیں۔ اور اگر عربی زبان میں ایجاب و قبول انجام نہ دے سکتا ہو تو کسی دوسری زبان میں جائز ہے۔ اور اس صورت میں عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں عقد پڑھنے میں کوئی اشکال نہیں۔ لیکن عربی ہی کے الفاظ کا ایسا مفہوم ہونا چاہیئے کہ جسکو اسکا ترجمہ کہا جا سکے۔

مسئلہ ۱: اگر اقوی نہ ہو تب تو بھی احتیاط یہ ہے کہ ایجاب زوجہ اور قبول زوج کی طرف سے ہو۔ پس اگر زوج کہے "زوجتک نفسی" میں نے اپنے نفس کو تیری زوجیت میں دیا، اور زوجہ کہے "قبلتُ" میں نے قبول کیا تو احتیاط یہ ہے کہ یہ عقد کافی نہیں ہے۔ اسی طرح احتیاطاً ایجاب کو قبول پر مقدم کرے۔ اگرچہ اظہر یہ ہے کہ اگر "قبول" میں لفظ قبلتُ وغیرہ کو استعمال نہ کیا جائے تو قبول کو ایجاب پر مقدم کرنا جائز ہے۔

مسئلہ ۲: احتیاط یہ ہے کہ نکاح دائمی کے "ایجاب" میں "انکحتُ" اور "زوجتُ" کہا جائے۔ پس احتیاطاً لفظ "متعتُ" سے ایجاب واقع نہیں ہوگا۔ اگرچہ اقوی یہ ہے کہ اس کے ساتھ دائمی نکاح پر دلالت کرنے والے الفاظ استعمال کرنے سے ایجاب واقع ہو جائے گا۔ اور "بعتُ" یا "وھبتُ" یا "ملکتُ" یا "آجرتُ" جیسے الفاظ سے ایجاب واقع نہیں ہوگا۔ اور احتیاط یہ ہے کہ "قبول" میں "قبلتُ" یا "رضیتُ" کہے۔ لیکن ایجاب میں ذکر ہونے والے متعلقات کو "قبول" میں دہرانا لازمی نہیں بلکہ صرف "قبلتُ" کہہ دینے پر ہی اکتفا کرنا جائز ہے۔ پس اگر زوجہ کا وکیل زوج سے کہے۔

"انکحتك موکلتی فلانۃ علی المھر الفلانی" اور زوج "قبلت النکاح لنفسی علی المھر الفلانی" کہنے کے بجائے صرف "قبلتُ" کہہ دے تو صحیح ہے۔

مسئلہ ۳: "نکاح" اور "تزویج" دونوں دو مفعولی ہیں اور بہتر یہ ہے کہ ترتیب میں زوج کو پہلا اور

يجعل الزوج مفعولاً أولاً و الزوجة ثانياً، و يجوز العكس، و يشتركان في أن كلاً منها يتعديان إلى المفعول الثاني بنفسه تارة و بواسطة «من» أخرى فيقال: أنكحت أو زوجت زيداً هنداً أو أنكحت هنداً من زيد، و باللام أيضاً، هذا بحسب المشهور و المأنوس، و ربما يستعملان على غير ذلك ، و هو ليس بمشهور ومأنوس.

مسألة ٤ ـ عقد النكاح قد يقع بين الزوج و الزوجة و بمباشرتهما، فبعد التقاول و التواطؤ و تعيين المهر تقول الزوجة مخاطبة للزوج: «أنكحتك نفسي أو أنكحت نفسي منك ـ أو لك ـ على المهر المعلوم» فيقول الزوج بغير فصل معتد به: «قبلت النكاح لنفسي على المهر المعلوم ـ أو هكذا ـ» أو تقول: «زوجتك نفسي ـ أو زوجت نفسي منك أو لك ـ على المهر المعلوم» فيقول: «قبلت التزويج لنفسي على المهر المعلوم ـ أو هكذا ـ» وقد يقع بين وكيليهما، فبعد التقاول و تعيين الموكلين و المهر يقول وكيل الزوجة مخاطباً لوكيل الزوج: «أنكحت موكلك فلاناً موكلتي فلانة ـ أو من موكلك أو لموكلك فلان ـ على المهر المعلوم» فيقول وكيل الزوج: «قبلت النكاح لموكلي على المهر المعلوم ـ أو هكذا ـ» أو يقول وكيلها: «زوجت موكلتي موكلك ـ أو من موكلك أو لموكلك فلان ـ على المهر المعلوم» فيقول وكيله : «قبلت التزويج لموكلي على المهر المعلوم ـ أو هكذا ـ» و قد يقع بين وليهما كالأب و الجد، فبعد التقاول و تعيين المولىّ عليهما و المهر يقول ولي الزوجة: «أنكحت ابنتي أو ابنة ابني فلانة مثلاً ابنك أو ابن ابنك فلاناً أو من ابنك أو ابن ابنك أو لابنك أو لابن ابنك على المهر المعلوم» أو يقول: «زوجت بنتي ابنك مثلاً أو من ابنك أو لابنك» فيقول ولي الزوج: «قبلت النكاح أو التزويج لابني أو لابن ابني على المهر المعلوم» و قد يكون بالاختلاف بأن يقع بين الزوجة و وكيل الزوج و بالعكس، أو بينها و بين ولي الزوج و بالعكس أو بين وكيل الزوجة و ولي الزوج و بالعكس، و يعرف كيفية إيقاع العقد في هذه الصور مما فصلناه في الصور المتقدمة، و الأولى تقديم الزوج على الزوجة في جميع الموارد كما مرّ.

زوجہ کو دوسرا مفعول قرار دے۔ لیکن اس کے برعکس بھی جائز ہے۔ اور یہ دونوں دوسرے مفعول کی طرف بلاواسطہ یا "من" کے واسطہ کے ساتھ متعدی ہونے میں شریک ہیں۔

چنانچہ کبھی یہ کہا جاتا ہے۔

"انکحتُ اور زوجتُ زیداً ھنداً" اور کبھی انکحتُ یا زوّجتُ ھنداً من زید" کہا جاتا ہے۔ اور "لام" کے ساتھ (لیس لزید) بھی کہا جاتا ہے۔

مشہور اور مانوس یہی ہے۔ کبھی کبھی ان کا استعمال اس کے علاوہ بھی ہوتا ہے جو مشہور و مانوس نہیں ہے۔

مسئلہ ۴: اگر زوج اور زوجہ خود عقد پڑھنا چاہیں تو ابتدائی گفتگو انجام دینے اور مہر معیّن کر لینے کے بعد زوجہ زوج کو مخاطب کر کے کہے: "انکحتک نفسی" یا "انکحت نفسی منک" یا انکحت نفسی لک" "علی المہر المعلوم" اسکے جواب میں غیر معمولی فاصلے کے بغیر زوج کہے: "قبلت النکاح لنفسی علی المہر المعلوم" یا قبلت النکاح ھکذا۔ یا زوجہ اس طرح کہے: "زوجتک نفسی، یا زوّجت نفسی منک یا زوّجت نفسی لک علی المہر المعلوم" اسکے جواب میں زوج یوں کہے "قبلت التزویج لنفسی علی المہر المعلوم" یا قبلت ھکذا" اور اگر دونوں کی طرف سے دو وکیل عقدِ نکاح پڑھیں تو گفتگو کے ذریعہ وکیل معیّن کرنے اور مہر مقرر کر لینے کے بعد، زوجہ کا وکیل زوج کے وکیل کو مخاطب قرار دے کر کہے "انکحت موکلک فلاناً موکلتی فلانۃ" یا انکحت من موکلک فلاناً موکلتی فلانۃ یا انکحت لموکلک فلاناً موکلتی فلانۃ" "علی المہر المعلوم" اسکے جواب میں زوج کا وکیل کہے "قبلت النکاح لموکلی علی المہر المعلوم یا قبلت النکاح ھکذا۔ یا زوجہ کا وکیل یوں کہے: "زوّجت موکلتی موکلک یا زوّجت موکلی من موکلک، یا زوّجت موکلی لموکلک فلان علی المہر المعلوم" اور مرد کا وکیل کہے "قبلت التزویج لموکلی علی المہر المعلوم۔ یا قبلت التزویج ھکذا" کبھی عقدِ نکاح کا صیغہ میاں بیوی کے اولیاء یعنی باپ یا دادا جاری کرتے ہیں۔ چنانچہ باہمی گفتگو اور معاملات طے کرنے اور زوجہ اور زوج کو معیّن کرنے اور مہر کی مقدار طے کرنے کے بعد زوجہ کا ولی کہے: "انکحت ابنتی (اگر ولی باپ ہو تو) اور انکحت ابنۃ ابنی فلانۃ (اگر ولی دادا ہو) ابنک (اگر لڑکے کا ولی باپ ہو) اور ابن ابنک فلاناً (اگر لڑکے کا ولی دادا ہو) علی المہر المعلوم اور اگر "من" یا "لام" کے ساتھ متعدی کرنا چاہے تو یوں کہے "انکحت ابنتی یا ابنۃ ابنی (اگر ولی دادا ہو) من ابنک یا من ابن ابنک (اگر لڑکے کا ولی دادا ہو) یا لام کی صورت میں، "انکحت ابنتی یا ابنۃ ابنی (اگر ولی دادا ہو) لابنک یا لابن ابنک علی المہر المعلوم" یا انکحت کے بجائے زوّجت کی صورت میں لڑکی کا ولی کہے "زوّجت بنتی ابنک۔ یا من ابنک یا لابنک علی المہر المعلوم" اس کے جواب میں لڑکے کا ولی کہے: "قبلت النکاح او التزویج لابنی او لابن ابنی علی المہر المعلوم" کبھی نکاح میں ایجاب زوجہ خود کرتی ہے اور قبول زوج کا وکیل۔ یا اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یعنی زوجہ کی طرف سے وکیل ہوتا ہے۔ اور زوج خود قبول کرتا ہے۔ یا کبھی زوجہ بذاتِ خود ایجاب کرتی ہے۔ اور قبول کی ذمہ داری زوج کے ولی کے ذمہ ہوتی ہے۔ یا اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یا زوجہ کی طرف سے وکیل ہوتا ہے۔ اور زوج کی طرف سے ولی، یا اس کے برعکس۔ ان تمام صورتوں میں عقد پڑھنے کی کیفیت مذکورہ تفصیل سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ تمام موارد میں زوج کو زوجہ پر مقدم رکھا جائے۔

مسألة ٥ ـ لا يشترط في لفظ القبول مطابقته لعبارة الايجاب، بل يصح الايجاب بلفظ و القبول بلفظ آخر، فلو قال: «زوجتك» فقال: «قبلت النكاح» أو قال: «أنكحتك» فقال: «قبلت التزويج» صح و إن كان الأحوط المطابقة.

مسألة ٦ ـ إذا لحن في الصيغة فإن كان مغيّراً للمعنى بحيث يعد اللفظ عبارة لمعنى آخر غير ما هو المقصود لم يكف، و إن لم يكن مغيّراً بل كان بحيث يفهم منه المعنى المقصود و يعد لفظاً لهذا المعنى إلا أنه يقال له لفظ ملحون و عبارة ملحونة من حيث المادة أو من جهة الاعراب والحركات فالاكتفاء به لا يخلو من قوة و إن كان الأحوط خلافه، و أولى بالاكتفاء اللغات المحرفة عن اللغة العربية الأصلية، كلغة سواد العراق في هذا الزمان إذا كان المباشر للعقد من أهالي تلك اللغة، لكن بشرط أن لا يكون مغيّراً للمعنى مثل جوزت بدل زوجت إلا إذا فرض صيرورته في لغتهم كالمنقول.

مسألة ٧ ـ يعتبر في العقد القصد إلى مضمونه، و هو متوقف على فهم معنى لفظي «أنكحت» و «زوجت» ولو بنحو الاجمال حتى لا يكون مجرد لقلقة لسان، نعم لا يعتبر العلم بالقواعد العربية و لا العلم و الاحاطة بخصوصيات معنى اللفظين على التفصيل، بل يكفي علمه إجمالاً، فاذا كان الموجب بقوله «أنكحت» أو «زوجت» قاصداً لايقاع العلقة الخاصة المعروفة المرتكزة في الأذهان التي يطلق عليها النكاح و الزواج في لغة العرب و يعبر عنها في لغات أخر بعبارات أخر وكان القابل قابلاً لهذا المعنى كفى إلا إذا كان جاهلاً باللغات بحيث لا يفهم أن العلقة واقعة بلفظ «زوجت» أو بلفظ «موكلي» فحينئذ صحته مشكلة و إن علم أن هذه الجملة لهذا المعنى.

مسألة ٨ ـ يعتبر في العقد قصد الانشاء بأن يكون الموجب في قوله: «أنكحت» أو «زوجت» قاصداً إيقاع النكاح و الزواج و الايجاد ما لم يكن لا الاخبار و الحكاية عن وقوع شيء في الخارج، والقابل بقوله: «قبلت» منشئاً

مسئلہ ۵: الفاظ قبول کا الفاظ ایجاب کے مطابق ہونا شرط نہیں ہے بلکہ ایجاب و قبول کے الفاظ میں اختلاف کی صورت میں بھی نکاح صحیح ہے۔

پس " زوّجتک " کے جواب میں قبلت النکاح یا " انکحتک " کے جواب میں " قبلت التزویج " کہنا صحیح ہے۔ اگرچہ احتیاط مطابق ہونے میں ہے۔

مسئلہ ۶: اگر صیغہ میں غلطی ہو جائے پس اگر وہ غلطی معنیٰ کو اس طرح بدل دے کہ اس لفظ سے کوئی اور معنیٰ کہ جو مقصود نہیں ہیں ظاہر ہوتے ہوں تو یہ صیغہ کافی نہیں۔ لیکن اگر غلطی ایسی ہو جو معنیٰ میں تبدیلی نہ کرے بلکہ اس لفظ سے معنیٰ مقصود سمجھ میں آتے ہوں اور لفظ بھی انہی معنیٰ کیلئے ہو لیکن وہ لفظ یا عبارت مادہ یا اعراب و حرکات کے اعتبار سے غلط ہو تو اس صیغہ کا کافی ہونا قوت سے خالی نہیں اگرچہ احتیاط اس کے برخلاف ہے۔ اور جب غلط صیغہ کافی ہو سکتا ہے تو عربی سے تحریف شدہ زبانیں بدرجہ اولیٰ کافی ہیں۔ جیسے موجودہ زمانے کے عراقیوں کی زبان۔ لیکن صرف اس صورت میں کہ جب عقد پڑھنے والے کی زبان وہی ہو، البتہ اس شرط کے ساتھ کہ معنیٰ میں تبدیلی پیدا نہ کرے۔ مثلاً زوّجت کو جوزت نہ کرے۔ مگر یہ کہ جوزت ان کی زبان میں لفظ منقول کی حیثیت اختیار کر جائے اور زوّجت کے معنیٰ میں استعمال ہو رہا ہو۔

مسئلہ ۷: عقد پڑھتے وقت مضمون عقد کا قصد کرنا معتبر ہے۔ جو " انکحت " اور " زوّجت " کے معنیٰ سمجھنے پر موقوف ہے۔ چاہے اجمالی طور پر ہی معنیٰ کو سمجھتا ہو۔ تاکہ صرف " لقلقۂ لسان " ہی نہ رہ جائے۔ البتہ عربی قواعد کا جاننا معتبر اور لازمی نہیں اور نہ ہی "انکحت" اور "زوّجت" کی تمام خصوصیات کا تفصیل کے ساتھ جاننا ضروری ہے۔ بلکہ اجمالی طور پر ان الفاظ کی شُدبُد کافی ہے۔

پس اگر موجب اپنے قول "انکحت یا زوّجت" کے ذریعہ ذہنوں میں موجود اس تعلق زوجیت کو واقع کرنا چاہتا ہو کہ جسے عربی زبان میں نکاح یا زواج اور دوسری زبانوں میں دوسری تعبیروں سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور قبول کرنے والا انہی معنیٰ کو قبول کرے تو کافی ہے۔ لیکن اگر زبان سے اس قدر ناآشنا ہو کہ اسے یہی معلوم نہ ہو کہ " تعلق زوجیت " لفظِ زوّجت سے پیدا ہوتا ہے۔ یا لفظ " موکل " سے تو ایسی صورت میں صحیح ہونا مشکل ہے۔ چاہے یہ جانتا ہو کہ یہ جملہ اسی معنیٰ کے لئے ہے۔

مسئلہ ۸: عقد میں قصد انشاء معتبر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایجاب کرنے والا اپنے قول انکحت یا زوّجت کے ذریعہ عقد ازدواج و نکاح واقع کرنے کا قصد رکھتا ہو اور اس کا قصد غیر موجود چیز کو ایجاد کرنا ہو۔ اس کا قصد خارج میں واقع ہونیوالی کسی چیز کی خبر دینا نہ ہو۔ اور قبول کرنے والا اپنے قول " قبلت " کے ذریعہ اس مفہوم کو قبول کرنے کا قصد رکھتا ہو جس کو موجب نے واقع کیا ہے۔

لقبول ما أوقعه الموجب.

مسألة ٩ ـ تعتبر الموالاة وعدم الفصل المعتد به بين الايجاب و القبول.

مسألة ١٠ ـ يشترط في صحة العقد التنجيز، فلو علّقه على شرط و مجي، زمان بطل، نعم لو علّقه على أمر محقق الحصول كما إذا قال في يوم الجمعة «أنكحت إن كان اليوم يوم الجمعة» لم يبعد الصحة.

مسألة ١١ ـ يشترط في العاقد المجري للصيغة البلوغ و العقل، فلا اعتبار بعقد الصبي و المجنون ولو أدوارياً حال جنونه، سواء عقدا لنفسهما أو لغيرهما، و الأحوط البناء على سقوط عبارة الصبي، لكن لو قصد المميز المعنى و عقد لغيره وكالة أو فضولاً و أجاز أو عقد لنفسه مع إذن الولي أو إجازته أو أجاز هو بعد البلوغ يتخلص بالاحتياط، و كذا يعتبر فيه القصد، فلا اعتبار بعقد الساهي و الغالط و السكران و أشباههم، نعم في خصوص عقد السكرى إذا عقبه الاجازة بعد إفاقتها لا يترك الاحتياط بتجديد العقد أو الطلاق.

مسألة ١٢ ـ يشترط في صحة العقد تعيين الزوجين على وجه يمتازان عن غيرهما بالاسم أو الاشارة أو الوصف الموجب لذلك، فلو قال: زوجتك إحدى بناتي أو قال: زوجت بنتي فلانة من أحد بنيك أو من أحد هذين بطل، نعم يشكل فيما لو كانا معينين بحسب قصد المتعاقدين و متميزين في ذهنهما لكن لم يعينا هما عند إجراء الصيغة و لم يكن ما يدل عليه من لفظ أو فعل أو قرينة خارجية، كما إذا تقاولا و تعاهدا على تزويج بنته الكبرى من ابنه الكبير و لكن في مقام إجراء الصيغة قال: «زوجت إحدى بناتي من أحد بنيك» و قبل الآخر، نعم لو تقاولا و تعاهدا على واحدة فعقدا مبنياً عليه فالظاهر الصحة، كما إذا قال بعد التقاول: «زوجت ابنتي منك» دون أن يقول: «زوجت إحدى بناتي».

مسألة ١٣ ـ لو اختلف الاسم مع الوصف أو اختلفا أو أحدهما مع الاشارة يتبع العقد لما هو المقصود و يلغى ما وقع غلطاً و خطأ، فاذا كان المقصود تزويج البنت الكبرى و تخيل أن اسمها فاطمة و كانت المسماة بفاطمة هي الصغرى و

مسئلہ ۹: ایجاب و قبول میں موالات اور غیر معمولی یعنی فاصلہ نہ رکھنا معتبر ہے۔

مسئلہ ۱۰: عقد کا غیر معلق ہونا شرط ہے۔ پس اگر عقد کو کسی شرط اور کسی وقت کی آمد پر معلق کریں تو باطل ہو جائے گا۔ البتہ اگر اس کو کسی ایسے امر پر موقوف رکھیں جو موجود ہو، مثلاً جمعہ کے روز کہے: "انکحت ان کان الیوم لیوم الجمعۃ" تو اس کا صحیح ہونا بعید نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۱: صیغہ جاری کرنے والے کا بالغ اور عاقل ہونا شرط ہے۔ پس بچہ اور دیوانہ اگر جنون کی حالت میں عقد پڑھے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں چاہے اس کی دیوانگی ادواری ہو۔ چاہے اپنے لئے عقد پڑھیں یا دوسروں کے لئے۔ اور احتیاط یہ ہے کہ بچہ کی عبارت کو کالعدم سمجھا جائے۔ لیکن اگر باتمیز بچہ معنیٰ کا قصد کرے اور کسی دوسرے کے لئے اس کا وکیل بن کر یا فضولی طور پر عقد پڑھے اور وہ اجازت دیدے یا ولی کے اذن سے اپنے لئے عقد پڑھے یا عقد پڑھنے کے بعد اجازت حاصل کرے یا بالغ ہونے کے بعد وہ خود اجازت دے دے تو احتیاط پر عمل کرنا چاہیے۔ اسی طرح صیغہ جاری کرنے والے میں قصد بھی معتبر ہے۔ پس نسیان کا شکار، غلط گو اور نشہ میں مست وغیرہ جیسے اشخاص کے عقد کا کوئی اعتبار نہیں۔ البتہ خاص طور سے نشہ میں مست شخص اگر افاقہ حاصل کرنے کے بعد اجازت دے دے تو احتیاط ترک نہ کی جائے یعنی یا نئے سرے سے عقد پڑھا جائے یا طلاق دی جائے۔

مسئلہ ۱۲: عقد کے صحیح ہونے کے لئے زوجین کو نام، اشارے یا کسی وصف کے ذریعہ معین کرنا شرط ہے تاکہ وہ دوسروں سے الگ ہو جائیں۔ پس اگر کہے: "زوجتك احدی بناتی" میں نے اپنی بیٹیوں میں سے ایک کو تیری زوجیت میں دیا، یا اس طرح کہے "زوجت بنتی فلانۃ من احد بنیك او من احد ھذین بطل" میں نے اپنی فلاں بیٹی کو تیرے کسی ایک بیٹے، یا ان دو میں سے ایک کی زوجیت میں دیا تو عقد باطل ہے۔ البتہ ایسی صورت میں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب زوجین عقد پڑھنے والوں کے ارادے و قصد کے مطابق اور ان کے ذہن میں معین ہوں لیکن صیغہ جاری کرتے وقت انھیں معین نہ کریں اور کوئی لفظ، فعل یا قرینۂ خارجیہ بھی اس پر دلالت نہ کرے۔ مثال کے طور پر دونوں میں گفتگو اور عہد و پیمان ہو جائے کہ بڑی بیٹی کو بڑے بیٹے کے عقد میں دیں گے۔ لیکن صیغہ جاری کرتے وقت کہے: "میں نے اپنی ایک بیٹی کو تیرے ایک بیٹے کے عقد میں دیا" اور دوسرا قبول کرے۔ ہاں اگر گفتگو اور قول و اقرار ایک کے سلسلہ میں ہو اور اسی کا عقد پڑھیں تو ظاہراً عقد صحیح ہے۔ مثال کے طور پر گفتگو کے بعد کہے: "میں نے اپنی بیٹی کو تیری زوجیت میں دیا" اور یہ نہ کہے کہ میں نے اپنی ایک بیٹی کو تیری زوجیت میں دیا۔"

مسئلہ ۱۳: اگر "نام" اور "وصف" جُدا جُدا ہوں یا اس سلسلہ میں اختلاف ہو جائے یا نام یا وصف میں سے ایک کی ادائیگی اشارے سے ہوئی ہو تو عقد ہمیشہ قصد کے تابع رہے گا اور غلطی سے یا اشتباہ کے طور پر واقع ہونے والے عقد کو لغو قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا اگر بڑی لڑکی کی شادی کرنے کا قصد ہو اور اس کے خیال میں اس

كانت الكبرى مسماة بخديجة و قال: «زوجتك الكبرى من بناتي فاطمة» وقع العقد على الكبرى التي اسمها خديجة و يلغى تسميتها بفاطمة و إن كان المقصود تزويج فاطمة و تخيل أنها كبرى فتبين أنها صغرى وقع العقد على المسماة بفاطمة و ألغي وصفها بأنها الكبرى، و كذا لو كان المقصود تزويج المرأة الحاضرة و تخيل أنها كبرى و اسمها فاطمة فقال: «زوجتك هذه و هي فاطمة و هي الكبرى من بناتي» فتبين أنها الصغرى و اسمها خديجة وقع العقد على المشار اليها و يلغى الاسم و الوصف، ولو كان المقصود العقد على الكبرى فلما تخيل أن هذه المرأة الحاضرة هي تلك الكبرى قال: «زوجتك هذه و هي الكبرى» لا يقع العقد على الكبرى بلا إشكال، و في وقوعه على المشار إليها وجه لكن لا يترك الاحتياط بتجديد العقد أو الطلاق.

مسألة ١٤ ـ لا إشكال في صحة التوكيل في النكاح من طرف واحد أو من طرفين بتوكيل الزوج أو الزوجة إن كانا كاملين أو بتوكيل وليهما إن كانا قاصرين. ويجب على الوكيل أن لا يتعدى عما عيّنه الموكل من حيث الشخص والمهر و سائر الخصوصيات. فان تعدى كان فضولياً موقوفاً على الاجازة، و كذا يجب عليه مراعاة مصلحة الموكل، فان تعدى و أتى بما هو خلاف المصلحة كان فضولياً، نعم لو عين خصوصية تعينت و نفذ عمل الوكيل و إن كان ذلك على خلاف مصلحة الموكل.

مسألة ١٥ ـ لو وكلت المرأة رجلاً في تزويجها ليس له أن يزوجها من نفسه إلا إذا صرحت بالتعميم أو كان كلامها بحسب متفاهم العرف ظاهراً في العموم بحيث يشمل نفسه.

مسألة ١٦ ـ الأقوى جواز تولي شخص واحد طرفي العقد بأن يكون موجباً و قابلاً من الطرفين أصالة من طرف و وكالة من آخر، أو ولاية من الطرفين أو وكالة عنهما او بالاختلاف و إن كان الأحوط الأولى مع الامكان تولي الاثنين وعدم تولي شخص واحد للطرفين خصوصاً في تولي الزوج طرفي العقد أصالة من

کا نام فاطمہ ہو لیکن حقیقت میں فاطمہ چھوٹی لڑکی کا نام ہو اور بڑی لڑکی کا نام خدیجہ ہو اور صیغہ اس طرح جاری کرے "میں نے اپنی لڑکیوں میں سے بڑی لڑکی فاطمہ کو تیری زوجیت میں دیا" تو عقد بڑی لڑکی جس کا نام خدیجہ اسی کا ہوگا اور جس کا نام فاطمہ ہے اس کا ذکر لغو اور بے معنیٰ ہوگا۔ لیکن اگر فاطمہ کی شادی کرنا مقصود ہو اور خیال یہ ہو کہ وہ بڑی لڑکی ہے لیکن بعد میں پتہ چلے کہ فاطمہ چھوٹی ہے تو اسی کا عقد واقع ہوگا جس کا نام فاطمہ ہے۔ اور عقد میں اس کے بڑی ہونے کے وصف کا ذکر لغو ہوگا۔ اسی طرح اگر موجودہ عورت کا عقد کرنا مقصود ہو اور اس کے گمان میں وہ بڑی ہو اور اس کا نام فاطمہ ہو، پس صیغہ ان الفاظ میں جاری کرے "میں نے اس لڑکی کو جو میری بڑی لڑکی ہے اور جس کا نام فاطمہ ہے تیری زوجیت میں دیا" لیکن بعد میں معلوم ہو کہ وہ چھوٹی ہے اور اس کا نام فاطمہ نہیں بلکہ خدیجہ ہے تو اسی کا عقد واقع ہوگا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور نام اور وصف کے ذکر کو لغو قرار دیا جائے گا۔ اور اگر بڑی لڑکی کا عقد کرنا مقصود ہو اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ جو لڑکی حاضر ہے وہی بڑی لڑکی ہے۔ اس طرح صیغہ جاری کردے "میں نے اس لڑکی کو کہ جو بڑی لڑکی ہے تیری زوجیت میں دیا" تو بلا اشکال بڑی لڑکی کا عقد واقع نہیں ہوگا۔ اور اس صورت میں ممکن ہے کہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا عقد واقع ہو جائے۔ لیکن پھر بھی تجدید عقد یا طلاق کے ذریعہ احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۱۴: نکاح میں ایک طرف یا دونوں طرف سے وکیل بنانے کے صحیح ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ چنانچہ زوج اور زوجہ اگر بالغ و عاقل ہوں تو وہ وکیل بنائیں اور اگر کامل نہ ہوں بلکہ قاصر ہوں تو ان کے ولی وکیل بنائیں۔ وکیل پر واجب ہے کہ وہ شخصیت، مہر اور موکل کی طرف سے دیگر تمام معینہ خصوصیات سے تجاوز نہ کرے۔

پس اگر تجاوز کرتا ہے تو عقد فضولی ہے اور اجازت پر موقوف رہے گا۔ اسی طرح مؤکل کی مصلحت کی رعایت کرنا بھی وکیل پر واجب ہے۔ پس اگر زیادتی کرے اور خلافِ مصلحت عمل کرے تو عقد فضولی کہلائے گا۔

ہاں اگر مؤکل کوئی خصوصیت معین کردے تو وہ معین ہو جائے گی اور اس میں وکیل کا عمل نافذ ہوگا چاہے وہ موکل کی مصلحت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

مسئلہ ۱۵: اگر عورت کسی شخص کو اپنی شادی کے سلسلے میں وکیل بنائے تو وکیل کو اپنے ساتھ اس عورت کی شادی کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ مگر یہ کہ عورت صاف صاف اس کو عام اختیار دے دے۔ یا عرفِ عام کی نظر میں اس کا کلام ایسا عام ہو جو وکیل کو بھی شامل ہوتا ہو۔

مسئلہ ۱۶: اقویٰ یہ ہے کہ ایک ہی شخص کا دونوں طرف سے عقد پڑھنے کی ذمہ داری قبول کرنا جائز ہے۔ اس طرح کہ دونوں طرف سے وہی "موجب" بھی ہو اور "قابل" بھی۔ چاہے ایک طرف سے وہ خود ہو اور دوسری طرف سے وکیل کی حیثیت سے ہو۔ یا دونوں کی طرف سے ولی کی حیثیت سے ہو۔ یا دونوں کی جانب سے وکیل ہو یا حیثیتیں مختلف ہوں (مثلاً ایک کی طرف سے ولی اور دوسرے کی طرف وکیل)۔ اگرچہ احتیاط اور بہتر بھی ہے

طرفه و وكالة عن الزوجة في عقد الانقطاع فانه لا يخلو من إشكال غير معتد به لكن لا ينبغي فيه ترك الاحتياط.

مسألة ١٧ ـ إذا وكّلا وكيلا في العقد في زمان معين لا يجوز لهما المقاربة بعد ذلك الزمان ما لم يحصل لهما العلم بايقاعه و لا يكفي الظن، نعم لو أخبر الوكيل بالايقاع كفى، لأن قوله حجة فيما و كل فيه.

مسألة ١٨ ـ لا يجوز اشتراط الخيار في عقد النكاح دواماً أو انقطاعاً لا للزوج و لا للزوجة، فلو شرطاه بطل الشرط، بل المشهور على بطلان العقد أيضاً، و قيل ببطلان الشرط دون العقد، و لا يخلو من قوة، و يجوز اشتراط الخيار في المهر مع تعيين المدة، فلو فسخ ذو الخيار سقط المهر المسمى، فيكون كالعقد بلا ذكر المهر، فيرجع إلى مهر المثل، هذا في العقد الدائم الذي لا يعتبر فيه ذكر المهر، و أما المتعة التي لا تصح بلا مهر فهل يصح فيها اشتراط الخيار في المهر؟ فيه إشكال.

مسألة ١٩ ـ إذا ادعى رجل زوجية امرأة فصدقته أو ادعت امرأة زوجية رجل فصدقها حكم لهما بذلك مع احتمال الصدق، و ليس لأحد الاعتراض عليهما من غير فرق بين كونهما بلديين معروفين أو غريبين، و أما إذا ادعى أحدهما الزوجية و أنكر الآخر فالبينة على المدعي و اليمين على من أنكر، فإن كان للمدعي بينة حكم له، و إلا فتتوجه اليمين إلى المنكر فإن حلف سقطت دعوى المدعي، و إنْ نكل يرد الحاكم اليمين على المدعي، فإن حلف ثبت الحق، و إن نكل سقط، و كذا لورده المنكر على المدعي و حلف ثبت، و ان نكل سقط،هذا بحسب موازين القضاء و قواعد الدعوى و أما بحسب الواقع فيجب على كل منهما العمل على ما هو تكليفه بينه و بين الله تعالى.

مسألة ٢٠ ـ إذا رجع المنكر عن إنكاره إلى الاقرار يسمع منه و يحكم بالزوجية بينهما و إن كان ذلك بعد الحلف على الأقوى.

مسألة ٢١ ـ إذا ادعى رجل زوجية امرأة و أنكرت فهل لها أن تتزوج من

کہ حتی الامکان ذُو اشخاص ہوں۔ اور ایک ہی شخص کو دونوں طرف سے عقد پڑھنے کا ذمہ دار بنایا جائے۔ خاص طور سے عقدِ متعہ میں زوج اپنی طرف سے بذاتِ خود اور زوجہ کی جانب سے وکیل بن کر عقد نہ پڑھے اس لئے کہ یہ اشکال سے خالی نہیں اگرچہ وہ اشکال ناقابلِ اعتنا ہے۔ لیکن پھر بھی اس میں ترکِ احتیاط سزاوار نہیں۔

مسئلہ ۱۷: جب ایک معیّن وقت میں عقد پڑھنے پر کسی کو وکیل مقرر کر دیں تو وہ وقت گذرنے کے بعد اس وقت تک مقاربت جائز نہیں ہوگی جب تک عقد واقع ہو جانے کا یقین نہ ہو جائے۔ اس میں گمان کافی نہیں ہے۔

ہاں اگر وکیل عقد واقع کر دینے کی اطلاع کر دے تو کافی ہے۔ اس لئے کہ وکالت کی حد تک اس کا قول حجت ہے۔

مسئلہ ۱۸: عقدِ نکاح میں چاہے دائمی ہو یا منقطع زوج اور زوجہ کسی کیلئے بھی خیارِ فسخ کی شرط رکھنا جائز نہیں۔ پس اگر وہ شرط رکھیں تو شرط باطل ہوگی۔ بلکہ مشہور علماء کا کہنا ہے کہ عقد بھی باطل ہو جائے گا۔ جب کہ ایک قول یہ ہے کہ شرط باطل ہوگی۔ عقد باطل نہیں ہوگا اور یہ قول قوت سے خالی نہیں۔ اور مہر میں مُدّت معیّن کرنے کے ساتھ خیارِ فسخ کی شرط رکھنا جائز ہے۔ پس اگر صاحبِ خیار مہر کو فسخ کرے تو معینہ مہر ساقط ہو جائے گا۔ اور عقد بغیر مہر کا رہ جائے گا۔ اور "مہر المثل" کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

یہ تھا عقدِ دائم کا حکم جس میں ذکر مہر معتبر نہیں ہے۔ لیکن عقد متعہ کہ جو مہر کے بغیر صحیح نہیں ہوتا آیا اس کے مہر میں خیارِ فسخ کی شرط رکھنا صحیح ہے یا نہیں؟ اس میں اشکال ہے۔

مسئلہ ۱۹: جب کوئی شخص کسی عورت کے بارے میں یہ دعویٰ کرے کہ وہ اسکی زوجہ ہے اور وہ عورت اسکی تصدیق کر دے یا کوئی عورت کسی شخص کی بیوی ہونیکا دعویٰ کرے اور وہ شخص اس عورت کی تصدیق کر دے تو اگر انکے سچے ہونیکا احتمال ہو تو ان پر زوج و زوجہ ہونیکا حکم لگایا جائیگا۔ اور کسی کو انپر اعتراض کرنیکا حق حاصل نہیں ہوگا۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ چاہے وہ اسی شہر کے مشہور شہری ہوں یا دوسرے شہر سے متعلق ہوں۔ لیکن اگر ان میں سے ایک زوجیت کا دعویٰ کرے جبکہ دوسرا منکر ہو تو دعویٰ کرنیوالے کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ گواہ پیش کرے اور انکار کرنیوالے کی ذمہ داری ہے کہ وہ قسم کھائے۔ پس اگر دعویٰ کرنیوالا گواہ پیش کر دے تو اس کے حق میں حکم صادر کیا جائیگا۔ لیکن اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو منکر کی ذمہ داری ہے کہ وہ قسم کھائے۔ پس اگر منکر حلف اُٹھائے تو مدعی کا دعویٰ ساقط ہو جائیگا۔ اور اگر وہ حلف اُٹھانے سے انکار کر دے تو حاکم شرع مدعی کو حلف اُٹھانے کے لئے کہے گا۔ پس اگر مدعی حلف اُٹھائے تو حق ثابت ہو جائیگا۔ لیکن اگر وہ انکار کر دے تو حق ساقط ہو جائے گا۔ یہی حکم وہاں بھی ہے کہ جب منکر مدعی سے قسم کھانے کیلئے کہے اور مدعی قسم کھائے تو دعویٰ ثابت ہو جائیگا۔ لیکن اگر وہ انکار کر دے تو دعویٰ ساقط ہو جائیگا۔ یہ تو تھا شرعی قضاوت و قواعد کی روشنی میں۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے دونوں پر واجب ہے کہ وہ خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے اپنی شرعی ذمہ داری پر عمل کریں۔

مسئلہ ۲۰: منکر جب انکار سے اقرار کی طرف پلٹ آئے تو اس کا اقرار قبول کیا جائیگا اور اقویٰ یہ ہے کہ ان دونوں پر زوجیت کا حکم لگایا جائے گا چاہے حلف اُٹھانے کے بعد ہی سہی۔

غيره و للغير أن يتزوجها قبل فصل الدعوى و الحكم ببطلان دعوى المدعي أم لا؟ و جهان، أقواهما الأول خصوصاً فيما لو تراخى المدعي في الدعوى أو سكت عنها حتى طال الأمر عليها، و حينئذ إن أقام المدعي بعد العقد عليها بينة حكم له بها و بفساد العقد عليها، و إن لم تكن بينة تتوجه اليمين إلى المعقود عليها، فإن حلفت بقيت على زوجيتها و سقطت دعوى المدعي، و كذا لو ردت اليمين على المدعي و نكل عن اليمين، و انما الاشكال فيما إذا نكلت عن اليمين أو ردّت اليمين على المدعي و حلف، فهل يحكم بسببها بفساد العقد عليها فيفرّق بينها و بين زوجها أم لا؟ و جهان أوجههما الثاني، لكن إذا طلقها الذي عقد عليها أو مات عنها زال المانع فترد إلى المدعي بسبب حلفه المردود عليه من الحاكم أو المنكر.

مسألة ٢٢ ـ يجوز تزويج امرأة تدعي أنها خلية من الزوج مع احتمال صدقها من غير فحص حتى فيما إذا كانت ذات بعل سابقاً فادعت طلاقها أو موته، نعم لو كانت متهمة في دعواها فالأحوط الأولى الفحص عن حالها فمن غاب غيبة منقطعة لم يعلم موته و حياته إذا ادعت زوجته حصول العلم لها بموته من الأمارات و القرائن و إخبار المخبرين جاز تزويجها و إن لم يحصل العلم بقولها، و يجوز للوكيل أن يجري العقد عليها إذا لم يعلم كذبها في دعوى العلم، و لكن الأحوط الترك خصوصاً إذا كانت متهمة.

مسألة ٢٣ ـ اذا تزوج بامرأة تدعي أنها خلية عن الزوج فادعى رجل آخر زوجيتها فهذه الدعوى متوجهة إلى كل من الزوج و الزوجة، فان أقام المدعي بينة شرعية حكم له عليهما و فرق بينهما وسلمت إليه، و مع عدم البينة توجه اليمين إليهما، فإن حلفا معاً على عدم زوجيته سقطت دعواه عليهما، و إن نكلا عن اليمين فردها الحاكم عليه أو رداها عليه و حلف ثبت مدعاه، و إن حلف أحدهما دون الآخر بأن نكل عن اليمين فردها الحاكم عليه أو ردّ هو عليه فحلف سقطت دعواه بالنسبة إلى الحالف، و أما بالنسبة الى الآخر و إن ثبتت دعوى المدعي بالنسبة إليه لكن ليس لهذا الثبوت أثر بالنسبة إلى من حلف، فإن كان الحالف

مسئلہ ۲۱: اگر کوئی شخص کسی عورت کے سلسلہ میں اپنی زوجہ ہونیکا دعویٰ کرے لیکن عورت انکار کر دے۔ تو دعویٰ کا فیصلہ ہونے سے پہلے کیا عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کر سکتی ہے اور کوئی دوسرا مرد اس سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں دو وجہیں ہیں۔ اقویٰ پہلی وجہ ہے۔ خاص طور سے ایسے موقع پر جب مدعی دعویٰ میں تاخیر کرے۔ یا مدعی اس قدر زیادہ دیر تک خاموشی اختیار کرے کہ عورت کے لئے وہ مدت طولانی ہو جائے۔ اس صورت میں اگر عقد کے بعد مدعی گواہ پیش کر دے تو گواہوں کی وجہ سے مدعی کے حق میں حکم دیا جائیگا۔ اور عورت کے دوسرے مرد سے عقد کو فاسد قرار دیا جائے گا۔ لیکن اگر مدعی کے پاس بینہ نہ ہو۔ تو جس عورت نے عقد کیا ہے اس کو حلف اٹھانا پڑے گا۔ پس اگر وہ حلف اٹھالیتی ہے تو اسکی زوجیت برقرار رہے گی اور مدعی کا دعویٰ ساقط ہو جائیگا۔ یہی حکم اسوقت بھی ہوگا جب عورت حلف اٹھانے کی ذمہ داری مدعی پر ڈال دے اور مدعی حلف اٹھانے سے انکار کر دے۔ اشکال صرف اس صورت میں ہے کہ جب عورت حلف اٹھانے سے انکار کر دے یا حلف اٹھانے کی ذمہ داری مدعی پر ڈالے اور مدعی حلف اٹھائے تو آیا اسکے باعث عقد کے فاسد ہونے کا حکم صادر کر کے مرد و عورت کے درمیان جدائی پیدا کی جائیگی یا نہیں؟ اس میں دو وجہیں ہیں۔ دوسری وجہ دونوں میں زیادہ بہتر ہے۔ لیکن جس نے عقد کیا ہے جب وہ اسے طلاق دیدے یا مر جائے تو عورت سے مانع زائل ہو جائیگا اور وہ مدعی کے حلف اٹھانے کی بناء پر کہ جس کی ذمہ داری حاکم شرع یا منکر نے اس پر ڈال دی تھی اس کی زوجیت میں دوبارہ آجائیگی۔

مسئلہ ۲۲: ایسی عورت کی شادی کر دینا جائز ہے جو بے شوہر ہونیکا دعویٰ کرے بشرطیکہ اسکے سچ پر مبنی ہونیکا احتمال ہو۔ اسکے لئے تحقیق لازمی نہیں حتیٰ اس عورت کے سلسلہ میں بھی کہ جو پہلے سے شوہر دار رہی ہو اور اب مطلقہ ہونے یا شوہر کے فوت ہو جانیکا دعویٰ کر رہی ہو "ہاں" اگر اسکا دعویٰ مشکوک ہو تو احتیاط اور بہتر یہی ہے کہ اسکے بارے میں تحقیق کی جائے۔ پس جو شخص بطور کلی یوں غائب ہو جائے کہ اسکا کوئی نام و نشان نہ ملے اور اسکے زندہ یا مردہ ہونے کا کوئی علم نہ ہو سکے جب اسکی بیوی مخبروں کے خبر دینے اور شواہد و قرائن کی بناء پر اسکی موت واقع ہو جانیکو یقینی قرار دے تو اسکی شادی کر دینا جائز ہے چاہے اسکی بات سے یقین حاصل نہ ہو۔ اور وکیل اگر اسکے دعوے کے جھوٹ پر مبنی ہونیکا علم نہ رکھتا ہو تو اسکے لئے اسکا عقد پڑھ دینا جائز ہے۔ لیکن احتیاط اجلائے عقد کے ترک میں ہے۔ خاص طور سے جب عورت پہلے سے متہم (مشکوک) ہو۔

مسئلہ ۲۳: جب کسی ایسی عورت سے شادی کرے جسکا دعویٰ ہو کہ وہ شوہر دار نہیں لیکن ایک دوسرا شخص یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ وہ اسکی زوجہ ہے تو اس دعوے کا تعلق زوج اور زوجہ دونوں سے ہے۔ پس اگر مدعی شرعی گواہی پیش کر دے تو ان میاں بیوی کے برخلاف اسکے حق میں حکم صادر کیا جائیگا۔ اور دونوں کو الگ کر کے عورت کو مدعی کے حوالے کیا جائیگا۔ لیکن اگر مدعی کے پاس شرعی گواہی موجود نہ ہو تو دونوں کو حلف اٹھانا پڑیگا۔ پس اگر وہ دونوں حلف اٹھا کر یہ کہدیں کہ وہ عورت مدعی کی زوجہ نہیں ہے تو ان کے خلاف دائر کیا گیا دعویٰ ساقط ہو جائیگا۔ اور اگر وہ دونوں حلف اٹھانے سے انکار کر دیں جسکی بناء پر حاکم شرع مدعی کو حلف اٹھانے کیلئے کہے یا وہ دونوں حلف اٹھانے کی ذمہ داری مدعی پر ڈالیں۔ اور مدعی حلف اٹھائے تو اسکا دعویٰ ثابت ہو جائیگا۔ اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک حلف اٹھائے جبکہ دوسرا حلف اٹھانے سے اجتناب کرے جسکی بناء پر یا حاکم شرع مدعی کو حلف اٹھانے کیلئے کہے یا انکار کرنیوالا بذاتِ خود حلف اٹھانے کی ذمہ داری مدعی پر ڈالے اور مدعی حلف اٹھائے۔ تو دونوں میں سے جس نے حلف اٹھالیا تھا اس پر سے مدعی کا دعویٰ ساقط ہو جائیگا۔ لیکن جسنے حلف نہیں

هو الزوج و الناكل هي الزوجة ليس لنكولها أثر بالنسبة إلى الزوج، إلا أنه لو طلقها أو مات عنها ردت إلى المدعي، و إن كان الحالف هي الزوجة و الناكل هو الزوج سقطت دعوى المدعي بالنسبة إليها و ليس له سبيل إليها على كل حال.

مسألة ٢٤ ـ إذا ادعت امرأة أنها خلية فتزوجها رجل ثم ادعت بعد ذلك أنها كانت ذات بعل لم تسمع دعواها، نعم لو أقامت البينة على ذلك فرّق بينهما، و يكفي في ذلك بأن تشهد بأنها كانت ذات بعل فتزوجت حين كونها كذلك من الثاني من غير لزوم تعيين زوج معين.

مسألة ٢٥ ـ يشترط في صحة العقد الاختيار أعني اختيار الزوجين، فلو أكرها أو أكره أحدهما على الزواج لم يصح، نعم لو لحقه الرضا صح على الأقوى.

فصل في أولياء العقد

مسألة ١ ـ للأب و الجد من طرف الأب بمعنى أب الأب فصاعداً ولاية على الصغير والصغيرة و المجنون المتصل جنونه بالبلوغ، و كذا المنفصل عنه على الظاهر، و لا ولاية للأم عليهم و للجد من طرف الأم ولو من قبل أمّ الأب بأن كان أباً لأمّ الأب مثلاً، و لا للأخ و العمّ والخال و أولادهم.

مسألة ٢ ـ ليس للأب والجد للأب ولاية على البالغ الرشيد، و لا على البالغة الرشيدة إذا كانت ثيبة، و أما إذا كانت بكراً ففيه أقوال: استقلالها و عدم الولاية لهما عليها لا مستقلاً و لا منضماً، و استقلالهما و عدم سلطنة و ولاية لها كذلك، و التشريك بمعنى اعتبار إذن الولي و إذنها معاً، و التفصيل بين الدوام و الانقطاع إما باستقلالها في الأول دون الثاني أو العكس و الأحوط الاستئذان منهما، نعم لا إشكال في سقوط اعتبار إذنهما إن منعاها من التزويج بمن هو كفو لها شرعاً وعرفاً مع ميلها، و كذا إذا كانا غائبين بحيث لا يمكن الاستئذان منهما

اٹھایا تھا۔ اسکے برخلاف اگرچہ مدعی کا دعویٰ ثابت ہے لیکن جس نے حلف اٹھا رکھا ہے اسکی بہ نسبت یہ ثبوت بے اثر ہے۔ پس اگر حلف اٹھانے والا شوہر ہو اور انکار زوجہ نے کیا ہو تو زوجہ کے حلف سے اجتناب کرنیکا شوہر پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ لیکن اگر عورت کو طلاق دیدے یا مرجائے تو عورت مدعی کی زوجیت میں پلٹ جائیگی۔ اور اگر حلف زوجہ نے اٹھایا ہو اور اس سے اجتناب شوہر نے کیا ہو تو عورت کی گردن سے مدعی کا دعویٰ ساقط ہو جائیگا۔ اور کسی بھی صورت میں مدعی کا اس عورت پر کوئی حق نہیں رہیگا۔

مسئلہ ۲۴: اگر کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ وہ بے شوہر ہے اور کوئی اس سے شادی کرلے۔ لیکن شادی کے بعد وہ یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ وہ شوہر دار تھی تو اسکا دعویٰ قابلِ سماعت نہیں۔ البتہ اگر وہ اپنے دعوے پر شرعی گواہ پیش کردے تو ان دونوں کو الگ کر دیا جائیگا اور گواہوں کا صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ یہ عورت پہلے سے شوہر دار تھی اور اس نے پہلے شوہر کی موجودگی میں دوسرے سے شادی کی ہے گواہوں کے لئے شوہر کو معیّن کرنا لازمی نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۵: عقد کے صحیح ہونے کیلئے اختیار شرط ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ زوج اور زوجہ اپنی مرضی سے عقد کریں۔ پس اگر ان دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو شادی کرنے پر مجبور کیا جائے تو عقد صحیح نہیں۔ البتہ اگر بعد میں راضی ہوجائیں تو اقوی یہ ہے کہ عقد صحیح ہے۔

اولیائے عقد کے احکام

مسئلہ ۱: باپ، دادا، پردادا اور ان سے بالاتر ان سبکو نابالغ لڑکے، نابالغ لڑکی اور ایسے دیوانے پر ولایت (سرپرستی) حاصل ہے جو جنون کی حالت میں بالغ ہو۔ اور اسی طرح ظاہراً اس دیوانے پر بھی ولایت حاصل ہے جس کی دیوانگی اور بلوغ میں فاصلہ ہو۔ لیکن ماں کو ان سب پر ولایت حاصل نہیں اور نہ ہی ماں کے باپ یعنی نانا اور نہ ہی باپ کے نانا کو ولایت حاصل ہے۔ اسی طرح بھائی، چچا، ماموں اور انکی اولاد کو بھی ولایت حاصل نہیں۔

مسئلہ ۲: باپ اور دادا بالغ و صاحبِ رشد لڑکے کے ولی نہیں ہوں گے۔ اور ایسی بالغ اور صاحبِ رشد لڑکی جو باکرہ نہ ہو اس پر بھی باپ اور دادا کو ولی ہونے کا حق حاصل نہیں۔ لیکن لڑکی اگر باکرہ ہو تو اس میں چند قول ہیں۔

۱:- پہلا قول یہ ہے کہ لڑکی آزاد ہے اور باپ اور دادا اسکے ولی نہیں نہ یکے بعد دیگرے اور نہ دونوں مل کر۔

۲:- دوسرا قول یہ ہے کہ لڑکی کوئی اختیار اور حق نہیں رکھتی، بلکہ باپ دادا مستقل طور پر اسکے ولی ہیں۔

۳:- تیسرے قول میں دونوں کو شریک کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ولی اور لڑکی دونوں کا اذن معتبر ہے۔

۴:- چوتھے قول میں عقدِ دائمی اور عقدِ متعہ کے درمیان فرق رکھا گیا ہے اسی طرح کہ عقدِ دائمی میں لڑکی آزاد ہے جبکہ عقدِ متعہ میں ولی کے اذن کی ضرورت ہے۔ یا اسکے برعکس (یعنی عقدِ متعہ میں لڑکی آزاد ہے جبکہ عقدِ دائمی میں ولی کی اجازت ضروری ہے۔

اور احتیاط یہ ہے کہ دونوں (باپ، دادا) سے اجازت لی جائے۔ البتہ لڑکی اگر کسی کی طرف مائل ہو اور وہ شخص لڑکی کا شرعی اور عرفی اعتبار سے کفو بھی ہو لیکن باپ، دادا اس کو شادی سے منع کرتے ہوں تو ایسی صورت میں بلاشبہ ان کی اجازت ضروری نہیں۔ یہی حکم اس وقت بھی ہے جب باپ، دادا غائب ہوں۔ اس

مع حاجتها إلى التزويج.

مسألة ٣ ـ ولاية الجد ليست منوطة بحياة الأب و لا موته، فعند وجودهما استقل كل منهما بالولاية، و إذا مات أحدهما اختصت بالآخر، و أيهما سبق في تزويج المولىّ عليه عند وجود هما لم يبق محل للآخر، ولو زوج كل منهما من شخص فإن علم السابق منهما فهو المقدم و لغا الآخر، و إن علم التقارن قدم عقد الجد و لغا عقد الأب، و إن جهل تاريخهما فلا يعلم السبق و اللحوق و التقارن لزم إجراء حكم العلم الاجمالي بكونها زوجة لأحدهما و إن علم تاريخ أحدهما دون الآخر فان كان المعلوم تاريخ عقد الجد قدم على عقدالأب و إن كان عقد الأب قدم على عقد الجد، لكن لا ينبغي ترك الاحتياط في هذه الصورة.

مسألة ٤ ـ يشترط في صحة تزويج الأب والجد و نفوذه عدم المفسدة و إلا يكون العقد فضولياً كالأجنبي يتوقف صحته على إجازة الصغير بعد البلوغ بل الأحوط مراعاة المصلحة.

مسألة ٥ ـ إذا وقع العقد من الأب أو الجد عن الصغير أو الصغيرة مع مراعاة ما يجب مراعاته لاخيار لهما بعد بلوغهما بل هو لازم عليهما.

مسألة ٦ ـ لو زوج الولي الصغيرة بدون مهر المثل أو زوج الصغير بأزيد منه فان كانت هناك مصلحة تقتضي ذلك صح العقد و المهر و لزم، و إن كانت المصلحة في نفس التزويج دون المهر فالأقوى صحة العقد و لزومه و بطلان المهر بمعنى عدم نفوذه و توقفه على الاجازة بعد البلوغ، فان أجاز استقر، و إلا رجع إلى مهر المثل.

مسألة ٧ ـ السفيه المبذر المتصل سفهه بزمان صغره أو حجر عليه للتبذير لا يصح نكاحه إلا باذن أبيه أو جده أو الحاكم مع فقدهما، و تعيين المهر و المرأة إلى الولي، ولو تزوج بدون الاذن وقف على الاجازة، فان رأى المصلحة وأجاز جاز و لا يحتاج إلى إعادة الصيغة.

مسألة ٨ ـ إذا زوج الولي المولىّ عليه بمن له عيب لم يصح و لم ينفذ سواء كان

طرح کہ ان سے اجازت حاصل کرنا ممکن نہ ہو اور لڑکی کو شادی کی حاجت بھی ہو۔

مسئلہ ۳: دادا کا "ولی" ہونا باپ کی زندگی یا موت پر موقوف نہیں بلکہ اگر دونوں موجود ہوں تو ہر ایک مستقل طور پر ولی ہوگا۔ اور ایک کے مرجانے کے بعد ولایت دوسرے سے مختص ہو جائے گی۔ اور جب دونوں موجود ہوں تو جس پر انھیں ولایت حاصل ہے اس کی شادی کے سلسلہ میں جو بھی پہلے اقدام کرے گا دوسرے کے اقدام کی گنجائش نہیں رہے گی اور اگر ان میں سے ہر ایک کسی شخص سے اس کی شادی کر دے تو جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس نے پہلے اقدام کیا ہے اس کو مقدم کیا جائے دوسرے کا اقدام لغو ہوگا۔ اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ دونوں نے ایک ساتھ اقدام کیا ہے تو دادا کے عقد کو مقدم کیا جائے گا۔ جبکہ باپ کا عقد بیکار ہوگا۔ اور اگر کسی کی تاریخ معلوم نہ ہو۔ اور ان میں سے کسی کے سابق، لاحق یا دونوں کے ایک ساتھ ہونیکا علم نہ ہو سکے۔ تو اس پر حکم اجمالی کا اجراء لازم ہوگا یعنی یہ کہ وہ دونوں میں سے ایک کی زوجہ ہے اور اگر ایک کی تاریخ معلوم ہو جبکہ دوسرے کی نامعلوم۔ پس اگر دادا کی طرف سے جاری کئے گئے عقد کی تاریخ معلوم ہو تو اسے باپ کی طرف سے جاری کئے جانے والے عقد پر مقدم کیا جائیگا۔ اور اگر باپ کی طرف سے جاری کئے ہوئے عقد کی تاریخ معلوم ہو جائے تو اُسے دادا والے عقد پر مقدم کیا جائیگا۔ لیکن اس صورت میں ترکِ احتیاط سزاوار نہیں۔

مسئلہ ۴: باپ اور دادا کے عقد صحیح اور نافذ ہونے میں مفسدہ نہ ہونا شرط ہے۔ اور اگر فساد کا اندیشہ ہو تو یہ عقد فضولی اگر کا جیسے عقد غیر جس کا صحیح ہونا بالغ ہونے کے بعد بچے کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ بلکہ احتیاط یہ ہے کہ مصلحت کی رعایت برتی جائے۔

مسئلہ ۵: جب باپ یا دادا کسی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا عقد تمام واجب مصلحتوں کی مراعات کرتے ہوئے جاری کر دیں تو بالغ ہونیکے بعد انکو عقد فسخ کرنیکا اختیار نہیں ہوگا بلکہ اس عقد کی وفا ان پر لازم ہوگی۔

مسئلہ ۶: اگر "ولی" مہر مثل کے بغیر نابالغ بچی یا مہر مثل سے زیادہ، پر نابالغ بچے کا عقد پڑھ دے۔ پس اگر اس کے ایسا کرنے میں کوئی مصلحت ہو تو عقد اور مہر صحیح اور لازم ہوں گے۔ لیکن اگر مصلحت صرف عقد میں ہو مہر میں کوئی مصلحت نہ ہو تو اقوی یہ ہے کہ عقد صحیح اور اس کی پابندی لازم ہے۔ جبکہ مہر باطل ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ نافذ نہیں بلکہ بالغ ہونے کے بعد اجازت پر موقوف رہے گا پس اگر وہ اجازت دیدے تو وہی مہر مستقر و متعین ہو جائے گا۔ لیکن اگر اجازت نہ دے تو مہر مثل دینا پڑے گا۔

مسئلہ ۷: اسراف کرنے والے سفیہ کا (جو ابتدائے بلوغ سے سفیہ ہو یا اسراف کی وجہ سے اس کو تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہو۔) نکاح اس کے باپ یا دادا کی اجازت کے بغیر اور اگر وہ دونوں نہ ہوں تو حاکم شرع کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں۔ چنانچہ اس کے لئے لڑکی کا انتخاب اور مہر کی تعیین "ولی" کا کام ہے۔ اور اگر وہ بغیر اجازت کے شادی کرے تو شادی کا صحیح ہونا ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ پس اگر ولی مصلحت دیکھے اور اجازت دے دے تو جائز ہے اور دوبارہ صیغہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ ۸: جب ولی "مولیٰ علیہ" (جس کا وہ ولی ہے) کی شادی کسی معیوب سے کر دے تو صحیح نہیں اور یہ عقد

من العيوب الموجبة للخيار أو غيرها ككونه منهمكاً في المعاصي و كونه شارب الخمر أو بذي اللسان سيء الخلق و أمثال ذلك، إلا إذا كانت مصلحة ملزمة في تزويجه، و حينئذ لم يكن خيار الفسخ لا له و لا للمولىّ عليه إذا لم يكن العيب من العيوب المجوزة للفسخ، و إن كان منها فالظاهر ثبوت الخيار للمولىّ عليه بعد بلوغه، هذا كله مع علم الولي بالعيب، و إلا ففيه تأمل و تردد و إن لا تبعد الصحة مع اعمال جهده في احراز المصلحة، و على الصحة له الخيار في العيوب الموجبة للفسخ، كما أن للمولّى عليه ذلك بعد رفع الحجر عنه، و في غيرها لا خيار له و لا للولي على الأقوى.

مسألة ٩ ـ ينبغي بل يستحب للمرأة المالكة أمرها أن تستأذن أباها أو جدها و ان لم يكونا فأخاها، و ان تعدد الأخ قدمت الأكبر.

مسألة ١٠ ـ هل للوصي أي القيم من قبل الأب أو الجد ولاية على الصغير والصغيرة في النكاح؟ فيه إشكال لا يترك الاحتياط.

مسألة ١١ ـ ليس للحاكم ولاية في النكاح على الصغير ذكراً كان أو أنثى مع فقد الأب و الجد، ولو اقتضت الحاجة و الضرورة و المصلحة اللازمة المراعاة النكاح بحيث ترتب على تركه مفسدة يلزم التحرزعنها قام الحاكم به، ولا يترك الاحتياط بضم إجازة الوصي للأب أو الجد مع وجوده و كذا فيمن بلغ فاسد العقل أو تجدد فساد عقله إذا كان البلوغ و التجدد في زمان حياة الأب أو الجد.

مسألة ١٢ ـ يشترط في ولاية الأولياء البلوغ و العقل و الحرية و الاسلام إذا كان المولىّ عليه مسلماً، فلا ولاية للصغير و الصغيرة على أحد، بل الولاية في موردها لوليهما، و كذا لا ولاية للأب والجد إذا جنّا، و إن جنّ أحدهما يختص الولاية بالآخر، و كذا لا ولاية للأب الكافر على ولده المسلم، فتكون للجد إذا كان مسلماً، و الظاهر ثبوت ولايته على ولده الكافر إذا لم يكن له جد مسلم، و إلا فلا يبعد ثبوتها له دون الكافر.

مسألة ١٣ ـ العقد الصادر من غير الوكيل والولي المسمى بالفضولي يصح مع

نافذ نہیں ہوگا۔ چاہے وہ عیب موجب خیار ہو یا نہ ہو، مثلاً وہ شخص گناہوں میں غرق ہو۔ یا بے انتہا شرابی ہو۔ یا بدزبان اور بداخلاق یا انکے مانند ہو۔ مگر یہ کہ مصلحت اتنی قوی ہو جو اس سے شادی کر دینے کو ضروری قرار دے رہی ہو۔ تو اس صورت میں "ولی" اور "مولیٰ علیہ" میں سے کسی کو بھی عقد کے فسخ کر دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ وہ عیب، ان عیوب میں سے نہ ہو جن کے ہوتے ہوئے عقد کو فسخ کر دینا جائز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر عیب فسخ عقد کو جائز قرار دینے والے عیوب میں سے ہو تو ظاہراً بالغ ہونے کے بعد "مولیٰ علیہ" کو فسخ عقد کا اختیار ہوگا۔ یہ حکم تو اس صورت میں ہے کہ جب ولی کو عیب کے بارے میں علم ہو۔ بصورتِ دیگر اس میں تامل اور تردد ہے۔ اگرچہ کوشش کرنے کے بعد اگر مصلحت کو درک کرے تو صحیح ہونا بعید نہیں ہے۔ اور صحیح ہونے کی صورت میں بھی ایسے عیوب میں جو موجب فسخ ہوتے ہیں اسکو فسخ عقد کا اختیار ہوگا۔ جیسا کہ ممنوعیت تصرف ختم ہو جانے کے بعد مولیٰ علیہ کو یہ حق حاصل ہے۔ اور ان کے علاوہ دوسرے عیوب کے سلسلہ میں اقویٰ یہ ہے کہ ولی اور مولیٰ علیہ میں سے کسی کو بھی خیار فسخ کا حق حاصل نہیں۔

مسئلہ ۹: خود مختار عورت کے لئے بہتر بلکہ مستحب ہے کہ وہ اپنے باپ یا دادا، اور اگر وہ دونوں نہ ہوں تو اپنے بھائی سے اجازت حاصل کرے چنانچہ جب بھائی متعدد ہوں تو بڑے بھائی کو مقدم کرے۔

مسئلہ ۱۰: باپ یا دادا کی طرف سے بچہ یا بچی کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کردہ وصی یا قیم (سرپرست) آیا اس کے نکاح کے سلسلے میں بھی اختیار رکھتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اشکال ہے۔ احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۱۱: جب باپ اور دادا موجود نہ ہوں تو حاکم شرع نابالغ کے نکاح کا اختیار نہیں رکھتا چاہے نابالغ لڑکا ہو یا لڑکی۔ لیکن اگر ضرورت درپیش ہو اور مصلحت لازمہ عقد کر دینے کا تقاضہ کرے اس طرح کہ عقد نہ کرنے کی وجہ سے ایسا فساد پھیلتا ہو جس سے اجتناب لازمی ہو تو حاکم شرع عقد کے سلسلہ میں اقدام کرے۔ اور اگر باپ یا دادا کی طرف سے وصی موجود ہو تو اس سے احتیاطاً اجازت بھی لی جائے۔ یہی حکم دیوانگی کی حالت میں بالغ ہونے والے کا بھی ہے اور اس کا بھی جس کی عقل نئے سرے سے فاسد ہوتی ہو۔ بشرطیکہ وہ باپ یا دادا کی زندگی میں بالغ اور نئے سرے سے فاسد العقل ہوا ہو۔

مسئلہ ۱۲: اولیائے عقد کا ولی ہونے کے لئے بالغ، عاقل، آزاد اور مسلمان ہونا شرط ہے اگر ان کا "مولیٰ علیہ" مسلمان ہو۔ پس چھوٹا بچہ یا بچی کسی کے ولی نہیں بن سکتے بلکہ ایسے موارد میں ان کے ولی کو "ولایت" حاصل ہوگی۔ اسی طرح باپ اور دادا اگر دیوانے ہوں تو وہ بھی ولی نہیں ہوں گے۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک دیوانہ ہو جائے تو ولایت دوسرے سے مختص ہوگی۔ اور اسی طرح کافر باپ مسلمان بیٹے پر حقِ ولایت نہیں رکھتا۔

پس دادا اگر مسلمان ہو تو وہی پوتے کا ولی ہوگا۔ اور ظاہراً کافر باپ اپنے کافر بیٹے کا "ولی" ہوگا بشرطیکہ اس کا مسلمان دادا موجود نہ ہو۔ چنانچہ اگر مسلمان دادا موجود ہو تو کافر کے بجائے اس کے لئے ولایت کا ثابت ہونا بعید نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۳: "ولی" اور "وکیل" کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف سے صادر ہونے والا عقد، کہ جسے "عقدِ فضولی" کہتے ہیں۔ اجازت کے بعد صحیح ہوتا ہے۔ چاہے دونوں طرف سے عقدِ فضولی ہو یا ایک طرف

الاجازة، سواء كان فضولياً من الطرفين أو من أحدهما، و سواء كان المعقود عليه صغيراً أو كبيراً، و سواء كان العاقد قريباً للمعقود عليه كالأخ و العم و الخال أو أجنبياً، و منه العقد الصادر من الولي أو الوكيل على غير الوجه المأذون فيه بأن أوقع الولي على خلاف المصلحة أو الوكيل على خلاف ما عيّنه الموكل.

مسألة ١٤ ـ إن كان المعقود له ممن يصح منه العقد لنفسه بأن كان بالغاً عاقلاً فانما يصح العقد الصادر من الفضولي باجازته، و إن كان ممن لا يصح منه العقد و كان مولىً عليه بأن كان صغيراً أو مجنوناً فانما يصح إما باجازة وليه في زمان قصوره أو إجازته بنفسه بعد كماله، فلو أوقع الأجنبي عقداً على الصغير أو الصغيرة وقفت صحة عقده على إجازتهما له بعد بلوغهما و رشدهما إن لم يجز أبوهما أو جدهما في حال صغرهما، فأيّ من الاجازتين حصلت كفت، نعم يعتبر في صحة إجازة الولي ما اعتبر في صحة عقده، فلو أجاز العقد الواقع على خلاف مصلحة الصغير لغت إجازته و انحصر الأمر في إجازته بنفسه بعد بلوغه و رشده.

مسألة ١٥ ـ ليست الاجازة على الفور، فلو تأخرت عن العقد بزمن طويل صحت سواء كان التأخير من جهة الجهل بوقوعه أو لأجل التروي أو للاستشارة أو غير ذلك.

مسألة ١٦ ـ لا أثر للاجازة بعد الرد، و كذا لا أثر للرد بعد الاجازة فبها يلزم العقد و به ينفسخ، سواء كان السابق من الرد أو الاجازة واقعاً من المعقود له أو وليه، فلو أجاز أو ردّ وليّ الصغيرين العقد الواقع عليهما فضولاً ليس لهما بعد البلوغ ردّ في الأول و لا إجازة في الثاني.

مسألة ١٧ ـ إذا كان أحد الزوجين كارهاً حال العقد لكن لم يصدر منه رد له فالظاهر أنه يصح لو أجاز بعد ذلك ، بل الأقوى صحته بها حتى لو استؤذن فنهى و لم يأذن و مع ذلك أوقع الفضولي العقد.

مسألة ١٨ ـ يكفي في الاجازة المصححة لعقد الفضولي كل ما دل على إنشاء الرضا بذلك العقد، بل يكفي الفعل الدال عليه.

سے، اور جس کا عقد کیا گیا ہو وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور عقد کرنے والا، عقد کئے جانے والے کا رشتہ دار ہو جیسے بھائی، چچا، ماموں یا اجنبی ہو۔ اور بغیر اذن کے "ولی" یا "وکیل" کی طرف سے صادر ہونے والا عقد بھی اسی قبیل سے ہے، مثلاً ولی خلاف مصلحت عقد کر دے، یا وکیل موکل کی مرضی کے خلاف عمل کرے۔

مسئلہ ۱۴: جس کا عقد واقع ہوا ہے اگر وہ ایسے اشخاص میں سے ہو جن کا اپنے لئے عقد کرنا صحیح ہوتا ہے مثلاً وہ بالغ اور عاقل ہو تو "فضولی" کی طرف سے صادر ہونے والا عقد اس کی اجازت سے صحیح ہوگا۔ اور اگر وہ ایسے افراد میں سے ہو جن کا اپنے لئے عقد کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ اور وہ کسی کی سرپرستی میں مثلاً بچہ یا دیوانہ ہو تو عقد صحیح ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ اس کے نابالغی اور دیوانگی کے زمانہ میں اس کے ولی کی اجازت مل جائے۔ یا اس کے بالغ اور عاقل ہو جانے کے بعد وہ خود اجازت دے۔ پس اگر کوئی اجنبی شخص بچے یا بچی کا عقد کر دے تو اس عقد کا صحیح ہونا۔ بلوغ اور رشد کے بعد ان کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر بچپنے میں ان کے باپ یا دادا نے اجازت نہ دی ہو۔ اور دونوں یعنی بالغ ہونے کے بعد بچے یا ولی میں سے ایک کی اجازت بھی عقد صحیح ہونے کے لئے کافی ہے۔ البتہ "ولی" کی اجازت صحیح ہونے میں وہ تمام شرطیں معتبر ہیں جو اس کا عقد صحیح ہونے میں اعتبار رکھتی ہیں۔ پس اگر بچہ کی مصلحت کے بر خلاف واقع ہونے والے عقد کی اجازت دے تو اس کی اجازت لغو و بیہودہ ہو گی۔ اور اس صورت میں عقد کی صحت بالغ اور صاحب رشد ہو جانے کے بعد بچہ کی اجازت پر منحصر رہے گی۔

مسئلہ ۱۵: اجازت کا فوری ہونا ضروری نہیں۔ پس اگر عقد واقع ہو جائے اور ایک طویل مدت گذر جانے کے بعد اجازت دے تو اجازت صحیح ہو گی چاہے وقوع عقد سے لاعلمی کی بناء پر تاخیر ہوئی ہو۔ یا غور و فکر اور مشورے وغیرہ میں اتنا وقت گذرا ہو۔

مسئلہ ۱۶: عقد کو ٹھکرا دینے کے بعد اجازت دینا بے سود ہے اور اسی طرح اجازت دینے کے بعد عقد کو ٹھکرانا بھی بے اثر ہے۔ پس اجازت سے عقد کی وفا لازم ہو جاتی ہے اور ٹھکرا دینے سے عقد فسخ ہو جاتا ہے۔ چاہے رد اور اجازت میں سے پہلے واقع ہونے والی چیز معقود لہ (جس کا عقد ہوا ہے) کی طرف سے صادر ہو یا اس کے ولی کی جانب سے۔ پس اگر بچے یا بچی کا ولی ان کے "فضولی عقد" کی اجازت دے دے یا اسے رد کر دے تو وہ دونوں بالغ ہونے کے بعد اجازت کی صورت میں رد نہیں کر سکتے اور ٹھکرا دیئے جانے کی صورت میں اجازت نہیں دے سکتے۔

مسئلہ ۱۷: جب زوجین میں سے کوئی ایک عقد واقع ہوتے وقت اس کو ناپسند کرتا ہو۔ لیکن اسکو ٹھکرائے اور بعد میں اجازت دیدے تو ظاہراً صحیح ہے۔ بلکہ اگر اس سے اجازت لی جائے اور وہ منع کر دے اور اجازت نہ دے اور اسی حالت میں، شخص اجنبی (فضولی) عقد صادر کر دے تو بھی اقوی یہ ہے کہ عقد صحیح ہے۔

مسئلہ ۱۸: عقدِ فضولی کی صحت کے لئے جو اجازت شرط ہے اس کے لئے ایسے الفاظ کافی ہیں جو وقوع عقد کے سلسلہ میں راضی ہونے پر دلالت رکھتے ہوں۔ بلکہ ایسا فعل انجام دینا بھی کافی ہے جو رضایت پر دلالت رکھتا ہو۔

مسألة ١٩ ـ لا يكفي الرضا القلبي في صحة العقد و خروجه عن الفضولية و عدم الاحتياج إلى الاجازة، فلو كان حاضراً حال العقد راضياً به إلا أنه لم يصدر منه قول أو فعل يدل على رضاه فالظاهر أنه من الفضولي، نعم قد يكون السكوت إجازة، و عليه تحمل الأخبار في سكوت البكر.

مسألة ٢٠ ـ لا يعتبر في وقوع العقد فضولياً قصد الفضولية و لا الالتفات اليها، بل المدار في الفضولية و عدمها هو كون العقد بحسب الواقع صادراً عن غير من هو مالك للعقد و ان تخيل خلافه، فلو تخيل كونه ولياً أو وكيلاً و أوقع العقد فتبين خلافه كان من الفضولي و يصح بالاجازة، كما أنه لو اعتقد أنه ليس بوكيل ولا ولي فأوقع العقد بعنوان الفضولية فتبين خلافه صح العقد و لزم بلا توقف على الاجازة مع فرض مراعاة المصلحة.

مسألة ٢١ ـ إن زوج صغيران فضولاً فان أجاز وليهما قبل بلوغهما أو أجازا بعد بلوغهما أو بالاختلاف بأن أجاز ولي أحدهما قبل بلوغه و أجاز الآخر بعد بلوغه تثبت الزوجية و يترتب جميع أحكامها، و إن رد وليهما قبل بلوغهما أو رد ولي أحدهما قبل بلوغه أو ردا بعد بلوغهما أو رد أحدهما بعد بلوغه أو ماتا أو مات أحدهما قبل الاجازة بطل العقد من أصله بحيث لم يترتب عليه أثر أصلاً من توارث و غيره من سائر الآثار، نعم لو بلغ أحدهما و أجاز ثم مات قبل بلوغ الآخر و إجازته يعزل من تركته مقدار ما يرث الآخر على تقدير الزوجية، فان بلغ و أجاز يدفع إليه لكن بعد ما حلف على أنه لم تكن إجازته للطمع في الارث، و ان لم يجز أو أجاز و لم يحلف على ذلك لم يدفع اليه بل يرد الى الورثة، و الظاهر أن الحاجة الى الحلف انما هو فيما اذا كان متهماً بأن اجازته لأجل الارث، و أما مع عدمه كما اذا أجاز مع الجهل بموت الآخر أو كان الباق هو الزوج و كان المهر اللازم عليه على تقدير الزوجية أزيد مما يرث يدفع اليه بدون الحلف.

مسألة ٢٢ ـ كما يترتب الارث على تقدير الاجازة و الحلف يترتب الآثار الأخر المترتبة على الزوجية أيضاً من المهر و حرمة الأم و البنت و حرمتها على أب

مسئلہ ۱۹: عقد کے صحیح ہونے، اس کے فضولیت سے خارج ہونے اور اس کے اجازت کا محتاج نہ رہنے کے لئے دل سے راضی ہونا کافی نہیں ہے۔ پس اگر کوئی شخص عقد کے موقع پر موجود ہو اور اس سے راضی بھی ہو لیکن اس سے کوئی ایسا قول یا عمل سامنے نہ آئے جو اس کے راضی ہونے کی علامت ہو تو ظاہراً وہ عقد "فضولی" ہوگا۔ ہاں! کبھی کبھی سکوت کو "اجازت" تصور کیا جاتا ہے اور باکرہ لڑکی کی خاموشی والی روایات کے یہی معنی بیان کئے گئے ہیں۔

مسئلہ ۲۰: عقد کے فضولی واقع ہونے میں فضولیت کی نیت اور اس کی طرف متوجہ ہونا معتبر نہیں۔ بلکہ فضولیت اور عدم فضولیت کا معیار یہ ہے کہ جس کی طرف سے عقد صادر ہو رہا ہے وہ عقد صادر کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہو چاہے وہ اپنے خیال میں اپنے کو مالکِ عقد سمجھتا ہو۔ پس اگر کوئی شخص اپنے کو "ولی" یا "وکیل" گمان کرے اور عقد واقع کردے لیکن بعد میں پتہ چلے کہ وہ ولی یا وکیل نہیں تھا تو یہ عقد، فضولی کہلائے گا اور اجازت مل جانے پر صحیح ہوگا۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ وہ "وکیل" نہیں اور نہ "ولی" ہے اور بطور فضولی عقد واقع کردے۔ لیکن بعد میں پتہ چلے کہ وہ ولی یا وکیل تھا۔ تو مصلحت کی رعایت کے ساتھ عقد صحیح ہوگا اور بغیر اجازت کے اس کی وفا لازم ہوگی۔

مسئلہ ۲۱: اگر دو نابالغوں کی فضولی طور پر شادی کردی جائے۔ تو زوجیت ثابت ہوگی اور اسکے تمام احکام مترتب ہونگے بشرطیکہ بالغ ہونے سے پہلے یا ان کا ولی اجازت دیدے، یا بالغ ہونے کے بعد وہ خود اجازت دیدیں، یا ایک کی اجازت بالغ ہونے سے پہلے اسکا ولی دیدے اور دوسرا بالغ ہونے کے بعد خود اجازت دے۔ لیکن اگر ان کے بالغ ہونے سے پہلے انکا ولی عقد کو ٹھکرا دے یا انہیں سے ایک کا ولی اس کے بلوغ سے قبل عقد کو رد کردے یا وہ دونوں بالغ ہونے کے بعد عقد کو ٹھکرا دیں یا انہیں سے ایک بالغ ہونے کے بعد ٹھکرا دے یا وہ دونوں یا ان میں سے ایک اجازت دینے سے پہلے مرجائے تو یہ سے ہی عقد باطل ہوگا۔ اس طرح کہ اس پر میراث یا اس کے علاوہ دوسرے آثار میں سے کوئی اثر بھی مترتب نہیں ہوگا۔ ہاں اگر ان میں سے ایک بالغ ہو جائے اور اجازت دے اس کے بعد دوسرے کے بالغ ہونے اور اجازت دینے سے پہلے مرجائے تو زوجیت برقرار ہونے کی صورت میں اس کو جس مقدار میں میراث ملتی اتنی مقدار میں مال اس کے ترکہ سے الگ کر لیا جائیگا۔ پس بالغ ہونے کے بعد اگر وہ اجازت دیدے تو مال اس کے حوالے کردیا جائے گا۔ لیکن پہلے اسے قسم دی جائے گی کہ اس نے اجازت میراث کی لالچ میں نہیں دی ہے۔ لیکن اگر وہ اجازت نہ دے یا اجازت دے لیکن حلف نہ اٹھائے تو مال اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا بلکہ مرنے والے کے وارثوں کو واپس دے دیا جائے گا۔ اور ظاہراً حلف کی ضرورت صرف اس شخص کے لئے ہے جس پر میراث کی لالچ میں اجازت دینے کا شبہ ہو، لیکن اگر یہ اتہام نہ ہو مثلاً اجازت دینے والے کو دوسرے کی موت کا علم ہی نہ ہو۔ یا زندہ رہنے والا زوج ہو اور اس کے ذمہ واجب الادا مہر کی مقدار میراث میں ملنے والے سے زیادہ ہو تو بغیر قسم دیئے مال اس کے حوالے کردیا جائے گا۔

مسئلہ ۲۲: اجازت اور قسم دینے پر جس طرح میراث کے احکام مترتب ہوتے ہیں اسی طرح زوجیت کے دوسرے آثار بھی مترتب ہوتے ہیں۔ جیسے مہر، ماں اور بیٹی کا حرام ہونا، اور اگر باقی رہ جانے والی

الزوج و ابنه إن كانت الزوجة هي الباقية و غير ذلك، فيترتب جميع الآثار على الحلف في الظاهر على الأقوى.

مسألة ٢٣ ـ الظاهر جريان هذا الحكم في كل مورد مات من لزم العقد من طرفه و بقي من يتوقف زوجيته على اجازته، كما اذا زوّج أحد الصغيرين الولي و زوّج الآخر الفضولي فمات الأول قبل بلوغ الثاني و اجازته بل لا يبعد جريان الحكم فيما لو كانا كبيرين فأجاز أحدهما و مات قبل موت الثاني و إجازته، لكن الحلف مبنى على الاحتياط كالحلف في بعض الصور الأخر.

مسألة ٢٤ ـ إذا كان العقد فضولياً من أحد الطرفين كان لازماً من طرف الأصيل، فلو كان هي الزوجة ليس لها أن تتزوج بالغير قبل أن يرد الآخر العقد و يفسخه، و هل يثبت في حقه تحريم المصاهرة قبل إجازة الآخر وردّه، فلو كان زوجاً حرم عليه نكاح أم المرأة و بنتها و اختها و الخامسة إن كانت هي الرابعة؟ الأحوط ذلك و إن كان الأقوى خلافه.

مسألة ٢٥ ـ إن رد المعقود له أو المعقود لها العقد الواقع فضولاً صار العقد كأنه لم يقع، سواء كان العقد فضولياً من الطرفين ورداه معاً أو رده أحدهما، بل ولو أجاز أحدهما ورد الآخر، أو من طرف واحد ورد ذلك الطرف فتحل المعقود لها على أب المعقود له وابنه و تحل بنتها و أمها على المعقود له.

مسألة ٢٦ ـ إن زوّج الفضولي امرأة برجل من دون اطلاعها و تزوجت هي برجل آخر صح الثاني و لزم ولم يبق محل لاجازة الأول، و كذا لو زوّج الفضولي رجلاً بامرأة من دون اطلاعه و زوّج هو بأمها أو بنتها ثم علم.

مسألة ٢٧ ـ لو زوّج فضوليان امرأة كل منهما برجل كانت بالخيار في إجازة أيهما شاءت، و إن شاءت ردتهما، سواء تقارن العقدان أو تقدم أحدهما على الآخر، و كذلك الحال فيما إذا زوّج أحد الفضوليين رجلاً بامرأة و الآخر بأمها أو بنتها أو أختها فان له إجازة أيهما شاء.

مسألة ٢٨ ـ لو وكلت رجلين في تزويجها فزوّجها كل منهما برجل فان سبق

زوجہ ہو تو اس کا زوج کے باپ اور بیٹے پر حرام ہونا وغیرہ۔ ظاہراً اقویٰ یہی ہے کہ تمام آثار حلف پر مترتب ہوں گے۔

مسئلہ ۲۳: ظاہراً یہ حکم ہر اس مورد میں جاری ہوگا کہ جس میں ایسا شخص مرجائے جس کی طرف سے عقد لازم ہو۔ اور وہ شخص باقی رہ جائے جس کی زوجیت اس کی اجازت پر موقوف ہو۔ جیساکہ دو نابالغوں میں سے ایک کا عقد جاری کرنے والا "ولی" ہو اور دوسرے کا عقد جاری کرنے والا "فضول" اور دوسرے کے بلوغ اور اس کی اجازت صادر ہونے سے پہلے مرجائے۔ بلکہ اس مورد میں بھی اس حکم کا جاری ہونا بعید نہیں، کہ جس میں رشتۂ عقد میں منسلک ہونے والے دونوں بالغ ہوں پہلا چنانچہ ان میں سے ایک اجازت دے دے اور دوسرے کی موت اور اجازت سے پہلے مرجائے۔ لیکن حلف احتیاط کی بناء پر ہے جیسے وہ حلف جو بعض دوسری صورتوں میں جاری ہے۔

مسئلہ ۲۴: اگر عقد ایک طرف سے فضول ہو اور دوسری طرف سے "اصلی" تو اصیل کی طرف سے عقد لازم الوفاء ہوگا۔ پس اگر اصیل زوجہ ہو۔ تو زوج کے عقد کو ٹھکرا دینے اور فسخ کردینے سے پہلے وہ کسی دوسرے شخص سے شادی نہیں کرسکتی۔ اور کیا دوسرے کی اجازت اور اس کے ٹھکرا دینے سے پہلے اس کے حق میں مصاہرت (دامادی) سے پیدا ہونیوالی حرمت ثابت ہوگی پس اگر وہ زوج ہو تو عورت کی ماں، اسکی لڑکی، اور بہن اور اگر وہ عورت اس کی چوتھی بیوی ہو تو پانچویں عورت سے اسکا عقد حرام ہوگا یا نہیں؟ احتیاط یہی ہے اگرچہ اقویٰ اس کے برخلاف ہے۔

مسئلہ ۲۵ اگر معقود لہ (یعنی لڑکا) یا معقود لھا (یعنی لڑکی) عقدِ فضولی کو ٹھکرادیں تو وہ عقد کالعدم ہوجائے گا چاہے وہ عقد دونوں کی طرف سے فضولی ہو اور دونوں ایک ساتھ ٹھکرائیں یا ان میں سے کوئی ایک ٹھکرائے۔ بلکہ چاہے انمیں سے ایک اجازت دے اور دوسرا رد کردے، یا وہ عقد ایک کی طرف سے "فضولی" ہو اور وہ اس کو ٹھکرا دے۔ پس معقود لھا (یعنی عورت) معقود لہ (یعنی مرد) کے باپ اور اس کے بیٹے کے لئے حلال ہوجائے گی۔ اور معقود لھا (یعنی عورت) کی بیٹی اور اس کی ماں معقود لہ (یعنی مرد) پر حلال ہوجائے گی۔

مسئلہ ۲۶: اگر "فضولی" (اجنبی شخص) عورت کی اطلاع کے بغیر اس کا عقد کسی مرد سے پڑھ دے اور عورت بذاتِ خود کسی اور شخص سے عقد کرے تو دوسرا عقد صحیح اور لازم ہوگا اور پہلے عقد کی اجازت کا موضوع منتفی ہوجائے گا۔ اور اسی طرح اگر "فضولی" (اجنبی شخص) کسی شخص کی اطلاع کے بغیر اسکا عقد کسی عورت سے پڑھ دے اور وہ شخص بذاتِ خود اس عورت کی ماں یا بیٹی سے عقد کرے اور اس کے بعد اس کو پہلے عقد کا علم ہو۔

مسئلہ ۲۷: اگر دو فضولی (اجنبی افراد) ایک عورت کا اپنے اپنے طور پر دو مردوں سے عقد کردیں تو اس عورت کو مکمل اختیار ہوگا کہ اگر اس کی مرضی ہو تو کسی ایک عقد کی اجازت دے۔ ورنہ دونوں کو ٹھکرا دے چاہے دونوں عقد ایک ساتھ واقع ہوئے ہوں یا ان میں سے ایک عقد دوسرے سے پہلے واقع ہوا ہو۔ یہی حکم وہاں بھی ہوگا کہ جہاں ایک فضولی کسی مرد کا ایک عورت سے عقد پڑھ دے اور دوسرا فضولی اسی شخص کا اس عورت کی ماں، بیٹی یا بہن سے عقد پڑھ دے۔ مرد کو مکمل اختیار ہے کہ جس عقد کو پسند کرے اسی کی اجازت دے۔

مسئلہ ۲۸: اگر ایک عورت دو افراد کو اپنی شادی کے مسئلہ میں وکیل بنائے۔ پس ان میں سے ہر ایک اپنے طور پر ایک

أحدهما صح و لغا الآخر، و إن تقارنا بطلا معاً، و إن لم يعلم الحال فإن علم تاريخ أحدهما حكم بصحته دون الآخر، و إن جهل تاريخهما فان احتمل تقارنهما حكم ببطلانهما معاً في حق كل من الزوجة و الزوجين، و إن علم عدم التقارن فيعلم إجمالاً بصحة أحد العقدين و تكون المرأة زوجة لأحد الرجلين و أجنبية عن أحدهما، فليس للزوجة أن تتزوج بغيرهما، و لا للغير أن يتزوج بها، لكونها ذات بعل قطعاً، و أما حالها بالنسبة إلى الزوجين وحالهما بالنسبة إليها فـالأولى أن يطلقاها و يجدد النكاح عليها أحدهما برضاها، و إن تعاسرا و كان في التوقف إلى أن يظهر الحال عسر وحرج على الزوجة أولا يرجى ظهور الحال، فالمتجه تعيين الزوج منهما بالقرعة، فيحكم بزوجية من وقعت عليه.

مسألة ۲۹ ـ لو ادعى أحد الزوجين سبق عقده فان صدّقه الآخر و كذا الزوجة أو صدّقه أحدهما و قال الآخر، «لا أدري» فالزوجة لمدعي السبق و إن قال كلاهما: «لا أدري» فوجوب تمكين الزوجة من المدعي بل جوازه محل تأمل إلا إذا رجع عدم دراية الرجل إلى الغفلة حين إجراء العقد و احتمل تطبيقه على الصحيح من باب الاتفاق، و إن صدّقه الآخر ولكن كذّبته الزوجة كانت الدعوى بين الزوجة و كلا الزوجين، فالزوج الأول يدعي زوجيتها و صحة عقده وهي تنكر زوجيته و تدعي فساد عقده، و تنعكس الدعوى بينها و بين الزوج الثاني، حيث انه يدعي فساد عقده وهي تدعي صحته، في الدعوى الأولى تكون هي المدعية والزوج هو المنكر، و في الثانية بالعكس، فان أقامت البينة على فساد الأول المستلزم لصحة الثاني حكم لها بزوجيتها للثاني دون الأول، و إن أقام الزوج الثاني بينة على فساد عقده يحكم بعدم زوجيتها له و ثبوتها للأول و إن لم تكن بينة يتوجه الحلف إلى الزوج الأول في الدعوى الأولى والى الزوجة في الدعوى الثانية، فإن حلف الزوج الأول و نكلت الزوجة تثبت زوجيتها للأول، و إن كان العكس بأن حلفت هي دونه حكم بزوجيتها للثاني، و إن حلفا معاً فالمرجع هي القرعة، هذا إذا كان مصب الدعوى صحة العقد و فساده لا السبق

شخص کے ساتھ اس کا عقد پڑھ دے۔ تو اس صورت میں پہلے واقع ہونے والا عقد صحیح اور دوسرا لغو ہوگا۔ اور اگر دونوں ایک ساتھ واقع ہوئے ہوں تو دونوں باطل ہوں گے۔ لیکن اگر مقدم و موخر کا علم نہ ہو تو جسکی تاریخ معلوم ہو اسے صحیح قرار دیا جائے گا اور دوسرا باطل ہوگا۔ لیکن اگر دونوں کی تاریخ نامعلوم ہو تو اس صورت میں اگر دونوں کے ایک ساتھ واقع ہونیکا احتمال ہو تو بیوی اور دونوں شوہروں کے حق میں دونوں عقدوں کے ایک ساتھ باطل ہونے کا حکم صادر کیا جائیگا۔ لیکن اگر معلوم ہو کہ دونوں ایک ساتھ واقع نہیں ہوئے ہیں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اجمالی طور پر دونوں عقدوں میں سے ایک کے صحیح ہونیکا علم ہے اور عورت دونوں میں سے کسی ایک کی بیوی اور دوسرے کے لئے اجنبی ہے۔ تو ایسی صورت میں وہ عورت ان دونوں کے علاوہ کسی دوسرے سے شادی نہیں کرسکتی اور نہ ان دو کے علاوہ کوئی دوسرا اس عورت سے شادی کرسکتا ہے۔ اسلئے کہ اسکا شوہر دار ہونا قطعی ہے۔ لیکن وہ ان دو مردوں کے ساتھ کیا کرے یا ان دونوں کی شرعی ذمہ داری اس عورت کے سلسلہ میں کیا ہے۔ تو اس سلسلے میں بہتر ہے کہ وہ دونوں اسے طلاق دیدیں اورانمیں سے کوئی ایک اس عورت کی مرضی سے اسکے ساتھ عقد پڑھ لے۔ لیکن اگر ایسا کرنا ان دونوں کیلئے مشکل ہو اور حقیقتِ حال روشن ہوجانے تک صبر کرنا زوجہ کے لئے باعثِ عسر و حرج ہو یا صبر کرنے سے حقیقت منکشف ہوجانے کی امید نہ ہو۔ تو اس صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعہ شوہر کو معین کرنا بہتر ہے۔ پس جس کے نام قرعہ نکلے اسی کو شوہر قرار دیا جائے۔

مسئلہ ۲۹: دو شوہروں میں سے اگر ایک دعویٰ کرے کہ اسکا عقد پہلے واقع ہوا ہے۔ پس اگر دوسرا اسکی تصدیق کردے اور اسی طرح زوجہ بھی تصدیق کردے۔ یا ان میں سے ایک تصدیق کرے اور دوسرا لاعلمی کا اظہار کرے۔ تو وہ عورت اس شخص کی زوجہ کہلائے گی جسنے اپنے عقد کے پہلے واقع ہونیکا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن اگر زوجہ اور دوسرا شوہر تصدیق نہ کریں بلکہ لاعلمی کا اظہار کریں تو زوجہ پر مدعی کی فرمانبرداری کا واجب ہونا بلکہ جائز ہونا محلِ تامل ہے۔ مگر یہ کہا جائے کہ مرد کی لاعلمی اجراء کے عقد سے غافل ہونے کی بناء پر ہے اور یہ احتمال ہو کہ اتفاقاً وہ عقد صحیح کے مطابق ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر دوسرا شخص اسکی تصدیق کردے مگر زوجہ اسکو جھٹلادے تو اسوقت دعوے کے فریقین زوجہ اور دونوں شوہر ہوں گے۔ پس پہلا زوج اس عورت کے اپنی زوجہ اور عقد کے صحیح ہونے کا دعویدار ہے۔ جبکہ زوجہ اس سے منکر ہے اور عقد کے فاسد ہونے کی دعویدار ہے۔ اور دوسرے شوہر اور زوجہ کے درمیان دعوے کی نوعیت اس کے برعکس ہوگی۔ اس لئے دوسرا شوہر عقد کے فاسد ہونیکا دعویدار ہے جبکہ زوجہ اسکے صحیح ہونے کا دعویٰ رکھتی ہے۔ پس پہلے دعوے میں عورت مدعی اور زوج منکر ہوگا۔ اور دوسرے دعوے میں اسکے برعکس ہوگا۔ پس اگر عورت پہلے عقد کے باطل ہونے پر گواہ پیش کردے جسکا لازمہ یہ ہے کہ دوسرا عقد صحیح ہے تو اسکو دوسرے شوہر کی بیوی قرار دیا جائے گا۔ پہلے کی نہیں۔ لیکن اگر دوسرا شوہر اپنے عقد کے فاسد ہونے پر گواہ پیش کردے تو اس صورت میں عورت کو اسکی زوجہ قرار نہ دیکر پہلے شوہر کی زوجہ قرار دیا جائیگا۔ لیکن اگر کسی کے پاس گواہ موجود نہ ہوں۔ تو پہلے دعوے میں پہلا شوہر حلف اٹھائے گا اور دوسرے دعوے میں عورت حلف اُٹھائے گی۔ پس اگر پہلا شوہر حلف اُٹھائے اور عورت حلف اُٹھانے سے اجتناب کرے تو اسکا پہلے شوہر کی زوجہ ہونا ثابت ہوجائیگا۔ لیکن اگر معاملہ اسکے برعکس انجام پائے اس طرح کہ عورت حلف اُٹھائے جبکہ پہلا شوہر حلف نہ اُٹھائے تو عورت کو دوسرے شوہر کی زوجہ قرار دیا جائیگا۔ اور دونوں کے ایک ساتھ حلف اٹھانے کی صورت میں قرعہ اندازی کی جائیگی۔ یہ حکم تو اس صورت میں ہوگا جب دعوے کا محور صحت و فسادِ عقد ہو۔ نہ عقد کا پہلے ہونا یا نہ ہونا یا پہلے اور بعد میں ہونا۔ یا زوجیت اور عدم زوجیت

و عدمه أو السبق واللحوق أو الزوجية و عدمها، و بالجملة الميزان في تشخيص المدعي و المنكر غالباً مصب الدعوى، و إن ادعى كل من الزوجين سبق عقده فان قالت الزوجة: «لا أدري» تكون الدعوى بين الزوجين، فان أقام أحدهما بينة دون الآخر حكم له و كانت الزوجة له، و إن أقام كل منهما بينة تعارضت البينتان، فيرجع الى القرعة فيحكم بزوجية من وقعت عليه، و ان لم تكن بينة يتوجه الحلف اليهما، فان حلف أحدهما حكم له، و إن حلفا أو نكلا يرجع الى القرعة، و ان صدقت المرأة أحدهما كان أحد طرفي الدعوى من لم تصدقه الزوجة، و الطرف الآخر الزوج الآخر مع الزوجة، فمع إقامة البينة من أحد الطرفين أو من كليهما الحكم كما مر، و أما مع عدمها و انتهاء الأمر إلى الحلف فان حلف من لم تصدقه الزوجة يحكم له على كل من الزوجة و الزوج الآخر، و أما مع حلف من صدقته فلا يترتب على حلفه رفع دعوى الزوج الآخر على الزوجة، بل لابد من حلفها أيضاً.

مسألة ٣٠ ـ لو زوج أحد الوكيلين عن الرجل له امرأة و الآخر بنتها صح السابق و لغا اللاحق، و مع التقارن بطلا معاً، و إن لم يعلم السابق فان علم تاريخ أحدهما حكم بصحته دون الآخر، و إن جهل تاريخهما فان احتمل تقارنهما يحكم ببطلان كليهما، و إن علم بعدم التقارن فقد علم بصحة أحد العقدين و بطلان أحدهما، فلا يجوز للزوج مقاربة واحدة منهما، كما أنه لا يجوز لهما التمكين منه، نعم يجوز له النظر إلى الأم، و لا يجب عليها التستر عنه، للعلم بأنه إما زوجها أو زوج بنتها، و أما البنت فحيث إنه لم يحرز زوجيتها و بنت الزوجة انما يحل النظر اليها إن دخل بالأم و المفروض عدمه فلم يحرز ما هو سبب لحلية النظر إليها، و يجب عليها التستر عنه، نعم لو فرض الدخول بالأم ولو بالشبهة كان حالها حال الأم.

• • •

دعوے کا مورد نہ ہوں۔ مختصر یہ کہ مدعی اور منکر کی پہچان کی ترازو غالباً دعوے کا مورد ہے۔ چنانچہ اگر دونوں شوہر اپنے اپنے عقد کے مقدم ہونیکا دعویٰ کریں۔ اور زوجہ لاعلمی کا اظہار کرے تو دعوے کے فریقین دونوں شوہر ہوں گے۔ پس اگر ان میں سے ایک گواہ پیش کر دے اور دوسرا نہ کر سکے تو اس کے حق میں حکم صادر ہوگا اور عورت اسی کی زوجہ ہوگی۔ لیکن اگر دونوں گواہ پیش کر دیں تو دو گواہیاں آپس میں ٹکرا جائیں گی۔ اور کوئی بھی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی۔ جس کے نتیجہ میں قرعہ اندازی کرنا پڑے گی اور جسکے نام قرعہ نکلے عورت کو اسی کی زوجہ قرار دیا جائے گا۔ لیکن اگر کسی کے پاس گواہ موجود نہ ہوں تو حلف اٹھانے کی نوبت آئے گی۔ پس ان میں سے جو حلف اٹھائے، اسی کے حق میں حکم صادر ہوگا۔ لیکن اگر دونوں حلف اٹھالیں، یا دونوں اس سے اجتناب کریں تو قرعہ اندازی کی جائے گی۔ اور اگر عورت دونوں میں سے کسی ایک کی تصدیق کر دے۔ تو دعوے کا ایک فریق وہ شخص ہوگا جس کی اس عورت نے تصدیق نہیں کی۔ اور دوسرا فریق دوسرا شوہر اور زوجہ دونوں ہوں گے۔ چنانچہ ایک طرف سے یا دونوں طرف سے گواہی پیش کئے جانے کی صورت میں وہی حکم صادر ہوگا جس کا بیان گذر چکا ہے لیکن گواہی موجود نہ ہونے اور حلف تک نوبت پہونچنے کی صورت میں۔ اگر وہ شخص حلف اٹھالے، کہ زوجہ نے جس کی تصدیق نہیں کی تو دوسرے زوج اور زوجہ کے برخلاف اس کے حق میں حکم صادر کیا جائیگا۔ لیکن زوجہ نے جس کی تصدیق کی ہے اس کے حلف اٹھانے کی صورت میں، دوسرے زوج کا زوجہ کے خلاف دعویٰ برطرف نہیں ہوگا۔ بلکہ زوجہ کو بھی حلف اٹھانا پڑے گا۔

مسئلہ ۳۰: اگر ایک مرد کے دو وکیلوں میں سے ایک کسی عورت سے اور دوسرا وکیل اسی عورت کی بیٹی سے اسکا عقد پڑھ دے تو پہلے واقع ہونے والا عقد صحیح ہوگا اور بعد والا لغو، اور دونوں کے ایک ساتھ واقع ہونے کی صورت میں دونوں باطل ہوں گے۔ لیکن اگر "سابق" کا علم نہ ہو سکے، تو انہیں سے جس کی تاریخ معلوم ہو وہ صحیح قرار پائے گا دوسرا صحیح نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگر دونوں کی تاریخ نامعلوم ہو تو اگر ان کے ایک ساتھ واقع ہونے کا احتمال ہو تو دونوں کو باطل قرار دیا جائیگا۔ لیکن اگر دونوں کے ایک ساتھ واقع نہ ہونے کا علم ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں عقدوں میں سے ایک کے صحیح اور دوسرے کے باطل ہونے کا علم ہے۔ تو ایسی صورت میں زوج کے لئے دونوں عورتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقاربت جائز نہیں۔ جیسا کہ ان دونوں کے لئے بھی خود کو زوج کے حوالے کرنا جائز نہیں۔ ہاں! وہ ماں کو دیکھ سکتا ہے، اور ماں پر اس سے پردہ کرنا واجب نہیں۔ چونکہ اتنا تو معلوم ہے کہ وہ یا اسکا شوہر ہے یا اسکی بیٹی کا۔ رہ گیا بیٹی کا مسئلہ تو چونکہ اس کا زوجہ ہونا ثابت نہیں۔ اور بیوی کی بیٹی کو اسی صورت میں دیکھنا جائز ہے جب بیوی کے ساتھ مباشرت (نزدیکی) کر چکا ہو۔ جبکہ ہمارا فرض یہ ہے کہ نزدیکی نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا بیٹی کو دیکھنے کی حلیت کا کوئی سبب موجود نہیں۔ اور بیٹی پر واجب ہے کہ وہ اس سے پردہ کرے۔ البتہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ماں کے ساتھ نزدیکی کر چکا ہے چاہے شبہ کی بناء پر ہی سہی۔ تو اس صورت میں ماں کی مانند بیٹی کو دیکھنا بھی جائز ہوگا۔

maablib.org

فصل في أسباب التحريم

أعني ما بسببه يحرم و لا يصح تزو يج الرجل بالمرأة و لا يقع الزواج بينهما، وهي أمور: النسب و الرضاع و المصاهرة و ما يلحق بها والكفر وعدم الكفاءة و استيفاء العدد و الاعتداد و الاحرام.

القول في النسب

يحرم بالنسب سبعة أصناف من النساء على سبعة أصناف من الرجال: الأم بما شملت الجدات عاليات و سافلات، لأب كن أو لأم، فتحرم المرأة على ابنها وعلى ابن ابنها و ابن ابن ابنها و على ابن بنتها وابن بنت بنتها و ابن بنت ابنها و هكذا، و بالجملة تحرم على كل ذكر ينتمي اليها بالولادة، سواء كان بلا واسطة أو بواسطة أو وسائط، و سواء كانت الوسائط ذكوراً أو إناثاً أو بالاختلاف.

والبنت بما شملت الحفيدة ولو بواسطة أو وسائط، فتحرم هي على أبيها بما شمل الجد لأب كان أو لأم، فتحرم على الرجل بنته، و بنت ابنه و بنت ابن ابنه، و بنت بنته، و بنت بنت بنته، و بنت ابن بنته، و بالجملة كل أنثى تنتمي اليه بالولادة بواسطة أو وسائط ذكوراً كانوا أو إناثاً أو بالاختلاف.

والأخت لأب كانت أولأم أولهما.

و بنت الأخ سواء كان لأب أو لأم أولهما، وهي كل مرأة تنتمي بالولادة الى أخيه بلا واسطة أو معها و ان كثرت، سواء كان الانتماء اليه بالآباء أو الأمهات أو بالاختلاف، فتحرم عليه بنت أخيه، و بنت ابنه و بنت ابن ابنه، و بنت بنته، و بنت بنت بنته، و بنت ابن بنته و هكذا.

و بنت الأخت، وهي كل أنثى تنتمي الى أخته بالولادة على النحو الذي

اسباب تحریم

ان سے مُراد وہ چیزیں ہیں جن سے حرمت ایجاد ہوتی ہے، مَرد کا عورت سے نکاح صحیح نہیں ہوتا اور ان کے رشتۂ ازدواج برقرار نہیں ہو سکتا۔ وہ چند امور ہیں:۔ نسب، رضاعت (دودھ پلانا) معاہرت (دامادی) اور اس کے ملحقات، کفر، ایک دوسرے کا کفو نہ ہونا۔ چار بیویاں موجود ہونا۔ عدت میں بسر کرنا اور احرام۔

نسب کے احکام

نسب کے ذریعہ سات قسم کی عورتیں سات قسم کے مَردوں پر حرام ہو جاتی ہیں۔ ماں، فوقانی اور تحتانی دادیوں سمیت چاہے وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے۔ پس عورت اپنے بیٹے، پوتے، اسکے بیٹے اور پوتے کے پوتے وغیرہ، اپنے نواسے، اپنی نواسی کے لڑکے اور اپنی پوتی کے لڑکے پر حرام ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر وہ لڑکا جو ولادت کے ذریعہ عورت کی طرف سے منسوب ہو اس پر وہ عورت حرام ہے، چاہے بغیر واسطے کے یا ایک واسطے یا ایک سے زیادہ واسطوں سے منسوب ہو۔ اور واسطے چاہے مرد، عورت یا مختلف ہوں۔

بیٹی پوتی سمیت چاہے ایک واسطے سے ہو یا متعدد واسطوں سے اپنے باپ، دادا پر حرام ہے چاہے ماں کی طرف سے جُدا ہو جسے نانا کہتے ہیں یا باپ کی طرف سے ہو جسے "دادا" کہا جاتا ہے۔ پس مرد پر اسکی بیٹی، پوتی، پوتے کی بیٹی، نواسی، نواسی کی بیٹی، نواسے کی بیٹی حرام ہیں۔ مختصر یہ کہ ہر وہ عورت جو "تولّد" کے ذریعہ مرد کی طرف منسوب ہو چاہے بلا واسطہ ہو یا ایک یا متعدد واسطوں سے ہو، واسطے مَرد ہوں یا عورتیں یا مختلف، وہ اس پر حرام ہے۔

بہن چاہے ماں کی طرف سے ہو، یا باپ کی طرف سے یا دونوں کی طرف سے۔

بھتیجی، یعنی بھائی کی بیٹی، چاہے ماں کی طرف سے بھائی ہو یا باپ کی طرف سے یا دونوں کی طرف سے۔ بہن ہر اس عورت کو کہتے ہیں جو ولادت کے ذریعہ بھائی سے نسبت رکھتی ہو۔ بغیر واسطے کے یا واسطہ کے ذریعہ چاہے واسطے متعدد ہی کیوں نہ ہوں۔ اور چاہے وہ نسبت باپ دادا کی طرف سے ہو یا امہات (یعنی ماؤں) کی طرف سے یا بطور مختلف ہو۔ پس مرد پر اپنے بھائی کی بیٹی، بھتیجے کی بیٹی، بھتیجے کے بیٹے کی بیٹی، بھتیجے کی بیٹی کی بیٹی، بھتیجے کی نواسی کی بیٹی اور بھتیجے کے نواسے کی بیٹی وغیرہ حرام ہیں۔

بھانجی۔ (یعنی بہن کی بیٹی) اس سے مُراد ہر وہ عورت ہے جو ولادت کے ذریعہ، بھتیجی کے سلسلہ میں مذکور قاعدے کے مطابق، اس کی بہن کے ساتھ نسبت رکھتی ہو۔

پھوپھی یعنی باپ کی بہن چاہے باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے یا دونوں کی طرف سے، اور لفظ پھوپھی (عمۃ) فوقانی پھوپھیوں کو بھی شامل ہے۔ جن سے میری مُراد، باپ کی پھوپھی، یعنی دادا کی بہن چاہے ماں کی طرف

ذكر في بنت الأخ.

و العمة، وهي أخت أبيه لأب أو لأم أو لهما، و المراد بها ما تشمل العاليات أعني عمة الأب: أخت الجد للأب لأب أو لأم أو لهما، و عمة الأم: أخت أبيها لأب أو لأم أو لهما، و عمة الجد للأب و الجد للأم و الجدة كذلك، فمراتب العمات مراتب الآباء، فهي كل أنثى تكون أختاً لذكر ينتمي اليك بالولادة من طرف أبيك أو أمك.

والخالة، والمراد بها أيضاً ما تشمل العاليات، فهي كالعمة إلا أنها أخت إحدى أمهاتك ولو من طرف أبيك، و العمة أخت أحد آبائك ولو من طرف أمك، فأخت جدتك للأب خالتك حيث أنها خالة أبيك، و أخت جدك للأم عمتك حيث أنها عمة أمك.

مسألة ١ - لا تحرم عمة العمة و لا خالة الخالة ما لم تدخلا في عنواني العمة و الخالة ولو بالواسطة، و هما قد تدخلان فيهما فتحرمان، كما اذا كانت عمتك أختاً لا بيك لأب و أم أو لأب، و لأبي أبيك أخت لأب أو أم أولهما فهذه عمة لعمتك بلا واسطة، و عمة لك معها، و كما اذا كانت خالتك أختاً لأمك لأمها أو لأمها و أبيها و كانت لأم أمك أخت فهي خالة لخالتك بلا واسطة، و خالة لك معها، و قد لا تدخلان فيهما فلا تحرمان، كما اذا كانت عمتك أختاً لأبيك لأمه لا لأبيه و كانت لأبي الأخت أخت فالاخت الثانية عمة لعمتك، و ليس بينك و بينها نسب أصلاً، و كما إذا كانت خالتك أختاً لأمك لأبيها لا لأمها و كانت لأم الأخت أخت فهي خالة لخالتك و ليست خالتك ولو مع الواسطة، و كذلك أخت الأخ أو الأخت انما تحرم اذا كانت أختاً لا مطلقاً، فلو كان لك أخ أو أخت لأبيك و كانت لأمها بنت من زوج آخر فهي أخت لأخيك أو أختك و ليست أختاً لك لا من طرف أبيك ولا من طرف أمك، فلا تحرم عليك.

مسألة ٢ - النسب اما شرعي، و هو ما كان بسبب وطء حلال ذاتاً بسبب شرعي من نكاح أو ملك يمين أو تحليل و ان حرم لعارض من حيض أو صيام أو

سے ہو یا باپ کی طرف سے یا دونوں کی طرف سے، اور ماں کی پھوپھی یعنی نانا کی بہن، چاہے باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے یا دونوں کی طرف سے، اور دادا کی پھوپھی، نانا کی پھوپھی اور دادی اور نانی کی پھوپھیاں وغیرہ، پس پھوپھیوں کے مراتب بھی باپ دادا کے مراتب کی مانند ہیں۔ پھوپھی سے مراد ہر وہ عورت ہے جو ایسے مرد کی بہن ہو کہ ولادت کے ذریعہ جس کی طرف آپ، ماں یا باپ کی طرف سے منسوب ہوں۔

خالہ۔ اس عنوان میں بھی تمام فوقانی خالائیں شامل ہیں۔ خالہ پھوپھی کی مانند ہوتی ہے۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ خالہ تمہاری ماؤں میں سے کسی ایک کی بہن ہوتی ہے۔ چاہے آپ کے باپ کے رشتہ سے ہو۔ جبکہ پھوپھی باپ دادا میں سے کسی ایک کی بہن ہوتی ہے چاہے تمہاری ماں کی طرف سے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ باپ کی طرف جو دادی کی بہن ہے وہ آپ کی خالہ کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ وہ آپ کے باپ کی خالہ اور نانا کی بہن آپ کی پھوپھی کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ وہ آپ کی ماں کی پھوپھی ہے۔

مسئلہ ۱: پھوپھی کی پھوپھی اور خالہ کی خالہ اسوقت تک حرام نہیں جب تک وہ "پھوپھی" اور "خالہ" کے عنوان میں چاہے بالواسطہ ہی سہی داخل نہ ہو جائیں۔ اور کبھی پھوپھی کی پھوپھی اور خالہ کی خالہ، پھوپھی اور خالہ بن جاتی ہیں اور حرام ہوجاتی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کی پھوپھی آپکے باپ کی بہن ہے، چاہے ماں باپ دونوں کی طرف سے ہو یا صرف باپ کی طرف سے۔ اور آپ کے دادا کی بہن چاہے ماں باپ دونوں کی طرف سے، یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے۔ پس یہ عورت، یعنی آپ کے دادا کی بہن بلاواسطہ آپکی پھوپھی کی پھوپھی کہلائیگی اور بالواسطہ آپکی پھوپھی کہلائے گی۔ اور اسی طرح جب آپ کی خالہ، آپ کی ماں کی بہن ہو، چاہے ماں باپ دونوں کی طرف سے یا صرف ماں کی جانب سے یا صرف باپ کی جانب سے۔ اور تمہاری نانی کی بہن ہو تو نانی کی بہن تمہاری خالہ کی بلاواسطہ خالہ ہوگی اور بالواسطہ تمہاری خالہ کہلائے گی۔ لیکن کبھی پھوپھی کی پھوپھی اور خالہ کی خالہ، پھوپھی اور خالہ نہیں بن سکتیں لہٰذا حرام نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر تمہارے باپ کی بہن، صرف ماں کی طرف سے اس کی بہن ہو باپ کی طرف سے نہ ہو۔ (جو تمہاری پھوپھی کہلاتی ہے) چنانچہ تمہاری پھوپھی (کہ جو صرف ماں کی طرف سے تمہارے باپ کی بہن ہے) کے باپ کی اگر بہن ہو تو وہ تمہاری پھوپھی کی پھوپھی کہلائے گی لیکن تمہارا اس سے کوئی رشتہ نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح اگر تمہاری خالہ صرف باپ کی طرف سے تمہاری ماں کی بہن ہو ماں طرف سے نہ ہو۔ اور تمہاری اس خالہ کی ماں کی بہن ہو۔ تو وہ تمہاری خالہ کی خالہ کہلائے گی۔ لیکن تمہاری خالہ نہیں ہوگی چاہے بالواسطہ ہی سہی۔ اور اسی طرح بھائی کی بہن یا بہن کی بہن اس وقت تک حرام ہوگی جب تمہاری بہن ہو بطور مطلق حرام نہیں ہوگی۔ پس اگر تمہارا ایک بھائی ہو یا بہن ہو جو صرف باپ کی طرف سے ہو اور بہن کی جو ماں ہے اس کی دوسرے شوہر سے ایک بیٹی ہو تو وہ تمہارے بھائی کی بہن کہلائے گی (چونکہ ان دونوں کی ماں ایک ہے) لیکن تمہاری بہن نہیں ہوگی نہ ماں کی طرف سے اور نہ باپ کی طرف سے، پس وہ تم پر حرام نہیں۔

مسئلہ ۲: نسب دو طرح کا ہوتا ہے۔ ۱: نسب شرعی ۲: نسب غیر شرعی۔

نسب شرعی:- جو سبب شرعی، جیسے نکاح، کنیزی، تحلیل کے ذریعہ حلال شدہ وطی کی وجہ سے وجود

اعتكاف أو احرام و نحوها، و يلحق به وطء الشبهة،و اما غير شرعي، و هو ما حصل بالسفاح و الزنا، و الأحكام المترتبة على النسب الثابتة في الشرع من التوارث و غيره و إن اختصت بالأول، لكن الظاهر بل المقطوع أن موضوع حرمة النكاح أعم، فيعم غير الشرعي، فلو زنا بامرأة فولدت منه ذكراً و أنثى حرمت المزاوجة بينهما، و كذا بين كل منهما و بين أولاد الزاني و الزانية الحاصلين بالنكاح الصحيح أو بالزنا بامرأة أخرى، و كذا حرمت الزانية و أمها و أم الزاني و أختهن على الذكر، و حرمت الأنثى على الزاني و أبيه و أجداده و إخوته و أعمامه.

مسألة ٣ ـ المراد بوطء الشبهة الوطء الذي ليس بمستحق مع عدم العلم بالتحريم، كما إذا وطأ أجنبية باعتقاد أنها زوجته، أو مع عدم الطريق المعتبر عليه بل أو الأصل كذلك، و مع ذلك فالمسألة محل إشكال، و يلحق به وطء المجنون و النائم و شبههما دون السكران إذا كان سكره بشرب المسكر عن عمد و عصيان.

القول في الرضاع

انتشار الحرمة بالرضاع يتوقف على شروط: الأول ـ أن يكون اللبن حاصلاً من وطء جائز شرعاً بسبب نكاح أو ملك يمين أو تحليل و ما بحكمه كسبق الماء الى فرج حليلته من غير وطء، و يلحق به وطء الشبهة على الأقوى، فلو در اللبن من الامرأة من دون نكاح و ما يلحق به لم ينشر الحرمة، و كذا لو كان من دون وطء و ما يلحق به ولو مع النكاح، و كذا لو كان اللبن من الزنا، بل الظاهر اعتبار كون الدر بعد الولادة، فلو در من غير ولادة ولو مع الحمل لم تنشر به الحرمة على الأقوى.

مسألة ١ ـ لا يعتبر في النشر بقاء المرأة في حبال الرجل، فلو طلقها الزوج أو مات عنها وهي حامل منه أو مرضعة فأرضعت ولداً نشر الحرمة، و إن تزوجت و

میں آتا ہے۔ چاہے وطی کسی عارضی سبب جیسے حیض، صیام، اعتکاف اور احرام وغیرہ کی وجہ سے وقتی طور پر حرام ہی کیوں نہ ہو۔ وطی شبہہ بھی اس کے ساتھ ملحق ہے۔

نسب غیر شرعی: جو زنا اور سفاح کے ذریعہ وجود میں آتا ہے۔ اور نسب پر مترتب ہونے والے احکام جیسے میراث وغیرہ جو شریعت میں ثابت ہیں، اگرچہ قسم اول (یعنی نسب شرعی) کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لیکن ظاہر بلکہ قطعی ہے کہ حرمت نکاح کا موضوع اعم ہے۔ پس نسب غیر شرعی کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کرے اور اس سے لڑکا اور لڑکی پیدا ہوں تو ان کے درمیان ازدواج حرام ہے۔ اسی طرح ان کے درمیان اور زانی یا زانیہ کی دوسری اولاد کے درمیان مزاوجت۔ کہ جو صحیح نکاح یا کسی دوسری عورت کے ساتھ زنا کے ذریعہ متولد ہوئی ہو حرام ہے۔ اسی طرح زانیہ، اسکی ماں، زانی کی ماں اور اس کی بہن۔ مرد پر حرام ہے۔ اور وہ عورت، زانی مرد، اس کے باپ، اس کے اجداد، اس کے بھائیوں اور چچاؤں پر حرام ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۳: وطی شبہہ سے مراد، وہ وطی ہے کہ جسکا حق نہ رکھتا ہو لیکن اس کے حرام ہونے کا اسے علم نہ ہو مثال کے طور پر کسی بیگانہ عورت کو اپنی زوجہ سمجھتے ہوئے اس سے وطی کرے۔ یا وطی کے جواز پر دلیل یا اصل معتبرہ رکھتا ہو اور اسکے باوجود مسئلہ مورد اشکال ہے۔ دیوانے اور نیند کی حالت وغیرہ میں وطی کرنے والے کی وطی بھی شبہہ کے ساتھ ملحق ہے۔ لیکن کوئی شخص اگر عمداً اور نافرمانی کرتے ہوئے نشہ آور چیز استعمال کرے اور مست ہو جائے اور مستی کے عالم میں شبہہ کی بناء پر وطی ہو جائے تو وطی شبہ کے ساتھ ملحق نہیں۔

رضاعت (دودھ پلانے) کے احکام

دودھ پلانے کے ذریعہ حرمت کا سرایت کرنا چند شرطوں پر موقوف ہے۔

پہلی شرط: دودھ ایسا ہو کہ جو شریعت کی رو سے جائز وطی، کہ جو نکاح، کنیزی۔ یا کنیز سے جنسی رابطہ حلال ہونے یا جو اسکے حکم میں ہے۔ جیسے بغیر وطی کے نطفہ اسکی حلیلہ کے رحم میں چلا جائے کے سبب جائز ہو۔ اور اقویٰ یہ ہے کہ وطی شبہہ بھی اسکے ساتھ ملحق ہے۔ پس اگر ازدواج یا اس کے ملحقات انجام پانے کے بغیر عورت کے پستان میں دودھ آجائے۔ تو اس کا دودھ پینا حرمت آور نہیں ہے اور اسی طرح اگر وطی اور اسکے ملحق کے بغیر دودھ آجائے چاہے نکاح ہو چکا ہو۔ یہی حکم اس وقت بھی ہے جب زنا کے سبب سے پستان میں دودھ آجائے۔ بلکہ ظاہراً دودھ وہی معتبر ہے جو ولادت کے بعد جاری ہو۔ پس اگر ولادت کے بغیر دودھ جاری ہو جائے چاہے حمل کی وجہ سے ہو تو اقویٰ یہ ہے کہ اس سے حرمت پیدا نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۱: عورت کے کسی پر حرام ہونے کے لئے لازمی نہیں کہ وہ مرد کی زوجیت میں باقی رہے۔ پس اگر شوہر اسے طلاق دیدے یا مر جائے۔ اور وہ اس سے حاملہ ہو، یا کسی بچہ کو دودھ پلا رہی ہو۔ تو شوہر کے مرنے کے بعد بھی اگر وہ

دخل بها الزوج الثاني و لم تحمل منه أو حملت منه و كان اللبن بحاله لم ينقطع و لم تحدث فيه زيادة، بل مع حدوثها إذا احتمل كونه للأول. الثاني- أن يكون شرب اللبن بالامتصاص من الثدي، فلو وجر في حلقه اللبن أو شرب المحلوب من المرأة لم ينشر الحرمة، الثالث- أن تكون المرضعة حية، فلو ماتت في أثناء الرضاع و أكمل النصاب حال موتها ولو رضعة لم ينشر الحرمة، الرابع- أن يكون المرتضع في أثناء الحولين و قبل استكمالها، فلا عبرة برضاعه بعدهما، و لا يعتبر الحولان في ولد المرضعة على الأقوى، فلو وقع الرضاع بعد كمال حوليه نشر الحرمة إذا كان قبل حولي المرتضع.

مسألة ٢ ـ المراد بالحولين أربع و عشرون شهراً هلالياً من حين الولادة، ولو وقعت في أثناء الشهر يكمل من الشهر الخامس و العشرين، ما مضى من الشهر الأول على الأظهر، فلو تولد في العاشر من شهر تكمل حولاه في العاشر من الخامس والعشرين.

الشرط الخامس- الكمية، وهي بلوغه حداً معيناً، فلا يكفي مسمى الرضاع و لا رضعة كاملة، و له تحديدات و تقديرات ثلاثة: الأثر و الزمان و العدد، و أيّ منها حصل كفى في نشر الحرمة، و لا يبعد كون الأثر هو الأصل و الباقيان أمارتان عليه، لكن لا يترك الاحتياط لو فرض حصول أحدهما دونه، فأمّا الأثر فهو أن يرضع بمقدار نبت اللحم و شد العظم، و أمّا الزمان فهو أن يرتضع من المرأة يوماً و ليلة مع اتصالها بأن يكون غذاؤه في هذه المدة منحصراً بلبن المرأة، و أما العدد فهو أن يرتضع منها خمس عشرة رضعة كاملة.

مسألة ٣ ـ المعتبر في إنبات اللحم و شد العظم استقلال الرضاع في حصولها على وجه ينسبان إليه، فلو فرض ضم السكر و نحوه إليه على نحو ينسبان إليهما أشكل ثبوت التحريم، كما أن المدار هو الانبات والشد المعتد به منهما على نحو مبان يصدقان عرفاً، و لا يكفي حصولها بالدقة العقلية، و إذا شك في حصولها بهذه المرتبة أو استقلال الرضاع في حصولها يرجع الى التقديرين الآخرين.

کسی بچے کو دودھ پلائے تب بھی اس سے حرمت پیدا ہو جائے گی۔ چاہے وہ شادی کرے اور دوسرا شوہر اس سے مباشرت بھی کرے لیکن وہ اس سے حاملہ نہ ہو یا حاملہ ہو جائے مگر دودھ آنا بند نہ ہوا ہو اور نہ ہی اس میں زیادتی ہوئی ہو۔ بلکہ اگر دودھ زیادہ بھی ہو جائے لیکن یہ احتمال ہو کہ اسکا تعلق پہلے شوہر سے ہے۔ دوم:۔ یہ کہ بچہ عورت کے پستان سے منہ لگا کر دودھ پیئے۔ پس اگر اس کے حلق میں دودھ ٹپکایا جائے۔ یا عورت کے پستان سے نکالا گیا دودھ پیئے تو وہ حرمت آور نہیں۔ سوم:۔ یہ کہ دودھ پلانے والی زندہ ہو۔ پس اگر وہ دودھ پلانے کے دوران فوت ہو جائے اور مرنے کے بعد چاہے صرف ایک بار دودھ پینے سے نصاب مکمل ہو۔ تو اس سے حرمت پیدا نہیں ہوگی۔ چہارم: بچہ دو[۲] سال مکمل ہونے سے پہلے دودھ پیئے۔ چنانچہ اگر دو سال پورے ہو جانے کے بعد دودھ پیئے تو اسکا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اقوی یہ ہے کہ اگر بچہ دودھ پلانے والی کا اپنا بیٹا ہو تو اس میں دو سال معتبر نہیں ہیں۔ پس اگر دو سال گذرنے کے بعد بھی دودھ پئے جبکہ اس دوران دودھ پیتا رہا ہو تو اس سے حرمت پیدا ہو جائے گی۔

مسئلہ ۲: "حولین" سے مراد ولادت سے لے کر چوبیس قمری مہینے پورے ہو جانے تک ہے۔ اور اگر کسی مہینے کی درمیانی تاریخوں میں متولد ہوا ہو تو پچیسویں مہینے کے اتنے دن اس مدت میں شامل کرنا اظہر ہے۔ پس اگر قمری ماہ کی دس تاریخ کو ولادت ہوئی ہو تو پچیسویں مہینے کے دس دن ملا کر دو سال پورے ہوں گے۔

پانچویں شرط: دودھ کی مقدار ہے۔ چنانچہ ایک معین حد تک دودھ پینا موجب حرمت ہے۔ ایک مرتبہ بطورِ کامل، یا صرف نام کے لئے دودھ پی لینے سے حرمت پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ حرمت ایجاد کرنے کی تین حدیں ہیں۔ اثر، زمانہ اور عدد۔ اور ان میں سے کسی ایک حد تک پہونچ جانا حرمت ایجاد کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور بعید نہیں کہ اس کی "اصلی حد" "اثر" ہو اور باقی دو حدیں اس کی علامت ہوں۔ لیکن اگر ان میں سے کسی ایک حد تک پہونچ جائے اور اثر اصل نہ ہو تب بھی احتیاط ترک نہ کی جائے۔

اثر سے مراد یہ ہے کہ دودھ پینے سے بدن پر گوشت پیدا ہو اور ہڈیاں مضبوط ہوں۔

زمانہ: کا مطلب یہ ہے کہ پورے چوبیس گھنٹے عورت کے ساتھ رہ کر بچہ اس سے دودھ پیئے۔ اس طرح کہ اس کی غذا صرف عورت کے دودھ میں منحصر ہو۔ اور "عدد" سے مراد یہ ہے کہ پندرہ مرتبہ مکمل طور پر دودھ پیئے۔

مسئلہ ۳: گوشت اُگنے اور ہڈیوں کی مضبوطی کے سلسلے میں معتبر یہ ہے کہ صرف دودھ پینے سے ایسا ہو جائے اس طرح کہ ان دونوں کو دودھ کی طرف نسبت دی جا سکے۔ پس اگر اس میں شکر وغیرہ کی ملاوٹ فرض کی جائے۔ اور گوشت اُگنا اور ہڈیوں کی مضبوطی دودھ و شکر کی وجہ سے ہو۔ تو حرمت ثابت ہونا مشکل ہے۔ جیسا کہ یہ دونوں چیزیں یعنی گوشت اُگنا اور ہڈیوں کی مضبوطی قابلِ توجہ ہوں اور عرفِ عام میں صادق آئیں۔ البتہ ان چیزوں کے حصول کو عقلی پیمانے پر ناپنا کافی نہیں ہے۔

اور اگر اس طرح یا فقط دودھ پینے کی وجہ سے ان چیزوں کے حصول میں شک ہو جائے تو دوسری حدوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

مسألة ٤ ـ يعتبر في التقدير بالزمان أن يكون غذاؤه في اليوم و الليلة منحصراً باللبن، و لا يقدح شرب الماء للعطش و لا ما يأكل أو يشرب دواء إن لم يخرج ذلك عن المتعارف، و الظاهر كفاية التلفيق في التقدير بالزمان لو ابتدأ بالرضاع في أثناء الليل أو النهار.

مسألة ٥ ـ يعتبر في التقدير بالعدد أمور: منها ـ كمال الرضعة بأن يروى الصبي و يصدر من قبل نفسه، و لا تحسب الرضعة الناقصة و لا تضم الناقصات بعضها ببعض بأن تحسب رضعتان ناقصتان أو ثلاث رضعات ناقصات مثلاً واحدة، نعم لو التقم الصبي الثدي ثم رفضه لا بقصد الاعراض بأن كان للتنفس أو الالتفات إلى ملاعب أو الانتقال من ثدي الى آخر أو غير ذلك كان الكل رضعة واحدة.

و منها ـ توالي الرضعات بأن لا يفصل بينها رضاع امرأة أخرى رضاعاً تاماً كاملاً على الأقوى و مطلقا على الأحوط، نعم لا يقدح القليل جداً، و لا يقدح في التوالي تخلل غير الرضاع من المأكول و المشروب و إن تغذى به.

و منها ـ أن يكون كمال العدد من امرأة واحدة، فلو ارتضع بعض الرضعات من امرأة و أكملها من امرأة أخرى لم ينشر الحرمة و إن اتحد الفحل، فلا تكون واحدة من المرضعتين أماً للمرتضع و لا الفحل أباً له.

و منها ـ اتحاد الفحل بأن يكون تمام العدد من لبن فحل واحد، و لا يكفي اتحاد المرضعة، فلو أرضعت امرأة من لبن فحل ثمان رضعات ثم طلقها الفحل و تزوجت بآخر و حملت منه ثم أرضعت ذلك الطفل من لبن الفحل الثاني تكملة العدد من دون تخلل رضاع امرأة أخرى في البين بأن يتغذى الولد في هذه المدة المتخللة بالمأكول والمشروب لم ينشر الحرمة.

مسألة ٦ ـ ما ذكرناه من الشروط شروط لناشرية الرضاع للحرمة، فلو انتفى بعضها لا أثر له و ليس بناشر لها أصلاً حتى بين الفحل و المرتضعة و كذا بين المرتضع والمرضعة فضلاً عن الأصول و الفروع و الحواشي، و في الرضاع شرط

مسئلہ ۴: دودھ پلانے کے سلسلہ میں جو وقت اور زمان کی شرط ہے اس میں معتبر یہ ہے کہ شب و روز بچے کی غذا صرف دودھ ہو۔ البتہ پیاس بجھانے کے لئے پانی پلانا اور دوا کے طور پر کوئی چیز کھلانا پلانا مانع نہیں بشرطیکہ معمول سے زیادہ نہ ہو۔

اور ظاہر اگر دن یا رات کے درمیانی حصہ سے دودھ پلانا شروع کرے تو اس سلسلہ میں تلفیق (یعنی دن یا رات کے اسی حصہ پر ختم کرنا) کافی ہے۔

مسئلہ ۵: عدد کی شرط میں چند امور کا لحاظ رکھا جائے گا۔

امر اول: یہ ہے کہ ہر مرتبہ پیٹ بھر کر دودھ پلایا جائے اس طرح کہ بچہ اپنے آپ پستان کو چھوڑ دے۔ چنانچہ جس مرتبہ مکمل طور پر دودھ نہ پلایا جائے اسکو شمار نہیں کیا جائیگا۔ اور چند مرتبہ ناقص طور پر دودھ پلانے کو ایک دوسرے کے ساتھ شامل نہیں کیا جائیگا۔ اسی طرح کہ دو بار ناقص طور پر دودھ پلا کر اس کو ایک بار دودھ پلانا شمار کیا جائے۔ یا تین بار غیر مکمل طور پر دودھ پلا کر اسے ایک بار دودھ پلانا شمار کیا جائے۔ "البتہ" اگر بچہ پستان منہ میں لے اور پھر اُسے چھوڑ دے لیکن اس سے اعراض نہ کرنا چاہتا ہو بلکہ یا تو سانس لینے کے لئے چھوڑ دے یا کھیل کی طرف متوجہ ہو جائے یا دوسری پستان منہ میں لینے کے لئے ایک پستان چھوڑے یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے تو اسے ایک بار دودھ پینا شمار کیا جائے گا۔

امر دوم: پے در پے دودھ پینا، اس طرح کہ درمیان میں بناء بر اقوی کامل طور پر ایک بار کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پئے اور احوط یہ ہے کہ مطلق طور پر (کامل یا ناقص) کسی عورت کا دودھ نہ پئے۔ البتہ بہت ہی کم مقدار میں دودھ پینا مانع نہیں ہے۔ اور موالات میں کسی دوسری عورت کے دودھ پلانے کے علاوہ کھانے پینے کی کوئی اور چیز، چاہے غذا کے طور پر ہی سہی خلل انداز نہیں ہوتی۔

امر سوم: عدد کی تکمیل ایک ہی عورت سے ہو۔ پس اگر چند مرتبہ ایک عورت سے دودھ پیئے اور اس کی تکمیل دوسری عورت سے کرے تو اس سے حرمت پیدا نہیں ہوگی چاہے ان کا شوہر ایک ہی ہو۔ پس ان دونوں دودھ پلانے والیوں میں نہ کوئی بچے کی ماں کہلائے گی اور نہ ان کا شوہر بچے کا باپ ہوگا۔

امر چہارم: دودھ ایک ہی مرد کا ہو۔ یعنی رضاعت صادق آنے کے لئے جو عدد درکار ہے اتنی تعداد میں ایک ہی مرد کا دودھ پلائے۔

صرف دودھ پلانے والی کا "ایک ہونا" کافی نہیں ہے۔ پس اگر کوئی عورت آٹھ مرتبہ ایک شوہر کے دودھ سے پلائے۔ اسکے بعد وہ شوہر اسے طلاق دے ڈالے، اور وہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرے اور اس سے حاملہ ہونیکے بعد اسی بچے کو اتنی بار دودھ پلائے کہ جس سے عدد مطلوب مکمل ہو جائے۔ اور اس درمیان کوئی دوسری عورت اس بچے کو دودھ نہ پلائے بلکہ بچہ اس مدت میں الگ سے غذا حاصل کرتا رہا ہو۔ تو اس سے حرمت پیدا نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۶: جو شرطیں ہم نے ذکر کی ہیں اگر ان کے ہوتے ہوئے رضاعت انجام پائے تو حرمت پیدا ہوگی۔ پس اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ ہو تو بالکل حرمت پیدا نہیں ہوگی۔ حتیٰ اس مرد اور شیر خوار بچہ، اور اسی طرح دودھ پلانے والی اور بچہ کے درمیان بھی حرمت پیدا نہیں ہوگی۔ چہ جائیکہ اس کے اصلی، فرعی اور اطرافی

آخر زائد على ما مر مختص بنشر الحرمة بين المرتضعين و بين أحدهما و فروع الآخر، و بعبارة أخرى شرط لتحقق الأخوة الرضاعية بين المرتضعين، و هو اتحاد الفحل الذي ارتضع المرتضعان من لبنه، فلو ارتضع صبي من امرأة من لبن شخص رضاعاً كاملاً و ارتضعت صبية من تلك المرأة من لبن شخص آخر كذلك بأن طلقها الأول و زوجها الثاني و صارت ذات لبن منه فأرضعتها رضاعاً كاملاً لم تحرم الصبية على ذلك الصبي و لا فروع أحدهما على الآخر، بخلاف ما إذا كان الفحل و صاحب اللبن واحداً و تعددت المرضعة، كما إذا كانت لشخص نسوة متعددة و أرضعت كل واحدة منهن من لبنه طفلاً رضاعاً كاملاً فانه يحرم بعضهم على بعض و على فروعه، لحصول الأخوة الرضاعية بينهم.

مسألة ٧ ـ إذا تحقق الرضاع الجامع للشرائط صار الفحل و المرضعة أباً و أماً للمرتضع، و أصولهما أجداداً وجدات و فروعهما إخوة و أولاد إخوة له، و من في حاشيتهما و في حاشية أصولهما أعماماً أو عمات و أخوالاً أو خالات له، و صار هو أعني المرتضع ابناً أو بنتاً لهما، و فروعه أحفاداً لهما، و إذا تبين ذلك فكل عنوان نسبي محرم من العناوين السبعة المتقدمة إذا تحقق مثله في الرضاع يكون محرماً، فالأم الرضاعية كالأم النسبية و البنت الرضاعية كالبنت النسبية و هكذا، فلو أرضعت امرأة من لبن فحل طفلاً حرمت المرضعة و أمها و أم الفحل على المرتضع للأمومه، و المرتضعة و بناتها و بنات المرتضع على الفحل و على أبيه وأبي المرضعة للبنتية، و حرمت أخت الفحل و أخت المرضعة على المرتضع لكونهما عمة و خالة له، و المرتضعة على أخي الفحل و أخي المرضعة لكونها بنت أخ أو بنت أخت لهما، وحرمت بنات الفحل على المرتضع و المرتضعة على أبنائه نسبيين كانوا أم رضاعيين، و كذا بنات المرضعة على المرتضع و المرتضعة على أبنائها إذا كانوا نسبيين للأخوة و أما أولاد المرضعة الرضاعيون ممن أرضعتهم بلبن فحل آخر غير الفحل الذي ارتضع المرتضع بلبنه فلم يحرموا على المرتضع لما مرّ من اشتراط اتحاد الفحل في نشر الحرمة بين المرتضعين.

رشتہ داروں میں حرمت کا باعث ہو۔

رضاعت کے باب میں ایجاد حرمت کی مذکورہ شرطوں کے علاوہ ایک اور شرط ہے جو دو شیر خواروں اور ان میں سے کسی ایک اور اس کے دوسرے فرعی رشتہ داروں کے درمیان ایجاد حرمت کے سلسلہ میں مخصوص ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کو دو شیر خواروں کے درمیان ایجاد اخوت کی شرط بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور وہ شرط یہ ہے کہ دونوں دودھ پینے والے ایک ہی مرد کا دودھ پئیں۔ پس اگر ایک بچہ کسی ایک عورت سے کامل طور پر ایک مرد کا دودھ پیئے۔ اور ایک بچی کامل طور پر اسی عورت سے کسی دوسرے مرد کا دودھ پیئے۔ کہ پہلے شوہر کے طلاق دینے کے بعد جس سے اس عورت نے شادی کی ہو اور اس سے اس کے پستانوں میں دودھ پیدا ہوا ہو۔ تو وہ بچی اس بچے پر حرام نہیں ہو گی۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی کی شاخ دوسرے پر حرام ہو گی۔ برخلاف اسکے اگر شوہر یعنی دودھ کا مالک ایک ہی شخص ہو۔ اور دودھ پلانے والیاں متعدد ہوں۔ مثلاً ایک شخص کی متعدد بیویاں ہوں۔ اور ان میں ہر ایک اس مرد کے دودھ سے ایک بچے کو مکمل طور پر دودھ پلائے تو وہ ایک دوسرے پر حرام ہوں گے اور اسی طرح ایک دوسرے کی شاخوں پر۔ اس لئے کہ ان کے درمیان اخوت رضاعیہ پیدا ہو چکی ہے۔

مسئلہ ۷: رضاعت کے تمام شرائط کیساتھ جب کوئی بچہ دودھ پلانے والی بچے کی ماں کہلاتی ہے اور اس کا شوہر بچے کا باپ ہو جاتا ہے۔ ان دونوں کے اجداد بچے کے اجداد بن جاتے ہیں اور انکی دادیاں بچے کی دادیاں، ان دونوں کی اولادیں بچے کے بھائی بہن اور اولادوں کی اولادیں اسکے بھتیجے، بھتیجیاں کہلاتی ہیں۔ ان دونوں کے اطراف میں جو رشتہ دار ہوتے ہیں مثلاً ان کے پدری اور مادری چچا، پھپھیاں۔ یا ماموں اور خالاؤں وغیرہ کا بچے سے بھی وہی رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور وہ یعنی دودھ پینے والا بچہ ان کی بیٹی یا بیٹا بن جاتا ہے۔ اور بچے کی اولادیں ان دونوں کے احفاد (پوتے، پوتیاں) کہلاتی ہیں۔ جب یہ مسئلہ واضح ہو چکا تو اسکا مطلب یہ ہے کہ نسبی محرموں کی جو سات قسمیں ذکر ہو چکی ہیں۔ رضاعت سے بھی وہ محرم ہو جاتی ہیں۔ پس رضاعی ماں، نسبی ماں کی مانند ہے اور رضاعی بیٹی نسبی بیٹی کی مانند، اور دوسرے محرموں میں بھی یہی صورت ہے۔ پس جب کوئی عورت کسی مرد کے دودھ سے بچے کو دودھ پلائے۔ تو وہ عورت، اس عورت کی ماں، اور اسکے شوہر کی ماں بچے کی ماں ہو جانے کی وجہ سے اس پر حرام ہیں۔ اور دودھ پینے والی بچی، بچی کی بیٹیاں اور دودھ پینے والے بچے کی بیٹیاں، اس مرد پر اور اسکے باپ پر اور دودھ پلانے والی عورت کے باپ پر۔ بیٹیاں ہونے کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں۔ دودھ کے مالک مرد، اور دودھ پلانے والی عورت کی بہنیں، دودھ پینے والے بچے پر پھوپھی اور خالہ ہونے کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں۔ اور دودھ پینے والی بچی، دودھ کے مالک مرد اور دودھ پلانے والی عورت کے بھائیوں پر حرام ہو جاتی ہے اس کے لئے کہ وہ یا تو انکی بھتیجی ہو گی یا بھانجی۔ دودھ کے مالک مرد کی بیٹیاں، دودھ پینے والے بچے پر حرام ہوں گی اور دودھ پینے والی بچی اس مرد کے بیٹوں پر حرام ہو گی چاہے وہ نسبی بیٹے ہوں یا رضاعی۔ اسی طرح رضاعی ماں کی بیٹیاں اس ماں سے دودھ پینے والے بچے پر حرام ہوں گی۔ اور دودھ پینے والی بچی رضاعی ماں کے نسبی بیٹوں پر بھائی ہو جانے کی وجہ سے حرام ہو گی۔ لیکن رضاعی ماں کی وہ رضاعی اولاد جن کو اس نے دوسرے مرد کے دودھ سے پلایا ہو۔ اور وہ اس شوہر کے علاوہ ہو جس کا دودھ اس بچے نے پیا ہے۔ تو وہ اولاد اس بچے پر حرام نہیں ہو گی۔ اس لئے کہ ایجاد حرمت کی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی ذکر ہو چکی ہے۔ کہ دودھ کا مالک ایک ہی مرد ہو۔

مسألة ٨ ـ تكفي في حصول العلاقة الرضاعية المحرمة دخالة الرضاع فيه في الجملة، فقد تحصل من دون دخالة غيره فيها كعلاقة الأبوة و الأمومة و الابنية و البنتية الحاصلة بين الفحل و المرضعة و بين المرتضع، و كذا الحاصلة بينه و بين أصولها الرضاعيين، كما إذا كان لهما أب أو أم من الرضاعة حيث انهما جد وجدة للمرتضع من جهة الرضاع محضاً، و قد تحصل به مع دخالة النسب في حصولها كعلاقة الأخوة الحاصلة بين المرتضع و أولاد الفحل و المرضعة النسبيين، فانهم و إن كانوا منسوبين إليهما بالولادة إلا أن أخوتهم للمرتضع حصلت بسبب الرضاع، فهم إخوة أو أخوات له من الرضاعة، توضيح ذلك : أن النسبة بين شخصين قد تحصل بعلاقة واحدة كالنسبة بين الولد و والده و والدته، و قد تحصل بعلاقتين كالنسبة بين الأخوين، فانها تحصل بعلاقة كل منهما مع الأب أو الأم أو كليهما، و كالنسبة بين الشخص وجده الأدنى، فانها تحصل بعلاقة بينه و بين أبيه مثلاً و علاقة بين أبيه و بين جده، و قد تحصل بعلاقات ثلاث كالنسبة بين الشخص و بين جده الثاني، وكالنسبة بينه و بين عمه الأدنى، فانه تحصل بعلاقة بينك و بين أبيك و بعلاقة كل من أبيك و أخيه مع أبيهما مثلاً، و هكذا تتصاعد و تتنازل النسب و تتشعب بقلة العلاقات و كثرتها حتى أنه قد تتوقف نسبة بين شخصين على عشر علائق أو أقل أو أكثر و إذا تبين ذلك فان كانت تلك العلائق كلها حاصلة بالولادة كانت العلاقة نسبية، و إن حصلت كلها أو بعضها ولو واحدة من العشر بالرضاع كانت العلاقة رضاعية.

مسألة ٩ ـ لما كانت المصاهرة ـ التي هي أحد أسباب تحريم النكاح كما يأتي ـ علاقة بين أحد الزوجين و بعض أقرباء الآخر فهي تتوقف على أمرين: مزاوجة و قرابة، و الرضاع انما يقوم مقام الثاني دون الأول، فرضعة ولدك لا تكون بمنزلة زوجتك حتى تحرم أمها عليك ، لكن الأم و البنت الرضاعيتين لزوجتك تكونان كالأم و البنت النسبيين لها، فتحرمان عليك ، و كذلك حليلة الابن الرضاعي كحليلة الابن النسبي، و حليلة الأب الرضاعي كحليلة الأب النسبي، تحرم

مسئلہ ۸: رضاعی رشتہ پیدا ہونے کے لئے کہ جس سے حرمت ایجاد ہوتی ہے۔ فی الجملہ رضاعت کا دخیل ہونا کافی ہے۔ اور کبھی یہ رشتہ دوسرے کی دخالت کے بغیر حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے باپ ہونا، ماں ہونا، بیٹی یا بیٹا ہونا کہ یہ رشتہ دودھ پلانے والی عورت اسکے شوہر اور دودھ پینے والے بچے کے درمیان بلاواسطہ موجود ہے۔ اسی طرح وہ رشتہ بھی ہے جو بچے اور اسکے رضاعی ماں باپ کے والدین یا اجداد کے درمیان استوار ہوتا ہے۔ مثلاً ان دونوں کے رضاعی والدین ہوں تو وہ اس بچے کے صرف رضاعی دادا اور دادی ہوں گے۔ نسب اس میں دخیل نہیں ہوگا۔

لیکن کبھی اس رشتہ کے حاصل ہونے میں نسب بھی دخیل ہوتا ہے۔ جیسے وہ رشتۂ اخوت جو دودھ پینے والے بچے اور اس کے رضاعی والدین کی نسبی اولاد کے درمیان حاصل ہوا ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ وہ اولاد ولادت کی وجہ سے اپنے والدین کی طرف منسوب ہے۔ لیکن دودھ پینے والے کے ساتھ انکی اخوت، صرف رضاعت کی وجہ سے ہے۔ پس وہ اس کے رضاعی بھائی یا بہنیں ہوں گی۔ اس کی توضیح ملاحظہ فرمائیں۔

دو شخصوں کے درمیان کبھی ایک واسطے سے نسب پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے باپ، بیٹے اور ماں بیٹے کے درمیان نسبت اور کبھی نسبت دو واسطوں سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسے دو بھائیوں کے درمیان نسبت، اسلئے کہ یہ نسبت ان میں ہر ایک کے ماں، باپ یا ان دونوں کے ایک دوسرے کے متعلق ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ یا کسی شخص اور اسکے دادا کے درمیان نسبت، اس لئے کہ یہ نسبت اس شخص کے اپنے باپ کیساتھ۔ اور باپ کے اسکے دادا کیساتھ تعلق سے پیدا ہوتی ہے۔ اور کبھی نسبت پیدا ہونے کے لئے تین واسطے درمیان میں ہوتے ہیں۔ جیسے کسی شخص اور اسکے پردادا کے درمیان نسبت، یا اس شخص اور اسکے چچا کے درمیان نسبت اسلئے کہ یہ نسبت، تمہارے اور تمہارے باپ کے درمیان تعلق۔ اور تمہارے باپ اور اس کے بھائی کے درمیان تعلق اور پھر ان دونوں کے اپنے باپ کے ساتھ تعلق سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی طرح نسب کا سلسلہ اوپر کی طرف جاتا ہے اور نیچے کی طرف آتا ہے۔ اور تعلقات کی قلت اور کثرت سے اس میں شاخیں نکلتی ہیں حتیٰ کبھی دو افراد کے درمیان نسبت دس تعلقات یا اس سے کم یا زیادہ پر موقوف ہوتی ہے۔

جب یہ بات واضح ہو گئی۔ تو اگر یہ تعلقات ولادت کی وجہ سے پیدا ہوں تو رشتہ نسبی کہلائے گا۔ اور اگر سب کے سب تعلقات یا ان میں بعض چاہے دس میں سے ایک بھی رضاعت سے پیدا ہو تو رشتہ رضاعی ہوگا۔

مسئلہ ۹: جب مصاہرت (دامادی) کہ جو حرمتِ نکاح کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ زوجین اور ان کے بعض دوسرے قرابتداروں کے درمیان ایک رشتہ ہے۔ تو یہ تعلق دو چیزوں پر موقوف ہے۔ ۱: شادی کرنا ۲: قرابت اور رضاعت دوسری چیز (یعنی قرابت) کا قائم مقام ہے۔ پس آپ کے بیٹے کو دودھ پلانے والی آپ کی زوجہ کی جگہ نہیں ہوگی کہ اس کی ماں آپ پر حرام ہو جائے۔ لیکن آپ کی زوجہ کی رضاعی ماں، اور بیٹی، اس کی نسبی ماں اور بیٹی کی مانند ہوں گی۔ لہٰذا وہ دونوں آپ پر حرام ہوں گی۔ اسی طرح رضاعی بیٹے کی حلیلہ نسبی بیٹے کی۔ حلیلہ کی مانند ہوگی۔ اور رضاعی باپ کی حلیلہ نسبی باپ کی حلیلہ کی مانند۔ پہلی بیٹے کے رضاعی باپ اور دوسری باپ کے رضاعی بیٹے پر حرام ہوگی۔

مسئلہ ۱۰: گذشتہ مسئلہ میں بیان ہو چکا ہے کہ رضاعی تعلق کبھی ایک رضاعت سے حاصل ہو جاتا ہے۔

الأولى على أبيه الرضاعي، و الثانية على ابنه الرضاعي.

مسألة ١٠ ـ قد تبين مما سبق أن العلاقة الرضاعية المحضة قد تحصل برضاع واحد كالحاصلة بين المرتضع و بين المرضعة و صاحب اللبن، و قد تحصل برضاعين كالحاصلة بين المرتضع و بين أبوي الفحل و المرضعة الرضاعيين، و قد تحصل برضاعات متعددة، فاذا كان لصاحب اللبن مثلا أب من جهة الرضاع و كان لذلك الأب الرضاعي أيضاً أب من الرضاع و كان للأخير أيضاً أب من الرضاع و هكذا إلى عشرة آباء مثلاً كان الجميع أجداداً رضاعيين للمرتضع الأخير، و جميع المرضعات جدات له، فان كانت أنثى حرمت على جميع الأجداد، و إن كان ذكراً حرمت عليه جميع الجدات، بل لو كانت للجد الرضاعي الأعلى أخت رضاعية حرمت على المرتضع الأخير، لكونها عمته العليا من الرضاع، ولو كانت للمرضعة الأبعد التي هي الجدة العليا للمرتضع أخت حرمت عليه لكونها خالته العليا من الرضاع.

مسألة ١١ ـ قد عرفت فيما سبق أنه يشترط في حصول الأخوة الرضاعية بين المرتضعين اتحاد الفحل، و يتفرع على ذلك مراعاة هذا الشرط في العمومة و الخؤولة الحاصلتين بالرضاع أيضاً، لأن العم والعمة أخ و أخت للأب، والخال و الخالة أخ و أخت للأم، فلو تراضع أبوك أو أمك مع صبية من امرأة فان اتحد الفحل كانت الصبية عمتك أو خالتك من الرضاعة بخلاف ما إذا لم يتحد، فحيث لم تحصل الأخوة الرضاعية بين أبيك أو أمك مع الصبية لم تكن هي عمتك أو خالتك، فلم تحرم عليك.

مسألة ١٢ ـ لا يجوز أن ينكح أبو المرتضع في أولاد صاحب اللبن ولادة بل و رضاعاً على الأحوط، و كذا في أولاد المرضعة نسباً لارضاعاً، و أما أولاده الذين لم يرتضعوا من هذا اللبن فيجوز نكاحهم في أولاد صاحب اللبن و في أولاد المرضعة التي أرضعت أخاهم و إن كان الاحتياط لا ينبغي تركه.

مسألة ١٣ ـ إذا أرضعت امرأة ابن شخص بلبن فحلها ثم أرضعت بنت

جیسے مرتضع (دودھ پینے والے بچے) مرضعۃ (دودھ پلانے والی) اور دودھ کے مالک کے درمیان تعلق۔ اور کبھی یہ تعلق دو رضاعتوں سے حاصل ہوتا ہے، جیسے مرتضع اور دودھ کے مالک مرد اور دودھ پلانے والی کے رضاعی والدین کے درمیان تعلق۔ اور کبھی یہ تعلق متعدد رضاعتوں سے وجود میں آتا ہے۔

پس دودھ کے مالک مرد کا رضاعی باپ ہو۔ اور اس کا بھی رضاعی باپ ہو۔ اور اس رضاعی دادا کا بھی رضاعی باپ ہو اور اسی طرح یہ سلسلہ دس رضاعی باپ دادا تک پہونچ جائے۔ تو سب کے سب اس بچے کے رضاعی دادا ہوں گے۔ اور تمام دودھ پلانے والیاں اس کی دادیاں ہوں گی۔ پس اگر دودھ پینے والی بیٹی ہو تو وہ تمام اجداد پر حرام ہوگی اور اگر بیٹا ہو تو اس پر تمام دادیاں حرام ہوں گی۔

بلکہ اگر سب سے آخری رضاعی دادا کی ایک رضاعی بہن ہو تو وہ اس بچے پر حرام ہوگی اس لئے کہ وہ اس کی سب سے اعلیٰ رضاعی پھوپھی کہلائے گی۔ اور اگر سب سے آخر والی مرضعۃ۔ کہ جو اس بچے کی جدۃ علیاً ہے۔ کی بہن بچے پر حرام ہوگی اس لیے کہ اس کی سب سے اعلیٰ رضاعی خالہ کہلائے گی۔

مسئلہ ۱۱: گذشتہ مسائل سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ دودھ پینے والوں کے درمیان رضاعی اخوت کے لئے یہ شرط ہے کہ دونوں کے دودھ کا مالک ایک ہی شخص ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رضاعی پھوپھیوں اور خالاؤں میں بھی اس شرط کی رعایت برتی جائے گی۔ اس لئے کہ چچا اور پھوپھی باپ کے بھائی بہن ہوتے ہیں۔ اور ماموں اور خالہ، ماں کے بھائی بہن۔ پس اگر تمھارا باپ یا تمھاری ماں کسی بچی کے ساتھ ایک عورت کا دودھ پیئیں، تو اگر دودھ کا مالک ایک شخص ہو تو وہ بچی تمھاری رضاعی پھوپھی یا خالہ کہلائے گی۔ لیکن اگر دودھ کا مالک ایک شخص نہ ہو تو اس صورت میں یہ رشتہ برقرار نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس بچی اور تمھاری ماں یا باپ کے درمیان رضاعی اخوت پیدا نہیں ہوتی ہے۔ اور وہ تمھاری پھوپھی یا خالہ نہیں ہوگی۔ لہٰذا وہ تم پر حرام نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۲: دودھ پینے والے بچے کے باپ پر جائز نہیں کہ وہ دودھ کے مالک کی نسبی اولاد، بلکہ احتیاط کی بناء پر رضاعی اولاد سے نکاح کرے۔ اور یہی حکم مرضعۃ (دودھ پلانے والی) کی نسبی اولاد کا ہے۔ لیکن اسکی رضاعی اولاد کا یہ حکم نہیں۔

لیکن اس کی وہ اولاد جنھوں نے اس مالک کا دودھ نہ پیا ہو، دودھ کے مالک کی اولاد میں ان کا نکاح جائز ہے۔ اور دودھ پلانے والی کی اولاد میں کہ جس نے ان کے بھائی کو دودھ پلایا ہے نکاح جائز ہے۔ اگرچہ ترک احتیاط سزاوار نہیں۔

مسئلہ ۱۳: جب ایک عورت کسی شخص کے بیٹے کو اپنے شوہر کا دودھ پلائے۔ پھر اسی دودھ سے دوسرے شخص کی بیٹی کو پلائے۔ تو یہ لڑکی اس لڑکے پر حرام ہوگی۔ لیکن ان دونوں کے دوسرے بہن بھائی ایک دوسرے

شخص آخر من لبن ذلك الفحل فتلك البنت و إن حرمت على ذلك الابن لكن تحل أخوات كل منهما لإخوة الآخر.

مسألة ١٤ ـ الرضاع المحرم كما يمنع من النكاح لو كان سابقاً يبطله لو حصل لاحقاً، فلو كانت له زوجة صغيرة فأرضعتها بنته أو أمه أو أخته أو بنت أخيه أو بنت أخته أو زوجة أخيه بلبنه رضاعاً كاملاً بطل نكاحها و حرمت عليه، لصيرورتها بالرضاع بنتاً أو أختاً أو بنت أخ أو بنت أخت له، فحرمت عليه لا حقاً كما كانت تحرم عليه سابقاً، و كذا لو كانت له زوجتان صغيرة و كبيرة فأرضعت الكبيرة الصغيرة حرمت عليه الكبيرة، لأنها صارت أم زوجته، و كذلك الصغيرة إن كانت رضاعها من لبنه أو دخل بالكبيرة لكونها بنتاً له في الأول و بنت زوجته المدخول بها في الثاني نعم ينفسخ عقدها و إن لم يكن الرضاع من لبنه و لم يدخل بالكبيرة و إن لم تحرم عليه.

تنبيه:

إذا كان أخوان في بيت واحد مثلاً و كانت زوجة كل منهما أجنبية عن الآخر و أرادا أن تصير زوجة كل منهما من محارم الآخر حتى يحل له النظر إليها يمكن لهما الاحتيال بأن يتزوج كل منهما بصبية و ترضع زوجة كل منهما زوجة الآخر رضاعاً كاملاً، فتصير زوجة كل منهما أما لزوجة الآخر، فتصير من محارمه، و حل نظره إليها، و بطل نكاح كلتا الصبيتين لصيرورة كل منهما بالرضاع بنت أخي زوجها.

مسألة ١ ـ اذا أرضعت امرأة ولد بنتها و بعبارة أخرى أرضعت الولد جدته من طرف الأم حرمت بنتها أم الولد على زوجها، و بطل نكاحها، سواء أرضعته بلبن أبي البنت أو بلبن غيره، و ذلك لأن زوج البنت أب للمرتضع، و زوجته بنت للمرضعة جدة الولد، و قد مر أنه يحرم على أبي المرتضع نكاح أولاد المرضعة، فاذا

پر حلال ہوں گے۔

مسئلہ ۱۴: وہ رضاعت جو محرمیت کا سبب بنتی ہے جس طرح نکاح کرنے سے مانع ہوتی ہے اسی طرح اگر بعد میں رضاعت واقع ہو جائے تو نکاح کو باطل کر دیتی ہے۔ پس اگر دودھ پیتی بچی کسی کی بیوی ہو۔ اور اس بیوی کو شوہر کی لڑکی، ماں، بہن یا بھائی کی لڑکی، بہن کی لڑکی، یا بھائی کی زوجہ بھائی کے دودھ سے کامل طور پر دودھ پلا دیں۔ تو نکاح باطل ہو جائے گا۔ اور وہ زوجہ اسپر حرام ہو جائیگی۔ اسلئے کہ دودھ پلانے کی وجہ سے، وہ اس کی بیٹی، بہن، بھتیجی یا بھانجی ہو جائے گی۔ تو وہ ازدواج کے بعد بھی اس پر حرام ہو جائے گی جیسا کہ شادی سے پہلے اگر دودھ پیتی تو حرام ہو جاتی۔ اور اسی طرح اگر اس کی دو بیویاں ہوں۔ ایک چھوٹی ہو اور دوسری بڑی، چنانچہ بڑی بیوی چھوٹی کو دودھ پلا دے تو بڑی اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس لئے کہ وہ اسکی بیوی کی ماں (ساس) بن جائے گی۔ اسی طرح چھوٹی بیوی بھی حرام ہو جائے گی۔ بشرطیکہ جو دودھ اس نے پیا ہے وہ اسی سے ہو، یا وہ بڑی بیوی سے مباشرت کر چکا ہو۔ اس لئے کہ پہلی صورت میں وہ اس کی رضاعی بیٹی ہو جائے گی۔ اور دوسری صورت میں اسکی مدخولہ بیوی کی بیٹی۔ البتہ عقد فسخ ہو جائے گا چاہے دودھ کا مالک وہ نہ ہو اور اس نے بڑی بیوی سے مباشرت بھی نہ کی ہو۔ اگرچہ وہ اس پر حرام نہیں ہوگی۔

ایک ضروری جانکاری:

اگر دو بھائی ایک گھر میں رہتے ہوں اور ان کی بیویاں اور ان میں ایک دوسرے کی نامحرم ہوں۔ اور دونوں کا ارادہ محرمیت پیدا کرنے کا ہو تاکہ ان کو دیکھنا جائز ہو تو اس کے لئے یہ تدبیر ممکن ہے کہ ان میں ہر ایک ایک چھوٹی بچی سے عقد کرے اور ہر ایک کی بڑی زوجہ دوسرے کی چھوٹی زوجہ کو کامل رضاعت کے ساتھ دودھ پلائے۔ تو ان میں ہر ایک کی زوجہ دوسرے کی زوجہ کی ماں ہو جائے گی لہٰذا وہ محرم ہوگی اور اسے دیکھنا جائز ہوگا۔ اور دونوں بچیوں کا نکاح باطل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ دودھ پینے سے ہر ایک، اپنے شوہر کے بھائی کی بیٹی ہو جائے گی۔

مسئلہ ۱: اگر کوئی عورت اپنی بیٹی کے فرزند کو دودھ پلائے، دوسرے لفظوں میں نانی اپنے نواسے یا نواسی کو دودھ پلائے تو اسکی بیٹی، اس کے شوہر پر حرام ہو جائیگی اور انکا نکاح باطل ہو جائے گا۔ چاہے وہ بیٹی کے باپ کے دودھ سے نواسے یا نواسی کو دودھ پلائے یا دوسرے مرد کے دودھ سے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دودھ پلانے والی (یعنی نانی) کی بیٹی کا شوہر بچے کا باپ ہے، اور اسکی بیوی، دودھ پلانے والی کی بیٹی ہے کہ جو اس بچے کی نانی ہے۔ اور یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے کہ دودھ پینے والے کے باپ پر جائز نہیں کہ وہ دودھ پلانے والی کی اولاد میں نکاح کرے۔

منع منه سابقاً أبطله لا حقاً، و كذا إذا أرضعت زوجة أبي البنت من لبنه ولد البنت بطل نكاح البنت، لما مر من أنه يحرم نكاح أبي المرتضع في أولاد صاحب اللبن، و أما الجدة من طرف الأب إذا أرضعت ولد ابنها فلا يترتب عليه شيء، كما أنه لو كان رضاع الجدة من طرف الأم ولد بنتها بعد وفاة بنتها أو طلاقها أو وفاة زوجها لم يترتب عليه شيء، فلا مانع منه و إن يترتب عليه حرمة نكاح المطلقة و أختها وكذا أخت المتوفاة.

مسألة ٢ ـ لو زوّج ابنه الصغير بابنة أخيه الصغيرة ثم أرضعت جدتهما من طرف الأب أو الأم أحدهما و ذلك فيما إذا تزوج الأخوان الأختين انفسخ نكاحهما، لأن المرتضع إن كان هو الذكر فان أرضعته جدته من طرف الأب صار عماً لزوجته، و إن أرضعته جدته من طرف الأم صار خالا لزوجته، و إن كان هو الأنثى صارت هي عمة لزوجها على الأول و خالة له على الثاني، فبطل النكاح على أي حال.

مسألة ٣ ـ إذا حصل الرضاع الطارىء المبطل للنكاح فإما أن يبطل نكاح المرضعة بارضاعها كما في إرضاع الزوجة الكبيرة لشخص زوجته الصغيرة بالنسبة إلى نكاحها و إما أن يبطل نكاح المرتضعة كالمثال بالنسبة إلى نكاح الصغيرة، و إما أن يبطل نكاح غير هما كما في إرضاع الجدة من طرف الأم ولد بنتها، و الظاهر بقاء استحقاق الزوجة للمهر في الجميع إلا في الصورة الأولى فيما إذا كان الارضاع و انفساخ العقد قبل الدخول، فان فيها تأملاً، فالأحوط التخلص بالصلح، بل الأحوط ذلك في جميع الصور و إن كان الاستحقاق أقرب، و هل تضمن المرضعة مايغرمه الزوج من المهر قبل الدخول فيما إذا كان إرضاعها مبطلاً لنكاح غيرها؟ قولان، أقواهما العدم، و الأحوط التصالح.

مسألة ٤ ـ قد سبق أن العناوين المحرمة من جهة الولادة و النسب سبعة: الأمهات و البنات و الأخوات و العمات والخالات و بنات الأخ و بنات الأخت، فان حصل بسبب الرضاع أحد هذه العناوين كان محرماً كالحاصل

پس جب سابقاً اس سے روک دیا گیا ہے تو لاحقاً بھی اس سے نکاح باطل ہو جائے گا۔

اور یہی حکم تب بھی ہے کہ جب بیٹی کے باپ کی زوجہ باپ کے دودھ سے بیٹی کے فرزند کو دودھ پلا دے تو بیٹی کا نکاح باطل ہو جائیگا۔ چونکہ پہلے یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے تو مرتضع (دودھ پینے والے) کے باپ پر دودھ کے مالک کی اولاد میں نکاح کرنا حرام ہے۔ لیکن دادی اگر اپنے پوتے یا پوتی کو دودھ پلا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ اگر نانی اپنے نواسے یا نواسی کو اس وقت دودھ پلائے، جب اس بیٹی مر چکی ہو یا اس کو طلاق دی جا چکی ہو یا اس کا شوہر مر گیا ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اور یہ بلا مانع ہے۔ اگرچہ مطلقہ اس کی بہن اور مرنے والی کی بہن سے اس کا نکاح حرام ہوگا۔

مسئلہ ۲: اگر کسی شخص کا نابالغ بیٹا اس شخص کے بھائی کی نابالغ بیٹی سے شادی کرے۔ اس کے بعد ان کی دادی یا نانی ان میں کسی ایک کو دودھ پلا دے۔ یہ اتفاق وہاں ہوگا کہ جہاں دو بھائیوں نے، دو بہنوں سے شادی کی ہو، تو ان دونوں کا نکاح فسخ ہو جائیگا۔ اس لئے کہ اگر دودھ پینے والا لڑکا ہو اور دادی نے اسے دودھ پلایا ہو تو وہ اپنی بیوی کا چچا ہو جائے گا۔ اور اگر نانی نے اُسے دودھ پلایا ہو تو وہ اپنی بیوی کا رضاعی ماموں ہو جائے گا۔ اور اگر دودھ پینے والی لڑکی ہو تو پہلی صورت میں وہ اپنے شوہر کی رضاعی پھوپھی ہو جائے گی (یعنی جب دودھ پلانے والی دادی ہو) اور دوسری صورت میں اسکی رضاعی خالہ ہو جائے گی (یعنی جب نانی نے دودھ پلایا ہو) پس ہر صورت میں نکاح باطل ہے۔

مسئلہ ۳: جب ایسی رضاعت وجود میں آ جائے کہ جس سے نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ تو دودھ پلانے والی کا نکاح یا تو دودھ پلانے سے باطل ہوگا۔ جیسے کسی شخص کی بڑی بیوی اگر اسکی دودھ پیتی زوجہ کو دودھ پلائے تو خود اس کا نکاح باطل ہوگا۔ یا دودھ پینے والی کا نکاح باطل ہوگا۔

جیسے اس کی مثال دودھ پینے والی سے نکاح کرنے کی مانند ہے۔ یا ان دونوں کے علاوہ کسی دوسرے کا نکاح باطل ہوگا۔ جیسے نانی کے اپنے نواسے یا نواسی کو دودھ پلانے میں۔ اور ظاہراً تمام صورتوں میں زوجہ کا حق مہر باقی رہے گا۔ صرف پہلی صورت میں کہ جس میں رضاعت اور فسخ عقد مباشرت سے پہلے ہو۔ اس لئے کہ اس صورت میں تامل ہے۔

پس احتیاط یہ ہے کہ خلع کے ذریعہ جان چھڑائی جائے۔ بلکہ یہ احتیاط تمام صورتوں میں ہے۔ اگرچہ استحقاق مہر زیادہ قریب ہے۔

اور آیا دودھ پلانے والی اس مورد میں کہ جس میں اسکی رضاعت دوسرے کا نکاح باطل ہو جانے کی موجب ہو۔ اس مہر کی ضامن ہے کہ جو شوہر نے مباشرت سے پہلے اسے دیا ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ اقویٰ یہ ہے کہ وہ ضامن نہیں، اور احتیاط یہ ہے کہ دونوں آپس میں صلح کر لیں۔

مسئلہ ۴: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ولادت و نسب سے سات عنوانات کی محرمیت و حرمت ثابت ہے۔ مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں۔ پس اگر رضاعت کے ذریعہ ان میں سے کوئی عنوان حاصل ہو جائے تو وہ بھی ولادت سے حاصل شدہ عنوان کی مانند محرم ہوگا۔ گذشتہ بیان میں رضاعت کے

بالولادة، و قد عرفت فيما سبق كيفية حصولها بالرضاع مفصلاً، و أما لو لم يحصل بسببه أحد تلك العناوين السبعة لكن حصل عنوان خاص لو كان حاصلاً بالولادة لكان ملازماً و متحداً مع أحد تلك العناوين السبعة ـ كما لو أرضعت امرأة ولد بنتها فصارت أم ولد بنتها، و أم ولد البنت ليست من تلك السبع، لكن لو كانت أمومة ولد البنت بالولادة كانت بنتاً له، والبنت من المحرمات السبعة ـ فهل مثل هذا الرضاع أيضاً محرم، فتكون مرضعة ولد البنت كالبنت أم لا؟ الحق هو الثاني، و قيل بالأول، و هذا هو الذي اشتهر في الألسنة بعموم المنزلة الذي ذهب إليه بعض الأجلة، و لنذكر لذلك أمثلة:

أحدها: زوجتك أرضعت بلبنك أخاها فصار ولدك . و زوجتك أخت له، فهل تحرم عليك من جهة أن أخت ولدك إما بنتك أو ربيبتك، و هما محرمتان عليك ، و زوجتك بمنزلتها أم لا؟ فمن قال بعموم المنزلة يقول: نعم، و من قال بالعدم يقول: لا.

ثانيها: زوجتك أرضعت بلبنك ابن أخيها فصار ولدك . وهي عمته، و عمة ولدك حرام عليك لأنها أختك ، فهل تحرم من الرضاع أم لا فمن قال بعموم المنزلة يقول: نعم، و من قال بالعدم يقول: لا .

ثالثها: زوجتك أرضعت عمها أو عمتها أو خالها أو خالتها فصارت أمهم، و أم عم و أم عمة زوجتك حرام عليك حيث أنها جدتها من الأب، و كذا أم خال، و أم خالة زوجتك حرام عليك، حيث أنها جدتها من الأم، فهل تحرم عليك من جهة الرضاع أم لا؟ فمن قال بعموم المنزلة يقول: نعم، و من قال بالعدم يقول: لا.

رابعها: زوجتك ارضعت بلبنك ولد عمها او ولد خالها فصرت ابا ابن عمها او ابا ابن خالها، وهي تحرم على ابي ابن عمها و ابي ابن خالها، لكونهما عمها و خالها، فهل تحرم عليك من جهة الرضاع ام لا؟ فمن قال بعموم المنزلة يقول: نعم، و من قال بالعدم يقول: لا.

ذریعہ اس کے حصول کی کیفیت آپ کو معلوم ہو چکی ہے۔ لیکن اگر رضاعت کے ذریعہ ان سات عنوانات میں سے کوئی عنوان حاصل نہ ہو۔ بلکہ ایک خاص عنوان پیدا ہو جائے کہ اگر وہ ولادت کے ذریعہ حاصل ہوتا تو ان سات عنوانوں کے ساتھ شریک ہوتا۔ مثال کے طور پر کوئی عورت اپنی بیٹی کے فرزند کو اگر دودھ پلادے تو وہ اپنی بیٹی کے فرزند کی ماں ہو جائے گی۔ اور بیٹی کے فرزند کی ماں ان سات عنوانوں میں سے نہیں۔ لیکن اگر وہ بیٹی کے فرزند کی ماں ولادت کے ذریعہ ہوتی، تو وہ اس کی بیٹی ہو جاتی۔ اور بیٹی ہونا ان سات عنوانوں میں سے ایک ہے۔ تو آیا اس قسم کی رضاعت بھی موجبِ حرمت ہے کہ جس کے نتیجہ میں بیٹی کے فرزند کی مرضعۂ بیٹی کی مانند ہوگی۔ یا موجبِ حرمت نہیں؟ دوسرا قول حق پر مبنی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ پہلا قول حق ہے۔ اور یہ وہی چیز ہے کہ جو عموم منزلت کے عنوان سے زبان زد ہر خاص وعام ہے۔ اور بعض بزرگوں نے بھی اسے قبول کیا ہے۔ اس کی چند مثالیں ہم پیش کر رہے ہیں۔

پہلی مثال: تمہاری بیوی اپنے بھائی کو دودھ پلادے تو وہ تمہارا رضاعی فرزند ہو جائے گا۔ جبکہ تمہاری بیوی اس کی بہن ہے۔ تو کیا وہ تم پر اس وجہ سے حرام ہو جائے گی کہ تمہارے بیٹے کی بہن یا تو تمہاری بیٹی ہوگی یا تمہاری ربیبہ (جسے پالا گیا ہو) کہلائے گی۔ اور بیٹی اور ربیبہ دونوں تم پر حرام ہوں گی۔ اور تمہاری بیوی ان کی جگہ ہے۔ تو آیا تم پر حرام ہوگی یا نہیں؟ جو لوگ عموم منزلت کے قائل ہیں ان کے نزدیک حرام ہے۔ لیکن جو اس کو تسلیم نہیں کرتے ان کے نزدیک حرام نہیں۔

دوسری مثال: اگر تمہاری بیوی اپنے بھتیجے کو دودھ پلادے تو وہ تمہارا بیٹا ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ اس کی پھوپھی ہے۔ اور تمہارے بیٹے کی پھوپھی تم پر حرام ہے اس لئے کہ وہ تمہاری بہن ہے۔ پس آیا دودھ پلانے سے وہ حرام ہوگی یا نہیں؟

جو عموم منزلت کے قائل ہیں ان کے نزدیک حرام ہے۔ اور جن کے نزدیک عموم منزلت کوئی چیز ان کے نزدیک حرام نہیں۔

تیسری مثال: اگر تمہاری بیوی اپنے چچا، پھوپھی، ماموں یا خالہ کو دودھ پلادے تو وہ ان کی ماں ہو جائے گی۔ اور تمہاری بیوی کے چچا اور پھوپھی کی ماں تم پر حرام ہے۔ اس لئے کہ وہ رشتہ میں تمہاری دادی کہلاتی ہے۔ اسی طرح بیوی کی خالہ اور ماموں کی ماں بھی تم پر حرام ہے اس لئے وہ تمہاری نانی ہوتی ہے۔ پس دودھ پلانے سے آیا بیوی تم پر حرام ہو جائے گی یا نہیں؟ عموم منزلت کے ماننے والوں کے نزدیک "ہاں" اور اس کو نہ ماننے والوں کے نزدیک نہیں۔

چوتھی مثال: اگر تمہاری بیوی اپنے چچا یا ماموں کے لڑکے کو دودھ پلادے تو تم اس کے چچا زاد یا ماموں زاد بھائی کے باپ ہو جاؤ گے۔ اور کوئی بھی عورت اپنے چچا زاد یا ماموں زاد بھائی کے باپ پر حرام ہوتی ہے۔ اسلئے کہ وہ اسکا چچا یا ماموں ہوتا ہے۔ پس آیا اس مورد میں دودھ پلانے کی وجہ سے تمہاری بیوی تم پر حرام ہو جائیگی یا نہیں؟ عموم منزلت کو تسلیم کرنے والوں کے نزدیک حرام ہوگی اور اسکا انکار کرنے والوں کے نزدیک حرام نہیں ہوگی۔

خامسها: امرأة أرضعت أخاك أو أختك لأبو يك فصارت أماً لهما، وهي محرمة في النسب لأنها ام لك، فهل تحرم عليك من جهة الرضاع و يبطل نكاح المرضعة إن كانت زوجتك ام لا؟ فن قال بعموم المنزلة يقول: نعم، و من قال بالعدم يقول: لا.

سادسها: امرأة ارضعت ولد بنتك فصارت أماً له، فهل تحرم عليك لكونها بمنزلة بنتك، و إن كانت المرضعة زوجتك بطل نكاحها أم لا؟ فن قال بعموم المنزلة يقول: نعم، و من قال بالعدم يقول: لا.

سابعها: امرأة أرضعت ولد أختك فصارت أماً له، فهل تحرم عليك من جهة أن أم ولد الأخت حرام عليك، لأنها أختك، و إن كانت المرضعة زوجتك بطل نكاحها أم لا؟ فن قال بعموم المنزلة يقول: نعم، و من قال بالعدم يقول: لا.

ثامنها: امرأة أرضعت عمك أو عمتك أو خالك أو خالتك فصارت أمهم، و أم عمك و عمتك نسباً تحرم عليك، لأنها جدتك من طرف أبيك، و كذا أم خالك و خالتك، لأنها جدتك من طرف الأم، فهل تحرم عليك بسبب الرضاع، و إن كانت المرضعةُ زوجتك بطل نكاحها أم لا؟ فن قال بعموم المنزلة يقول: نعم، و من قال بالعدم يقول: لا.

مسألة ٥ ـ لو شك في وقوع الرضاع أو في حصول بعض شروطه من الكمية أو الكيفية بنى على العدم، نعم يشكل فيما لو علم بوقوع الرضاع بشروطه و لم يعلم بوقوعه في الحولين أو بعدهما و علم تاريخ الرضاع و جهل تاريخ ولادة المرتضع، فحينئذ لا يترك الاحتياط.

مسألة ٦ ـ لا تقبل الشهادة على الرضاع إلا مفصلة بأن يشهد الشهود على الارتضاع في الحولين بالامتصاص من الثدي خمس عشرة رضعة متواليات مثلاً إلى آخر ما مر من الشروط، و لا يكفي الشهادة المطلقة و المجملة بأن يشهد على وقوع الرضاع المحرم، أو يشهد مثلاً على أن فلاناً ولد فلانة أو فلانة بنت فلان من الرضاع، بل يسأل منه التفصيل، نعم لو علم عرفانهما شرائط الرضاع و أنهما

پانچویں مثال: اگر کوئی عورت ماں باپ کی طرف سے تمہاری بہن یا بھائی کو دودھ پلادے تو وہ ان دونوں کی ماں ہوجائے گی۔ اور نسبی رشتہ کے اعتبار سے تم پر حرام ہوگی اس لئے کہ وہ تمہاری ماں کہلائے گی۔ پس آیا دودھ پلانے کی وجہ سے بھی تم پر حرام ہوگی اور اگر وہ تمہاری زوجہ ہو تو اس کا نکاح باطل ہوجائے گا یا نہیں؟ جو عموم منزلت کا قائل ہے اس کے نزدیک وہ حرام ہوگی اور جو اسکا قائل نہیں اسکے نزدیک حرام نہیں ہوگی۔

چھٹی مثال: اگر کوئی عورت تمہارے نواسے یا نواسی کو دودھ پلادے تو وہ اسکی رضاعی ماں ہوجائیگی۔ پس آیا وہ تم پر بیٹی کی جگہ ہونے کی وجہ سے حرام ہوگی۔ اور اگر وہ تمہاری زوجہ ہو تو اسکا نکاح باطل ہوجائیگا یا نہیں؟ عموم منزلت کو ماننے والوں کے نزدیک وہ تم پر حرام ہوجائے گی۔ لیکن عموم منزلت کو نہ ماننے والوں کے نزدیک وہ تم پر حرام نہیں ہوگی۔

ساتویں مثال: اگر کوئی عورت تمہارے بھانجے یا بھانجی کو دودھ پلادے تو وہ اسکی ماں ہوجائے گی پس آیا بہن کے فرزند کی ماں ہونے کی بنا پر کیا وہ تم پر حرام ہوگی، چونکہ وہ تمہاری بہن ہوگی۔ اور اگر وہ تمہاری زوجہ ہو تو آیا اس کا نکاح باطل ہوجائے گا یا نہیں؟ جو لوگ عموم منزلت کے قائل ہیں ان کے نزدیک وہ تم پر حرام ہوگی اور جو لوگ اس کے قائل نہیں ان کے نزدیک حرام نہیں ہوگی۔

آٹھویں مثال: اگر کوئی عورت، تمہارے چچا، پھوپھی، ماموں یا خالہ کو دودھ پلادے تو وہ ان سب کی ماں ہوجائے گی۔ اور تمہارے چچا یا پھوپھی کی ماں نسب کے اعتبار سے تم پر حرام ہے۔ اس لئے کہ وہ تمہاری دادی کہلاتی ہے۔ اور اسی طرح تمہارے ماموں اور خالہ کی ماں بھی تمہاری نانی کہلاتی ہے۔ پس آیا دودھ پلانے کی وجہ سے بھی وہ تم پر حرام ہوجائے گی اور اگر وہ تمہاری بیوی ہو تو اس کا نکاح باطل ہوجائے گا یا نہیں؟ جو عموم منزلت کے قائل ہیں ان کے نزدیک وہ تم پر حرام ہوگی اور زوجہ ہونے کی صورت میں نکاح باطل ہوجائیگا۔ لیکن جو عموم منزلت کے قائل نہیں ان کے قول کے مطابق وہ تم پر حرام نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۵: اگر رضاعت کے واقع ہونے یا اس کی بعض شرطوں کے حاصل ہونے میں شک ہو۔ کہ کتنی بار دودھ پلایا ہے۔ یا کس مقدار میں پلایا ہے۔ تو دودھ نہ پلائے جانے کا حکم لگایا جائے گا۔ البتہ اگر تمام شرطوں کے ساتھ دودھ پلائے جانے کا علم ہو، لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ دو سال کے اندر دودھ پلایا گیا ہے یا دو سال گذر جانے کے بعد۔ اور دودھ پلانے کی تاریخ معلوم ہو مگر دودھ پینے والے بچے کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو تو اس صورت میں احتیاط کو ترک نہ کیا جائے۔

مسئلہ ۶: دودھ پلائے جانے کے سلسلے میں گواہی قابل قبول نہیں ہوگی مگر وہ گواہی جس میں تفصیل ہو۔ اس طرح کہ گواہ یہ گواہی دیں کہ بچے نے دو سال کے اندر پندرہ مرتبہ پے در پے پستان منہ میں لے کر دودھ پیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری تمام وہ شرطیں جو بیان ہو چکی ہیں۔ لیکن مطلق طور پر دودھ پینے، اور اجمالی طور پر رضاعت کے واقع ہونے کی ان الفاظ میں گواہی دینا کہ "حرمت اور رضاعت واقع ہو چکی ہے" کافی نہیں ہے۔ یا اس طرح گواہی دینا کہ فلاں بچہ فلاں شخص کی رضاعی اولاد ہے کافی نہیں ہے۔ بلکہ ایسے گواہ سے تفصیل طلب کی جائے گی۔ البتہ اگر گواہوں کے بارے میں یہ علم ہو کہ وہ دودھ پلانے کی شرطوں سے آگاہ ہیں۔ اور اجتہاد یا تقلید میں ان کی رائے اس کے موافق ہے تو اس

موافقان معه في الرأي اجتهاداً أو تقليداً تكفي.

مسألة ٧ ـ الأقوى أنه تقبل شهادة النساء العادلات في الرضاع مستقلات بأن تشهد به أربع نسوة، و منضمات بأن تشهد به امرأتان مع رجل واحد.

مسألة ٨ ـ يستحب أن يختار لرضاع الأولاد المسلمة العاقلة العفيفة الوضيئة ذات الأوصاف الحسنة، فان للبن تأثيراً تاماً في المرتضع كما يشهد به الاختبار و نطقت به الأخبار و الآثار، فعن الباقر عليه السلام قال: «قال رسول الله صلى الله عليه و آله: لا تسترضعوا الحمقاء و العمشاء فإن اللبن يعدي» و عن أمير المؤمنين عليه السلام «لا تسترضعوا الحمقاء فإن اللبن يغلب الطباع» و عنه عليه السلام «انظروا من ترضع أولادكم فإن الولد يشب عليه» الى غير ذلك من الأخبار المستفاد منها رجحان اختيار ذوات الصفات الحميدة خَلقاً و خُلقا، و مرجوحية اختيار أضدادهن و كراهته، لا سيما الكافرة، و إن اضطر الى استرضاعها فليختر اليهودية و النصرانية على المشركة و المجوسية، و مع ذلك لا يسلمّ الطفل إليهن، و لا يذهبن بالولد الى بيوتهن، ويمنعها عن شرب الخمر وأكل لحم الخنزير، و مثل الكافرة أو أشد كراهة استرضاع الزانية باللبن الحاصل من الزنا و المرأة المتولدة من زنا، فعن الباقر عليه السلام «لبن اليهودية و النصرانية والمجوسية أحب إليّ من ولد الزنا» و عن الكاظم عليه السلام «سئل عن امرأة زنت هل يصلح أن تسترضع؟ قال: لا يصلح و لا لبن ابنتها التي ولدت من الزنا».

القول في المصاهرة وما يلحق بها

المصاهرة هي علاقة بين أحد الزوجين مع أقرباء الآخر موجبة لحرمة لنكاح عيناً أو جمعاً على تفصيل يأتي.

مسألة ١ ـ تحرم معقودة الأب على ابنه و بالعكس فصاعداً في الأول و نازلاً

صورت میں مطلق طور پر گواہی کافی ہوگی۔

مسئلہ ۷: اقویٰ یہ ہے کہ دودھ پلائے جانے کے سلسلہ میں عادل عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اس طرح کہ یا خالص چار عورتیں گواہی دیں۔ یا دو عورتیں اور ایک مرد مل کر گواہی دیں۔

مسئلہ ۸: مستحب ہے کہ انسان اپنی اولاد کو دودھ پلانے کے لئے، اچھے عادات اور خصائل والی، پاکدامن، عقل مند اور مسلمان عورت کا انتخاب کرے۔ اس لئے کہ دودھ بچے میں مکمل طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔ تجربہ اسکا شاہد ہے اور احادیث و روایات اس پر زور دیتی ہیں۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے، پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا۔ "بیوقوف عورت اور ایسی عورت کہ جس کی آنکھوں سے پانی آتا ہو اور اسکی بینائی کمزور ہو۔ کو بچے کو دودھ پلانے کے لئے منتخب نہ کرو۔ اس لئے کہ دودھ اپنا اثر دکھاتا ہے۔" اور امیر المومنین علیہ السلام سے نقل ہے۔" دودھ پلانے کے لئے بچہ کو کسی بے وقوف عورت کے حوالے نہ کرو۔ اس لئے کہ دودھ طبیعت و فطرت پر غالب آجاتا ہے" دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے۔" اس بات کا خیال رکھو کہ کیسی عورت تمھارے بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔ اس لئے کہ بچہ دودھ کا اثر لے کر پروان چڑھتا ہے۔" ان کے علاوہ وہ روایات جن سے پتہ چلتا ہے کہ ظاہری اور باطنی خوبیاں رکھنے والی عورت کا انتخاب مستحب ہے۔ اور اس کے برخلاف ایسی صفات سے محروم عورت کا انتخاب مکروہ ہے۔ خاص طور سے کافرہ عورت کا انتخاب، لیکن اگر کوئی کافرہ عورت سے بچہ کو دودھ پلوانے پر مجبور ہو جائے۔ تو مشرک اور مجوسی عورت پر یہودی یا عیسائی عورت کو ترجیح دے۔ لیکن اس کے باوجود بچے کو ان کے حوالے نہ کرے اور نہ بچے کو اپنے گھر لے جانے کی ان کو اجازت دے۔ شراب خوری اور خنزیر کا گوشت کھانے سے ان کو روک دے۔ اور کافرہ ہی کی مانند زنا کار یا ایسی عورت سے جو زنا کے نتیجہ میں متولد ہوئی ہو بچہ کو دودھ پلوانا شدیداً مکروہ ہے۔

چنانچہ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں "یہودی، عیسائی اور مجوسی عورت کا دودھ میرے نزدیک زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی عورت کے دودھ سے زیادہ بہتر ہے۔" اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ حضرتؑ سے زانیہ عورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ آیا رضاعت کے لئے مناسب ہے یا نہیں؟ تو حضرت نے فرمایا۔" نہ وہ مناسب ہے اور نہ اس بیٹی کا دودھ جو زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہو۔"

مصاہرت (دامادی) کے احکام اور اسکے ملحقات

میاں بیوی کا ایک دوسرے کے اقرباء سے جو رشتہ و تعلق ہوتا ہے اسے مصاہرت کہتے ہیں۔ جسکی وجہ سے کسی عورت سے مستقل طور پر یا زوجہ کے ہوتے ہوئے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

مسئلہ ۱: باپ کی منکوحہ بیٹے پر۔ اور بیٹے کی منکوحہ باپ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ اور یہ حرمت پہلی صورت میں باپ سے دادا۔ پردادا اور ان سے بالاتر اجداد، اور دوسری صورت میں، پوتے، پرپوتے

في الثاني حرمة دائمية، سواء كان العقد دائمياً أو انقطاعياً، و سواء دخل العاقد بالمعقودة أم لا، و سواء كان الأب و الابن نسبيين أو رضاعيين.

مسألة ٢ ـ لو عقد على امرأة حرمت عليه أمها و إن علت نسباً أو رضاعاً، سواء دخل بها أم لا، و سواء كان العقد دواماً أو انقطاعاً، و سواء كانت المعقودة صغيرة أو كبيرة، نعم الأحوط في العقد على الصغيرة انقطاعاً أن تكون بالغة إلى حد تقبل للاستمتاع و التلذذ بها ولو بغير الوطء بأن كانت بالغة ست سنين فما فوق مثلاً، أو يدخل في المدة بلوغها إلى هذا الحد، فما تعارف من إيقاع عقد الانقطاع ساعة أو ساعتين على الصغيرة الرضيعة أو من يقاربها مريدين بذلك محرمية أمها على المعقود له لا يخلو من إشكال من جهة الاشكال في صحة مثل هذا العقد حتى يترتب عليه حرمة أم المعقود عليها ، و إن لا يخلو من قرب أيضاً لكن لو عقد كذلك أي الساعة أو الساعتين عليها فلا ينبغي ترك الاحتياط بترتب آثار المصاهرة و عدم المحرمية لو قصد تحقق الزوجية ولو بداعي بعض الآثار كالمحرمية.

مسألة ٣ ـ لو عقد على امرأة حرمت عليه بنتها و إن نزلت إذا دخل بالأم ولو دبراً، و أما إذا لم يدخل بها لم تحرم عليه بنتها عيناً، و انما تحرم عليه جمعاً بمعنى أنها تحرم عليه مادامت الأم في حباله، فاذا خرجت بموت أو طلاق أو غير ذلك جاز له نكاحها.

مسألة ٤ ـ لا فرق في حرمة بنت الزوجة بين أن تكون موجودة في زمان زوجية الأم أو تولدت بعد خروجها عن الزوجية، فلو عقد على امرأة و دخل بها ثم طلقها ثم تزوجت و ولدت من الزوج الثاني بنتاً تحرم هذه البنت على الزوج الأول.

مسألة ٥ ـ لا إشكال في ترتب الحرمات الأربع على النكاح والوطء الصحيحين، و هل تترتب على الزنا و وطء الشبهة أم لا؟ قولان، أحوطهما و أشهر هما أولهما، فلو زنى بامرأة حرمت على أبي الزاني و حرمت على الزاني أم

اور اس سے نچلی اولاد کی منکوحات تک متجاوز ہوتی ہے۔ چاہے عقد دائمی رہا ہو۔ یا موقتی۔ اور نکاح کرنے والے نے اپنی منکوحہ سے مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور باپ بیٹا چاہے نسبی ہوں یا رضاعی۔

مسئلہ ۲: جس عورت سے عقد کرے اس کی ماں۔ نانی اور اس سے بالاتر۔ چاہے نسبی ہوں یا رضاعی اس شخص پر حرام ہو جاتی ہیں۔ خواہ اس نے منکوحہ کے ساتھ مباشرت کی ہو یا نہ۔ اور چاہے دائمی عقد ہو یا موقتی، اور منکوحہ نابالغ ہو یا بالغ، البتہ اگر عقد موقتی ہو اور لڑکی نابالغ، تو احتیاطاً اس کا سن اتنا ہونا چاہیئے کہ اس سے لذت حاصل کی جاسکے، اگرچہ مباشرت کے بغیر ہو، مثلاً وہ چھ سال یا اس سے زیادہ کی ہو۔ یا کم سے کم موقتی عقد کی معینہ مدت میں وہ اس حد تک پہونچ جائے۔

پس عرفِ عام میں جو مشہور ہے۔ کہ اگر دودھ پیتی بچی یا اس سے کچھ بڑی کے ساتھ ایک یا دو گھنٹے کے لئے صیغہ پڑھ لیا جائے۔ جس کی غرض یہ ہو کہ ناکح کے لئے اس کی ماں محرم ہو جائے۔ یہ اشکال سے خالی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کا عقد ہی صحیح ہونے میں اشکال ہے۔ کہ اس کے نتیجے میں ناکح کے لئے منکوحہ کی ماں حرام ہو جائے اگرچہ اس کا صحیح ہونا بھی قرب سے خالی نہیں، لیکن اگر ایک یا دو گھنٹے کے لئے نابالغ بچی سے عقد کرے تو اس صورت میں احتیاط کا ترک کرنا سزاوار نہیں ہے۔

احتیاط کی صورت یہ ہوگی کہ اس عقد پر مصاہرت (دامادی) کے آثار مترتب ہوں گے لیکن محرمیت حاصل نہیں ہوگی۔ چاہے اس نے بعض آثار جیسے محرمیت حاصل ہونے کی خاطر رشتۂ زوجیت قائم ہونے کا ارادہ کیا ہو۔

مسئلہ ۳: جس عورت کے ساتھ عقد کرے اس کی بیٹی، نواسی اور جہاں تک یہ سلسلہ پہونچے اس پر حرام ہو جائیں گی بشرطیکہ اس نے ماں کے ساتھ مباشرت کی ہو چاہے "دبر" میں ہی سہی۔ لیکن اگر اس نے ماں کے ساتھ مباشرت نہ کی ہو تو اس کی بیٹی اس پر (عیناً) تنہا حرام نہیں ہے لیکن جمع ہونے کی صورت میں حرام ہے یعنی ماں کی موجودگی میں اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ پس ماں جب مر جائے یا اس کو طلاق دیدی جائے یا کسی اور وجہ سے زوجیت سے خارج ہو جائے تو بیٹی کے ساتھ اس پر نکاح کرنا جائز ہے۔

مسئلہ ۴: زوجہ کی بیٹی بہر صورت حرام ہے چاہے وہ ماں کی زوجیت کے زمانے میں موجود ہو یا اس کے زوجیت سے خارج ہو جانے کے بعد پیدا ہو۔ پس اگر کسی عورت سے عقد کرے، اور اس سے مباشرت بھی کرے اسکے بعد اسے طلاق دیدے۔ پھر وہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرلے اور دوسرے شوہر سے اس کے ہاں بیٹی پیدا ہو، تو اس عورت کے پہلے شوہر پر اس کی یہ بیٹی حرام ہوگی۔

مسئلہ ۵: صحیح نکاح اور صحیح مباشرت کے بعد چار قسم کی حرمتیں بلاشبہ حاصل ہو جاتی ہیں۔ لیکن آیا زنا اور شبہ میں سرزد ہونے والی مباشرت کے نتیجہ میں بھی یہ حرمتیں پیدا ہوں گی یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ دونوں میں زیادہ احتیاط والا اور زیادہ مشہور پہلا قول ہے (یعنی زنا اور شبہ میں سرزد ہونے والی مباشرت پر بھی یہ چار حرمتیں مترتب ہوں گی) پس اگر کسی عورت سے زنا کرے تو وہ زانی کے باپ پر حرام ہو جائیگی۔

المزني بها و بنتها و كذلك الموطوءة بالشبهة، نعم الزنا الطارىء على التزويج لا يوجب الحرمة سواء كان بعد الوطء أو قبله، فلو تزوج بامرأة ثم زنى بأمها أو بنتها لم تحرم عليه امرأته، و كذا لو زنى الأب بامرأة الابن لم تحرم على الابن، أو زنى الابن بامرأة الأب لم تحرم على أبيه.

مسألة ٦ - لا فرق في الحكم بين الزنا في القبل أو الدبر و كذا في الشبهة.

مسألة ٧ - إذا علم بالزنا و شك في كونه سابقا على العقد أو طارئاً بنى على صحته.

مسألة ٨ - لو لمس امرأة أجنبية أو نظر إليها بشهوة لم تحرم الملموسة و المنظورة على أبي اللامس و الناظر و ابنهما، و لا تحرم أم المنظورة و الملموسة على الناظر واللامس، نعم لو كانت للأب جارية ملموسة بشهوة أو منظورة إلى ما لا يحل النظر اليه لغيره إن كان نظره بشهوة أو نظر إلى فرجها ولو بغير شهوة حرمت على ابنه، و كذا العكس على الأقوى.

مسألة ٩ - لا يجوز نكاح بنت الأخ على العمة و بنت الأخت على الخالة إلا باذنهما، من غير فرق بين كون النكاحين دائمين أو منقطعين أو مختلفين، و لا بين علم العمة والخالة حال العقد و جهلهما، و لا بين اطلاعهما على ذلك و عدمه أبداً، فلو تزوجهما عليهما بدون إذنهما كان العقد الطارىء كالفضولي على الأقوى تتوقف صحته على إجازتهما، فإن أجازتا جاز، و إلا بطل، و يجوز نكاح العمة و الخالة على بنتي الأخ و الأخت و إن كانت العمة والخالة جاهلتين، و ليس لهما الخيار لا في فسخ عقد أنفسهما و لا في فسخ عقد بنتي الأخ و الأخت على الأقوى.

مسألة ١٠ - الظاهر أنه لا فرق في العمة و الخالة بين الدنيا منهما و العليا، كما أنه لا فرق بين نسبيتين منهما و الرضاعيتين.

مسألة ١١ - إذا أذنتا ثم رجعتا عن الاذن فان كان الرجوع بعد العقد لم يؤثر في البطلان، و إن كان قبله بطل الاذن السابق، فلو لم يبلغه الرجوع و تزوج

اور جس عورت سے زنا کیا گیا ہو زنا کرنے والے پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائے گی۔ اور شبہ میں جس عورت کے ساتھ مباشرت ہو جائے اسکا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ شادی کے بعد اگر زنا کا ارتکاب ہو تو وہ حرام ہونے کا باعث نہیں۔ چاہے (بیوی کے ساتھ) مباشرت سے پہلے زنا کیا ہو۔ یا مباشرت کے بعد پس کسی عورت سے شادی کرنے کے بعد اس کی ماں، یا بیٹی سے زنا کا مرتکب ہو جائے تو بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر باپ اپنی بہو سے زنا کر بیٹھے تو بیٹے پر اپنی بیوی حرام نہیں ہوگی، یا بیٹا اپنے باپ کی کسی بیوی سے زنا کا مرتکب ہو جائے تو وہ عورت باپ پر حرام نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۶: حکم جاری ہونے میں کوئی فرق نہیں کہ چاہے زنا "قبل" میں ہو یا "دبر" میں یا شبہ کی بناء پر ہو۔

مسئلہ ۷: اگر زنا کے واقع ہونے کا علم ہو لیکن اس میں شک ہو کہ وہ عقدِ نکاح سے پہلے واقع ہوا تھا یا بعد میں تو عقدِ نکاح کے صحیح ہونے پر بناء رکھے گا۔

مسئلہ ۸: کسی نامحرم عورت کو چھوئے یا اس پر لذت بھری نگاہ ڈالے تو وہ عورت چھونے والے اور دیکھنے والے کے باپ اور ان کے بیٹے پر حرام نہیں ہوگی۔ اور اس عورت کی ماں بھی چھونے والے اور شہوت بھری نظر سے دیکھنے والے پر حرام نہیں ہوگی۔ "ہاں" اگر باپ نے اپنی کنیز کو شہوت کے ساتھ چھوا ہو یا اس کے بدن کے اس حصہ کو دیکھا ہو جس کو دیکھنا اس کے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ اور اس نے شہوت آمیز نظر سے دیکھا ہو۔ یا اس کی شرمگاہ کو دیکھا ہو خواہ شہوت کے بغیر ہی سہی۔ تو ایسی کنیز بیٹے پر حرام ہوگی۔ اور اقوی یہ ہے کہ اس کے برعکس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ ۹: بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی بھتیجی اور بھانجی سے بیوی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ چاہے دونوں نکاح دائمی ہوں یا متعہ ہوں یا مختلف ہوں۔ اور عقد کے موقع پر پھوپھی اور خالہ اس سے باخبر ہوں یا نہ ہوں۔ اور چاہے وہ عقد ہو جانیکے بارے میں ہمیشہ کیلئے مطلع ہوں یا نہ ہوں، پس اگر خالہ اور پھوپھی کے بیوی کی حیثیت سے ہوتے ہوئے انکی بھتیجی اور بھانجی سے انکی اجازت کے بغیر کوئی عقد کرلے، تو اقوی یہ ہے کہ وہ "عقد فضولی" کہلائے گا۔ جو اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب وہ اجازت دے دیں۔

پس اگر وہ اجازت دے دیں تو صحیح ہے۔ اور اگر اجازت نہ دیں تو باطل ہے۔ لیکن اگر بھتیجی اور بھانجی پہلے سے عقد میں موجود ہوں تو ان کی پھوپھی اور خالہ سے نکاح کرنا جائز ہے۔ چاہے وہ اس سے باخبر نہ ہوں۔

اور اقوی یہ ہے کہ ان کو نکاح فسخ کر دینے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ نہ اپنا نکاح اور نہ ہی اپنی بھتیجی اور بھانجی کا۔

مسئلہ ۱۰: پھوپھی اور خالہ چاہے قریبی ہوں یا بالاتر رتبہ کی ہوں ظاہراً ان میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ ان کے نسبی یا رضاعی ہونے سے بھی حکم میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

مسئلہ ۱۱: اگر وہ دونوں اجازت دینے کے بعد اپنی اجازت واپس لے لیں۔ تو اگر عقد کے بعد اجازت واپس لیں تو ان کا ایسا کرنا عقد کو باطل نہیں کرے گا۔ لیکن جب عقد واقع ہونے سے پہلے ہی اجازت واپس لے لیں

توقف صحته على الاجازة اللاحقة.

مسألة ١٢ ـ الظاهر أن اعتبار إذنهما ليس حقاً لهما كالخيار حتى يسقط بالاسقاط، فلو اشترط في ضمن عقدهما أن لا يكون لهما ذلك لم يؤثر شيئاً، ولو اشترط عليهما أن يكون للزوج العقد على بنت الأخ أو الأخت فالظاهر كون قبول هذا الشرط إذناً، نعم لو رجع عنه قبل العقد لم يصح العقد، ولو شرط أن له ذلك ولو مع الرجوع بحيث يرجع إلى إسقاط إذنه فالظاهر بطلان الشرط.

مسألة ١٣ ـ لو تزوج بالعمة و ابنة الأخ و الخالة و بنت الأخت و شك في السابق منهما حكم بصحة العقدين، و كذلك فيما إذا تزوج ببنت الأخ أو الأخت و شك في أنه كان عن إذن من العمة أو الخالة أم لا حكم بالصحة.

مسألة ١٤ ـ لو طلق العمة أو الخالة فان كان بائناً صح العقد على بنتي الأخ و الأخت بمجرد الطلاق، و ان كان رجعياً لم يجز بلا إذن منهما إلا بعد انقضاء العدة.

مسألة ١٥ ـ لا يجوز الجمع في النكاح بين الأختين نسبيتين أو رضاعيتين دواماً أو انقطاعاً أو بالاختلاف، فلو تزوج باحدى الأختين ثم تزوج بأخرى بطل العقد الثاني دون الأول، سواء دخل بالأولى أولا، ولو اقترن عقدهما بأن تزوجهما بعقد واحد أو في زمان واحد بطلا معاً.

مسألة ١٦ ـ لو تزوج بالأختين ولم يعلم السابق و اللاحق فان علم تاريخ أحدهما حكم بصحته دون الآخر، و إن جهل تاريخهما فان احتمل تقارنهما حكم ببطلانهما معاً، و إن علم عدم الاقتران فقد علم إجمالاً بصحة أحدهما و بطلان الآخر، فلا يجوز له عمل الزوجية بالنسبة إليهما أو إلى إحداهما مادام الاشتباه، و الأقوى تعيين السابق بالقرعة، لكن الأحوط أن يطلقهما أو يطلق الزوجة الواقعية منهما ثم يزوج من شاء منهما، و له أن يطلق إحداهما و يجدد العقد على الأخرى بعد انقضاء عدة الأولى إن كانت مدخولاً بها.

مسألة ١٧ ـ لو طلقهما و الحال هذه فإن كان قبل الدخول فعليه للزوجة

تو پہلے کی دی ہوئی اجازت باطل ہو جائے گی۔ پس اگر اس شخص کو اجازت واپس لئے جانے کا علم نہ ہو سکے اور وہ نکاح کرے تو نکاح اسی وقت صحیح ہوگا جب دوبارہ اجازت مل جائے گی۔

مسئلہ ۱۲: ظاہراً پھوپھی اور خالہ کی اجازت کا معتبر ہونا حقِ خیار کی مانند نہیں کہ جو ساقط کرنے سے ساقط ہو جائے۔ پس اگر ان دونوں کے عقد میں یہ شرط رکھ دی جائے کہ ان کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا تو اس شرط کا کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ اگر ان کے ساتھ یہ شرط رکھی جائے کہ شوہر کو ان کی بھانجی یا بھتیجی سے عقد کرنے کا حق ہوگا تو ظاہراً ان کا اس شرط کو قبول کر لینا ان کی اجازت کے مترادف ہوگا۔ ہاں اگر وہ عقد سے پہلے اس شرط سے منحرف ہو جائیں تو عقد صحیح نہیں ہوگا۔ اور اگر یہ شرط رکھی جائے کہ چاہے وہ اذن سے منحرف بھی ہو جائیں جب بھی شوہر کو ان کی بھتیجی یا بھانجی سے عقد کا حق ہوگا۔ اور یہ شرط ایسی ہو کہ اس سے اذن ساقط ہو رہا ہو تو ظاہراً یہ شرط باطل ہے۔

مسئلہ ۱۳: اگر پھوپھی، بھتیجی اور خالہ، بھانجی دونوں سے عقد کرے اور اس کے بعد شک ہو جائے کہ پہلے کس کے ساتھ عقد کیا ہے تو دونوں عقدوں کو صحیح قرار دیا جائے گا، اور اسی طرح جب بھانجی یا بھتیجی سے شادی کرے اور شک ہو جائے کہ خالہ یا پھوپھی کی اجازت سے شادی کی ہے یا نہیں۔ تو عقد صحیح ہوگا۔

مسئلہ ۱۴: اگر پھوپھی یا خالہ کو طلاق دیدے۔ پس اگر طلاق "بائن" ہو تو اس کے فوراً بعد اس کی بھتیجی یا بھانجی سے عقد کرنا صحیح ہوگا۔ لیکن اگر طلاق "رجعی" ہو تو عدت کے اندر ان کی اجازت کے بغیر عقد صحیح نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۱۵: دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے چاہے وہ نسبی بہنیں ہوں یا "رضاعی"۔ دائمی نکاح کرے یا متعہ کرے، یا ایک کے ساتھ دائمی اور دوسری کے ساتھ متعہ۔ پس اگر ایک بہن کے ساتھ شادی کرنے کے بعد دوسری کے ساتھ عقد کرے تو دوسرا عقد باطل ہوگا۔ پہلا باطل نہیں ہوگا۔ خواہ پہلی سے مباشرت کی ہو یا نہ۔ لیکن اگر دونوں عقد ایک ساتھ واقع ہوں۔ اس طرح کہ دونوں کے ساتھ ایک ہی عقد کرے یا ایک ہی وقت میں کرے تو دونوں عقد ایک ساتھ باطل ہو جائیں گے۔

مسئلہ ۱۶: اگر کوئی شخص دو بہنوں سے شادی کرلے اور یہ نہ جانتا ہو کہ کس کے ساتھ پہلے عقد کیا ہے اور کس کے ساتھ بعد میں، تو ان میں سے جس عقد کی تاریخ معلوم ہو اسے صحیح قرار دیا جائیگا دوسرے کو نہیں۔ لیکن اگر دونوں کی تاریخ کا علم نہ ہو۔ مگر ان دونوں کے ایک ساتھ واقع ہونے کا احتمال ہو تو دونوں کو ایک ساتھ باطل قرار دیا جائیگا۔ اور اگر دونوں کے ایک ساتھ واقع نہ ہونیکا یقین ہو تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اجمالی طور پر اسے ایک عقد کے صحیح اور دوسرے کے باطل ہونیکا علم ہے۔ ایسی صورت میں جب تک شبہ باقی رہے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی زوجہ جیسا سلوک کرنا اسکے لئے جائز نہیں، اور اقویٰ یہ ہے کہ قرعہ اندازی کر کے پہلے واقع ہونے والے عقد کو معین کیا جائے۔ لیکن احتیاط یہ ہے کہ دونوں کو طلاق دیدے یا ان میں سے جس کو حقیقت میں زوجہ سمجھتا ہو اس کو طلاق دیدے اسکے بعد جسکے ساتھ چاہے شادی کرلے۔ اور وہ ایسا بھی کر سکتا ہے کہ ان میں سے ایک کو طلاق دیدے اور اگر اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو تو عدت گذر جانے کے بعد دوسری کے ساتھ نئے سرے سے عقد کرلے۔

مسئلہ ۱۷: اگر ایسی صورت میں ان دونوں کو طلاق دے تو شوہر پر واجب ہے کہ وہ ان میں سے اصلی زوجہ کو

الواقعية نصف مهرها، و إن كان بعد الدخول فلها عليه تمام مهرها فإن كان المهران مثليين و اتفقا جنساً و قدراً فقد علم من عليه الحق و مقدار الحق، و انما الاشتباه فيمن له الحق، و في غير ذلك يكون الاشتباه في الحق أيضاً، فإن اصطلحوا بما تسالموا عليه فهو، و إلا فلا محيص إلا عن القرعة، فمن خرجت عليها من الأختين كان لها نصف مهرها المسمى أو تمامه ولم تستحق الأخرى شيئاً، نعم مع الدخول بها تفصيل لا يسعه هذا المختصر.

مسألة ١٨ ـ الظاهر جريان حكم تحريم الجمع فيما إذا كانت الأختان كلتاهما اوإحداهما من زنا.

مسألة ١٩ ـ لو طلق زوجته فإن كان الطلاق رجعياً لا يجوز ولا يصح نكاح أختها ما لم تنقض عدتها، و إن كان بائناً جاز له نكاح أختها في الحال نعم لو كانت متمتعاً بها و انقضت مدتها أو وهبها لايجوز على الأحوط لو لم يكن الأقوى نكاح أختها قبل انقضاء العدة و إن كانت بائنة.

مسألة ٢٠ ـ ذهب بعض الاخباريين إلى حرمة الجمع بين الفاطميتين في النكاح، و الحق جوازه و إن كان الترك أحوط و أولى.

مسألة ٢١ ـ لو زنت امرأة ذات بعل لم تحرم على زوجها، و لا يجب على زوجها أن يطلقها و إن كانت مصرة على ذلك .

مسألة ٢٢ ـ من زنى بذات بعل دواماً أو متعة حرمت عليه أبداً، سواء كانت مسلمة أم لا، مدخولاً بها كانت من زوجها أم لا، فلا يجوز نكاحها بعد موت زوجها أو زوال عقدها بطلاق و نحوه، و لا فرق على الظاهر بين أن يكون الزاني عالماً بأنها ذات بعل أولا، ولو كان مكرهاً على الزنا ففي لحوق الحكم إشكال.

مسألة ٢٣ ـ لو زنى بامراة في العدة الرجعية حرمت عليه أبداً كذات البعل دون البائنة و من في عدة الوفاة، ولو علم بأنها كانت في العدة و لم يعلم بأنها كانت رجعية أو بائنة فلا حرمة، نعم لو علم بكونها في عدة رجعية و شك في انقضائها فالظاهر الحرمة.

اگر اس کے ساتھ ہمبستری نہیں کی ہے۔ آدھا مہر ادا کرے اور اگر ہمبستری کر چکا ہے تو پورا مہر ادا کرے۔ پس اگر دونوں مہر "مثل" ہوں اور ان کی جنس اور مقدار ایک ہی ہو تو ایسی صورت میں جس کی گردن پر حق ہے اور حق کی مقدار دونوں معلوم ہوں۔ لیکن وہ شخص جو حقدار ہے وہ معلوم نہ ہو۔ اور اگر دونوں مہر المثل نہ ہوں تو حق کے سلسلہ میں اشتباہ ہوگا تو ایسی صورت میں اگر وہ مورد نظر چیز پر مصالحت کرلیں تو بہتر ہے لیکن اگر توافق نہ کر پائیں تو قرعہ اندازی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔

پس دونوں بہنوں میں سے جس کے نام قرعہ نکلے مہر معین کا نصف یا پورا مہر معین اس کو ملے گا اور دوسری بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔ البتہ اگر اس کے ساتھ ہمبستری کر چکا ہو تو اس کے سلسلہ میں تفصیل درکار ہے جس کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

مسئلہ ۱۸: ظاہراً اگر دونوں بہنیں یا ان میں سے ایک ولدالزنا ہو تو بھی دونوں کو ایک ساتھ رشتۂ ازدواج میں لینا حرام ہے۔

مسئلہ ۱۹: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے چنانچہ اگر طلاق رجعی ہو تو اس کی عدت تمام ہونے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح جائز اور صحیح نہیں ہے۔ لیکن طلاق بائن ہونے کی صورت میں طلاق کے فوراً بعد مطلقہ کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے۔ لیکن اگر اس نے متعہ کیا ہو اور متعہ کی مدت تمام ہوگئی ہو یا اس نے مدت اسے بخش دی ہو تو ایسی صورت میں اگر اقویٰ نہ ہو تب بھی احتیاط یہ ہے کہ عدت تمام ہونے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اگرچہ وہ "بائن" ہی کیوں نہ ہو۔

مسئلہ ۲۰: بعض اخباریوں کا کہنا ہے کہ دو سیدانیوں کو ایک ساتھ زوجیت میں لینا حرام ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ اگرچہ بہتر اور احتیاط یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔

مسئلہ ۲۱: اگر کوئی شوہردار عورت زنا کی مرتکب ہو جائے تو وہ اپنے شوہر پر حرام نہیں ہوگی۔ اور نہ شوہر پر اس کو طلاق دے دینا واجب ہے۔ چاہے وہ بار بار ایسا کرتی ہو۔

مسئلہ ۲۲: اگر کوئی شخص کسی شوہردار عورت سے (معاذاللہ) زنا کرے چاہے شوہر دائمی یا موقتی تو وہ عورت زانی پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ چاہے وہ عورت مسلمان ہو یا نہ ہو۔ اس کے شوہر نے اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو یا نہ۔ پس شوہر کے مرجانے۔ یا اس کے طلاق وغیرہ کے ذریعہ آزاد ہوجانے کے بعد اس شخص کے لئے اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اور ظاہراً اس میں کوئی فرق نہیں کہ زانی کو اسکے شوہردار ہونیکا علم ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر اسکو زنا پر مجبور کیا جائے تو ایسی صورت میں اس پر اس حکم کے لاگو ہونے میں اشکال ہے۔

مسئلہ ۲۳: جو عورت طلاق رجعی کی عدت گذار رہی ہو اگر کوئی شخص اسکے ساتھ زنا کرے تو شوہردار عورت کی مانند وہ بھی اس شخص پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔ لیکن جو طلاق بائن یا وفات کی عدت میں اس کا یہ حکم نہیں اور اگر اس شخص کو معلوم ہو کہ عورت عدت میں ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ طلاق بائن کی عدت میں ہے یا طلاق رجعی کی تو اس صورت میں حرام نہیں ہوگی۔ البتہ اگر اس کو معلوم ہو کہ طلاق رجعی کی عدت ہے لیکن عدت کے مکمل ہونے یا نہ ہونے میں شک ہو تو ظاہراً وہ حرام ہو جائے گی۔

مسألة ٢٤ ـ من لاط بغلام فأوقبه ولو ببعض الحشفة حرمت عليه أبداً أمّ الغلام و إن علت و بنته و إن نزلت و أخته، من غير فرق بين كونهما صغيرين أو كبيرين أو مختلفين، ولا تحرم على المفعول أمّ الفاعل و بنته و أخته على الأقوى، و الأمّ و البنت و الأخت الرضاعيات للمفعول كالنسبيات.

مسألة ٢٥ ـ انما يوجب اللواط حرمة المذكورات إذا كان سابقاً، و أما الطارىء على التزويج فلا يوجبها و لا بطلان النكاح، و لا ينبغي ترك الاحتياط.

مسألة ٢٦ ـ لو شك في تحقق الايقاب حينما عبث بالغلام أو بعده بنى على العدم.

القول في النكاح في العدة وتكميل العدد

مسألة ١ ـ لا يجوز نكاح المرأة لا دائماً و لا منقطعاً إذا كانت في عدة الغير، رجعية كانت أو بائنة، عدة وفاة أو غيرها، من نكاح دائم أو منقطع أو من وطء شبهة، ولو تزوجها فإن كانا عالمين بالموضوع والحكم بأن علما بكونها في العدة و علما بأنه لا يجوز النكاح فيها أو كان أحدهما عالماً بهما بطل النكاح و حرمت عليه أبداً، سواء دخل بها أولا، و كذا إن جهلا بهما أو بأحدهما و دخل بها ولو دبراً، و أما لو لم يدخل بها بطل العقد و لكن لم تحرم عليه أبداً، فله استئناف العقد عليها بعد انقضاء العدة التي كانت فيها.

مسألة ٢ ـ لو وكل أحداً في تزويج امرأة له و لم يعين الزوجة فزوّجه امرأة ذات عدة لم تحرم عليه و إن علم الوكيل بكونها في العدة، و انما تحرم عليه مع الدخول، و أما لو عين الزوجة فإن كان الموكل عالماً بالحكم و الموضوع حرمت عليه ولو كان الوكيل جاهلاً بهما، بخلاف العكس، فالمدار علم الموكل و جهله لا الوكيل.

مسئلہ ۲۴: جو شخص کسی لڑکے کے ساتھ "لواط" کرے چاہے "سر حشفہ" ہی کی حد تک داخل کرے تو اس لڑکے کی ماں، دادی، پردادی اور اس سے بالاتر، اور اس کی بیٹی، نواسی اور جہاں تک یہ سلسلہ پہونچے اور اس کی بہن ہمیشہ کے لئے لواط کرنے والے پر حرام ہو جاتی ہیں۔ چاہے وہ دونوں چھوٹے ہوں یا بڑے، یا ایک چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا۔ لیکن اقویٰ یہ ہے کہ مفعول پر فاعل کی ماں بیٹی اور بہن حرام نہیں ہوتیں۔ اور مفعول کی رضاعی ماں، رضاعی بیٹی اور رضاعی بہن کا بھی وہی حکم ہے جو نسبی کا ہے۔

مسئلہ ۲۵: اگر عقد سے پہلے "لواط" سرزد ہو جائے تو صرف اسی صورت میں حرمت کا باعث بنتا ہے۔ لیکن اگر عقد پہلے ہو چکا ہو اور لواط بعد میں سرزد ہو تو نہ حرمت کا باعث بنتا ہے اور نہ اس سے نکاح باطل ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی بہتر ہے کہ احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۲۶: کسی لڑکے سے لہو و لعب کرتے وقت اگر اسے شک ہو جائے کہ دخول ہوا یا نہیں۔ تو دخول نہ ہونے کو بنیاد قرار دیا جائیگا۔

عدت کی تکمیل اور اس میں شادی کے احکام

مسئلہ ۱: عورت جب کسی کی عدت میں ہو تو اس سے دائمی یا موقتی کسی طرح کا نکاح جائز نہیں ہے۔ خواہ رجعی عدت میں ہو یا بائینی یا وفات کی عدت ہو اور عدت سے پہلے والا نکاح خواہ دائمی ہو یا موقتی یا شبہ میں ہمبستری ہو جانیکی بنا پر عدت گذار رہی ہو۔ اور اگر کوئی شخص اس سے شادی کرے اور دونوں کو عدت اور اسکے حکم کا علم ہو۔ مثلاً دونوں کو معلوم ہو کہ وہ عدت میں ہے اور یہ بھی معلوم ہو کہ عدت میں نکاح جائز نہیں۔ یا ان میں سے ایک کو عدت اور اس کے حکم کا علم ہو تو نکاح باطل ہو جائے گا اور وہ عورت ہمیشہ کے لئے اس شخص پر حرام ہو جائے گی۔ چاہے اس سے مباشرت کرے یا نہ کرے۔ اور یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ جب دونوں کو عدت اور اسکے حکم دونوں کا یا ان میں سے کسی ایک کا علم تو نہ ہو لیکن مرد نے اس عورت کے ساتھ ہمبستری کی ہو چاہے "دبر" میں ہی سہی۔ لیکن اگر اس کے ساتھ ہمبستری نہ کی ہو تو عقد باطل ہو جائے گا مگر وہ اس پر ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہو گی۔ اور جس عدت میں وہ تھی اس کے مکمل ہو جانے کے بعد مرد اس کے ساتھ نیا عقد پڑھ سکتا ہے۔

مسئلہ ۲: اگر کسی کو وکیل مقرر کرے کہ وہ کسی عورت کے ساتھ اس کا عقد پڑھ دے، اور اس عورت کو معین نہ کرے۔ پس وکیل ایسی عورت سے اسکا عقد پڑھ دے جو عدت گذار رہی ہو تو وہ اس پر حرام نہیں ہو گی چاہے وکیل کو معلوم ہو کہ وہ عدت گذار رہی ہے۔ البتہ اگر اسکے ساتھ (عدت کے زمانہ میں) ہمبستری کرے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی۔ لیکن اگر موکل زوجہ کو معین کر دے اور اس کو معلوم ہو کہ وہ عورت عدت میں ہے اور عدت میں نکاح جائز نہیں ہوتا تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی چاہے وکیل کو دونوں باتوں کا علم نہ ہو۔ لیکن اسکے برعکس والی صورت کا حکم یہ نہیں۔ اس لئے معیار موکل کا جاننا اور نہ جاننا ہے وکیل کا علم یا اس کی جہالت حکم کا معیار نہیں ہے۔

مسألة ٣ ـ لا يلحق بالتزويج في العدة وطء الشبهة أو الزنا بالمعتدة، فلو وطأ شبهة أو زنى بالمرأة في حال عدتها لم يؤثر في الحرمة الأبدية أية عدة كانت إلا العدة الرجعية إذا زنى بها فيها، فانه يوجب الحرمة كما مر.

مسألة ٤ ـ لو كانت المرأة في عدة الرجل جاز له العقد عليها في الحال، ولا ينتظر انقضاء العدة إلا في موارد لموانع طارئة كالطلاق الثالث المحتاج إلى المحلل، و التاسع المحرم ابداً، و فيما إذا كانت معتدة له بالعدة الرجعية يبطل العقد عليها ايضاً، لكونها بمنزلة زوجته، فلو كانت عنده متعة واراد ان يجعل عقدها دواماً جاز ان يهب مدتها و يعقد عليها دواماً في الحال، بخلاف ما إذا كانت عنده زوجة دائمة واراد ان يجعلها منقطعة فطلقها لذلك طلاقاً غير بائن، فانه لا يجوز له ايقاع عقد الانقطاع عليها الا بعد خروجها عن العدة.

مسألة ٥ ـ هل يعتبر في الدخول الذي هو شرط للحرمة الأبدية في صورة الجهل ان يكون في العدة او يكفي وقوع العقد فيها و ان كان الدخول واقعاً بعد انقضائها؟ قولان أحوطهما الثاني، بل لا يخلو من قوة.

مسألة ٦ ـ لو شك في أنها معتدة أم لا حكم بالعدم و جاز له تزويجها و لا يجب عليه الفحص عن حالها، و كذا لو شك في انقضاء عدتها و أخبرت هي بالانقضاء، فتصدق و جاز تزويجها.

مسألة ٧ ـ لو علم أن التزويج كان في العدة مع الجهل موضوعاً أو حكماً و لكن شك في أنه دخل بها حتى تحرم عليه أبداً أولا بنى على عدمه، فلم تحرم عليه، و كذا لو علم بعدم الدخول لكن شك في ان أحدهما قد كان عالماً أولا بنى على عدمه، فلا يحكم بالحرمة الأبدية.

مسألة ٨ ـ يلحق بالتزويج في العدة في إيجاب الحرمة الا بدية التزويج بذات البعل، فلو تزوجها مع العلم بأنها ذات بعل حرمت عليه أبداً سواء دخل بها أم لا، ولو تزوجها مع الجهل لم تحرم عليه إلا مع الدخول بها.

مسألة ٩ ـ لو تزوج بامراة عليها عدة و لم تشرع فيها لعدم تحقق مبدئها كما إذا

مسئلہ ۳: عدت کے دوران شبہ کی بناء پر مباشرت یا زنا کا حکم وہ نہیں جو نکاح کا ہے۔ پس اگر کسی عورت سے عدت کے دوران شبہ میں مباشرت کرے یا زنا کا مرتکب ہو۔ تو عدت رجعی کے علاوہ چاہے جو بھی عدت ہو۔ ابدی حرمت اس سے حاصل نہیں ہوگی۔ لیکن اگر عدتِ رجعی میں زنا کا مرتکب ہوجائے تو بیشک یہ ابدی حرمت کا موجب ہے (جیسا کہ بیان ہوچکا ہے)

مسئلہ ۴: عورت جس شخص کی عدت میں ہو اسکے لئے جائز ہے کہ وہ اسی حالت میں اس سے عقد کرے۔ اور عدت مکمل ہوجانیکا انتظار نہ کرے۔ لیکن بعض موارد میں کچھ رکاوٹوں کی وجہ سے ایسا نہیں کرسکتا۔ مثلاً تیسری طلاق ہو۔ کہ جس کے بعد اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنے کیلئے محلل کی ضرورت ہوتی ہے یا نویں طلاق ہو۔ کہ جسکے بعد عورت ہمیشہ کیلئے اس مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔ یا عورت ایسی عدت میں ہو جس میں مرد کو اسکی طرف رجوع کرنیکا حق ہوتا ہے۔ تو اسمیں بھی عقد باطل ہوجائیگا۔ اس لئے کہ وہ عورت اس حال میں اسکی زوجہ کے حکم میں ہے۔ پس اگر اس شخص نے اس عورت کے ساتھ متعہ کر رکھا ہو اور وہ عقدِ متعہ کو دائمی عقد میں تبدیل کرنا چاہے تو مرد کیلئے جائز ہے کہ وہ عورت کو باقی ماندہ مدت بخش دے اور اسی حالت میں اس سے دائمی عقد کرلے۔ لیکن اس کے برخلاف اگر عورت اس کے دائمی عقد میں ہو اور مرد اسکو متعہ میں تبدیل کرنے کی خاطر اسے طلاق غیر بائن دیدے۔ اسلئے کہ ایسی صورت میں اس عورت کے ساتھ مرد کے لئے عدت مکمل ہوجانے سے پہلے متعہ کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ ۵: عدت سے لاعلم ہونیکی صورتیں جو مباشرت ابدی حرمت کے لئے شرط ہے آیا صرف اسی کا عدت میں واقع ہونا معتبر ہے۔ یا حرمتِ ابدی کیلئے عدت میں نکاح ہوجانا ہی کافی ہے چاہے مباشرت عدت مکمل ہوجانیکے بعد ہو؟ اسمیں دو قول ہیں۔ احتیاط دوسرے قول میں ہے بلکہ دوسرا قول قوت سے خالی نہیں (یعنی ابدی حرمت کیلئے صرف نکاح ہوجانا ہی کافی ہے۔)

مسئلہ ۶: اگر شک کرے کہ عورت عدت میں ہے یا نہیں تو عدت میں نہ ہونے کا حکم لگایا جائیگا اور مرد پر اس سے شادی کرنا جائز ہوگا۔ اور عورت کی پوزیشن کے بارے میں تحقیق کرنا اس پر واجب نہیں۔ اسی طرح اگر عدت ختم ہوجانے کے بارے میں شک کرے اور عورت اسکو خبر دے کہ عدت تمام ہوچکی ہے۔ تو اس کی تصدیق کرکے اس کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے۔

مسئلہ ۷: اگر یہ معلوم ہوجائے کہ عدت کے دوران شادی ہوئی ہے اور اسکو عدت کا پتہ نہ رہا ہو یا اسکا حکم معلوم نہ ہو لیکن شک کرے کہ اس عورت سے مباشرت کی ہے کہ وہ اسپر ہمیشہ کیلئے حرام ہوجائے یا مباشرت نہیں کی تو ایسی صورت میں مباشرت نہ کئے جانے کو بنیاد قرار دیگا۔ پس وہ عورت اس شخص پر ہمیشہ کیلئے حرام نہیں ہوتی یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب مباشرت نہ ہونے کا یقین ہو۔ لیکن اس چیز میں شک ہو کہ دونوں میں سے ایک کو مسئلہ کا علم تھا یا نہیں تو عدم علم کو بنیاد قرار دیا جائیگا۔ پس اس شخص پر اس عورت کے ہمیشہ کے لئے حرام ہوجانے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

مسئلہ ۸: جسطرح عدت کے دوران نکاح، حرمت ابدی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح شوہر دار عورت کیساتھ نکاح کرنا بھی حرمت ابدی کا موجب ہوتا ہے۔ پس یہ جانتے ہوئے کہ عورت شوہر دار ہے کوئی شخص اگر اس سے نکاح کرے تو وہ عورت ہمیشہ کیلئے اس شخص پر حرام ہوجائے گی خواہ اسکے ساتھ ہمبستری کرے یا نہ کرے۔ لیکن اگر اسکے شوہر دار ہونیکا علم نہ رکھتا ہو اور اس سے نکاح کرلے تو صرف اسکے ساتھ ہمبستری کرلینے کی صورت میں، ہمیشہ کیلئے حرام ہوگی۔ اگر مباشرت نہ کی ہو تو ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۹: اگر کسی ایسی عورت کیساتھ نکاح کرے جس پر عدت گذارنا واجب ہو لیکن اس نے عدت کا آغاز نہ کیا ہو۔

تزوج بمن مات زوجها و لم يبلغها الخبر فان مبدأ عدتها من حين بلوغه، فهل يوجب الحرمة الأبدية أم لا؟ قولان، أحوطهما الأول و أرجحهما الثاني.

مسألة ١٠ ـ من كانت عنده أربع زوجات دائميات تحرم عليه الخامسة دائمة، و أما المنقطعة فيجوز الجمع بماشاء خاصة أو مع دائميات.

مسألة ١١ ـ لو كانت عنده أربع فاتت إحداهن يجوز له تزويج أخرى في الحال، و كذا لو فارق إحداهن بالفسخ أو الانفساخ أو بالطلاق البائن، و أولى بذلك ما إذا لم تكن لها عدة كغير المدخول بها و اليائسة، و أما إذا طلقها بالطلاق الرجعي فلا يجوز له تزويج اخرى إلا بعد انقضاء عدة الأولى.

مسألة ١٢ ـ لو طلق الرجل زوجته الحرة ثلاث طلقات لم يتخلل بينها نكاح رجل آخر حرمت عليه، و لا يجوزله نكاحها حتى تنكح زوجاً غيره بالشروط الآتية في كتاب الطلاق، ولو طلقها تسعاً للعدة بتخلل محللين في البين بأن نكحت بغير المطلق بعد الثلاثة الأولى و الثانية حرمت عليه ابداً، و كيفية وقوع تسع طلقات للعدة ان يطلقها بالشرائط ثم يراجعها في العدة و يطأها، ثم يطلقها في طهر آخر ثم يراجعها ثم يطأ ثم يطلقها الثالثة، ثم ينكحها بعد عدتها زوج آخر ثم يفارقها بعد ان يطأها، ثم يتزوجها الأول بعد عدتها، ثم يوقع عليها ثلاث طلقات مثل ما اوقع اولاً ثم ينكحها آخر و يطأها و يفارقها و يتزوجها الأول، و يوقع عليها ثلاث طلقات اخرى مثل السابقات إلى ان يكمل تسعاً تخلل بينهما نكاح رجلين، فتحرم عليه في التاسعة ابداً.

القول في الكفر

لا يجوز للمسلمة ان تنكح الكافر دواماً و انقطاعاً، سواء كان اصلياً حربياً او كتابياً او كان مرتداً عن فطرة او عن ملة، و كذا لا يجوز للمسلم تزويج غير الكتابية من اصناف الكفار و لا المرتدة عن فطرة او عن ملة، و اما الكتابية من

اس بناء پر کہ اسکی ابتداء کا وقت معیّن و متحقق نہیں ہوا۔ مثلاً جب ایسی عورت سے شادی کرے کہ جسکا شوہر وفات پاگیا ہو لیکن عورت کو اسکی وفات کی خبر نہ ملی ہو۔ اس لئے کہ جس دن اسے وفات کی خبر ملے اسی دن سے عدّت شروع ہوتی ہے۔ تو کیا یہ نکاح حرمتِ ابدی کا باعث بنے گا یا نہیں؟ اسمیں دو قول ہیں۔ احتیاط پہلے قول میں ہے اور رجحان دوسرے قول میں۔

مسئلہ ۱۰: جسکے ہاں چار بیویاں موجود ہوں اسپر پانچویں عورت سے دائمی نکاح کرنا حرام ہے۔ لیکن موقتی نکاح کے ذریعہ جتنی عورتیں اکٹھی کرنا چاہے اسکے لئے جائز ہے۔ چاہے صرف موقتی نکاح والی ہوں یا دائمی عقد والیوں کے ساتھ ہوں۔

مسئلہ ۱۱: اگر کسی کی چار بیویوں میں سے ایک مر جائے تو بلا فاصلہ اسکے لئے دوسری عورت سے شادی کرنا جائز ہے۔ اور اسی طرح اگر ان میں سے ایک کو عقد فسخ کرکے یا خود بخود عقد منفسخ ہوجانے کی بناء پر یا طلاقِ بائن کے ذریعہ جدا کردے۔ اس سے بہتر وہ عورت ہے کہ جس کی عدّت ہی نہ ہو مثلاً اس کے مباشرت نہ کی ہو یا وہ یائسہ ہو۔ لیکن اگر اس عورت کو طلاقِ رجعی دی ہو۔ تو جب تک اسکی عدّت مکمل نہ ہوجائے دوسری سے شادی جائز نہیں۔

مسئلہ ۱۲: اگر کوئی شخص اپنی آزاد بیوی کو تین بار طلاق دے اور اس مدّت میں اس عورت نے کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح نہ کیا ہو تو وہ عورت اس شخص پر حرام ہوجائے گی اور جب تک وہ عورت کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرکے اس سے مطلقہ نہ ہوجائے اس وقت تک پہلے شوہر پر اس سے دوبارہ نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (دوسرے مرد کیساتھ نکاح کی شرطیں کتابِ طلاق میں بیان ہوں گی) اور اگر وہ شخص اس عورت کو نو مرتبہ عدّت والی طلاقیں دے اور اس دوران وہ عورت دو محللوں کا سامنا بھی کرچکی ہو۔ اس طرح کہ پہلی اور دوسری تین طلاقوں کے بعد طلاق دینے والے کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ تو ایسی صورت میں یہ عورت پہلے والے مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی۔ اور عدّت والی نو طلاقیں واقع ہونیکی کیفیت مندرجہ ذیل ہے:۔ شوہر اسے تمام شرطوں کے ساتھ طلاق دے اور عدّت میں ہی اسکی طرف رجوع کرکے اسکے ساتھ ہمبستری کرے۔ اسکے بعد دوسرے "طہر" (پاکیزگی کے زمانے) میں اسے دوسری طلاق دے اور پھر اسکی طرف رجوع کرکے اسکے ساتھ ہمبستری کرے۔ اسکے بعد تیسری مرتبہ اسکو طلاق دے دے۔ تیسری طلاق کی عدّت گذر جانے کے بعد وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ مرد اس سے ہمبستری کرے اور اسکے بعد اس سے جدا ہوجائے۔ اسکی عدّت گذر جانے کے بعد پہلا شوہر پھر اس عورت سے ازدواج کرے، اور اس مرتبہ بھی پہلے کی مانند اسکو تین طلاقیں دیدے۔ چنانچہ پھر کوئی دوسرا مرد اس عورت کے ساتھ نکاح کرے اور ہمبستری کرے اور اسکے بعد اسے طلاق دیدے۔ اسکی عدّت مکمل ہوجانیکے بعد پھر پہلا شوہر اس سے عقد کرے۔ اور پہلی تین تین طلاقوں کی طرح اس مرتبہ پھر اسکو تین طلاقیں دیدے تو اسطرح نو طلاقیں مکمل ہوجائیں گی جنکے درمیان دو محلل ہوں گے۔ پس نویں مرتبہ طلاق دینے کے بعد وہ عورت ہمیشہ کے لئے اس مرد پر حرام ہوجائے گی۔

احکامِ کفر

مسلمان عورت کیلئے کافر کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں خواہ نکاح دائمی ہو یا موقتی، اور کافر اہلِ کتاب میں سے ہو یا اصلی حربی ہو۔ یا مرتدِ فطری ہو یا مرتدِ ملّی۔ اسی طرح مسلمان مرد کے لئے بھی اہلِ کتاب کے علاوہ دوسری کافر عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اور نہ ایسی عورت سے نکاح جائز ہے جو مرتدِ فطری ہو یا مرتدِ ملّی۔ لیکن اہلِ کتاب

اليهودية و النصرانية ففيه اقوال، اشهرها المنع في النكاح الدائم و الجواز في المنقطع، و قيل بالمنع مطلقا، و قيل بالجواز كذلك، و الأقوى الجواز في المنقطع، و اما في الدائم فالأحوط المنع.

مسألة ١ - الأقوى حرمة نكاح المجوسية، و اما الصائبة ففيها إشكال حيث إنه لم يتحقق عندنا إلى الآن حقيقة دينهم، فان تحقق انهم طائفة من النصارى كما قيل كانوا بحكمهم.

مسألة ٢ - العقد الواقع بين الكفار لو وقع صحيحاً عندهم و على طبق مذهبهم يترتب عليه آثار الصحيح عندنا، سواء كان الزوجان كتابيين او وثنيين او مختلفين، حتى انه لو اسلما معاً دفعة اقرا على نكاحهما الأول و لم يحتج الى عقد جديد، بل و كذا لو أسلم أحدهما أيضاً في بعض الصور الآتية، نعم لو كان نكاحهم مشتملاً على ما يقتضي الفساد ابتداءً و استدامة كنكاح إحدى المحرمات عيناً أو جمعاً جرى عليه بعد الاسلام حكم الاسلام.

مسألة ٣ - لو أسلم زوج الكتابية بقيا على نكاحهما الأول، سواء كان كتابياً أو وثنياً، و سواء كان إسلامه قبل الدخول أو بعده، و إذا أسلم زوج الوثنية وثنياً كان أو كتابياً فان كان قبل الدخول انفسخ النكاح في الحال، و إن كان بعده يفرق بينهما و ينتظر إنقضاء العدة، فأن أسلمت الزوجه قبل انقضائها بقيا على نكاحهما، و إلا انفسخ النكاح بمعنى أنه يتبين انفساخه من حين إسلام الزوج.

مسألة ٤ - لو أسلمت زوجة الوثني أو الكتابي و ثنية كانت أو كتابية فان كان قبل الدخول انفسخ النكاح في الحال، و إن كان بعده وقف على انقضاء العدة لكن يفرّق بينهما، فان أسلم قبل انقضائها فهي امرأته، و إلا بان أنها بانت منه حين إسلامها.

مسألة ٥ - لو ارتد أحد الزوجين أو ارتدا معاً دفعة قبل الدخول وقع الانفساخ في الحال، سواء كان الارتداد عن فطرة أو ملة، و كذا بعد الدخول إذا كان

یہودی اور عیسائی عورت سے نکاح کے متعلق چند قول ہیں۔ سب سے مشہور قول یہ ہے کہ دائمی نکاح جائز نہیں ہے البتہ موقتی نکاح جائز ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ان سے کوئی بھی نکاح جائز نہیں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں نکاح جائز ہیں۔ (ہمارے نزدیک) اقویٰ یہ ہے کہ موقتی نکاح جائز ہے۔ لیکن احتیاط کی بنا پر دائمی نکاح ممنوع ہے۔

مسئلہ ۱: اقویٰ یہ ہے کہ مجوسی عورت سے نکاح کرنا حرام ہے۔ لیکن صابئہ (یعنی ستارہ پرست) عورت سے نکاح کے سلسلہ میں اشکال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج تک ہمیں ان کے مذہب کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکی۔ پس اگر یہ طے پاجائے کہ وہ عیسائیوں کی ایک جماعت ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے تو انکا حکم وہی ہے جو عیسائیوں کا ہے۔

مسئلہ ۲: کفارہ اپنے مذہب کے مطابق جو عقد پڑھتے ہیں اگر ان کے نزدیک صحیح عقد پڑھا گیا ہو اور ان کے مذہب کے مطابق ہو تو ہمارے نزدیک اس پر عقدِ صحیح کے آثار مرتب ہوں گے خواہ میاں بیوی کا تعلق اہلِ کتاب سے ہو یا بت پرستوں سے۔ یا مختلف ہوں (یعنی ایک کا تعلق اہلِ کتاب سے ہو اور دوسرے کا بت پرستوں سے) حتیٰ اگر وہ دونوں ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں تو ان کا وہی نکاح برقرار رہے گا نئے سرے سے نکاح کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ بلکہ اگر ان میں سے ایک بھی مسلمان ہو جائے تو بعض صورتوں میں کہ جو آئندہ مذکور ہوں گی وہی نکاح کافی رہے گا۔ البتہ اگر ان کا نکاح ایسی چیز پر مشتمل ہو جو ہمارے نزدیک ابتداء سے ہی یا ہمیشہ کے لئے فاسد ہوتی ہے جیسے محرم عورتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ تنہا نکاح کرنے یا جمع کرکے ایک نامحرم اور ایک محرم کے ساتھ نکاح کرے تو مسلمان ہو جانے کے بعد اس پر اسلام کا حکم نافذ ہوگا۔

مسئلہ ۳: اہلِ کتاب سے تعلق رکھنے والی کسی عورت کا شوہر اگر مسلمان ہو جائے تو ان کا وہی نکاح بحال رہے گا چاہے شوہر اہلِ کتاب میں سے ہو یا بت پرست، اور چاہے مباشرت سے پہلے مسلمان ہوا ہو یا مباشرت کے بعد۔ اور اگر کسی بت پرست عورت کا شوہر مسلمان ہو جائے۔ چاہے شوہر بت پرست ہو یا اہلِ کتاب میں سے۔ تو اگر وہ بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے مسلمان ہوگیا ہو تو ان کا نکاح ختم ہو جائے گا۔ لیکن مباشرت کے بعد مسلمان ہونے کی صورت میں ان دونوں کو جدا کر دیا جائے گا۔ اور عدت مکمل ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ پس عدت ختم ہونے سے پہلے اگر زوجہ مسلمان ہو جائے تو دونوں اسی نکاح پر باقی رہیں گے۔ لیکن اگر عورت اسلام قبول نہ کرے تو نکاح منفسخ ہو جائے گا۔ یعنی یہ واضح ہو جائے گا کہ شوہر کے مسلمان ہوتے ہی نکاح ختم ہو چکا تھا۔

مسئلہ ۴: کسی بت پرست یا اہلِ کتاب کی بیوی اگر مسلمان ہو جائے، چاہے وہ بت پرست رہی ہو یا اہلِ کتاب تو اگر مباشرت سے پہلے مسلمان ہوگئی ہو تو نکاح اسی وقت ختم ہو جائیگا لیکن اگر مباشرت کے بعد مسلمان ہوئی ہو تو عدت گذر جانے پر نکاح موقوف ہوگا البتہ ان دونوں پہلے سے ہی ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائیگا۔ پس اگر عدت ختم ہونے سے پہلے شوہر مسلمان ہو جائے تو وہ عورت اسکی بیوی ہے۔ لیکن اگر مسلمان نہ ہو تو اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ وہ مسلمان ہوتے ہی اس سے جدا ہو گئی تھی۔

مسئلہ ۵: اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے یا مباشرت سے پہلے دونوں ایک ساتھ مرتد ہو جائیں تو اسی وقت انکا نکاح ختم ہو جائے گا۔ چاہے مرتد فطری ہوں یا ملی۔ اور اسی طرح اگر مباشرت کے بعد صرف شوہر

الارتداد من الزوج و كان عن فطرة، و أما إن كان ارتداده عن ملة أو كان الارتداد من الزوجة مطلقاً وقف الفسخ على انقضاء العدة، فان رجع أو رجعت قبل انقضائها كانت زوجته، و إلا انكشف أنها بانت منه عند الارتداد.

مسألة ٦ ـ العدة في ارتداد الزوج عن فطرة كالوفاة، و في غيره كالطلاق.

مسألة ٧ ـ لا يجوز للمؤمنة أن تنكح الناصب المعلن بعداوة أهل البيت عليهم السلام، و لا الغالي المعتقد بألوهيتهم أو نبوتهم، و كذا لا يجوز للمؤمن أن ينكح الناصبة و الغالية، لأنهما بحكم الكفار و إن انتحلا دين الاسلام.

مسألة ٨ ـ لا إشكال في جواز نكاح المؤمن المخالفة غير الناصبة، و أما نكاح المؤمنة المخالف غير الناصب ففيه خلاف، و الجواز مع الكراهة لا يخلو من قوة، لكن لا ينبغي ترك الاحتياط مهما أمكن.

مسألة ٩ ـ لا يشترط في صحة النكاح تمكن الزوج من النفقة، نعم لو زوّج الصغيرة وليها بغير القادر عليها لم يلزم العقد عليها، فلها الرد. لأن فيه المفسدة إلا إذا زوجت بمصلحة غالبة عليها.

مسألة ١٠ ـ لو كان الزوج متمكناً من النفقة حين العقد ثم تجدد العجز عنها بعد ذلك لم يكن للزوجة المذكورة التسلط على الفسخ لا بنفسها و لا بوسيلة الحاكم على الأقوى، نعم لو كان ممتنعاً عن الانفاق مع اليسار و رفعت أمرها إلى الحاكم ألزمه بالانفاق أو الطلاق، فاذا امتنع عنهما و لم يمكن الانفاق من ماله و لا إجباره بالطلاق فالظاهر أن للحاكم أن يطلقها إن أرادت الطلاق.

مسألة ١١ ـ لا إشكال في جواز تزويج العربية بالعجمي و الهاشمية بغير الهاشمي و بالعكس، و كذا ذوات البيوتات الشريفة بأرباب الصنائع الدنية كالكناس و الحجام و نحوهما، لأن المسلم كفو المسلم و المؤمن كفو المؤمنة و المؤمنون بعضهم أكفاء بعض كما في الخبر، نعم يكره التزويج بالفاسق خصوصاً شارب الخمر و الزاني كما مر.

مسألة ١٢ ـ مما يوجب الحرمة الأبدية التزويج حال الاحرام دواماً أو

مُرتد ہوجائے اور مُرتد فطری ہو۔ لیکن اگر وہ مُرتد ملی ہو۔ یا زوجہ مُرتد ہوئی ہو چاہے فطری یا ملی تو عقد کا فسخ ہونا عدت گذر جانے پر موقوف ہوگا۔ پس اگر عدت مکمل ہونے سے پہلے شوہر (ارتداد سے) توبہ کرے یا بیوی (ارتداد سے) تائب ہوجائے تو وہ اسکی زوجہ رہے گی۔ لیکن اگر وہ مُرتد ہوجانے سے تائب نہ ہو تو اس سے واضح ہوجائے گا کہ مُرتد ہوتے ہی بیوی کا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔

مسئلہ ۶: شوہر کے مُرتد فطری ہوجانے کی صورت میں عدت کی مدت، وفات کی عدت کے برابر اور اگر مُرتد فطری نہ ہو تو طلاق کی عدت کے برابر ہے۔

مسئلہ ۷: مومن عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اہلِ بیت علیہم السلام سے کھل کر دشمنی کا اظہار کرنے والے ناصبی کے ساتھ نکاح کرے۔ اسی طرح ایسے "غالی" کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز نہیں جو اہلِ بیتؑ کی خدائی یا نبوت کا اعتقاد رکھتا ہو۔ اور بعینہ مومن مرد کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ ناصبی اور غالی عورت سے نکاح کرے۔ اس لئے کہ یہ دونوں کافروں کے حکم میں ہیں چاہے ان کا دعویٰ یہ ہو کہ وہ مسلمان ہیں۔

مسئلہ ۸: مومن مرد کا ایسی عورت سے نکاح کرنا بلا اشکال جائز ہے جسکا تعلق مخالف مذہب سے ہو لیکن ناصبی نہ ہو۔ لیکن مومن عورت کے مخالف مذہب، غیر ناصبی کے ساتھ نکاح کے جائز ہونے میں اختلاف ہے۔ اور کراہت کے ساتھ جائز ہونا قوت سے خالی نہیں۔ لیکن جہاں تک ممکن ہو بہتر یہ ہے کہ احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۹: نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شوہر کا نان و نفقہ ادا کرنے پر قادر ہونا شرط نہیں ہے۔ البتہ اگر "ولی" ایسے شخص سے نابالغ بچی کا عقد کردے جو نان و نفقہ دینے پر قادر نہ ہو۔ تو بچی پر عقد کی پابندی لازمی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اس عقد کو رد کرسکتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں مفسدہ ہے۔ مگر یہ کہ مفسدہ سے بڑی کوئی مصلحت اس عقد میں موجود ہو تو اس صورت میں رد نہیں کرسکتی۔

مسئلہ ۱۰: اگر عقد کے موقع پر شوہر نفقہ پر قادر ہو لیکن بعد میں نفقہ دینے سے مجبور ہوجائے تو زوجہ کو عقد فسخ کردینے کا حق نہیں ہوگا۔ نہ بذاتِ خود اور نہ بنا برا تو ئی حاکم شرع کے ذریعہ۔ البتہ اگر سب کچھ ہونے کے باوجود نفقہ دینے سے انکار کرے اور عورت مقدمہ کو حاکم شرع کے پاس لے جائے تو حاکم شرع شوہر کو نفقہ دینے پر مجبور کرے گا۔ اور اگر نہ دے تو طلاق دینے پر مجبور کرے گا۔ پس اگر وہ دونوں چیزوں سے انکار کردے اور اس کے مال سے نفقہ ادا کرنا یا اسے طلاق دینے پر مجبور کرنا ممکن نہ ہو۔ تو ظاہراً حاکم شرع کو حق حاصل ہے کہ اگر عورت طلاق کی خواہش کرے تو حاکم شرع اسے طلاق دیدے۔

مسئلہ ۱۱: عرب عورت کا عجمی مرد اور سیدانی کا غیر سید مرد سے نکاح اور اسکے برعکس بلا اشکال جائز ہے اور اسی طرح شریف گھرانوں کی لڑکیوں کا چھوٹے اور پست پیشہ رکھنے والے لڑکوں جیسے خاکروب اور حجام وغیرہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ اسلئے کہ مسلمان، مسلمان کا کفو ہے۔ اور مومن مرد مومن عورت کا کفو ہے اور مومنین ایک دوسرے کے کفو ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے البتہ فاسق کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے خاص طور سے شراب پینے والے اور زانی کے ساتھ۔ جیسا کہ بیان ہوچکا ہے۔

مسئلہ ۱۲: جن چیزوں سے عورت ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے۔ ان میں سے ایک احرام کی حالت میں شادی

انقطاعاً، سواء كانت المرأة محرمة أو محلة، و سواء كان إيقاع التزويج له بالمباشرة أو بالتوكيل، محرماً كان الوكيل أو محلاً، كان التوكيل قبل الاحرام أو حاله، هذا مع العلم بالحرمة، و أما مع جهله بها و إن بطل النكاح في جميع الصور المذكورة لكن لا يوجب الحرمة الأبدية.

مسألة ١٣ ـ لا فرق فيما ذكر من التحريم مع العلم و البطلان مع الجهل بين أن يكون الاحرام لحج واجب أو مندوب أو لعمرة واجبة أو مندوبة و لا بين أن يكون حجه و عمرته لنفسه أو نيابة عن غيره.

مسألة ١٤ ـ لو كانت الزوجة محرمة عالمة بالحرمة و كان الزوج محلاً فهل يوجب نكاحها الحرمة الأبدية بينهما؟ قولان، أحوطهما ذلك، بل لا يخلو من قوة.

مسألة ١٥ ـ يجوز للمحرم الرجوع في الطلاق في العدة الرجعية من غير فرق بين المطلقة تبرعاً أو المختلعة إذا رجعت في البذل، و كذا يجوز أن يوكّل محلا في أن يزوّج له بعد إحلاله، بل و كذا أن يوكّل محرماً في أن يزوّج له بعد إحلالهما.

مسألة ١٦ ـ و من أسباب التحريم اللعان بشروطه المذكورة في بابه بأن يرميها بالزنا و يدعي المشاهدة بلا بينة، أو ينفي ولدها الجامع لشرائط الالحاق به و تنكر ذلك و رفعا أمرهما إلى الحاكم فيأمرهما بالملاعنة بالكيفية الخاصة، فاذا تلاعنا سقط عنه حد القذف و عنها حد الزنا، و انتفى الولد عنه و حرمت عليه مؤبداً.

مسألة ١٧ ـ نكاح الشغار باطل، و هو أن تتزوج امرأتان برجلين على أن يكون مهر كل واحد منهما نكاح الأخرى، و لا يكون بينهما مهر غير النكاحين، مثل أن يقول أحد الرجلين للآخر: زوجتك بنتي أو أختي على أن تزوجني بنتك أو أختك، و يكون صداق كل منهما نكاح الأخرى، و يقول الآخر: قبلت و زوجتك بنتي أو أختي هكذا، و أما لو زوّج إحداهما الآخر بمهر معلوم و شرط عليه أن يزوّجه الأخرى بمهر معلوم، فيصح العقدان و كذا لو شرط أن يزوجه الأخرى و لم يذكر المهر أصلا مثل أن يقول: «زوجتك بنتي على أن تزوجني بنتك» فقال: «قبلت وزوجتك بنتي» فانه يصح العقدان و يستحق كل منهما مهر المثل.

کرنا ہے چاہے نکاح دائمی ہو یا موقتی، اور عورت احرام میں ہو یا نہ ہو۔ بذات خود نکاح کرے یا وکیل مقرر کرے۔ وکیل احرام میں ہو یا نہ ہو۔ احرام سے پہلے وکیل مقرر کرے یا احرام کی حالت میں۔ بشرطیکہ احرام کی حالت میں نکاح کی حرمت کا علم رکھتا ہو۔ لیکن اگر اسے علم نہ ہو کہ احرام کی حالت میں نکاح حرام ہے تو اگرچہ مذکورہ تمام صورتوں میں نکاح باطل ہوگا لیکن عورت ہمیشہ کے لئے اس پر حرام نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۱۳: احرام کی حالت میں نکاح کے حرام ہونے کا عالم ہونے سے حرمت ابدی پیدا ہونے اور عالم نہ ہونے کی صورت میں صرف نکاح باطل ہونے میں، حج واجب اور مستحب یا عمرۂ واجبہ اور مستحبہ یا ذاتی اور نیابتی حج میں کوئی فرق نہیں۔

مسئلہ ۱۴: اگر زوجہ احرام کی حالت میں ہو اور اسے علم ہو کہ ایسی حالت میں نکاح حرام ہے اور زوج احرام کی حالت میں نہ ہو تو آیا اسکا نکاح ان دونوں کے درمیان ابدی حرمت کا باعث بنے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ احتیاط یہ ہے کہ حرمتِ ابدی کا باعث بنے گا بلکہ یہ قول قوت سے خالی نہیں۔

مسئلہ ۱۵: جو شخص حالتِ احرام میں ہو اس کے لئے ایسی عورت سے عدت کے اندر رجوع کرنا جائز ہے جسکو اس نے طلاقِ رجعی دی ہو۔ چاہے تبرعاً طلاق دی ہو یا عورت نے خلع لی ہو بشرطیکہ وہ اس رقم کا مطالبہ کرے جو اس نے خلع حاصل کرنے کیلئے دی ہے۔ اسی طرح اسکے لئے کسی محل کو (جو حالتِ احرام میں نہ ہو) وکیل مقرر کرنا جائز ہے کہ وہ اسکے احرام سے خارج ہونیکے بعد اسکا نکاح کرے۔ بلکہ حالتِ احرام میں کسی احرام والے کو دونوں کے احرام سے خارج ہونیکے بعد نکاح پڑھنے پر وکیل مقرر کرنا جائز ہے۔

مسئلہ ۱۶: ابدی حرمت کے اسباب میں سے ایک سبب "لعان" ہے بشرطیکہ اس میں وہ تمام شرطیں پائی جائیں جو کتاب لعان میں بیان ہو چکی ہیں۔ لعان کی صورت یہ ہے کہ مرد اپنی عورت پر زنا کے ارتکاب کا الزام لگائے اور یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے لیکن گواہ نہ رکھتا ہو۔ یا ایسے بیٹے کا اپنا بیٹا ہونے سے انکار کرے جسکے اندر اسکے ساتھ ملحق ہونے کی تمام شرطیں موجود ہوں۔ اور بیوی اسکے دعوے کو رد کرے۔ چنانچہ وہ دونوں مقدمہ کو حاکم شرع کے پاس لے جائیں۔ اور حاکم شرع انکو حکم دے کہ شریعت میں مذکور خاص کیفیت کے ساتھ ایکدوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں۔ پس جب وہ بیزاری کا اظہار کر چکیں گے تو مرد سے تہمت لگانے اور عورت سے زنا کرنے کی حد ساقط ہو جائیگی۔ اور بیٹا اس شخص کا نہیں رہے گا اور عورت اس شخص پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔

مسئلہ ۱۷: نکاح "شغار" باطل ہے۔ شغار کا مطلب یہ ہے کہ دو عورتیں دو مردوں کے ساتھ اس شرط پر نکاح کریں کہ ان میں ہر ایک کا مہر دوسری کا نکاح قرار پائے۔ اور دو نکاحوں کے علاوہ ان کے لئے کوئی مہر نہ ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص دوسرے سے کہے "میں اپنی بیٹی یا بہن کی شادی تیرے ساتھ اس شرط پر کرتا ہوں کہ تو اپنی بیٹی یا بہن کی شادی میرے ساتھ کرے اور ان میں سے ہر ایک کا مہر دوسری کا نکاح قرار پائے"۔ دوسرا شخص اسکے جواب میں کہے "میں نے قبول کیا اور اپنی بیٹی یا بہن کو اسی شرط پر تیری زوجیت میں دیا۔ لیکن اگر ان میں سے ایک شخص مہر معلوم کے عوض شادی کرے اور اس پر شرط عائد کرے کہ وہ دوسری کے ساتھ مہر معلوم کے عوض نکاح کرے تو دونوں عقد صحیح ہیں۔ یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب دوسری عورت کے ساتھ نکاح کی شرط لگائے مگر مہر کا بالکل ہی ذکر نہ کرے۔ مثلاً یوں کہے "میں نے اپنی بیٹی کو تمہاری زوجیت میں دیا بشرطیکہ تم اپنی بیٹی کو میری زوجیت میں دو" اور دوسرا کہے "میں نے قبول کیا اور اپنی بیٹی کو تیری زوجیت میں دیا" تو دونوں عقد صحیح ہیں۔ اور ہر ایک مہر "مثل" کی حقدار ہے۔

القول في النكاح المنقطع

و يقال له: المتعة والنكاح المؤجل.

مسألة ١ ـ النكاح المنقطع كالدائم في أنه يحتاج إلى عقد مشتمل على إيجاب و قبول لفظيين و أنه لا يكفي فيه مجرد الرضا القلبي من الطرفين و لا المعاطاة و لا الكتابة و لا الاشارة، و في غير ذلك كما فصل ذلك كله.

مسألة ٢ ـ ألفاظ الايجاب في هذا العقد «متعت» و «زوجت» و «انكحت» أيها حصلت وقع الايجاب به، و لا ينعقد بمثل التمليك و الهبة و الاجارة، و القبول كل لفظ دال على إنشاء الرضا بذلك كقوله: «قبلت المتعة» أو «... التزويج» و كفى «قبلت» و «رضيت» ولو بدأ بالقبول فقال: «تزوجتك» فقالت: «زوجتك نفسي» صح.

مسألة ٣ ـ لا يجوز تمتع المسلمة بالكافر بجميع أصنافه، و كذا لا يجوز تمتع المسلم بغير الكتابية من أصناف الكفار و لا بالمرتدة و لا بالناصبة المعلنة بالعداوة كالخارجية.

مسألة ٤ ـ لا يتمتع على العمة ببنت أخيها، و لا على الخالة ببنت أختها إلا باذنها أو إجازتها، و كذا لا يجمع بين الأختين.

مسألة ٥ ـ يشترط في النكاح المنقطع ذكر المهر، فلو أخل به بطل، و يعتبر فيه أن يكون مما يتمول، سواء كان عيناً خارجياً أو كلياً في الذمة أو منفعة أو عملاً صالحاً للعوضية أو حقاً من الحقوق المالية كحق التحجير و نحوه، و أن يكون معلوماً بالكيل أو الوزن في المكيل و الموزون و العد في المعدود أو المشاهدة أو الوصف الرافعين للجهالة، و يتقدر بالمراضاة قلّ أو كثر.

مسألة ٦ ـ تملك المتمتعة المهر بالعقد، فيلزم على الزوج دفعه إليها بعده لو طالبته و إن كان استقراره بالتمام مراعى بالدخول و وفائها بالتمكين في تمام

متعہ کے احکام

اس عقد کو، عقدِ موجل (مدت دار) بھی کہتے ہیں:

مسئلہ ۱: عقدِ متعہ بھی دائمی عقد کی مانند ہے کہ جس میں لفظی ایجاب و قبول ضروری ہے۔ اور یہ کہ صرف طرفین کا دل سے راضی ہوجانا، معاطات کا طریقہ اختیار کرنا۔ اشارہ کرنا اور لکھ لینا کافی نہیں ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ متعہ کے احکام وہی ہیں جو دائمی عقد کے ہیں، جن کی تفصیل گذر چکی ہے۔

مسئلہ ۲: اس عقد میں ایجاب کے لئے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، متعت، زوجیت، اور انکحت ان میں سے کوئی ایک لفظ ایجاب کے لئے کافی ہے۔ لیکن "تملیک" ہبہ اور اجارہ پر دلالت کرنے والے الفاظ سے عقدِ متعہ منعقد نہیں ہوتا۔ قبول کے لئے وہ الفاظ کافی ہیں جو مفہوم ایجاب پر راضی ہونے پر دلالت کریں، جیسے "میں نے متعہ، یا شادی کو قبول کیا وغیرہ"، اور صرف "قبلتُ یا رضیت" کہہ دینا بھی کافی ہے۔ اور اگر مرد صیغہ قبول کے ذریعہ شروع کرے اور کہے "میں نے تجھے اپنے نکاح میں لیا" اور عورت اس کے جواب میں کہے "میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا" تو بھی صحیح ہے۔

مسئلہ ۳: مسلمان عورت کا کفار کی کسی صنف کے مرد سے متعہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح مسلمان مرد پر بھی جائز نہیں کہ وہ اہلِ کتاب کے علاوہ کفار کی دوسری صنف کی عورتوں، اور مرتد ہوجانے والی عورت یا ناصبی عورت سے کہ جو خارجی عورت کی مانند کھل کر اہلِ بیتؑ سے دشمنی کا اظہار کرتی ہو۔ متعہ کرے۔

مسئلہ ۴: بیوی کی بھتیجی اور بھانجی کے ساتھ بیوی کے ہوتے ہوئے، اس کی اجازت کے بغیر متعہ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح دو بہنوں کے ساتھ ایک ساتھ متعہ بھی نہیں کرسکتا۔

مسئلہ ۵: عقدِ متعہ میں "مہر" ذکر کرنا شرط ہے۔ پس اگر ایسا نہ کیا تو عقد باطل ہوجائے گا۔ اور مہر کے سلسلہ میں معتبر یہ ہے کہ وہ مالیت رکھتا ہو چاہے خارج میں موجود کوئی معین چیز ہو۔ یا کلی نوعیت کی چیز اسکے ذمہ ہو۔ یا کوئی منفعت ہو یا ایسا کام ہو جس کو عوض قرار دیا جاسکتا ہو، یا مالیت رکھنے والے حقوق سے کوئی حق ہو جیسے حق تحجیر وغیرہ اور یہ کہ ناپنے والی چیز کی پیمائش اور وزن دار چیزوں کا وزن، اور گنتی والی چیزوں کا عدد معلوم ہو۔ یا اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ یا ایسا وصف بیان ہو جس سے لاعلمی برطرف ہوجائے۔ اور اس کی تعیین دونوں کی رضایت سے ہوگی چاہے کم ہو یا زیادہ۔

مسئلہ ۶: متعہ کرنے والی، عقد کے ذریعہ مہر کی مالک ہوجاتی ہے۔ اور اگر وہ مطالبہ کر بیٹھے تو شوہر پر لازمی ہے۔ کہ وہ مہر ادا کرے۔ اگرچہ مکمل طور پر مہر کا اس کے ذمہ مستقر ہونا عورت کے ساتھ مباشرت، اور اس تمام مدت میں اپنے آپ کو مرد کے اختیار میں دے دینے پر موقوف ہے۔ پس اگر مرد متعہ کی مدت عورت کو بخش دے

المدة، فلو وهبها المدة فان كان قبل الدخول لزمه نصف المهر، و إن كان بعده لزمه الجميع، و إن مضت من المدة ساعة و بقيت منها شهور أو أعوام فلا يقسط المهر على ما مضى منها و ما بقي، نعم لو لم يهب المدة و لكنها لم تف بها و لم تمكنه من نفسها في تمامها كان له أن يضع من المهر بنسبتها، إن نصفاً فنصف، و إن ثلثاً فثلث و هكذا ما عدا أيام حيضها، فلا ينقص لها شيء من المهر، و في إلحاق سائر الأعذار كالمرض المدنف و نحوه بها أو عدمه و جهان بل قولان، و لا يترك الاحتياط بالتصالح.

مسألة ٧ ـ لو وقع العقد و لم يدخل بها مع تمكينها حتى انقضت المدة استقر عليه تمام المهر.

مسألة ٨ ـ لو تبين فساد العقد بأن ظهر لها زوج أو كانت أخت زوجته أو أمها مثلاً و لم يدخل بها فلا مهر لها، ولو قبضته كان له استعادته، بل لو تلف كان عليها بدله، و كذا إن دخل بها و كانت عالمة بالفساد، و أما إن كانت جاهلة فلها مهر المثل، فان كان ما أخذت أزيد منه استعاد الزائد، و إن كان أقل أكمله.

مسألة ٩ ـ يشترط في النكاح المنقطع ذكر الأجل، فلو لم يذكره متعمداً أو نسياناً بطل متعة و انعقد دائماً، و تقدير الأجل إليهما طال أو قصر، و لابد أن يكون معيناً بالزمان محروساً من الزيادة و النقصان، ولو قدره بالمرة أو المرتين من دون أن يقدره بزمان بطل متعة وانعقد دائماً على إشكال، و الأحوط فيه إجراء الطلاق و تجديد النكاح لو أراد، و أحوط منه مع ذلك الصبر إلى انقضاء المدة المقدرة بالمرة أو المرتين أو هبتها.

مسألة ١٠ ـ لو قالت زوجتك نفسي إلى شهر أو شهراً مثلاً و أطلقت اقتضى الاتصال بالعقد، و هل يجوز أن تجعل المدة منفصلة عنه بأن يعيّن المدة شهراً مثلاً و يجعل مبدؤه بعد شهر من حين العقد أم لا؟ قولان، أحوطهما الثاني.

مسألة ١١ ـ لا يصح تجديد العقد عليها دائماً أو منقطعاً قبل انقضاء الأجل أو

اور یہ کام مباشرت سے پہلے کرے تو آدھا مہر۔ اور مباشرت کے بعد مدّت بخشنے کی صورت میں پورا مہر دینا لازمی ہے چاہے متعہ کی مدّت میں سے ایک گھنٹہ ہی گذرا ہو اور کئی ماہ یا کئی سال باقی ہوں۔ پس مہر کو گذشتہ مدّت اور باقی بچنے والی مدّت پر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر مرد نے مدّت نہ بخشی ہو لیکن عورت مدّت کی وفا نہ کرے اور تمام مدّت میں اپنے کو مرد کے حوالے نہ کرے، تو مرد کو اختیار ہے کہ وہ مدّت کی نسبت سے مہر میں سے کم کر دے۔ اگر آدھی مدّت رہی ہو تو آدھا، اور اگر ایک تہائی مدّت ہو تو ایک تہائی مہر خلاصہ یہ کہ جتنی مدّت ہو اتنا ہی مہر لیکن ایام حیض کے علاوہ اس لئے کہ ان کی وجہ سے مہر کم نہیں ہوگا۔ اور دوسری تمام سخت بیماریوں اور عذروں کو حیض کے حکم میں شامل کیا جائیگا یا نہیں؟ اس میں دو وجہیں، بلکہ دو قول ہیں۔ البتہ آپس میں مصالحت کر لینے کی احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۷ : جب عقد واقع ہو جائے اور عورت اپنے کو مرد کے حوالے بھی کر دے لیکن مرد اسکے ساتھ مباشرت نہ کرے یہاں تک کہ متعہ کی مدّت تمام ہو جائے تو مرد پر پورا "مہر" ادا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ ۸ : اگر یہ معلوم ہو جائے کہ عقد متعہ فاسد ہے مثلاً عورت شوہر دار ہو یا بیوی کی بہن یا ماں ہو، اور مرد نے اس عورت کے ساتھ ہمبستری نہ کی ہو تو اس کے لئے "مہر" نہیں ہے۔ اور اگر اس نے پہلے ہی مہر کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہو تو مرد کو واپس لینے کا حق حاصل ہے۔ بلکہ تلف ہو جانے کی صورت میں عورت پر اس کا عوض ادا کرنا واجب ہے۔ اور یہی حکم تب بھی ہوگا جب مرد اس کے ساتھ ہمبستری کر چکا ہو اور عورت جانتی ہو کہ عقد فاسد ہے۔ لیکن اگر اسے عقد کے فاسد ہونے کا علم نہ ہو تو وہ مہر مثل کی حقدار ہے۔ چنانچہ جو دے چکی ہو اگر وہ مہر مثل سے زیادہ ہو تو جتنا زیادہ ہے مرد اسے واپس لے لے اور اگر مہر مثل سے کم ہو تو اسے پورا کرے۔

مسئلہ ۹ : عقد متعہ میں ذکر مدّت شرط ہے۔ پس اگر جان بوجھ کر یا بھولے سے مدّت کا ذکر نہ کرے تو متعہ باطل ہوگا لیکن دائمی عقد واقع ہو جائے گا۔ مدّت کم رکھی جائے یا زیادہ اس کا فیصلہ کرنا مرد اور عورت کا کام ہے۔ لیکن مدّت کو زمانہ (وقت) کے اعتبار سے اس طرح معیّن ہونا چاہیئے کہ کمی بیشی کا اندیشہ نہ رہے۔ چنانچہ اگر ایک بار یا دو بار کے عنوان سے معیّن کرے اور اس میں زمانہ کی تعیین نہ ہو تو متعہ باطل ہوگا۔ لیکن دائمی عقد منعقد ہو جائے گا اگرچہ اس میں بھی اشکال ہے۔ اس صورت میں احتیاط یہ ہے کہ صیغۂ طلاق جاری کر دے اس کے بعد اگر چاہے تو نئے سرے سے عقد پڑھ لے۔ اور اس کے ساتھ اس سے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ ایک بار یا دو بار کے عنوان سے معیّن ہونیوالی مدّت ختم ہو جانے تک انتظار کرے یا مدّت بخش دے۔

مسئلہ ۱۰ : اگر عورت ان الفاظ میں صیغہ پڑھے "میں نے ایک ماہ یا دو ماہ کے لئے اپنے نفس کو تیری زوجیت میں دیا" اور اس میں کوئی قید و شرط نہ لگائے تو اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ مدّت کو عقد سے متصل تسلیم کیا جائے لیکن آیا عقدِ متعہ اور اسکی مدت کے درمیان فاصلہ پیدا کیا جا سکتا ہے یا نہیں! مثال کے طور پر ایک ماہ کے لئے متعہ کرے۔ اور عقد واقع ہونے کے ایک ماہ کے بعد اس کی مدّت شروع ہو، اس میں دو قول ہیں۔ زیادہ احتیاط دوسرے قول میں ہے۔

مسئلہ ۱۱ : مدّت گذر جانے یا اس کے بخش دیئے جانے سے پہلے اس عورت کے ساتھ نئے سرے سے نہ

بذل المدة، فلو كانت المدة شهراً و أراد الازدياد لابد أن يهبها ثم يعقد عليها.

مسألة ١٢ ـ يجوز أن يشترط عليها و عليه الاتيان ليلاً أو نهاراً، و أن يشترط المرة أو المرات مع تعيين المدة بالزمان.

مسألة ١٣ ـ يجوز العزل من دون إذنها في المنقطع و إن قلنا بعدم جوازه في الدائم، و لكن يلحق به الولد لو حملت و إن عزل، لاحتمال سبق المني من غير تنبه منه، ولو نفاه عن نفسه انتفى ظاهراً و لم يفتقر إلى اللعان إن لم يعلم أن نفيه كان عن إثم مع احتمال كون الولد منه، و على أيّ حال لا يجوز له النفي بينه و بين الله إلا مع العلم بالانتفاء.

مسألة ١٤ ـ لا يقع عليها طلاق، و انما تبين بانقضاء المدة أو هبتها، و لا رجوع له بعد ذلك.

مسألة ١٥ ـ لا يثبت بهذا العقد توارث بين الزوجين، فلو شرطا التوارث أو توريث أحدهما ففي التوريث إشكال، فلا يترك الاحتياط بترك هذا الشرط، و معه لا يترك بالتصالح.

مسألة ١٦ ـ لو انقضى أجلها أو وهب مدتها قبل الدخول فلا عدة عليها، و إن كان بعده و لم تكن غير بالغة و لا يائسة فعليها العدة، وهي على الأشهر الأظهر حيضتان، و إن كانت في سن من تحيض و لا تحيض فعدتها خمسة و أربعون يوماً، و الظاهر اعتبار حيضتين تامتين، فلو انقضى الأجل أو وهب المدة في أثناء الحيض لم يحسب تلك الحيضة منها، بل لابد من حيضتين تامتين بعد ذلك. هذا فيما إذا كانت حائلاً، ولو كانت حاملاً فعدتها إلى أن تضع حملها كالمطلقة على إشكال، فالأحوط مراعاة أبعد الأجلين من وضع الحمل و من انقضاء خمسة و أربعين يوماً أو حيضتين و أما عدتها من الوفاة فأربعة أشهر و عشرة أيام إن كانت حائلاً و أبعد الأجلين منها و من وضع حملها إن كانت حاملاً كالدائمة.

مسألة ١٧ ـ يستحب أن تكون المتمتع بها مؤمنة عفيفة، و السؤال عن حالها قبل التزويج و أنها ذات بعل أو ذات عدة أم لا، و أما بعده فمكروه، و ليس

دائمی عقد کرنا صحیح ہے اور نہ موقتی۔ پس اگر متعہ کی مدت ایک ماہ ہو اور مرد کا ارادہ اس میں اضافہ کرنے کا ہو تو اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ مدت بخش دے۔ اسکے بعد پھر سے عقد کرلے۔

مسئلہ ۱۲: دونوں کے لئے ایک دوسرے پر دن یا رات میں ہمبستری کرنے کی شرط عائد کرنا یا ہمبستری کرنے کی تعداد معین کرنا جبکہ وقت کے اعتبار سے مدت معین ہو۔ جائز ہے۔

مسئلہ ۱۳: عقدِ متعہ میں عورت کی اجازت کے بغیر "عزل" جائز ہے۔ اگرچہ ہم دائمی عقد میں اسکے جائز نہ ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن اگر عورت حاملہ ہو جائے تو بچہ بہرحال شوہر کے ساتھ ملحق ہوگا چاہے اس نے عزل ہی کیوں نہ کیا ہو۔ چونکہ یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ مرد کے متوجہ ہوئے بغیر منی پہلے ہی نکل گئی ہو۔ البتہ اگر شوہر یہ کہہ دے کہ بچہ اس کا نہیں۔ تو ظاہر یہی ہے کہ بچہ اسکا نہیں اور اس میں "لعان" کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اسکا بچے کے اپنا ہونے کی نفی کرنا گناہ پر مبنی ہے۔ جبکہ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ بچہ اس کا کہلائے گا۔ بہر صورت خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ بچے کے اپنا ہونے سے انکار کرے، مگر اسکو یقین ہو کہ بچہ اسکا نہیں۔

مسئلہ ۱۴: عقدِ متعہ کے لئے طلاق کی ضرورت نہیں بلکہ مدت پوری ہو جانے یا بخش دیئے جانے سے عورت مرد سے جدا ہو جائے گی اور اسکے بعد وہ رجوع بھی نہیں کر سکتا۔

مسئلہ ۱۵: اس عقد سے میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث نہیں بنتے۔ پس اگر وہ ایک دوسرے کے وارث بننے کی شرط رکھیں یا یہ شرط رکھیں کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث ہوگا۔ تو وارث بننے میں اشکال ہے۔ پس احتیاطاً یہ شرط نہ رکھنے کی احتیاط ترک نہ کی جائے۔ اور اگر شرط رکھ دی جائے تو مصالحت کرنے کی احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۱۶: اگر ہمبستری سے پہلے اس کی مدت ختم ہو جائے یا مرد اسے ہمبستری سے پہلے مدت بخش دے تو اس کے لئے عدت گذارنا واجب نہیں۔ لیکن اگر ہمبستری کے بعد مدت ختم ہو جائے یا مرد اسے بخش دے اور عورت نابالغ اور یائسہ نہ ہو تو اس پر عدت گذارنا واجب ہے۔ اور اشہر و اظہر یہ ہے کہ عدت کی مدت دو حیض ہے۔ اور اگر عورت کو حیض نہ آتا ہو جبکہ اسکی عمر حیض کی متقاضی ہو تو اس کی عدت ۴۵ دن ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ دو مکمل حیض معتبر ہیں۔ پس اگر حیض کے دوران مدت تمام ہو جائے یا مرد اسے مدت بخش دے تو اس حیض کو عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے بعد دو مکمل حیض دیکھنا لازمی ہے۔ یہ اس صورتیں کہ جب عورت حاملہ نہ ہو۔ لیکن اگر حاملہ ہو تو مطلقہ عورت کی مانند اس کی عدت بھی وضع حمل ہو جانے تک ہے۔ البتہ اس میں اشکال ہے۔ لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ وضع حمل یا ۴۵ دن یا دو حیض میں سے جو مدت زیادہ ہو۔ اسی کی رعایت کرے۔

لیکن عدہ وفات وہی چار ماہ دس دن ہے۔ اگر عورت حاملہ نہ ہو۔ اور حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں سے جو مدت زیادہ ہو۔ متعہ میں بھی نکاح دائمی کی مانند اسی کی رعایت کرے۔

مسئلہ ۱۷: جس عورت سے متعہ کرے اسکا ایماندار اور پاکدامن ہونا مستحب ہے۔ اور مستحب ہے کہ متعہ سے پہلے اس کے حالات معلوم کرے اور یہ اطمینان حاصل کرے کہ وہ شوہر دار ہے یا نہیں، عدت میں ہے یا نہیں۔ لیکن

السؤال و الفحص عن حالها شرطاً في الصحة.

مسألة ١٨ ـ يجوز التمتع بالزانية على كراهية خصوصاً لو كانت من العواهر والمشهورات بالزنا، و إن فعل فليمنعها من الفجور.

القول في العيوب الموجبة لخيار الفسخ والتدليس

وهي قسمان: مشترك و مختص، أما المشترك فهو الجنون، و هو اختلال العقل، و ليس منه الاغماء، و مرض الصرع الموجب لعروض الحالة المعهودة في بعض الأوقات، و لكل من الزوجين فسخ النكاح بجنون صاحبه في الرجل مطلقاً سواء كان جنونه قبل العقد مع جهل المرأة به أو حدث بعده قبل الوطء أو بعده، نعم في الحادث بعدالعقد إذا لم يبلغ حداً لا يعرف أوقات الصلاة تأمل و إشكال، فلا يترك الاحتياط، و أما في المرأة ففيما إذا كان قبل العقد و لم يعلم الرجل دون ما إذا طرأ بعده. و لا فرق في الجنون الموجب للخيار بين المطبق و الأدوار و إن وقع العقد حال إفاقته، كما أن الظاهر عدم الفرق في الحكم بين النكاح الدائم و المنقطع.

و أما المختص فالمختص بالرجل ثلاثة: الخصاء، و هو سلّ الخصيتين أورضهما، و تفسخ به المرأة مع سبقه على العقد وعدم علمها به.

و الجب، و هو قطع الذكر بشرط أن لا يبقى منه ما يمكن معه الوطء ولو قدر الحشفة، و تفسخ المرأة فيما إذا كان ذلك سابقاً على العقد، و أما اللاحق به ففيه تأمل، بل لا يبعد عدم الخيار في اللاحق مطلقاً سواء كان قبل الوطء أو بعده.

والعنن، و هو مرض تضعف معه الآلة عن الانتشار بحيث يعجز عن الايلاج، فتفسخ المرأة بشرط عجزه عن الوطء مطلقاً، فلو لم يقدر على و طئها و قدر على وطء غيرها لا خيار لها، و يثبت به الخيار سواء سبق العقد أو تجدد

متعہ کے بعد ایسا کرنا مکروہ ہے۔ البتہ اس کے حالات کی جستجو کرنا متعہ صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں۔
مسئلہ ۱۸: زناکار اور خاص طور سے ایسی عورت کے ساتھ جو بدکاری میں مشہور ہو متعہ کرنا جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسی عورت سے متعہ کر بیٹھے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اسکو بدکاری سے روکے۔

خیار فسخ کا موجب بننے والے عیوب اور تدلیس کے احکام

ان عیبوں کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ مشترک ۲۔ مخصوص۔ مشترک، جیسے جنون۔ یعنی عقل کا زائل ہو جانا، بیہوشی اور "مرگی" کی بیماری کو جس کی وجہ سے کبھی کبھی انسان پر دیوانگی طاری ہو جاتی ہے۔ جنون میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور مرد و عورت دونوں ایک دوسرے کے جنون کی وجہ سے عقد فسخ کر سکتے ہیں خاص طور سے اگر مرد دیوانہ ہو جائے تو مطلق طور پر یہ حق استعمال کیا جا سکتا ہے۔ چاہے عقد سے پہلے ہی دیوانہ ہو اور عورت نہ جانتی ہو یا عقد کے بعد اور ہمبستری سے پہلے یا ہمبستری کے بعد دیوانہ ہوا ہو۔ البتہ جو عقد کے بعد دیوانہ ہوا ہو اگر اس حد تک نہ پہنچے کہ اسے نماز کے اوقات کی پہچان نہ رہے تو اس میں تامل اور اشکال ہے۔ پس احتیاط ترک نہ کی جائے۔ لیکن اگر دیوانگی کا تعلق عورت سے ہو تو ایسی صورت میں عقد کے فسخ کرنیکا حق ہوگا کہ وہ عقد سے پہلے دیوانگی میں مبتلا ہو اور مرد نہ جانتا ہو۔ لیکن اگر عقد کے بعد دیوانگی میں مبتلا ہو تو عقد فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا اور وہ دیوانگی جس کی وجہ سے انسان کو عقد فسخ کر دینے کا اختیار ہوتا ہے وہ چاہے ہمیشگی ہو یا وقتاً فوقتاً عارض ہوتی ہو دونوں میں کوئی فرق نہیں چاہے عقد دیوانگی سے افاقہ کی حالت میں ہی کیوں نہ واقع ہوا ہو۔ جیسا کہ ظاہراً دائمی نکاح اور متعہ میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

رہ گئے مخصوص عیب، تو تین قسم کے عیب مرد سے مخصوص ہیں۔ ۱: مرد خصی ہو۔ یعنی اس کے بیضتین نکال دیئے گئے ہوں یا ان کو مل دیا گیا ہو۔ چنانچہ اگر عقد سے پہلے ایسا ہو چکا ہو اور عورت نہ جانتی ہو تو اسے عقد فسخ کر دینے کا حق حاصل ہے۔

۲: عضو تناسل کٹا ہوا ہو۔ بشرطیکہ اس مقدار میں بھی باقی نہ ہو جس سے ہمبستری کی جا سکے چاہے "حشفہ" کے برابر ہی سہی۔ چنانچہ اگر عقد سے پہلے ایسا ہو چکا ہو تو عورت عقد کو فسخ کر دے گی۔ لیکن عقد کے بعد یہ حادثہ ہو جائے تو عقد فسخ کرنے میں تامل ہے۔ بلکہ بعید نہیں ہے کہ عقد کے بعد ایسی حالت پیش آنے کی صورت میں مطلق طور پر فسخ عقد کا اختیار نہ ہو خواہ مباشرت سے پہلے یا مباشرت کے بعد۔

۳: مرد عنین ہو۔ عنین ایسی بیماری کا نام ہے جس کے باعث عضو تناسل کمزور پڑ جاتا ہے اور اس میں قدرتناؤ اور سختی پیدا نہیں ہوتی کہ جس سے وہ مباشرت کر سکے۔ پس اگر ایسا شخص مطلق طور پر وطی کرنے سے عاجز ہو تو عورت عقد کو فسخ کر دے۔ لیکن اگر اس عورت کے ساتھ ہمبستری نہ کر سکے مگر کسی دوسری عورت کے ساتھ ہمبستری کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اس صورت میں عورت کو عقد فسخ کر دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اور اس بیماری کی وجہ سے فسخ عقد کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ چاہے عقد سے پہلے کی بیماری ہو یا عقد کے بعد عارض ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس عورت کے ساتھ وطی نہ کی ہو۔ خواہ ایک بار اور "دبر"

بعده، لكن بشرط أن لم يقع منه وطؤها ولو مرة حتى دبراً، فلو وطأها ثم حدثت به العنة بحيث لم يقدر على الوطء بالمرة فلا خيار لها.

و المختص بالمرأة ستة: البرص و الجذام و الافضاء، و قد مر تفسيره فيما سبق، و القرن، و يقال له العفل، وهو لحم أو غدة أو عظم ينبت في فم الرحم يمنع عن الوطء، بل ولو لم يمنع إذا كان موجباً للتنفر و الانقباض على الأظهر، و العرج البيّن و إن لم يبلغ حد الاقعاد، والزمانة على الأظهر، و العمى، و هو ذهاب البصر عن العينين و إن كانتا مفتوحتين، و لا اعتبار بالعور و لا بالعشا، و هي علة في العين لا يبصر في الليل و يبصر بالنهار، ولا بالعمش، و هو ضعف الرؤية مع سيلان الدمع في غالب الأوقات.

مسألة ١ ـ انما يفسخ العقد بعيوب المرأة إذا تبين وجودها قبل العقد، و أما ما يتجدد بعده فلا اعتبار به سواء كان قبل الوطء أو بعده.

مسألة ٢ ـ ليس العقم من العيوب الموجبة للخيار لا من طرف الرجل و لا من طرف المرأة.

مسألة ٣ ـ ليس الجذام و البرص من عيوب الرجل الموجبة لخيار المرأة على الأقوى.

مسألة ٤ ـ خيار الفسخ في كل من الرجل و المرأة على الفور، فلو علم كل منهما بالعيب فلم يبادر بالفسخ لزم العقد، نعم الظاهر أن الجهل بالخيار بل و الفورية عذر، فلا يسقط مع الجهل بأحدهما لو لم يبادر.

مسألة ٥ ـ إذا اختلفا في العيب فالقول قول منكره مع اليمين إن لم تكن لمدعيه بينة، و يثبت بها العيب حتى العنن على الأقوى، كما أنه يثبت كل عيب باقرار صاحبه أو البينة على إقراره، و كذا يثبت باليمين المردودة على المدعي، ولو نكل المنكر عن اليمين و لم يردها ردها الحاكم على المدعي، فان حلف يثبت به، وتثبت العيوب الباطنة للنساء بشهادة أربع نسوة عادلات كما في نظائرها.

مسألة ٦ ـ لو ثبت عنن الرجل فان صبرت فلا كلام، و إن لم تصبر ورفعت

میں ہی کیوں نہ ہو۔

پس اگر اس کے ساتھ مباشرت کرنے کے بعد اس بیماری میں اس طرح مبتلا ہو جائے کہ ایک بار بھی وطی نہ کر سکے تو بھی عورت کو فسخ عقد کا اختیار نہیں ہوگا۔

اور چھ قسم کے عیب عورت سے مخصوص ہیں: برص، جذام اور افضا جس کی تشریح گذر چکی ہے۔ اور قرن جس کو عفل بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد ایسا گوشت، غدود اور ہڈی ہے جو عورت کی رحم کے دہانے میں اُگ آئے اور ہمبستری کرنے میں رکاوٹ پیدا کرے۔ بلکہ چاہے ہمبستری میں رکاوٹ نہ بنے لیکن نفرت اور بددلی کا باعث ہو تو بھی اظہر یہ ہے کہ وہ عیب ہے۔ اور بطور آشکار مفلوج ہونا خواہ اس کی وجہ سے زمین گیر نہ بھی ہو اور بنا بر اظہر کے اقوی کا بیکار ہونا بھی اور نابینا ہونا۔ اس سے مراد آنکھوں سے بینائی کا ختم ہو جانا ہے چاہے آنکھیں کھلی ہی ہوں۔ لیکن ایک آنکھ والی ہونا یا آنکھ کی ایسی بیماری میں مبتلا ہونا جس کی وجہ سے رات میں نہ دیکھ پاتی ہو صرف دن میں دیکھ پاتی ہو۔ اور ایسی بیماری میں مبتلا ہونا جس کی وجہ سے اکثر اوقات آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے ہیں اور بینائی کسی حد تک کمزور ہوتی ہے۔ عیب ہونے کے سلسلہ میں معتبر نہیں۔

مسئلہ ۱: مذکورہ عیوب میں جو عیب عقد سے پہلے عورت میں موجود ہوں صرف ایسے ہی عیبوں کی وجہ سے عقد فسخ کیا جائے گا۔ لیکن جو عیب عقد کے بعد پیدا ہوں ان کا کوئی اعتبار نہیں خواہ وطی سے پہلے یا وطی کے بعد پیدا ہوں۔

مسئلہ ۲: بانجھ ہونا خواہ مرد بانجھ ہو یا عورت، ان عیبوں میں سے نہیں جن کی وجہ سے عقد فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ ۳: اقوی یہ ہے کہ جذام اور برص مرد کے ان عیوب میں نہیں ہیں کہ جن سے عورت کو عقد فسخ کر دینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۴: مرد اور عورت دونوں کے لئے عقد فسخ کر دینے کا اختیار فوری ہے۔ پس عیب کے بارے میں جانتے ہوئے اگر ان میں سے کوئی بھی عقد فسخ کرنے میں جلدی نہ کرے تو عقد لازم ہو جائے گا۔ البتہ ظاہر یہ ہے کہ فسخ عقد کے اختیار کا علم نہ ہو۔ یا اس کے فوری ہونے کے بارے میں جانکاری نہ ہونا عذر سمجھا جائے گا۔ پس لاعلمی کی صورت میں ان دونوں میں سے کسی کا "عقد فسخ کرنے کا اختیار" ساقط نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۵: عیب کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہو جانے کی صورت میں قسم کے ساتھ منکر عیب کی بات مانی جائیگی بشرطیکہ مدعی عیب کے پاس گواہ موجود نہ ہوں۔ اور اقوی یہ ہے کہ گواہوں کے گواہی دینے سے عیب ثابت ہو جاتا ہے حتیٰ نامردی بھی۔ جیسا کہ ہر عیب صاحب عیب کے اقرار یا اس کے اقرار پر گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے اور اسی طرح مدعی پر لوٹائی گئی قسم سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اور اگر منکر قسم کھانے سے اجتناب کرے اور اس کی ذمہ داری مدعی پر بھی نہ ڈالے تو حاکم شرع حلف اٹھانے کی ذمہ داری مدعی پر عائد کرے گا۔ پس مدعی کے حلف اٹھا لینے سے عیب ثابت ہو جائے گا۔ اور عورتوں کے پوشیدہ عیب، چار عادل عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ عورتوں کے سلسلہ میں یہی حکم ہے۔

مسئلہ ۶: کسی شخص کی نامردی ثابت ہو جانے پر اگر عورت صبر کر کے بیٹھ جائے تو اس میں بحث کی گنجائش نہیں لیکن

أمرها إلى حاكم الشرع لاستخلاص نفسها منه أجّلها سنة كاملة من حين المرافعة، فان واقعها أو واقع غيرها في أثناء هذه المدة فلا خيار لها، و إلا كان لها الفسخ فوراً عرفياً، فان لم تبادر به فان كان بسبب جهلها بالخيار أو فوريته لم يضر كما مر، و إلا سقط خيارها، و كذا إن رضيت أن تقيم معه ثم طلبت الفسخ بعد ذلك، فانه ليس لها ذلك.

مسألة ٧ ـ الفسخ بالعيب ليس بطلاق، سواء وقع من الزوج أو الزوجة، فليس له أحكامه إلا تنصيف المهر في الفسخ بالعنن كما يأتي، و لا يعتبر فيه شروطه، فلا يحسب من الثلاثة المحرمة المحتاجة إلى المحلّل، و لا يعتبر فيه الخلو من الحيض و النفاس و لا حضور العدلين.

مسألة ٨ ـ يجوز للرجل الفسخ بعيب المرأة من دون إذن الحاكم، وكذا المرأة بعيب الرجل، نعم مع ثبوت العنن يفتقر الى الحاكم، لكن من جهة ضرب الأجل حيث إنه من وظائفه لا من جهة نفوذ فسخها، فبعد ماضرب الأجل لها كان لها التفرد بالفسخ عند انقضائه و تعذر الوطء في المدة من دون مراجعته.

مسألة ٩ ـ لو فسخ الرجل بأحد عيوب المرأة فان كان قبل الدخول فلا مهر لها، و إن كان بعده استقر عليه المهر المسمى. و كذا الحال فيما إذا فسخت المرأة بعيب الرجل، فتستحق تمام المهر إن كان بعده، و إن كان قبله لم تستحق شيئاً إلا في العنن، فانها تستحق عليه نصف المهر المسمى.

مسألة ١٠ ـ لو دلست المرأة نفسها على الرجل في أحد عيوبها الموجبة للخيار وتبين له بعد الدخول فان اختار البقاء فعليه تمام المهر، و إن اختار الفسخ لم تستحق المهر، و إن دفعه إليها استعاده، و إن كان المدلس غير الزوجة فالمهر المسمى و إن استقر على الزوج بالدخول و استحقت عليه الزوجة إلا أنه بعد ما دفعه إليها يرجع به إلى المدلس و يأخذه منه.

مسألة ١١ ـ يتحقق التدليس بتوصيف المرأة بالصحة عند الزوج للتزويج بحيث صار ذلك سبباً لغروره و انخداعه، فلا يتحقق بالاخبار لا للتزويج أو لغير

اگر صبر نہ کرے بلکہ اپنی جان آزاد کرنے کے لئے قضیہ کو حاکم شرع کے سامنے پیش کرے۔ تو حاکم شرع مقدمہ پیش ہونیکے وقت سے ایک سال تک عورت کو موقعہ دیگا۔ پس اس عرصہ میں اگر مرد اسکے ساتھ یا کسی دوسری عورت کے ساتھ ہمبستری کرے تو اس عورت کو عقد فسخ کرنیکا اختیار نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ ہمبستری نہ کرے تو عورت کو عرفِ عام کے اعتبار سے فوری عقد فسخ کرنیکا حق ہوگا چنانچہ اگر اس نے عقد فسخ کرنے میں جلدی نہ کی۔ اور اسکی وجہ اختیار فسخ یا اسکے فوری ہونے کے سلسلہ میں اسکی لاعلمی رہی تو کوئی نقصان نہیں۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن اگر اسکی وجہ لاعلمی نہ ہو تو فسخ عقد کا اختیار ختم ہو جائیگا۔ یہی حکم وہاں بھی ہے کہ جب پہلے اسکے ساتھ زندگی گذارنے پر راضی ہو جائے لیکن بعد میں فسخ کا مطالبہ کرے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۷: عیب کی وجہ سے عقد توڑ دینا، طلاق نہیں کہلاتا۔ خواہ میاں فسخ کرے یا بیوی اور طلاق کے احکام بھی فسخ پر لاگو نہیں ہوں گے۔ صرف اگر نامردی کی بناء پر فسخ کرے تو مہر نصف ہو جائیگا (جسکا بیان آنیوالا ہے) اور نہ طلاق کی شرطیں اس میں معتبر ہیں۔ اور اسکو ایسی تین طلاقوں میں سے بھی شمار نہیں کیا جائیگا کہ جنکے بعد دوبارہ عقد کے لئے محلّل کی ضرورت ہوتی ہے اور اس میں حیض اور نفاس سے پاک ہونا۔ اور دو عادلوں کا موجود ہونا بھی معتبر نہیں ہے۔

مسئلہ ۸: عورت میں پائے جانیوالے عیب کی وجہ سے حاکم شرع کی اجازت کے بغیر مرد کا عقد کو فسخ کرنا جائز ہے اور اگر مرد میں عیب ہو تو یہی حکم عورت کا بھی ہے۔ البتہ نامردی ثابت ہونیکی صورت میں حاکم شرع کی ضرورت ہے۔ لیکن صرف مدت معین کرنیکے لئے فسخ عقد کیلئے نہیں۔ اس لئے کہ تعیین مدت حاکم شرع کے فرائض میں ہے۔ پس جب حاکم شرع اس کیلئے مدت معین کر دے تو اس مدت کے اختتام پر اور شوہر کے اسکے ساتھ اس عرصہ میں ہمبستری پر قادر نہ ہونیکی صورت میں حاکم شرع کیطرف رجوع کئے بغیر عورت عقد کو فسخ کر سکتی ہے۔

مسئلہ ۹: اگر مرد عورت میں موجود کسی عیب کی وجہ سے عقد فسخ کرے اور اس نے عورت کیساتھ ہمبستری نہ کی ہو تو وہ مہر کی حقدار نہیں ہوگی۔ لیکن اگر ہمبستری کرنے کے بعد فسخ کرے تو مقررہ مہر اسے ادا کرنا پڑے گا۔ اسی طرح جب عورت، مرد میں موجود عیب کی وجہ سے عقد کو فسخ کرے۔ تو ہمبستری کے بعد تمام مہر کی حقدار ہے لیکن ہمبستری سے پہلے مہر کی حقدار نہیں۔ مگر یہ کہ مرد کے نامرد ہونے کی صورت میں عورت آدھے مہر کی مستحق ہے۔

مسئلہ ۱۰: اگر عورت مرد سے کسی ایسے عیب کو چھپائے جو خیار فسخ کا موجب ہو۔ اور ہمبستری کے بعد مرد کو معلوم ہو جائے۔ پس اگر وہ عقد کو باقی رکھنا چاہے تو پورا مہر ادا کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر فسخ کرنا چاہے تو عورت مہر کی حق دار نہیں۔ چنانچہ اگر مرد نے مہر اس کے حوالے کر دیا ہو تو واپس کر لے۔ لیکن اگر عیب زوجہ نے نہ چھپایا ہو بلکہ کسی اور نے تدلیس کی ہو تو عورت پورے مہر کی حقدار ہے۔ چاہے ہمبستری کی وجہ سے وہ مرد کے ذمّہ واجب ہوا ہو اور عورت اس کی حقدار ہوئی ہو۔ لیکن مہر کی رقم عورت کے حوالے کرنے کے بعد وہ دھوکہ دینے کی طرف رجوع کرے گا اور اس سے اپنی رقم وصول کرے گا۔

مسئلہ ۱۱: شادی کے معاملہ میں عورت اگر اپنے آپ کو مرد کے سامنے صحیح و سالم ظاہر کرے اسطرح کہ مرد اسکی باتوں سے دھوکہ کھا جائے تو تدلیس (عیب کو چھپانا) کہا جائیگا۔ لیکن اگر وہ شادی کے معاملہ کے علاوہ اور شوہر کے سوا کسی اور کو اپنے عیب دار ہونے کی خبر دے تو اس پر عیب کا چھپانا صادق نہیں آئیگا۔ اور ظاہراً اگر عورت کو اپنے عیب دار ہونے کا علم ہو اور اسے شوہر پر ظاہر نہ کرے بلکہ خاموش رہے۔ چنانچہ شوہر کو اس کے بے عیب ہونے کا

الزوج، و الظاهر تحققه أيضاً بالسكوت عن العيب مع العلم به و خفائه عن الزوج و اعتقاده بالعدم.

مسألة ١٢ ـ من يكون تدليسه موجباً للرجوع عليه بالمهر هو الذي يسند إليه التزويج: من وليها الشرعي أو العرفي كأبيها وجدها و أمها و أخيها الكبير وعمهاوخالها ممن لا تصدر إلا عن رأيهم و يتصدون تزويجها و يرجع إليهم فيه في العرف و العادة، و مثلهم على الظاهر بعض الأجانب ممن له شدة علاقة و ارتباط بها بحيث لا تصدر إلا عن رأيه، و يكون هو المرجع في أمورها المهمة و يركن اليه فيا يتعلق بها، بل لا يبعد أن يلحق بمن ذكر من يراود عند الطرفين و يعالج في إيجاد وسائل الائتلاف في البين.

مسألة ١٣ ـ كما يتحقق التدليس في العيوب الموجبة للخيار كالجنون و العمى و غيرهما كذلك يتحقق في مطلق النقص كالعور و نحوه باخفائه، و كذا في صفات الكمال كالشرف و الحسب و النسب و الجمال و البكارة و غيرها بتوصيفها بها مع فقدانها، و لا أثر للأول أي التدليس في العيوب الموجبة للخيار إلا رجوع الزوج على المدلس بالمهر كما مرّ، و أما الخيار فانما هو بسبب نفس وجود العيب، و أما الثاني و هو التدليس في سائر أنواع النقص و في صفة الكمال فهو موجب للخيار إذا كان عدم النقص أو وجود صفة الكمال مذكورين في العقد بنحو الاشتراط، و يلحق به توصيفها به في العقد و إن لم يكن بعبارة الاشتراط، كما إذا قال: زوجتك هذه الباكرة أو غير الثيبة، بل الظاهر أنه إذا وصفها بصفة الكمال أو عدم النقص قبل العقد عند الخطبة و المقاولة ثم أوقعه مبنياً على ما ذكر كان بمنزلة الاشتراط، فيوجب الخيار، و إذا تبين ذلك بعد العقد و الدخول و اختار الفسخ و دفع المهر رجع به على المدلس.

مسألة ١٤ ـ ليس من التدليس الموجب للخيار سكوت الزوجة أو وليّها عن النقص مع وجوده و اعتقاد الزوج عدمه في غير العيوب الموجبة للخيار و أولى بذلك سكوتها عن فقد صفة الكمال مع اعتقاد الزوج وجودها.

اطمینان ہو جائے تو بھی عیب کا چھپانا صادق آئے گا۔

مسئلہ ۱۲: عیب کا چھپانا اسی شخص سے مہر کے مطالبہ کا موجب بنتا ہے جس کی طرف نکاح کی نسبت دی جاتی ہے۔ مثلاً عورت کا ولی شرعی جیسے باپ دادا یا ولی عرفی، جیسے اس کی ماں، بڑا بھائی، چچا اور ماموں، کہ جن کی رائے سے اس نے عقد کیا ہو۔ اور وہ لوگ اس کی شادی کے منتظم ہوں، اور عرفِ عام میں اس عورت سے عقد کرنے کے لئے ان سے بات چیت کی جاتی ہو۔ اور ظاہراً بعض غیر لوگ بھی۔ کہ جن کا عورت سے ربط ضبط اچھا ہو اور عورت صرف ان کی رائے کی بناء پر عقد کے لئے تیار ہو جائے۔ اور عورت کے اہم امور کے سلسلہ میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہو۔ اور عورت سے متعلق تمام معاملات میں وہ اعتماد کے قابل ہوں۔ عرفی اولیاً کی مانند ہوتے ہیں۔ بلکہ بعید نہیں ہے کہ وہ شخص بھی ان کے ساتھ ملحق ہو کہ جس کا مرد و عورت دونوں سے رابطہ ہو اور وہ ان کو قریب کرنے کے وسائل فراہم کرے۔

مسئلہ ۱۳: جس طرح خیارِ فسخ کا موجب عیبوں جیسے دیوانگی اور نابینائی وغیرہ کو چھپانے سے "تدلیس" متحقق ہوتی ہے۔ اسی طرح دوسرے تمام عیبوں جیسے، ایک آنکھ والی ہونا وغیرہ کو چھپانے سے بھی "تدلیس" متحقق ہوتی ہے۔ اسی طرح اپنے آپ کو، صفات کمال، جیسے شرافت، حسب، نسب، جمال، بکارت وغیرہ سے متصف ظاہر کرنے سے بھی "تدلیس" متحقق ہوتی ہے جب کہ مذکورہ صفتیں اس میں موجود نہ ہوں۔ اور پہلی صورت کی تدلیس، یعنی خیارِ فسخ کے موجب عیبوں کو چھپانے کا اثر صرف یہ ہے کہ شوہر چھپانے والے سے مہر کا مطالبہ کرے گا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن عقد کو فسخ کر دینے کا اختیار اسی صورت میں ہوگا کہ جب عیب موجود ہو۔ لیکن دوسرے تمام عیبوں اور صفات کمال میں "تدلیس" سے اسی وقت عقد فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا۔ کہ جب کسی عیب کا نہ ہونا اور صفت کمال کا پایا جانا، عقدِ نکاح میں شرط کے طور پر مذکور ہوں۔ اسی کے ساتھ ملحق وہ صورت بھی ہے کہ جب عقد میں عورت کی صفات کمال کا ذکر کیا جائے چاہے بطورِ شرط نہ ہو۔ مثال کے طور پر یوں کہے "میں نے اس باکرہ یا غیر شادی شدہ عورت کو تمہاری زوجیت میں دیا" بلکہ ظاہراً اگر عقد سے پہلے گفتگو کے دوران ایسا ظاہر کرے کہ عورت میں صفاتِ کمال موجود ہیں اور اس میں کوئی عیب نہیں اور پھر اسی کے مطابق عقد پڑھا جائے تو اس چیز کو بمنزلہ شرط قرار دیا جائے گا۔ پس یہ چیز خیارِ فسخ کا موجب ہوگی۔ چنانچہ عقد اور ہمبستری کے بعد جب مرد کو حقیقت معلوم ہو جائے اور وہ عقد فسخ کرنا چاہے تو عورت کو پورا مہر ادا کر کے دھوکہ دینے والے سے اس کا مطالبہ کرے گا۔

مسئلہ ۱۴: ایسے عیوب جو خیارِ فسخ کا موجب نہیں ہوتے ان کے سلسلہ میں اگر عورت اور اس کا ولی سکوت اختیار کریں جب کہ وہ عیب موجود ہوں اور شوہر ان کے نہ ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو یہ ایسی "تدلیس" نہیں جو خیار فسخ حاصل ہونے کا موجب بنتی ہے۔ اور اگر عورت اور اس کا ولی "صفاتِ کمال کے فقدان کے سلسلہ میں سکوت اختیار کریں جبکہ شوہر ان کے موجود ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو یہ سکوت بدرجۂ اولیٰ اس "تدلیس" میں شامل نہیں (جس سے عقد فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ ۱۵: اگر مذکورہ تین وجہوں کی روشنی میں کسی عورت کو باکرہ سمجھ کر اس سے شادی کرے، اور بعد میں

مسألة ١٥ ـ لو تزوج امرأة على أنها بكر بأحد الوجوه الثلاثة المتقدمة فوجدها ثيباً لم يكن له الفسخ إلا إذا ثبت بالاقرار أو البينة سبق ذلك على العقد، فكان له الفسخ، نعم لو تزوجها باعتقاد البكارة و لم يكن اشتراط و لا توصيف و إخبار و بناء على ثبوتها فبان خلافها ليس له الفسخ و إن ثبت زوالها قبل العقد.

مسألة ١٦ ـ لو فسخ في الفرض المتقدم حيث كان له الفسخ فان كان قبل الدخول فلا مهر، و إن كان بعده استقر المهر و رجع به على المدلس، و إن كانت هي المدلس لم تستحق شيئاً، و إن لم يكن تدليس استقر عليه المهر و لا رجوع له على أحد، و إذا اختار البقاء أو لم يكن له الفسخ كما في صورة اعتقاد البكارة من دون اشتراط و توصيف و بناء كان له أن ينقص من مهرها شيئاً، و هو نسبة التفاوت بين مهر مثلها بكراً وثيباً، فاذا كان المهر المسمى مأة وكان مهر مثلها بكراً ثمانين و ثيباً ستين ينقص من المأة ربعها، و الأحوط في صورة العلم بتجدد زوالها أو احتماله التصالح و إن كان التنقيص بما ذكر لا يخلو من وجه.

فصل في المهر

و يقال له: الصداق

مسألة ١ ـ كل ما يملكه المسلم يصح جعله مهراً عيناً كان أو ديناً أو منفعة لعين مملوكة من دار أو عقار أو حيوان، و يصح جعله من منفعة الحر كتعليم صنعة و نحوه من كل عمل محلل، بل الظاهر صحة جعله حقاً مالياً قابلاً للنقل و الانتقال كحق التحجير و نحوه، و لا يتقدر بقدر، بل ما تراضى عليه الزوجان كثيراً كان أو قليلاً ما لم يخرج بسبب القلة عن المالية، نعم يستحب في جانب الكثرة أن لا يزيد على مهر السنة، و هو خمسمأة درهم.

مسألة ٢ ـ لو جعل المهر ما لا يملكه المسلم كالخمر و الخنزير صح العقد و بطل المهر، فلم تملك شيئاً بالعقد، و انما تستحق مهر المثل بالدخول نعم فيما إذا

معلوم ہو کہ وہ باکرہ نہیں ہے تو اُسے عقد فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ مگر یہ کہ عورت کے اقرار یا گواہوں کے ذریعہ ثابت ہو جائے کہ عقد سے پہلے اس کی بکارت زائل ہو چکی تھی۔ تو اسے عقد فسخ کر دینے کا حق ہوگا۔ البتہ اگر عورت کے باکرہ ہونے کا اطمینان رکھتے ہوئے اس سے شادی کرے۔ اور شرط بھی نہ رکھے اور نہ کسی نے اس کو عورت کا وصف قرار دیا ہو۔ نہ عورت نے خبر دی ہو اور نہ عقد کی بناء بکارت کے ثابت ہونے پر رکھی گئی ہو۔ پس عقد کے بعد پتہ چلے کہ عورت باکرہ نہیں تو عقد فسخ کر دینے کا حق نہیں رکھتا چاہے یہ ثابت ہو جائے کہ عقد سے پہلے ہی بکارت زائل ہو چکی تھی۔

مسئلہ ۱۶: اگر مذکورہ فرض میں، جہاں اسے عقد فسخ کر دینے کا حق ہو، عقد کو فسخ کر دے۔ تو ہمبستری سے پہلے فسخ کر دینے کی صورت میں مہر نہیں ہے۔ لیکن ہمبستری کے بعد فسخ کرنیکی صورت میں مہر دینا پڑے گا اور اس کے بعد وہ مدلّس (دھوکہ دینے والے) سے مہر کی رقم کا مطالبہ کریگا۔ چنانچہ اگر خود عورت نے دھوکہ دیا ہو تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر دھوکہ نہ ہو تو مہر کی ادائیگی اس پر واجب ہوگی اور کسی سے واپس لینے کا حق دار بھی نہیں ہوگا۔ لیکن اگر مرد نکاح کو باقی رکھنا چاہے۔ یا اسے فسخ کرنے کا حق نہ ہو جیسا کہ شرط، توصیف اور بکارت پر عقد کی بناء رکھنے کے بجائے صرف بکارت کے اطمینان پر عقد کرنیکی صورت میں ہے۔ تو مرد کو حق حاصل ہے کہ مہر کی کچھ مقدار گھٹا کر دے چنانچہ باکرہ اور غیر باکرہ کے مہر مثل میں جو فرق کی نسبت ہوتی ہے اسی مقدار میں گھٹائے۔ پس اگر معین شدہ مہر سو روپے ہو اور باکرہ ہونیکی صورتیں اس جیسی عورتوں کا مہر اسّی روپے اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں ساٹھ روپے تو سو روپے میں سے ایک چوتھائی یعنی پچیس روپے کم کر دے۔ اور اگر اسکو علم ہو یا احتمال دیتا ہو کہ بکارت نئی نئی زائل ہوئی ہے تو احتیاط یہ ہے کہ آپس میں مصالحت کریں۔ اگرچہ بیان کی گئی شکل میں کم کر لینا بلاوجہ نہیں ہوگا۔

مہر کے احکام

مہر کو "صداق" کہتے ہیں:

مسئلہ ۱: مسلمان کا اپنی ملکیت کی کسی بھی چیز کو مہر قرار دینا صحیح ہے۔ چاہے وہ چیز خارج میں موجود ہو یا کسی کے ذمہ قرض ہو، یا اس کی مملوکہ کسی چیز جیسے مکان کھیتی یا حیوان سے حاصل ہونے والا نفع ہو۔ اور کسی آزاد انسان کی منفعت کو مہر کے طور پر مقرر کرنا صحیح ہے۔ جیسے صنعت و حرفت سکھانا وغیرہ اور ہر حلال کاروبار کی تعلیم دینا۔ بلکہ ظاہراً وہ حق مالی جو نقل و انتقال کے قابل ہو اسے بھی مہر کے طور پر معین کرنا صحیح ہے۔ جیسے حق تحجیر وغیرہ۔ مہر کی مقدار معین نہیں ہے۔ بلکہ جس مقدار پر میاں بیوی راضی ہو جائیں چاہے کم ہو یا زیادہ لیکن وہ مقدار اتنی کم نہ ہو کہ مالیت سے خارج ہو جائے۔ البتہ زیادہ میں مستحب یہ ہے کہ سنتی مہر سے زیادہ نہ ہو، اور وہ پانچ سو درہم ہیں۔

مسئلہ ۲: اگر ایسی چیز کو مہر کے طور پر معین کرے کہ مسلمان جس کا مالک نہیں ہوتا جیسے شراب اور خنزیر۔ تو عقد صحیح اور مہر باطل ہے۔ چنانچہ عقد کے ذریعہ عورت کسی چیز کی مالک نہیں ہوگی البتہ ہمبستری کے بعد مہر مثل کی مقدار

كان الزوج غير مسلم تفصيل.

مسألة ٣ ـ لابد من تعيين المهر بما يخرج عن الابهام، فلو أمهرها أحد هذين أو خياطة أحد الثوبين مثلاً بطل المهر دون العقد، و كان لها مع الدخول مهر المثل. نعم لا يعتبر فيه التعيين الذي يعتبر في البيع و نحوه من المعاوضات، فيكفي مشاهدة الحاضر و إن جهل كيله او وزنه أو عدّه أو ذرعه كصبرة من الطعام و قطعة من الذهب وطاقة مشاهدة من الثوب و صبرة حاضرة من الجوز و أمثال ذلك.

مسألة ٤ ـ ذكر المهر ليس شرطاً في صحة العقد الدائم، فلو عقد عليها و لم يذكر لها مهراً أصلاً صح العقد، بل لو صرح بعدم المهر صح، ويقال لذلك أي لايقاع العقد بلامهر: تفويض البضع، و للمرأة التي لم يذكر في عقدها مهر: مفوضة البضع.

مسألة ٥ ـ لو وقع العقد بلا مهر لم تستحق المرأة قبل الدخول شيئاً إلا إذا طلقها، فتستحق عليه أن يعطيها شيئاً بحسب حاله من الغنى و الفقر و اليسار والاعسار من دينار أو درهم أو ثوب أو دابة أو غيرها، و يقال لذلك الشيء: المتعة، ولو انفسخ العقد قبل الدخول بأمر غير الطلاق لم تستحق شيئاً، و كذا لو مات أحدهما قبله، و أما لو دخل بها استحقت عليه بسببه مهر أمثالها.

مسألة ٦ ـ الأحوط في مهر المثل هنا التصالح فيما زاد عن مهر السنة، و في غير المورد مما نحكم بمهر المثل ملاحظة حال المرأة و صفاتها من السن والبكارة و النجابة و العفة و العقل و الأدب و الشرف و الجمال و الكمال و أضدادها، بل يلاحظ كل ما له دخل في العرف و العادة في ارتفاع المهر و نقصانه، فتلاحظ أقاربها و عشيرتها و بلدها و غير ذلك أيضاً.

مسألة ٧ ـ لو أمهر ما لا يملكه أحد كالحر أو ما لا يملكه المسلم كالخمر والخنزير صح العقد و بطل المهر و استحقت عليه مهر المثل بالدخول، و كذلك الحال فيما إذا جعل المهر شيئاً باعتقاد كونه خلاً فبان خمراً أو جعل مال الغير باعتقاد كونه ما له فبان خلافه.

ہوگی۔ لیکن اگر شوہر مسلمان نہ ہو تو اس میں تفصیل ہے۔

مسئلہ ۳: مہر کو اس طرح معین کرنا لازمی ہے کہ اس میں کوئی ابہام نہ رہ جائے۔ پس مثال کے طور پر اگر دو چیزوں میں سے ایک، یا دو کپڑوں میں سے ایک کی سلائی کو مہر کے عنوان سے مقرر کرے تو عقد صحیح ہوگا۔ لیکن مہر باطل ہوگا۔ لہٰذا ہمبستری کے بعد عورت مہر مثل کی حقدار بن جائے گی۔ البتہ مہر میں اتنی دقت معتبر نہیں کہ جیسی خرید و فروخت وغیرہ جیسے معاملات میں ہوتی ہے۔

پس موجودہ چیز کو دیکھ لینا ہی کافی ہے۔ چاہے اس کی ناپ، تول، عدد اور گز کی مقدار معلوم نہ ہو۔ جیسے ایک بوری گیہوں، سونے کا ایک ٹکڑا۔ دیکھے ہوئے کپڑے کا ایک تھان، اور نظروں کے سامنے موجود اخروٹ کی ایک بوری وغیرہ۔

مسئلہ ۴: دائمی عقد میں ذکر مہر، عقد کے صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے۔ پس کسی عورت کے ساتھ عقد کرنے میں اگر سرے سے مہر کا ذکر بھی نہ کرے تو عقد صحیح ہے۔ بلکہ اگر مہر نہ ہونے کی تصریح بھی کر دے جب بھی عقد صحیح اور اس قسم، یعنی مہر کا ذکر کئے بغیر عقد واقع کرنے کو "تفویض بضع" کہتے ہیں۔ اور جس عورت کے عقد میں مہر کا ذکر نہ کیا گیا ہو اسے مفوضۃ البضع کہا جاتا ہے۔

مسئلہ ۵: جب مہر کے بغیر عقد ہو جائے تو عورت ہمبستری سے پہلے کسی چیز کی حقدار نہیں۔ لیکن اگر شوہر اسے طلاق دے، تو اس کا شوہر پر حق ہے کہ وہ اپنی امیری غریبی تنگدستی اور کشادہ دستی کے پیش نظر کچھ نہ کچھ عورت کو دے، جیسے، دینار، درہم، کپڑا، جانور یا ان کے علاوہ کوئی اور چیز، اور اس چیز کو "متعہ" کہا جاتا ہے۔ اور اگر دخول سے پہلے طلاق کے علاوہ کسی اور وجہ سے عقد ٹوٹ جائے تو عورت کسی چیز کی حقدار نہیں۔ اسی طرح اگر ہمبستری سے پہلے ان میں سے کوئی ایک مر جائے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ ہمبستری کرے تو اس کی وجہ سے شوہر پر اسے اس جیسی عورتوں کے مثل مہر ادا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ ۶: اس مقام پر اگر مہر مثل، سنتی مہر سے زیادہ ہو تو احتیاط یہ ہے کہ آپس میں مصالحت کر لیں۔ اور اس کے علاوہ دوسرے موارد میں کہ جہاں ہم مہر مثل ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں ان میں عورت کی حیثیت دو قمت اور عمر، بکارت، نجابت، عفت و پاکدامنی، عقل، تہذیب و شرافت اور جمال و کمال اور ان کے مخالف صفتوں کا لحاظ رکھا جائے گا۔ بلکہ ہر ایسی چیز کا لحاظ رکھا جائے گا جس کی وجہ سے عرف عام میں اتار چڑھاؤ واقع ہوتا ہے۔ اور اس کے اقربا، خاندان و قبیلے وغیرہ اور شہر والوں کا بھی لحاظ کیا جائے گا۔

مسئلہ ۷: جب ایسی چیز مہر میں رکھے۔ جس کا کوئی مالک نہیں ہوتا، جیسے آزاد انسان، یا جس چیز کا مسلمان مالک نہیں بن سکتا۔ جیسے شراب و سور وغیرہ تو عقد صحیح اور مہر باطل ہے۔ اور عورت ہمبستری کے بعد شوہر سے مہر مثل وصول کرنے کی حقدار ہوگی۔

اور یہی حکم وہاں بھی ہے کہ جہاں کسی چیز کو مہر میں رکھے یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ سرکہ ہے اور بعد میں پتہ چلے کہ وہ شراب ہے۔ یا یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ اپنا مال ہے۔ لیکن وہ دوسرے کا مال ظاہر ہو۔

مسألة ٨ ـ لو شرّك أباها في المهر بأن سمى لها مهراً ولأبيها شيئاً معيناً يعين ما سمى لها مهراً لها و سقط ما سمى لأبيها، فلا يستحق الأب شيئاً.

مسألة ٩ ـ ما تعارف في بعض البلاد من أنه يأخذ بعض أقارب البنت كأبيها و أمها من الزوج شيئاً ـ و هو المسمى في لسان بعض بـ«شيربها» و في لسان بعض آخر بشيء آخر ـ ليس بعنوان المهر و جزء منه، بل هو شيء يؤخذ زائداً على المهر، و حكمه أنه إن كان إعطاؤه و أخذه بعنوان الجعالة لعمل مباح فلا إشكال في جوازه و حليته، بل وفي استحقاق العامل له و عدم سلطنة الزوج على استرجاعه بعد إعطائه، و إن لم يكن بعنوان الجعالة فان كان إعطاء الزوج للقريب بطيب نفس منه و إن كان لأجل جلب خاطره و تحبيبه و إرضائه حيث إن رضاه في نفسه مقصود أو من جهة أن رضا البنت منوط برضاه فبملاحظة هذه الجهات يطيب خاطر الزوج ببذل المال فالظاهر جواز أخذه، لكن يجوز للزوج استرجاعه مادام موجوداً، و أما مع عدم الرضا من الزوج و انما أعطاه من جهة استخلاص البنت حيث إن القريب مانع عن تمشية الأمر مع رضاها بالتزويج بما بذل لها من المهر فيحرم أخذه و أكله، و يجوز للزوج الرجوع فيه و إن كان تالفاً.

مسألة ١٠ ـ لو وقع العقد بلا مهر جاز أن يتراضيا بعده على شيء سواء كان بقدر مهر المثل أو أقل منه أو أكثر، و يتعين ذلك مهراً و كان كالمذكور في العقد.

مسألة ١١ ـ يجوز أن يجعل المهر كله حالاً ـ أي بلا أجل ـ و مؤجلاً و أن يجعل بعضه حالاً و بعضه مؤجلاً، و للزوجة مطالبة الحال في كل حال بشرط مقدرة الزوج و اليسار، بل لها أن تمتنع من التمكين و تسليم نفسها حتى تقبض مهرها الحال، سواء كان الزوج موسراً أو معسراً، نعم ليس لها الامتناع فيما لو كان كله أو بعضه مؤجلاً و قد أخذت بعضه الحال.

مسألة ١٢ ـ يجوز أن يذكر المهر في العقد في الجملة و يفوض تقديره و تعيينه إلى أحد الزوجين بأن تقول الزوجة مثلاً: «زوجتك على ما تحكم ـ أو أحكم ـ من

مسئلہ ۸: اگر مہر میں سُسر کو بھی شریک کرے۔ اس طرح کہ مہر معین کرتے وقت کوئی چیز سُسر کے لئے معین کرے۔ تو جو چیز عورت کے لئے معین کی گئی ہے وہ مہر کہلائے گی۔ اور جو سُسر کے لئے معین کی ہو وہ ساقط ہو جائے گی پس سُسر کسی چیز کا حقدار نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۹: بعض شہروں میں یہ رواج ہے کہ لڑکی کے بعض رشتہ دار جیسے ماں، باپ، شوہر سے کچھ لیتے ہیں جسے بعض لوگ (شیربہا) کہتے ہیں اور بعض کوئی دوسرا نام دیتے ہیں۔ جو نہ مہر کے عنوان میں داخل ہے اور نہ اسکا جزء ہے بلکہ وہ مہر سے زائد کوئی چیز ہوتی ہے جو شوہر سے لی جاتی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر کا دینا اور ان لوگوں کا وصول کرنا کسی مباح کام کی اُجرت کے طور پر ہو تو اس کے جائز اور حلال ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ بلکہ "عامل" کا اس کے مستحق ہونے اور شوہر کا دے دینے کے بعد واپس لینے کا حقدار نہ ہونے میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر اُجرت کے عنوان سے نہ ہو۔ اور شوہر اپنی مرضی سے کسی قریبی رشتہ دار کو دے اور اس کا مقصد اس کی مرضی اور توجہ کو جلب کرنا ہو، جبکہ یا تو بذاتِ خود اس کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہو۔ یا اس اعتبار سے کہ لڑکی کی مرضی اس کی مرضی پر منحصر ہو۔ اور ان جہتوں کے پیش نظر شوہر اپنی خوشی سے مال خرچ کرے تو ظاہراً اس کا لینا جائز ہے۔

لیکن جب تک وہ مال موجود ہے شوہر کے لئے اس کو واپس لے لینا جائز ہے۔ اور اگر شوہر راضی نہ ہو۔ لیکن صرف اس بناء پر کچھ دے لڑکی کی جان چھوٹ جائے۔ چونکہ وہ قریبی رشتہ دار کام کی راہ میں رکاوٹ ہو جب کہ لڑکی صرف مہر کے عوض نکاح کرنے پر راضی ہو۔ تو اس کا وصول کرنا اور کھانا حرام ہے۔ اور شوہر کے لئے اس کو واپس کر لینا جائز ہے چاہے وہ چیز ضائع ہو چکی ہو۔

مسئلہ ۱۰: اگر عقد بغیر مہر کے واقع ہو تو عقد کے بعد دونوں کا مہر مثل کے برابر یا اس سے کم یا زیادہ، مقدار پر راضی ہو جانا جائز ہے۔ اور اسی مقدار کو مہر قرار دیا جائے گا اور وہ عقد میں معین کئے جاتے والے مہر کی مانند ہوگا۔

مسئلہ ۱۱: مہر کو نقدی اور مدت دار دونوں طریقہ سے مقرر کرنا جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کچھ مقدار نقد ہو اور باقی کی مدت معین کر دی جائے۔ اور زوجہ کو نقد مہر کا مطالبہ کرنے کا ہر حال میں حق حاصل ہے۔ بشرطیکہ شوہر خوش حال ہو اور ادا کرنے پر قادر ہو۔ بلکہ زوجہ کو حق حاصل ہے کہ فوری نوعیت کے مہر میں، مہر وصول کرنے سے پہلے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے سے انکار کر دے خواہ شوہر تنگ دست ہو یا کشادہ دست۔ البتہ اگر تمام مہر مؤجل (مدت دار) ہو یا اس کی کچھ مقدار مؤجل ہو۔ اور جتنی مقدار میں فوری ادا کرنا ہے اتنا اس نے وصول کر لیا ہو تو ایسی صورت میں اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے سے انکار نہیں کر سکتی۔

مسئلہ ۱۲: عقد میں اجمالی طور پر مہر کا ذکر کرنا اور اس کی مقدار کی تعیین کو میاں بیوی میں سے کسی ایک پر چھوڑ دینا جائز ہے۔ مثال کے طور پر زوجہ کہے "آپ کی مرضی یا میری مرضی کے مہر پر میں نے آپ کو اپنی زوجیت میں دیا" اس کے جواب میں شوہر کہے "میں نے قبول کیا" پس اگر مہر کے سلسلہ میں حکم لگانے کا اختیار شوہر کو حاصل ہو تو چاہے جتنا

المهر» فقال: «قبلت» فان كان الحاكم الزوج جاز أن يحكم بما شاء ولم يتقدر في الكثرة و القلة مادام متمولاً، و إن كان الزوجة كان لها الحكم في طرف القلة بما شاءت مادام متمولاً، و أما في طرف الكثرة فلا يمضى حكمها في مازاد على مهر السنة، و هو خمسمائة درهم.

مسألة ١٣ ـ لو طلق قبل الدخول سقط نصف المهر المسمى و بقي نصفه، فان كان ديناً عليه و لم يكن قد دفعه برأت ذمته من النصف، و إن كان عيناً صارت مشتركة بينه و بينها، ولو كان دفعه إليها استعاد نصفه إن كان باقياً، و إن كان تالفاً استعاد نصف مثله إن كان مثلياً، و نصف قيمته إن كان قيمياً، و في حكم التلف نقله إلى الغير بناقل لازم، و مع النقل الجائز فالأحوط الرجوع و دفع نصف العين إن طالبها الزوج.

مسألة ١٤ ـ لو مات أحد الزوجين قبل الدخول فالأقوى تنصيف المهر كالطلاق خصوصاً في موت المرأة، والأحوط الأولى التصالح خصوصاً في موت الرجل.

مسألة ١٥ ـ تملك المرأة الصداق بنفس العقد و تستقر ملكية تمامه بالدخول فان طلقها قبله عاد إليه النصف و بقي لها النصف، فلها التصرف فيه بعد العقد بأنواعه، و بعد ما طلقها قبل الدخول كان له نصف ما وقع عليه العقد و لا يستحق من النماء السابق المنفصل شيئاً.

مسألة ١٦ ـ لو أبرأته من الصداق الذي كان عليه ثم طلقها قبل الدخول رجع بنصفه عليها، و كذا لو كان الصداق عيناً فوهبته إياها رجع بنصف مثلها إليها أوقيمة نصفها.

مسألة ١٧ ـ الدخول الذي يستقر به تمام المهر هو مطلق الوطء ولو دبراً، و إذا اختلف الزوجان بعد ما طلقها فادعت وقوع المواقعة و أنكرها فالقول قوله بيمينه، و له أن يدفع اليمين عن نفسه بإقامة البينة على العدم إن أمكن، كما إذا ادعت المواقعة قبلاً و كانت بكراً وعنده بينة على بقاء بكارتها.

مسألة ١٨ ـ لو اختلفا في أصل المهر فادعت الزوجة وأنكر الزوج فان كان

معین کرے، زیادہ ہو یا کم۔ بشرطیکہ مالیت سے خارج نہ ہو۔

لیکن اگر بیوی کو مہر معین کرنے کا حق حاصل ہو تو وہ کم ہونے کے اعتبار سے جتنا چاہے معین کرے بشرطیکہ مالیت سے خارج نہ ہو لیکن زیادہ ہونے کے اعتبار سے سنتی مہر سے زیادہ میں اس کا حکم جاری نہیں ہوگا اور سنتی مہر پانچ سو درہم کے برابر ہے۔

مسئلہ ۱۳: ہمبستری سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں جتنا مہر معین ہوا ہے اس کا نصف ساقط ہو جاتا ہے اور نصف واجب الادا رہتا ہے۔ پس اگر مہر شوہر کے ذمہ قرض ہو اور اس نے ادا نہ کیا ہو تو وہ آدھے مہر سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی چیز ہو تو وہ میاں بیوی کی مشترکہ ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر وہ سارا مہر پہلے ہی ادا کر چکا ہو تو آدھا واپس لے گا۔ اگر وہ بیوی کے پاس موجود ہو۔ اور اگر وہ باقی نہ ہو بلکہ ضائع ہو گیا ہو۔ تو اس نصف کا مثل ممکن ہونے کی صورت میں واپس لے گا۔ اور اگر وہ ایسی چیزوں میں سے جن کا مثل نہیں ہوتا۔ تو اس کی قیمت کا نصف واپس لے گا۔ اور اس چیز کو کسی ناقل لازم (یعنی خرید و فروخت وغیرہ) کے ذریعہ دوسرے تک منتقل کر دینے کا حکم وہی ہے جو ضائع ہو جانے کا حکم ہے۔ لیکن اگر ناقل جائز (جیسے ہبہ وغیرہ) کے ذریعہ منتقل کیا ہو تو احتیاط یہ ہے کہ اس چیز کو واپس لے لے۔ اور شوہر کے مطالبہ کرنے پر اس کا نصف اس کے حوالے کر دے۔

مسئلہ ۱۴: اگر ہمبستری سے پہلے میاں بیوی میں سے کوئی ایک مر جائے تو اقویٰ یہ ہے کہ طلاق کی مانند اس میں بھی مہر نصف ہو جائے گا خاص طور سے اگر عورت کی موت واقع ہو جائے۔ اور احتیاط اور بہتر یہ ہے کہ آپس میں مصالحت کر لیں خاص طور سے جب مرد مر جائے۔

مسئلہ ۱۵: عورت عقد کے ذریعہ مہر کی مالک ہو جاتی ہے۔ اور مکمل ملکیت اس کو ہمبستری کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ پس اگر ہمبستری سے پہلے اس کو طلاق دیدے، تو آدھا مہر شوہر کو واپس مل جائے گا آدھا اس کے پاس باقی رہے گا۔ چنانچہ عقد کے بعد وہ مہر میں ہر طرح کا تصرف کر سکتی ہے۔ اور ہمبستری سے پہلے اگر اس کو طلاق دے دے تو جتنا مہر عقد کے وقت مقرر ہوا ہے اسی کا آدھا شوہر کو واپس ہوگا۔ الگ سے حاصل شدہ سابقہ فوائد میں سے اس کو کچھ نہیں ملے گا۔

مسئلہ ۱۶: اگر عورت مرد کو اسکے ذمہ واجب الادا مہر کی ادائگی سے بری کر دے اور اس کے بعد ہمبستری سے پہلے مرد اسے طلاق دیدے تو وہ مطلقہ بیوی سے آدھے مہر کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی چیز کی شکل میں ہو۔ اور بیوی وہ چیز اس کو ہبہ کر دے تو مرد اس جیسی چیز کے نصف یا اس کی قیمت کا بیوی سے مطالبہ کر سکتا ہے۔

مسئلہ ۱۷: وہ "دخول" کہ جس سے پورا مہر مرد کے ذمہ واجب الادا ہو جاتا ہے اس سے مراد مطلق "دخول" ہے چاہے "دبر" میں ہی کیوں نہ ہو۔ اور مرد کے طلاق دینے کے بعد اگر میاں بیوی کے درمیان (دخول کے سلسلہ میں) اختلاف ہو جائے عورت دخول ہو جانے کی دعویدار ہو جبکہ مرد اسکا منکر ہو تو قسم کے بعد مرد کی بات مانی جائیگی اور اگر ممکن ہو تو وہ دخول واقع نہ ہو نیز گواہ پیش کر کے قسم کو ٹال بھی سکتا ہے جیسا کہ عورت اس بات کی دعویدار ہو کہ ہمبستری ہوئی ہے حالانکہ وہ باکرہ ہو اور مرد کے پاس اسکی بکارت کے باقی ہونے پر گواہ موجود ہوں۔

مسئلہ ۱۸: اگر اصل مہر کے سلسلہ میں اختلاف ہو جائے۔ عورت مہر کا دعویٰ کرے اور مرد اسکا منکر ہو اور یہ اختلاف "دخول" سے

قبل الدخول فالقول قوله بيمينه، و إن كان بعده كلفت بالتعيين بل لا يبعد عدم سماع الدعوى منها ما لم تفسر، و لا يسمع منها مجرد قولها لي عليه المهر ما لم تبيّن المقدار، فان فسرت و عينت بما لا يزيد على مهر المثل حكم لها عليه بما تدعيه، و لا يسمع منه إنكار أصل المهر، نعم لو ادعى سقوطه إما بالأداء أو الابراء يسمع منه، فان أقام البينة عليه ثبت مدعاه، و إلا فله عليها اليمين، فان حلفت على نفي الأداء أو الابراء تثبت دعواها و إن ردته على الزوج فحلف سقط دعواها، و إن نكل تثبت، و إن نكلت ردها الحاكم على الزوج، فان حلف تسقط دعواها، و إن نكل تثبت، هذا إذا كان ما تدعيه بمقدار مهر المثل أو أقلّ، و إن كان أكثر كان عليها الاثبات، و إلا فلها على الزوج اليمين.

مسألة ١٩ ـ لو توافقا على أصل المهر و اختلفا في مقداره كان القول قول الزوج بيمينه إلا إذا أثبتت الزوجة بالموازين الشرعية، و كذا إذا ادعت كون عين من الأعيان كدار أو بستان مهراً لها و أنكر الزوج، فان القول قوله بيمينه، وعليها البينة.

مسألة ٢٠ ـ لو اختلفا في التعجيل و التأجيل فقالت: إنه معجل و قال: بل مؤجل و لم يكن بينة كان القول قولها بيمينها، و كذا لو اختلفا في زيادة الأجل كما اذا ادعت أنه سنة و قال: إنه سنتان.

مسألة ٢١ ـ لو توافقا على المهر و ادعى تسليمه و لا بينة فالقول قولها بيمينها.

مسألة ٢٢ ـ لو دفع إليها قدر مهرها ثم اختلفا بعد ذلك فقالت: دفعته هبة و قال: بل دفعته صداقاً فلا يبعد التداعي، و تحتاج المسألة إلى زيادة تأمل.

مسألة ٢٣ ـ لو زوّج ولده الصغير فان كان للولد مال فالمهر على الولد، و إن لم يكن له مال فالمهر على عهدة الوالد، فلو مات الوالد أخرج المهر من أصل تركته، سواء بلغ الولد و أيسر أم لا، نعم لو تبرأ من ضمان العهدة في ضمن العقد برأ منه.

مسألة ٢٤ ـ لو دفع الوالد المهر الذي كان عليه من جهة إعسار الولد ثم بلغ الصبي فطلق قبل الدخول استعاد الولد نصف المهر و كان له دون الوالد.

پہلے ہو تو قسم کے بعد مرد کی بات مانی جائیگی۔ لیکن اگر دخول کے بعد دعویٰ کرے تو عورت اس کے معین کرنیکی ذمہ دار ہوگی۔ بلکہ جبتک وہ وضاحت نہ کرے بعید نہیں جبتک اسکا دعویٰ قابلِ سماعت نہ ہو۔ چنانچہ عورت کا صرف اتنا کہہ دینا کہ میرا مہر اسکے ذمہ ہے اور مقدار کو بیان نہ کرنا قابلِ قبول نہیں۔ پس اگر عورت وضاحت کرے اور مہر مثل سے زیادہ نہ ہو۔ تو مرد کو حکم دیا جائیگا کہ اسکے دعوے کے بمقدار مہر ادا کرے۔ اور اصل مہر کے سلسلہ میں مرد کا انکار قابلِ سماعت نہیں ہوگا۔ البتہ اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ اُسنے مہر ادا کردیا ہے یا عورت نے اسکو بَری کردیا ہے پس اسکے ذمہ مہر نہیں۔ تو یہ دعویٰ سنا جائیگا۔ اور اسپر گواہ پیش کردینے کی صورت میں اسکا دعویٰ ثابت ہوجائیگا۔ لیکن اگر گواہ نہ رکھتا ہو تو اسکو حق پہنچتا ہے کہ وہ عورت کو قسم کھانے کیلئے کہے۔ چنانچہ اگر وہ اس بات پر حلف اٹھائے کہ اس نے مہر ادا نہیں کیا ہے یا اس نے اسکو معاف نہیں کیا تو عورت کا دعویٰ ثابت ہوجائیگا۔ اور اگر وہ مرد کو حلف اٹھانے کیلئے کہے اور مرد حلف اٹھائے تو عورت کا دعویٰ ساقط ہوجائیگا لیکن اگر وہ حلف اٹھانے سے انکار کرے تو عورت کا دعویٰ ثابت ہوجائیگا۔ اور اگر عورت قسم کھانے سے اجتناب کرے تو حاکم شرع مرد سے کہے گا کہ وہ قسم کھائے۔ پس اگر مرد حلف اٹھائے تو عورت کا دعویٰ ساقط ہوجائیگا۔ اور اگر مرد قسم کھانے سے اجتناب کرے تو اسکا دعویٰ ثابت ہوجائیگا۔ یہ تب ہے کہ جب عورت مہر مثل یا اس سے کم کی دعویدار ہو۔ لیکن اگر اسکا دعویٰ مہر مثل سے زیادہ کا ہو تو اسکو ثابت کرنا پڑے گا۔ اور گواہ نہ ہونیکی صورت میں اسکو یہ حق پہونچتا ہے کہ وہ مرد کو قسم کھانے کے لئے کہے۔

مسئلہ ۱۹: اگر اصل مہر میں متفق ہوں لیکن مقدار میں اختلاف ہو تو قسم کے بعد شوہر کی بات مانی جائیگی۔ مگر یہ کہ شرعی قوانین کے مطابق زوجہ اپنا دعویٰ ثابت کردے۔ اور اسی طرح جب عورت کا دعویٰ ہو کہ اشیائے خارجی میں سے کوئی ایک چیز، مثلاً مکان یا باغ اس کے مہر میں ہے اور شوہر اس کا منکر ہو۔ تو اس صورت میں بھی قسم کے بعد شوہر کی بات قابلِ قبول ہوگی۔ اور عورت کو اپنی بات ثابت کرنے کے لئے گواہ پیش کرنا ہوں گے۔

مسئلہ ۲۰: اگر مہر کے فوری ہونے اور مدت دار ہونے میں اختلاف ہوجائے۔ عورت کا دعویٰ ہو کہ فوری ہے۔ اور مرد کا کہنا ہو کہ فوری نہیں بلکہ "مدت دار" ہے۔ اور گواہ بھی نہ ہوں تو قسم کے ساتھ عورت کی بات مانی جائے گی۔ اسی طرح جب مدت کے زیادہ ہونے میں اختلاف ہو۔ مثلاً عورت کہے کہ مدت ایک سال ہے جبکہ مرد کا کہنا ہو کہ دو سال ہے۔

مسئلہ ۲۱: مہر پر دونوں کے متفق ہونے کے بعد اگر مرد یہ دعویٰ کرے کہ اس نے مہر ادا کردیا ہے۔ لیکن گواہ نہ رکھتا ہو تو قسم کے بعد عورت کی بات مانی جائے گی۔

مسئلہ ۲۲: اگر مہر کی مقدار کے برابر رقم عورت کے حوالے کردے۔ اسکے بعد اختلاف ہوجائے۔ عورت کا کوئی دعویٰ ہو کہ تونے بخشش کی ہے۔ جبکہ مرد کا کہنا ہو کہ بخشش نہیں بلکہ مہر ادا کیا ہے۔ تو بعید نہیں ہے کہ یہاں دو دعوے ہوجائیں بہر حال مسئلہ میں زیادہ غور و فکر کی ضرورت ہے۔

مسئلہ ۲۳: اگر اپنے نابالغ بیٹے کی شادی کرے اور بیٹا مال دار بھی ہو تو مہر بیٹے کے ذمہ ہوگا۔ لیکن اگر بیٹا مال دار نہ ہو مہر باپ کے ذمہ ہوگا۔ لہٰذا باپ کے مرجانے کی صورت میں اس کے اصل ترکہ سے مہر الگ کیا جائیگا۔ خواہ بیٹا بالغ ہوگیا ہو، اور ثروت مند ہو یا نہ ہو۔ البتہ اگر وہ عقد کے ضمن میں مہر کا ضامن ہونے سے بَری ہوگیا ہو تو وہ اس سے بَری ہوگا۔

مسئلہ ۲۴: بیٹے کے تنگدست ہونیکی وجہ سے باپ مہر ادا کردے جو اس پر واجب ہوگیا تھا اسکے بعد بیٹا بالغ ہوجائے اور دخول سے پہلے بیوی کو طلاق دیدے تو بیٹا آدھا مہر واپس لے گا اور وہ باپ کے بجائے اسی کا حق ہوگا۔

خاتمة

في الشروط المذكورة في عقد النكاح

مسألة ١ ـ يجوز أن يشترط في ضمن عقد النكاح كل شرط سائغ ، و يجب على المشروط عليه الوفاء به كما في سائر العقود، لكن تخلفه أو تعذره لا يوجب الخيار في عقد النكاح بخلاف سائر العقود، نعم لو كان الشرط الالتزام بوجود صفة في أحد الزوجين مثل كون الزوجة باكرة أو كون الزوج مؤمناً غير مخالف فتبين خلافه أوجب الخيار كما مرت الاشارة إليه.

مسألة ٢ ـ إذا شرط في عقد النكاح ما يخالف المشروع مثل أن لا يمنعها من الخروج من المنزل متى شاءت و إلى أين شاءت، أولا يعطي حق ضرتها من المضاجعة و نحوها، و كذا لو شرط أن لا يتزوج عليهاوأن لا يتسرى بطل الشرط و صح العقد و المهر و إن قلنا بأن الشرط الفاسد يفسد العقد.

مسألة ٣ ـ لو شرط أن لا يفتضها لزم الشرط، ولو أذنت بعد ذلك جاز من غير فرق بين النكاح الدائم و المنقطع.

مسألة ٤ ـ لو شرط أن لا يخرجها من بلدها أو أن يسكنها في بلد معلوم أو منزل مخصوص يلزم الشرط.

فصل في القسم والنشوز والشقاق

لكل واحد من الزوجين حق على صاحبه يجب عليه القيام به و إن كان حق الزوج أعظم، و من حقه عليها أن تطيعه و لا تعصيه و لا تخرج من بيتها إلا

خاتمہ

عقدِ نکاح میں رکھی جانے والی شرطوں کے بارے میں

مسئلہ ۱: عقدِ نکاح کے ضمن میں ہر جائز شرط کو شرط قرار دینا جائز ہے۔ اور جس پر شرط رکھی گئی ہو، اس پر واجب ہے کہ دوسرے عقود کی شرطوں کی طرح اسکو پورا کرے۔ لیکن اس شرط کی مخالفت کرنا یا اسکو پورا کرنے سے معذور ہونا دوسرے تمام عقود کے برخلاف عقدِ نکاح میں خیارِ فسخ حاصل ہونیکا موجب نہیں بنتا، البتہ اگر میاں بیوی میں کچھ خوبیوں کے پائے جانے کی شرط رکھی جائے۔ مثلاً یہ کہ بیوی باکرہ ہو۔ یا شوہر شیعہ ہو، سنّی نہ ہو اور بعد میں اس صفت کے خلاف ظاہر ہو تو موجبِ خیار ہے جیسا کہ اسکی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

مسئلہ ۲: اگر عقدِ نکاح میں ایسی شرط رکھے جو شریعت کے خلاف ہو۔ مثلاً یہ کہ بیوی جب اور جہاں جانا چاہے اسکو نہ روکا جائے۔ یا شوہر، دوسری بیوی کا حق، ہمخوابی وغیرہ ادا نہ کرے، اور اسی طرح اگر یہ شرط رکھے کہ شوہر دوسری شادی نہ کرے۔ کنیز اختیار نہ کرے۔ تو شرط باطل ہوگی اور عقد و مہر دونوں صحیح ہوں گے۔ اگرچہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ شرط فاسد عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔

مسئلہ ۳: اگر بکارت زائل نہ کرنے کی شرط کرے تو شرط کی وفا لازم ہے اور جب بعد میں اجازت دیدے تو جائز ہے۔ اور اس میں دائمی نکاح اور متعہ میں کوئی فرق نہیں۔

مسئلہ ۴: اگر عورت یہ شرط رکھے کہ مرد اسکو شہر سے باہر نہ لے جائے۔ یا کسی جانے پہچانے شہر یا کسی مخصوص گھر میں اسکو سکونت کا انتظام کرے تو شرط پوری کرنا لازمی ہے۔

قسم، نافرمانی اور عداوت کے احکام

میاں بیوی کے ایک دوسرے کے ذمّے کچھ حقوق ہوتے ہیں جن کا پورا کرنا واجب ہے اگرچہ میاں کا حق زیادہ ہے۔ چنانچہ بیوی کے ذمّہ شوہر کا حق یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی بات مانے، اسکی نافرمانی نہ کرے، شوہر کی اجازت کے

باذنه ولو إلى أهلها حتى لعيادة والدها أو في عزائه، بل ورد أن ليس لها أمر مع زوجها في صدقة و لا هبة و لا نذر في مالها إلا باذنه إلا في حج أو زكاة أو بر والديها أو صلة قرابتها، و تفصيل ذلك كله موكول إلى محله، و أما حقها عليه فهو أن يشبعها و يكسوها، و أن يغفر لها إذا جهلت و لا يقبح لها وجهاً كما ورد في الأخبار، و التفصيل موكول إلى محله.

مسألة ١ ـ من كانت له زوجة واحدة ليس لها عليه حق المبيت عندها والمضاجعة معها في كل ليلة، بل و لا في كل أربع ليال ليلة على الأقوى، بل القدر اللازم أن لا يهجرها ولا يذرها كالمعلقة لا هي ذات بعل و لا مطلقة، نعم لها عليه حق المواقعة في كل أربعة أشهر مرة كما مر، و إن كانت عنده أكثر من واحدة فان بات عند إحداهن يجب عليه أن يبيت عند غيرها أيضاً، فان كن أربع و بات عند إحداهن طاف على غيرها لكل منهن ليلة، و لا يفضل بعضهن على بعض، و إن لم تكن أربع يجوز له تفضل بعضهن، فان تك عنده مرأتان يجوز له أن يأتي إحداهما ثلاث ليال و الأخرى ليلة، و إن تك ثلاث فله أن يأتي إحداهن ليلتين والليلتان الأخريان للأخرين، و المشهور أنه إذا كانت عنده زوجة واحدة كانت لها في كل أربع ليال ليلة و له ثلاث ليال، و إن كانت عنده زوجات متعددة يجب عليه القسم بينهن في كل أربع ليال، فان كانت عنده أربع كانت لكل منهن ليلة، فاذا تم الدور يجب عليه الابتداء باحداهن و إتمام الدور و هكذا، فليس له ليلة، بل جميع لياليه لزوجاته، و إن كانت له زوجتان فلهما ليلتان في كل أربع و ليلتان له، و إن كانت ثلاث فلهن ثلاث والفاضل له، و العمل به أحوط خصوصاً في أكثر من واحدة، و الأقوى ما تقدم خصوصاً في الواحدة.

مسألة ٢ ـ يختص وجوب المبيت و المضاجعة فيما قلنا به بالدائمة، فليس للمتمتع بها هذا الحق واحدة كانت أو متعددة.

مسألة ٣ ـ في كل ليلة كان للمرأة، حق المبيت يجوز لها أن ترفع اليد عنه و

بغیر اپنے گھر سے نہ نکلے۔ چاہے اپنے میکے ہی کیوں نہ جانا ہو، حتیٰ اپنے باپ کی عیادت یا اس کی مجلس عزاء میں بھی نہ جائے۔ اور حدیث میں یہاں تک ملتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال کو صدقہ، بخشش اور نذر میں بھی خرچ نہیں کر سکتی۔ البتہ حج، زکوٰۃ، والدین کے ساتھ نیکی اور قرابت داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک میں خرچ کر سکتی ہے۔ جسکی تفصیل اسکے مقام پر آئے گی۔ اور بیوی کا شوہر پر یہ حق ہے کہ وہ اسکو شکم سیر کرے۔ اس کیلئے لباس فراہم کرے۔ اس کی نادانستہ خطائیں معاف کر دے۔ اس کے چہرے کو بد صورت نہ کرے (یا اس کو بے آبرو نہ کرے) جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ جس کی تفصیل اس کے مقام پر آئے گی۔

مسئلہ ۱: بیوی اگر ایک ہی ہو تو اس کا یہ حق نہیں کہ شوہر ہر شب اس کے پاس سوئے بلکہ اقویٰ یہ ہے کہ ہر چار راتوں میں ایک رات اس کے پاس سونا بھی ضروری نہیں۔ بلکہ جو چیز لازمی ہے وہ یہ ہے کہ اسے بالکل ہی ترک کر کے اس طرح معلق نہ کر دے کہ نہ اُسے شوہر والی کہا جا سکے اور نہ مطلقہ۔ البتہ بیوی کا حق ہے کہ چار مہینے میں اس کا شوہر ایک مرتبہ اس کے ساتھ مجامعت و مباشرت کرے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

لیکن اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو جب ان میں سے ایک کے ساتھ رات گزارے تو اس پر واجب ہے کہ دوسری کے ساتھ بھی رات گزارے۔ پس اگر چار بیویاں ہوں اور ان میں سے ایک کے ساتھ رات گزارے تو اس پر واجب ہے کہ ایک ایک رات دوسری بیویوں کے پاس بھی گذارے۔ اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دے۔ لیکن اگر چار بیویاں نہ ہو تو ترجیح دینا جائز ہے۔ پس اگر اس کی دو بیویاں ہوں تو اس کے لئے جائز ہے کہ ایک کے پاس تین راتیں گذارے اور دوسری کے پاس ایک رات۔ اور اگر تین بیویاں ہوں تو جائز ہے کہ ایک کے پاس دو راتیں گذارے اور دوسری کے پاس ایک رات۔ اور اگر تین بیویاں ہوں تو جائز ہے کہ ایک کے پاس دو راتیں گذارے اور دو راتیں دوسری دونوں بیویوں کے پاس رہے۔

جبکہ مشہور یہ ہے کہ ایک بیوی ہونے کی صورت میں چار راتوں میں ایک رات اس کے پاس رہے اور تین راتیں اپنے طور پر بسر کرے۔

اگر متعدد بیویاں ہوں۔ تو چار راتوں کو ان کے درمیان تقسیم کرنا واجب ہے۔ پس چار بیویاں ہونیکی صورت میں ہر ایک کے حصہ میں ایک رات آئے گی۔ اسی طرح جب ایک دور تمام ہو جائے تو کسی ایک سے نئے دور کا آغاز کرے اور یہ سلسلہ جاری رکھے۔ پس اسکی اپنی کوئی رات نہیں ہوگی بلکہ تمام راتیں بیویوں کی ہوں گی۔

لیکن اگر دو بیویاں ہوں تو چار راتوں میں سے دو راتیں ان کی ہوں گی اور دو راتیں اسکی اپنی۔ اور اگر تین ہوں تو تین راتیں ان کی ہوں گی اور ایک رات اس کی اپنی۔ اور احتیاط یہ ہے کہ بیویاں ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں اسی پر عمل کرے۔ اگرچہ اقویٰ وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں خاص طور سے جب بیوی ایک ہی ہو۔

مسئلہ ۲: رات گذارنا اور ہمخوابہ ہونا صرف دائمی بیوی کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس متعہ والی بیوی کو یہ حق حاصل نہیں چاہے ایک ہو یا متعدد ہوں۔

مسئلہ ۳: عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے حصے کی رات شوہر کو بخش دے تاکہ وہ اس کو اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے بسر کرے۔ اور اگر عورت چاہے تو اپنی "سوتن" کو بھی یہ رات بخش سکتی ہے۔ اس صورت میں

تهبه للزوج ليصرف ليله فيما يشاء، و أن تهبه للضرة فيصير الحق لها.

مسألة ٤ ـ تختص البكر أول عرسها بسبع ليال و الثيب بثلاث يجوز تفضيلهما بذلك على غيرهما، و لا يجب عليه أن يقضي تلك الليالي لنسائه القديمة.

مسألة ٥ ـ لا قسمة للصغيرة و لا للمجنونة المطبقة و لا لذات الأدوار حين دور جنونها و لا للناشزة، و تسقط القسمة و حق المضاجعة بالسفر، و ليس عليه القضاء.

مسألة ٦ ـ لو شرع في القسمة بين نسائه كان له الابتداء بأيّ منهن و بعد ذلك بأيّ من البقية و هكذا و إن كان الأحوط الأولى التعيين بالقرعة سيما ما عدا الأولى.

مسألة ٧ ـ يستحب التسوية بين الزوجات في الانفاق و الالتفات و إطلاق الوجه و المواقعه، و أن يكون في صبيحة كل ليلة عند صاحبتها، و أن يأذن لها في حضور موت أبيها و أمها و إن كان له منعها عنه و عن عيادتهما فضلاً عن عيادة غيرهما، و عن الخروج من منزله إلا لحق واجب.

القول في النشوز

و هو في الزوجة خروجها عن طاعة الزوج الواجبة عليها من عدم تمكين نفسها و عدم إزالة المنفرات المضادة للتمتع و الالتذاذ بها، بل و ترك التنظيف و التزين مع اقتضاء الزوج لها، و كذا خروجها من بيته من دون إذنه و غير ذلك، و لا يتحقق النشوز بترك طاعته فيما ليست بواجبة عليها، فلو امتنعت من خدمات البيت و حوائجه التي لا تتعلق بالاستمتاع من الكنس أو الخياطة أو الطبخ أو غير ذلك حتى سقي الماء و تمهيد الفراش لم يتحقق النشوز.

مسألة ١ ـ لو ظهرت منها أمارات النشوز و الطغيان بسبب تغيير عادتها معه في القول أو الفعل بأن تجيبه بكلام خشن بعد ما كان بكلام لين أو أن تظهر عبوساً و

وہ رات سوتن کا حق ہوجائیگا۔

مسئلہ ۴: شادی کے ابتدائی دنوں میں، اگر بیوی باکرہ ہو تو سات راتیں اور اگر پہلے سے شادی شدہ رہ چکی ہو تو تین راتیں خاص طور سے اس کا حق ہیں۔ چنانچہ شوہر کا نئی شادی کی وجہ سے ان دونوں کو دوسری بیویوں پر فوقیت دینا جائز ہے۔ اور اپنی پرانی بیویوں کے لئے ان راتوں کا جبران کرنا اس پر واجب نہیں ہے۔

مسئلہ ۵: جو بیوی نابالغ ہو، یا مستقل طور پر دیوانی ہو۔ یا وقتی طور پر دیوانی ہوجاتی ہو۔ اسکا دیوانگی کے زمانہ میں، یا نافرمان بیوی کا، راتوں کی تقسیم میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور سفر کی حالت میں راتوں کی تقسیم بندی اور ہمخوابی کا حق ساقط ہوجاتا ہے لہٰذا شوہر پر واجب نہیں کہ وہ اس کا جبران کرے۔

مسئلہ ۶: راتوں کو تقسیم کرنے میں شوہر کو اختیار ہے کہ جس بیوی سے چاہے شروع کرے۔ اور اس کے بعد اپنی مرضی کی ترتیب مقرر کرے۔ اور اسی طرح یکے بعد دیگرے جسکو چاہے انتخاب کرتا جائے۔ اگرچہ بہتر اور احتیاط یہ ہے کہ قرعہ اندازی سے کام لے۔ خاص طور سے جب پہلی کے بعد دوسری بیویوں کے درمیان راتیں تقسیم کرنا ہوں۔

مسئلہ ۷: بیوی کے نان و نفقہ، ان کے ساتھ التفات، خوش خلقی اور مجامعت میں مساوات برتنا مستحب ہے۔ اور یہ کہ شوہر، جو رات جس بیوی کی ہو اسکی صبح کو بھی اس کے پاس رہے۔ اسے اپنے والدین کے مرنے جینے میں شریک ہونیکی اجازت دے۔ اگرچہ شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیوی کو حتیٰ ماں، باپ کی موت میں شرکت اور ان کی عیادت سے روک دے چہ جائیکہ دوسروں کی عیادت کی اجازت دے۔ اور اسی طرح وہ واجب حق کے حصول کی خاطر نکلنے کے علاوہ گھر سے باہر جانے پر بھی پابندی لگا سکتا ہے۔

احکامِ نشوز (نافرمانی)

بیوی کے شوہر کی واجب اطاعت سے نکل جانے کو نشوز کہتے ہیں۔ اسکی صورت یہ ہے کہ بیوی اپنے نفس کو شوہر کے حوالے نہ کرے، یا حصولِ لذت سے منافات رکھنی والی نفرت آمیز چیزوں کو اپنے سے دور نہ کرے۔ بلکہ صفائی اور زینت کو ترک کردے۔ جبکہ شوہر یہ چاہتا ہو کہ وہ اپنے آپ آراستہ کر کے رکھے۔ اور اسی طرح اسکی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکل جائے، وغیرہ۔ البتہ جن چیزوں میں شوہر کی فرمانبرداری واجب نہیں ہے انکو ترک کرنے سے وہ ناشزہ (نافرمان) نہیں کہلائے گی۔ پس اگر امورِ خانہ داری کی انجام دہی اور شوہر کی وہ ضرورتیں پوری کرنے سے انکار کردے جنکا لذت سے کوئی تعلق نہیں، جیسے گھر میں جھاڑو نہ دے، کپڑے نہ سیئے، کھانا نہ پکائے۔ یا اس کے علاوہ، حتیٰ پانی نہ پلائے اور بستر نہ لگائے تو وہ ناشزہ نہیں کہلائے گی۔

مسئلہ ۱: اگر عورت میں نافرمانی اور سرکشی کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ مثلاً قول و فعل میں اسکی عادت بدل جائے اور تیز لہجہ میں اپنے شوہر کی باتوں کا جواب دینے لگے جبکہ پہلے وہ نرمی سے گفتگو کرتی رہی ہو، یا اپنے چہرے پر ناراضگی اور نافرمانی کی علامتیں ظاہر کرے۔ منہ بسورے اور اپنے آپکو بے رغبت ظاہر کرے حالانکہ پہلے اس کی عادت ایسی نہ رہی

تقطباً في وجهه و تثاقلاً و دمدمةبعد أن كانت على خلاف ذلك و غير ذلك يعظها، فان لم تسمع يتحقق النشوز بخروجها عن طاعته فيما يرجع إلى الاستمتاع، فحينئذ جاز له هجرها في المضجع إما بأن يحوّل إليها ظهره في الفراش أو يعتزل عن فراشها، فاذا هجرها و لم ترجع و أصرت عليه جاز له ضربها، و يقتصر على ما يؤمل معه رجوعها فلا يجوز الزيادة عليه مع حصول الغرض به، و إلا تدرّج إلى الأقوى فالأقوى ما لم يكن مدمياً و لا شديداً مؤثراً في اسوداد بدنها أو احمراره، و اللازم أن يكون ذلك بقصد الاصلاح لا التشفي و الانتقام، ولو حصل بالضرب جناية وجب الغرم.

مسألة ٢ ـ كما يكون النشوز من قبل الزوجة يكون من طرف الزوج أيضاً بتعديه عليها، و عدم القيام بحقوقها الواجبة، فاذا ظهر منه النشوز بمنع حقوقها من قسم و نفقة و نحوهما فلها المطالبة بها و وعظها إياه، فان لم يؤثر رفعت أمرها إلى الحاكم فيلزمه بها، وليس لها هجره و لا ضربه، و إذا اطلع الحاكم على نشوزه و تعديه نهاه عن فعل ما يحرم عليه و أمره بفعل ما يجب، فان نفع و إلا عزّره بما يراه، و له أيضاً الانفاق من ماله مع امتناعه من ذلك ولو ببيع عقاره إذا توقف عليه.

مسألة ٣ ـ لو ترك الزوج بعض حقوقها الغير الواجبة أو همّ بطلاقها لكراهته لها لكبر سنها أو غيره أو همّ بالتزويج عليها فبذلت له مالاً أو بعض حقوقها الواجبة من قسم أو نفقة استمالة له صح و حلّ له ذلك، و أما لو ترك بعض حقوقها الواجبة أو آذاها بالضرب أو الشتم و غير ذلك فبذلت مالاً أو تركت بعض حقوقها ليقوم بما ترك من حقها أو ليمسك عن أذيتها أو ليخلعها فتخلص من يده حرم عليه ما بذلت و إن لم يكن من قصده إلجاؤها بالبذل على الأقوى.

مسألة ٤ ـ لو وقع النشوز من الزوجين بحيث خيف الشقاق و الفراق بينهما وانجرّ أمرهما إلى الحاكم بعث حكمين، حكماً من جانبه و حكما من جانبها للاصلاح و رفع الشقاق بما رأياه من الصلاح من الجمع أو الفراق، و يجب عليهما

ہو۔ یا اس کے علاوہ دوسری علامتیں پائی جائیں تو شوہر کو چاہیئے کہ پہلے وہ اسے سمجھائے بجھائے۔ اور اگر وہ شوہر کی نصیحت پر عمل نہ کرے تو وہ ناشزہ کہلائے گی۔ چونکہ جبکہ شوہر کی نافرمان ہو چکی ہے اور حصولِ لذت سے مانع ہو رہی ہو۔ تو ایسے موقعہ پر شوہر کے لیئے جائز ہے کہ اپنا بستر الگ کرے اس کی صورت یہ ہے کہ یا تو اسکی طرف پیٹھ کرکے سوئے یا اپنا بستر ہی الگ لگائے۔ پس اگر شوہر اپنا بستر الگ کرے لیکن وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے اور اس پر اصرار کرے تو شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کی پٹائی کرے مگر صرف اس حد تک کہ جس سے اس کے باز آجانے کی اُمید ہو اور اگر اسی مقدار سے مقصد حاصل ہو جاتا ہو تو اس سے زیادہ پٹائی نہ کرے۔ لیکن اگر اس سے بھی وہ باز نہ آئے تو شدید سے شدید تر پٹائی کرے البتہ یہ خیال رہے کہ خون نہ نکلنے پائے۔ اور پٹائی کی شدت سے اسکا بدن سُرخ یا سیاہ نہ ہونے پائے۔ اور یہ چیز لازمی ہے کہ پٹائی کرنے کا مقصد عورت کی اصلاح ہو اپنی تشفی اور جذبۂ انتقام نہ ہو۔ اور اگر پٹائی کے نتیجہ میں عورت کا بدنی نقصان ہو جائے تو اسکا تاوان ادا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ ۲: جس طرح عورت کی طرف سے نشوز و نافرمانی ہو سکتی ہے اسی طرح مرد بھی ناشز اور نافرمان ہو سکتا ہے۔ مثلاً وہ عورت پر زیادتی کرے۔ اس کے واجب حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے۔ پس جب مرد کے اندر نافرمانی کے آثار ظاہر ہوں مثلاً وہ راتوں کی تقسیم یا نفقہ وغیرہ میں سے اُسے حصّہ نہ دے تو عورت اس سے مطالبہ کرے اور اسے نصیحت کرے۔ لیکن اگر نصیحت اثر انداز نہ ہو تو حاکم شرع سے شکایت کرے۔ البتہ عورت کو شوہر سے الگ ہو جانے یا اس کی پٹائی کرنے کا حق حاصل نہیں۔ اور حاکم شرع کو جب شوہر کی نافرمانی اور بیوی پر زیادتی کا علم ہو جائے تو وہ اسے فعلِ حرام سے منع کرے اور فعلِ واجب کے انجام دینے کا حکم دے۔ پس اگر وہ حاکم شرع کے حکم کے نتیجہ میں اپنی حرکت سے باز آجائے تو کیا کہنا۔ لیکن اگر باز نہ آئے تو حاکم شرع جس قدر مناسب سمجھے اس کی تعزیر کرے۔ اور حاکم شرع کو حق حاصل ہے کہ اگر شوہر اپنے مال سے بیوی کو نفقہ نہ دیتا ہو تو اس کے مال سے اس کی بیوی کو خرچ دے چاہے حاکم شرع کو اس کا کھیت بیچنا پڑے بشرطیکہ نفقہ کی ادائیگی اس پر موقوف ہو۔

مسئلہ ۳: اگر شوہر اپنی بیوی کے کچھ غیر واجب حقوق ادا نہ کرے، یا عورت کی عمر زیادہ ہونے یا کسی اور وجہ سے اس کو ناپسند کرتا ہو چنانچہ اسے طلاق دینا چاہے۔ یا شوہر دوسری شادی کرنا چاہتا ہو اور بیوی اس کا دل جیتنے اور اسے دوسری شادی سے باز رکھنے کے لئے، شوہر کو مال و متاع دے، یا اپنے بعض حقوق، مثلاً راتوں میں حصّے یا نفقہ سے دست بردار ہو جائے۔ تو صحیح ہے اور شوہر کے لئے وہ مال حلال ہے۔ لیکن اگر شوہر بیوی کے واجب حقوق کی ادائیگی ترک کردے یا ضرب و شتم وغیرہ کے ذریعہ اسے اذیت میں مبتلا کرے۔ اور بیوی مال و متاع خرچ کرے یا اپنے کچھ حقوق سے دست بردار ہو جائے۔ تاکہ شوہر اسکے واجب حقوق ادا کرے۔ یا اسکو اذیت پہونچانے سے باز آجائے۔ یا اسکو طلاق خلع دیدے تاکہ وہ شوہر کے ظلم سے نجات پاسکے۔ تو ایسی صورت میں جو مال عورت نے شوہر کو دیا ہے وہ اُسپر حرام ہے۔ اگرچہ بنا بر اقوی شوہر کا قصد بیوی کو مال خرچ کرنے پر مجبور کرنا نہ رہا ہو۔

مسئلہ ۴: اگر میاں بیوی ایکدوسرے کے نافرمان ہو جائیں اور ان میں دشمنی اور اسکے نتیجہ میں جُدائی کا خطرہ پیدا ہو جائے جسکے نتیجہ میں حاکم شرع کو مداخلت کرنی پڑے۔ تو حاکم شرع کا کام یہ ہے کہ وہ دو اشخاص کو حَکَم بنائے ایک بیوی کی طرف سے اور دوسرا شوہر کی جانب سے تاکہ وہ ان کی دشمنی دور کریں اور ان کے درمیان صُلح کرائیں۔ البتہ یہ اُن

البحث و الاجتهاد في حالهما و فيما هو السبب و العلة لحصول ذلك بينهما ثم يسعيان في أمرهما، فكلما استقر عليه رأيهما و حكما به نفذ على الزوجين و يلزم عليهما الرضا به بشرط كونه سائغاً، كما لو شرطا على الزوج أن يسكن الزوجة في البلد الفلاني أو في مسكن مخصوص أو عند أبويها أو لا يسكن معها أمه أو أخته ولو في بيت منفرد، أو لا يسكن معها ضرتها في دار واحدة و نحو ذلك، أو شرطا عليها أن تؤجله بالمهر الحال إلى أجل، أو ترد عليه ما قبضته قرضاً و نحو ذلك، بخلاف ما إذا كان غير سائغ كما إذا شرطا عليه ترك بعض حقوق الضرة من قسم أو نفقة أو رخصة المرأة في خروجها عن بيته حيث شاءت و أين شاءت و نحو ذلك.

مسألة ٥ ـ لو اجتمع الحكمان على التفريق ليس لهما ذلك إلا إذا شرطا عليهما حين بعثهما بأنهما إن شاءا جمعا و إن شاءا فرقا، و حيث إن التفريق لا يكون إلا بالطلاق فلابد من وقوعه عند اجتماع شرائطه.

مسألة ٦ ـ الأولى بل الأحوط أن يكون الحكمان من أهل الطرفين بأن يكون حكم من أهله و حكم من أهلها، فان لم يكن لهما أهل أو لم يكن أهلهما أهلاً لهذا الأمر تعين من غيرهم، و لا يعتبر أن يكون من جانب كل منهما حكم واحد، بل لو اقتضت المصلحة بعث أزيد تعين.

مسألة ٧ ـ ينبغي للحكمين إخلاص النية و قصد الاصلاح، فمن حسنت نيته فيما تحراه أصلح الله مسعاه كما يرشد إلى ذلك قوله جلّ شأنه في هذا المقام: «إن يريدا إصلاحاً يوفق الله بينهما».

فصل في أحكام الأولاد والولادة

مسألة ١ ـ إنما يلحق ما ولدته المرأة بزوجها بشروط: الدخول مع الانزال او الانزال في الفرج و حواليه، أو دخول منيّه فيه بأيّ نحو كان، و في الدخول بلا إنزال إشكال، و مضي ستة أشهر أو أكثر من حين الوطء إلى زمن الولادة، و أن

کی صواب دید پر منحصر ہے کہ وہ میاں بیوی میں میل ملاپ کرائیں یا ایکدوسرے سے جُدا کردیں۔ جن لوگوں کو حَکم بنایا جائے انپر واجب ہے کہ وہ پہلے دونوں کے حالات کی تفتیش کریں اور جھگڑے تانتے کی وجہ معلوم کریں اسکے بعد انکا فیصلہ کرنے کی کوشش کریں۔ پس حَکموں کی جو رائے ہو اور جو فیصلہ وہ صادر کریں۔ وہ میاں بیوی دونوں پر نافذ ہوگا، اور دونوں کا اسپر راضی ہونا لازمی ہے بشرطیکہ وہ فیصلہ جائز ہو، مثلاً شوہر پر یہ شرط عائد کریں کہ وہ بیوی کے لئے فلاں شہر میں یا کسی مخصوص گھر میں، یا اس کے والدین کے پاس سکونت فراہم کرے یا اسکے ساتھ اپنی ماں یا بہن کو نہ ٹھہرائے چاہے الگ مکان میں ہی سہی، یا ایک ہی گھر میں اسکی سوتن کو اسکے ساتھ نہ ٹھہرائے وغیرہ۔ یا بیوی پر یہ شرط عائد کریں کہ وہ فوری وصول کئے جانے والے مہر کو مدت دار مہر میں تبدیل کرے۔ یا جو قرض اس نے اپنے شوہر سے لیا ہے اسے واپس کرے وغیرہ۔ برخلاف اسکے اگر شرط ناجائز ہو، مثلاً حَکمین شوہر پر یہ شرط عائد کریں کہ وہ سوتن کے بعض حقوق، مثلاً راتوں میں اسکا حصّہ یا نفقہ ادا نہ کرے یا عورت کو اسکے گھر سے اپنی مرضی کے مطابق نکلنے کی اجازت دے کہ وہ جس وقت اور جہاں چاہے جاسکتی ہو وغیرہ۔

مسئلہ ۵: اگر حَکمین متفقہ طور پر میاں بیوی کے جُدا ہو جانیکا فیصلہ دینا چاہیں تو انکو یہ حق حاصل نہیں، البتہ جب انکو حَکم مقرر کیا جا رہا تھا اسوقت اگر یہ شرط رکھ دی گئی ہو کہ چاہے دونوں کے درمیان میل ملاپ کا فیصلہ دیں یا الگ ہو جانیکا۔ تو اس صورت میں وہ جُدائی کا فیصلہ دے سکتے ہیں۔ اور چونکہ جُدائی طلاق کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا تمام شرطوں کے ہوتے ہوئے طلاق واقع ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ ۶: بہتر بلکہ احتیاط یہ ہے کہ دونوں حَکم میاں بیوی کے رشتہ دار ہوں۔ اس طرح کہ بیوی کی طرف سے بیوی کا رشتہ دار اور شوہر کی جانب سے اسکا رشتہ دار حَکم ہو۔ پس اگر دونوں کا کوئی رشتہ دار نہ ہو یا رشتہ داروں میں حَکم بننے کی صلاحیت نہ ہو تو ایسی صورت میں غیروں ہی میں سے حَکم بنائے جائیں۔ دونوں کی جانب سے ایک حَکم معتبر نہیں بلکہ اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو کئی آدمیوں کو حَکم بنایا جائے۔

مسئلہ ۷: حَکمین کی نیت خالص ہونی چاہیئے۔ اور انکا ارادہ مصالحت کرانے کا ہو۔ پس جس کی نیت خالص ہوگی خداوندِ عالم اسکی کوششوں کو عملی جامہ پہنائیگا جیسا کہ خداوندِ عالم کا یہ قول اسی کی طرف اشارہ ہے۔ "اِنْ یُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا" اگر ان دونوں کا ارادہ اصلاح کا ہو تو خداوندِ عالم ان کو کامیاب کریگا۔

اولاد اور ولادت کے احکام

مسئلہ ۱: عورت کے شکم سے پیدا ہونیوالا بچہ اسی وقت اسکے شوہر کی طرف منسوب ہوگا جب درج ذیل شرطوں کے ہوتے ہوئے پیدا ہو۔ ۱: شوہر اسکے ساتھ ہمبستری کرے اور منی باہر خارج ہو۔ یا شرمگاہ اور اسکے اطراف میں منی خارج ہو یا شوہر کی منی کسی ترکیب سے بھی بیوی کے رحم میں پہونچ جائے۔ البتہ ہمبستری کے ساتھ منی خارج نہ ہونے کی صورت میں اشکال ہے۔ ۲: ہمبستری سے ولادت تک چھ ماہ یا اس سے زیادہ مدت گذر جائے۔ ۳: اور حمل کی آخری مدت سے تجاوز نہ کرے۔ اور زیادہ سے زیادہ حمل کی مدت نو ماہ ہونے میں اشکال ہے۔ بلکہ بہتر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ حمل

لا تتجاوز عن أقصى مدة الحمل، و في كونه تسعة أشهر إشكال، بل الأرجح بالنظر أن يكون الأقصى سنة، فلو لم يدخل بها أصلاً و لم ينزل في فرجها أو حواليه بحيث يحتمل الجذب و لم يدخل المني فيه بنحو من الأنحاء لم يلحق به قطعاً، بل يجب نفيه عنه، و كذا لو دخل بها و أنزل وجاءت بولد حي كامل لأقل من ستة أشهر من حين الدخول و نحوه أو جاءت به و قد مضى من حين وطئه و نحوه أزيد من أقصى الحمل، كما إذا اعتزلها أو غاب عنها أزيد منه و ولدت بعده.

مسألة ٢ ـ إذا تحققت الشروط المتقدمة لحق الولد به، و لا يجوز له نفيه و إن وطأها واطىء فجوراً فضلاً عما لو اتهمها به، و لا ينتفي عنه لو نفاه إن كان العقد دائماً إلا باللعان، بخلاف ما إذا كان العقد منقطعاً وجاءت بولد أمكن إلحاقه به، فانه و إن لم يجز له نفيه لكن لو نفاه ينتفي منه ظاهراً من غير لعان، لكن عليه اليمين مع دعواها أو دعوى الولد النسب.

مسألة ٣ ـ لا يجوز نفي الولد لأجل العزل، فلو نفاه لم ينتف إلا باللعان.

مسألة ٤ ـ الموطوءة بشبهة كما إذا وطأ أجنبية بظن أنها زوجته يلحق ولدها بالواطىء بشرط أن تكون ولادته لستة أشهر من حين الوطء أو أكثر، و أن لا يتجاوز عن أقصى الحمل، و بشرط أن لا تكون تحت زوج مع إمكان التولد منه بشروطه.

مسألة ٥ ـ لو اختلفا في الدخول الموجب لإلحاق الولد و عدمه فادعته المرأة ليلحق الولد به و أنكره أو اختلفا في ولادته فنفاها الزوج و ادعى أنها أتت به من خارج فالقول قوله بيمينه، ولو اتفقا في الدخول والولادة و اختلفا في المدة فادعى ولادتها لدون ستة أشهر أو لأزيد من أقصى الحمل و ادعت خلافه فالقول قولها بيمينها، و يلحق الولد به و لا ينتفي عنه إلا باللعان.

مسألة ٦ ـ لو طلق زوجته المدخول بها فاعتدت و تزوجت ثم أتت بولد فان لم يمكن لحوقه بالثاني و أمكن لحوقه بالأول كما إذا ولدته لدون ستة أشهر من وطء

کی زیادہ سے زیادہ مدّت ایک سال ہے۔ پس اگر شوہر نے بیوی کے ساتھ ہمبستری نہ کی ہو۔ اور اسکی شرمگاہ میں یا اس کے اطراف میں منی خارج نہ کی ہو کہ جہاں سے جذب ہو کر اندر چلے جانیکا احتمال ہو۔ اور کسی اور ترکیب سے بھی منی اسکی شرمگاہ میں داخل نہ کی ہو۔ تو بچہ قطعاً اسکی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اس بچّے کی نفی کر دے۔ یہی حکم وہاں بھی ہے کہ جب اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو اور منی بھی خارج ہوئی ہو لیکن ہمبستری کے بعد چھ مہینے پورے ہونے سے پہلے ہی بیوی خلقت کے اعتبار سے کامل اور صحت مند بچّے کو جنم دے۔ یا اس وقت بچے کو جنم دے جب ہمبستری کے بعد حمل کی جو زیادہ سے زیادہ مدّت ہوتی ہے اس سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہو۔ جیسا کہ شوہر بیوی سے الگ ہو گیا ہو۔ یا اس سے زیادہ عرصہ تک غائب رہا ہو اور بیوی اسکے بعد بچّے کو جنم دے۔

مسئلہ ۲: مذکورہ تمام شرطیں پائی جانے کی صورت میں بچہ اس عورت کے شوہر کا ہی کہلائے گا۔ اور اس کا منکر ہونا شوہر پر جائز نہیں۔ چاہے کسی شخص نے اس عورت کے ساتھ زبردستی بدکاری ہی کیوں نہ کی ہو۔ چہ جائیکہ وہ اس پر بدکاری کا الزام لگائے۔ اگر وہ بچّے کا منکر ہو جائے تب بھی بچہ اسی کا کہلائے گا۔ اگر عقد دائمی ہو۔ مگر یہ کہ لعان (شرعی طریقہ سے ایک دوسرے سے اظہارِ بیزاری) کریں تو بچہ کا انکار ہو جائیگا۔ اسکے برخلاف اگر عقد موقتی (متعہ) ہو اور عورت جس بچّے کو جنم دے۔ شوہر کی طرف اسکی نسبت ممکن ہو۔ تو اگرچہ اس کا منکر ہو جانا شوہر کے لئے جائز نہیں۔ تاہم اگر وہ منکر ہو جائے تو ظاہراً بچہ اسکا نہیں کہلائے گا۔ اور لعان کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔ لیکن اگر عورت یہ دعویٰ کرے کہ بچہ اسی کا ہے یا بیٹا یہ دعویٰ کرے کہ میرا باپ یہی ہے تو شوہر کو حلف اٹھانا پڑے گا (کہ بچہ میرا نہیں ہے)

مسئلہ ۳: ہمبستری کے وقت عزل (یعنی شرمگاہ کے باہر منی خارج کرنے) کی بنا پر بچہ کا منکر ہونا جائز نہیں ہے۔ پس اگر کوئی شخص بچہ کا انکار کر دے تو جب تک "لعان" واقع نہ ہو جائے۔ بچہ اسی کا کہلائے گا۔

مسئلہ ۴: جس عورت کے ساتھ شبہ میں ہمبستری کی گئی ہو۔ مثلاً یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ اسکی بیوی ہے۔ تو اس کا بچہ ہمبستری کرنے والے کی طرف منسوب ہوگا۔ بشرطیکہ ہمبستری کے بعد چھ مہینے یا اس سے زیادہ مدّت گذر جانے کے بعد پیدا ہو۔ اور زیادہ سے زیادہ مدّت حمل کی مدّت سے تجاوز بھی نہ کرے۔ اور یہ کہ وہ کسی شخص کی بیوی نہ ہو۔ کہ جس کے نطفہ سے بچہ کا پیدا ہونا تمام شرطوں کے ساتھ ممکن ہو۔

مسئلہ ۵: اگر ہمبستری کے سلسلہ میں دونوں میں اختلاف ہو جائے۔ بیوی کا یہ دعویٰ ہو کہ اس مقدار میں عضوِ تناسل رحم میں داخل ہوا ہے جو بچہ کے شوہر کی طرف منسوب ہونے کا باعث ہو۔ اور شوہر اس سے انکار کرے۔ یا بچہ کی ولادت میں اختلاف ہو۔ شوہر ولادت سے انکار کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ عورت کسی دوسرے کا بچہ اٹھالائی ہے تو حلف کے ساتھ شوہر کی بات مانی جائے گی۔ لیکن اگر ہمبستری اور ولادت پر دونوں متفق ہوں۔ مگر مدّت میں اختلاف ہو۔ شوہر کا یہ دعویٰ ہو کہ چھ ماہ سے کم یا حمل کی زیادہ سے زیادہ مدّت کے بعد۔ بچہ پیدا ہوا ہے اور عورت اس کے برعکس دعویٰ کرے تو اس صورت میں حلف کیساتھ عورت کی بات مانی جائیگی اور بچہ شوہر کا کہلائے گا۔ اور جب تک "لعان" نہ ہو جائے بچہ کی اس سے نفی نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۶: اگر ایسی بیوی کو طلاق دیدی جائے کہ جسکے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو اور وہ عدت پوری کرنیکے بعد دوسری شادی کرلے اور اسکے بعد بچہ کو جنم دے۔ پس اگر دوسرے شوہر کی طرف اس بچہ کو منسوب کرنا ممکن نہ ہو بلکہ پہلے شوہر کی طرف نسبت دینا ممکن نہ ہو مثلاً دوسرے شوہر کے ساتھ مباشرت کے بعد چھ مہینے سے کم مدّت میں اس عورت نے بچہ کو جنم دیا ہو۔ اور پہلے شوہر سے وطی

الثاني و لتمامها من غير تجاوز عن أقصى الحمل من وطء الأول فهو للأول، و تبيّن بطلان نكاح الثاني، لتبين وقوعه في العدة و حرمت عليه مؤبداً لوطئه إياها، و إن انعكس الأمر بأن أمكن لحوقه بالثاني دون الأول لحق بالثاني، بأن ولدته لأزيد من أكثر الحمل من وطء الأول و لأقل الحمل إلى الأقصى من وطء الثاني، و إن لم يمكن لحوقه بأحدهما بأن ولدته لأزيد من أقصى الحمل من وطء الأول ولدون ستة أشهر من وطء الثاني انتفى منهما، و إن أمكن إلحاقه بهما فهو للثاني.

مسألة ٧ ـ لو طلقها ثم بعد ذلك وطئت بشبهة ثم أتت بولد فهو كالتزويج بعد العدة، فيجيء فيه الصور الأربعة المتقدمة حتى الصورة الأخيرة، وهي ما إذا أمكن اللحوق بكل منهما، فانه يلحق بالأخير هنا أيضاً.

مسألة ٨ ـ لو كانت تحت زوج فوطأها شخص آخر بشبهة فأتت بولد فان أمكن لحوقه بأحدهما دون الآخر يلحق به، و إن لم يمكن اللحوق بهما انتفى عنهما، و إن أمكن لحوقه بكل منهما أقرع بينهما.

القول في أحكام الولادة وما يلحق بها

للولادة و المولود سنن و آداب بعضها واجبة و بعضها مندوبة نذكر مهماتها.

مسألة ١ ـ يجب استقلال النساء في شؤون المرأة حين وضعها دون الرجال إذا استلزم اطلاعهم على ما يحرم عليهم إلا مع عدم النساء و مست الضرورة بذلك، نعم لا بأس بالزوج و إن وجدت النساء.

مسألة ٢ ـ يستحب غسل المولود عند وضعه مع الأمن من الضرر و الأذان في أذنه اليمنى و الاقامة في اليسرى، و تحنيكه بماء الفرات و تربة سيد الشهداء عليه السلام، و تسميته بالأسماء المستحسنة، فان ذلك من حق الولد على الوالد، و أفضلها ما يتضمن العبودية لله جل شأنه كعبدالله و عبدالرحيم و عبدالرحمان. و

کے بعد سے چھ مہینے پورے ہو گئے ہوں اور زیادہ سے زیادہ جو حمل کی مدت ہوتی ہے اس سے زیادہ مدت نہ ہوتی ہو تو وہ بچہ پہلے شوہر کا ہوگا۔ جس سے یہ ظاہر ہوگا کہ دوسرا نکاح باطل ہے۔ چونکہ اس سے اس نکاح کا عدت کے اندر واقع ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ عورت دوسرے شوہر پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائیگی اس لئے کہ اس نے عدت کے دوران عورت کیساتھ ہمبستری کی ہے۔ لیکن معاملہ اگر اسکے برعکس ہو۔ یعنی بچے کا دوسرے شوہر کا ہونا ممکن ہو۔ پہلے کا نہیں تو وہ دوسرے شوہر کا کہلائے گا۔ جیسا کہ پہلے شوہر سے ہمبستری کے بعد سے مدت حمل سے زیادہ عرصہ گذر جانے کے بعد بچہ پیدا ہوا ہو اور دوسرے شوہر سے مباشرت کرنیکے بعد حمل کی جو کم سے کم مدت ہوتی ہے وہ پوری ہو گئی ہو۔ لیکن اگر دونوں میں سے کسی کی طرف بھی بچہ کو منسوب کرنا ممکن نہ ہو۔ اس طرح کہ پہلے شوہر سے ہمبستری کرنے کے بعد حمل کی جو زیادہ سے زیادہ مدت ہوتی ہے اس سے زیادہ عرصہ گذر جانے اور دوسرے شوہر سے ہمبستری کے بعد چھ مہینے پورے ہونے سے پہلے بچے کو جنم دے تو وہ بچہ دونوں میں سے کسی کا نہیں ہوگا۔ لیکن اگر بچہ کو دونوں کی طرف نسبت دینا ممکن ہو تو اس صورت میں وہ دوسرے شوہر کا ہوگا۔

مسئلہ ۷ : اگر عورت کو طلاق دے اور اسکے بعد شبہ میں اس سے ہمبستری کر لے۔ جس کے نتیجہ میں عورت بچے کو جنم دے تو یہ عدت گذر جانے کے بعد دوسری شادی کر لینے کی مانند ہے۔ گذشتہ مسئلہ میں بیان کی گئی چاروں صورتیں اسمیں بھی پائی جاتی ہیں حتیٰ آخری صورت بھی، اور وہ یہ کہ دونوں کی طرف بچہ کو منسوب کرنا ممکن ہو تو یہاں بھی بچہ دوسرے شوہر کیطرف منسوب ہوگا۔

مسئلہ ۸ : اگر عورت کسی کی بیوی ہو اور کوئی دوسرا شخص شبہ میں اسکے ساتھ ہمبستری کرے، پس اسکے ہاں بچہ پیدا ہو تو دونوں میں سے جس کی طرف بچہ کو منسوب کرنا ممکن ہو۔ بچہ اسی کا ہوگا۔ اور اگر کسی کی طرف بچہ کی نسبت دینا ممکن نہ ہو تو وہ دونوں میں سے کسی کا بھی نہیں ہوگا۔ اور اگر دونوں کی طرف منسوب کرنا ممکن ہو تو اس صورت میں قرعہ اندازی کی جائیگی۔

ولادت اور اس کے ملحقات کے احکام

ولادت اور مولود کے کچھ آداب اور سنتوں کی رعایت کرنا پڑتی ہے جن میں بعض واجب ہیں اور بعض مستحب یہاں ہم چند اہم چیزوں کو بیان کر رہے ہیں۔

مسئلہ ۱ : بچے کی پیدائش کے موقعہ پر واجب ہے کہ عورت کے امور صرف عورتیں انجام دیں۔ مرد نہیں جبکہ یہ اندیشہ ہو کہ مرد ایسی چیزوں سے باخبر ہو جائیں گے کہ جن سے باخبر ہونا ان پر حرام ہے۔ مگر یہ کہ عورتیں موجود نہ ہوں اور اس بات کی شدید ضرورت ہو کہ مرد وہ امور انجام دیں۔ البتہ شوہر کے لئے وہ امور انجام دینے میں کوئی حرج نہیں چاہے عورتیں موجود ہی کیوں نہ ہوں۔

مسئلہ ۲ : اگر نقصان پہونچنے کا اندیشہ نہ ہو تو مولود کو دھونا مستحب ہے۔ اور اس کے داہنے کان میں اذان، بائیں میں اقامت کہنا، فرات کا پانی اور خاکِ شفا اس کے منہ میں ملنا اور اسکو اچھے نام سے موسوم کرنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ بچے کا باپ پر حق ہے کہ وہ اسکو اچھے نام سے موسوم کرے۔ اور سب سے اچھا نام وہ ہے جس میں اللہ کی عبودیت کا ذکر ہو۔ مثلاً عبداللہ، عبدالرحیم اور عبدالرحمان وغیرہ۔ اور اس کے بعد اچھا نام وہ ہے جو انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السّلام کے ناموں پر ہوں، اور ان میں سب سے بہتر محمد ہے۔ بلکہ اگر چار بچے ہوں تو ان میں ایک کا نام محمد نہ رکھنا مکروہ ہے۔ اور اگر نام

نحوها، و يليها أسماء الأنبياء و الأئمة عليهم السلام و أفضلها محمد، بل يكره ترك التسمية به إن ولد له أربعة أولاد، و يكره أن يكنيه أبا القاسم إن كان اسمه محمد، و يستحب أن يحلق رأس الولد يوم السابع، و يتصدق بوزن شعره ذهباً أو فضة، و يكره أن يحلق من رأسه موضع و يترك موضع.

مسألة ٣ ـ تستحب الوليمة عند الولادة، و هي إحدى الخمس التي سنّ فيها الوليمة، كما أن إحداها عند الختان، و لا يعتبر إيقاع الأولى يوم الولادة، فلا بأس بتأخيرها عنه بأيام قلائل، و الظاهر أنه ان ختن في اليوم السابع أو قبله فأولم في يوم الختان بقصدهما تتأدى السنتان.

مسألة ٤ ـ يجب ختان الذكور، و يستحب إيقاعه في اليوم السابع، و يجوز التأخير عنه، و إن تأخر إلى ما بعد البلوغ يجب عليه أن يختن نفسه حتى أن الكافر إذا أسلم غير مختون يجب عليه الختان و إن طعن في السن و لا يجب على الولي أن يختن الصبي إلى زمان بلوغه، فان بلغ بلا ختان يجب على نفسه و إن كان الأحوط أن يختنه.

مسألة ٥ ـ الختان واجب لنفسه، و شرط لصحة طوافه في حج أو عمرة واجبين أو مندوبين، وليس شرطاً في صحة الصلاة على الأقوى فضلاً عن سائر العبادات.

مسألة ٦ ـ الأحوط في الختان قطع الغلاف بحيث يظهر تمام الحشفة كما هو المتعارف، بل لا يخلو من قوة.

مسألة ٧ ـ لا بأس بكون الختان كافراً حربياً أو ذمياً، فلا يعتبر فيه الاسلام.

مسألة ٨ ـ لو ولد الصبي مختوناً سقط الختان و إن استحب إمرار الموسى على المحل لاصابة السنة.

مسألة ٩ ـ من المستحبات الأكيدة العقيقة للذكر و الأنثى، و يستحب أن يعق عن الذكر ذكراً و عن الأنثى أنثى، و أن تكون يوم السابع، و إن تأخرت عنه لعذر أو لغير عذر لم تسقط، بل لو لم يعق عنه حتى بلغ عقّ عن نفسه، بل لو لم

محمد ہو تو مکروہ ہے۔ کہ اس کی کنیت ابوالقاسم رکھی جائے۔

اور مستحب ہے کہ ساتویں دن بچے کا سر مونڈے اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر سونا یا چاندی صدقہ دے۔ اور ایک جگہ سے سر مونڈنا اور ایک جگہ سے چھوڑ دینا مکروہ ہے۔

مسئلہ ۳: بچے کی پیدائش کے موقعہ پر "ولیمہ" مستحب ہے۔ اور یہ ان پانچ مواقع میں سے ایک ہے کہ جن میں ولیمہ مستحب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ان میں سے ایک ختنہ کا موقعہ بھی ہے۔ ولادت کا ولیمہ، ولادت ہی کے دن کرنا معتبر نہیں ہے۔ بلکہ ولادت کے تھوڑے دن بعد بھی کر سکتا ہے۔ اور ظاہراً اگر ساتویں روز یا اس سے پہلے ختنہ کرائے اور اسی روز ختنہ اور ولادت دونوں کی نیت سے ایک ساتھ ولیمہ کر دے تو دونوں سنتیں ادا ہو جائیں گی۔

مسئلہ ۴: بیٹے کا ختنہ واجب ہے۔ اور مستحب ہے کہ ساتویں روز ختنہ کرائے اور تاخیر بھی جائز ہے، اور اگر اس قدر تاخیر کرے کہ لڑکا بالغ ہو جائے تو لڑکے پر واجب ہے کہ وہ اپنا ختنہ کرائے۔ حتیٰ اگر کافر مسلمان ہو جائے اور اس کا ختنہ نہ ہوا ہو تو اس پر ختنہ کرانا واجب ہے۔ چاہے وہ بوڑھا ہی کیوں نہ ہو اور بچے کے سرپرست پر واجب نہیں ہے کہ وہ بالغ ہونے سے پہلے اس کا ختنہ کرا دے۔ پس اگر بچہ بالغ ہو جائے اور اس کا ختنہ نہ ہوا ہو تو خود بچے پر ختنہ کرانا واجب ہے اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ ولی (پہلے ہی) اس کا ختنہ کرا دے۔

مسئلہ ۵: ختنہ بذات خود واجب ہے۔ اور اس کے حج یا عمرہ کا طواف صحیح ہونے کی شرط ہے۔ چاہے حج و عمرہ واجب ہوں یا مستحب، اور اقویٰ یہ ہے کہ "ختنہ" نماز کے صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے۔ چہ جائیکہ دوسری عبادتوں کے لئے شرط ہو۔

مسئلہ ۶: ختنہ میں احتیاط یہ ہے کہ حشفہ کے اوپر والی کھال کاٹی جائے تاکہ "حشفہ" ظاہر ہو جائے جیسا کہ عرف عام میں یہی ہوتا ہے۔ بلکہ یہ قوت سے خالی نہیں ہے۔

مسئلہ ۷: ختنہ کرنے والے کے کافر حربی یا کافر ذمی ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری نہیں کہ ختنہ کرنے والا مسلمان ہو۔

مسئلہ ۸: اگر بچہ مختون پیدا ہو تو اس کا ختنہ ساقط ہے۔ اگرچہ مستحب ہے کہ اس مقام پر استرا پھیرا جائے تاکہ سنت ادا ہو جائے۔

مسئلہ ۹: بچے یا بچی دونوں کے لئے عقیقہ کرنا مستحب مؤکدہ ہے۔ اور مستحب ہے کہ لڑکے کی طرف سے نر، اور لڑکی کی طرف سے مادہ جانور عقیقہ کرے۔ اور یہ کہ ساتویں دن عقیقہ کرے، لیکن اگر عذر یا بغیر عذر کے عقیقہ کو تاخیر میں ڈالے تو ساقط نہیں ہوگا۔ حتیٰ اگر بچہ بالغ ہو جائے اور اس کا عقیقہ نہ ہوا ہو تو وہ خود اپنی طرف سے عقیقہ کرے۔ بلکہ اگر زندگی میں وہ عقیقہ نہ کر سکے تو مستحب ہے کہ مرنے کے بعد اس کی طرف سے عقیقہ کیا جائے۔ اور تین جانوروں یعنی بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ میں سے کوئی جانور عقیقہ میں ذبح ہونا چاہیئے۔ عقیقہ میں ذبح کرنے کے بجائے جانور کی قیمت بطور صدقہ دے دینا کافی

يعق عن نفسه حال حياته يستحب أن يعق عنه بعد موته، و لابد أن تكون من أحد الأنعام الثلاثة: الغنم - ضأناً كان أو معزاً - و البقر و الابل، و لا يجزي عنها التصدق بثمنها، قيل: يستحب أن تجتمع فيها شروط الأضحية من كونها سليمة من العيوب لا يكون سنها أقل من خمس سنين كاملة في الابل، و أقل من سنتين في البقر، و أقل من سنة كاملة في المعز، و أقل من سبعة شهور في الضأن، و هو لا يخلو من إشكال كما أن تعيين السنين بما ذكر لا يخلو بعضها من إشكال و الأمر سهل، و يستحب أن تخص القابلة بالرجل والورك ، و الافضل أن يخصها بالربع، و إن جمع بين الربع و الرجل و الورك بأن أعطاها الربع الذي هما فيه لا يبعد أن يكون عاملاً بالاستحبابين، و لو لم تكن قابلة أعطي الأم تتصدق به.

مسألة ١٠ - يتخير في العقيقة بين أن يفرّقها لحماً أو مطبوخاً أو تطبخ و يدعى إليها جماعة من المؤمنين، و لا أقل من عشرة، و إن زاد فهو أفضل، و يأكلون منها و يدعون للولد، و لا بأس بطبخها على ماهو المتعارف و قد يقال: الأفضل طبخها بماء و ملح، و هو غير معلوم.

مسألة ١١ - لا يجب على الأم إرضاع ولدها لا مجاناً و لا بالأجرة مع عدم الانحصار بها، بل و مع الانحصار لو أمكن حفظ الولد بلبن و نحوه مع الأمن من الضرر عليه، كما أنه لا يجب عليها إرضاعه مجاناً و إن انحصر بها، بل لها المطالبة بأجرة الارضاع من مال الولد إن كان له مال، و من أبيه إن لم يكن له مال و كان الأب موسراً، نعم لو لم يكن للولد مال و لم يكن الأب و الجدّ و إن علا موسرين تعين على الأم إرضاعه مجاناً، إما بنفسها أو باستئجار مرضعة أخرى، أو بغيره من طرق الحفظ إن لم يكن مضراً له، و تكون الأجرة أو النفقة عليها.

مسألة ١٢ - الأم أحق بارضاع ولدها من غيرها إذا كانت متبرعة أو تطلب ما تطلب غيرها أو أنقص، و أما لو طلبت زيادة أو أجرة و وجدت متبرعة فللأب تسليمه إلى غيرها، و الأحوط عدم سقوط حق الحضانة الثابت للأم

نہیں ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس میں قربانی والے جانور کی تمام شرطیں مستحب ہیں۔ مثلاً اس میں کوئی عیب نہ ہو۔ اور اگر اونٹ ہو تو پانچ سال سے کم کا نہ ہو۔ گائے دو سال، بکری ایک سال اور گوسفند سات مہینے سے کم نہ ہو۔ حالانکہ یہ قول اشکال سے خالی نہیں، جیساکہ مذکورہ سن و سال کی قید بھی بعض چیزوں میں اشکال سے خالی نہیں۔ امر عقیقہ آسان ہے۔ اور مستحب ہے کہ پائے اور ران دائی کو دیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ جانور کا ایک چوتھائی دائی کو دیا جائے۔ اور اگر جانور کے ایک چوتھائی اور پائے اور ران دونوں دینے کی صورت میں یہ ترکیب کرے کہ جانور کے چوتھے حصے میں یہ دونوں چیزیں بھی شامل کرے تو بعید نہیں ہے کہ دونوں مستحب پر عمل ہو جائے۔ اور اگر دائی نہ ہو تو اس کا حصہ ماں کو دیا جائے۔ تاکہ وہ صدقہ کے طور پر کسی کو دے دے۔

مسئلہ ۱۰: عقیقہ کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ کچا گوشت تقسیم کرے یا پکا کر بانٹے۔ یا گوشت پکا کر کچھ مومنوں کو کھانے کے لئے دعوت دے۔ اور کم سے کم دس مومنوں کو بلائے۔ چنانچہ اگر زیادہ تعداد میں مومنوں کو دعوت دے تو یہ افضل ہے۔ مومنین کھانا کھائیں اور اس کے بعد بچے کے لئے دعا کریں۔ اور معمولاً جس طرح پکایا جاتا ہے ویسا پکانے میں کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ آب و نمک کے ساتھ پکائے لیکن یہ یقینی نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۱: ماں پر بچے کو دودھ پلانا واجب نہیں ہے۔ خواہ مفت میں یا اجرت لے کر۔ بشرطیکہ دودھ پلانے والی صرف وہی نہ ہو۔ بلکہ اگر دودھ پلانے والی اس کے علاوہ کوئی عورت نہ ہو۔ لیکن الگ سے دودھ وغیرہ کے ذریعہ بچہ کی پرورش ممکن ہو اور اس کو کوئی نقصان بھی نہ ہوتا ہو۔ چنانچہ اگر دودھ پلانے والی صرف ماں ہی ہو تب بھی اس پر مفت میں دودھ پلانا واجب نہیں ہے۔ بلکہ اسے دودھ پلانے کی اجرت لینے کا حق حاصل ہے۔

اگر بچہ مالدار ہو تو اس کے مال سے اجرت لے گی۔ اور بچہ کے مالدار نہ ہونے کی صورت میں اگر اس کا باپ فارغ البال، اور ثروت مند ہو تو اس سے مطالبہ کرے۔ البتہ اگر بچہ مالدار نہ ہو اور باپ، دادا اور پردادا وغیرہ دولت مند نہ ہوں تو ایسی صورت میں ماں کے لئے لازم ہے کہ وہ مفت میں بچے کو دودھ پلائے۔ یا خود دودھ پلائے۔ یا کسی دودھ پلانے والی کو اجیر کرے۔ یا دودھ پلانے کے علاوہ بچے کی حفاظت و پرورش کا بندوبست کرے اگر بچے کے لئے باعث ضرر نہ ہو۔ اور اجرت اور اخراجات ماں کے ذمہ ہوں گے۔

مسئلہ ۱۲: غیر کی بہ نسبت ماں کو زیادہ حق پہونچتا ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلائے۔ جب کہ وہ مفت میں دودھ پلانا چاہتی ہو یا غیر کے برابر یا اس سے کم اجرت کا مطالبہ کرتی ہو۔ لیکن اگر وہ اجرت کا مطالبہ کر رہی ہو یا دوسری عورتوں سے زیادہ اجرت چاہتی ہو۔ تو باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ بچہ کوئی سبیل اللہ دودھ پلانے والی عورت کے حوالے کردے۔ لیکن احتیاط یہ ہے کہ بچے کی حفاظت کا جو حق ماں کو حاصل ہے وہ ساقط نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ دودھ پلانے کا حق ساقط ہو جانے اور حفاظت کا حق باقی رہنے میں کوئی منافات نہیں۔

أيضاً، لعدم التنافي بين سقوط حق الارضاع و ثبوت حق الحضانة.

مسألة ١٣ ـ لو ادعى الأب وجود متبرعة و أنكرت الأم ولم تكن البينة على وجودها فالقول قولها بيمينها.

مسألة ١٤ ـ يستحب أن يكون رضاع الصبي بلبن أمه، فانه أبرك من غيره، إلا إذا اقتضت بعض الجهات أولوية غيرها من حيث شرافتها و طيب لبنها و خباثة الأم.

مسألة ١٥ ـ كمال الرضاع حولان كاملان أربع و عشرون شهراً، و يجوز أن ينقص عن ذلك إلى ثلاثة شهور بأن يفطم على أحد و عشرين شهراً، و لا يجوز أن ينقص عن ذلك مع الامكان و من غير ضرورة.

مسألة ١٦ ـ الأم أحق بحضانة الولد و تربيته و ما يتعلق بها من مصلحة حفظه مدة الرضاع أي الحولين إذا كانت حرة مسلمة عاقلة، ذكراً كان أو أنثى، سواء أرضعته هي بنفسها أو بغيرها، فلا يجوز للأب أن يأخذه في هذه المدة منها و إن فطمته على الأحوط، فاذا انقضت مدة الرضاع فالأب أحق بالذكر و الأم بالأنثى حتى تبلغ سبع سنين من عمرها ثم يكون الأب أحق بها، و إن فارق الأم بفسخ أو طلاق قبل أن تبلغ سبع سنين لم يسقط حقها ما لم تتزوج بالغير، فلو تزوجت سقط حقها عن الذكر و الأنثى و كانت الحضانة للأب، ولو فارقها الثاني لا يبعد عود حقها، و الأحوط التصالح و التسالم.

مسألة ١٧ ـ لو مات الاب بعد انتقال الحضانة إليه أو قبله كانت الأم أحق بحضانة الولد ـ و إن كانت مزوجة ذكراً كان أو أنثى ـ من وصي أبيه، و كذا من باقي أقاربه حتى أبي أبيه و أمه فضلاً عن غيرهما، كما أنه لو ماتت الأم في زمن حضانتها فالأب أحق بها من غيره، و إن فقد الأبوان فهي لأب الأب، و إذا عدم و لم يكن وصي له و لا للأب فلأقارب الولد على ترتيب مراتب الارث، الأقرب منهم يمنع الأبعد، و مع التعدد و التساوي في المرتبة و التشاح أقرع بينهم. و إذا وجد وصي لأحد هما في كون الأمر كذلك أو كونها للوصي ثم إلى الأقارب

مسئلہ ۱۳: اگر باپ کا دعویٰ ہو کہ فی سبیل اللہ دودھ پلانے والی موجود ہے۔ اور ماں کا دعویٰ ہو کہ ایسی کوئی عورت موجود نہیں ہے۔ اور باپ کے پاس اسکے موجود ہونے پر گواہ بھی موجود نہ ہوں۔ تو حلف کے ساتھ عورت کی بات مانی جائے گی۔

مسئلہ ۱۴: مستحب ہے کہ بچے کو ماں کا دودھ پلائے۔ اس لئے کہ وہ خیر کی نسبت زیادہ بابرکت ہے۔ اگر بعض جہتوں کے اعتبار سے دوسری عورت بہتر ہو۔ مثلاً وہ شریف ہو اس کا دودھ پاکیزہ ہو اور ماں کا دودھ پاکیزہ نہ ہو تو دوسری عورت دودھ پلائے۔

مسئلہ ۱۵: مکمل طور پر دودھ پلانے کی مدت، پورے دو سال، یعنی چوبیس مہینے ہیں۔ اور تین مہینے اس سے کم کرنا جائز ہے۔ مثلاً اکیسواں مہینہ پورا ہونے کے بعد دودھ چھڑا دے لیکن اگر دودھ پلانا ممکن ہو اور دودھ چھڑانے کی ضرورت پیش نہ آئے تو اس سے کم کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۶: بچہ کی حفاظت اس کی تربیت اور دودھ پلانے کی مدت یعنی دو سال تک اس کی نگہداشت جیسے امور کی زیادہ حقدار ماں ہے۔ بشرطیکہ وہ آزاد، مسلمان اور عقلمند ہو، چاہے لڑکی ہو یا لڑکا۔ ماں خود دودھ پلائے یا کسی دوسری عورت کو دودھ پلانے کی ذمہ داری سونپے۔ پس اس عرصہ احتیاطاً باپ پر جائز نہیں کہ وہ بچے کو اس سے جدا کرے اگرچہ ماں نے بچے کا دودھ چھڑا دیا ہو۔ لہٰذا جب دودھ پلانے کی مدت تمام ہو جائے تو باپ بیٹے کی نسبت زیادہ حقدار ہے۔ اور ماں بیٹی کی نسبت یہاں تک کہ وہ سات سال کی ہو جائے۔ سات سال کے بعد باپ اس کی نسبت زیادہ حقدار ہے لیکن اگر بچی کے سات سال پورے ہونے سے پہلے، نکاح ٹوٹ جانے یا طلاق ہو جانے کی وجہ سے ماں، باپ سے الگ ہو جائے تو جب تک وہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ شادی نہ کرے اس کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ لیکن جب وہ دوسرے کے ساتھ شادی کرے تو لڑکے یا لڑکی دونوں کی نسبت اسکا حق ساقط ہو جائے گا۔ اور حفاظت کی ذمہ داری باپ پر عائد ہوگی۔ لیکن اگر دوسرا شوہر بھی اس سے الگ ہو جائے، تو بعید نہیں کہ اس کا حق دوبارہ اسے مل جائے۔ اور احتیاط یہ ہے کہ آپس میں سمجھوتہ کر لیں۔

مسئلہ ۱۷: اگر باپ مر جائے جبکہ حفاظت کا حق اُسے مل چکا ہو یا بعد میں ملے تو ایسی صورت میں باپ کے وصی کی نسبت بچے کی حفاظت کا ماں کو زیادہ حق پہونچتا ہے۔ چاہے ماں نے دوسری شادی کر لی ہو۔ اور بچہ، لڑکی ہو یا لڑکا اور اسی طرح شوہر کے دوسرے رشتہ داروں حتیٰ اس کے دادا اور ماں کی نسبت بھی بچے کی ماں کو اس کی حفاظت کا زیادہ حق ہے۔ چہ جائیکہ ان کے علاوہ دوسروں کو اس کا حق ہو۔ جیسا کہ اگر بچہ کی تربیت کے دوران ماں فوت ہو جائے تو باپ کو اس کی نگہداشت کا دوسروں کی بہ نسبت زیادہ حق ہے۔ اور اگر ماں باپ دونوں موجود نہ ہوں تو یہ کام دادا کا ہے۔ لیکن اگر دادا بھی نہ ہو اور اس کی یا باپ کی طرف سے کوئی وصی بھی نہ ہو تو طبقاتِ میراث کی ترتیب کا لحاظ کرتے ہوئے بچے کی حفاظت اس کے رشتہ داروں کے ذمہ ہے۔ چنانچہ قریبی رشتہ دار، دور کے رشتہ داروں کی حفاظت کا حق دیئے جانے سے مانع ہوں گے۔ لیکن اگر رشتہ دار، متعدد ہوں، طبقہ میں برابر اور بچہ کی حفاظت کے مسئلہ میں سب میں اختلاف ہو جائے۔ تو ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے گا۔ لیکن اگر باپ دادا کی طرف سے وصی موجود ہو تو آیا مسئلہ جوں کا توں رہے گا یا پہلے حفاظت کا حق وصی کو ملے گا اور اس کے بعد رشتہ داروں کو؟ اس میں دو وجہیں ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ صلح و صفائی

وجهان لا يترك الاحتياط بالتصالح و التسالم.

مسألة ١٨ ـ تنتهي الحضانة ببلوغ الولد رشيداً، فاذا بلغ رشيداً ليس لأحد حق الحضانة عليه حتى الأبوين، بل هو مالك لنفسه ذكراً كان أو أنثى.

فصل في النفقات

إنما تجب النفقة بأحد أسباب ثلاثة: الزوجية والقرابة والملك.

مسألة ١ ـ إنما تجب نفقة الزوجة على الزوج بشرط أن تكون دائمة فلا نفقة للمنقطعة، و أن تكون مطيعة له فيما يجب إطاعتها له، فلا نفقة للناشزة، و لا فرق بين المسلمة و الذمية.

مسألة ٢ ـ لو نشزت ثم عادت إلى الطاعة لم تستحق النفقة حتى تظهرها و علم بها و انقضى زمان أمكن الوصول إليها.

مسألة ٣ ـ لو ارتدت سقطت النفقة، و إن عادت في العدة عادت.

مسألة ٤ ـ الظاهر أنه لا نفقة للزوجة الصغيرة غير القابلة للاستمتاع منها على زوجها، خصوصاً إذا كان صغيراً غير قابل للتمتع و التلذذ، و كذا للزوجة الكبيرة إذا كان زوجها صغيراً غير قابل لأن يستمتع منها، نعم لو كانت الزوجة مراهقة و الزوج مراهقاً أو كبيراً أو كان الزوج مراهقاً والزوجة كبيرة لم يبعد استحقاقها لها مع تمكينها له من نفسها على ما يمكنه من التلذذ و الاستمتاع منها.

مسألة ٥ ـ لا تسقط نفقتها بعدم تمكينه من نفسها لعذر شرعي أو عقلي من حيض أو إحرام أو اعتكاف واجب أو مرض أو غير ذلك، و كذا لا تسقط إذا سافرت باذن الزوج سواء كان في واجب أو مندوب أو مباح و كذا لو سافرت في واجب مضيق كالحج الواجب بغير إذنه، بل ولو مع منعه و نهيه، بخلاف ما لو سافرت بغير إذنه في مندوب أو مباح، فانه تسقط نفقتها، بل الأمر كذلك لو

کے ذریعہ احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۱۸: بچہ جب بالغ اور صاحب رُشد ہو جائے تو حفاظت ختم ہو جائے گی۔ پس جب وہ بالغ ہونے کے ساتھ صاحب رُشد و فراست بھی ہو جائے تو کوئی اس کی حفاظت کا ذمہ دار نہیں حتیٰ والدین بھی نہیں۔ بلکہ وہ اپنے نفس کا مالک ہے۔ چاہے بیٹی ہو یا بیٹا۔

نفقے کے احکام

صرف تین اسباب میں سے کسی ایک کی بناء پر نفقہ واجب ہوتا ہے۔ زوجیت، قرابت اور آقائیت۔

مسئلہ ۱: صرف دائمی بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ متعہ والی بیوی کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ اور یہ کہ جن امور میں شوہر کی اطاعت واجب ہے ان میں وہ اس کی اطاعت کرتی ہو، چنانچہ نافرمان عورت کا کوئی نفقہ نہیں ہے۔ اور عورت کے مسلمان اور کافر ذمی ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مسئلہ ۲: نافرمان ہونے کے بعد اگر عورت مطیع ہو جائے تو جب تک اپنی فرمانبرداری کو ظاہر نہ کر دے اور شوہر کو اس کا علم نہ ہو جائے اور اتنی مدت نہ گذر جائے کہ جس میں اس تک پہونچنا ممکن ہو۔ اس وقت تک نفقہ کی حقدار نہیں۔

مسئلہ ۳: اگر عورت مرتد ہو جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اگر عدت کے اندر توبہ کرے تو دوبارہ نفقہ کی حقدار ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۴: ظاہراً نابالغ بیوی کہ جس سے شوہر حصول لذت نہ کر سکے، نفقہ کی حقدار نہیں۔ خصوصاً جب شوہر بھی نابالغ ہو اور لذت برداری کے قابل نہ ہو۔ اسی طرح بالغہ بیوی۔ کہ جس کا شوہر نابالغ ہو اور حصول لذت کے قابل نہ ہو، نفقہ کی حقدار نہیں ہوگی۔ البتہ اگر زوجہ بلوغ کے قریب ہو اور شوہر بھی بلوغ کے نزدیک ہو یا بالغ ہو چکا ہو، یا شوہر بلوغ کے قریب ہو لیکن بیوی بالغہ ہو تو بعید نہیں کہ وہ نفقہ کی حقدار ہو۔ جب کہ وہ ہر ممکن لذت اندوزی کے لئے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرے۔

مسئلہ ۵: اگر کسی شرعی یا عقلی عذر، جیسے حیض، احرام، واجب اعتکاف اور بیماری وغیرہ کی بناء پر اپنے آپ کو شوہر کے اختیار میں نہ دے سکے تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب شوہر کی اجازت سے سفر کرے چاہے سفر واجب ہو یا مستحب یا مباح، اور اسی طرح جب "واجب مضیق" مثلاً حج بجا لانے کی خاطر شوہر کی اجازت کے بغیر، بلکہ اس کے روکنے اور منع کرنے کے باوجود۔ سفر کرے تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر شوہر کی اجازت کے بغیر مباح یا مستحب سفر اختیار کرے۔ تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ بلکہ یہی حکم وہاں بھی ہے کہ اگر شوہر کی اجازت کے بغیر اسکے گھر سے باہر جائے چاہے سفر کیلئے نہ سہی۔ چہ جائیکہ سفر پر جائے۔ اس لئے کہ اس سے

خرجت من بيته بغير إذنه ولو لغير سفر فضلاً عما كان له، لتحقق النشوز المسقط لها.

مسألة ٦ - تثبت النفقة و السكنى لذات العدة الرجعية مادامت في العدة كما تثبت للزوجة من غير فرق بين كونها حائلاً أو حاملاً، ولو كانت ناشزة و طلقت في حال نشوزها لم تثبت لها كالزوجة الناشزة، و إن رجعت إلى التمكين وجبت النفقة على الأقرب، و أما ذات العدة البائنة فتسقط نفقتها و سكناها، سواء كانت عن طلاق أو فسخ إلا إذا كانت عن طلاق و كانت حاملاً، فانها تستحقها حتى تضع حملها، و لا تلحق بها المنقطعة الحامل الموهوبة أو المنقضية مدتها، و كذا الحامل المتوفى عنها زوجها، فانه لا نفقة لها مدة حملها، لا من تركة زوجها و لا من نصيب ولدها على الأقوى.

مسألة ٧ - لو ادعت المطلقة بائناً أنها حامل مستندة إلى وجود الأمارات التي يستدل بها على الحمل عند النسوان فتصديقها بمجرد دعواها محل إشكال، نعم لا يبعد قبول قول الثقة الخبيرة من القوابل قبل ظهور الحمل من غير احتياج إلى شهادة أربع منهن أو إثنين من الرجال المحارم، فحينئذ أنفق عليها يوماً فيوماً إلى أن يتبين الحال، فان تبيّن الحمل و إلا استعيدت منها ما صرف عليها، و في جواز مطالبتها بكفيل قبل تبين الحال و جهان بل قولان، أرجحهما الثاني إن قلنا بوجوب تصديقها، و كذلك مع عدمه و إخبار الثقة من أهل الخبرة.

مسألة ٨ - لا تقدير للنفقة شرعاً، بل الضابط القيام بما تحتاج إليه المرأة من طعام و إدام و كسوة و فراش و غطاء و إسكان و إخدام و آلات تحتاج إليها لشربها و طبخها و تنظيفها و غير ذلك.

فأما الطعام فكميته بمقدار ما يكفيها لشبعها، و في جنسه يرجع إلى ما هو المتعارف لأمثالها في بلدها و الموالم لمزاجها و ما تعودت به بحيث تتضرر بتركه.

و أما الادام فقدراً و جنساً كالطعام يراعى ما هو المتعارف لأمثالها في بلدها و ما يوالم مزاجها و ما هو معتاد لها حتى لو كانت عادة أمثالها أو الموالم لمزاجها

نافرمانی ہوجاتی ہے۔ جس کی بناء پر نفقہ ساقط ہوجاتا ہے۔

مسئلہ ۶: عدّتِ رجعی میں بسر کرنے والی عورت کے لئے نفقہ اور حقِ رہائش ثابت ہے۔ جیسا کہ بیوی کے لئے نفقہ اور حقِ رہائش ثابت ہے چاہے حاملہ ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر عورت نافرمان ہو اور اسی حالت میں مطلقہ ہوجائے۔ تو نافرمان بیوی کی مانند اس کے لئے بھی نفقہ اور حقِ رہائش ثابت نہیں۔ چنانچہ اگر اپنے نفس کو شوہر کے سپرد کرنے پر آمادہ ہوجائے تو اقرب یہ ہے کہ نفقہ اور حقِ رہائش ثابت ہوجائے گا۔ لیکن طلاقِ بائن کی عدّت میں بسر کرنے والی عورت کا حقِ رہائش اور نفقہ ساقط ہے۔ چاہے طلاق کی عدت میں ہو یا عقد فسخ ہوجانے کی بناء پر۔ مگر یہ کہ اس کو طلاق دی گئی ہو اور وہ حاملہ ہو۔ اس لئے کہ ایسی صورت وہ نفقہ اور رہائش دونوں کی حقدار ہے یہاں تک کہ اس کا بچہ پیدا ہوجائے۔ البتہ جس عورت کے ساتھ متعہ کیا گیا ہو وہ حاملہ بھی ہو اور اس کی مدّت ختم ہوگئی ہو یا شوہر نے مدّت بخش دی ہو۔ تو اس کا یہ حکم نہیں۔ اسی طرح وہ حاملہ عورت جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو۔ پس حمل کی مدّت میں اس کے لئے نفقہ نہیں، نہ شوہر کے ترکہ سے اور نہ بناء بر اقویٰ اس کے بیٹے کے حصّے سے۔

مسئلہ ۷: ایسی عورت جس کو طلاقِ بائن دی گئی ہو اگر حاملہ ہونے کا دعویٰ کرے اور حاملہ عورتوں میں جو علامتیں پائی جاتی ہیں ان کو ثبوت کے طور پر پیش کرے تو صرف اس کے دعوے کی بناء پر اس کی تصدیق محلِ اشکال ہے۔ البتہ باخبر موثق دائیاں اگر حمل ظاہر ہونے سے پہلے عورت کے حاملہ ہونے کی خبر دیں تو ان کا کہا مان لیا جانا بعید نہیں ہے۔ اور اس سلسلہ میں ان سے چار عورتوں یا اس عورت کے دو محرم مردوں کی گواہی ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا مرد اس عورت کو روز بروز خرچہ دے گا یہاں تک کہ اس کی پوزیشن واضح ہوجائے۔ پس اگر پتہ چلے کہ حاملہ ہے (تو جو خرچ ہوا وہ صحیح ہے) لیکن اگر حاملہ نہ ہو تو اس کو دیا گیا نفقہ اس سے واپس لیا جائے گا۔ اور عورت کی پوزیشن واضح ہونے سے پہلے آیا عورت کے لئے کفیل کا مطالبہ کرنا جائز ہے یا نہیں، اس میں دو وجہیں بلکہ دو قول ہیں۔ زیادہ رجحان دوسرے قول میں ہے اگر ہم تصدیق کو واجب قرار دیں۔ اور یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب تصدیق واجب نہ ہو اور باخبر ثقہ اس کے حاملہ ہونے کی خبر بھی نہ دے۔

مسئلہ ۸: نفقہ کی مقدار شریعت میں معیّن نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ ضابطہ یہ ہے کہ عورت کی ضرورت کے مطابق، کھانے پینے، پہننے، بچھانے، سر ڈھکنے، رہائش اختیار کرنے اور خدمت گذار معیّن کرنے کا انتظام کیا جائے، اور کھانا پکانے کے برتن اور نظافت کے لئے سامان آرائش وغیرہ مہیّا کیا جائے۔

کھانا اس مقدار میں دیا جائے جس سے اس کا پیٹ بھر جائے۔ اس کی جنس وہی ہونا چاہئے کہ جو اس شہر میں اس جیسی دوسری عورتیں استعمال کرتی ہوں اور اس کے مزاج کے موافق ہو۔ اور جس چیز کی اسے عادت ہو اس طرح کہ اگر اسے ترک کردے تو نقصان پہونچنے کا خطرہ ہو۔ اور سالن وغیرہ کی مقدار اور جنس بھی وہی ہو۔ جو اس شہر میں اس جیسی عورتیں استعمال کرتی ہوں۔ اس کے مزاج سے سازگار ہو۔ اور جس چیز کی وہ عادی ہو اس کی رعایت لازمی ہے۔ حتیٰ اگر وہ ہمیشہ گوشت کھانے کی عادی

دوام اللحم مثلاً وجب، و كذا لو اعتادت بشيء خاص من الادام بحيث تتضرر بتركه، بل الظاهر مراعاة ما تعارف اعتياده لأمثالها من غير الطعام و الادام كالشاي و التنباك و القهوة و نحوها، وأولى بذلك المقدار اللازم من الفواكه الصيفية التي تناولها كاللازم في الأهوية الحارة، بل و كذا ما تعارف من الفواكه المختلفة في الفصول لمثلها.

و كذلك الحال في الكسوة، فيلاحظ في قدرها و جنسها عادة أمثالها و بلد سكناها و الفصول التي تحتاج إليها شتاءً وصيفاً، ضرورة شدة الاختلاف في الكم و الكيف و الجنس بالنسبة إلى ذلك، بل لو كانت من ذوات التجمل وجب لها زيادة على ثياب البدن ثياب على حسب أمثالها.

و هكذا الفراش و الغطاء، فان لها ما يفرشها على الأرض و ما تحتاج إليها للنوم من لحاف و مخدة و ما تنام عليها، و يرجع في قدرها و جنسها و وصفها إلى ما ذكر في غيرها، و تستحق في الاسكان أن يسكنها داراً تليق بها بحسب عادة أمثالها، و كانت لها من المرافق ما تحتاج إليها، و لها أن تطالبه بالتفرد بالمسكن عن مشاركة غير الزوج ضرة أو غيرها من دار أو حجرة منفردة المرافق، إما بعارية أو إجارة أو ملك، ولو كانت من أهل البادية كفاها كوخ أو بيت شعر منفرد يناسب حالها.

و أما الاخدام فانما يجب إن كانت ذات حشمة و شأن و من ذوي الأخدام، و إلا خدمت نفسها، و إذا وجبت الخدمة فان كانت من ذوات الحشمة بحيث يتعارف من مثلها أن يكون لها خادم مخصوص لابد من اختصاصها به، ولو بلغت حشمتها بحيث يتعارف من مثلها تعدد الخادم فلا يبعد وجوبه.

و الأولى إيكال الأمر إلى العرف و العادة في جميع المذكورات، و كذا في الآلات و الأدوات المحتاج إليها، فهي أيضاً تلاحظ ما هو المتعارف لأمثالها بحسب حاجات بلدها التي تسكن فيها.

ہو اور وہ اس کے مزاج کے موافق ہو تو اس کو گوشت کھلانا واجب ہے۔ اور اسی طرح اگر وہ کسی خاص سالن کی عادی ہو کہ جس کا ترک کر دینا باعثِ نقصان ہو۔ بلکہ روٹی سالن کے علاوہ اگر اسے کسی چیز کی عادت ہو کہ اس جیسی دوسری عورتوں کی بھی عادت ہوتی ہے۔ جیسے چائے، تمباکو اور قہوہ وغیرہ (تو اس کی رعایت بھی ضروری ہے) اور اس سے بہتر یہ ہے کہ گرمیوں میں استعمال ہونے والے پھل کہ گرم ہواؤں میں جن کا استعمال ہوتا ہو نفقہ کا لازمی جز ہیں۔ بلکہ مختلف موسموں کے پھل جو عرفِ عام میں استعمال کئے جاتے ہوں نفقہ میں شامل ہیں۔

یہی حکم لباس کا بھی ہے۔ چنانچہ لباس کی مقدار اور جنس میں اس جیسی عورتوں کے پہناوے شہر کے رسم و رواج اور گرمی سردی کی رعایت کی جائے۔ اس لئے کہ لباس کی مقدار اور کیفیت کے مسائل میں شدید اختلاف ہے۔ بلکہ اگر عورت زینت پسند ہو۔ تو واجب ہے کہ تن ڈھانپنے والے لباس کے علاوہ اسے دوسری عورتوں کی مانند مزید لباس اسے فراہم کیا جائے۔

اور یہی حکم فرش اور پردے (چادر یا برقعہ) کا ہے۔ پس زمین پر بچھانے کے لئے فرش، اور سونے کے لئے لحاف تکئے اور گدے وغیرہ اس کا حق ہے۔ اس کی مقدار، جنس اور وصف میں مذکورہ بالا ضابطے کی رعایت کی جائے گی۔

سکونت کے لئے ایسا گھر فراہم کیا جانا جو اس جیسی دوسری عورتوں کے شایان شان ہو۔ اور وہ لوازم خانگی جن کی اسے ضرورت ہو اس کا حق ہے۔ اور عورت اپنے شوہر سے مطالبہ کر سکتی ہے کہ وہ شوہر کے علاوہ کسی اور جیسے سوتن وغیرہ کی شرکت میں نہیں رہے گی، لہٰذا اس کے لئے گھر یا ایسے کمرے کا الگ انتظام کیا جائے جس میں لوازم موجود ہوں۔ شوہر چاہے اس مکان یا کمرے کو رعایت، کرائے یا ملکیت کے طور پر اس کے حوالے کرے۔ چنانچہ اگر عورت کا تعلق صحرا نشین سے ہو تو اس کے لئے اس کے مناسب حال ایک جھونپڑی یا خیمہ کافی ہے۔

اور اگر عورت شان و شوکت رکھتی ہو اور میکے میں اس کے ملازم وغیرہ ہوں تو اس کے لئے ملازم فراہم کرنا واجب ہے۔ اور اگر شان و شوکت والی نہ ہو تو خود کام کرے۔ چنانچہ اگر خادم کا انتظام واجب ہو جائے۔ پس اگر عورت ایسی شان و شوکت والی ہو کہ اس جیسی عورتیں مخصوص نوکر رکھتی ہوں۔ تو اس کے لئے مخصوص طور پر نوکر کا انتظام کرے۔ اور اگر اس کی شوکت و حشمت اتنی زیادہ ہو کہ اس جیسی عورتیں کئی نوکر رکھتی ہوں تو بعید نہیں کہ اس کے لئے کئی نوکروں کا انتظام کرنا شوہر پر واجب ہو۔

اور بہتر یہ ہے کہ مذکورہ تمام مسائل میں عرفِ عام کو پیش نظر رکھا جائے۔ چنانچہ جو عرفِ عام میں ہوتا ہو وہی کیا جائے۔ اور اسی طرح اس کی ضرورت کے وسائل اور لوازم میں بھی اس کو اپنی جیسی عورتوں کے معمول کی رعایت کرنی چاہیئے۔ کہ جو اس شہر کی ضرورتوں کے مطابق ہوں جس میں وہ رہتی ہے۔

مسألة ٩ ـ الظاهر أنه من الانفاق الذي تستحقه الزوجة أجرة الحمام عند الحاجة، سواء كان للاغتسال أوللتنظيف إذا كان بلدها مما لم يتعارف فيه الغسل و الاغتسال في البيت أو يتعذر أو يتعسر ذلك لها لبرد أو غيره، و منه أيضاً الفحم و الحطب و نحوهما في زمان الاحتياج إليها، و كذا الأدو ية المتعارفة التى يكثر الاحتياج إليها بسبب الأمراض و الآلام التي قلّما يخلو الشخص منها في الشهور و الأعوام، نعم الظاهر أنه ليس منه الدواء و ما يصرف في المعالجات الصعبة التي يكون الاحتياج إليها من باب الا تفاق خصوصاً إذا احتاج إلى بذل مال خطير، و هل يكون منه أجرة الفصد و الحجامة عند الاحتياج إليهما؟ فيه تأمل و إشكال.

مسألة ١٠ ـ تملك الزوجة على الزوج نفقة كل يوم من الطعام و الادام وغيرهما مما يصرف و لا يبقى عينه في صبيحته ملكاً متزلزلاً مراعى بحصول تمام التمكين منها، و إلا فبمقداره و تسترد البقية، فلها أن تطالبه بها عنده، فلو منعها مع التمكين و انقضى اليوم استقرت في ذمته و صارت ديناً عليه، و كذا يشترط ذلك في الاستقرار مع انقضاء أيام، فيستقر بمقدار التمكين على ذمته نفقة تلك المدة، سواء طالبته بها أو سكتت عنها، وسواء قدّرها الحاكم حكم بها أم لا، و سواء كان موسراً أو معسراً، و مع الاعسار ينظر إلى اليسار، و ليس لها مطالبة نفقة الأيام الآتية.

مسألة ١١ ـ لو دفعت إليها نفقة أيام كأسبوع أو شهر مثلاً و انقضت المدة و لم تصرفها على نفسها ـ إما بأن أنفقت من غيرها أو أنفق إليها شخص ـ كانت ملكاً لها. و ليس للزوج استردادها، و كذا لو استفضلت منها شيئاً بالتقتير على نفسها كانت الزيادة ملكاً لها، فليس له استردادها، نعم لو خرجت عن الاستحقاق قبل انقضاء المدة بموت أحدهما أو نشوزها أو طلاقها بائناً يوزع المدفوع على الأيام الماضية و الآتية و يسترد منها بالنسبة الى ما بقي من المدة، بل الظاهر ذلك أيضاً فيما إذا دفع لها نفقة يوم و عرض أحد تلك العوارض في أثنائه، فيسترد الباقي من

مسئلہ ۹: ظاہراً حمام کی اُجرت بھی نفقہ میں شمار ہوگی جب عورت کو حمام جانے کی ضرورت ہو۔ چاہے غسل کی غرض سے حمام جائے یا صرف نظافت کرنا چاہتی ہو۔ اگر عورت ایسے شہر میں رہتی ہو جس میں غسل وغیرہ کا انتظام گھر میں نہیں ہوتا۔ یا گھر میں غسل سے معذور ہو یا سردی وغیرہ کی وجہ سے گھر کے حمام سے استفادہ مشکل ہو۔ اور کوئلے اور ایندھن وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے جس زمانے میں ان کی ضرورت ہو۔ اور اسیطرح وہ مشہور و معروف دوائیں کہ جن کی بیماریوں اور دردوں کے لئے اکثر ضرورت پڑتی ہے۔ اور کوئی مہینہ اور سال ایسا نہیں گذرتا جس میں ان کا استعمال نہ ہو۔ نفقہ میں شامل ہیں۔ البتہ وہ دوا جس کی اتفاق سے کسی شدید بیماری کے علاج میں ضرورت ہو۔ خاص طور سے جب اس کے حصول میں بڑی رقم خرچ کرنا پڑے تو ظاہراً وہ نفقہ میں شامل نہیں۔ اور آیا وقتِ ضرورت، فصد کھلوانے اور حجامت کی اُجرت نفقہ کا جزء ہے یا نہیں؟ اس میں تامّل اور اشکال ہے۔

مسئلہ ۱۰: بیوی ہر روز نفقہ اور مصارف کی ان چیزوں کی مالک ہو جاتی ہے۔ جو صبح تک باقی نہیں رہتیں۔ لیکن اس کی ملکیت اس وقت تک متزلزل رہتی ہے جب تک مکمل طور پر اپنے نفس کو شوہر کے حوالے نہ کرے۔ چنانچہ اگر کامل طور پر اپنے کو شوہر کے حوالے نہ کرے۔ تو "تمکین" کے بقدر نفقہ کی مالک ہوگی اور جو باقی بچے گا اسے واپس لوٹائے گی۔ چنانچہ تمکین کے وقت وہ نفقہ کا مطالبہ کرنے کا حق رکھتی ہے۔ پس اگر عورت کی طرف سے تمکین کے باوجود شوہر اسے نفقہ نہ دے اور دن گذر جائے تو نفقہ اس کے ذمہ واجب الادا ہو جاتا ہے اور اس پر قرض رہتا ہے۔ اور اسی طرح نفقہ مستقر ہونے میں دن گذرنے کے ساتھ ساتھ تمکین شرط ہے۔ پس جس قدر "تمکین" ہوگی اسی مقدار میں اس مدت کا نفقہ شوہر کو دینا پڑے گا۔ چاہے بیوی مطالبہ کرے یا نہ کرے۔ حاکم شرع اس کا حکم صادر کرکے اس کی مقدار معین کرے یا نہ کرے۔ شوہر تنگدست یا فارغ البال۔ البتہ تنگدست ہونے کی صورت میں اسے مہلت دی جائے گی تاکہ تنگدستی دور ہو جائے۔ لیکن عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ آنے والے دنوں کے نفقہ کا مطالبہ کرے۔

مسئلہ ۱۱: اگر چند دنوں، مثلاً ایک ہفتے یا مہینے کا نفقہ عورت کے حوالے کردے۔ اور وہ مدت گذر جائے لیکن عورت نے اُسے اپنے اوپر خرچ نہ کیا ہو، اب یا۔ وہ دوسرے پیسے سے خرچ کرتی رہی ہو۔ یا کسی دوسرے شخص نے اس کا خرچہ اٹھا رکھا ہو۔ تو وہ نفقہ عورت کی ملکیت ہوگا۔ اور شوہر اس کو واپس لینے کا حق نہیں رکھتا۔ اسی طرح اگر عورت ضرورت سے زیادہ کفایت شعاری کرکے کچھ رقم بچالے تو بچی ہوئی رقم اس کی ملکیت ہوگی۔ شوہر اس کو واپس لینے کا حقدار نہیں۔ البتہ مدت پوری ہونے سے پہلے اگر عورت حقدار نہ رہے۔ مثلاً دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے۔ یا عورت نافرمان ہو جائے۔ یا اسکو طلاق بائن دیدی جائے تو دیئے گئے نفقہ کو گذشتہ اور آئندہ ایام پر تقسیم کرکے آئندہ دنوں کا نفقہ واپس لے گا۔ بلکہ ظاہراً یہی حکم وہاں بھی ہے کہ اگر صرف ایک دن کا نفقہ عورت کو دیا ہے اور اثنائے روز میں مذکورہ حوادث میں سے کوئی حادثہ پیش آجائے۔ تو ایک دن کے نفقہ سے جو باقی بچا ہے وہ واپس لے لیا جائے گا۔

نفقة اليوم.

مسألة ١٢ ـ كيفية الانفاق بالطعام و الادام إما بمواكلتها مع الزوج في بيته على العادة كسائر عياله، و إما بتسليم النفقة لها، و ليس له إلزامها بالنحو الأول، فلها أن تمتنع من المؤاكلة معه و تطالبه بكون نفقتها بيدها تفعل بها ما تشاء، إلا أنه إذا أكلت و شربت معه على العادة سقط ما عليه و ليس لها أن تطالبه بعده.

مسألة ١٣ ـ ما يدفع إليها للطعام و الادام إما عين المأكول كالخبز و التمر والطبيخ و اللحم المطبوخ مما لا يحتاج في إعداده للأكل إلى علاج و مزاولة و مؤونة و كلفة و إما عين تحتاج إلى ذلك كالحب و الأرز والدقيق و نحوها، فان لم يكن النحوان خلاف المتعارف فالزوج بالخيار بينهما.و ليس للزوجة الامتناع، ولو اختار النحو الثاني و احتاج إعداد المدفوع للأكل إلى مؤونة كالحطب و غيره كان عليه، و إن كان أحدهما خلاف المتعارف يتبع ما هو المتعارف.

مسألة ١٤ ـ لو تراضيا على بذل الثمن و قيمة الطعام و الادام و تسلمت ملكته و سقط ما هو الواجب عليه، و ليس لكل منهما إلزام الآخر به.

مسألة ١٥ ـ انما تستحق في الكسوة أن يكسوها بما هو ملكه أو بما استأجره أو استعاره، ولا تستحق عليه أن يدفع إليها بعنوان التمليك ، ولو دفع إليها كسوة لمدة جرت العادة ببقائها إليها فكستها فخلقت قبل تلك المدة أو سرقت وجب عليه دفع كسوة أخرى إليها، ولو انقضت المدة و الكسوة باقية على نحو يليق بحالها ليس لها مطالبة كسوة أخرى، ولو خرجت في أثناء المدة عن الاستحقاق لموت أو نشوز أو طلاق تسترد إذا كانت باقية، و كذا الحال في الفراش و الغطاء و اللحاف و الآلات التي دفعها إليها من جهة الانفاق مما تنتفع بها مع بقاء عينها، فانها كلها باقية على ملك الزوج تنتفع بها الزوجة، فله استردادها إذا زال استحقاقها إلا مع التمليك لها.

مسألة ١٦ ـ لو اختلف الزوجان في الانفاق و عدمه مع اتفاقهما على

مسئلہ ۱۲: عورت کو روٹی سالن، کا خرچہ فراہم کرنے کی صورت یہ ہے کہ یا وہ دوسرے عیال کی مانند شوہر کے ساتھ اس کے گھر میں کھائے پیئے۔ یا شوہر نفقہ اس کے حوالے کر دے۔ اور شوہر کو حق نہیں کہ وہ اسے اپنے ساتھ کھانے پینے پر مجبور کرے۔ لہٰذا عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ شوہر کے ساتھ کھانے پینے سے انکار کر دے اور اس سے نفقہ کا مطالبہ کرے تاکہ اسے اپنی مرضی سے خرچ کرے۔ لیکن عورت جب شوہر کے ساتھ کھائے پیئے۔ جیسا کہ معمولاً ہوتا ہے۔ تو شوہر نفقہ سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد بیوی اس سے مطالبہ کا حق نہیں رکھتی۔

مسئلہ ۱۳: کھانے پینے کے لئے جو کچھ عورت کو دیا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا وہ چیز پکی پکائی ہو جیسے روٹی، کھجور، پختہ غذا، پکا ہوا گوشت، کہ جس کے لئے مزید رنج و محنت اور اسباب فراہم کرنے کی ضرورت نہیں۔ یا وہ چیز ایسی ہو جس میں یہ سب زحمتیں کرنی پڑتی ہوں۔ جیسے دانہ، چاول، آٹے وغیرہ میں ہوتا ہے۔ پس اگر دونوں صورتیں رائج ہوں۔ اور خلاف عرف عام نہ ہوں تو شوہر کو اختیار ہے کہ جس صورت کو چاہے انتخاب کرے۔ اور زوجہ کو انکار کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اگر شوہر دوسری صورت کو انتخاب کرے اور نفقہ کو کھانے کے لئے آمادہ کرنے کی خاطر مزید خرچہ درکار ہو جیسے ایندھن وغیرہ تو وہ شوہر کے ذمہ ہے۔ لیکن اگر ان دو صورتوں میں سے ایک صورت عرف عام کے خلاف ہو تو وہ صورت اختیار کرے جو عرفِ عام کے موافق ہے۔

مسئلہ ۱۴: اگر روٹی اور سالن کی قیمت پر دونوں راضی ہو جائیں اور عورت قیمت لے لے، تو وہ اس کی مالک ہو جائے گی اور شوہر کی گردن سے واجب ساقط ہو جائے گا۔ اور دونوں میں سے کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے کو قیمت ادا کرنے پر مجبور کرے۔

مسئلہ ۱۵: لباس، کے سلسلہ میں عورت کا حق ہے کہ شوہر اسے اپنی ملکیت سے لباس پہنائے یا اُجرت اور عاریت کے طور پر لے کر پہنائے۔ اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ شوہر لباس کو اس کی ملکیت قرار دے۔ پس اگر ایک مدت تک کے لئے لباس اس کے حوالے کرے کہ عادتاً اتنا عرصہ وہ لباس باقی رہتا ہو۔ چنانچہ عورت اسے پہنے اور اس مدت سے پہلے وہ لباس پارہ ہو جائے یا چوری ہو جائے تو شوہر پر واجب ہے کہ اس کے لئے دوسرے لباس کا انتظام کرے۔ اور مدت تمام ہو جائے لیکن لباس اب بھی عورت کے شایانِ شان ہو تو وہ دوسرا لباس مانگنے کا حق نہیں رکھتی۔ اور اگر اس مدت کے دوران عورت حقدار نہ رہے۔ مثلاً مر جائے، نافرمان ہو جائے۔ یا اس کو طلاق ہو جائے تو باقی ماندہ لباس واپس لوٹائے گی۔ یہی حکم فرش، پردے، لحاف اور اتفاق کے طور پر اس کو دیئے گئے دوسرے اوزار اور آلات کا بھی ہے کہ جس سے اس نے فائدہ اٹھایا ہو اور اس کی اصل بھی باقی ہو۔ پس یہ سب چیزیں شوہر کی ملکیت میں باقی رہیں گی اور زوجہ ان سے کام لیگی۔ پس جب وہ حقدار نہ رہے تو شوہر یہ چیزیں اس سے واپس لے سکتا ہے مگر یہ کہ اس نے بیوی کو اگر ان چیزوں کی مالکہ بنا دیا ہو تو واپس نہیں لے سکتا۔

مسئلہ ۱۶: اگر دونوں میں نفقہ دینے یا نہ دینے کے سلسلہ میں اختلاف ہو جائے جبکہ حقدار ہونے پر دونوں

الاستحقاق فان كان الزوج غائباً أو كانت الزوجة منعزلة عنه فالقول قولها بيمينها، و عليه البينة، و ان كان في بيته داخلة في عيالا ته فالظاهر أن القول قول الزوج بيمينه و عليها البينة.

مسألة ١٧ ـ لو كانت الزوجة حاملاً و وضعت و قد طلقت رجعياً و اختلفا في زمان وقوع الطلاق فادعى الزوج أنه قبل الوضع و قد انقضت عدتها به فلا نفقة لها، و ادعت أنه بعده و لم تكن بينة فالقول قولها مع اليمين، فان حلفت ثبت لها استحقاق النفقة، لكن يحكم عليه بالبينونة و عدم جواز الرجوع أخذاً باقراره.

مسألة ١٨ ـ لو طالبته بالانفاق و ادعى الاعسار وعدم الاقتدار و لم تصدقه و ادعت عليه اليسار فالقول قوله بيمينه ان لم يكن لها بينة، إلا إذا كان مسبوقاً باليسار و ادعى تلف أمواله وصيرورته معسراً و أنكرته، فان القول قولها بيمين و عليه البينة.

مسألة ١٩ ـ لا يشترط في استحقاق الزوجة النفقة فقرها و احتياجها، فلها عليه الانفاق و ان كان من أغنى الناس.

مسألة ٢٠ ـ إن لم يكن له مال يفي بنفقة نفسه و زوجته و أقاربه الواجبي النفقه فهو مقدم على زوجته، و هي على أقاربه، فما فضل من قوته صرفه عليها، و لا يدفع إلى الأقارب إلا ما يفضل عن نفقتها.

القول في نفقة الأقارب

مسألة ١ ـ يجب على التفصيل الآتي الانفاق على الأبوين و آبائهما و أمهاتهما و إن علوا، و على الأولاد و أولادهم و إن نزلوا، ذكوراً و إناثاً صغيراً أو كبيراً مسلماً أو كافراً، و لا يجب على غير العمودين من الأقارب و إن استحب خصوصاً الوارث منه.

منفق ہوں۔ تو اگر شوہر غائب ہو یا زوجہ اس سے الگ زندگی گذار رہی ہو۔ تو قسم کے ساتھ بیوی کی بات مانی جائے گی۔ اور شوہر کو گواہ پیش کرنا پڑیں گے۔ لیکن اگر وہ شوہر کے گھر میں اس کے عیال کے ساتھ رہتی ہو تو ظاہراً قسم کے ساتھ شوہر کی بات مانی جائے گی۔ اور بیوی کو (اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے) گواہ پیش کرنا پڑیں گے۔

مسئلہ ۱۷: اگر بیوی حاملہ ہو اور بچہ کو جنم دے حالانکہ اسے طلاقِ رجعی دی جا چکی ہو۔ لیکن دونوں میں اختلاف ہو جائے کہ طلاق کب واقع ہوئی ہے؟ شوہر کا دعویٰ ہو کہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے طلاق ہو چکی تھی۔ اور بیوی کی عدت جنم کے ساتھ چونکہ پوری ہو چکی ہے لہٰذا نفقہ کی حقدار نہیں۔ لیکن عورت کا دعویٰ ہو کہ وضع حمل کے بعد طلاق ہوئی ہے۔ اور گواہ نہ ہوں تو حلف کے ساتھ عورت کی بات مانی جائے گی۔ پس اگر وہ حلف اٹھائے تو اس کے لئے نفقہ لینے کا حق ثابت ہو جائے گا۔ لیکن شوہر پر بیوی سے جدائی اور اس کے اقرار کی بناء پر رجوع جائز نہ ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

مسئلہ ۱۸: اگر عورت نفقہ کا تقاضا کرے لیکن مرد تنگدست ہونے اور ادا کرنے پر قادر نہ ہونے کا دعویٰ کرے جبکہ عورت اس کی تصدیق نہ کرے بلکہ اس کے فارغ البال ہونے کا دعویٰ کرے تو قسم کے ساتھ مرد کی بات مانی جائے گی۔ بشرطیکہ عورت کے پاس گواہ نہ ہوں۔ لیکن اگر مرد، پہلے سے ثروتمند رہا ہو مگر اب اس کا یہ دعویٰ ہو کہ اس کے اموال تلف ہو گئے اور وہ تنگدست ہو گیا ہے۔ اور عورت اس کا انکار کرے تو ایسی صورت میں عورت کو حلف دیا جائیگا اور اس کی بات مانی جائے گی۔ اور مرد کو (اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی خاطر) گواہ پیش کرنا پڑیں گے۔

مسئلہ ۱۹: بیوی کا نفقہ کی حقدار ہونے کے لئے فقیر اور محتاج ہونا شرط نہیں ہے۔ پس مرد پر اس کو نفقہ دینا واجب ہے۔ چاہے عورت غنی ترین افراد میں سے ہو۔

مسئلہ ۲۰: اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ جس سے اپنا، بیوی اور ان رشتہ داروں کا نفقہ پورا ہو سکے۔ جنکو نفقہ دینا اس پر واجب ہے تو وہ اپنی بیوی پر مقدم ہے۔ اور بیوی اس کے رشتہ داروں پر مقدم ہے۔ پس شوہر کی اپنی ضرورت سے جو بچ جائے اسے بیوی پر خرچ کرے۔ اور رشتہ داروں کو نفقہ نہیں دیگا مگر یہ کہ بیوی کے نفقہ سے بچ جائے۔

نفقۂ اقرباءؑ کے احکام

مسئلہ ۱: آگے آنے والی تفصیل کے مطابق۔ والدین، آباؤ اجداد، ماؤں، دادیوں، چاہے ان کا سلسلہ جہاں تک پہونچے، اور اولاد، اولاد کی اولاد، چاہے ان کا سلسلہ جہاں تک پہونچے۔ مرد ہوں یا عورتیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، مسلمان ہوں یا کافر، سب کو نفقہ دینا واجب ہے۔ ان دو عددوں کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ اگرچہ مستحب ہے اور وہ بھی خاص طور سے اس کا جو وارث ہو۔

مسألة ٢ ـ يشترط في وجوب الانفاق على القريب فقره و احتياجه بمعنى عدم وجدانه لما يقوت به فعلاً، فلا يجب إنفاق من قدر على نفقته فعلاً و إن كان فقيراً لا يملك قوت سنته و جاز له أخذ الزكاة و نحوها، و أما غير الواجد لها فعلاً القادر على تحصيلها فإن كان ذلك بغير الاكتساب كالاقتراض و الاستعطاء و السؤال لم يمنع ذلك عن وجوب الانفاق عليه بلا إشكال، و إن كان ذلك بالاكتساب فان كان ذلك بالاقتدار على تعلم صنعة بها إمرار معاشه و قد ترك التعلم و بقي بلا نفقة فلا إشكال في وجوب الانفاق عليه، وكذا الحال لو أمكن له التكسب بما يشق عليه تحمله كحمل الأثقال أولا يناسب شأنه فترك التكسب بذلك، فانه يجب عليه الانفاق عليه، و إن كان قادراً على التكسب بما يناسب حاله و شأنه وتركه طلباً للراحة فالظاهر عدم وجوبه عليه، نعم لو فات عنه زمان الاكتساب بحيث صار فعلاً محتاجاً بالنسبة إلى يوم أو أيام غير قادر على تحصيل نفقتها وجب و إن كان العجز حصل باختياره، كما أنه لو ترك التشاغل به لا لطلب الراحة بل لاشتغاله بأمر دنيوي أو ديني مهم كطلب العلم الواجب لم يسقط بذلك وجوبه.

مسألة ٣ ـ لو أمكن للمرأة التزويج بمن يليق بها و يقوم بنفقتها دائماً أو منقطعاً فهل تكون بحكم القادر فلا يجب الانفاق عليها أم لا؟ وجهان، أوجهها الثاني.

مسألة ٤ ـ يشترط في وجوب النفقة على القريب قدرة المنفق على نفقته بعد نفقة نفسه و نفقة زوجته لو كانت له زوجة دائمة، فلو حصل عنده قدر كفاية نفسه خاصة اقتصر على نفسه، ولو فضل منه شيء و كانت له زوجة فلزوجته، ولو فضل شيء فللأبوين و الأولاد.

مسألة ٥ ـ المراد بنفقة نفسه المقدمة على نفقة زوجته مقدار قوت يومه وليلته و كسوته اللائقة بحاله و كل ما اضطر إليه من الآلات للطعام و الشراب و الفراش و الغطاء و غيرها، فان زاد على ذلك شيء صرفه على زوجته ثم على قرابته.

مسئلہ ۲: رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہونے میں شرط یہ ہے کہ وہ فقیر و محتاج ہوں، یعنی ان کے پاس روزی فراہم کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہ ہو۔ پس جس کے پاس روزی حاصل کرنے کا ذریعہ موجود ہو اس کا نفقہ واجب نہیں۔ چاہے وہ فقیر ہو یعنی ایک سال کی روزی نہ رکھتا ہو۔ اور اس کے لئے زکوٰۃ وغیرہ لینا جائز ہو۔ لیکن ایسا شخص کہ جس کے پاس فی الحال روزی کا ذریعہ موجود تو نہ ہو مگر وہ اس کے حاصل کرنے پر قادر ہو۔ تو اگر اس کا روزی پر قادر ہونے کا ذریعہ کسبِ معاش کے علاوہ ہو۔ جیسے قرض لینا۔ یا کسی سے بخشش کا تقاضا کرنا، یا مانگنا وغیرہ۔ تو بلا اشکال اس کا نفقہ واجب ہے۔ لیکن اگر وہ ذریعہ، کسبِ معاش ہو اپس اگر اس پہ قادر ہونا ایسی صنعت کے سیکھنے پر موقوف ہو کہ جس سے اس کی روزی کا سلسلہ چل نکلے، لیکن اس نے اس صنعت کو ترک کر دیا ہو اور اس کے پاس نفقہ نہ ہو۔ تو بلا اشکال اس پر خرچ کرنا بھی واجب ہے۔ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس کے لئے روزی کمانا ممکن ہو، لیکن اسے ناقابلِ برداشت محنت کرنا پڑتی ہو۔ جیسے دوسروں کے بوجھ اٹھانا یا وہ کام اس کے لئے زیب نہ دیتا ہو۔ چنانچہ وہ اس کے ذریعہ کسبِ معاش ترک کر دے۔ تو انسان پر واجب ہے کہ وہ ایسے رشتہ دار کو بھی نفقہ دے۔ لیکن اگر وہ مناسبِ حال پیشہ اختیار کر کے روزی حاصل کرنے پر قادر ہو۔ مگر راحت طلبی کی خاطر اس کو ترک کر دے تو ظاہراً ایسے شخص کو نفقہ دینا واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر اس کے روزی کمانے کا وقت نکل گیا ہو اور ایک دن یا چند دن سے محتاج ہو جائے اور نفقہ نہ رکھتا ہو تو اس کو خرچ دینا واجب ہے چاہے اپنے اختیار سے ہی روزی کمانے سے عاجز کیوں نہ ہوا ہو۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص کام کرنا چھوڑ دے۔ لیکن راحت طلبی کی خاطر نہیں بلکہ کسی زیادہ اہمیت والے دینی یا دنیوی کام جیسے علم حاصل کرنے میں مشغول ہو جائے تو اس کی وجہ سے اس کے نفقہ کا وجوب ساقط نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۳: اگر عورت کے لئے ایسے شخص سے شادی کرنا چاہے از دواج دائمی ہو یا متعہ، ممکن ہو کہ جو اس کے لائق ہو اور اس کا نفقہ دے سکتا ہو۔ تو آیا وہ عورت ایسے قادر شخص کے حکم میں ہے کہ جس پر خرچ کرنا واجب نہیں ہوتا، یا اس کے حکم میں نہیں؟ اس میں دو وجہیں ہیں۔ بہتر دوسری وجہ ہے۔

مسئلہ ۴: رشتہ دار کا نفقہ واجب ہونے میں شرط یہ ہے کہ نفقہ دینے والا اپنی ذات اور اپنی بیوی کو نفقہ فراہم کرنے کے بعد اس کو نفقہ دینے پر قادر ہو۔ اگر بیوی دائمی ہو، لیکن اگر اس کے پاس صرف اتنا مال ہو جو اس کی ذات کے لئے کفایت کرے تو صرف اپنی ذات پر خرچ کریگا۔ اور اس سے اگر زیادہ ہو تو اس صورت میں اگر بیوی والا ہو تو بیوی پر خرچ کرے۔ اور اس سے بھی اگر کچھ بچ جائے تو وہ والدین اور اولاد کے لئے ہے۔

مسئلہ ۵: اپنی ذات پر خرچ کرنا کہ جو زوجہ پر مقدم ہے۔ اس سے مراد اس کے ایک دن کی روزی اس کے مناسب لباس، اور کھانے پینے اور اوڑھنے بچھانے کی تمام وہ چیزیں اور آلات وغیرہ ہیں جن کی اُسے شدید ضرورت ہو۔ پس اگر اس مقدار سے زیادہ اس کے پاس موجود ہو تو پہلے اپنی بیوی کو دے اس کے بعد اپنے رشتہ داروں کو دے۔

مسألة ٦ ـ لو زاد على نفقته شيء و لم تكن عنده زوجة فان اضطر إلى التزويج بحيث يكون في تركه عسر و حرج شديد أو مظنة فساد ديني فله أن يصرفه في التزويج و إن لم يبق لقريبه شيء، و إن لم يكن كذلك فالأحوط صرفه في إنفاق القريب، بل لا يخلو وجوبه من قوة.

مسألة ٧ ـ لو لم يكن عنده ما ينفقه على نفسه وجب عليه التوسل إلى تحصيله بأيّ وسيلة مشروعة حتى الاستعطاء والسؤال فضلاً عن الاكتساب اللائق بحاله، ولو لم يكن عنده ما ينفقه على زوجته أو قريبه فلا ينبغي الاشكال في أنه يجب عليه تحصيله بالاكتساب اللائق بحاله و شأنه، و لا يجب عليه التوسل إلى تحصيله بمثل الاستيهاب و السؤال، نعم لا يبعد وجوب الاقتراض إذا أمكن من دون مشقة و كان له محل الايفاء فيما بعد، و كذا الشراء نسيئة بالشرطين المذكورين.

مسألة ٨ ـ لا تقدير في نفقة الأقارب، بل الواجب قدر الكفاية من الطعام و الادام و الكسوة و المسكن مع ملاحظة الحال و الشأن و الزمان و المكان حسب ما مر في نفقة الزوجة.

مسألة ٩ ـ لا يجب إعفاف من وجبت نفقته ولداً كان أو والداً بتزويج أو إعطاء مهر له و إن كان أحوط مع حاجته إلى النكاح و عدم قدرته عليه و على بذل الصداق خصوصاً في الأب.

مسألة ١٠ ـ يجب على الولد نفقة والده دون أولاده لأنهم إخوته، و دون زوجته، و يجب على الوالد نفقة ولده و أولاده دون زوجته.

مسألة ١١ ـ لا تقضى نفقة الأقارب و لا يتداركها لو فاتت في وقتها و زمانها ولو بتقصير من المنفق، و لا تستقر في ذمته بخلاف الزوجة كما مرّ، نعم لو لم ينفق عليه لغيبته أو امتنع عن إنفاقه مع يساره و رفع المنفق عليه أمره إلى الحاكم فأمره بالاستدانة عليه فاستدان عليه اشتغلت ذمته به، و وجب عليه قضاؤه.

مسألة ١٢ ـ لوجوب الانفاق ترتيب من جهة المنفق و من جهة المنفق عليه،

مسئلہ ۶: اگر اپنے اخراجات سے زیادہ مال کسی شخص کے پاس موجود ہو لیکن وہ شادی شدہ نہ ہو اور وہ شادی کرنے پر اس طرح مجبور ہو کہ اگر شادی نہ کرے تو اس سے شدید حرج لازم آتا ہو یا دینی فساد میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ اس مال کو شادی کرنے میں خرچ کر سکتا ہے۔ چاہے اپنے رشتہ دار کے لئے کچھ نہ بچے۔ لیکن اگر یہ صورتِ حال نہ ہو تو احتیاط یہ ہے کہ وہ اس مال کو رشتہ دار پر خرچ کرے بلکہ اس کا واجب ہونا قوت سے خالی نہیں ہے۔

مسئلہ ۷: اگر کسی شخص کے پاس اپنے اخراجات کے لئے کچھ نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ ہر شرعی وسیلہ سے اپنے اخراجات حاصل کرے چاہے اسے کسی سے بخشش کا تقاضا کرنا پڑے یا بھیک مانگنی پڑے۔ چہ جائیکہ مناسب حال روزی کسب کرنے کا وسیلہ اختیار کرنا ہو۔ اور اگر اس کے پاس اپنی بیوی اور رشتہ داروں کو خرچہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو، تو اس پر روزی کمانے کا مناسب حال اور لائق شان وسیلہ اختیار کرنے کے واجب ہونے میں اشکال کرنا سزاوار نہیں ہے۔ اور اس پر واجب نہیں کہ وہ روزی حاصل کرنے کے لئے کسی سے بھیک مانگے یا کسی سے کوئی چیز ہبہ کرنے کا تقاضا کرے۔ البتہ قرضہ لینے کا واجب ہونا بعید نہیں ہے۔ جبکہ بغیر مشقت کے ملنا ممکن ہو اور بعد میں ادا کرنے کی گنجائش بھی رکھتا ہو۔ اور یہی حکم مذکورہ دو شرطوں کے ساتھ اُدھار کے طور پر کوئی چیز خریدنے کا بھی ہے۔

مسئلہ ۸: رشتہ داروں کے اخراجات کی مقدار معین نہیں ہے۔ بلکہ بقدر کفایت روٹی، سالن، کپڑا اور مکان ان کی حالت، شان، زمانہ اور مقام کی رعایت کرتے ہوئے۔ جیسا کہ بیوی کے نفقہ میں بیان ہو چکا ہے۔ انھیں فراہم کرے۔

مسئلہ ۹: جس شخص کا نفقہ واجب ہے، چاہے وہ باپ ہو یا بیٹا، اسے عفیف بنانا واجب نہیں چاہے شادی کرا کے عفیف بنایا جائے۔ یا اس کی طرف سے مہر ادا کر کے، اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ اگر اس شخص کو (کہ جس کا نفقہ واجب ہے) نکاح کرنے کی حاجت ہو لیکن اس پر قادر نہ ہو اور مہر نہ دے سکتا ہو تو اسے عفیف بنائے۔ خصوصاً اگر باپ اس حالت میں ہو۔

مسئلہ ۱۰: بیٹے پر باپ کا نفقہ واجب ہے لیکن باپ کی اولاد کا نفقہ واجب نہیں اس لئے کہ وہ اس کے بھائی ہیں۔ اور اسی طرح اس کی بیوی کا نفقہ بھی واجب نہیں۔ اور باپ پر بیٹے اور اس کی اولاد کا نفقہ واجب ہے لیکن اس کی بیوی کا نفقہ واجب نہیں۔

مسئلہ ۱۱: رشتہ داروں کے نفقہ کی قضا نہیں ہوگی اور اگر وقت کے اندر نہ دیا جائے تو اس کا جبران بھی نہیں ہوگا۔ چاہے نفقہ دینے والے نے کوتاہی ہی کیوں نہ کی ہو۔ اور نفقہ اسکے ذمّہ واجب الادا بھی نہیں ہوگا۔ برخلاف اسکے زوجہ کا نفقہ واجب الادا ہوگا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ البتہ اگر غائب ہونے کی وجہ سے رشتہ دار کو نفقہ نہ دیا ہو یا مال دار ہونے کے باوجود نفقہ دینے سے انکار کر دے اور نفقہ پانے والا حاکم شرع سے شکایت کرے۔ پس حاکم شرع نفقہ پانے والے کو یہ حکم دے کہ وہ نفقہ کو قرض کے طور پر اپنے ذمّہ تسلیم کرلے۔ چنانچہ وہ شخص خرچ پانے والے کے قرض کے طور پر نفقہ کو مان لے۔ تو وہ شخص اس قرض کے زیر بار ہوگا۔ اور اس پر واجب ہے۔ کہ وہ نفقہ کی قضا کرے۔

أما من الجهة الأولى فتجب نفقة الولد ذكراً كان أو أنثى على أبيه، و مع عدمه أو فقره فعلى جده للأب، و مع عدمه أو إعساره فعلى جد الأب و هكذا متعالياً الأقرب فالأقرب، و مع عدمهم أواعسارهم فعلى أم الولد، و مع عدمها أو إعسارها فعلى أبيها و أم أبيها و أبي أمها و أم أمّها و هكذا الأقرب فالأقرب، و مع التساوي في الدرجة يشتركون فيه بالسوية و إن اختلفوا في الذكورة و الأنوثة، و في حكم آباء الأم و أمهاتها أم الأب، و كل من تقرب إلى الأب بالأم كأبي أم الأب و أم أمه و أم أبيه و هكذا، فانه تجب عليهم نفقة الولد مع فقد آبائه و أمه مع مراعاة الأقرب فالأقرب إلى الولد، فاذا كان له أب و جدّ موسران فالنفقة على الأب، ولو كان له أب و أم فعلى الأب، ولو كان جد للأب مع أم فعلى الجد، و مع جدّ لأم و ام فعلى الأم و مع جد وجدة لأم تشاركا بالسوية، و مع جدة لأب وجد وجدة لأم تشاركوا ثلاثاً، هذا في الأصول أعني الآباء و الأمهات.

و أما الفروع أعني الأولاد فتجب نفقة الأب و الأم عند الاعسار على الولد مع اليسار ذكراً كان أم أنثى، و مع فقده أو إعساره فعلى ولد الولد أعني ابن ابن أو بنت، و بنت ابن أو بنت و هكذا الأقرب فالأقرب، و مع التعدد و التساوي في الدرجة يشتركون بالسوية، فلو كان له ابن أو بنت مع ابن ابن مثلاً فعلى الابن أو البنت، ولو كان له ابنان أو بنتان أو ابن و بنت اشتركا بالسوية، و إذا اجتمعت الأصول و الفروع يراعى الأقرب فالأقرب، و مع التساوي يتشاركون، فإذا كان له أب مع ابن أو بنت تشاركا بالسوية و إن كان له أب مع ابن ابن أو ابن بنت فعلى الأب، و إن كان ابن وجد لأب فعلى الابن، و إن كان ابن ابن مع جد لأب تشاركا بالسوية، و إن كانت له أم مع ابن ابن أو ابن بنت مثلاً فعلى الأم، و يشكل الأمر فيا إذا اجتمعت الأم مع الابن أو البنت، و الأحوط التراضي و التسالم على الاشتراك بالسوية.

و أما الجهة الثانية فاذا كان عنده زائداً على نفقته و نفقة زوجته ما يكفي

مسئلہ ۱۲: نفقہ میں ایک ترتیب نفقہ دینے والوں اور ایک ترتیب پانے والوں کی ہے۔ نفقہ دینے والوں کی فہرست یہ ہے کہ فرزند، خواہ بیٹا ہو یا بیٹی کا نفقہ باپ پر واجب ہے اور باپ نہ ہونے یا اسکے فقیر ہونیکی صورت میں اسکے دادا پر واجب ہے۔ اگر دادا بھی نہ ہو یا فقیر ہو تو پردادا پر واجب ہے۔ اور یہ سلسلہ نزدیک سے نزدیک تر کی رعایت کے ساتھ چلتا رہے گا۔ لیکن اگر باپ داداؤں میں سے کوئی نہ ہوں یا وہ سب فقیر ہوں۔ تو بیٹے کی ماں، اسکے نفقہ کی ذمہ دار ہے اگر ماں بھی نہ ہو تو ماں کے باپ، اس کے باپ کی ماں، ماں کی ماں کے باپ، ماں کی ماں کی ماں اسیطرح جو زیادہ نزدیک ہو اس پر نفقہ واجب ہے اور اگر وہ سب رشتہ میں مساوی ہوں تو نفقہ دینے میں مساوی طور پر شریک ہوں گے۔ لیکن اگر رشتہ دار مرد و زن ہونیکے اعتبار سے مختلف ہوں۔ تو باپ کی ماں (یعنی دادی) ماں کے اجداد اور جدّات (یعنی فرزند کے نانے نانیوں) کے حکم میں ہے۔

اور جو شخص بھی ماں کے رشتہ سے باپ کے قریب ہو جیسے دادی کا باپ، دادی کی ماں، دادا کی ماں، اور اسیطرح جتنے بھی رشتہ دار ہوں۔ ان سب پر فرزند سے قریب سے قریب تر کی رعایت کے ساتھ، اس کا نفقہ واجب ہے۔ جبکہ فرزند کی ماں اور باپ دادا موجود نہ ہوں۔ پس اگر لڑکے کا باپ، دادا، دونوں مالدار ہوں تو نفقہ باپ پر واجب ہے۔ اور اگر اسکے والدین موجود ہوں تو نفقہ باپ کے ذمہ ہے۔ دادا اور ماں کے موجود ہونیکی صورت میں، نفقہ کی ذمہ داری دادا پر ہے۔ لیکن نانا اور ماں کے موجود ہونیکی حالت میں نفقہ کی ذمہ دار ماں ہو گی۔ جب نانا اور نانی موجود ہوں تو دونوں مساوی طور پر نفقہ دیں گے اور اگر ان دو کے ساتھ، فرزند کی دادی بھی ہو تو تینوں شریک ہونگے۔ یہ تھا باپ دادا اور دادیوں کے متعلق نفقہ کا حکم۔

اولاد پر نفقہ واجب ہونے کا حکم:

والدین اگر تنگدست ہوں اور فرزند مالدار ہو چاہے بیٹا ہو یا بیٹی، تو ان کا نفقہ فرزند پر واجب ہے اور بیٹا نہ ہونے یا اسکے فقیر ہونیکی صورتیں، پوتے، پوتی، اور انکے نہ ہونیکی صورت میں انکے فرزندوں پر واجب ہے لیکن جو زیادہ قریب ہو اسکو بعید پر ترجیح دی جائیگی۔ اور انکے متعدد اور رشتہ میں مساوی ہونیکی صورت میں۔ سب برابر کے شریک ہوں گے۔ پس اگر بیٹا اور بیٹی کے ساتھ مثلاً پوتا بھی موجود ہو تو نفقہ بیٹے یا بیٹی پر واجب ہے۔ پوتے پر نہیں۔ اور اگر دو بیٹے یا دو بیٹیاں ہوں یا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو نفقہ میں دونوں برابر کے شریک ہونگے۔ چنانچہ جب اصول (یعنی باپ دادا وغیرہ) اور فروع (یعنی بیٹے بیٹیاں وغیرہ) سب جمع ہوں تو نفقہ پانے والے سے جو زیادہ قریب ہو اسکے ذمہ نفقہ واجب ہے۔ اور اگر سب کا رشتہ برابر ہو تو سب شریک ہونگے۔ پس اگر نفقہ پانے والے کا باپ، اور بیٹا یا بیٹی جمع ہوں تو دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔ لیکن اگر اسکے باپ کیساتھ پوتا یا نواسہ موجود ہو تو نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔ پوتے یا نواسے پر نہیں اور اگر بیٹا اور دادا موجود ہوں تو نفقہ کی ذمہ داری بیٹے پر عائد ہوگی لیکن پوتے اور دادا کے ایک ساتھ موجود ہونیکی صورتیں دونوں شریک ہونگے۔ اور اگر نفقہ پانے والے کی ماں موجود ہو اور اسکے ساتھ، نفقہ پانے والے کا پوتا یا پوتی ہو تو ماں پر نفقہ واجب ہوگا۔ لیکن اگر نفقہ پانے والے کی ماں کیساتھ اسکا بیٹا یا بیٹی جمع ہوں تو مسئلہ مشکل ہو جائیگا۔ لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ مساوی نفقہ دینے پر راضی ہو جائیں اور مصالحت کر لیں۔

نفقہ پانے والوں کی فہرست:

اگر کسی شخص کے پاس، اپنے اور اپنی بیوی کے اخراجات سے زیادہ سرمایہ ہو، اور وہ نفقہ کے ضرورت مند تمام رشتہ داروں کیلئے کافی ہو۔ تو سبکو نفقہ دینا واجب ہے۔ لیکن اگر سب کیلئے کافی نہ ہو بلکہ چند افراد کیلئے ہو تو ان میں سے جو زیادہ

لجميع أقاربه المحتاجين وجب عليه نفقة الجميع، و إذا لم يكف إلا لإنفاق بعضهم ينفق على الأقرب فالأقرب منهم، و إذا كان قريبان أو أزيد في مرتبة واحدة و لا يكفي ما عنده الجميع فالأقرب أنه يقسم بينهم بالسوية مع إمكانه و إمكان انتفاعهم به، و إلا فيقرع بينهم.

مسألة ١٣ ـ لو كان له ولدان و لم يقدر إلا على نفقة أحدهما و كان له أب موسر فان اختلفا في قدر النفقة و كان ما عنده يكفي لأحدهما بعينه كالأقل نفقة اختص به و كان الآخر على الجد، و إن اتفقا في مقدارها فان توافق مع الجد في أن يشتركا أو يختص كل بواحد فهو، و إلا رجعا إلى القرعة.

مسألة ١٤ ـ لو امتنع من وجبت عليه النفقة عنها أجبره الحاكم، و مع عدمه فعدول المؤمنين، و مع فقد هم ففساقهم، و إن لم يمكن إجباره فان كان له مال أمكن للمنفق عليه أن يقتص منه مقدارها جاز للزوجة ذلك دون غيرها إلا باذن الحاكم، فمعه جاز له الأخذ و إن لم يكن اقتصاصاً و إن لم يكن له مال كذلك أمر الحاكم بالاستدانة عليه، و مع تعذر الحاكم يشكل الأمر.

مسألة ١٥ ـ تجب نفقة المملوك حتى النحل و دود القزّ على مالكه، و لا تقدير لنفقة البهيمة مثلاً، بل الواجب القيام بما تحتاج إليه من أكل وسقي و مكان رحل و نحو ذلك ، و مالكها بالخيار بين علفها و بين تخليتها لترعى في خصب الأرض، فان اجتزأت بالرعي و إلا علّفها بمقدار كفايتها.

مسألة ١٦ ـ لو امتنع المالك من الانفاق على البهيمة ولو بتخليتها للرعي الكافي لها أجبر على بيعها أو الانفاق عليها أو ذبحها إن كانت مما يقصد اللحم بذبحها.

maablib.org

قریبی ہوں انکو نفقہ دے۔ لیکن اگر ایک طبقہ میں، دو یا دو سے زیادہ رشتہ دار ہوں اور اسکے پاس سب کو دینے کیلئے مال نہ ہو۔ تو اقرب یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو سب میں برابر تقسیم کرے۔ اگر انکے لئے استفادہ ممکن ہو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو انکے درمیان قرعہ اندازی کی جائے۔

مسئلہ ۱۳: جس شخص کے دو فرزند ہوں اور وہ صرف ایک کا نفقہ برداشت کر سکتا ہو، لیکن اس شخص کا باپ مالدار ہو۔ پس اگر ان میں نفقہ کی مقدار پر اختلاف ہو جائے۔ اور جو کچھ اس شخص کے پاس موجود ہے وہ ان میں سے ایک کے اخراجات کے لئے کافی ہو۔ مثلاً جسکا خرچہ کمتر ہو، اسکے لئے۔ تو وہ اسی کو نفقہ دیگا۔ اور دوسرے فرزند کا نفقہ دادا کے ذمہ ہوگا۔ اور اگر نفقہ کی مقدار میں دونوں متفق ہوں۔ پس اگر باپ کے ساتھ اسکا سمجھوتہ ہو جائے کہ یا مشترک طور پر نفقہ دیں یا ہر ایک ایک فرزند کو نفقہ دے تو مسئلہ حل ہے۔ لیکن اگر یہ توافق نہ ہو سکے تو قرعہ نکالا جائے۔

مسئلہ ۱۴: جس پر نفقہ واجب ہے اگر وہ ادا کرنے سے انکار کر دے تو حاکم شرع اسے ادا کرنے پر مجبور کرے گا۔ اگر حاکم شرع نہ ہو تو عادل مومنین یہ کام کریں گے اور اگر عادل مومنین بھی نہ ہوں تو فاسق مومنین کی یہ ذمہ داری ہے۔ اور اگر اس کو نفقہ کی ادائیگی پر مجبور کرنا ممکن نہ ہو۔ لیکن اس کا مال دسترس میں ہو۔ اور نفقہ پانے والے کے لئے اس سے اپنا حق نکال لینا ممکن ہو تو بیوی کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا حق نکال لے۔ بیوی کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے لئے حاکم شرع کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ پس اگر حاکم شرع کی اجازت ہو تو جائز ہے۔ اگرچہ اسکو اقتصاص (اپنے حق کی وصول) نہ کہا جائے۔ لیکن اگر اسکے پاس اسقدر مال موجود نہ ہو تو حاکم شرع اسے حکم دے گا کہ وہ قرض کے طور پر نفقہ کو اپنے ذمہ قبول کرے۔ اور حاکم شرع کے نہ ہونیکی صورت میں مسئلہ مشکل ہے۔

مسئلہ ۱۵: ہر مملوک، حتیٰ شہد کی مکھی اور ریشم کے کیڑے کا نفقہ اس کے مالک پر واجب ہے اور چوپایوں کے نفقہ کی کوئی مقدار معین نہیں ہے۔ بلکہ واجب یہ ہے کہ چارے، پانی اور مکان کے اعتبار سے ان کی ضرورت پوری کی جائے۔ اور مالک کو اختیار ہے کہ وہ چوپاؤں کو گھاس کھلائے یا ان کو چراگاہوں میں چرنے کیلئے چھوڑ دے۔ لیکن اگر وہ صرف چرنے سے سیر نہ ہوں تو ان کی ضرورت کے مطابق ان کو گھاس ڈالے۔

مسئلہ ۱۶: اگر مالک چوپایوں کو گھاس ڈالنے سے انکار کر دے، چاہے وہ انکو چراگاہ میں چرنے کے لئے کھلے چھوڑ دینے پر راضی نہ ہو تو اس کو مجبور کیا جائیگا کہ انھیں فروخت کر دے یا انکے چارے کا بندوبست کرے۔ یا اگر ماکول اللحم ہوں تو ان کو ذبح کر دے۔

كتاب الطّلاق

وله شروط وأقسام ولواحق وأحكام:

القول في شروطه

مسألة ١ ـ يشترط في الزوج المطلق البلوغ على الأحوط و العقل، فلا يصح على الأحوط طلاق الصبي لا بالمباشرة ولا بالتوكيل و إن كان مميزاً و له عشر سنين، ولو طلق من بلغه فلا يترك الاحتياط، ولا طلاق المجنون مطبقاً أو أدواراً حال جنونه، و يلحق به السكران و نحوه ممن زال عقله.

مسألة ٢ ـ لا يصح طلاق ولي الصبي عنه كأبيه وجده فضلا عن الوصي و الحاكم، نعم لو بلغ فاسد العقل أو طرأ عليه الجنون بعد البلوغ طلق عنه وليه مع مراعاة الغبطة والصلاح، فان لم يكن له أب وجد فالأمر إلى الحاكم، و إن كان أحدهما معه فالأحوط أن يكون الطلاق منه مع الحاكم و إن كان الأقوى نفوذ طلاقه بلاضم الحاكم إليه.

مسألة ٣ ـ يشترط في الزوج المطلق القصد والاختيار بمعنى عدم الاكراه والاجبار، فلا يصح طلاق غير القاصد كالنائم و الساهي والغالط و الهازل الذي

کتابِ طلاق

طلاق کے لئے کچھ شرطیں، اقسام، ملحقات اور احکام ہیں۔

شرائطِ طلاق

مسئلہ ۱: طلاق دینے والے شوہر کا بالغ ہونا، بنا بر احتیاط اور عاقل ہونا شرط ہے۔ پس احتیاط یہ ہے کہ بچے کا طلاق دینا صحیح نہیں نہ خود سے اور نہ کسی کو وکیل بنا کر، خواہ وہ ممیز اور دس سال کا ہو چکا ہو۔ لیکن اگر دس سال کا بچہ طلاق دے تو احتیاط ترک نہ کی جائے۔ اسی طرح دیوانے کی طلاق دیوانگی کی حالت میں صحیح نہیں۔ چاہے وہ دائمی دیوانہ ہو یا وقتاً فوقتاً اس کو دورے پڑتے ہوں اور نشہ میں مست اور اس کے مانند ایسے شخص کو جس کی عقل زائل ہو گئی ہو دیوانے کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔

مسئلہ ۲: بچے کی طرف سے اسکے ولی جیسے باپ، دادا وغیرہ کا طلاق دینا صحیح نہیں۔ چہ جائیکہ وصی اور حاکم شرع کی طلاق صحیح ہو۔ لیکن اگر بچہ دیوانگی کی حالت میں بالغ ہوا ہو یا بالغ ہونیکے بعد اس پر جنون طاری ہو جائے۔ تو اس کا ولی اسکی مصلحت اور بہتری کو دیکھتے ہوئے اسکی طرف سے طلاق دیگا۔ لیکن اگر باپ، دادا موجود نہ ہوں تو یہ ذمہ داری حاکم شرع کی ہے۔ چنانچہ اگر حاکم شرع کے ساتھ ان دونوں میں سے کوئی ایک موجود ہو تو احتیاط یہ ہے کہ اس کیطرف سے طلاق حاکم شرع کی ہمنوائی میں ہو۔ اگرچہ اقویٰ یہ ہے کہ حاکم کو ملائے بغیر باپ یا دادا میں سے کسی ایک کی طلاق نافذ ہے۔

مسئلہ ۳: طلاق دینے والے شوہر میں قصد و اختیار شرط ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ (طلاق دینے پر) اکراہ و اجبار نہ ہو۔ چنانچہ طلاق کا قصد نہ رکھنے والے شخص جیسے سوئے ہوئے، بھولے سے طلاق دینے والے، غلط کہنے والے، اور ایسے مزاح کرنیوالے کی طلاق کہ جو سنجیدگی سے طلاق دینا نہیں چاہتا۔ بلکہ مزاح میں صیغۂ طلاق جاری کر دے۔ صحیح نہیں

لا يريد وقوع الطلاق جداً، بل يتكلم بلفظه هزلاً، و كذا لايصح طلاق المكره الذي قد ألزم على إيقاعه مع التوعيد و التهديد على تركه.

مسألة ٤ ـ الاكراه هو حمل الغير على إيجاد ما يكره إيجاده مع التوعيد على تركه بايقاع ما يضر بحاله عليه أو على من يجري مجرى نفسه كأبيه و ولده نفساً أو عرضاً أو مالاً بشرط أن يكون الحامل قادراً على إيقاع ما توعد به مع العلم أو الظن بايقاعه على تقدير عدم امتثاله، بل أو الخوف به و إن لم يكن مظنوناً، و يلحق به موضوعاً أو حكماً ما إذا أمره بايجاد ما يكرهه مع خوف المأمور من عقوبته والاضرار عليه لو خالفه و إن لم يقع منه توعيد و تهديد، ولا يلحق به ما لو أوقع الفعل مخافة إضرار الغير عليه بتركه من دون إلزام منه عليه، فلو تزوج بامرأة ثم رأى أنه لو بقيت على حباله لوقعت عليه وقيعة من بعض متعلقيها كأبيها وأخيها مثلاً فالتجأ إلى طلاقها فطلقها يصح طلاقها.

مسألة ٥ ـ لو قدر على دفع ضرر الآمر ببعض التفصيات مما ليس فيه ضرر عليه كالفرار والاستغاثة بالغير لم يتحقق الاكراه، فلو أوقع الطلاق مثلاً حينئذ وقع صحيحاً، نعم لو قدر على التورية و أوقعه من دون ذلك فالظاهر وقوعه مكرهاً عليه و باطلاً.

مسألة ٦ ـ لو أكرهه على طلاق إحدى زوجتيه فطلق إحداهما المعينة وقع مكرهاً عليه، ولو طلقهما معاً ففي وقوع طلاق إحداهما مكرهاً عليه فيعين بالقرعة أو صحة كليهما و جهان لايخلو أولهما من رجحان، ولو أكرهه على طلاق كلتيهما فطلق إحداهما فالظاهر أنه وقع مكرهاً عليه.

مسألة ٧ ـ لو أكرهه على أن يطلق ثلاث تطليقات بينهما رجعتان فطلقها واحدة أو إثنتين ففي وقوع ما أوقعه مكرهاً عليه إشكال إلا إذا قصد تحمل ما أوعده عليه في ترك البقية أو كان ذلك بقصد احتمال التخلص عن المكروه، و أنه لعل المكره اقتنع بما أوقعه و أغمض عما لم يوقعه.

مسألة ٨ ـ لو أوقع الطلاق عن إكراه ثم تعقبه الرضا لم يفد ذلك في صحته و

ہے۔ اور اسی طرح اس مجبور شخص کی طلاق کہ جسکو ڈرا دھمکا کر طلاق دینے پر مجبور کیا جائے صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۴: اکراہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ایسے کام پر مجبور کیا جائے جسے وہ نہ کرنا چاہتا ہو۔ اور اسکے نہ کرنے پر خود اسکو یا اس کے قائم مقام جیسے والدین یا اولاد کو جانی، مالی یا ناموسی کو نقصان پہونچانے کی دھمکی دی جائے۔ بشرطیکہ دھمکی دینوالا اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے پر قادر ہو۔ اور اس کے بارے میں اس شخص کو علم یا ظن ہو کہ اگر وہ ایسا نہیں کریگا تو تھدید کرنے والا اپنی بات کو عملی جامہ پہنا دے گا۔ بلکہ اگر اس کے عملی جامہ پہنانے کا گمان نہ بھی ہو صرف خوف ہو (تب بھی اسے مکروہ کہیں گے) اور وہ مورد بھی حکم یا موضوع کے اعتبار سے اس کے ساتھ ملحق ہے کہ جہاں تھدید و تخویف تو نہ ہو۔ لیکن اگر کسی کو ناپسندیدہ کام کرنے کا حکم دے اور اس کی مخالفت کی صورت میں شخص مامور کو خوف ہو کہ وہ اس کو سزا دیگا اور نقصان پہونچائے گا۔ لیکن اگر ترکِ فعل پر دوسرے کے نقصان پہونچانے کے اندیشے کی بناء پر ناپسندیدہ فعل انجام دے ڈالے جبکہ اس نے مجبور نہ کیا ہو تو یہ اکراہ کے ساتھ ملحق نہیں۔ پس اگر کسی عورت سے شادی کرنے کے بعد معلوم ہو کہ اگر وہ عورت اس کی زوجیت میں باقی رہتی ہے تو اس صورت میں اس کے رشتہ داروں جیسے باپ، بھائی وغیرہ کی طرف سے کسی مصیبت میں پھنس سکتا ہے۔ چنانچہ اس کو طلاق دینے میں ہی عافیت سمجھ کر اس کو طلاق دیدے تو صحیح ہے۔

مسئلہ ۵: اگر بعض تدبیروں کے ذریعہ امر کی طرف سے پہونچنے والے نقصان کے دفع کرنے پر قادر ہو مثلاً اس سے فرار کر سکتا ہو یا کسی سے مدد مانگ سکتا ہو تو اس صورت میں اکراہ مستحق نہیں ہوگا۔ پس اگر ایسی صورت میں طلاق دے دے تو صحیح ہے۔ البتہ اگر "توریہ" کرنے پر قادر ہو لیکن بغیر توریہ کے طلاق جاری کر دے تو ظاہراً وہ طلاق مجبوری میں واقع ہوئی ہے اور باطل ہے۔

مسئلہ ۶: اگر دو بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے اور وہ معیّن طور پر ایک کو طلاق دے دے تو یہ طلاق مجبوری کی حالت میں ہوگی۔ لیکن اگر دونوں کو ایک ساتھ طلاق دے دے تو اس صورت میں ایک کی طلاق مجبوری میں واقع ہونے میں کہ جس کا تعین قرعہ اندازی سے کیا جائے گا۔ یا دونوں کی طلاق صحیح ہونے میں دو وجہیں ہیں کہ جن میں پہلی وجہ رجحان سے خالی نہیں۔ لیکن اگر دونوں کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے۔ مگر وہ ایک کو طلاق دے تو ظاہراً وہ طلاق مجبوری میں واقع ہوئی ہے۔

مسئلہ ۷: اگر کسی کو ایسی تین طلاقیں دینے پر مجبور کیا جائے جن کے درمیان دو بار رجوع ہو۔ پس وہ شخص اس عورت کو ایک یا دو بار طلاق دے دے تو جو طلاقیں اس نے دی ہیں ان کے اکراہ کی حالت میں واقع ہونے میں اشکال ہے۔ مگر یہ کہ طلاق دینے والے کا قصد یہ ہو کہ جس چیز کی اس نے تھدید کی ہے اس کو باقی طلاقیں ترک کرکے تحمل کرے گا۔ یا اس کا قصد یہ ہو کہ ممکن ہے ان طلاقوں کی وجہ سے اسے مجبوری سے نجات مل جائے اور مجبور کرنے والا اس پر بس کرے اور جو طلاقیں اس نے نہیں دی ہیں ان پر مجبور نہ کرے۔

مسئلہ ۸: اگر اکراہ کی بناء پر طلاق دے پھر اس سے راضی ہو جائے۔ تو طلاق کے صحیح ہونے میں اس رضایت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور یہ عقد کی مانند نہیں۔

ليس كالعقد.

مسألة ٩ ـ لا يعتبر في الطلاق اطلاع الزوجة عليه فضلا عن رضاها به.

مسألة ١٠ ـ يشترط في المطلقة أن تكون زوجة دائمة، فلا يقع الطلاق على المتمتع بها، و أن تكون طاهرة من الحيض و النفاس، فلا يصح طلاق الحائض و النفساء، و المراد بهما ذات الدمين فعلاً أو حكماً كالنقاء المتخلل في البين، ولو نقتا من الدمين و لم تغتسلا من الحدث صح طلاقهما، و أن لا تكون في طهر واقعها فيه زوجها.

مسألة ١١ ـ انما يشترط خلو المطلقة من الحيض في المدخول بها الحائل دون غير المدخول بها و دون الحامل بناء على مجامعة الحيض للحمل كما هو الأقوى، فيصح طلاقها في حال الحيض، و كذا يشترط ذلك فيما إذا كان الزوج حاضراً بمعنى كونهما في بلد واحد حين الطلاق، ولو كان غائباً يصح طلاقها و إن وقع في حال الحيض لكن إذا لم يعلم حالها من حيث الطهر و الحيض و تعذر أو تعسر عليه استعلامها، فلو علم أنها في حال الحيض ولو من جهة علمه بعادتها الوقتية على الأظهر أو تمكن من استعلامها و طلقها فتبين وقوعه في حال الحيض بطل.

مسألة ١٢ ـ لو غاب الزوج فان خرج حال حيضها لم يجز طلاقها إلا بعد مضي مدة قطع بانقطاع ذلك الحيض أو كانت ذات العادة و مضت عادتها، فإن طلقها بعد ذلك في زمان لم يعلم بكونها حائضاً في ذلك الزمان صح طلاقها و إن تبين وقوعه في حال الحيض، و إن خرج في حال الطهر الذي لم يواقعها فيه طلقها في أي زمان لم يعلم بكونها حائضاً وصح طلاقها و إن صادف الحيض، نعم لو طلقها في زمان علم بأن عادتها التحيض فيه بطل إن صادفه، ولو خرج في الطهر الذي واقعها فيه ينتظر مضي زمان انتقلت بمقتضى العادة من ذلك الطهر إلى طهر آخر، و يكفي تربص شهر و الأحوط أن لا ينقص عن ذلك، و الأولى تربص ثلاثة أشهر، هذا مع الجهل بعادتها، و إلا فيتبع العادة على الأقوى، ولو وقع الطلاق بعد التربص المذكور لم يضر مصادفة الحيض في الواقع، بل الظاهر

مسئلہ ۹: زوجہ کو طلاق سے آگاہ ہونا ضروری نہیں چہ جائیکہ اسکا اس پر راضی ہونا ضروری ہو۔

مسئلہ ۱۰: جس عورت کو طلاق دی جائے اسکا دائمی بیوی ہونا شرط ہے۔ پس متعہ والی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور یہ کہ وہ حیض ونفاس سے پاک ہو۔ چنانچہ حیض اور نفاس والی عورت کو دی گئی۔ طلاق صحیح نہیں ہے۔ اور حائض اور نفساء سے مُراد وہ ہیں کہ جن کو خون آرہا ہو یا خون آنے کے حکم میں ہوں۔ جیسے اگر کسی کا خون آتے آتے رُک جائے اور بعد میں پھر آنے لگے تو وہ خون آنیکے حکم میں ہے۔ پس اگر حیض یا نفاس سے پاک ہوگئی ہوں لیکن غسل نہ کیا ہو تو ان کو دی گئی طلاق صحیح ہے۔ اور ایک شرط یہ ہے کہ حیض سے پاک ہونے کے بعد ایسے طہر میں نہ ہو کہ جس میں شوہر نے اسکے ساتھ ہمبستری کی ہو۔

مسئلہ ۱۱: حیض سے پاک ہونا طلاق دیئے جانے کیلئے اس عورت میں شرط ہے کہ جو مدخولہ ہو اور حاملہ نہ ہو غیر مدخولہ اور حاملہ کا حیض سے پاک ہونا شرط نہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حاملہ ہونے کیساتھ حیض آسکتا ہے جیساکہ اقویٰ یہی ہے۔ پس ایسی عورت کو حیض کی حالت میں دی گئی طلاق صحیح ہے اور اسی طرح یہ چیز اس صورتمیں شرط ہے کہ شوہر موجود ہو اسکا مطلب یہ ہے کہ دونوں طلاق کے وقت ایک ہی شہر میں ہوں۔ لیکن اگر شوہر غائب ہو تو طلاق صحیح ہے چاہے حالتِ حیض ہی میں کیوں نہ واقع ہو۔ لیکن اس صورت میں کہ جب اسکو بیوی کے طہر یا حیض کا علم نہ ہو۔ اور معلوم کرنے سے معذور ہو یا مشکل ہو۔ پس اگر معلوم ہو کہ بیوی حالتِ حیض میں ہے اگرچہ علی الاظہر اسکی عادت وتقیہ ہی کی وجہ سے جانتا ہو یا یہ جان لینے پر قادر ہو۔ اور طلاق دیدے بعد میں معلوم ہو کہ طلاق حالتِ حیض میں واقع ہوئی ہے تو باطل ہے۔

مسئلہ ۱۲: اگر شوہر اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں چھوڑ کر غائب ہوا ہو۔ تو جب تک اتنی مدّت نہ گذر جائے کہ جس میں اسے وہ حیض بند ہو جانے کا یقین نہ ہو جائے یا عورت کی عادت معیّن ہو اور عادت کی مدّت گذر نہ جائے اس وقت تک طلاق دینا جائز نہیں۔ پس اگر اس کے بعد ایسے زمانہ میں عورت کو طلاق دے کہ جس کے عورت کے بارے میں نہ جانتا ہو کہ وہ حائض ہے تو طلاق صحیح ہے۔ چاہے بعد میں یہ انکشاف ہو کہ طلاق حیض کی حالت میں واقع ہوئی تھی۔ لیکن اگر ایسے پاکیزگی کے زمانے میں بیوی کو چھوڑ کر غائب ہوا ہو کہ جس میں اس سے ہمبستری نہ کی ہو تو جس وقت بھی اس کے حائض ہونے کا علم نہ ہو اگر اس میں طلاق دے تو صحیح ہے چاہے وہ حیض ہی کے زمانہ میں واقع ہو۔ البتہ اگر ایسے زمانہ میں طلاق دے کہ جس کے بارے میں جانتا ہو کہ عورت اس زمانہ میں حیض دیکھتی ہے۔ تو اگر وہ طلاق حیض میں واقع ہو تو باطل ہے۔ اور اگر ایسے "طہر" میں بیوی سے دور ہو کہ جس میں اس کے ساتھ مباشرت کی ہو تو اتنی مدّت گذر جانے کا انتظار کرے۔ کہ جس میں عادت کے مطابق بیوی ایک طہر سے دوسرے طہر میں پہونچ جاتی ہو۔ اس سلسلے میں ایک مہینے کا انتظار کافی ہے اور احتیاط یہ ہے کہ انتظار ایک ماہ سے کم نہ ہو۔ جبکہ بہتر یہ ہے کہ تین مہینے تک منتظر رہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب عورت کے بارے میں نہ جانتا ہو۔ چنانچہ اگر اس کی عادت سے واقف ہو تو اقویٰ یہ ہے کہ اسی کے مطابق عمل کرے۔ پس اگر مذکورہ مدّت تک انتظار کرنیکے بعد طلاق واقع ہو تو فی الواقع اس کا حیض سے ٹکرا جانا مضر نہیں۔ بلکہ ظاہراً اگر وہ اس طہر سے بھی ٹکرا جائے کہ جس میں مباشرت کر چکا ہے تو بھی کوئی نقصان نہیں۔

مثلاً ایک ماہ بعد اسے طلاق دے۔ یا اتنی مدّت گذر جانے کے بعد طلاق دے کہ جس کے بارے

أنه لا يضر مصادفته للطهر الذي واقعها فيه بأن طلقها بعد شهر مثلاً أو بعد مضي مدة علم بحسب عادتها خروجها عن الطهر الأول و الحيض الذي بعده ثم تبين الخلاف.

مسألة ١٣ ـ الحاضر الذي يتعذر أو يتعسر عليه معرفة حال المرأة من حيث الطهر و الحيض كالغائب، كما أن الغائب لو فرض إمكان علمه بحالها بسهولة بلا تعسر كالحاضر.

مسألة ١٤ ـ يجوز الطلاق في الطهر الذي واقعها فيه في اليائسة و الصغيرة و الحامل و المسترابة، و هي المرأة التي كانت في سن من تحيض ولا تحيض لخلقة أو عارض، لكن يشترط في الأخيرة مضي ثلاثة أشهر من زمان المواقعة، فلو طلقها قبلها لم يقع.

مسألة ١٥ ـ لا يشترط في تربص ثلاثة أشهر في المسترابة أن يكون اعتزاله لأجل أن يطلقها ،فلو لم يتفق مواقعتها بسبب إلى مضيها ثم بدا له طلاقها صح في الحال.

مسألة ١٦ ـ لو واقعها في حال الحيض لم يصح طلاقها في الطهر الذي بعد تلك الحيضة، بل لابد من إيقاعه في طهر آخر بعد حيض آخر، فما هو الشرط كونها مستبرأة بحيضة بعد المواقعة لا وقوعه في طهر غير طهر المواقعة.

مسألة ١٧ ـ يشترط في صحة الطلاق تعين المطلقة بأن يقول: «فلانة طالق» أو يشير إليها بما يرفع الابهام والاجمال، فلو كانت له زوجة واحدة فقال: «زوجتي طالق» صح، بخلاف ما إذا كانت له زوجتان أو أكثر، وقال: «زوجتي طالق» إلا إذا نوى في نفسه معينة، فهل يقبل تفسيره بمعينة من غير يمين؟ فيه تأمل.

القول في الصيغة

مسألة ١ ـ لا يقع الطلاق إلا بصيغة خاصة، و هي قوله: «أنت طالق» أو

میں جانتا ہو کہ عورت عادتاً اتنی مدت میں پہلے طہر اور اس کے بعد والے حیض سے فارغ ہو جاتی ہے۔ لیکن بعد میں پتہ چلے کہ ایسا نہیں ہوا۔

مسئلہ ۱۳: ایسا موجود شخص جس کے لئے عورت کے حیض یا طہر کی حالت معلوم کرنا مشکل یا اس سے معذور ہو تو غائب کی مانند ہے۔ جیسا کہ شخصِ غائب اگر آسانی سے اس کی حالت معلوم کر سکتا ہو تو حاضر کے حکم میں ہے۔

مسئلہ ۱۴: اگر عورت یائسہ، صغیرہ (نابالغ) حاملہ یا مسترابہ ہو تو اس طہر میں اس کو طلاق دینا جائز ہے جس میں اس کے ساتھ مباشرت کر چکا ہے۔ مسترابہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کا سن حیض دیکھنے کا ہو۔ لیکن وہ پیدائشی طور پر یا کسی بیماری کی وجہ سے حیض نہ دیکھتی ہو۔ لیکن مسترابہ کو طلاق دینے میں شرط ہے کہ مباشرت کے بعد سے تین مہینے گذر جائیں۔ پس اگر اس سے پہلے طلاق دے دے تو واقع نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۱۵: مسترابہ میں شرط نہیں کہ طلاق دینے ہی کی نیت سے تین مہینے تک اس سے ہمبستری نہ کی ہو بلکہ اگر اتفاقاً کسی اور وجہ سے اس کے ساتھ مباشرت نہ کی ہو۔ اور بعد میں طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اسی حالت میں طلاق صحیح ہے۔

مسئلہ ۱۶: اگر حیض کی حالت میں بیوی کے ساتھ مباشرت کر بیٹھے تو اس حیض کے بعد والے طہر میں اس کو طلاق دینا صحیح نہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ دوسرے حیض کے بعد والے طہر میں طلاق دے۔ اس لئے کہ شرط ہمبستری کے بعد حیض کے ذریعہ عورت کا استبراء ہو جاتا ہے۔ طلاق کا ہمبستری کے بعد والے طہر میں واقع ہونا شرط نہیں۔

مسئلہ ۱۷: طلاق صحیح ہونے کے لئے مطلقہ (عورت) کو معین کرنا شرط ہے۔ مثلاً نام لے کر کہے کہ فلاں عورت کو طلاق دی گئی۔ یا اس کی طرف اس طرح اشارہ کرے جس سے ابہام و اجمال دور ہو جائے۔ پس اگر ایک ہی بیوی ہو اور یوں کہے "میری بیوی کو طلاق دی گئی" تو صحیح ہے۔ اس کے برخلاف اگر دو یا زیادہ بیویاں ہوں اور یہ کہے "میری بیوی کو طلاق دی گئی" تو صحیح نہیں۔ مگر یہ کہ دل میں کسی معین بیوی کا قصد کرے۔ اب آیا بیوی کے سلسلے میں شوہر کی تعیین قسم کے بغیر قبول کی جائے گی یا نہیں؟ اس میں تامل ہے۔

صیغۂ طلاق کے احکام

مسئلہ ۱: طلاق خاص صیغہ کے بغیر واقع نہیں ہوتی جس کا صیغہ یہ ہے "انت طالق" یا "فلانۃ طالق" یا "ھذہ طالق" یا اسی قبیل کے ایسے الفاظ جو مطلقہ کو معین کرنے پر دلالت کرتے ہوں۔ چنانچہ

فلانة أو هذه أو ما شاكلها من الألفاظ الدالة على تعيين المطلقة، فلا يقع بمثل «أنت مطلقة» أو «طلقت فلانة» بل ولا «أنت الطالق» فضلاً عن الكناية كأنت خلية أو برية أو «حبلك على غاربك» أو «الحقي بأهلك» و نحو ذلك فلا يقع بها و إن نواه حتى قوله: «اعتدي» المنوي به الطلاق على الأقوى.

مسألة ٢ ـ يجوز إيقاع طلاق أكثر من زوجة واحدة بصيغة واحدة فلو قال: «زوجتاي طالقان» أو «زوجاتي طوالق» صح طلاق الجميع.

مسألة ٣ ـ لا يقع الطلاق بما يرادف الصيغة المزبورة من سائر اللغات مع القدرة. و مع العجز يصح. و كذا لا يقع بالاشارة ولا بالكتابة مع القدرة على النطق. و مع العجز يصح إيقاعه بهما. و الأحوط تقديم الكتابة لمن يعرفها على الاشارة.

مسألة ٤ ـ يجوز للزوج أن يوكل غيره في طلاق زوجته بالمباشرة أو بتوكيل غيره، سواء كان الزوج حاضراً أو غائباً، بل و كذا له أن يوكل زوجته فيه بنفسها أو بالتوكيل، لكن لا ينبغي ترك الاحتياط بعدم توكيلها.

مسألة ٥ ـ يجوز أن يوكّلها على أنه لو طال سفره أزيد من ثلاثة شهور مثلاً أو سامح في إنفاقها أزيد من شهر مثلاً طلقت نفسها، لكن بشرط أن يكون الشرط قيداً للموكل فيه لا تعليقاً في الوكالة.

مسألة ٦ ـ يشترط في صيغة الطلاق التنجيز، فلو علقه على شرط بطل سواء كان مما يحتمل وقوعه كما إذا قال: «أنت طالق إن جاء زيد» أو مما يتيقن حصوله، كما إذا قال: «إن طلعت الشمس» نعم لا يبعد جواز تعليقه على ما يكون معلقاً عليه في الواقع كقوله: «إن كانت فلانة زوجتي فهي طالق» سواء كان عالماً بأنها زوجته أم لا.

مسألة ٧ ـ لو كرر صيغة الطلاق ثلاثاً فقال: «هي طالق هي طالق هي طالق» من دون تخلل رجعة في البين قاصداً تعدده تقع واحدة و لغت الأخريان، ولو قال: «هي طالق ثلاثاً» لم يقع الثلاث قطعاً، والأقوى وقوع واحدة

انت مطلقہ یا " طلقتُ فلانۃ " بلکہ " انت الطلاق " کے الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی چہ جائیکہ کنایے سے واقع ہو جائے جیسے " انت خلیۃ یا انت بریۃ یا " حبلک علی غاربک " یا " الحقی باَھلک " یا اس قبیل کے الفاظ چاہے ان الفاظ سے طلاق ہی کا ارادہ کرے۔ حتیٰ اگر کہے " اعتدی " اور اس سے طلاق کی نیت کرے تب بھی اقویٰ یہ ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۲: ایک سے زیادہ بیویوں کو ایک ہی صیغے سے طلاق دینا جائز ہے۔ چنانچہ اگر کہے " زوجتای طالقان " اور " زوجاتی طوالق " تو سب کی طلاق صحیح ہے۔

مسئلہ ۳: عربی میں صیغہ جاری کرنے پر قادر ہونے کی صورت میں دوسری زبانوں میں اس کے ہم معنی صیغہ جاری کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ لیکن عاجز ہونے کی صورت میں صحیح ہے۔ اسی طرح اگر بولنے پر قادر ہو تو اشارے اور تحریر سے بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ لیکن اگر بولنے سے عاجز ہو تو دونوں طرح صحیح ہے اور احتیاط یہ ہے کہ جو لکھنا جانتا ہو وہ تحریر کو اشارے پر مقدم کرے۔

مسئلہ ۴: شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کے طلاق پر دوسرے کو وکیل مقرر کرے کہ وکیل یا خود طلاق جاری کرے یا کسی کو وکیل مقرر کرے۔ چاہے شوہر حاضر ہو یا غائب۔ بلکہ اسی طرح شوہر کے لئے جائز ہے کہ خود بیوی کو وکیل بنائے کہ یا خود اپنی طلاق جاری کرے یا دوسرے کو وکیل مقرر کرے۔ لیکن زوجہ کو وکیل نہ بنانے کی احتیاط کو ترک کرنا سزاوار نہیں ہے۔

مسئلہ ۵: اس شرط کے ساتھ بیوی کو وکیل بنانا جائز ہے کہ مثلاً اگر اس کا سفر تین مہینے سے زیادہ ہو جائے یا اس کو خرچہ دینے میں ایک ماہ سے زیادہ کوتاہی کرے تو وہ اپنے آپ کو طلاق دے دے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وکالت مقید نہ ہو بلکہ جس چیز میں وکیل بنایا ہے وہ مقید و مشروط ہو۔

مسئلہ ۶: صیغۂ طلاق میں " تنجیز " شرط ہے۔ چنانچہ اگر صیغے کو کسی شرط پر معلق کرے تو باطل ہے۔ چاہے شرط ایسی ہو کہ جس کے واقع ہونے کا احتمال (موجود) ہو، مثلاً یوں کہے۔ " انت طالق ان جاء زید " یا ایسی شرط ہو کہ جس کا حصول یقینی ہو۔ مثلاً یوں کہے " انت طالق ان طلعت الشمس " البتہ ایسی شرط پر معلق کرنے کا جواز بعید نہیں ہے کہ جس پر پہلے سے ہی طلاق معلق ہو۔ مثلاً یہ کہے " ان کانت فلانۃ زوجتی فھی طالق " چاہے جانتا ہو کہ وہ اس کی زوجہ ہے یا نہ جانتا ہو۔

مسئلہ ۷: اگر تین بار صیغۂ طلاق کی تکرار کرے اور کہے ھی طالق۔ ھی طالق۔ ھی طالق، اور ان کے درمیان رجوع نہ کرے اور اس سے متعدد طلاقیں واقع کرنے کا قصد رکھتا ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی دوسری دونوں لغو ہوں گی۔ اور اگر یہ کہے۔

" ھی طالق ثلاثا " تو قطعاً تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی۔ لیکن اقویٰ یہ ہے کہ پہلی صورت کی مانند ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔

كالصورة السابقة.

مسألة ٨ ـ لو كان الزوج من العامة ممن يعتقد وقوع الثلاث بثلاث مرسلة أو مكررة و أوقعه بأحد النحوين ألزم عليه سواء كانت المرأة شيعية أو مخالفة، و نرتب نحن عليها آثار المطلقة ثلاثاً. فلو رجع إليها نحكم ببطلانه إلا إذا كانت الرجعة في مورد صحيحة عندهم. فنتزوج بها في غير ذلك بعد انقضاء عدتها، و كذلك الزوجة إذا كانت شيعية جاز لها التزويج بالغير، ولا فرق في ذلك بين الطلاق ثلاثاً و غيره مما هو صحيح عندهم فاسد عندنا كالطلاق المعلق و الحلف به و في طهر المواقعة و الحيض و بغير شاهدين فنحكم بصحته إذا وقع من المخالف القائل بالصحة، و هذا الحكم جار في غير الطلاق أيضاً، فنأخذ بالعول و التعصيب منهم الميراث مثلاً مع بطلانهما عندنا، و التفصيل لا يسع هذا المختصر.

مسألة ٩ ـ يشترط في صحة الطلاق زائداً على مامرالاشهاد بمعنى إيقاعه بحضور شاهدين عدلين ذكرين يسمعان الانشاء، سواء قال لهما: اشهدا أم لا، و يعتبر اجتماعهما حين سماع الانشاء، فلو شهد أحدهما وسمع في مجلس ثم كرر اللفظ و سمع الآخر بانفراده لم يقع، نعم لو شهدا باقراره بالطلاق لم يعتبر اجتماعهما لا في تحمل الشهادة و لا في أدائها، ولا اعتبار بشهادة النساء و سماعهن لا منفردات ولا منضمات بالرجال.

مسألة ١٠ ـ لو طلق الوكيل عن الزوج لا يكتفى به مع عدل آخر في الشاهدين، كما لا يكتفى بالموكل مع عدل آخر.

مسألة ١١ ـ المراد بالعدل في هذا المقام ما هو المراد به في غيره مما رتب عليه بعض الأحكام كما مر في كتاب الصلاة.

مسألة ١٢ ـ لو كان الشاهدان عادلين في اعتقاد المطلق ـ أصيلاً كان أو وكيلاً ـ و فاسقين في الواقع يشكل ترتيب آثار الطلاق الصحيح لمن يطلع على فسقهما، و كذلك إذا كانا عادلين في اعتقاد الوكيل دون الموكل، فانه يشكل جواز

مسئلہ ۸: اگر شوہر سُنّی ہو اور تین مرتبہ بطور مرسل یا مُکرّر صیغہ کی تکرار سے تین طلاقیں واقع ہو جانے کا معتقد ہو اور کسی ایک طریقہ پر طلاق جاری کر دے تو اس کی پابندی اس پر لازمی ہوگی۔ چاہے عورت شیعہ ہو یا سُنّی۔ اور ہمارے نزدیک اس پر تین طلاقوں کے آثار مترتب ہوں گے۔ اور اگر رجوع کرنا چاہے تو ہمارے نزدیک رجوع باطل ہے۔ مگر یہ کہ جس مورد میں رجوع کیا ہو وہ اہل سُنّت کے نزدیک صحیح ہو۔ چنانچہ اس کے علاوہ دوسرے موارد میں، عدّت گذر جانے کے بعد کوئی شیعہ اس عورت سے شادی کر سکتا ہے، اور اسی طرح زوجہ اگر شیعہ ہو تو دوسرے کے ساتھ اس کا شادی کر لینا جائز ہے۔ اور تین طلاق اور اس کے علاوہ میں فرق نہیں کہ ان کے نزدیک صحیح ہو اور ہمارے نزدیک باطل۔ جیسے طلاقِ معلق قسم کے نتیجہ میں طلاق، ہمبستری کئے گئے طہر میں طلاق، حیض کے دوران، اور دو گواہوں کے بغیر چنانچہ اگر ان حالتوں میں وہ شخص طلاق دے جس کے مذہب میں ایسا کرنا صحیح ہو تو ہمارے نزدیک بھی اس پر صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ اور یہ حکم طلاق کے علاوہ میں بھی جاری ہے۔ چنانچہ "عول" اور "تعصیب" ہمارے نزدیک باطل ہیں اس کے باوجود ہم ان سے میراث لے سکتے ہیں اور اس کی تفصیل کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

مسئلہ ۹: طلاق میں بیان شدہ شرائط کے علاوہ ایک شرط اشہاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو عادل مرد گواہوں کے سامنے صیغۂ طلاق جاری کرے اور وہ صیغہ سُنیں۔ چاہے ان سے کہا ہو کہ آپ دونوں گواہ رہیں یا نہ کہا ہو۔ اور ضروری ہے کہ وہ ایک ساتھ صیغہ جاری کرنے کو سُنیں۔ چنانچہ اگر ان میں سے ایک کسی مجلس میں گواہ کے طور پر سُنے۔ اس کے بعد دوسرے کے سامنے دُھرائے اور وہ منفرد طور پر صیغہ سُنے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

البتہ اگر اس کے طلاق دینے کا اقرار کرنے کی گواہی دیں تو اس صورت میں دونوں کا اکٹھا ہونا ضروری نہیں۔ نہ گواہ بنتے وقت اور نہ گواہی دیتے وقت۔ اور عورتوں کی گواہی اور ان کے سُننے کا کوئی اعتبار نہیں نہ منفرد طور پر اور نہ مردوں کے ساتھ مل کر۔

مسئلہ ۱۰: اگر وکیل شوہر کی طرف سے طلاق دے تو دو گواہوں کے بدلے اس کے ساتھ ایک عادل کافی نہیں۔ جیسا کہ خود مُوکّل اگر طلاق جاری کرے تو اس کے ساتھ ایک عادل کافی نہیں۔

مسئلہ ۱۱: اس مقام پر بھی عادل سے مُراد وہی ہے جو دوسرے مقامات پر ہے کہ جس پر بعض احکام مترتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب صلوٰۃ میں بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ ۱۲: اگر گواہ طلاق دینے والے کی نظر میں عادل ہوں۔ چاہے شوہر خود طلاق پڑھے یا وکیل۔ لیکن حقیقت میں فاسق ہوں۔ تو جو شخص ان کے فاسق ہونے کو جانتا ہے اس کے لئے اس طلاق کو صحیح قرار دینا مشکل ہے۔ اور اسی طرح جب وہ وکیل کی نظر میں عادل ہوں لیکن مؤکل کی نظر میں عادل نہ ہوں۔ چنانچہ اس طلاق پر صحیح طلاق کے آثار بار کرنے کا جائز ہونا مشکل ہے۔ بلکہ اس صورت

ترتيب آثار الصحة عليه، بل الأمر فيه أشكل من سابقه.

القول في أقسام الطلاق

الطلاق نوعان: بدعي و سني، فالأول ـ هو غير الجامع للشرائط المتقدمة، و هو على أقسام فاسدة عندنا صحيحة عند غيرنا.

والثاني ـ ما جمع الشرائط في مذهبنا، و هو قسمان: بائن و رجعي، فالبائن ما ليس للزوج الرجوع إليها بعده، سواء كانت لها عدة أم لا، و هو ستة: الأول- الطلاق قبل الدخول، الثاني- طلاق الصغيرة أي من لم تبلغ التسع و إن دخل بها، الثالث- طلاق اليائسة، و هذه الثلاث ليست لها عدة كما يأتي، الرابع و الخامس- طلاق الخلع و المباراة مع عدم رجوع الزوجة فيما بذلت، و إلا كانت له الرجعة، السادس- الطلاق الثالث إذا وقع منه رجوعان إلى الزوجة في البين: بين الأول و الثاني و بين الثاني و الثالث ولو بعقد جديد بعد خروجها عن العدة.

مسألة ١ ـ لو طلقها ثلاثاً مع تخلل رجعتين حرمت عليه ولو بعقد جديد، ولا تحل له إلا بعد أن تنكح زوجاً غيره ثم فارقها بموت أو طلاق و انقضت عدتها و حينئذ جاز للأول نكاحها.

مسألة ٢ ـ كل امرأة حرة إذا استكملت الطلاق ثلاثاً مع تخلل رجعتين في البين حرمت على المطلق حتى تنكح زوجاً غيره، سواء واقعها بعد كل رجعة و طلقها في طهر آخر غير طهر المواقعة ـ وهذا يقال له: طلاق العدة- أو لم يواقعها، و سواء وقع كل طلاق في طهر أو وقع الجميع في طهر واحد، فلو طلقها مع الشرائط ثم راجعها ثم طلقها ثم راجعها ثم طلقها في مجلس واحد حرمت عليه فضلاً عما إذا طلقها ثم راجعها ثم تركها حتى حاضت و طهرت ثم طلقها و هكذا.

مسألة ٣ ـ العقد الجديد بحكم الرجوع في الطلاق، فلو طلقها ثلاثاً بينها عقدان مستأنفان حرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره سواء لم تكن لها عدة كما

میں مسئلہ پہلی صورت سے زیادہ مشکل ہے۔

اقسام طلاق

طلاق کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ بدعی ۲۔ سنی۔ ۱۔ بدعی اس طلاق کو کہتے ہیں جو بیان شدہ شرائط سے خالی ہو۔ اسکی چند قسمیں ہیں جو ہمارے نزدیک فاسد ہیں۔ لیکن ہمارے غیروں (سنیوں) کے نزدیک صحیح ہیں۔ ۲۔ سنی۔ اس طلاق کو کہتے ہیں جو ہمارے مذہب کے مطابق جامع شرائط ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ۱: طلاق بائن۔ ۲: طلاق رجعی۔ ۱۔ بائن اس طلاق کو کہتے ہیں جسکے بعد شوہر بیوی کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔ چاہے اس کی عدت ہو یا نہ ہو۔ اسکی چھ صورتیں ہیں۔ پہلی صورت: ہمبستری سے پہلے طلاق دینا۔ ۲: چھوٹی (یعنی نو سال سے کم عمر والی بیوی کو طلاق دینا چاہے اس کے ساتھ ہمبستری کرچکا ہو۔ ۳: یائسہ کی طلاق۔ یہ تین صورتیں ایسی ہیں جن کے بعد عدت نہیں ہوتی (جس کا بیان آنے والا ہے۔
۴-۵: طلاق خلع و مبارات لیکن یہ طلاقیں اسی صورت میں بائن ہونگی کہ جب بیوی نے جو رقم (طلاق کے لئے) خرچ کی ہے بعد میں اسکا مطالبہ نہ کرے۔ لہٰذا اگر بیوی اس رقم کا مطالبہ کر بیٹھے تو شوہر بیوی کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔
۶: وہ تیسری طلاق جس سے پہلے دوبارہ پہلی دوسری اور دوسری تیسری طلاق کے درمیان بیوی کی طرف رجوع کر چکا ہو۔ چاہے بیوی کے عدت سے نکل جانے کے بعد نیا عقد ہی کیا ہو۔

مسئلہ ۱: اگر تین بار طلاق دے کہ جن کے درمیان دوبارہ رجوع کر چکا ہو۔ تو وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ چاہے نیا عقد ہی کرنا چاہے۔ اور تب تک حلال نہیں ہوگی کہ جب تک کسی دوسرے سے شادی نہ کرے اور اس سے موت یا طلاق کے ذریعہ عدت مکمل کرنے کے بعد جُدا نہ ہو جائے۔ چنانچہ جب وہ جُدا ہو جائے تو پہلے شوہر کے لئے اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

مسئلہ ۲: ہر آزاد عورت کو جب تین بار اس طرح طلاق ہو جائے کہ شوہر نے درمیان میں دو بار اسکی طرف رجوع کیا ہو۔ تو وہ طلاق دینے والے پر اس وقت تک حرام ہو جاتی ہے جبتک کسی دوسرے سے نکاح کر کے (شرعی طریقہ سے) اس سے جُدا نہ ہو جائے۔ چاہے ہر بار رجوع کرنیکے بعد شوہر نے اس سے ہمبستری کی ہو اور اس طہر کے علاوہ دوسرے طہر میں طلاق دی ہو کہ جسے "طلاق عدت" کہتے ہیں یا اس نے ہمبستری نہ کی ہو۔ اور چاہے ہر طلاق الگ طہر میں واقع ہوئی ہو۔ یا سب طلاقیں ایک ہی طہر میں واقع ہوئی ہوں۔ پس اگر جملہ شرائط کے ساتھ عورت کو طلاق دے اسکے بعد رجوع کرے پھر طلاق دے، پھر رجوع کرے اور پھر طلاق دے اور یہ سب ایک مجلس میں ہو تو وہ عورت اس شخص پر حرام ہو جائیگی۔ چہ جائیکہ اسکو طلاق دے۔ پھر رجوع کرے اس کے بعد اسکو چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ وہ حیض دیکھے، پھر اس سے پاک ہو تو دوسری طلاق دے اور اسی طرح تیسری طلاق بھی دے (تو کیسے حرام نہ ہوگی)

مسئلہ ۳: نیا عقد طلاق سے رجوع کے حکم میں ہے۔ پس اگر تین بار طلاق دے کہ جنکے درمیان دو بار نیا عقد کیا ہو تو وہ عورت جب تک دوسرے سے نکاح کر کے (شرعی طریقہ سے) اس سے جدا نہ ہو جائے اس پر حرام رہے گی۔ چاہے اس کی عدت نہ ہو۔ جیساکہ اگر ہمبستری سے پہلے طلاق دی ہو۔ یا عدت تو ہو لیکن عدت گذر جانے

إذا طلقها قبل الدخول، أو كانت ذات عدة و عقد عليها بعد انقضاء العدة.

مسألة ٤ ـ المطلقة ثلاثاً إذا نكحت زوجاً آخر و فارقها بموت أو طلاق حلت للزوج الأول و جاز له العقد عليها بعد انقضاء عدتها من الثاني فاذا طلقها ثلاثاً حرمت أيضاً حتى تنكح زوجاً آخر و إن كان ذلك الزوج هو الثاني في الثلاثة الأولى. و هكذا تحرم عليه بعد كل طلاق ثالث، و تحل بنكاح الغير بعده و إن طلقت مأة مرة، نعم لو طلقت تسعاً طلاق العدة بالتفسير الذي أشرنا إليه حرمت عليه أبداً، و ذلك بأن طلقها ثم راجعها ثم واقعها ثم طلقها في طهر آخر ثم راجعها ثم واقعها ثم طلقها في طهر آخر، فاذا حلت للمطلق بنكاح زوج آخر و عقد عليها ثم طلقها كالثلاثة الأولى ثم حلت بمحلل ثم عقد عليها ثم طلقها ثلاثاً كالأولين حرمت عليه أبداً، و يعتبر فيه أمران: أحدهما ـ تخلل رجعتين، فلا يكفي وقوع عقدين مستأنفين ولا رجعة و عقد مستأنف في البين، الثاني ـ وقوع المواقعة بعد كل رجعة، فطلاق العدة مركب من ثلاث طلقات: إثنتان منها رجعية و واحدة بائنة، فاذا وقعت ثلاثة منه حتى كملت تسع طلقات حرمت عليه أبداً، هذا و الأحوط الاجتناب عن المطلقة تسعاً مطلقا و إن لم تكن الجميع طلاق عدة.

مسألة ٥ ـ إنما يوجب التحريم الطلقات الثلاث إذا لم تنكح في البين زوجاً آخر. و أما إن تزوجت للغير انهدم حكم ما سبق و تكون كأنها غير مطلقة، و يتوقف التحريم على إيقاع ثلاث طلقات مستأنفة.

مسألة ٦ ـ قد مرّ أن المطلقة ثلاثاً تحرم حتى تنكح زوجاً غيره، و تعتبر في زوال التحريم به أمور ثلاثة: الأول ـ أن يكون الزوج المحلل بالغاً، فلا اعتبار بنكاح غير البالغ و إن كان مراهقاً، الثاني ـ أن يطأها قبلاً وطأً موجباً للغسل بغيبوبة الحشفة أو مقدارها من مقطوعها، بل كفاية المسمى في مقطوعها لا يخلو من قوة، و الاحتياط لا ينبغي تركه، و هل يعتبر الانزال؟ فيه إشكال، والأحوط اعتباره، الثالث ـ أن يكون العقد دائماً لامتعة.

مسألة ٧ ـ لو طلقها ثلاثاً و انقضت مدة و ادعت أنها تزوجت و فارقها الزوج

کے بعد عقد ہوا ہو۔

مسئلہ ۴: جس عورت کو تین طلاقیں دی جا چکی ہوں جب وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ چنانچہ دوسرے مرد کے مر جانے یا طلاق دے دینے کی بناء پر اس سے الگ ہو جائے تو وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جاتی ہے اور دوسرے شوہر کی عدت ختم ہو جانے کے بعد پہلے کے لئے اسکے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اگر وہ بھی اس کو تین بار طلاق دیدے تو اس پر بھی حرام ہو جائیگی جبتک دوسرے سے شادی کر کے اس سے فارغ نہ ہو جائے۔ چاہے وہ شوہر پہلی تین طلاقوں میں دوسرا شوہر رہا ہو۔ اور اسی طرح ہر تیسری طلاق کے بعد اس پر حرام ہو جائیگی اور دوسرے کے نکاح کرنے (اور اس سے فارغ ہونے) کے بعد حلال ہو جائے گی۔ چاہے سَو بار طلاق دی گئی ہو۔ البتہ اگر عدت والی نَو طلاقیں اس تفسیر کے مطابق جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ دی جائیں تو اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی۔ اسکی صورت یہ ہے کہ طلاق دے، پھر رجوع کرے، مباشرت کرے پھر دوسرے طہر میں طلاق دے۔ پھر رجوع کرے۔ ہمبستری کرے۔ پھر دوسرے طہر میں طلاق دے۔ چنانچہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے بعد۔ جب وہ طلاق دینے والے کیلئے حلال ہو جائے۔ چنانچہ وہ اس کے ساتھ عقد پڑھے اور پہلی تین طلاقوں کی طرح تین طلاقیں دے۔ پھر کسی "محلل" کے ذریعہ جب اس پر حلال ہو جائے اور وہ اسکے ساتھ عقد پڑھے اور گذشتہ دو بار دی گئی تین تین طلاقوں کی مانند اس بار بھی تین طلاقیں دے تو وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیگی۔ اور اس میں دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ دو بار رجوع کیا ہو۔ چنانچہ دو نئے عقد کا واقع ہونا یا ایک عقد کا واقع ہونا اور ایک رجوع کافی نہیں ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ہر رجوع کے بعد ہمبستری کی ہو۔ بناء برایں طلاق عدت تین طلاقوں سے مرکب ہے جن میں دو طلاقیں رجعی اور ایک بائن ہوتی ہے۔ جب اس کیفیت سے تین تین کر کے نَو طلاقیں مکمل ہو جائیں تو ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی۔ یہ تھا فتویٰ۔ لیکن احتیاط یہ ہے کہ جس عورت کو نَو طلاقیں دی جا چکی ہوں چاہے وہ کسی بھی نوعیت کی ہوں۔ اس سے مطلق طور پر اجتناب کرے چاہے ساری طلاقیں طلاقِ عدت نہ رہی ہوں۔

مسئلہ ۵: تین طلاقیں صرف اسی صورت میں حرمت کا باعث بنتی ہیں کہ جب اس دوران عورت نے کسی دوسرے مرد سے عقد نہ کیا ہو۔ چنانچہ اگر کسی سے عقد کر لیا ہے تو پہلا حکم ختم ہو جاتا ہے۔ اور عورت ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا اس کو طلاق ہی نہیں دی گئی۔ لہٰذا حرمت کے لئے نئے سرے سے تین طلاقوں کی ضرورت پڑے گی۔

مسئلہ ۶: یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جا چکی ہوں وہ جب تک کسی سے نکاح نہ کرے پہلے شوہر پر حرام رہتی ہے۔ چنانچہ اس سے اس حرمت کے زائل ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ اوّل: وہ شوہر جو محلل بنے وہ بالغ ہو۔ چنانچہ نابالغ کے ساتھ نکاح کا کوئی اعتبار نہیں چاہے وہ بلوغ کے قریب ہی ہو۔ دوم: وہ (محلل) اس کے ساتھ آگے کی طرف سے اس طرح ہمبستری کرے کہ سر حشفہ یا جس کا عضو مقطوع ہو۔ وہ اس طرح ہمبستری کرے کہ سر حشفہ کی مقدار کے برابر عضو تناسل داخل ہو جس سے غسل واجب ہو۔ بلکہ جس کا عضو مقطوع ہو اس کے لئے صرف ہمبستری کرنے کا صادق آنا قوت سے خالی نہیں۔ لیکن ترک احتیاط سزاوار نہیں۔ البتہ کیا انزال ضروری ہے؟ اس میں اشکال ہے۔ احتیاط یہ ہے کہ ضروری ہے سوم: عقد دائمی ہو خالی متعہ کر لینا کافی نہیں۔

مسئلہ ۷: جس عورت کو تین بار طلاق ہو چکی ہو ایک مدت گذر جانے کے بعد اگر وہ یہ کہے، کہ اس نے دوسری

الثاني و مضت العدة و احتمل صدقها صدقت و يقبل قولها بلا يمين، فللزوج الأول أن ينكحها، و ليس عليه الفحص، و الأحوط الاقتصار على ما إذا كانت ثقة أمينة.

مسألة ٨ ـ لو دخل المحلل فادعت الدخول و لم يكذبها صدقت و حلت للزوج الأول، و إن كذبها فالأحوط الاقتصار في قبول قولها على صورة حصول الاطمئنان بصدقها، ولو ادعت الاصابة ثم رجعت عن قولها فان كان قبل أن يعقد الأول عليها لم تحل له، و إن كان بعده لم يقبل رجوعها.

مسألة ٩ ـ لا فرق في الوطء المعتبر في المحلل بين المحرم و المحلل، فلو وطأها محرماً كالوطء في الاحرام أو في الصوم الواجب أو في الحيض و نحو ذلك كفى في التحليل.

مسألة ١٠ ـ لو شك الزوج في إيقاع أصل الطلاق لم يلزمه و يحكم ببقاء علقة النكاح، و لو علم بأصله و شك في عدده بنى على الأقل، سواء كان الطرف الأكثر الثلاث أو التسع، فلا يحكم بالحرمة في الأول و بالحرمة الأبدية في الثاني، بل لو شك بين الثلاث و التسع يبني على الأول و تحل بالمحلل على الأشبه.

القول في العدد

إنما يجب الاعتداد بأمور ثلاثة: الفراق بطلاق أو فسخ أو انفساخ في الدائم، و انقضاء المدة أو بذلها في المتعة، و موت الزوج، و وطء الشبهة.

فصل في عدة الفراق طلاقاً كان أو غيره

مسألة ١ ـ لا عدة على من لم يدخل بها و لا على الصغيرة، و هي من لم تكمل

شادی کی تھی لیکن اب دوسرے شوہر نے اسکو چھوڑ دیا ہے۔ اور عدت بھی تمام ہو چکی ہے۔ تو اگر اس کے سچی ہونیکا احتمال ہو تو اسکی بات کی تصدیق کی جائے گی۔ اور بغیر قسم کے اسکی بات مان لی جائے گی۔ چنانچہ پہلا شوہر اس سے (دوبارہ) شادی کر سکتا ہے۔ اور اسے تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں اور احتیاط یہ ہے کہ اگر عورت قابل بھروسہ اور امانتدار ہو تو اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔

مسئلہ ۸: اگر محلل عورت کے ساتھ مباشرت کرے اور عورت یہ دعویٰ کرے کہ دخول ہوا ہے اور محلل اس کو نہ جھٹلائے تو اسکی تصدیق کی جائے گی اور پہلے شوہر کے لئے حلال ہو گی۔ لیکن اگر محلل اسکو جھٹلا دے تو احتیاط یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں اسکی بات مانی جائے جب عورت کی سچائی کا اطمینان ہو۔ اور اگر دخول ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد اپنی بات سے مکر جائے۔ چنانچہ اگر پہلے شوہر کے اسکے ساتھ (دوبارہ) عقد کرنے سے پہلے مکر گئی ہو تو (پہلے شوہر کے لئے) حلال نہیں ہو گی۔ لیکن اگر بعد میں انکار کیا ہو تو اس کا انکار قبول نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ ۹: محلل کے سلسلہ میں جو یہ معتبر ہے کہ وہ مباشرت کرے اس میں کوئی فرق نہیں کہ چاہے وطی حلال ہو یا حرام۔ پس اگر احرام کے دوران یا روزہ کی حالت میں یا حیض وغیرہ کے زمانہ میں وطی کرے تو وہ بھی حلال ہونے کے لئے کافی ہے۔

مسئلہ ۱۰: اگر شوہر کو شک ہو کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ تو طلاق لازم نہیں ہو گی بلکہ نکاح کے باقی ہونیکا حکم لگایا جائیگا۔ لیکن اگر اصل طلاق کا علم ہو مگر تعداد میں شک ہو تو کم پر بنیاد رکھی جائے گی۔ چاہے (شک کی) دوسری جانب تین یا نو طلاقیں ہوں۔ پس پہلی (یعنی تین طلاقیں مشکوک ہونے کی صورت) میں حرمت اور دوسری (یعنی نو طلاقیں مشکوک ہونیکی صورت) میں ابدی حرمت کا حکم نہیں لگایا جائیگا۔ بلکہ اگر تین اور نو میں شک ہو تو تین پر بنیاد رکھی جائے گی اور اشبہ یہ ہے کہ محلل کے ذریعہ وہ عورت حلال ہو جائے گی۔

عدتوں کے احکام

صرف تین چیزوں کے سبب عدت گذارنا واجب ہے:

۱ــــ دائمی نکاح میں طلاق، فسخ یا انفساخ اور موقتی نکاح میں مدت گذر جانے یا بخش دیئے جانے کی صورتمیں حاصل ہونیوالی جدائی کے بعد ۲ــــ شوہر کی موت کے بعد ۳ــــ وطی شبہ کے بعد۔

طلاق یا اسکے علاوہ کسی چیز سے حاصل ہونیوالی جدائی کی عدت کے احکام

مسئلہ ۱: غیر مدخولہ، صغیرہ جس سے مراد نو سال سے کم عمر کی لڑکی ہے چاہے اس کے ساتھ مباشرت کر چکا ہو،

التسع و إن دخل بها، و لا على اليائسة سواء بانت في ذلك كله بطلاق أو فسخ أو هبة مدة أو انقضائها.

مسألة ٢ ـ يتحقق الدخول بايلاج تمام الحشفة قبلاً أو دبراً و إن لم ينزل، بل و إن كان مقطوع الأنثيين.

مسألة ٣ ـ يتحقق اليأس ببلوغ ستين في القرشية و خمسين في غيرها. و الأحوط مراعاة الستين مطلقا بالنسبة إلى التزويج بالغير و خمسين كذلك بالنسبة إلى الرجوع إليها.

مسألة ٤ ـ لو طلقت ذات الأقراء قبل بلوغ سن اليأس و رأت الدم مرة أو مرتين ثم يئست أكملت العدة بشهرين أو شهر، و كذلك ذات الشهور إذا اعتدت شهراً أو شهرين ثم يئست أتمت ثلاثة.

مسألة ٥ ـ المطلقة و من ألحقت بها إن كانت حاملاً فعدتها مدة حملها، و تنقضي بأن تضع ولو بعد الطلاق بلا فصل، سواء كان تاماً أو غيره ولو كان مضغة أو علقة إن تحقق أنه حمل.

مسألة ٦ ـ انما تنقضي العدة بالوضع إذا كان الحمل ملحقاً بمن له العدة، فلا عبرة بوضع من لم يلحق به في انقضاء عدته، فلو كانت حاملاً من زنا قبل الطلاق أو بعده لم تخرج منها به، بل يكون انقضاؤها بالأقراء و الشهور كغير الحامل، فوضع الحمل لا أثر له أصلا، نعم إذا حملت من وطء الشبهة قبل الطلاق أو بعده بحيث يلحق الولد بالواطىء لا بالزوج فوضعه سبب لانقضاء العدة بالنسبة إليه لا الزوج المطلق.

مسألة ٧ ـ لو كانت حاملاً باثنين فالأقوى عدم البينونة إلا بوضعهما فللزوج الرجوع بعد وضع الأول، لكن لا ينبغي ترك الاحتياط، ولا تنكح زوجاً إلا بعد وضعهما.

مسألة ٨ ـ لو وطئت شبهة فحملت و ألحق الولد بالواطىء لبعد الزوج عنها أو لغير ذلك ثم طلقها أو وطئت شبهة بعد الطلاق على نحو ألحق الولد بالواطىء

اور اسی طرح یائسہ عورت کے لئے عدّت گذارنا لازمی نہیں ہے۔ چاہے ان تمام صورتوں میں جُدائی طلاق کے ذریعہ یا فسخ کے ذریعہ متعہ کی مدت بخش دینے یا ختم ہوجانے کے بعد ہوئی۔

مسئلہ ۲: عضوِ تناسل کا آگے کا حصہ (جسے حشفہ کہتے ہیں) داخل کرنے سے دخول متحقق ہوجاتا ہے۔ چاہے آگے سے داخل کرے یا پیچھے سے اور چاہے منی بھی خارج نہ ہو۔ بلکہ چاہے "خصیتین" کٹے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں۔

مسئلہ ۳: قریشی عورت ساٹھ سال اور غیر قریشی پچاس سال پورے ہونے کے بعد یائسہ ہوجاتی ہے۔ اور دونوں میں احتیاط یہ ہے کہ اگر دوسرے کے ساتھ شادی کرنا ہو تو ساٹھ سال اور اگر عورت کی طرف رجوع کرنا ہو تو پچاس سال کی رعایت کی جائے۔

مسئلہ ۴: اگر قرء رکھنے والی عورت کو یائسہ ہونے سے پہلے طلاق دے اور وہ ایک یا دو بار خون دیکھنے کے بعد یائسہ ہوجائے تو دو ماہ یا ایک ماہ عدّت گذارے گی۔ اسی طرح جو مہینوں والی عورت ہو اگر ایک یا دو ماہ عدّت گذارنے کے بعد یائسہ ہوجائے تو تین ماہ پورے کرے گی۔

مسئلہ ۵: مطلقہ اور اس کے ساتھ ملحق عورت اگر حاملہ ہو تو اس کی عدّت مدتِ حمل ہے۔ چنانچہ وضع حمل کے بعد عدّت ختم ہوجائے گی۔ چاہے طلاق کے بعد بلا فاصلہ وضع حمل ہوجائے۔ چاہے حمل سالم ہو یا ناقص اور چاہے "مضغہ" یا علقہ ہو بشرطیکہ یہ متحقق ہوجائے کہ وہ حمل ہے۔

مسئلہ ۶: وضع حمل کے ذریعہ عدّت اسی صورت میں تمام ہوگی کہ جب "حمل" اسی شخص سے ملحق ہو جس کے لئے عدّت گذار رہی ہو۔ چنانچہ اگر حمل اس کے ساتھ ملحق نہ ہو تو وضع حمل عدّت ختم ہوجانے میں معتبر نہیں۔ لہٰذا اگر عورت طلاق سے پہلے یا اس کے بعد زنا کر کے حاملہ ہو تو وضع حمل کی وجہ سے عدّتِ طلاق سے خارج نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کی عدّت غیر حاملہ کی مانند قرء (طہر یا حیض) اور مہینوں کے حساب سے مکمل ہوگی۔

پس وضع حمل کا اصلاً کوئی اثر نہیں۔ البتہ اگر طلاق سے پہلے یا بعد میں وطیٔ شبہ سے حاملہ ہوجائے اس طرح کہ بچہ واطی کے ساتھ ملحق ہو نہ زوج کے ساتھ تو اس صورت میں عورت کا وضع حمل کر دینا واطی کی نسبت عدّت ختم ہوجانے کا سبب ہے طلاق دینے والے شوہر کی نسبت نہیں۔

مسئلہ ۷: اگر جڑواں بچوں سے حاملہ ہو تو اقویٰ یہ ہے کہ دونوں کو جننے کے بعد عدّت سے خارج ہوگی۔

چنانچہ پہلے بچہ کو جننے کے بعد اگر شوہر رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن ترک احتیاط مناسب نہیں اور (عورت) دونوں کو جننے کے بعد ہی کسی سے نکاح کر سکتی ہے۔

مسئلہ ۸: اگر شبہ میں ہمبستری ہوجانے کی بناء پر عورت حاملہ ہوجائے اور بچہ اس مرد سے ملحق ہو جس نے ہمبستری کی ہے (اسکی وجہ یا شوہر کا اس (عورت) سے دور ہونا ہو یا کوئی اور وجہ ہو۔ پھر شوہر اس کو طلاق دیدے یا طلاق کے بعد شبہ میں اس کے ساتھ مباشرت ہوجائے اور بچہ مباشرت کرنے والے کے ساتھ ملحق ہوتا ہو تو عورت کو دو عدّتیں گذارنی پڑیں گی۔ ایک عدّت وطی شبہ کے لئے کہ جو وضع حمل کے بعد ختم ہوجائے گی اور

كانت عليها عدتان: عدة لوطء الشبهة تنقضي بالوضع، وعدة للطلاق تستأنفها فيما بعده، و كان مدتها بعد انقضاء نفاسها إذا اتصل بالوضع ولو تأخر دم النفاس يحسب النقاء المتخلل بين الوضع و الدم قرءً من العدة الثانية ولو كان بلحظة.

مسألة ٩ - لو ادعت المطلقة الحامل أنها وضعت فانقضت عدتها و أنكر الزوج أو انعكس فادعى الوضع و انقضاء العدة و أنكرت هي أو ادعت الحمل و أنكر أو ادعت الحمل و الوضع معاً و أنكرهما يقدم قولها بيمينها بالنسبة إلى بقاء العدة و الخروج منها لا بالنسبة إلى آثار الحمل غير ما ذكر على الظاهر.

مسألة ١٠ - لو اتفق الزوجان على إيقاع الطلاق و وضع الحمل و اختلفا في المتقدم و المتأخر فقال الزوج: «وضعت بعد الطلاق فانقضت عدتك» و قالت: «وضعت قبله و أنا في العدة» أو انعكس لا يبعد تقديم قولها في بقاء العدة و الخروج منها مطلقا من غير فرق بين ما لم يتفقا على زمان أحدهما أو اتفقا عليه.

مسألة ١١ - لو طلقت الحائل أو انفسخ نكاحها فان كانت مستقيمة الحيض بأن تحيض في كل شهر مرة كانت عدتها ثلاثة قروء، و كذا إذا تحيض في كل شهر أزيد من مرة أو ترى الدم في كل شهرين مرة، و بالجملة كان الطهر الفاصل بين حيضتين أقل من ثلاثة أشهر، و إن كانت لا تحيض وهي في سن من تحيض -إما لكونها لم تبلغ الحد الذي ترى الحيض غالب النساء و إما لانقطاعه لمرض أو حمل أو رضاع- كانت عدتها ثلاثة أشهر، و يلحق بها من تحيض لكن الطهر الفاصل بين حيضتين منها ثلاثة أشهر أو أزيد.

مسألة ١٢ - المراد بالقروء الأطهار، و يكفي في الطهر الأول مسماه ولو قليلاً، فلو طلقها و قد بقيت منه لحظة يحسب ذلك طهراً، فاذا رأت طهرين آخرين تامين بتخلل حيضة بينهما انقضت العدة، فانقضاؤها برؤية الدم الثالث، نعم لو اتصل آخر صيغة الطلاق بأول زمان الحيض صحّ الطلاق، لكن لابد في انقضاء العدة من أطهار تامة، فتنقضي برؤية الدم الرابع، كل ذلك في الحرة.

دوسری عدت طلاق کے لئے جسکو اس عدت کے بعد نئے سرے سے شروع کریگی۔ اسکا زمانہ خونِ نفاس رُک جانیکے بعد ہے اگر وہ خون وضع حمل کیساتھ آنا شروع ہو جائے۔ لیکن اگر "خونِ نفاس" وضع حمل کے بعد تاخیر سے آئے تو خون آنے اور وضع حمل کے درمیان والا پاکیزگی کا زمانہ دوسری عدت کا ایک "قرؤ" شمار ہوگا چاہے وہ ایک لحظہ ہی کیوں نہ ہو۔

مسئلہ ۹: اگر طلاق شدہ حاملہ عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس نے وضع حمل کردیا ہے اور اس کی عدت ختم ہوگئی ہے جبکہ شوہر اس کا انکار کررہا ہو۔ یا قضیہ اس کے برعکس ہو۔ یعنی شوہر وضع حمل اور اتمام عدت کا دعویدار ہو جبکہ زوجہ اس کی منکر ہو۔ یا بیوی حاملہ ہونے کا دعویٰ کرے اور شوہر منکر ہو۔ یا حاملہ ہونے اور وضع حمل کردینے کا ایک ساتھ دعویٰ کرے لیکن شوہر دونوں کا انکار کرے تو عدت باقی ہونے یا ختم ہوجانے کی نسبت قسم دے کر عورت کا قول مقدم کیا جائے گا۔ لیکن مذکورہ چیزوں کے علاوہ "علی الظاہر" آثار حمل کی نسبت اس کا قول مقدم نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۱۰: اگر طلاق اور وضع حمل کے سلسلہ میں میاں بیوی متفق ہوں۔ لیکن ان کے تقدم و تاخر کے بارے میں اختلاف ہو چنانچہ شوہر کہے "کہ تو نے طلاق کے بعد وضع حمل کیا ہے لہٰذا تمھاری عدت ختم ہوگئی ہے" جبکہ بیوی کا کہنا ہو "میں نے طلاق سے پہلے وضع حمل کیا ہے لہٰذا میں "عدت" میں ہوں"۔ یا معاملہ اس کے برعکس ہو تو بعید نہیں ہے کہ عدت باقی ہونے یا اس سے نکل جانے کے سلسلہ میں مطلق طور پر بیوی کی بات مقدم کی جائے۔ بغیر کسی فرق کے کہ ان میں سے کسی ایک کے وقت پر متفق ہوں یا نہ ہوں۔

مسئلہ ۱۱: اگر غیر حاملہ کو طلاق دے یا اس کا نکاح ٹوٹ جائے تو اگر حیض کے اعتبار سے سالم ہو یعنی ہر ماہ ایک بار حیض دیکھتی ہو، تو تین قرء (طہر یا حیض) اس کی عدت ہوں گے۔ اور یہی حکم اس کا بھی ہے جو ہر ماہ ایک سے زائد یا ہر دو ماہ میں ایک بار حیض دیکھتی ہو۔ خلاصہ یہ کہ دو حیضوں کے درمیان جو پاکیزگی کا زمانہ ہوتا ہے وہ تین ماہ سے کم ہو۔ لیکن اگر اس کو حیض نہ آتا ہو جبکہ اس کی عمر حیض دیکھنے والیوں کی ہو۔ اس کا سبب یہ ہو کہ یا وہ اس حد تک نہ پہونچی ہو کہ جس میں اکثر عورتیں حیض دیکھتی ہیں۔ یا اس کا حیض بیماری، حاملہ ہونے یا دودھ پلانے کی وجہ سے منقطع ہوگیا ہو۔ تو اس کی عدت تین ماہ ہوگی۔ یہی حکم اس (عورت) کا بھی ہے جو حیض تو دیکھتی ہو لیکن دو حیضوں کے درمیان پاکیزگی کا زمانہ تین ماہ یا اس سے زیادہ ہو۔

مسئلہ ۱۲: قرؤ سے مراد طہر (پاکیزگی) ہے۔ اور پہلے طہر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو طہر کہا جاسکے چاہے اس کی مدت کم ہی کیوں نہ ہو؛ چنانچہ اگر بیوی کو طلاق دے اور اس کی پاکیزگی کا ایک لحظہ باقی رہ گیا ہو تو اس کو ایک طہر شمار کیا جائے گا۔ لہٰذا جب وہ دو مکمل پاکیزگیاں گذر چکے کہ جن کے درمیان ایک بار حیض دیکھا ہو۔ تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔ جس کے ختم ہونے کی علامت تیسری بار خون دیکھنا ہے۔ البتہ اگر صیغۂ طلاق کا آخری کلمہ ادا ہونے کے ساتھ ہی حیض کی ابتداء ہو جائے تو طلاق صحیح ہے لیکن عدت ختم ہونے کے لئے تین مکمل پاکیزگیاں ضروری ہیں۔ چنانچہ چوتھی بار خون دیکھتے ہی اس کی عدت ختم ہوجائیگی۔ یہ تمام احکام آزاد عورت کے ہیں (کنیز کے نہیں)

مسألة ١٣ـ بناءً على كفاية مسمى الطهر في الطهر الأول ولو لحظة و إمكان أن تحيض المرأة في شهر واحد أزيد من مرة فأقل زمان يمكن ان تنقضي عدة الحرة ستة و عشرون يوماً و لحظتان، بأن كان طهرها الأول لحظة ثم تحيض ثلا ثة أيام، ثم ترى أقل الطهر عشرة أيام، ثم تحيض ثلاثة أيام، ثم ترى أقل الطهر عشرة أيام، ثم تحيض، فبمجرد رؤ ية الدم الأخير لحظة من أوله انقضت العدة، وهذه اللحظة الأخيرة خارجة عن العدة، و انما يتوقف عليها تمامية الطهر الثالث، هذا في الحرة، وأما في الأمة فأقل ما يمكن انقضاء عدتها لحظتان وثلا ثه عشر يوماً.

مسألة ١٤ ـ عدة المتعة في الحامل وضع حملها، و في الحائل إذا كانت تحيض قرءان، و المراد بهما هنا حيضتان على الأقوى و إن كانت لا تحيض وهي في سن من تحيض فخمسة و أربعون يوماً، و المراد من الحيضتين الكاملتان، فلو وهبت مدتها أو انقضت في أثناء الحيض لم تحسب بقية تلك الحيضة من الحيضتين.

مسألة ١٥ ـ المدار في الشهور هو الهلالي، فان وقع الطلاق في أول رؤ ية الهلال فلا اشكال ، و إن وقع في أثناء الشهر ففيه خلاف و إشكال، و لعل الأقوى في النظر جعل الشهرين الوسطين هلاليين و إكمال الأول من الرابع بمقدار مافات منه.

مسألة ١٦ ـ لو اختلفا في انقضاء العدة و عدمه قدم قولها بيمينها، سواء ادعت الانقضاء أو عدمه، و سواء كانت عدتها بالأقراء أو الأشهر.

القول في عدة الوفاة

مسألة ١ ـ عدة المتوفى عنها زوجها أربعة أشهر و عشرة أيام إذا كانت حائلاً، صغيرة كانت أو كبيرة، يائسة كانت أو غيرها، مدخولاً بها كانت أم لا، دائمة كانت أو منقطعة، من ذوات الأقراء كانت أولا. و إن كانت حاملاً فأبعد الأجلين من وضع الحمل و المدة المزبورة.

مسئلہ ۱۳: اگر یہ مان لیا جائے کہ پہلے طہر کا صرف ایک لحظہ ہی "طہر" کہلانے کے لئے کافی ہے۔ اور عورت کا ایک ماہ میں ایک سے زائد بار خون دیکھنا ممکن ہو، تو آزاد عورت کی عدّت کی کم سے کم ممکنہ مدّت چھبیس[۲۶] دن اور دو لحظے ہیں۔ اس طرح کہ پہلا طہر ایک لحظہ اس کے بعد تین دن حیض کے، پھر طہر کی کم سے کم مدّت 'دس دن' پھر تین دن دوسرے حیض کے، پھر طہر کی کم سے کم مدّت کے دس دن، اس کے بعد حیض، چنانچہ آخری خون دیکھتے ہی اس کے پہلے لحظے میں عدّت ختم ہو جائے گی۔ اور یہ آخری لحظہ عدّت سے خارج ہے۔ صرف اس پر تیسرے طہر کے ختم ہونے کا دار و مدار ہے۔ یہ آزاد عورت کا حکم ہے۔ کنیز کی عدّت کی کم سے کم ممکنہ مدّت دو لحظے اور تیرہ[۱۳] دن ہیں۔

مسئلہ ۱۴: متعہ والی عورت اگر حاملہ ہو تو اس کی عدّت وضع حمل تک ہے اور اگر حاملہ نہ ہو تو دو قرء حیض دیکھنے تک ہے اور اقوی یہ ہے کہ یہاں دو قرء سے مراد دو حیض ہیں۔ لیکن اگر عورت حیض نہ دیکھتی ہو جبکہ اس کی عمر کا تقاضا ہو تو اس کی عدّت پینتالیس دن ہے۔ دو حیض سے مراد دو کامل حیض ہیں چنانچہ اگر اس کی مدّت بخش دے یا حیض کے دوران مدّت ختم ہو جائے۔ تو اس حیض کا باقی حصّہ دو حیض میں شمار نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۱۵: مہینوں کا معیار قمری مہینے ہیں۔ چنانچہ اگر چاند کی پہلی تاریخ میں طلاق واقع ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر مہینے کی درمیانی تاریخوں میں ہو تو اس میں اختلاف اور اشکال ہے۔ شاید اقوی یہ ہو کہ درمیان والے دو ماہ قمری قرار دیئے جائیں اور پہلے مہینے کے فوت شدہ ایام چوتھے مہینے سے پورے کئے جائیں۔

مسئلہ ۱۶: اگر عدّت پوری ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو قسم کے ساتھ عورت کا قول مقدّم کیا جائے گا۔ چاہے اس نے عدّت پوری ہونے کا دعویٰ کیا ہو یا پوری نہ ہونے کا۔ اور چاہے اس کی عدّت "اقراء" کے حساب سے ہو یا مہینوں کے حساب سے ہو۔

عدّتِ وفات

مسئلہ ۱: جس عورت کا شوہر مر جائے اس کی عدّت چار ماہ دس دن ہے اگر وہ حاملہ نہ ہو، چاہے بالغ ہو یا نابالغ، یائسہ ہو یا غیر یائسہ۔ اس کے ساتھ مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ دائمی بیوی ہو یا متعہ والی ہو۔ ذوات اقراء میں سے ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر حاملہ ہو تو وضع حمل اور مذکورہ مدّت میں سے جو بعد میں ختم ہو وہی اس کی عدّت ہوگی۔

مسألة ٢ ـ المراد بالأشهر هي الهلالية، فان مات عند رؤية الهلال اعتدت بأربعة أشهر وضمت إليها من الخامس عشرة أيام، و إن مات في أثناء الشهر فالأظهر أنها تجعل ثلاثة أشهر هلاليات في الوسط و أكملت الأول بمقدار ما مضى منه من الشهر الخامس حتى تصير مع التلفيق أربعة أشهر وعشرة أيام.

مسألة ٣ ـ لو طلقها ثم مات قبل انقضاء العدة فان كان رجعياً بطلت عدة الطلاق، و اعتدت من حين موته عدة الوفاة إلا في المسترابة بالحمل فان فيها محل تأمل، فالأحوط لها الاعتداد بأبعد الأجلين من عدة الوفاة و وظيفة المسترابة، فاذا مات الزوج بعد الطلاق بشهر مثلاً تعتد عدة الوفاة و تتم عدة المسترابة إلى رفع الريبة و ظهور التكليف، ولومات بعد سبعة أشهر اعتدت بأبعدهما من اتضاح الحال وعدة الوفاة، ولو كانت المرأة حاملاً اعتدت بأبعد الأجلين منها و من وضع الحمل كغير المطلقة، و إن كان بائناً اقتصرت على إتمام عدة الطلاق و لا عدة لها بسبب الوفاة.

مسألة ٤ ـ يجب على المرأة في وفاة زوجها الحداد ما دامت في العدة و المراد به ترك الزينة في البدن بمثل التكحيل و التطيب و الخضاب و تحمير الوجه و الخطاط و نحوها، و في اللباس بلبس الأحمر و الأصفر و الحلي و نحوها و بالجملة ترك كل ما يعد زينة تتزين به للزوج، و في الأوقات المناسبة له في العادة كالأعياد و الأعراس و نحوهما، و يختلف ذلك بحسب الأشخاص و الأزمان و البلاد، فيلاحظ في كل بلد ماهو المعتاد و المتعارف فيه للتزيين نعم لا بأس بتنظيف البدن و اللباس، و تسريح الشعر، و تقليم الأظفار، و دخول الحمام، و الافتراش بالفراش الفاخر و السكنى في المساكن المزينة، و تزيين أولادها و خدمها.

مسألة ٥ ـ الأقوى أن الحداد ليس شرطاً في صحة العدة، بل هو تكليف مستقل في زمانها، فلو تركته عصياناً أو جهلاً أو نسياناً في تمام المدة أو بعضها لم يجب عليها استئنافها و تدارك مقدار ما اعتدت بدونه.

مسئلہ ۲: مہینوں سے مُراد قمری مہینے ہیں۔ چنانچہ اگر چاند دیکھنے کے ساتھ شوہر فوت ہوجائے۔ تو چار ماہ کے ساتھ پانچویں مہینے کے دس دن ضمیمہ کرکے عدّت گذارے گی۔ لیکن اگر درمیان ماہ انتقال ہو تو اظہر یہ ہے کہ درمیان میں تین قمری مہینے پورے۔ اور پہلے مہینے میں سے جتنے دن گذر گئے تھے وہ پانچویں مہینے میں سے ملائے گی۔ یہاں تک کہ (پہلے اور پانچویں مہینے کے) دنوں کو ملانے کے بعد چار ماہ اور دس دن پورے ہوجائیں۔

مسئلہ ۳: اگر طلاق دینے کے بعد عدّت ختم ہونے سے پہلے شوہر کا انتقال ہوجائے۔ چنانچہ اگر عدت رجعی ہو تو طلاق کی عدّت باطل ہوجائے گی اور وفات کے بعد سے وہ وفات کی عدّت گذارے گی۔ مگر یہ کہ وہ حمل کے سلسلہ میں مشوش ہو۔ اس لئے کہ اس میں تامّل کا مقام ہے۔ چنانچہ احتیاط یہ ہے کہ وفات کی عدّت اور استبراء کی شرعی ذمّہ داری میں سے جو مدّت زیادہ ہو اس کو عدت کے طور پر گذارے لہٰذا اگر مثلاً طلاق کے ایک ماہ بعد شوہر کا انتقال ہوجائے۔ تو وفات کی عدّت گذارے، اور شک دور ہونے اور تکلیف شرعی واضح ہوجانے تک "استبراء" کی عدّت پوری کرے۔ اور اگر سات ماہ بعد شوہر مر جائے تو اس کی پوزیشن واضح ہوجانے اور وفات کی عدّت میں سے جو طولانی مدّت ہو اس کو عدّت کے طور پر گذارے۔ اور اگر عورت حاملہ ہو تو غیر مطلقہ کی مانند عدّتِ وفات اور وضع حمل کی مدّت میں سے جو زیادہ مدّت ہو اسے بعنوانِ عدّت گذارے۔ لیکن اگر طلاقِ بائن ہو تو صرف عدّتِ طلاق پوری کرنے پر اکتفاء کرے گی۔ عدّتِ وفات اس کی ذمّہ داری نہیں۔

مسئلہ ۴: عدّتِ وفات کے دوران عورت پر "حداد" واجب ہے۔ حداد سے مُراد بدن کو زینت دینے والی چیزوں مثلاً سُرمہ، خوشبو، مہندی، سُرخی پاؤڈر وغیرہ، اور لباس میں سُرخ، زرد اور زیورات کو ترک کرنا ہے۔

خلاصہ زینت کی ہر اس چیز کو ترک کرنا کہ جس سے وہ شوہر کے سامنے یا مختلف اوقات جیسے عیدوں، شادیوں وغیرہ میں مزیّن ہوتی تھی۔ اور مختلف اشخاص، ازمنہ اور بلاد کے اعتبار سے زینتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ ہر ملک میں جو چیز زینت کے عنوان سے مشہور ہو اس کو ترک کرے۔ البتہ بدن اور لباس کی نظافت کرنے، کنگھی کرنے ناخن کاٹنے، نہانے، عمدہ اور قیمتی فرش بچھانے، اسے سجائے مکان میں رہنے اور اپنی اولاد اور کنیز کی تزئین میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ ۵: اقویٰ یہ ہے کہ حداد (ترکِ زینت) عدّت کے صحیح ہونے کی شرط نہیں، بلکہ وہ عدّت کے زمانہ میں بجائے خود ایک مستقل ذمّہ داری ہے۔ چنانچہ اگر نافرمانی، نادانی یا بھولے سے پوری عدّت یا اسکی کچھ مدّت کے دوران اس کی رعایت ترک کرے تو اس پر واجب نہیں کہ پھر سے عدّت گذارے یا اس مدّت کا جبران کرے کہ جس میں زینت کی ہو۔

مسألة ٦ ـ لافرق في وجوب الحداد بين المسلمة و الذمية، كما لافرق على الظاهر بين الدائمة و المنقطعة، نعم لا يبعد عدم وجوبه على من قصرت مدة تمتعها كيوم أو يومين، و هل يجب على الصغيرة و المجنونة أم لا؟ قولان أشهر هما الوجوب بمعنى وجوبه على وليهما. فيجنبهما عن التزيين ما دامتا في العدة، و فيه تأمل و إن كان أحوط.

مسألة ٧ ـ يجوز للمعتدة بعدة الوفاة أن تخرج من بيتها في زمان عدتها و التردد في حوائجها خصوصاً إذا كانت ضرورية أو كان خروجها لأمور راجحة كالحج و الزيارة و عيادة المرضى و زيارة أرحامها و لا سيما و الديها، نعم ينبغي بل الأحوط أن لا تبيت إلا في بيتها الذي كانت تسكنه في حياة زوجها، أو تنتقل منه إليه للاعتداد بأن تخرج بعد الزوال و ترجع عند العشي أو تخرج بعد نصف الليل و ترجع صباحاً.

مسألة ٨ ـ لا إشكال في أن مبدأ عدة الطلاق من حين وقوعه حاضراً كان الزوج أو غائباً بلغ الزوجة الخبر أم لا، فلو طلقها غائباً و لم يبلغها إلا بعد مضي مقدار العدة فقد انقضت عدتها، و ليس عليها عدة بعد بلوغ الخبر، و مثل عدة الطلاق عدة الفسخ و الانفساخ على الظاهر، و كذا عدة وطء الشبهة و إن كان الأحوط الاعتداد من حين ارتفاع الشبهة بل هذا الاحتياط لا يترك ، و أما عدة الوفاة فان مات الزوج غائبا فهي من حين بلوغ الخبر إليها، و لا يبعد عدم اختصاص الحكم بصورة غيبة الزوج، بل يعم صورة حضوره إن خفي عليها موته لعلة، فتعتد من حين إخبارها بموته.

مسألة ٩ ـ لا يعتبر في الاخبار الموجب للاعتداد من حينه كونه حجة شرعية كعدلين و لا عدل واحد، نعم لا يجوز لها التزويج بالغير بلا حجة شرعية على موته، فاذا ثبت ذلك بحجة يكفي اعتداده من حين البلوغ، و لا يحتاج إليه من حين الثبوت.

مسألة ١٠ ـ لو علمت بالطلاق و لم تعلم وقت وقوعه حتى تحسب العدة من

مسئلہ ۶: حداد واجب ہونے میں مسلمان اور ذمی ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ جیساکہ ظاہراً دائمی اور متعہ والی بیوی میں بھی کوئی فرق نہیں۔ البتہ جس عورت کے ساتھ خوش گذرانی کی مدت ایک دو دن سے کم ہو اس پر حداد (ترکِ زینت) واجب نہ ہونا بعید نہیں ہے۔ اور آیا نابالغ اور دیوانی عورت پر حداد (ترکِ زینت) واجب ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور یہ ہے کہ واجب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ولی پر واجب ہے۔ چنانچہ ان کی عدت کے دوران ان کے سرپرست پر واجب ہے کہ ان کو زینت سے باز رکھے۔ لیکن اس میں تامل ہے۔ اگرچہ احتیاط اسی میں ہے۔

مسئلہ ۷: عدتِ وفات میں بسر کرنے والی عورت کے لئے عدت زمانہ میں اپنے امور خاص کر ضروری یا شرعی رجحان رکھنے والے امور جیسے حج، زیارت، مریض کی عیادت، رشتہ داروں اور خاص طور سے والدین سے ملاقات کے لئے اپنے گھر سے نکلنا جائز ہے۔ البتہ سزاوار ہے بلکہ احتیاط یہ ہے کہ جس گھر میں شوہر کی زندگی میں رہتی تھی، رات اسی گھر میں یا جس گھر میں عدت گذار رہی ہو اس میں بسر کرے۔ اس طرح کہ زوال کے بعد گھر سے نکلے اور شام ہوتے واپس آجائے یا نصف شب کے بعد گھر سے خارج ہو اور صبح کو پلٹ آئے۔

مسئلہ ۸: اسمیں کوئی اشکال نہیں کہ عدت طلاق کی ابتداء طلاق واقع ہونے کے وقت سے ہے۔ چاہے شوہر موجود ہو یا غائب، بیوی کو طلاق کی خبر موصول ہوئی ہو یا نہ! چنانچہ اگر (گھر سے) غائب ہونے کی حالت میں بیوی کو طلاق دے اور بیوی کو معلوم ہونے سے پہلے عدت کے برابر مدت گذر جائے تو اس کی عدت پوری ہو چکی ہے۔ لہٰذا (طلاق کی) خبر ملنے کے بعد اس کو عدت نہیں گذارنا پڑے گی۔ اور علی الظاہر فسخ اور انفساخ نکاح کی عدت بھی طلاق کی مانند ہے۔ اور اسی طرح شبہ میں وطی ہو جانے کی عدت، اگرچہ (اس میں) احتیاط یہ ہے کہ شبہ دور ہو جانے کے وقت سے عدت کا آغاز کرے بلکہ اس احتیاط کو ترک نہ کیا جائے۔ لیکن عدت وفات کی صورت یہ ہے کہ اگر شوہر غائب ہونے کی حالت میں فوت ہوا ہو تو اس عدت کا آغاز بیوی کو اس کی اطلاع ملنے کے وقت سے ہوگا۔ اور بعید نہیں کہ یہ حکم شوہر کے غائب ہونے کی صورت سے مخصوص نہ ہو بلکہ اس کے حاضر ہونے کی صورت کو بھی شامل ہو اگر بیوی پر کسی وجہ سے اسکی موت مخفی رہے چنانچہ جب اس کو شوہر کی موت کا علم ہوگا اسی وقت سے عدت شروع کرے گی۔

مسئلہ ۹: خبر و اطلاع کہ جس کی وجہ سے اسی وقت عدت کا آغاز واجب ہو جاتا ہے۔ اس کا حجت شرعی ہونا ضروری نہیں جیسے دو عادلوں کی ہو اور ایک عادل کی نہ ہو۔ البتہ شوہر کی موت پر شرعی حجت قائم ہوئے بغیر اس کے لئے دوسرے سے شادی کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ اگر (شوہر کی موت پر) دلیل قائم ہو جائے تو خبر موصول ہونے کے وقت سے عدت شروع کرنا کافی ہے۔ اس کے ثابت ہونے کے وقت کی احتیاج نہیں۔

مسئلہ ۱۰: اگر بیوی کو طلاق واقع ہو جانے کی اطلاع ہو جائے۔ لیکن اس کا وقت معلوم نہ ہو کہ اس کے

ذلك الوقت اعتدت من الوقت الذي تعلم بعدم تأخره عنه، و الأحوط أن تعتد من حين بلوغ الخبر إليها، بل هذا الاحتياط لا يترك .

مسألة ١١ ـ لو فقد الرجل وغاب غيبة منقطعة و لم يبلغ منه خبر و لا ظهر منه أثر و لم يعلم موته و حياته فان بقي له مال تنفق به زوجته أو كان له ولي يتولى أموره و يتصدى لانفاقه أو متبرع للانفاق عليها وجب عليها الصبر والانتظار، ولا يجوز لها أن تتزوج أبداً حتى تعلم بوفاة الزوج أو طلاقه، و إن لم يكن ذلك فان صبرت فلها ذلك ، و إن لم تصبر، وأرادت الزواج رفعت أمرها إلى الحاكم الشرعي، فيؤجلها أربع سنين من حين الرفع إليه ثم يتفحص عنه في تلك المدة، فان لم يتبين موته و لا حياته فان كان للغائب ولي أعني من كان يتولى أموره بتفويضه أو توكيله يأمره الحاكم بطلاقها، و إن لم يقدم أجبره عليه، و إن لم يكن له ولي أو لم يقدم و لم يمكن إجباره طلقها الحاكم، ثم تعتد أربعة أشهر و عشراً عدة الوفاة، فاذا تمت هذه الأمور جاز لها التزويج بلا إشكال،و في اعتبار بعض ما ذكر تأمل و نظر، إلا أن اعتبار الجميع هو الأحوط.

مسألة ١٢ ـ ليس للفحص و الطلب كيفية خاصة، بل المدار ما يعد طلباً و فحصاً، و يتحقق ذلك ببعث من يعرف المفقود ـ رعاية ـ باسمه و شخصه أو بحليته إلى مظان وجوده للظفر به و بالكتابة و غيرها كالتلغراف و سائر الوسائل المتداولة في كل عصر ليتفقد عنه، و بالالتماس من المسافرين كالزوار و الحجاج و التجار و غير هم بأن يتفقدوا عنه في مسيرهم و منازلهم و مقامهم، و بالاستخبار منهم حين الرجوع.

مسألة ١٣ ـ لا يشترط في المبعوث و المكتوب إليه و المستخبر منهم من المسافرين العدالة، بل تكفي الوثاقة.

مسألة ١٤ ـ لا يعتبر أن يكون الفحص بالبعث أو الكتابة و نحوها من الحاكم، بل يكفي كونه من كل أحد حتى نفس الزوجة إذا كان بأمره بعد رفع الأمر إليه.

مطابق عدّت کا حساب کرے تو ایسے وقت سے عدّت کا حساب کرے کہ جس کے بارے میں جانتی ہو کہ طلاق اس کے بعد واقع نہیں ہوئی، اور احتیاط یہ ہے کہ جب اُسے طلاق کی خبر موصول ہو اس وقت سے عدّت شروع کرے بلکہ اس احتیاط کو ترک نہ کیا جائے۔

مسئلہ ۱۱: اگر مرد بالکل غائب ہو جائے اور اس کا کوئی پتہ اور ٹھکانہ معلوم نہ ہو سکے اور اس کے مُردہ یا زندہ ہونے کا بھی یقین نہ ہو۔ تو اگر اس کا کوئی مال موجود ہو تو بیوی اس میں سے خرچ کرے۔ یا اس کے امور انجام دینے کے لئے اس کا کوئی قائم مقام ہو یا کوئی شخص فی سبیل اللہ اس کی بیوی کے اخراجات دے تو بیوی پر واجب ہے کہ وہ صبر کرے اور شوہر کا انتظار کرے۔ اور جب تک شوہر کی وفات یا طلاق کا یقین نہ ہو جائے کسی بھی قیمت پر اس کے لئے شادی کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر اس کے اخراجات کا کوئی انتظام نہ ہو، چنانچہ اگر وہ صبر کرے تو اس کی مرضی ہے۔ لیکن اگر صبر نہ کرے اور شادی کرنا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ معاملہ کو حاکم شرع کے سامنے پیش کرے۔ حاکم شرع اس وقت سے اس کو چار سال کی مدّت دیگا۔ اور اس مدّت میں شوہر کی تلاش کی جائے گی۔ چنانچہ اگر اس کے زندہ یا مُردہ ہونے کا پتہ نہ چلے تو اگر اس کا کوئی قائم مقام ہو جو اس کے امور کا نگران ہو جس کو اس نے اپنے کام سونپے ہوں۔ یا وکیل بنایا ہو تو حاکم شرع اس کو حکم دے گا کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے چنانچہ اگر وہ طلاق کے سلسلہ میں اقدام نہ کرے تو اس کو ایسا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ لیکن اگر اس کا کوئی قائم مقام نہ ہو یا وہ طلاق نہ دے اور اس کو طلاق دینے پر مجبور کرنا بھی ممکن نہ ہو تو حاکم شرع اس کو طلاق دے گا۔ اس کے بعد وہ چار ماہ دس دن وفات کی عدّت کے طور پر گذارے گی۔ چنانچہ یہ مراحل طے ہو جانے کے بعد اس کے لئے شادی کرنا بلا اشکال جائز ہے۔ لیکن مذکورہ امور میں سے بعض کے معتبر ہونے میں تامّل اور نظر ہے۔ لیکن تمام امور کا معتبر جاننا احوط ہے۔

مسئلہ ۱۲: تلاش و جستجو کی کیفیت معیّن نہیں ہے۔ بلکہ وہی معیار ہے جسے تلاش کرنا کہا جا سکے اور اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ ایسے شخص کو تلاش کرنے پر مامور کیا جائے جو مفقود کے نام شکل و شمائل اور اس کے موجود ہونے کی جگہوں سے واقف ہو اور وہاں پہونچ سکتا ہو۔ یا خط و کتابت، ٹیلیگراف اور دوسرے جدید وسائل کو کام میں لا کر تلاش کیا جائے۔ اور اسی طرح، مسافروں، مثلاً حجاج زائرین اور تجار وغیرہ سے التماس کرے کہ وہ اس شخص کو راستے میں اور اپنی منزل اور قیام گاہ پر پہونچ کر تلاش کریں۔ اور جب وہ واپس آئیں تو ان سے معلوم کیا جائے۔

مسئلہ ۱۳: جس شخص کو تلاش کے لئے بھیجا جائے اور جس کے پاس خط لکھا جائے اور جن مسافروں سے اس کے بارے میں پوچھا جائے ان کا عادل ہونا شرط نہیں، بلکہ وثاقت ہی کافی ہے۔

مسئلہ ۱۴: کسی کو بھیج کر یا خط و کتابت کے ذریعہ تلاش و جستجو ضروری نہیں کہ حاکم شرع ہی کی طرف سے ہو۔ بلکہ جو شخص بھی اس کام کو انجام دے کافی ہے۔ حتیٰ اگر حاکم شرع کے پاس قضیہ لے جانے کے بعد اس کے حکم سے خود بیوی یہ کام کرے تو بھی کافی ہے۔

مسألة ١٥ ـ مقدار الفحص بحسب الزمان أربعة أعوام، ولا يعتبر فيه الاتصال التام، بل هو على الظاهر نظير تعريف اللقطة سنة كاملة يكفي فيه ما يصدق عرفاً أنه قد تفحص عنه في تلك المدة.

مسألة ١٦ ـ المقدار اللازم من الفحص هو المتعارف لأمثال ذلك و ما هو المعتاد، فلا يعتبر استقصاء الممالك و البلاد، و لا يعتنى بمجرد إمكان وصوله إلى مكان و لا بالاحتمالات البعيدة، بل انما يتفحص عنه في مظان وجوده فيه و وصوله إليه و ما احتمل فيه احتمالاً قريباً.

مسألة ١٧ ـ لو علم أنه قد كان في بلد معين في زمان ثم انقطع أثره يتفحص عنه أولاً في ذلك البلد على المعتاد، فيكفي التفقد عنه في جوامعه و مجامعه و أسواقه و متنزهاته ومستشفياته و خاناته المعدة لنزول الغرباء و نحوها، و لا يلزم استقصاء تلك المحال بالتفتيش أو السؤال، بل يكفي الاكتفاء بما هو المعتد به من مشتهراتها، و ينبغي ملاحظة زي المفقود وصنعته و حرفته، فيتفقد عنه في المحال المناسبة له و يسأل عنه من أبناء صنفه و حرفته مثلاً، فاذا تم الفحص في ذلك البلد و لم يظهر منه أثر ولم يعلم موته ولا حياته فان لم يحتمل انتقاله إلى محل آخر بقرائن الأحوال سقط الفحص و السؤال، و اكتفي بانقضاء مدة التربص أربع سنين، و إن احتمل الانتقال فان تساوت الجهات فيه تفحص عنه في تلك الجهات، ولا يلزم الاستقصاء التام، بل يكفي الاكتفاء ببعض المحال المهمة و المشتركة في كل جهة مراعياً للأقرب ثم الأقرب إلى البلد الأول، و إن كان الاحتمال في بعضها أقوى جاز جعل محل الفحص ذلك البعض و الاكتفاء به، خصوصاً اذا بعد احتمال انتقاله إلى غيره، و إذا علم أنه قد كان في مملكة أو سافر إليها ثم انقطع أثره كفى أن يتفحص عنه مدة التربص في بلادها المشهورة التي تشد إليها الرحال، و إن سافر إلى بلد معين من مملكة كالعراق سافر إلى خراسان يكفي الفحص في البلاد و المنازل الواقعة في طريقه إلى ذلك البلد و في نفس ذلك البلد، و لا ينظر إلى الأماكن البعيدة عن الطريق فضلاً عن البلاد

مسئلہ ۱۵: زمانہ کے اعتبار سے تلاش کی مدت چار سال ہے۔ اس عرصہ میں بلا وقفہ تلاش کرنا معتبر نہیں ہے۔ بلکہ ظاہراً یہ لقطہ کے ایک سال تک اعلان کی مانند ہے۔ کہ جس پر عرفاً یہ صادق آئے کہ اس نے اس مدت میں تلاش کیا ہے۔

مسئلہ ۱۶: تلاش کی لازمی مقدار اتنی ہے کہ جس قدر عادتاً اور عرفاً اس قسم کے لوگوں کو تلاش کیا جاتا ہے چنانچہ تمام ملکوں اور شہروں میں ڈھونڈنا ضروری نہیں ہے۔ اور اس کے کسی جگہ پائے جانے کے فقط امکان اور ضعیف احتمال پر توجہ نہیں دی جائے گی بلکہ صرف وہاں تلاش کیا جائے جہاں اس کے موجود ہونے یا وہاں پہنچ جانے کا گمان ہو یا جن جگہوں پر ہونے کا احتمال زیادہ ہو۔

مسئلہ ۱۷: اگر معلوم ہو کہ شخص مفقود فلاں وقت فلاں شہر میں موجود تھا مگر اس کے بعد کا پتہ نہ چلے تو پہلے معمول کی حد تک اس شہر میں اسے تلاش کیا جائے چنانچہ اس شہر کے اجتماعات' بازاروں' تفریح گاہوں' ہسپتالوں اور مسافر خانوں وغیرہ میں تلاش کرنا کافی ہے۔ اور ان مقامات پر مکمل طور پر اس کے بارے میں پوچھنا اور سوال کرنا لازم نہیں بلکہ ان کی مشہور جگہوں پر تلاش کرنا کافی ہے۔ اور سزاوار ہے کہ تلاش کرنے میں مفقود کے لباس اور پیشے (صنعت و حرفت) کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ چنانچہ اس کے مناسب حال مقامات پر اس کے بارے میں پوچھا جائے اور مثلاً صنعت و حرفت کے اعتبار سے اس کے ہم پیشہ لوگوں سے معلوم کیا جائے۔ پس جب اس شہر یا ملک میں جستجو مکمل ہو جائے اور اس کا کوئی پتہ نہ چلے اور نہ یہ معلوم ہو سکے کہ زندہ ہے یا مُردہ' تو اگر قرائن سے اس کے دوسرے ملک یا شہر میں منتقل ہو جانے کا احتمال نہ ہو تو تلاش (کرنے کی ذمہ داری) ساقط ہو جائے گی اور چار سال انتظار کی مدت کے ختم ہو جانے پر کفایت کی جائے گی۔

لیکن اگر اس کے دوسرے شہر میں منتقل ہو جانے کا احتمال ہو اور ہر طرف احتمال مساوی ہو تو ان اطراف میں تلاش کرے لیکن (ہر جہت میں) مکمل طور پر تلاش کرنا لازمی نہیں۔ بلکہ ہر جہت میں بعض اہم اور مشترک مقامات پر تلاش کرنا جو پہلے شہر سے نزدیک تر ہوں کافی ہے۔

اگر بعض اطراف میں اس کے پائے جانے کا احتمال زیادہ قوی ہو تو جائز ہے کہ اسی سمت میں تلاش کرے اور اسی پر اکتفاء کرے۔ خاص طور سے جب اس شخص کے دوسری سمت منتقل ہو جانے کا احتمال بعید ہو۔ اور جب یہ معلوم ہو کہ شخصِ مفقود کسی ملک میں موجود تھا یا اس نے اس ملک کا سفر کیا تھا اس کے بعد اس کا کوئی پتہ نہ چلے تو اس ملک کے ان مشہور شہروں میں کہ جن میں مسافروں کی آمد و رفت ہو انتظار کی مدت (چار سال) کے برابر تلاش کرنا کافی ہے۔ اور اگر اس نے کسی ملک کے خاص شہر کی طرف سفر کیا ہو جیسے کوئی عراق کا رہنے والا خراسان کا سفر کرے تو اس کے راستے میں واقع ہونے والی منزلوں اور شہروں میں' اور خود اس شہر میں تلاش کرنا کافی ہے۔ راستے سے دور کے مقامات پر نہیں تلاش کیا جائے گا۔ چہ جائیکہ اس

الواقعة في أطراف المملكة، و إذا خرج من منزله مريداً للسفر أو هــرب و لايدري الى أين توجه و انقطع أثره تفحص عنه مدة التربص في الأطراف و الجوانب مما يحتمل قريباً وصوله إليه، ولا ينظر إلى ما بعد احتماله.

مسألة ١٨ ـ قد عرفت أن الأحوط أن يكون الفحص و الطلاق بعد رفع أمرها إلى الحاكم، فلو لم يمكن الوصول إليه فان كان له و كيل و مأذون في التصدي للأمور الحسبية فلا يبعد قيامه مقامه في هذا الأمر، و مع فقده أيضاً فقيام عدول المؤمنين مقامه محل إشكال.

مسألة ١٩ ـ إن علم أن الفحص لا ينفع و لا يترتب عليه أثر فالظاهر سقوط وجوبه، و كذا لو حصل اليأس من الاطلاع عليه في أثناء المدة، فيكفي مضي المدة في جواز الطلاق و الزواج.

مسألة ٢٠ ـ يجوز لها اختيار البقاء على الزوجية بعد رفع الأمر إلى الحاكم قبل أن تطلق ولو بعد الفحص و انقضاء الأجل، و لها أن تعدل عن اختيار البقاء إلى اختيار الطلاق، و حينئذ لا يلزم تجديد ضرب الأجل و الفحص.

مسألة ٢١ ـ الظاهر أن العدة الواقعة بعد الطلاق عدة طلاق و إن كانت بقدر عدة الوفاة، و يكون الطلاق رجعياً، فتستحق النفقة في أيامها و إن ماتت فيها يرثها لو كان في الواقع حياً، و إن تبيّن موته فيها ترثه، و ليس عليها حداد بعد الطلاق.

مسألة ٢٢ ـ إن تبين موته قبل انقضاء المدة أو بعده قبل الطلاق وجب عليها عدة الوفاة، و إن تبين بعد انقضاء العدة اكتفي بها، سواء كان التبيّن قبل التزويج أو بعده، و سواء كان موته المتبين وقع قبل العدة أو بعدها أو في أثنائها أو بعد التزويج، و أما لوتبين موته في أثناء العدة فهل يكتفى باتمامها أو تستأنف عدة الوفاة من حين التبين؟ وجهان بل قولان أحوطهما الثاني لو لم يكن الأقوى.

مسألة ٢٣ ـ لو جاء الزوج بعد الفحص و انقضاء الأجل فان كان قبل الطلاق فهي زوجته، و إن كان بعد ما تزوجت بالغير فلا سبيل له عليها، و إن

ملک کے اطراف کے دوسرے شہروں میں دیکھا جائے۔ اور اگر سفر کے ارادے سے اپنے گھر سے نکلے یا بھاگ جائے اور معلوم نہ ہو کہ اس نے کہاں کا رخ کیا ہے اور اس کا کوئی اتہ پتہ نہ رہے تو چار سال تک ان اطراف و جوانب میں تلاش کیا جائے جن میں اس کے موجود ہونے کا احتمال قریب ہو، اور جن میں ہونے کا احتمال بعید ہو ان میں نہ دیکھا جائے۔

مسئلہ ۱۸: آپ جانتے ہیں کہ احتیاط یہ ہے کہ مفقود کا قضیہ حاکمِ شرع کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد جستجو اور طلاق کی نوبت آتی ہے۔ لیکن اگر حاکمِ شرع تک پہونچنا ممکن نہ ہو، تو اگر حاکمِ شرع کا وکیل یا امورِ حسبیہ انجام دینے کے لئے کوئی شخص اس کی طرف سے ماذون ہو تو بعید نہیں ہے کہ اس کام میں وہ اس کا قائم مقام ہو۔ چنانچہ اگر وہ بھی نہ ہو تو عادل مومنین کا اس کا قائم مقام ہونا محلِ اشکال ہے۔

مسئلہ ۱۹: اگر یہ یقین ہو جائے کہ جستجو بے فائدہ ہے اور اس کا کوئی اثر نہیں تو ظاہراً اس کا وجوب ساقط ہے۔

اسی طرح اگر دورانِ جستجو انسان اس سے ناامید ہو جائے تو طلاق اور دوسری شادی کے جائز ہونے کے لئے "مدت تربص" چار سال گذر جانا کافی ہے۔

مسئلہ ۲۰: حاکمِ شرع سے شکایت کرنے کے بعد اور طلاق ہو جانے سے پہلے زوجہ کے لئے جائز ہے کہ وہ زوجیت میں باقی رہنے کو اختیار کرے چاہے شوہر کی تلاش ہو چکی ہو اور (معینہ) مدت تمام ہو گئی ہو، اور وہ باقی رہنے سے منحرف ہو کر طلاق لینے کو بھی اختیار کر سکتی ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں نئے سرے سے مدت مقرر کرنا اور جستجو کرنا لازمی نہیں۔

مسئلہ ۲۱: ظاہراً طلاق کے بعد والی عدت، طلاق کی عدت ہی کہلائے گی اگرچہ وہ عدتِ وفات کے برابر ہے۔ اور طلاق رجعی ہوگی چنانچہ عدت کے دنوں میں زوجہ نفقے کا حق رکھتی ہے۔ اور اگر اس دوران عورت وفات پا جائے تو مرد اگر زندہ ہو تو اس سے میراث لے گا۔ اور اگر عدت کے زمانہ میں مرد کی موت کا علم ہو جائے تو عورت اس کی میراث میں حصہ دار ہوگی۔ اور طلاق کے بعد عورت پر حداد (ترکِ زینت) واجب نہیں۔

مسئلہ ۲۲: اگر مدت پوری ہونے سے پہلے یا اس کے بعد طلاق سے پہلے شوہر کی موت کا علم ہو جائے تو اس پر عدتِ وفات واجب ہے۔ اور اگر عدت کے بعد (موت کا) علم ہو تو اسی پر اکتفا کرے گی۔ چاہے دوسری شادی سے پہلے معلوم ہو یا اسکے بعد اور چاہے اسکی موت عدت سے پہلے واقع ہوئی ہو یا عدت کے بعد یا عدت کے دوران یا دوسری شادی کے بعد۔ لیکن اگر عدت کے دوران شوہر کی موت کا علم ہو جائے تو کیا اسی عدت کو مکمل کرنے پر اکتفا کرے یا موت کا علم ہونے کے بعد پھر سے عدت وفات کا آغاز کرے؟ دو وجہیں بلکہ دو قول ہیں دوسرا قول اگر اقوی نہ ہو تو بھی احوط ہے۔

مسئلہ ۲۳: اگر جستجو اور مدتِ انتظار ختم ہو جانے کے بعد شوہر آ جائے چنانچہ اگر طلاق سے پہلے آ جائے تو وہ اس

كان في أثناء العدة فله الرجوع إليها كما أن له إبقاءها على حالها حتى تنقضي عدتها وتبين عنه، و أما إن كان بعد انقضاء العدة و قبل التزويج ففي جواز رجوعها إليها وعدمه قولان، أقواهما الثاني.

مسألة ٢٤ ـ لو حصل لزوجة الغائب بسبب القرائن و تراكم الأمارات العلم بموته جاز لها بينها و بين الله أن تتزوج بعد العدة من دون حاجة إلى مراجعة الحاكم، و ليس لأحد عليها اعتراض ما لم يعلم كذبها في دعوى العلم نعم في جواز الاكتفاء بقولها و اعتقادها لمن أراد تزويجها و كذا لمن يصير و كيلاً عنها في إيقاع العقد عليها إشكال، و الأحوط لها أن تتزوج ممن لم يطلع بالحال و لم يدر أن زوجها قد فقد و لم يكن في البين إلا دعواها بأن زوجها مات، بل يقدم على تزويجها مستنداً الى دعواها أنها خلية بلا مانع، و كذا توكل من كان كذلك.

القول في عدة وطء الشبهة

و المراد به وطء الأجنبية بشبهة أنها حليلته إما لشبهة في الموضوع كما لو وطأ مرأة باعتقاد أنها زوجته أو لشبهة في الحكم كما إذا عقد على أخت الموطوء معتقداً صحته و دخل بها.

مسألة ١ ـ لا عدة على المزنيّ بها سواء حملت من الزنا أم لا على الأقوى، و أما الموطوءة شبهة فعليها عدة سواء كانت ذات بعل أو خلية ، و سواء كانت لشبهة من الطرفين أو من طرف الواطىء، بل الأحوط لزومها إن كانت من طرف الموطوءة خاصة.

مسألة ٢ ـ عدة وطء الشبهة كعدة الطلاق بالأقراء و الشهور و بوضع الحمل لو حملت من هذا الوطء على التفصيل المتقدم، و من لم يكن عليها عدة الطلاق كالصغيرة و اليائسة ليس عليها هذه العدة أيضاً.

مسألة ٣ ـ لو كانت الموطوءة شبهة ذات بعل لايجوز لزوجها وطؤها في مدة

کی بیوی ہے۔ لیکن اگر دوسرے سے شادی کرنے کے بعد آئے تو اس کا اس (بیوی) پر کوئی اختیار نہیں۔ اور اگر عدّت کے دوران آجائے تو اسکی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ جیسا کہ اسکو یہ حق بھی ہے کہ عورت کو عدّت میں باقی رکھے تاکہ وہ اپنی عدّت پوری کر کے اس سے جدا ہو جائے۔ لیکن اگر عدّت کے بعد اور دوسری شادی سے پہلے آئے۔ تو اس صورت میں رجوع کے جائز ہونے یا نہ ہونے میں دو قول ہیں۔ ان میں سے دوسرا قول اقویٰ ہے۔

مسئلہ ۲۴: اگر شوہر غائب کی بیوی کو متعدد علامتوں اور قرائن سے اس کی موت کا علم ہو جائے تو خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے۔ حاکم شرع کی طرف رجوع کئے بغیر عدّت کے بعد اس کیلئے شادی کرنا جائز ہے۔ اور کسی کو اس پر اعتراض کرنیکا حق نہیں جبتک اسکا دعویٰ جھوٹا ہونے کا علم نہ ہو۔ البتہ جو شخص اس سے شادی کرنا چاہے اور اسی طرح جو اس کا وکیل بنکر عقد پڑھنا چاہے ان کے لئے اس بات اور عقیدے کو مان لینے کے جائز ہونے میں اشکال ہے۔ لہٰذا عورت کے لئے احتیاط یہ ہے کہ وہ ایسے شخص سے شادی کرے جسکو حالات کا علم نہ ہو اور نہ جانتا ہو کہ اسکا شوہر گم ہو گیا ہے اور معلومات کے لئے بھی صرف عورت کا یہ دعویٰ ہو کہ اسکا شوہر فوت ہو گیا ہے۔ تاکہ وہ شخص عورت کے بے شوہر اور بلا مانع ہونے کے دعوے کو سند قرار دیتے ہوئے اس سے شادی کرنے کا اقدام کرے۔ اور اسی طرح عورت کے لئے احتیاط ہے کہ ایسے ہی شخص کو وکیل مقرر کرے۔

وطیٔ شبہ کی عدّت کے احکام

اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اجنبی عورت کو اپنی حلیلہ (بیوی یا کنیز) سمجھتے ہوئے اس سے مباشرت کرے اسکی دو صورتیں ہیں۔ یا موضوع میں شبہ ہو گا جیسے کسی عورت کو اپنی بیوی خیال کرتے ہوئے اس سے مباشرت کرے۔ اور یا علم میں شبہ ہو گا۔ مثلاً جس لڑکے کے ساتھ بدفعلی کی ہو اس کی بہن کے ساتھ نکاح کرے اور اس کو صحیح سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ ہمبستری کرے۔

مسئلہ ۱: اقویٰ یہ ہے کہ زنا شدہ عورت کیلئے عدّت نہیں۔ چاہے وہ زنا کے نتیجہ میں حاملہ ہو۔ یا نہ ہو۔ لیکن جس عورت کے ساتھ شبہ میں ہمبستری ہو جائے اس پر عدّت ہے چاہے شوہردار ہو یا بغیر شوہر کے اور خواہ دونوں شبہ میں رہے ہوں یا صرف مرد کو شبہ ہوا ہو۔ بلکہ اگر فقط عورت کو شبہ رہا ہو تب بھی احتیاط عدّت کے لازمی ہونے میں ہے۔

مسئلہ ۲: وطیٔ شبہ کی عدّت، طلاق کی عدّت کی طرح قرؤوں اور مہینوں کی شکل میں اور اگر عورت اس سے حاملہ ہو جائے تو وضع حمل تک ہے۔ اس تفصیل کے مطابق جو گذر چکی۔ اور جس عورت کے ذمہ عدّتِ طلاق نہیں جیسے یائسہ اور صغیرہ یہ عدّت بھی اس کے ذمہ نہیں ہے۔

مسئلہ ۳: اگر وہ عورت کہ جس کے ساتھ شبہ میں ہمبستری ہو جائے شوہردار ہو تو اس کی عدّت کے زمانہ میں شوہر

عدتها، و هل يجوز له سائر الاستمتاعات منها أم لا؟ أحوطها الثاني و أقواهما الأول، و الظاهر أنه لا تسقط نفقتها في أيام العدة و ان قلنا بحرمة جميع الاستمتاعات منها.

مسألة ٤ - إذا كانت خلية يجوز لواطئها أن يتزوج بها في زمن عدتها بخلاف غيره، فانه لايجوزله ذلك على الأقوى.

مسألة ٥ - لا فرق في حكم وطء الشبهة من حيث العدة و غيرها بين أن يكون مجرداً عن العقد أو يكون بعده بأن وطيء المعقود عليها بشبهة صحة العقد مع فساده واقعاً.

مسألة ٦ - لو كانت معتدة بعدة الطلاق أو الوفاة فوطئت شبهة أو وطئت ثم طلقها أو مات عنها زوجها فعليها عدتان على الأحوط لو لم يكن الأقوى، فان كانت حاملاً من أحدهما تقدمت عدة الحمل، فبعد وضعه تستأنف العدة الأخرى أو تستكمل الأولى، و إن كانت حائلاً يقدم الأسبق منهما، و بعد تمامها استقبلت العدة الأخرى من الآخر.

مسألة ٧ - لو طلق زوجته بائناً ثم وطأها شبهة اعتدت عدة أخرى على الأحوط بالتفصيل المتقدم في المسألة السابقة.

مسألة ٨ - الموجب للعدة أمور: الوفاة و الطلاق بأقسامه، والفسخ بالعيوب، و الانفساخ بمثل الارتداد أو الاسلام أو الرضاع، و الوطء بالشبهة مجرداً عن العقد أو معه. و انقضاء المدة أو هبتها في المتعة، و يشترط في الجميع كونها مدخولاً بها إلا الأول.

مسألة ٩ - لو طلقها رجعياً بعد الدخول ثم رجع ثم طلقها قبل الدخول لايجري عليه حكم الطلاق قبل الدخول حتى لايحتاج إلى العدة، من غير فرق بين كون الطلاق الثاني رجعياً أو بائناً، و كذا الحال لو طلقها بائناً ثم جدد نكاحها في أثناء العدة ثم طلقها قبل الدخول لايجري عليها حكم الطلاق قبل الدخول، و كذا الحال فيا إذا عقد عليها منقطعاً ثم وهب مدتها بعدالدخول ثم تزوجها ثم

اس کے ساتھ ہمبستری کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

لیکن کیا دوسری تمام لذتیں لے سکتا ہے یا نہیں؟ احوط دوسری صورت ہے اور اقوی پہلی صورت! اور ظاہراً عدّت کے دوران اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا چاہے ہم اس سے تمام لذتیں لینے کو حرام ہی کیوں نہ کہیں۔

مسئلہ ۴: اگر عورت شوہر دار نہ ہو تو جس نے ہمبستری کی ہے عدّت کے دوران اس کے لئے اس عورت سے شادی کر لینا جائز ہے برخلاف اس کے کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ اس لئے کہ اقوی یہ ہے کہ اس دوران کسی اور کے لئے اس سے شادی کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ ۵: وطی شبہ کے حکم میں عدّت اور غیر عدّت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ عقد نہ ہوا ہو اور وطی کر بیٹھے یا عقد ہو چکا ہو۔ اس طرح کہ جس کے ساتھ عقد ہوا ہو، عقد کو صحیح سمجھتے ہوئے اس کیساتھ ہمبستری کرے لیکن دراصل وہ عقد فاسد ہو۔

مسئلہ ۶: اگر (عورت) طلاق یا وفات کی عدّت میں ہو اور شبہ میں اس کے ساتھ ہمبستری ہو جائے یا ہمبستری کرے اور اس کے بعد اسے طلاق دے۔ یا اس کا شوہر مر جائے، تو اگر اقوی نہ ہو تب بھی احتیاط یہ ہے کہ اس عورت کے ذمہ دو عدتیں ہیں۔

چنانچہ کسی ایک مباشرت کی بناء پر اگر عورت حاملہ ہو تو پہلے عدّت حمل پوری کرے۔ اور پھر وضع حمل کے بعد دوسری عدّت شروع کرے یا پہلی کو مکمل کرے۔ لیکن اگر حاملہ نہ ہو تو پہلے والی عدّت کو مقدم کرے اور اس کو پوری کرنے کے بعد دوسری عدّت شروع کرے۔

مسئلہ ۷: اگر اپنی بیوی کو طلاق بائن دینے کے بعد شبہ میں اس سے ہمبستری کر بیٹھے تو گذشتہ مسئلہ میں بیان شدہ تفصیل کے احتیاط یہ ہے کہ عورت دوسری عدّت گذارے۔

مسئلہ ۸: موجبات عدّت چند چیزیں ہیں۔ ۱: وفات۔ ۲: طلاق کی تمام اقسام۔ ۳: عیب کی وجہ سے نکاح کا فسخ کر دینا۔ ۴: ارتداد، اسلام یا دودھ پلانے کی وجہ سے نکاح کا منفسخ ہونا۔ ۵: شبہ میں ہمبستری ہونا۔ چاہے عقد ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ ۶: متعہ میں مدّت پوری ہو جانا یا بخش دینا، اور پہلی صورت کو چھوڑ کر تمام صورتوں میں شرط ہے کہ عورت مدخولہ ہو۔

مسئلہ ۹: اگر ہمبستری کرنے کے بعد طلاق رجعی دے پھر رجوع کرے اس کے بعد ہمبستری کرنے سے پہلے دوبارہ طلاق دے تو اس پر ہمبستری سے پہلے والی طلاق کا حکم جاری نہیں ہوگا کہ جس کی بناء پر وہ عدّت نہ گذارے۔ چاہے دوسری طلاق رجعی ہو یا بائن دونوں میں کوئی فرق نہیں اور یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ اگر طلاق بائن دے کر عدّت کے دوران نیا نکاح پڑھے پھر دخول کرنے سے پہلے طلاق دے۔ تو اس پر بھی "دخول سے پہلے طلاق" کا حکم جاری نہیں ہوگا۔ یہی حالت ہوگی کہ جب اس سے متعہ کرے اور دخول کرنے کے بعد مدّت بخش دے اس کے بعد اس سے شادی کرے اور دخول سے پہلے اس کو طلاق دے۔ چنانچہ ایک جوان عدّت والی عورت سے ایک دن

طلقها قبل الدخول، فتوهم جواز الاحتيال بنكاح جماعة في يوم واحد امرأة شابة ذات عدة بما ذكر في غاية الفساد.

مسألة ١٠ ـ المطلقة بالطلاق الرجعي بحكم الزوجة في الأحكام، فما لم يدل دليل على الاستثناء يترتب عليها حكمها ما دامت في العدة من استحقاق النفقة و السكنى و الكسوة إذا لم تكن ولم تصر ناشزة، و من التوارث بينهما، و عدم جواز نكاح أختها والخامسة، و كون كفنها و فطرتها عليه، وأما البائنة كالمختلعة و المباراة و المطلقة ثلاثاً فلا يترتب عليها آثار الزوجية مطلقاً لا في العدة و لا بعدها، نعم لو كانت حاملاً من زوجها استحقت النفقة و الكسوة و السكنى عليه حتى تضع حملها كمامر.

مسألة ١١ ـ لو طلقها مريضاً ترثه الزوجة ما بين الطلاق و بين سنة بمعنى أنه إن مات الزوج بعد ما طلقها في حال المرض بالمرض المزبور لا بسبب آخر على الأقرب، فان كان موته بعد سنة من حين الطلاق و لو يوماً أو أقل لا ترثه، و إن كان بمقدار سنة و ما دونها ترثه سواء كان الطلاق رجعياً أو بائناً، و ذلك بشروط ثلاثة: الأول ـ أن لا تتزوج المرأة، فلو تزوجت بعد انقضاء عدتها ثم مات الزوج لم ترثه، الثاني ـ أن لا يبرأ من المرض الذي طلقها فيه، فلو برأ منه ثم مرض و مات في أثناء السنة لم ترثه إلا إذا مات في أثناء العدة الرجعية. الثالث ـ أن لا يكون الطلاق بالتماس منها، فلا ترث المختلعة و المباراة، لأن الطلاق بالتماسها.

مسألة ١٢ ـ لا يجوز لمن طلق رجعياً أن يخرج المطلقة من بيته حتى تنقضي عدتها إلا أن تأتي بفاحشة توجب الحد أو تأتي بما يوجب النشوز، و أما مطلق المعصية فلا توجب جواز إخراجها، و أما البذاء باللسان و إيذاء الأهل إذا لم ينته إلى النشوز ففي كونه موجباً له إشكال و تأمل، ولا يبعد أن يكون ما يوجب الحد موجباً لسقوط حقها مطلقاً، و ما يوجب النشوز موجباً لسقوطه مادام بقائها عليه، و اذا رجعت رجع حقها، و كذا لا يجوز لها الخروج بدون إذن زوجها إلا لضرورة أو أداء واجب مضيق.

میں کئی افراد کے نکاح کے ذریعہ حیلہ کا جائز ہونیوالا خیال مذکورہ مسئلہ کی بناء پر بالکل فساد پر مبنی ہے۔

مسئلہ ۱۰: جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہو وہ احکام میں زوجہ کا حکم رکھتی ہے۔ چنانچہ جبتک وہ عدت میں ہو اور اسکے زوجیت سے خارج ہونے پر الگ سے دلیل موجود نہ ہو اس پر زوجہ کا حکم جاری ہوگا اور وہ نان و نفقہ، رہائش اور لباس کی حقدار ہوگی چنانچہ نافرمان نہ ہو اور آئندہ بھی نہ ہو جائے اور وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اسکی بہن اور پانچویں عورت سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔ اور اس کا کفن اور فطرہ شوہر کے ذمہ ہوگا لیکن طلاقِ بائن جیسے طلاق خلع اور مبارات پانیوالی، اور وہ کہ جس کو تین طلاقیں دی جاچکی ہوں، وہ زوجہ کے حکم میں نہیں، نہ عدت کے دوران اور نہ عدت کے بعد! البتہ اگر وہ اپنے شوہر سے حاملہ ہو تو وضع حمل ہونے تک نان و نفقہ، لباس اور رہائش کی حقدار ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ ۱۱: اگر شوہر بیمار ہو اور بیوی کو طلاق دے تو طلاق کے بعد سے ایک سال تک بیوی اس کی میراث میں حصہ دار رہے گی۔ یعنی اگر طلاق دینے کے بعد اسی بیماری کے عالم میں شوہر فوت ہو جائے نہ بناء بر اقرب کسی دوسرے سبب سے! (تو بیوی اسکی میراث میں حصہ دار ہوگی) لیکن اگر طلاق سے ایک سال گذرنے کے بعد مرے چاہے ایک دن یا اس سے بھی کم، تو بیوی اسکی وارث نہیں ہوگی۔ لیکن اگر ایک سال یا اس سے کم کے عرصہ میں انتقال ہوا ہو تو بیوی اس کی وارث ہوگی چاہے طلاق رجعی ہو یا بائن۔ اور اس کی تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط:- عورت کسی سے شادی نہ کرے۔ چنانچہ اگر عدت گذرنے کے بعد کسی سے شادی کرے اسکے بعد پہلے شوہر کا انتقال ہو تو اسکی وارث نہیں ہوگی۔ دوسری شرط:- شوہر نے جس بیماری میں اسے طلاق دی ہو وہ اس سے صحتیاب نہ ہوا ہو۔ چنانچہ اگر اس بیماری سے شفا پانے کے بعد دوبارہ مریض ہو اور سال کے اندر مر جائے تو بیوی اسکی وارث نہیں ہوگی مگر یہ کہ شوہر کا انتقال عدت رجعی میں ہوا ہو۔ تیسری شرط:- طلاق بیوی کی خواہش پر واقع نہ ہوئی ہو۔ چنانچہ خلع اور مبارات حاصل کرنیوالی شوہر کی میراث نہیں پائے گی۔ اس لیے کہ طلاق ان کی خواہش سے واقع ہوتی ہے۔

مسئلہ ۱۲: جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو شوہر کو اسے عدت پوری ہونے سے پہلے گھر سے نکالنے کا حق نہیں مگر یہ کہ عورت کسی ایسی برائی کی مرتکب ہو جس سے "حد" واجب ہو جاتی ہو یا نافرمانی پر اتر آئے، لیکن مطلق معصیت کی وجہ سے اسے گھر سے نکالنے کا جواز حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ زبان سے بدگوئی اور رشتہ داروں کو تکلیف پہونچانا، اگر نشوز (نافرمانی) پر منتج نہ ہوتا ہو تو اس کے اخراج کا موجب بننے میں تامل اور اشکال ہے۔ اور بعید نہیں ہے کہ جس چیز سے "حد" واجب ہو جاتی ہے وہ اس کے (عورت کے) حق کے مطلقاً ساقط ہو جانے کا موجب بھی ہو۔ اور جو چیز نافرمانی (نشوز) کا باعث بنتی ہو وہ اس وقت تک حق کے ساقط ہونے کا موجب بنے کہ جب تک وہ ناشزہ ہے۔ اور جب نافرمانی (نشوز) سے باز آجائے تو دوبارہ حقدار ہو جائے۔ اور اسی طرح شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے لیے گھر سے نکلنا جائز نہیں۔ مگر کسی ضرورت کے تحت یا واجب مضیق بجالانے کے لیے نکل سکتی ہے۔

القول في الرجعة

وهي رد المطلقة في زمان عدتها الى نكاحها السابق، ولا رجعة في البائنة و لا في الرجعية بعد انقضاء عدتها.

مسألة ١ ـ الرجعة إما بالقول، و هو كل لفظ دل على إنشاء الرجوع كقوله: «راجعتك الى نكاحي» و نحوه، أو دل على التمسك بزوجيتها كقوله: «رددتك الى نكاحي» أو «أمسكتك في نكاحي» و يجوز في الجميع إسقاط قوله «الى نكاحي» و «في نكاحي» ولا يعتبر فيه العربية، بل يقع بكل لغة اذا أفاد المعنى المقصود، و إما بالفعل بأن يفعل بها ما لا يحل إلا للزوج بحليلته، كالوطء و التقبيل و اللمس بشهوة أو بدونها.

مسألة ٢ ـ لا تتوقف حلية الوطء و ما دونه من التقبيل و اللمس على سبق الرجوع لفظاً و لا على قصد الرجوع به، لأن الرجعية بحكم الزوجة، و هل يعتبر في كونه رجوعاً أن يقصد به الرجوع؟ قولان، أقواهما العدم، و لو قصد عدم الرجوع و عدم التمسك بالزوجية ففي كونه رجوعاً تأمل، نعم في خصوص الغشيان غير بعيد، ولا عبرة بفعل الغافل و الساهي و النائم مما لا قصد فيه للفعل، كما لا عبرة بالفعل المقصود به غير المطلقة كما لو واقعها باعتقاد أنها غيرها.

مسألة ٣ ـ لو أنكر أصل الطلاق وهي في العدة كان ذلك رجوعاً و ان علم كذبه.

مسألة ٤ ـ لا يعتبر الاشهاد في الرجعة و ان استحب دفعاً لوقوع التخاصم و النزاع، و كذا لا يعتبر فيها اطلاع الزوجة عليها، فان راجعها من دون اطلاع أحد صحت واقعاً، لكن لو ادعاها بعد انقضاء العدة و لم تصدقه الزوجة لم تسمع دعواه، غاية الأمر له عليها يمين نفي العلم لو ادعى عليها العلم، كما أنه لو أدعى الرجوع الفعلي كالوطء و أنكرته كان القول قولها بيمينها لكن على البت لا على

احکامِ رجوع

مطلقہ عورت کو عدّت کے زمانہ میں سابقہ نکاح میں پلٹانا رجوع کہلاتا ہے۔ چنانچہ طلاق بائن اور عدّت گذر جانے کے بعد طلاقِ رجعی میں رجوع نہیں ہے۔

مسئلہ ۱: رجوع یا لفظی ہوگا۔ اس سے مُراد ہر وہ لفظ ہے جو انشاءِ رجوع پر دلالت کرے۔ مثلاً "راجعتکِ الی نکاحی" "میں نے تجھے اپنے نکاح میں پلٹایا" وغیرہ، یا اس کی زوجیت سے تمسک ہونے پر دال ہو جیسے "رددتکِ الی نکاحی" !! اَوْ !! "امسکتکِ فی نکاحی" اور تمام صیغوں میں "الی نکاحی" اور "فی نکاحی" کو حذف کرنا جائز ہے۔ اور اس میں عربی کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ معنیٰ مقصود کی رعایت کے ساتھ ہر زبان میں واقع ہوگا۔ یا پھر رجوع عملی ہوگا۔ یعنی اس کے ساتھ ایسا کام کرے کہ جو صرف شوہر اپنی حلال عورت سے کر سکتا ہے۔ جیسے مباشرت کرنا، بوسہ لینا، چھونا، شہوت کے ساتھ یا بغیر شہوت کے۔

مسئلہ ۲: وطی اور اسی کے مقدمات جیسے چوُمنا، اور چھونا، اس بات پر موقوف نہیں کہ ان سے پہلے لفظی رجوع ہو چکا ہو۔ اور نہ رجوع کے قصد پر موقوف ہیں۔ اس لئے کہ زن رجعیۃ زوجہ کے حکم میں ہے۔ لیکن آیا اس وطی کے رجوع قرار پانے میں اس کے ذریعے رجوع کا قصد کرنا شرط ہے؟ اس میں دوؔ قول ہیں اقویٰ یہ ہے کہ شرط نہیں۔ لیکن اگر رجوع نہ کرنے اور زوجیت سے تمسک نہ ہونے کا ارادہ کرے تو اس کے رجوع قرار پانے میں تامل ہے۔ البتہ خاص کر دخول کا رجوع قرار پانا بعید نہیں ہے۔ اور شخص غافل، نائم یا بھولے سے انجام دینے والے کے عمل کا کوئی اعتبار نہیں کہ جس میں عمل رجوع کا قصد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اگر عمل رجوع کا قصد ہو بھی لیکن یہ سوچتے ہوئے وہ عمل انجام دے کہ وہ عورت غیر مطلقہ ہے تو اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔

مسئلہ ۳: اگر شوہر اصل طلاق کا ہی منکر ہو جائے درحالیکہ بیوی عدّت میں ہو تو یہ رجوع کہلائے گا چاہے اس کے جھوٹ کا یقین ہی کیوں نہ ہو۔

مسئلہ ۴: رجوع کیلئے کسی کو گواہ بنانا ضروری نہیں اگرچہ دشمنی اور جھگڑا پیدا ہونے سے بچنے کے لئے ایسا کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح رجوع میں بیوی کا مطلع ہونا بھی معتبر نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی کو بھی خبر نہ ہونے دے اور رجوع کرے تو واقع میں صحیح ہے۔ لیکن اگر عدّت گذرنے کے بعد اسکا اظہار کرے اور بیوی اسکی تصدیق نہ کرے تو اسکی (شوہر کی) بات نہیں سُنی جائیگی۔ زیادہ سے زیادہ اسکو یہ حق حاصل ہے کہ بیوی کو قسم دے کہ اسکو رجوع کا علم نہیں تھا اور اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ بیوی کو رجوع کا علم تھا۔ جیسا کہ اگر وہ عملی رجوع جیسے مباشرت کرنیکا دعویٰ کرے اور بیوی انکار کردے تو قسم کے ساتھ بیوی کی بات مانی جائے گی۔ لیکن قسم یقین پر مبنی ہو نہ کہ نفی علم پر۔

نفي العلم.

مسألة ٥ ـ لو اتفقا على الرجوع و انقضاء العدة واختلفا في المتقدم منهما فادعى الزوج أن المتقدم الرجوع و ادعت هي أنه انقضاؤها فان تعين زمان الانقضاء و ادعى الزوج أن رجوعه كان قبله و ادعت هي أنه بعده فالأقرب أن القول قولها بيمينها، و ان كان بالعكس بأن تعين زمان الرجوع دون الانقضاء فالقول قوله بيمينه.

مسألة ٦ ـ لو طلق و راجع فأنكرت الدخول بها قبل الطلاق لئلا تكون عليها العدة و لا تكون له الرجعة و ادعى الدخول فالقول قولها بيمينها.

مسألة ٧ ـ الظاهر أن جواز الرجوع في الطلاق الرجعي حكم شرعي غير قابل للاسقاط، و ليس حقاً قابلاً له كالخيار في البيع الخياري، فلو أسقطه لم يسقط، و له الرجوع، و كذلك اذا صالح عنه بعوض أو بغير عوض.

مسئلہ ۵: اگر رجوع ہونے اور عدت ختم ہوجانے پر دونوں متفق ہوں لیکن مقدم و مؤخر ہونے میں اختلاف ہو شوہر کا دعویٰ ہو کہ رجوع پہلے تھا جبکہ بیوی کا کہنا ہو کہ پہلے عدت پوری ہوئی تھی۔ چنانچہ اگر عدت پوری ہونیکا وقت معین ہو اور شوہر یہ کہے کہ رجوع اس وقت سے پہلے ہوا تھا، اور بیوی یہ دعویٰ کرے کہ اس کے بعد ہوا تھا تو اقرب یہ ہے کہ قسم دیکر بیوی کی بات قابلِ قبول کی جائے۔ لیکن اگر اس کے برعکس ہو یعنی رجوع کا وقت معین ہو اور عدت پوری ہونے کا وقت معین نہ ہو تو قسم کے ساتھ شوہر کی بات مانی جائے گی۔

مسئلہ ۶: اگر طلاق دینے کے بعد رجوع کرے۔ چنانچہ عورت طلاق سے پہلے دخول واقع ہونے کا انکار کرے تاکہ اس کو عدت نہ گذارنی پڑے اور شوہر سے رجوع کرنے کا حق نہ رہے جبکہ شوہر دخول ہونے کا دعویدار ہو تو قسم کے ساتھ عورت کا دعویٰ مانا جائیگا۔

مسئلہ ۷: ظاہراً طلاقِ رجعی میں رجوع کا جائز ہونا حکم شرعی ہے جو قابلِ اسقاط نہیں۔ یہ کوئی "حق" نہیں کہ جو بیع خیاری کے "خیار" کی مانند قابلِ اسقاط ہو۔ چنانچہ اگر اس کو ساقط کرنا چاہے تو ساقط نہیں ہوگا، اور رجوع کا حق اپنی جگہ ثابت رہے گا اور اسی طرح جب اس پر عوض لے کر یا بغیر عوض کے مصالحت کرے (تو بھی ساقط نہیں ہوگا)

كتاب الخلع والمباراة

مسألة ١ ـ الخلع هو الطلاق بفدية من الزوجة الكارهة لزوجها فهو قسم من الطلاق يعتبر فيه جميع شروطه المتقدمة، و يزيد عليها بأنه يعتبر فيه كراهة الزوجة لزوجها خاصة، فان كانت الكراهة من الطرفين فهو مباراة، و ان كانت من طرف الزوج خاصة لم يكن خلعاً و لا مباراة.

مسألة ٢ ـ الظاهر وقوع الخلع بكل من لفظي الخلع والطلاق مجرداً كل منهما عن الآخر أومنضماً، فبعد ما أنشأت الزوجة بذل الفدية ليخلعها الزوج يجوز أن يقول: «خلعتك على كذا» أو «أنت مختلعة على كذا» و يكتفي به أو يتبعه بقوله: «فأنت طالق على كذا» أو يقول: «أنت طالق على كذا» و يكتفي به أو يتبعه بقوله: «فأنت مختلعة على كذا» لكن لا ينبغي ترك الاحتياط بالجمع بينهما بل لا يترك.

مسألة ٣ ـ الخلع من الايقاعات لكن يشبه العقود في الاحتياج إلى طرفين و إنشاءين: بذل شيء من طرف الزوجة ليطلقها الزوج و إنشاء الطلاق من طرفه بما بذلت، و يقع ذلك على نحوين: الأول ـ أن يقدم البذل من طرفها على أن يطلقها فيطلقها على ما بذلت. الثاني ـ أن يبتدىء الزوج بالطلاق مصرحاً بذكر العوض فتقبل الزوجة بعده، و لا ينبغي ترك الاجتياط بايقاعه على النحو الأول.

کتابِ خلع و مبارات

مسئلہ ۱: خلع وہ طلاق ہے جسے شوہر کو ناپسند کرنے والی عورت اسے کچھ دے کر اس سے حاصل کرتی ہے یہ طلاق ہی کی ایک قسم ہے۔ جس میں طلاق کی گذشتہ تمام شرطیں معتبر ہیں۔ اور اس کے علاوہ اس میں یہ ضروری ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہو۔ چنانچہ اگر دونوں ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہوں تو خلع نہیں بلکہ مبارات ہوگی۔ اور اگر صرف شوہر ناپسند کرتا ہو تو نہ خلع ہوگی اور نہ مبارات۔

مسئلہ ۲: ظاہراً "خلع" اور "طلاق" دونوں کے الفاظ سے طلاق خلع واقع ہو جائیگی چاہے دونوں الگ الگ ہوں یا ایک دوسرے سے منضم ہوں۔ چنانچہ جب زوجہ اپنے شوہر سے خلع حاصل کرنے کے لئے فدیہ "بذل" کہہ چکے تو شوہر کیلئے یہ کہنا جائز ہے "خلعتکِ علی کذا" یا "انتِ مختلعۃ علی کذا" اور اسی پر اکتفاء کرے یا اس کے بعد کہے "فانتِ طالق علی کذا" یا یہ کہے "انتِ طالق علی کذا" اور اسی پر اکتفا کرے یا اس کے بعد کہے "فانتِ مختلعۃ علی کذا" لیکن احتیاط یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے بلکہ اس احتیاط کو ترک نہ کرے۔

مسئلہ ۳: خلع اگرچہ "ایقاعات" میں سے ہے لیکن عقود سے مشابہ ہے اس لئے کہ اس میں بھی دو فریق اور دو انشاء ضروری ہیں ایک انشاء وہ ہے کہ جس میں زوجہ شوہر سے طلاق حاصل کرنے کیلئے بذل فدیہ کا اظہار کرتی ہے اور دوسرا انشاء وہ ہے کہ جس میں شوہر اپنی طرف سے اس "بذل" کے بدلے میں طلاق جاری کرنے کا اظہار کرتا ہے یہ دو طرح سے واقع ہو سکتی ہے۔ اول یہ کہ اظہار بذل کو زوجہ کی طرف سے مقدم کیا جائے تاکہ شوہر اس کو طلاق دے۔ چنانچہ اسکے بعد شوہر اس "بذل" کے بدلے میں اسے طلاق دے دوم یہ کہ شوہر طلاق سے شروع کرے اور اس میں صراحت کے ساتھ عوض کا ذکر کرے اور زوجہ اس کے بعد اسے قبول کرے۔ لیکن پہلی صورت میں واقع کرنا احتیاط ہے جس کو ترک کرنا سزاوار نہیں۔

مسألة ٤ ـ يعتبر في صحة الخلع عدم الفصل بين إنشاء البذل و الطلاق بما يخل بالفورية العرفية، فلو أخل بها بطل الخلع و لم يستحق الزوج العوض، لكن إذا أوقعه بلفظ الطلاق أو اتبعه بذلك وقع الطلاق رجعياً مع فرض اجتماع شرائطه، و إلا كان بائناً.

مسألة ٥ ـ يجوز أن يكون البذل و الطلاق بمباشرة الزوجين أو بتوكيلهما الغير أو بالاختلاف، و يجوز أن يوكّلا شخصاً واحداً ليبذل عنها و يطلق عنه، بل الظاهر أنه يجوز لكل منهما أن يوكّل الآخر فيما هو من طرفه، فيكون أصيلاً فيما يرجع إليه و وكيلا فيما يرجع إلى الطرف.

مسألة ٦ ـ يصح التوكيل من الزوج في الخلع في جميع ما يتعلق به من شرط العوض و تعيينه و قبضه و إيقاع الطلاق، و من المرأة في جميع مايتعلق بها من استدعاء الطلاق و تقدير العوض و تسليمه.

مسألة ٧ ـ لو وقع الخلع بمباشرة الزوجين فاما أن يبتدىء الزوجة و تقول: «بذلت لك ـ أو أعطيتك ـ ما عليك من المهر ـ أو الشيء الفلاني ـ لتطلقني» فيقول فوراً: «أنت طالق ـ أو مختلعة بكسر اللام ـ على ما بذلت ـ أو على ما أعطيت ـ» و إما أن يبتدىء الزوج فيقول: «أنت طالق ـ أو مختلعة ـ بكذا أو على كذا» فتقول فوراً: «قبلت» و إن وقع من وكيلين يقول وكيل الزوجة مخاطباً لوكيل الزوج: «عن قبل موكلتي فلانة بذلت لموكلك ما عليه من المهر ـ أو المبلغ الفلاني ليخلعها و يطلقها» فيقول وكيل الزوج فوراً: «زوجة موكلي طالق على ما بذلت» و قس على ما ذكر سائر الصور المتصورة، لكن لا ينبغي ترك الاحتياط المتقدم أي الجمع بين الصيغتين، بل لا يترك.

مسألة ٨ ـ لو استدعت الزوجة الطلاق بعوض معلوم فقالت له: «طلقني ـ أو اخلعني ـ بكذا» فيقول: «أنت طالق ـ أو مختلعة ـ بكذا» ففي وقوعه إشكال، فالأحوط اتباعه بالقبول منها بأن تقول بعد ذلك: «قبلت».

مسألة ٩ ـ يشترط في تحقق الخلع بذل الفداء عوضاً عن الطلاق، و يجوز

مسئلہ ۴: خلع کے صحیح ہونے میں معتبر ہے کہ انشاء بذل اور طلاق کے درمیان اتنا فاصلہ نہ ڈالا جائے جس سے فوریت عرفی میں خلل ہوتا ہو۔ چنانچہ اگر فوریت میں خلل واقع کرے تو خلع باطل ہے اور شوہر عوض کا حقدار نہیں۔

لیکن جب خلع کو طلاق کے لفظ میں پڑھے یا خلع کے بعد طلاق کا صیغہ پڑھے، تو اگر شرائط موجود ہوں تو طلاقِ رجعی، لیکن اگر شرائط نہ ہوں تو طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔

مسئلہ ۵: جائز ہے کہ بذل اور طلاق کو میاں بیوی خود انجام دیں یا دونوں وکیل مقرر کریں۔ یا ایک وکیل مقرر کرے اور دوسرا خود انجام دے۔ اور دونوں کا ایک ہی شخص کو وکیل بنانا جائز ہے۔ تاکہ وہ بیوی کی طرف "بذل" کرے اور شوہر کی طرف سے طلاق جاری کرے۔

بلکہ ظاہراً یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو وکیل بنائے تاکہ وہ اس کا کام انجام دے اور دوسرا پہلے کو، چنانچہ اپنے کام میں وہ اصیل اور دوسرے کے کام میں وکیل کہلائے گا۔

مسئلہ ۶: شوہر کے لئے خلع سے متعلق تمام امور جیسے شرط عوض، اس کو معین کرنے، اس کو قبضہ میں لینے اور طلاق جاری کرنے، اور عورت کے لئے بھی اس سے متعلق تمام امور جیسے طلاق کی درخواست کرنے، عوض مقرر کرنے اور اس کو دینے کے لئے وکیل بنانا صحیح ہے۔

مسئلہ ۷: اگر میاں بیوی بذاتِ خود خلع جاری کرنا چاہیں تو، یا بیوی اس کا آغاز کرے اور کہے۔ "بذلت لك - اوأعطيتك - ما عليك من المهر - او الشئ الفلاني - لتطلقني" جس کے جواب میں بلا فاصلہ شوہر یوں کہے "انت طالق - او مختلعة - لام کے نیچے زیر کے ساتھ - علی ما بذلت - او - علی ما اعطيت"، یا شوہر پہلے کہے۔ "انت طالق - او - مختلعة بكذا او علی كذا" جس کے جواب میں بیوی فوراً کہے "قبلت"
لیکن اگر دونوں کیطرف سے وکیل خلع جاری کریں تو بیوی کا وکیل شوہر کے وکیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہے "عن قبل موكلتي فلانة بذلت لموكلك ما عليه من المهر - او المبلغ الفلاني ليخلعها ويطلقها" چنانچہ شوہر کا وکیل فوراً کہے "زوجة موكلي طالق ما بذلت" دوسری تمام صورتوں کو اسی پر قیاس کریں۔ لیکن پہلے جو احتیاط بیان ہو چکی ہے اس کو ترک کرنا سزاوار نہیں۔ یعنی دونوں صیغوں (صیغہ طلاق اور صیغہ خلع) کو جمع کرنا۔ بلکہ اس (احتیاط) کو ترک نہ کیا جائے۔

مسئلہ ۸: اگر زوجہ مقدار معین کے بدلہ میں طلاق کی درخواست کرے اور کہے "طلقني - او - اخلعني بكذا" اور جواب میں شوہر کہے "انت طالق - او مختلعة - بكذا" تو اسکے واقع ہونے میں اشکال ہے۔ بلکہ احتیاط یہ ہے کہ اس کے بعد قبول بھی ہو۔ اس طرح کہ زوجہ اس کے بعد "قبلت" کہے۔

مسئلہ ۹: خلع متحقق ہونے کے لئے طلاق کے عوض بذل فدا (کچھ دینا) شرط ہے۔ اور ہر مالیت والی چیز کو

الفداء بكل متمول من عين أو دين أو منفعة قلّ أو كثر و إن زاد على المهر المسمى، فان كان عيناً حاضرة تكفي فيها المشاهدة، و إن كان كليا في الذمة أو غائباً ذكر جنسه و وصفه و قدره، بل لا يبعد أن يكون الأمر فيه أوسع من ذلك، فيصح بما يؤول الى العلم كما لو بذلت ما في الصندوق مع العلم بكونه متمولاً. و يصح بما في ذمة الزوج من المهر و لو لم يعلما به فعلاً، بل في مثله ولو لم يعلما بعد أيضاً صح على الأقوى، و يصح جعل الفداء إرضاع ولده لكن مشروطاً بتعيين المدة، و لا تبعد صحته بمثل قدوم الحاج و بلوغ الثمرة. و إن جعل كليا في ذمتها يجوز جعله حالاً و مؤجلاً مع تعيين الأجل ولو بمثل ما ذكر.

مسألة ١٠ ـ يصح بذل الفداء منها و من وكيلها بأن يبذل وكالة عنها من مالها أو بمال في ذمتها. و هل يصح ممن يضمنه في ذمته باذنها فيرجع إليها بعد البذل بأن تقول لشخص: «اطلب من زوجي أن يطلقني بألف درهم مثلاً عليك و بعد مادفعتها إليه ارجع علي» ففعل ذلك و طلقها الزوج على ذلك؟ وجهان بل قولان، لا يخلو ثانيهما من رجحان، كما أنه لا يصح من المتبرع الذي لا يرجع عليها، فلو قالت الزوجة لزوجها: طلقني على دار زيد أو ألف في ذمته فطلقها على ذلك و قد أذن زيد أو أجاز بعده لم يصح الخلع و لا الطلاق الرجعي و لا غيره إلا إذا أوقع بلفظ الطلاق أو اتبعه بصيغته.

مسألة ١١ ـ لو قال أبوها: «طلقها و أنت بريء من صداقها» و كانت بالغة رشيدة فطلقها صح الطلاق و كان رجعياً بشرائطه و الشرط المتقدم في المسألة السابقة، و لم تبرأ ذمته بذلك ما لم تبرأ، و لم يلزم عليها الابراء ولا يضمنه الأب.

مسألة ١٢ ـ لو جعلت الفداء مال الغير أو ما لا يملكه المسلم كالخمر مع العلم بذلك بطل البذل فبطل الخلع و صار الطلاق رجعياً بالشرط المتقدم ولو جعلته مال الغير مع الجهل بالحال فالمشهور صحة الخلع و ضمانها للمثل أو القيمة، وفيه تأمل.

مسألة ١٣ ـ يشترط في الخلع على الأحوط أن تكون كراهة الزوجة شديدة

عوض قرار دینا جائز ہے چاہے وہ اصل شے ہو یا اس کی منفعت، کم ہو یا زیادہ، اور چاہے مقررہ مہر سے زیادہ ہی ہو۔ چنانچہ اگر چیز موجود ہو تو اس کو دیکھ لینا ہی کافی ہے۔ لیکن اگر چیز موجود نہ ہو بلکہ وہ اس کا ذمّہ لیتی ہو یا (وہ چیز) غائب ہو تو اس کی جنس، وصف اور مقدار کو ذکر کیا جائے۔ بلکہ بعید نہیں ہے کہ اس امر میں اس سے بھی زیادہ کی گنجائش ہو۔ چنانچہ ایسی چیز دینا جو کسی کے علم میں ہو صحیح ہو۔ جیساکہ ایسی چیز دے جو صندوق میں ہے اور یہ معلوم ہو کہ وہ چیز مالیت والی ہے۔ اور شوہر کے ذمّہ جو مہر ہے اس کو بذل کرنا بھی صحیح ہے چاہے فعلاً دونوں کو معلوم نہ ہو۔ بلکہ اگر بعد میں بھی معلوم نہ ہو تو اقویٰ یہ ہے کہ اس کے مثل میں بھی صحیح ہے۔ اور صحیح ہے کہ شوہر کے بچے کو دودھ پلانے کو (خلع میں طلاق کا عوض قرار دیا جائے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مدّت معیّن ہو۔ اور بعید نہیں ہے کہ حاجیوں کی واپسی یا پھل تیار ہونے تک کی مدّت مقرر کرنا صحیح ہو۔ اور اگر عوض بطور کلّی عورت کے ذمّہ ٹھہرایا جائے تو اس کو فوری اور مدت دار قرار دینا جائز ہے۔ لیکن مدت معیّن ہو چاہے مذکورہ مدّت (حاجیوں کی واپسی وغیرہ) ہی کی مانند ہو۔

مسئلہ ۱۰: "بذل فدا" چاہے عورت کرے یا اس کا وکیل دونوں طرح صحیح ہے۔ اس طرح کہ وکیل اس کیطرف سے اس کے مال میں سے۔ یا ایسے مال میں سے جو اس کے ذمّہ ہو طلاق کا عوض ادا کرے لیکن اگر کوئی شخص عورت کی اجازت سے اس کی طرف سے ضامن بن کر عوض ادا کرے اور دینے کے بعد اس سے واپس لیلے۔ تو آیا یہ صحیح ہے؟ مثلاً عورت اس سے یوں کہے "میرے شوہر سے میری طلاق کا مطالبہ کریں اور اس کے بدلے میں آپ اسے ہزار درہم دیں اور بعد میں آکر مجھ سے لے لیں" چنانچہ وہ شخص یہی کرے اور شوہر بھی اسے طلاق دے دے؟ اس میں دو وجہیں بلکہ دو قول ہیں۔ دوسرا قول رجحان سے خالی نہیں۔ جیساکہ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو مفت میں عوض ادا کرے اور بعد میں عورت سے مطالبہ بھی نہ کرے چنانچہ اگر بیوی اپنے شوہر سے کہے "مجھے زید کے مکان یا اس کے ذمّہ ایک ہزار کے عوض طلاق دے دو اور شوہر اسکو طلاق دیدے اور زید نے اذن دے رکھا ہو یا بعد میں اجازت دیدے تو نہ خلع صحیح ہے اور نہ طلاق رجعی اور نہ اس کے علاوہ کوئی اور طلاق۔ مگر یہ کہ لفظ طلاق سے جاری کیا ہو یا صیغۂ خلع کے بعد صیغۂ طلاق پڑھا ہو۔

مسئلہ ۱۱: اگر بیوی کا باپ کہے "اسے طلاق دے دو اور تم مہر سے بری ہو" اور بیوی بالغہ اور عاقلہ ہو۔ چنانچہ شوہر اس کو طلاق دے تو وہ طلاق اپنی شرائط اور پہلے مسئلہ میں بیان شدہ شرط کے ساتھ رجعی کہلائے گی۔ اور جب تک عورت اس شخص کو بری الذمّہ نہ کرے وہ مہر سے بری الذمّہ نہیں ہوگا۔ اور عورت پر اسے بری کرنا لازم نہیں اور نہ ہی باپ اس (مہر) کا ضامن ہے۔

مسئلہ ۱۲: اگر کسی دوسرے کے مال یا ایسی چیز کو طلاق کا عوض قرار دیا جائے۔ کہ مسلمان جس کا مالک نہیں بن سکتا جیسے شراب جبکہ اس کا علم رکھتا ہو تو عوض باطل ہے۔ لہٰذا خلع بھی باطل ہے۔ اور گذشتہ شرط کے ساتھ طلاق رجعی ہوگی۔ لیکن اگر نہ جانتے ہوئے دوسرے کے مال کو عوض قرار دے تو مشہور یہ ہے کہ خلع صحیح ہے اور عورت اس مال کے مثل یا قیمت کی ضامن ہے۔ لیکن اس میں تامّل ہے۔

مسئلہ ۱۳: خلع میں احتیاطاً شرط ہے کہ زوجہ شوہر سے سخت نفرت کرتی ہو۔ جس کی بنا پر اپنے قول

بحيث يخاف من قولها أو فعلها أو غيرهما الخروج عن الطاعة و الدخول في المعصية.

مسألة ١٤ - الظاهر أنه لا فرق بين أن تكون الكراهة المشترطة في الخلع ذاتية ناشئة من خصوصيات الزوج كقبح منظره و سوء خلقه و فقره و غير ذلك و بين أن تكون ناشئة من بعض العوارض مثل وجود الضرّة و عدم إيفاء الزوج بعض الحقوق الواجبة أو المستحبة، نعم إن كانت الكراهة و طلب المفارقة من جهة إيذاء الزوج لها بالسب و الشتم والضرب و نحوها فتريد تخليص نفسها منها فبذلت شيئاً ليطلقها فطلقها لم يتحقق الخلع، و حرم عليه ما أخذه منها، و لكن الطلاق صح رجعيا بالشرط المتقدم.

مسألة ١٥ - لو طلقها بعوض مع عدم الكراهة و كون الأخلاق ملتئمة لم يصح الخلع و لم يملك العوض و لكن صح الطلاق بالشرط المتقدم، فان كان مورده الرجعي كان رجعياً و إلا بائناً.

مسألة ١٦ - طلاق الخلع بائن لا يقع فيه الرجوع ما لم ترجع المرأة فيما بذلت، و لها الرجوع فيه ما دامت في العدة، فاذا رجعت كان له الرجوع إليها.

مسألة ١٧ - الظاهر اشتراط جواز رجوعها في المبذول بامكان رجوعه بعد رجوعها، فلو لم يمكن كالمطلقة ثلاثاً و كما إذا كانت ممن ليست لها عدة كاليائسة و غير المدخول بها لم يكن لها الرجوع في البذل، بل لايبعد عدم صحة رجوعها فيه مع فرض عدم علمه بذلك إلى انقضاء محل رجوعه فلو رجعت عند نفسها ولم يطلع عليه الزوج حتى انقضت العدة فلا أثر لرجوعها.

مسألة ١٨ - المباراة قسم من الطلاق، فيعتبر فيه جميع شروطه المتقدمة و يعتبر فيه ما يشترط في الخلع من الفدية و الكراهة، فهي كالخلع طلاق بعوض ما تبذله المرأة، و تقع بلفظ الطلاق بأن يقول الزوج بعد مابذلت له شيئاً ليطلقها: «أنت طالق على ما بذلت» ولو قرنه بلفظ «بارأتك» كان الفراق بلفظ الطلاق من غير دخل للفظ «بارأتك» و لا يقع بقوله «بارأتك» مجرداً.

غسل یا اس کے علاوہ سے کسی اور وجہ سے شوہر کی اطاعت سے خارج ہونے اور معصیت میں داخل ہوجانے کا خوف ہو۔

مسئلہ۱۴: ظاہراً خلع میں جو کراہت شرط ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ ذاتی ہو یعنی شوہر کی بعض خصوصیات جیسے بدصورتی۔ بد خلقی اور فقر وغیرہ کی وجہ سے ہو یا اس کا منشا دوسرے عوارض ہوں جیسے سوتن کا وجود۔ یا شوہر کا اس کے واجب یا مستحب حقوق پورے نہ کرنا۔

البتہ اگر کراہت اور جدائی طلبی کا سبب، شوہر کا اپنی بیوی کو گالم گلوچ یا مار پیٹ کے ذریعہ اذیت پہونچانا ہو اور بیوی اس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے عوض دے کر طلاق لے تو خلع صحیح نہیں۔ اور شوہر نے جو کچھ لیا ہے وہ اس پر حرام ہے۔ لیکن گذشتہ شرط کے ساتھ طلاق رجعی صحیح ہوگی۔

مسئلہ۱۵: اگر عوض لے کر طلاق دے جبکہ کراہت نہ ہو اور دونوں کا اخلاق سازگار ہو تو خلع صحیح نہیں۔ اور شوہر عوض کا مالک نہیں ہوگا۔ لیکن گذشتہ شرط کے ساتھ طلاق ہوگی۔ چنانچہ اگر رجعی کا مقام ہو تو رجعی (طلاق) ہوگی نہیں تو بائن ہوگی۔

مسئلہ۱۶: طلاق خلع "بائن" ہوتی ہے جس میں اس وقت تک رجوع واقع نہیں ہوسکتا جب تک عورت اس عوض کا مطالبہ نہ کرے جو اس نے دیا ہے۔ اور عورت عدت کے اندر عوض واپس لے سکتی ہے۔ پس جب عورت عوض میں رجوع کرے تو شوہر کو بھی اسے زوجہ بنا لینے کا حق حاصل ہے۔

مسئلہ۱۷: ظاہراً عورت کیلئے عوض واپس لینے کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کے بعد مرد کے لئے اسکی طرف رجوع کرنا ممکن ہو۔ چنانچہ اگر مرد کیلئے رجوع ممکن نہ ہو جیسے تین طلاقہ ہو۔ یا ان عورتوں میں سے ہو جن پر عدت نہیں جیسے یائسہ اور غیر مدخولہ، تو اسکو طلاق کے عوض دیئے گئے مال کو واپس لینے کا حق نہیں۔ بلکہ بعید نہیں کہ اس صورت میں عوض میں اسکا رجوع صحیح ہی نہ ہو کہ جب مرد کو اس کا علم نہ ہو اور اسکے ہاتھ سے عورت کی طرف رجوع کرنے کا موقع نکل جائے۔ چنانچہ اگر عورت اپنے طور پر عوض میں رجوع کرے اور شوہر کو اس کی خبر نہ ہو۔ یہاں تک کہ عدت گذر جائے۔ تو ایسا رجوع بے اثر ہے۔

مسئلہ۱۸: مبارات۔ طلاق کی ایک قسم ہے، اور مذکورہ تمام شرائط اسمیں معتبر ہیں اور خلع میں جو فدیہ اور کراہت شرط ہے وہ اسمیں بھی ہے۔ چنانچہ یہ خلع ہی کی مانند وہ طلاق ہے کہ جسے عورت عوض دیکر حاصل کرتی ہے۔ اور یہ لفظِ طلاق سے واقع ہوتی ہے جسکی صورت یہ ہے کہ عورت جب شوہر کو طلاق کی خاطر عوض دے چکے تو شوہر کہے "انت طالق علی ما بذلت" اور اگر اسکے ساتھ لفظ (بارأتکِ) کو بھی ملائے تو جدائی لفظِ طلاق ہی کے ذریعہ ہوگی لفظ "بارأتکِ" کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوگا۔ اور صرف لفظ "بارأتکِ" کے ذریعہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

مسألة ١٩ ـ تفارق المباراة الخلع بأمور: أحدها ـ أنها تترتب على كراهة كل من الزوجين لصاحبه، بخلاف الخلع فانه يترتب على كراهة الزوجة خاصة، ثانيها ـ أنه يشترط فيها أن لا تكون الفداء بأكثر من مهرها بل الأحوط أن يكون أقل منه بخلاف الخلع، فانه فيه على ما تراضيا، ثالثها ـ أنها لا تقع بلفظ «بارأتك» ولــو جمع بينه و بين لفظ الطلاق يكون الفراق بالطلاق وحده، بخلاف الخلع فان الأحوط وقوعه بلفظ الخلع و الطلاق جمعاً كما مرّ.

مسألة ٢٠ ـ طلاق المباراة بائن ليس للزوج الرجوع فيه إلا أن ترجع الزوجة في الفدية قبل انقضاء العدة، فله الرجوع إليها حينئذ.

مسئلہ ۱۹: مبارات اور خلع میں چند چیزوں کا فرق ہے۔ اوّل:۔ مبارات میں دونوں طرف سے کراہت ہوتی ہے۔ جبکہ خلع صرف بیوی کی ناپسندیدگی کی بناء پر ہوتی ہے۔ دوم:۔ مبارات میں شرط ہے کہ عوض مہر سے زیادہ نہ ہو بلکہ احتیاط یہ ہے کہ اس سے کم ہو برخلاف خلع کے، کہ اس میں جتنے عوض پر دونوں راضی ہوجائیں صحیح ہے۔ سوم:۔ مبارات لفظ" بارأتُكِ" کے ذریعہ واقع نہیں ہوتی اور اگر اس کو اور لفظ طلاق دونوں کو ذکر کرے تو جدائی صرف لفظِ طلاق کی وجہ سے ہوگی جبکہ خلع میں ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں احتیاط لفظ خلع اور طلاق دونوں کے ذریعہ واقع ہونے میں ہے۔ جیساکہ بیان ہوچکا ہے۔

مسئلہ ۲۰: طلاق مبارات بائن کہلاتی ہے۔ جس میں شوہر کو رجوع کا حق نہیں مگر یہ کہ زوجہ عدّت پوری ہونے سے پہلے عوض کا مطالبہ کرے تو اس وقت شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہوگا۔

maablib.org

كتاب الظهار

لذي كان طلاقاً في الجاهلية و موجباً للحرمة الأبدية، و قد غيّر شرع
دم حكمه و جعله موجباً لتحريم الزوجة المظاهرة و لزوم الكفارة بالعود كما
ف تفصيله.

مسألة ١ ـ صيغة الظهار أن يقول الزوج مخاطباً للزوجة: «أنت علي كظهر
» أو يقول بدل أنت «هذه» مشيراً إليها أو «زوجتي» أو «فلانة» و يجوز
ل «عليّ» بقوله: «مني» أو «عندي» أو «لدي» بل الظاهر عدم اعتبار ذكر
ة «عليّ» و أشباهه أصلاً بأن يقول «أنت كظهر أمي» ولو شبهها بجزء آخر
أجزاء الأم غير الظهر كرأسها أو يدها أو بطنها ففي وقوع الظهار قولان،
وطها ذلك، ولو قال: أنت كأمي أو أمي قاصداً به التحريم لا علو المنزلة و
عظيم أو كبر السن و غير ذلك لم يقع و إن كان الأحوط وقوعه، بل لا يترك
احتياط.

مسألة ٢ ـ لو شبهها باحدى المحارم النسبية غير الأم كالبنت و الأخت فمع
كر الظهر بأن يقول مثلاً: «أنت عليّ كظهر أختي» يقع الظهار على الأقوى، و
دونه كما إذا قال: كأختي أو كرأس أختي لم يقع على إشكال.

مسألة ٣ ـ الموجب للتحريم ما كان من طرف الرجل، فلو قالت المرأة: أنت

کتابِ ظہار

ظہار زمانۂ جاہلیت میں طلاق تھی اور حرمت ابدی کا موجب ہوتی تھی۔ شریعتِ اسلام نے اس کا حکم بدل کر اس کو ظہار کی گئی زوجہ کے حرام اور (حلیت) عود کرنے کے لئے کفارہ لازم ہونے کا موجب قرار دیا ہے جس کی تفصیل آپ عنقریب جان جائیں گے۔

مسئلہ ۱: ظہار کا صیغہ یہ ہے کہ شوہر بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہے "انت علی کظھر امی" "تم مجھ پر میری ماں کی کمر جیسی ہو" یا "انتِ" کے بجائے "ھذہ" کہے اور اسکی طرف اشارہ کرے یا "زوجتی" یا "فلانة" کہے۔ اور علی کی جگہ "منی" یا "عندی" یا "لدی" بھی جائز ہے۔ بلکہ ظاہراً علی یا اس جیسے الفاظ کو ذکر کرنا ہی معتبر نہیں بلکہ صرف یہی کہہ دے (تو کافی ہے) "انت کظھر امی" "تم میری ماں کی کمر جیسی ہو۔ اور اگر کمر کے علاوہ ماں کے جسم کے کسی اور حصے جیسے "سر" "ہاتھوں" یا پیٹ سے اپنی بیوی کو تشبیہ دے تو ظہار واقع ہونے یا نہ ہونے میں دو قول ہیں۔ احتیاط یہ ہے کہ (ظہار) واقع ہو جائے گا۔ اور اگر یوں کہے "تم میری ماں جیسی ہو۔ یا میری ماں ہو اور اس سے کی بزرگی، تعظیم یا معمر ہونے کا نہیں بلکہ حرام ہونے کا قصد کرے تو ظہار واقع نہیں ہوگا اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ واقع ہو جائے گا بلکہ احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۲: اگر بیوی کو ماں کے علاوہ اپنی کسی نسبی رشتہ دار جیسے بہن اور بیٹی سے تشبیہ دے اور کمر کا ذکر کرے مثلاً یوں کہے "تم مجھ پر میری بہن کی "کمر" جیسی ہو تو اقویٰ یہ ہے کہ ظہار واقع ہو جائے گا اور اگر "کمر" کا ذکر نہ کرے مثلاً اپنی بہن یا اس کے سر سے تشبیہ دے تو واقع نہیں ہوگا۔ لیکن مسئلہ میں اشکال ہے۔

مسئلہ ۳: اگر "ظہار" مرد کی طرف سے ہو تو (بیوی کے) اس پر حرام ہونے کا باعث ہے۔ چنانچہ اگر

علي كظهر أبي أو أخي لم يؤثر شيئاً.

مسألة ٤ ـ يشترط في الظهار وقوعه بحضور عدلين يسمعان قول المظاهر كالطلاق، وفي المظاهر البلوغ و العقل و الاختيار و القصد، فلا يقع من الصبي و لا المجنون ولا المكره ولا الساهي و الهازل و السكران، ولا مع الغضب سواء كان سالباً للقصد أم لا على الأقوى، وفي المظاهرة خلوها عن الحيض و النفاس، و كونها في طهر لم يواقعها فيه على التفصيل المذكور في الطلاق، و في اشتراط كونها مدخولاً بها قولان، أصحهما ذلك.

مسألة ٥ ـ الأقوى عدم اعتبار دوام الزوجية بل يقع على المتمتع بها.

مسألة ٦ ـ الظهار على قسمين: مشروط و مطلق، فالأول ما علق على شيء دون الثاني، ويجوز التعليق على الوطء بأن يقول: «أنت علي كظهر أمي إن واقعتك».

مسألة ٧ ـ إن تحقق الظهار بشرائطه فان كان مطلقا حرم على المظاهر وطء المظاهرة، و لا يحل له حتى يكفّر، فاذا كفّر حلّ له وطؤها، و لا يلزم كفارة أخرى بعد وطئها، ولو وطأها قبل أن يكفّر فعليه كفارتان والأشبه عدم حرمة سائر الاستمتاعات قبل التكفير، وإن كان مشروطاً حرم عليه الوطء بعد حصول شرطه، فلو علقه على الوطء لم يحرم عليه الوطء المعلق عليه، و لا تتعلق به الكفارة.

مسألة ٨ ـ إذا طلقها رجعياً ثم راجعها لم يحل له وطؤها حتى يكفر بخلاف ما إذا تزوجها بعد انقضاء عدتها أو كان بائنا، ولو تزوجها في العدة يسقط حكم الظهار.

مسألة ٩ ـ كفارة الظهار أحد أمور ثلاثة مرتبة: عتق رقبة، فان عجز عنه فصيام شهرين متتابعين، و إن عجز عنه فاطعام ستين مسكينا.

مسألة ١٠ ـ لو صبرت المظاهرة على ترك وطئها فلا اعتراض، و إن لم تصبر رفعت أمرها إلى الحاكم الشرعي فيحضره ويخيره بين الرجعة بعد التكفير و بين

عورت کہے "تم مجھ پر میرے باپ یا بھائی کی "کمر" جیسے ہو تو اس کا کوئی اثر نہیں۔

مسئلہ ۴: ظہار میں طلاق کی مانند شرط یہ ہے کہ دو عادلوں کی موجودگی میں واقع ہو اور وہ ظہار کرنے والے کا قول سنیں۔ اور ظہار کرنے والے کا بالغ، عاقل، با اختیار و ارادہ ہونا شرط ہے۔ چنانچہ بچے، دیوانے، مجبور کئے گئے شخص، بھولے سے اور مذاق میں اور نشے میں ظہار کرنے والے کا ظہار واقع نہیں ہوگا۔ اسی طرح اقویٰ یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں بھی ظہار واقع نہیں ہوگا چاہے غصہ ارادے کو سلب کرے یا نہ۔ اور جس عورت سے ظہار کیا جائے اس کا حیض و نفاس سے پاک ہونا، اور اس طہر میں ہونا شرط ہے کہ جس میں شوہر نے اس کے ساتھ ہمبستری نہ کی ہو۔ اس تفصیل کے مطابق جس کا ذکر کتاب طلاق میں گذر چکا۔ اور عورت کا مدخولہ ہونا شرط ہونے میں دو قول ہیں۔ دونوں میں سے اصح یہ ہے کہ مدخولہ ہونا شرط ہے۔

مسئلہ ۵: اقویٰ یہ ہے کہ دائمی زوجہ ہونا معتبر نہیں بلکہ متعہ والی (عورت) سے بھی ظہار ہو سکتا ہے۔

مسئلہ ۶: ظہار کی دو قسمیں ہیں۔ ۱: مشروط ۲: مطلق۔ مشروط اسے کہتے ہیں جو کسی چیز پر معلق ہو۔ اور مطلق وہ ہے جو معلق نہ ہو۔ اور وطی پر معلق کرنا جائز ہے۔ مثلاً یوں کہے "تو مجھ پر میری ماں کی کمر کی مانند ہے اگر میں تجھ سے وطی کروں"۔

مسئلہ ۷: جب تمام شرطوں کے ساتھ ظہار واقع ہو جائے۔ تو اگر (ظہار) مطلق ہو تو ظہار کرنے والے پر ظہار کی گئی عورت کے ساتھ وطی کرنا حرام ہے۔ اور جب تک کفارہ نہ ادا کر دے وطی حلال نہیں ہوگی۔ چنانچہ کفارہ ادا کر دینے کے بعد اسکے ساتھ وطی حلال ہوگی۔ اور اس کے ساتھ وطی کرنے کے بعد دوسرا کفارہ لازم نہیں۔ لیکن اگر کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس کے ساتھ وطی کرے تو اس پر دو کفارے واجب ہوں گے۔ اور اشبہ یہ ہے کہ کفارہ دینے سے پہلے وطی کے علاوہ دوسرے طریقوں سے لذتیں اٹھانا حرام نہیں ہے۔ اور اگر (ظہار) مشروط ہو تو شرط حاصل ہو جانے کے بعد اس پر وطی کرنا حرام ہے۔ چنانچہ اگر (ظہار کو) وطی پر معلق کرے تو جس وطی پر معلق کیا ہے وہ اس پر حرام نہیں اور اس کی وجہ سے کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۸: جب عورت کو طلاق رجعی دے کر اس کی طرف رجوع کرے تو جب تک کفارہ نہ ادا کر دے اس پر (عورت) کے ساتھ وطی حلال نہیں ہوگی برخلاف اس کے اگر عدت گذر جانے کے بعد اس سے شادی کرے یا عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو۔ (تو اس صورت میں حلال ہوگی) اور اگر عدت کے دوران اس کے ساتھ شادی کرے تو حکم ظہار ساقط ہو جائے گا۔

مسئلہ ۹: ظہار کا کفارہ تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز بالترتیب ہے۔ غلام آزاد کرنا۔ اگر اس سے عاجز ہو تو پے در پے دو ماہ روزے رکھنا، اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

مسئلہ ۱۰: اگر ظہار کی گئی عورت ترک وطی پر صبر کرے تو کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن اگر صبر نہ کرے تو حاکم شرع سے شکایت کرے۔ چنانچہ حاکم شرع شوہر کو حاضر کر کے کفارہ دے کر رجوع کرنے اور طلاق دینے

طلاقها، فان اختار أحدهما و إلا أنظره ثلاثة أشهر من حين المرافعة، فان انقضت المدة و لم يختر أحدهما حبسه وضيق عليه في المأكل و المشرب حتى يختار أحدهما، و لا يجبره على أحدهما ولا يطلق عنه.

میں سے ایک چیز کا اختیار دے گا۔ اگر وہ ایک چیز اختیار کرے نبھا! لیکن اگر ایسا نہ کرے تو شکایت کے وقت سے اسے تین ماہ کی مہلت دے گا چنانچہ اگر مدت گذر جائے اور وہ کسی چیز کو اختیار نہ کرے تو اسے قید کر لیا جائے گا اور کھانے پینے میں اس پر سختی کی جائے گی یہاں تک کہ وہ ایک چیز اختیار کرے۔ لیکن نہ اسے مجبور کرے گا اور نہ (حاکم شرع) اس کی طرف سے طلاق دے گا۔

كتاب الايلاء

و هو الحلف على ترك وطء الزوجة الدائمة المدخول بها أبداً أو مدة تزيد على أربعة أشهر للاضرار بها، فلا يتحقق بغير القيود المذكورة و إن انعقد اليمين مع فقدها، و يترتب عليه آثاره إذا اجتمع شروطه.

مسألة ١ - لا ينعقد الايلاء كمطلق اليمين إلا باسم الله تعالى المختص به أو الغالب إطلاقه عليه، ولا يعتبر فيه العربية، ولا اللفظ الصريح في كون المحلوف عليه ترك الجماع في القبل، بل المعتبر صدق كونه حالفاً على ترك ذلك العمل بلفظ له ظهور فيه، فيكفي قوله: «لا أطأك» أو «لا أجامعك» أو «لا أمسّك»، بل وقوله: «لا جمع رأسي و رأسك وسادة أو مخدة» إذا قصد به ترك الجماع.

مسألة ٢ - لو تم الايلاء بشرائطه فان صبرت المرأة مع امتناعه عن المواقعة فلا كلام، و إلا فلها الرفع إلى الحاكم فيحضره و ينظره أربعة أشهر فان رجع و واقعها في هذه المدة فهو، و الا أجبره على أحد الأمرين: إما الرجوع أو الطلاق، فان فعل أحدهما وإلا حبسه وضيق عليه في المأكل و المشرب حتى يختار أحدهما، ولا يجبره على أحدهما معيناً.

مسألة ٣ - الأقوى أن الأشهر الأربعة التي ينظر فيها ثم يجبر على أحد الأمرين بعدها هي من حين الرفع إلى الحاكم.

کتابِ ایلاء

دائمی مدخولہ بیوی کے ساتھ ہمیشہ کیلئے یا چار ماہ سے زیادہ عرصہ کیلئے اسے نقصان پہنچانے کی خاطر ترکِ وطی کی قسم کھانے کو ایلاؔ کہتے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ قیود کے بغیر ایلاؔ متحقق نہیں ہوتا۔ اگرچہ ان قیود کے نہ ہوتے ہوئے قسم متحقق ہوجاتی ہے۔ اور اگر قسم کے شرائط موجود ہوں تو اس کے آثار مترتب ہوں گے۔

مسئلہ ۱: مطلق یمین کی طرح "ایلاء" بھی اللہ کے مخصوص نام یا اس نام کے بغیر منعقد نہیں ہوتا کہ جس کا استعمال غالباً اسی کی ذات کے لئے ہوتا ہے۔ اسکا عربی میں ہونا یا ایسے کھلے الفاظ میں ہوناکہ جو "قُبُل" میں ترک جماع پر دلالت کرتے ہوں ضروری نہیں، بلکہ معتبر یہ ہے کہ اس شخص پر یہ صادق آئے کہ اس نے اس عمل کو ترک کرنے کی قسم کھائی ہے اور ایسے الفاظ میں ہو جن سے قسم کا ظہور ہوتا ہو۔ چنانچہ اس کا یہ کہنا کافی ہے: "میں تجھ سے وطی نہیں کروں گا" یا "میں تجھ سے جماع نہیں کروں گا" یا "میں تجھے نہیں چھوؤں گا" بلکہ اگر ترک جماع کا قصد کرتے ہوئے یہ کہے، "کہ میرے اور تمہارے سر کو ایک تکیہ یا بستر یکجا نہ کرے" تو کافی ہے۔

مسئلہ ۲: "ایلاء" اپنی شرطوں کے ساتھ مکمل ہونے کے بعد اگر عورت شوہر کے اسکے ساتھ ہمبستری کے اس بائیکاٹ پر صبر کرے تو اس میں کسی کلام کی گنجائش نہیں۔ لیکن صبر نہ کرنیکی صورت میں اسے حاکم شرع سے شکایت کرنیکا حق ہے۔ چنانچہ حاکم شرع اس شخص کو حاضر کرکے اسے چار ماہ کی مہلت دے۔ چنانچہ اس مدت میں اگر وہ شخص اپنی قسم توڑ کر اس سے (عورت سے) ہمبستری کرے تو فبھا! لیکن اگر ایسا نہ کرے تو حاکم شرع اسے دوؔ میں سے ایک کام کرنے پر مجبور کرے گا۔ یا قسم سے پھر جائے۔ یا (بیوی کو) طلاق دیدے۔ چنانچہ اگر وہ ایک کام انجام دے تو مسئلہ حل ہے۔ بصورت دیگر اسکو قید کرکے کھانے پینے میں اس پر سختی کی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ دو میں سے ایک کام کو اختیار کرے۔ لیکن حاکم شرع اسے معیّن طور پر کسی ایک کام پر مجبور نہ کرے۔

مسئلہ ۳: مہلت کے وہ چار مہینے کہ جنکے بعد شوہر کو دوؔ میں سے ایک کام کے اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے، اقوی یہ ہے کہ ان کا آغاز حاکم شرع سے شکایت کے وقت سے ہونا چاہیئے۔

مسألة ٤ ـ يزول حكم الايلاء بالطلاق البائن و إن عقد عليها في العدة بخلاف الرجعي فانه و إن خرج بذلك من حقها فليست لها المطالبة و الترافع إلى الحاكم لكن لا يزول حكم الايلاء إلا بانقضاء عدتها، فلو راجعها في العدة عاد إلى الحكم الأول، فلها المطالبة بحقها و المرافعة.

مسألة ٥ ـ متى وطأها الزوج بعد الايلاء لزمته الكفارة سواء كان في مدة التربص أو بعدها أو قبلها، لأنه قد حنث اليمين على كل حال و إن جاز له هذا الحنث، بل وجب بعد انقضاء المدة و مطالبتها و أمر الحاكم به تخييراً، و بهذا يمتاز هذا الحلف عن سائر الأيمان، كما أنه يمتاز عن غيره بأنه لايعتبر فيه ما يعتبر في غيره من كون متعلقه مباحاً تساوى طرفاه أو كان راجحاً ديناً أو دنياً.

مسئلہ ۴: طلاق بائن کی وجہ سے حکم ایلاء زائل ہو جاتا ہے چاہے عدت کے اندر اس عورت کے ساتھ نکاح ہی کیوں نہ کرلے۔ برخلاف طلاقِ رجعی کے۔ اس لئے کہ اگرچہ طلاقِ رجعی کی وجہ سے عورت حقدار نہیں رہتی اور اسے حاکم شرع سے شکایت اور مطالبہ کا حق نہیں لیکن حکم ایلاء عدت گذرنے سے پہلے زائل نہیں ہوتا چنانچہ اگر عدت کے اندر اس سے رجوع کرے تو پہلا حکم دوبارہ پلٹ آئے گا۔ لہٰذا عورت کو اپنے حق کے مطالبے اور شکایت کا حق ہوگا۔

مسئلہ ۵: ایلاء کے بعد جب شوہر اپنی بیوی سے وطی کرے تو اس پر کفارہ لازمی ہو جاتا ہے۔ چاہے انتظار کی مدت میں یا اس سے پہلے یا اسکے بعد ہو۔ اس لئے کہ ہر حالت میں اس نے قسم توڑی ہے۔ اگرچہ اس مورد میں اس کے لئے قسم توڑنا جائز ہے۔ بلکہ جب مدت گذر جائے اور عورت مطالبہ کرے اور حاکم شرع اس مخیر کرکے حکم دے تو قسم توڑنا واجب ہے۔ اور ایلاء میں اور دوسری تمام قسموں میں یہی فرق ہے۔ جیسا کہ دوسری قسموں اور اس میں یہ فرق ہے کہ جو چیز دوسری قسموں میں معتبر ہے وہ اس میں معتبر نہیں اور وہ یہ کہ اس قسم (ایلاء) کا متعلق مباح ہے جس کے دونوں جانب مساوی ہیں یا وہ دین اور دُنیا کے اعتبار سے رجحان رکھتا ہے۔

كتاب اللعان

وهي مباهلة خاصة بين الزوجين، أثرها دفع الحد أو نفي الولد.

مسألة ١ ـ إنما يشرع اللعان في مقامين: أحدهما ـ فيما إذا رمى الزوج زوجته بالزنا، ثانيهما ـ فيما إذا نفى ولدية من ولد في فراشه مع إمكان لحوقه به.

مسألة ٢ ـ لايجوز للرجل قذف زوجته بالزنا مع الريب، ولا مع غلبة الظن ببعض الأسباب المريبة، بل ولا بالشياع ولا باخبار ثقة، نعم يجوز مع اليقين، لكن لا يصدّق إذا لم تعترف به الزوجة و لم تكن بينة، بل يحدّ حدّ القذف مع مطالبتها إلا اذا أوقع اللعان الجامعة للشروط الآتية، فيدرأ عنه الحدّ.

مسألة ٣ ـ يشترط في ثبوت اللعان بالقذف أن يدعي المشاهدة، فلا لعان فيمن لم يدعها و من لم يتمكن منها كالأعمى، فيحدان مع عدم البينة، و أن لا تكون له بينة، فان كانت تتعين إقامتها لنفي الحد و لا لعان.

مسألة ٤ ـ يشترط في ثبوت اللعان أن تكون المقذوفة زوجة دائمة فلا لعان في قذف الأجنبية، بل يحدّ القاذف مع عدم البينة، و كذا في المنقطعة على الأقوى، و أن تكون مدخولاً بها، و إلا فلا لعان، و أن تكون غير مشهورة بالزنا، و إلا فلا لعان، بل ولا حدّ حتى يدفع باللعان بل عليه التعزير لو لم يدفعه عن نفسه بالبينة، نعم لو كانت متجاهرة بالزنا لا يبعد عدم ثبوت التعزير أيضاً، و يشترط

کتابِ لعان

میاں بیوی کے درمیان ایک خاص مباہلے کو لعان کہتے ہیں۔ جسکا اثر یہ ہے کہ "حد" ٹل جاتی ہے اور بچے کی نفی ہوجاتی ہے۔

مسئلہ ۱: شریعت میں دو جگہ لعان ہے۔ اول اسوقت کہ جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے دوسرے اس وقت کہ جب اپنے فراش میں پیدا ہونیوالے بچے کے اپنا ہونے سے انکار کردے جبکہ بچے کا اسکے ساتھ ملحق ہونیکا امکان ہو۔

مسئلہ ۲: شک کی بناء پر یا بعض شک میں مبتلا کرنیوالے اسباب سے گمانِ غالب کی بناء پر شوہر کے لئے بیوی پر زنا کی تہمت لگانا جائز نہیں۔ بلکہ شہرت اور ثقہ کے خبر دینے کی بناء پر بھی جائز نہیں۔ البتہ اگر یقین ہو تو جائز ہے۔ لیکن گر بیوی اعتراف نہ کرے اور گواہ بھی نہ ہوں تو اسکی تصدیق نہیں کی جائیگی۔ بلکہ بیوی کے مطالبہ کرنے پر اس تہمت لگانے کی حد جاری کی جائے گی۔ مگر یہ کہ آئندہ بیان ہونیوالی شرطوں کے مطابق جامع شرائط "لعان" واقع کرکے اپنے اوپر سے حد کو ٹال دے۔

مسئلہ ۳: قذف (تہمت لگانے) کی وجہ سے لعان ثابت ہونے میں مشاہدہ کا دعویٰ شرط ہے چنانچہ جو شخص مشاہدے کا دعویٰ نہ کرے اور وہ اس پر قدرت بھی نہ رکھتا ہو، جیسے نابینا! تو اس میں "لعان" نہیں ہے۔ لہٰذا گواہ نہ ہونے کی صورت میں دونوں قسم کے اشخاص پر حد جاری کی جائے گی ثبوت لعان کی ایک شرط یہ ہے کہ گواہ نہ رکھتا ہو۔ چنانچہ اگر گواہ موجود ہوں تو پیش کرے تاکہ حد ٹل جائے۔ اور اس صورت میں لعان نہیں ہے۔

مسئلہ ۴: ثبوتِ لعان کی ایک شرط یہ ہے کہ جس پر تہمت لگائی جائے وہ دائمی بیوی ہو۔ چنانچہ اجنبی عورت پر تہمت لگانے میں لعان نہیں بلکہ گواہ نہ ہونے کی صورت میں تہمت لگانے والے پر حد جاری کی جائیگی۔ اور اقویٰ یہ ہے کہ یہی حکم متعہ والی کا بھی ہے۔ (ثبوتِ لعان) کی ایک شرط یہ ہے کہ عورت مدخولہ ہو، غیر مدخولہ میں لعان نہیں۔ اور یہ کہ زنا میں شہرت نہ رکھتی ہو چنانچہ اگر مشہور ہو تو لعان نہیں۔ بلکہ حد بھی نہیں کہ جس کو لعان کے ذریعہ ٹالا جائے۔ بلکہ اگر گواہوں کے ذریعہ اپنا بچاؤ نہ کرسکے تو اس پر تعزیر ہے۔ البتہ اگر علی الاعلان زنا کرواتی ہو تو تعزیر ثابت

في اللعان أيضاً أن تكون كاملة سالمة عن الصمم و الخرس.

مسألة ٥ ـ لا يجوز للرجل أن ينكر ولدية من تولد في فراشه مع إمكان لحوقه به بأن دخل بأمه أو أمنى في فرجها أو حواليه بحيث أمكن جذب الرحم إياه، وقد مضى من ذلك إلى زمان وضعه ستة أشهر فصاعداً و لم يتجاوز عن أقصى مدة الحمل، حتى فيما إذا فجر أحد بها فضلاً عما إذا اتهمها، بل يجب الاقرار بولديته، نعم يجب عليه أن ينفيه ولو باللعان مع علمه بعدم تكّونه منه من جهة علمه باختلال شروط الالتحاق به إذا كان بحسب ظاهر الشرع ملحقاً به لو لا نفيه لئلا يلحق بنسبه من ليس منه فيترتب عليه حكم الولد في الميراث و النكاح و نظر محارمه و غير ذلك.

مسألة ٦ ـ لو نفى ولدية من ولد في فراشه فان علم أنه دخل بأمه دخولاً يمكن معه لحوق الولد به أو أقر بذلك و مع ذلك نفاه لا يسمع منه و لا ينتفي منه لا باللعان و لا بغيره، و أما لو لم يعلم ذلك و لم يقرّ به و قد نفاه إما مجرداً عن ذكر السبب بأن قال: «هذا ليس ولدي» أو مع ذكره بأن قال: «لأني لم أدخل بأمه أصلاً» أو أنكر دخولاً يمكن تكوّنه منه فحينئذ و إن لم ينتف عنه بمجرد نفيه لكن باللعان ينتفي عنه بشرط ثبوت الدخول، و مع عدم ثبوته لم يشرع اللعان مطلقا.

مسألة ٧ ـ إنما يشرع اللعان لنفي الولد إذا كانت المرأة منكوحة بالعقد الدائم، و أما ولد المتمتع بها فينتفي بنفيه من دون لعان و إن لم يجز له نفيه مع عدم علمه بالانتفاء، ولو علم أنه دخل بها أو أمنى في فرجها أو حواليه بحيث يمكن أن يكون الولد منه أو أقر بذلك و مع ذلك قد نفاه لم ينتف عنه بنفيه، و لم يسمع منه ذلك كالدائمة.

مسألة ٨ ـ لا فرق في مشروعية اللعان لنفي الولد بين كونه حملاً أو منفصلاً.

مسألة ٩ ـ من المعلوم أن انتفاء الولد عن الزوج لا يلازم كونه من زنا، لاحتمال تكونه من وطء الشبهة أو غيره، فلو علم الرجل بعدم التحاق الولد به و إن جاز له بل وجب عليه نفيه عن نفسه لكن لا يجوز له أن يرميها بالزنا و ينسب

نہ ہونا بھی بعید نہیں ہے۔ اور لعان کی ایک شرط یہ ہے کہ عورت حاملہ ہو، بہری اور گونگی نہ ہو۔

مسئلہ ۵: مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے فراش میں پیدا ہونے والے بچے کا باپ ہونے سے انکار کرے جبکہ بچے کا اسکے ساتھ ملحق ہونا ممکن ہو۔ ملحق ہونیکی وجہ یہ ہو اس نے اسکی ماں کے ساتھ مجامعت کی ہو یا اسکی شرمگاہ میں یا اسکے اطراف میں منی گرائی ہو۔ کہ جس کو رحم کے لئے جذب کر لینا ممکن ہو۔ اور اسوقت سے وضع حمل تک چھ ماہ یا اس سے زیادہ کا عرصہ گذر جائے۔ اور زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل سے تجاوز نہ کرے۔ حتیٰ (وہاں بھی بچے کا انکار نہیں کر سکتا) کہ جب کسی نے اس سے زنا کیا ہو چہ جائیکہ اس پر زنا کا الزام لگانے کی بناء پر انکار کرے۔ بلکہ اس پر واجب ہے کہ بچے کی ولدیت کا اقرار کرے۔ البتہ اگر اسکو علم ہو کہ بچے کے اسکے ساتھ الحاق کی شرطیں مفقود ہیں اور اگر وہ بچے کا انکار نہ کرے تو ظاہر شریعت کی بناء پر بچہ اسکے ساتھ ملحق ہو جائیگا تو اپنے اس علم کی بناء پر اس پر واجب ہے کہ بچے کا انکار کر دے چاہے "لعان" ہی کرنا پڑے تاکہ جو اسکا نہیں وہ اسکے نسب میں ملحق نہ ہو کہ اس پر میراث، نکاح اور محرموں کو دیکھنے وغیرہ کے سلسلہ میں اسکا بچہ ہونے کے احکام مترتب ہوں۔

مسئلہ ۶: اگر یہ جانتے ہوئے کہ اس نے بچے کی ماں کی ساتھ اس طرح مجامعت کی ہے جسکے باعث بچے کا اس کے ساتھ ملحق ہونا ممکن ہے یا اس بات کا اقرار کرنے کے باوجود اپنے فراش میں پیدا ہونے والے بچے کا باپ ہونے سے انکار کر دے تو اس کا انکار نہیں مانا جائے گا۔ اور بچہ کو اس سے الگ نہیں کیا جائے گا نہ "لعان" کے ذریعہ اور نہ اس کے علاوہ کسی چیز کے ذریعہ۔ لیکن اگر اس بات کا علم نہ رکھتا ہو اور نہ اسکا اقرار کیا ہو اور بچے کا انکار کر دے اور اپنے انکار کے سبب کا ذکر نہ کرے مثلاً یوں کہے "یہ میرا بچہ نہیں" یا سبب کا ذکر کرے۔ مثلاً اس طرح کہے "یہ میرا بچہ نہیں اس لئے کہ میں نے اسکی ماں کے ساتھ اصلاً مجامعت ہی نہیں کی" یا اسطرح مجامعت کرنیکا انکار کرے جسکے باعث بچے کا اسکے ساتھ ملحق ہونا ممکن ہوتا ہو تو ایسی صورتمیں اگرچہ فقط اسکے انکار سے بچہ اس سے الگ نہیں ہوگا لیکن "لعان" کے ذریعے الگ ہو جائیگا بشرطیکہ مجامعت ثابت ہو جائے۔ چنانچہ مجامعت ثابت نہ ہونے کی صورت میں مطلق طور پر لعان جائز ہی نہیں۔

مسئلہ ۷: بچے کے انکار کے لئے لعان اسی صورت میں مشروع ہے کہ جب عورت کے ساتھ دائمی عقد ہوا ہو۔ متعہ والی عورت کا بیٹا تو صرف اس کے انکار سے ہی اس سے الگ ہو جائے گا لعان کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اگرچہ بچے کا انکار اس کے لیے جائز نہیں اس وقت تک جب تک کہ اسکو علم نہ ہو کہ بچہ اپنا نہیں ہے۔ چنانچہ اگر اسکو معلوم ہو کہ اس نے بچے کی ماں کے ساتھ مجامعت کی ہے اور اسکی شرمگاہ میں یا اسکے اطراف میں اسطرح منی گرائی ہے کہ جس کی بناء پر ممکن ہے کہ بچہ اسی کا ہو یا اس چیز کا اقرار کرنے کے باوجود بچے کا انکار کر دے تو بچہ اس سے الگ نہیں ہوگا اور دائمی بیوی کی مانند متعہ والی کے سلسلہ میں اس کی بات نہیں سُنی جائے گی۔

مسئلہ ۸: انکارِ ولد کیلئے لعان کے شروع ہونے میں کوئی فرق نہیں کہ بچہ شکمِ مادر میں ہو یا پیدا ہو چکا ہو۔

مسئلہ ۹: معلوم ہے کہ اگر شوہر بچے کا انکار کر دے تو اسکا لازمہ یہ نہیں کہ بچہ ولد الزنا ہے۔ اس لئے کہ یہ احتمال دیا جا سکتا ہے کہ وطی شبہ یا کسی اور سبب سے ہو۔ چنانچہ اگر بچے کے اپنے ساتھ ملحق ہونے کے بعد مرد کو اس چیز کا علم ہو جائے (کہ بچہ اس کا نہیں) تو اگرچہ اس کے لئے جائز ہے بلکہ واجب ہے کہ وہ بچے کا انکار کر دے لیکن اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ عورت پر زنا کا الزام لگائے اور اسکے بچے کو زنا کی طرف نسبت دے۔

ولدها بكونه من زنا.

مسألة ١٠ ـ لو أقر بالولد لم يسمع إنكاره له بعد ذلك، سواء كان إقراره صريحاً أو كناية مثل أن يبشر به و يقال له: «بارك الله لك في مولودك» فيقول: «آمين» أو «إن شاء الله تعالى» بل قيل: إنه إذا كان الزوج حاضراً وقت الولادة و لم ينكر الولد مع ارتفاع العذر لم يكن له إنكاره بعده، بل نسب ذلك الى المشهور لكن الأقوى خلافه.

مسألة ١١ ـ لا يقع اللعان إلا عند الحاكم الشرعي، و الأحوط أن لا يقع حتى عند المنصوب من قبله لذلك، و صورته أن يبدأ الرجل و يقول بعد ماقذفها أو نفى ولدها: «أشهد بالله أني لمن الصادقين فيما قلت من قذفها ـ أو نفي ولدها ـ» يقول ذلك أربع مرات، ثم يقول مرة واحدة: «لعنة الله عليّ إن كنت من الكاذبين» ثم تقول المرأة بعد ذلك أربع مرات «أشهد بالله أنه لمن الكاذبين في مقالته من الرمي بالزنا ـ أو نفي الولد ـ» ثم تقول مرة واحدة: «أن غضب الله عليّ إن كان من الصادقين».

مسألة ١٢ ـ يجب ان تكون الشهادة و اللعن على الوجه المذكور، فلو قال أو قالت: أحلف أو أقسم أو شهدت أو أنا شاهد أو أبدلا لفظ الجلالة بغيره كالرحمان و خالق البشر و نحوهما أو قال الرجل: إني صادق أو لصادق أو من الصادقين بغير ذكر اللام أو قالت المرأة: إنه لكاذب أو كاذب أو من الكاذبين لم يقع، و كذا لو أبدل الرجل اللعنة بالغضب و المرأة بالعكس.

مسألة ١٣ ـ يجب أن يكون إتيان كل منهما باللعان بعد إلقاء الحاكم إياه عليه، فلو بادر به قبل أن يأمر الحاكم به لم يقع.

مسألة ١٤ ـ يجب أن تكون الصيغة بالعربية الصحيحة مع القدرة عليها، و إلا أتى بالميسور منها و مع التعذر أتى بغيرها.

مسألة ١٥ ـ يجب أن يكونا قائمين عند التلفظ بألفاظها الخمسة، و هل يعتبر أن يكونا قائمين معاً عند تلفظ كل منهما أو يكفي قيام كل عند تلفظه بما يخصه؟

مسئلہ ۱۰: اگر بچّے کا اقرار کرے تو اس کے بعد اس کا انکار نہیں سنا جائے گا۔ چاہے اس کا اقرار صریح ہو یا کنائے میں ہو مثلاً جب اس کو خوشخبری دیتے ہوئے اس سے کہا جائے، "اللہ بچّے کو آپ کے لئے مبارک کرے" تو وہ اس کے جواب میں "آمین" یا "انشاء اللہ تعالےٰ" کہے۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ اگر ولادت کے وقت شوہر موجود ہو اور کوئی عذر نہ ہوتے ہوئے بھی بچّے کا انکار نہ کرے تو اس کے بعد انکار کا حق نہیں رکھتا۔ بلکہ اس قول کو مشہور کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ لیکن اقویٰ اس کے برخلاف ہے۔

مسئلہ ۱۱: لعان صرف حاکم شرع کے حضور میں واقع ہوگا۔ اور احتیاط یہ ہے کہ کسی اور کے سامنے واقع نہیں ہوگا حتیٰ اس شخص کے سامنے بھی نہیں کہ جس کو حاکم شرع نے اس کام کے لئے منصوب کیا ہو۔

اس کا طریقہ یہ ہے:۔ مرد ابتداء کرے اور عورت پر تہمت لگانے یا اس کے بچّے کا انکار کرنے کے بعد کہے، "میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے جو اس پر تہمت لگائی ہے۔ یا اس کے بچّے کی نفی کی ہے۔ میں اس میں سچا ہوں" چار مرتبہ یہ شہادت دے پھر ایک بار کہے "اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو" اس کے بعد عورت چار مرتبہ کہے "میں خدا کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ یہ شخص مجھ پر تہمت لگانے یا میرے بچّے کا انکار کرنے میں جھوٹا ہے" پھر ایک بار کہے۔ "اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو"

مسئلہ ۱۲: واجب ہے کہ گواہی اور لعنت مذکورہ طریقہ ہی کے مطابق ہوں۔ چنانچہ اگر اس کی جگہ مرد اور عورت یہ کہیں کہ ہم حلف اٹھاتے ہیں۔ یا ہم قسم کھاتے ہیں یا گواہی دیتے ہیں۔ یا ہم گواہ ہیں۔ یا اللہ کی جگہ کوئی دوسرا لفظ جیسے رحمٰن اور خالق لبشر وغیرہ استعمال کریں۔

یا مرد کہے "انی صادق" یا "لصادق" یا "من الصادقین" اور لام ذکر نہ کرے۔ یا عورت کہے "انہ لکاذب" یا "کاذب" یا "من الکاذبین" تو لعان واقع نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح اگر مرد لعنت کو غضب میں تبدیل کردے اور عورت اس کے برعکس کہے۔

مسئلہ ۱۳: واجب ہے کہ دونوں میں ہر ایک اس وقت لعان پڑھے جب حاکم شرع اسے القاء کرے چنانچہ اگر حاکم شرع کے حکم دینے سے پہلے پڑھ دیں تو لعان نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۱۴: عربی زبان پر قادر ہونے کی صورت میں واجب ہے کہ لعان کا صیغہ صحیح عربی میں پڑھا جائے اور اگر قادر نہ ہوں تو جس قدر ممکن ہو صحیح پڑھے۔ اور اگر معذور ہوں تو کسی اور زبان میں پڑھا جا سکتا ہے۔

مسئلہ ۱۵: واجب ہے کہ پانچوں صیغے قیام کی حالت میں پڑھے جائیں۔ اور آیا ضروری ہے کہ جب ایک پڑھ رہا ہو تو دونوں ایک ساتھ کھڑے ہوں یا جو شخص پڑھ رہا ہو صرف اس کا قیام کی حالت میں ہونا کافی ہے، احتیاط یہ ہے کہ دونوں کھڑے ہوں بلکہ یہ قوت سے خالی نہیں۔

أحوطهما الأول، بل لا يخلو من قوة.

مسألة ١٦ - إذا وقع اللعان الجامع للشرائط منهمايترتب عليه أحكام أربعة: الأول- انفساخ عقد النكاح والفرقة بينهما، الثاني- الحرمة الأبدية، فلا تحل له أبداً ولو بعقد جديد، و هذان الحكمان ثابتان في مطلق اللعان، سواء كان للقذف أو لنفي الولد، الثالث- سقوط حدّ القذف عن الزوج بلعانه، و سقوط حدّ الزنا عن الزوجة بلعانها، فلو قذفها ثم لاعن و نكلت هي عن اللعان تخلص الرجل عن حدّ القذف، و تحد المرأة حد الزانية، لأن لعانه بمنزلة البينة في إثبات الزنا، الرابع- انتفاء الولد عن الرجل دون المرأة إن تلاعنا لنفيه، بمعنى أنه لو نفاه و ادعت كونه له فتلاعنا لم يكن توارث بين الرجل والولد، و كذا بين الولد و كل من انتسب إليه بالأبوة كالجد و الجدة و الأخ والأخت للأب و كذا الأعمام و العمات، بخلاف الأم و من انتسب إليه بها، حتى أن الاخوة للأب و الأم بحكم الاخوة للأم.

مسألة ١٧ - لو كذّب نفسه بعد ما لاعَنَ لنفي الولد لحق به الولد فيما عليه لا فيما له، فيرثه الولد و لا يرثه الأب و لا من يتقرب به و لا يرث الولد أقارب أبيه باقراره.

مسئلہ ۱۶: دونوں کی طرف سے جامع الشرائط لعان پر چار حکم مترتب ہوتے ہیں۔ پہلا حکم :۔ یہ ہے کہ نکاح ٹوٹ جائے گا اور دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔ دوسرا حکم :۔ یہ ہے کہ ابدی حرمت پیدا ہو گی۔ چنانچہ وہ عورت اس مرد پر کبھی حلال نہیں ہو گی چاہے نیا عقد ہی کیوں نہ کرنا چاہے۔ اور یہ دونوں حکم مطلق لعان میں ثابت ہیں۔ چاہے تہمت کے لئے ہو یا بچے کے انکار کے لئے۔ تیسرا حکم :۔ یہ ہے کہ شوہر کے لعان سے اس پر سے قذف کی حد اور بیوی کے لعان سے اس پر سے زنا کی حد برطرف ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر مرد عورت پر تہمت لگانے کے بعد لعان کرے لیکن عورت لعان کرنے سے انکار کر دے تو مرد کو تو تہمت کی حد سے چھٹکارا مل جائے گا۔ لیکن عورت پر زنا کی "حد" جاری کی جائے گی۔ اس لئے کہ مرد کا لعان زنا کے اثبات کے لئے گواہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ چوتھا حکم یہ ہے کہ :۔ اگر مرد و عورت "نفی ولد" کے لئے لعان کریں تو مرد سے بچہ الگ ہو جائے گا لیکن عورت سے الگ نہیں ہو گا۔ یعنی اگر مرد بچے کا انکار کرے اور عورت کا دعویٰ ہو کہ بچہ اسی کا ہے۔ چنانچہ دونوں لعان کریں تو بچے اور مرد کے درمیان میراث نہیں ہو گی۔ اور اسی طرح بچے اور باپ کی طرف سے اس کے نسبی رشتہ داروں جیسے دادا، دادی، بھائی، بہن پدری اور اسی طرح چچے، پھپیاں وغیرہ کے درمیان میراث نہیں ہو گی۔ برخلاف ماں اور اس کے رشتہ داروں کے! حتیٰ پدری اور مادری بھائی بھی مادری بھائیوں کے حکم میں ہوں گے۔

مسئلہ ۱۷: بچے کے انکار کی خاطر لعان کر چکنے کے بعد اگر اپنے آپ کو جھٹلائے تو بچہ اس کے نقصان میں اس کے ساتھ ملحق ہو گا۔ اس کے فائدوں میں ملحق نہیں ہو گا چنانچہ بچہ میراث پائے گا۔ لیکن باپ اور اس کے قرابت داروں کو اس کی میراث نہیں ملے گی۔ لیکن باپ کے اقرار کی وجہ سے بچہ اس کے اقرباء کا وارث نہیں بنے گا۔

فہرست

کتابِ رہن ―――――― ۵
کتابِ حجر ―――――― ۲۱
صغر کے احکام ―――――― ۲۱
احکامِ سفاہت ―――――― ۲۷
احکامِ فلس ―――――― ۳۱
مفلس کے احکام ―――――― ۳۱
بیماری کے احکام ―――――― ۳۹
کتابِ ضمان ―――――― ۴۳
کتابِ حوالہ ―――――― ۵۳
احکامِ کفالت ―――――― ۵۹
کتابِ وکالت ―――――― ۶۷
کتابِ اقرار ―――――― ۸۵
کتابِ ہبہ ―――――― ۹۹
کتابِ وقف اور اس کے متعلقات ―――――― ۱۰۹

خاتمہ ۱۵۲
حبس اور اسکے ملحقات کے احکام ۱۵۲
صدقہ کے احکام ۱۵۹
کتابِ وصیت ۱۶۳
کتابِ قسم و نذر اور ان کی قسمیں ۱۹۵
نذر ۲۰۳
عہد ۲۱۷
کتابِ کفارات ۲۱۹
احکامِ کفارات ۲۲۱
کتابِ شکار ۲۳۷
ذبح کے احکام ۲۵۵
کتابِ اشیائے خورد و نوش ۲۷۳
حیوان ۲۷۳
غیر حیوان ۲۸۷
کتابِ غصب ۳۰۳
اراضئ موات ۳۴۵
تکملہ ۳۶۷
احکامِ مشترکات ۳۶۹
کتابِ لقطہ ۳۹۳
گمشدہ حیوان کے احکام ۳۹۳
حیوان کے علاوہ گم شدہ چیزوں کے احکام ۳۹۷
خاتمہ ۴۱۷
کتابِ نکاح ۴۲۱
عقدِ نکاح اور اس کے احکام ۴۲۹
اولیائے عقد کے احکام ۴۵۳
اسبابِ تحریم ۴۶۹
نسب کے احکام ۴۶۹
رضاعت (دودھ پلانے کے احکام) ۴۷۳
ایک ضروری جانکاری ۴۸۵
مصاہرت (دامادی) کے احکام ۴۹۳

عدت کی تکمیل اور اس میں شادی کے احکام ۵۰۳
احکامِ کفر ۵۰۷
متعہ کے احکام ۵۱۵
خیارِ فسخ کا موجب بننے والے عیوب اور تدلیس کے احکام ۵۲۱
مہر کے احکام ۵۲۹
خاتمۂ عقدِ نکاح میں رکھی جانیوالی شرطوں کے بارے میں ۵۳۹
قسم، نافرمانی اور عداوت کے احکام ۵۳۹
احکام نشوز (نافرمانی) ۵۴۳
اولاد اور ولادت کے احکام ۵۴۷
ولادت اور اس کے ملحقات کے احکام ۵۵۱
نفقے کے احکام ۵۵۹
نفقۂ اقرباء کے احکام ۵۶۹
کتابِ طلاق ۵۷۹
شرائطِ طلاق ۵۷۹
صیغۂ طلاق کے احکام ۵۸۵
اقسامِ طلاق ۵۹۱
عدتوں کے احکام ۵۹۵
عدتِ وفات ۶۰۱
وطی شبہ کی عدت کے احکام ۶۱۳
احکامِ رجوع ۶۱۹
کتابِ خلع و مبارات ۶۲۳
کتابِ ظہار ۶۳۳
کتابِ ایلا ۶۳۹
کتابِ لعان ۶۴۳

maablib.org

maablib.org